اِحیاء العُلوم

المعروف احیاء العلوم الدین کا بامحاورہ مستند اردو ترجمہ

مِصباح السّالکین

مُصنّف:

ابو حامد حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: مولانا محمد صدیق ہزاروی

پروگریسو بکس

عُمدۃ المتکلمین زُبدۃ العارفین قُدوۃ السالکین حُجۃ الاسلام امام

ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ

کی تحقیقِ انیق اور علوم معارف کا بے بہا خزانہ

جلد اول

احیاء علوم الدین

المعروف احیاء العلوم کا با محاورہ مستند اردو ترجمہ

مصباح السالکین

مترجم: علامہ مولانا محمد صدیق ہزاروی دامت برکاتہم عالیہ

پروگریسو بکس

6- یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ اردو بازار ○ لاہور

فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احیاءِ علوم الدین

تصنیف — حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم — مولانا محمد صدیق ہزاروی مدظلہ
جلد — اول
باراول — جولائی 2003ء
باردوم — جون 2005ء
بارسوم — جنوری 2013ء
تصحیح/پروف ریڈنگ — مولانا محمد یٰسین قصوری/محمد عبداللہ قادری
مولانا محمد اختر رضا القادری/محمد ادریس قادری
پرنٹرز — آصف صدیق پرنٹرز لاہور
ناشر — چوہدری غلام رسول۔ میاں جواد رسول
میاں شہزاد رسول
قیمت مکمل سیٹ — =/ روپے

ملنے کے پتے

اسلام بک ڈپو
۱۴۔ گنج بخش روڈ لاہور فون 042-37112941
0323-8836776

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5- مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس
6- یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ اُردو بازار ○ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

عرضِ ناشر

اَلحمدُ لِلّٰہِ ربّ العٰلمین اللہ کا صد ہا شکر و احسان ہے کہ اُس نے اِس دینی ادارہ "پروگریسو بکس" کو امام غزالیؒ کی مشہور و معروف تصنیف "احیاء علوم الدّین" کا ترجمہ اسکے شایانِ شان شائع کرنیکی سعادت عطا فرمائی۔ قبل ازیں ہم امام غزالیؒ کی مشہور و معروف اور ہر دلعزیز تصانیف "کیمیائے سعادت" اور "منہاج العابدین" شہرۂ آفاق مترجم علامہ محمد سعید احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم کیساتھ شائع کر چکے ہیں۔ انکے علاوہ ادیب شہیر عالم بے بدل مترجم بے نظیر و دلپذیر علامہ شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے مشہور زمانہ کتب غنیۃ الطالبین، تاریخ الخلفاء، نفحات الانس جامی وغیرہ کے تراجم شائع کر چکے ہیں۔ بازار میں ان سے بہتر تراجم دستیاب نہیں۔

اِدارہ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ ادارہ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی عارفانہ و صوفیانہ کتب کے تراجم شائع کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔ اور اعلیٰحضرت مولانا امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی لاجواب کتب و رسائل منظرِ عام پر لانے میں بلاشبہ ادارہ کی خدمات مثالی ہیں۔

ادارہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ قارئین کو ایسا لٹریچر فراہم کیا جائے جو کہ اپنی مثال آپ ہو۔ اس میں ہم کس حد تک کامیاب رہے ہیں اسکا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

ادارہ نے اب "احیاء علوم الدّین" کے ترجمہ کی سعادت حاصل کی ان شاء اللہ تعالیٰ علمائے کرام اور قارئین حضرات اسکو سراہیں گے۔ "احیاء علوم الدّین" کے مترجم عالم ذی وقار صاحب تصنیف کثیرہ (تقریباً پچاس) حضرت علامہ محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی ہیں۔ انہوں نے نہ صرف درس

نظامی کی بہت سی کتب کے تراجم اور شروحات لکھی ہیں بلکہ احادیث کی مشہور و معروف کتب ترمذی شریف، طحاوی شریف اور ریاض الصالحین کے تراجم بھی کیے ہیں۔ آپ کا اسلوب بیان سلاست اور رنگینی عبارت میں بے مثال ہے۔ ان کی شگفتہ بیانی اور عبارت کی شائستگی لائق تحسین ہے۔ الغرض انہیں تصنیف و ترجمہ کے میدان میں یدطولیٰ حاصل ہے۔ آپ نے نہایت ہی مختصر عرصہ میں اس میدان میں شہرت حاصل کی ہے۔

آخر میں ہم علمائے کرام، مشائخ عظام اور قارئین کرام کے شکر گزار ہیں کہ وہ اس ادارہ "پروگریسو بکس" کی کتب و تراجم کو ترجیح دیتے ہیں اور ادارہ کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ انکی یہ حوصلہ افزائی ہی ہے کہ ہم مزید علمی و تحقیقی کتب اور تراجم پیش کرنے کیلئے کوشاں ہیں۔

اللہ رب العزت جل جلالہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری کوششوں کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے۔ انہیں ہمارے لیے وسیلۂ بخشش بنائے اور دینِ اسلام کی مزید خدمت کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

چوہدری غلام رسول

میاں جواد رسول

فہرست جلد اوّل

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
نماز کے شرائط	۴۱۹	مغرب کی سنتیں	۴۸۸
خشوع کرنے والوں کی نماز کے بارے میں کچھ واقعات	۴۳۳	عشاء کی سنتیں	۴۸۹
		وتر	۴۹۰
چوتھا باب	۴۳۸	چاشت کی نماز	۴۹۲
(امامت کا بیان)	//	**دوسری قسم**	۴۹۳
امام پر کیا کیا باتیں لازم ہیں	//	اتوار کے دن کے نوافل	//
قرأتِ قرآن	۴۴۳	سوموار کے دن کے نوافل	۴۹۴
پانچواں باب	۴۴۹	منگل کے دن کے نوافل	۴۹۵
جمعۃ المبارک کی فضیلت	//	بدھ کے دن کے نوافل	۴۹۶
آداب و سُنن اور شرائط	//	جمعرات کے دن کے نوافل	//
فضیلتِ جمعہ	//	جمعہ کے دن کے نوافل	۴۹۷
شرائطِ جمعہ	۴۵۲	ہفتہ کے دن کے نوافل	۴۹۸
جمعہ کی سنتیں	۴۵۳	اتوار کی رات کے نوافل	//
وجوبِ جمعہ کی شرائط	۴۵۴	سوموار کی رات کے نوافل	۴۹۹
عادت کی ترتیب پر آدابِ جمعہ	//	منگل کی رات کے نوافل	۵۰۰
بعض دیگر آداب و سُنن	۴۶۶	بدھ کی رات کے نوافل	//
چھٹا باب	۴۷۵	جمعرات کی رات کے نوافل	۵۰۲
متفرق مسائل	//	جمعۃ المبارک کی رات کے نوافل	//
ساتواں باب	۴۸۴	ہفتہ کی رات کے نوافل	۵۰۳
(نوافل کا بیان)	//	**تیسری قسم**	۵۰۴
پہلی قسم	۴۸۵	عیدین کی نماز	//
فجر کی سنتیں	//	نمازِ تراویح	۵۰۶
ظہر کی سنتیں	۴۸۶	ماہ رجب کی نماز	۵۰۸
عصر کی سنتیں	۴۸۸	ماہ شعبان کی نماز	۵۰۹

مضمون	صفحہ

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک اہم مقصد "تزکیۂ قلوب" ہے قرآن پاک میں " ویزکیھم " کے الفاظِ مبارکہ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ، "تزکیۂ قلوب" کی افادیت اور اہمیت سے کسے مجالِ انکار ہو سکتی ہے جب کہ "دل کی پاکیزگی" احکام شریعت کی بجا آوری اور نفس و شیطان کے دام تزویر سے نجات کا بنیادی پتھر ہے۔

امت مسلمہ کے صلحاء اور علماء نے نیابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضۂ انجام دیتے ہوئے ہر دور میں فلاح انسانیت کے اس اہم راستے کو اپنایا اور اپنی گرانقدر تصانیف کے ذریعے دولت کی ہوس جاہ و مرتبہ کی چاہت اور نخوت و تکبر کی خواہش کے بتوں کو پاش پاش کیا چنانچہ جن لوگوں نے ان حکمت و موعظت سے بھرپور اور اخلاق حسنہ کے گرانقدر خزانہ تصانیف سے استفادہ کیا ان کے نزدیک دنیوی دولت پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی اور وہ تخت اقتدار کو ٹھوکر مارنے سے بھی گریز نہیں کرتے ان کی نگاہ میں دلق و سجادہ کی جو وقعت ہے تخت سکندری کو بھی وہ مقام حاصل نہیں ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے "احیاء علوم الدین" ایسی نہایت بیش قیمت تصنیف کے ذریعے نہ معلوم کتنے گم گشتگان راہ کو راہ حق کا مسافر بنایا اور کتنے ہی وہ خوش نصیب ہیں جن کی زندگیوں میں اس درِّ یکتا نے انقلاب بپا کیا۔

"احیاء العلوم" کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ اکابرِ امت جلیل القدر علماء و صوفیاء نے اس کتاب کی عظمتوں کو سلام کیا اور نہایت قیمتی الفاظ سے اسے خراج تحسین پیش کیا۔

حضرت شیخ ابو محمد کازرونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"اگر تمام علوم ناپید ہو جائیں تو میں (ان کو) احیاء العلوم سے نکال لوں گا"

(کتاب تعریف الاحیاء ص ۷)

قطب الاولیاء شیخ عبداللہ عیدروس رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

"میں نے کئی سال احیاء العلوم کا مطالعہ کیا ایک ایک فصل اور ایک حرف کو بار بار پڑھا اور اس میں غور و فکر کیا تو ہر دن میرے سامنے بڑے بڑے علوم و اسرار اور عمدہ مفہومات ظاہر ہوئے جو پہلے مجھے حاصل نہ تھے اور نہ ہی اس سے پہلے ان تک کسی کی رسائی ہوئی" (ایضاً)

وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ فوت شدہ لوگوں کو زندہ کر دے تو وہ زندہ لوگوں کو صرف ان باتوں کی وصیت کریں گے جو احیاء العلوم میں درج ہیں" ایضاً)

"احیاء علوم الدین" عربی زبان میں لکھی گئی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ عربی زبان سے ناواقف شخص کے لیے اس سے استفادہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہ کتاب اسے ایسی زبان میں نہ ملے جس کے ذریعے وہ اس کتاب کو پڑھ سکے۔

آج سے کافی عرصہ پہلے احیاء العلوم کو اُردو زبان میں منتقل کیا گیا جو یقیناً اُردو دان طبقہ کے لیے ایک اچھی کوشش تھی لیکن بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسے نئے ترجمہ کی ضرورت اپنی جگہ باقی تھی جو جدید دور کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

پروگریسو بکس اردو بازار لاہور کے میاں شہباز رسول جو دینی کتب کی اشاعت کے ذوق سے مالا مال ہیں، نے راقم سے ایک ملاقات میں احیاء العلوم کے ترجمہ کی فرمائش کی بلکہ اس قدر اصرار کیا کہ راقم کو اپنی علمی بے بضاعتی اور مصروفیت و ہجوم کار کے باوجود انکار یا فرار کی راہ نظر آئی۔ چنانچہ راقم نے احیاء العلوم کا اردو ترجمہ لکھنا شروع کر دیا حقیقت یہ ہے کہ راقم کو احیاء العلوم سے جو فیض حاصل ہوا وہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا اور اگر یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ اس ناچیز اور کم علم، کا قلم و قرطاس سے جو ربط قائم ہے وہ قدوۃ الاصفیاء حضرت امام غزالی اور حضرت غزالیٔ دوران علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہما اللہ کا عظیم فیضان ہے۔

حضرت سید وجاہت رسول قادری مدظلہ صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکال کر نہایت عمدہ اور مبسوط تقدیم تحریر فرما کر راقم کی حوصلہ افزائی فرمائی فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

حضرت مولانا مفتی محمد رب نواز زید مجدہ نے نہایت محنت اور کاوش سے حوالہ جات کی تخریج کے ذریعے کتاب کی وقعت کو کر دیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ادارہ پروگریسو بکس نے راقم کو یہ ذمہ داری سونپ کر اس سعادت سے بہرہ مند ہونے کا شرف بخشا ہے اس پر جناب میاں غلام رسول اور ان کے نوجوان متحرک صاحبزادے جناب میاں شہباز رسول کا شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ دینی کتب کی اشاعت کے سلسلے میں ان کی مساعی کو بار آور فرمائے اور اس راستے میں حائل مشکلات کے ازالہ میں ان کی مدد فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد صدیق ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

۳؍ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ/ یکم فروری ۱۹۹۸ء بروز اتوار

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاش می گویم واز گفتہ او دل شادم

حجتہ الاسلام امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان کی نابغۂ عصر ہستی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ایسی ہستیاں صدیوں میں منصۂ شہود پر آتی ہیں۔ ان کا شمار اُن ذواتِ مقدسہ میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس عالم ناپائیدار کی رنگا رنگ دلچسپیوں سے بیگانہ ہو کر دین متین کی معرفت، خود آگاہی و خدا آگاہی کی منزل کے حصول، علم حقیقی و یقینی کے ادراک اور اس کے اور جذبۂ عرفان محبّت الٰہی و عشقِ نبیِ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابلاغ و فروغ میں صرف کیا۔ ان کے خیال و فکر کی ہر ہر لہر میں "ہو اللہ" کی آوازیں ہیں اور قلم کی ہر ہر جنبش میں خدائے لم یزل کی معرفتیں پوشیدہ ہیں۔ ان کی تحریر کی ہر سطر محبت و اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیتی ہے۔

حجتہ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی محمد ابن محمد ابن محمد تھا۔ اور کنیت ابو حامد خاندان میں سوت اور دھاگے کا کام ہوتا تھا اسی مناسبت سے آپ خود کو غزالی کہتے تھے، عربی کی اصطلاح میں غزال اسی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت خراسان کے شہر طاہران میں ۴۵۰ھ / ۱۰۵۲ء میں ہوئی۔

آپ کے والد ماجد محمد بن محمد خود زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن آپ کو علماء و صوفیاء کی مجلسوں میں بیٹھنے کا شوق تھا، علماء و مشائخ کی فیضِ صحبت سے علم کی فیض رسانی اور اس کی اعلیٰ صلاحیتوں کا ادراک تھا اس لیے دل سے چاہتے تھے کہ ان کے دونوں صاحبزادگان محمد غزالی اور احمد غزالی زیورِ علم شریعت و طریقت سے آراستہ ہوں، چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ نے اپنے صاحبزادگان کے لیے کچھ اثاثہ بھی پس انداز کیا جو آپ کے انتقال پر ان دونوں سعادت مند بیٹوں کے حصول علم اور سوز تکمیل علم میں بہت کام آیا۔

امام صاحب کی پوری زندگی علم کی پیاس بجھانے کے لیے سفر اور نقل مکانی میں گذری۔ انہوں نے علوم شریعت میں کمال حاصل کرنے کے لیے اپنے زمانے کے تمام علوم متداولہ عقلیہ اور نقلیہ میں دسترس حاصل کی مثلاً۔ اصول فقہ، فقہ علم حدیث منطق، فلسفہ، علم کلام، علم اخلاق تصوف وغیرھا۔

تحصیل علم کی ابتدائی منزل میں ایک حادثہ نے آپ کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا جو آپ کے ذوق و شوق طلب علم کے لیے ایک مہمیز ثابت ہوا۔

آپ طاہران میں اپنے استاد احمد بن محمد سے جو اپنے وقت کے جید عالم تھے، ابتدائی علوم کی تکمیل کے بعد ان کے

مشورے پر درس نظامی میں شمولیت کے لیے جرجان تشریف لے گئے جہاں آپ نے علامہ ابو نصر اسمٰعیلی سے کسب علم کیا۔
جب آپ جرجان سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد واپس لوٹ رہے تھے تو راستے میں ڈاکوؤں نے آپ کے قافلے کو لوٹ لیا آپ کی بھی تمام متاع لوٹ لی گئی حتیٰ کہ وہ ضخیم مجموعہ تحریر (نوٹس) جو آپ نے دوران تعلیم سبقاً سبقاً اور موضوع کے اعتبار سے بڑی کاوش سے تیار کیا تھا اور جو آپ کے اب تک کے علمی سفر کا ایک بہت عظیم سرمایہ تھا اور آپ کو جان سے زیادہ عزیز تھا وہ بھی ڈاکوؤں نے آپ سے چھین لیا۔ آپ اپنی جان ومال کی پرواہ کئے بغیر ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور فرمایا کہ تم لوگ میرا سب کچھ لے سکتے ہو لیکن وہ میرا مجموعہ تحریر تمہارے کسی کام کا نہیں، میرا سب کچھ علم اسی میں ہے وہ مجھے واپس کر دو۔ ڈاکوؤں کا سردار ہنسا اور یہ کہہ کر آپ کا کتابچہ واپس کر دیا "واہ صاحبزادے آپ نے جو کچھ پڑھا وہ اس کتاب میں رکھ دیا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھا"۔ آپ کو سردار کے ان الفاظ پر بہت ندامت ہوئی واپسی آپ نے اس کتابچہ میں جو کچھ تحریر تھا نہ یہ کہ سب ازبر کر لیا بلکہ ان میں مذکورہ تمام علوم اور دیگر علوم وفنون میں ایسا کمال حاصل کیا کہ دنیائے علم آج تک آپ کے استحضار علمی پر حیرت زدہ ہے۔
اسی بناء پر آپ کو "حجۃ الاسلام" کا لقب دیا گیا کہ آپ کی زبان وقلم اہل علم وفن کے نزدیک سند کا درجہ رکھتی ہے۔
بعد میں طلب علم کی سرمستی اور تحصیل علم میں درجہ کمال طے کرنے کی خواہش اس زمانہ کے مشہور مروجہ مدرسہ نظامیہ میں داخلہ کے حصول کے لیے نیشاپور لے آتی ہے۔ یہ ملک کی سب سے بڑی جامعہ تھی۔ یہاں کے شیخ الجامعہ کو "امام الحرمین" کہا جاتا تھا، "امام الحرمین" کا منصب اس وقت دنیائے علم وادب کا سب سے بڑا منصب تھا اور نہ صرف علماء، خواص و عوام بلکہ سلطان وقت بھی "امام الحرمین" کے فتوؤں اور احکامات کے پابند ہوتے۔
جب امام غزالی طوس سے نیشاپور تشریف لے گئے تو وہاں اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم علامہ ابوالمعالی جوینی علیہ الرحمۃ "امام الحرمین" تھے۔ چنانچہ امام صاحب نے آپ کی شاگردی اختیار کر لی۔
علامہ جوینی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد ۴۷۸ھ میں سلطان وقت کے امام غزالی کو اس منصب اعلیٰ (امام الحرمین) پر فائز کیا، لیکن اس مسند پر تشریف فرما ہونے کے لیے امام غزالی کو سلطنت کے دیگر جید علماء سے دقیق علمی موضوعات پر بحث ومباحثہ اور مختلف علوم وفنون پر مناظرہ کے امتحان سے گذرنا پڑا، جس میں آپ نہایت کامیاب رہے اور سلطان وقت اور ملک بھر کے علماء وفضلاء آپ کے تبحر علمی کی قائل ہو گئے۔ تمام اراکین وامراء سلطنت آپ کے معتقد ہو گئے۔
اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بادشاہ وقت سے زیادہ امام صاحب کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ بایں ہمہ اہتمام و اختتام کہ آپ سلطنت وحکومت کے قضیے بھی نپٹاتے تھے، اپنے تعلیمی مشاغل سے کسی بھی وقت غفلت نہ ہونے دی اور درس وتدریس اور مواعظ وتقاریر کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ سلطنت سلجوقیہ کے وزیر اعظم خواجہ نظام الملک طوسی، امام غزالی کے بڑے معتقد تھے اور وہ بنفس نفیس امور مملکت میں امام غزالی سے مشورہ کرتے تھے، وہ امام غزالی کی بہت زیادہ

خدمت کرتے اور ان کی دلجوئی میں مشغول رہے۔ تاکہ امام صاحب نیشاپور چھوڑ کر بغداد یا کسی اور شہر مثلاً دمشق وغیرہ ہجرت نہ کر جائیں، اس لیے کہ امام غزالی تمام بلادِ اسلامی میں معروف تھے اور بہ سلطان اور مدرسۂ نظامیہ کا مہتمم یہ چاہتا تھا کہ وہ اس کے دارالسلطنت میں آجائیں اور درس و تدریس کی مسند سنبھالیں، لیکن ۴۸۴ھ میں مدرسہ نظامیہ بغداد کے مدرس اعلیٰ علامہ حسین بن علی طبری کے انتقال کے بعد نظام الملک کی استدعا پر امام غزالی علیہ الرحمۃ کو اس منصب اعلیٰ کو قبول کرکے بغداد آنا پڑا۔ ۴۸۸ھ تک آپ اس عہدے پر متمکن رہے لیکن امام غزالی اپنے تمام علوم کی تکمیل کے بعد جس باطنی اور روحانی سکون کے متلاشی تھے وہ ان کو حاصل نہ تھا، پھر بغداد میں اس وقت نزاع، انتشار اور فتنہ و فساد کی کیفیت تھی، سیاسی اعتبار سے سلطنت عباسیہ کمزور ہو رہی تھی، دارالخلافہ بغداد مختلف فرقوں، سُنّی، شیعہ، باطنیہ، معتزلیہ، اور دیگر مذاہب باطلہ، مجوسی، عیسائی، فلسفی، ظاہری وغیرہ کے درمیان بے جا مناظروں اور مجادلوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ماحول کی اس پریشان حال نے امام صاحب کی زندگی پر بھی برا اثر ڈالا، حالات سے اس قدر بیزار ہوئے کہ ان کی صحت بھی خراب رہنے لگی چنانچہ روحانی سکون کی خاطر آپ نے منصب تدریس سے رخصت اختیار کی اور حج و زیارت حرمین شریفین کے لیے چلے گئے واپسی پر شام (دمشق) میں کافی عرصہ قیام کیا وہاں سے بیت المقدس اور پھر اسکندریہ تشریف لے گئے اور لوٹتے ہوئے پھر دمشق میں کافی مدت قیام پذیر ہوئے، آخیر میں اپنے وطن طوس تشریف لائے تو دنیا کی گوناگوں مصروفیات اور رنگا رنگی سے قطعی کنارہ کشی اختیار کر چکے تھے، حتیٰ کہ لباس فاخرہ کی بجائے ایک کمبل اوڑھتے تھے اور لذیذ غذاؤں کے بدلے ساگ پات پر گذر بسر تھی۔ دمشق اور بیت المقدس کے اسی سفر کے دوران آپ نے احیاء العلوم، جواہر القرآن، تفسیر یاقوت التاویل، (۴۰ جلدیں) مشکوٰۃ الانوار اور دیگر مشہور کتب تصنیف فرمائیں۔

تصنیف و تالیف سے دل اچاٹ ہوا تو پھر نیشاپور تشریف لائے اور درس و تدریس کی مسند سنبھالی، دوبارہ طبیعت گھبرائی تو طوس واپس آگئے۔ یہاں آکر ایک خانقاہ اور ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور پھر صرف اوراد و وظائف ریاضت و عبادت، گوشہ نشینی اور تصوف کی تدریس میں عمر گذار دی۔ آپ ستائیس سال کی عمر میں شیخ ابو علی فارمدی علیہ الرحمۃ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے یہ آپ کا زمانہ طالب علمی کا بعد میں آپ نے زیادہ وقت دمشق میں شیخ نصر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت روحانی میں گذارا۔

خزینۃ الاولیاء میں امام غزالی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے ایک واقعہ درج ہے جس سے ان کے روحانی مقام کا پتہ چلتا ہے۔ "شیخ محمد صادق شیبانی نے اپنی کتاب "مناقب غوثیہ" میں تذکرہ کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثل ہیں، میری خواہش ہے کہ ان میں سے کسی عالم کو دیکھ سکوں، اس وقت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی روح وہاں موجود تھی چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اس کو

پیش کیا گیا، آپ نے اس روح سے نام دریافت کیا جواب ملا محمد ابن محمد ابن محمد غزالی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت فرمایا میں نے تم سے صرف تمہارا نام دریافت کیا تھا، تم نے ابنیت کے بتانے کی کیوں ضرورت سمجھی ؟

امام صاحب کی روح نے جواب دیا کہ آپ سے بھی تو طور پر عصا کے لیے صرف یہ دریافت کیا گیا تھا کہ یہ کیا ہے، لیکن آپ نے اس کے متعلق تمام تفاصیل بتانا شروع کر دیں کہ میں اس عصا سے فلاں فلاں کام لیتا ہوں، اور یہ عصا فلاں فلاں موقع پر میری مدد کرتا ہے، حالانکہ آپ کا جواب صرف عصا فرما دینا ہی کافی ہو جاتا۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں بات تو تم صحیح کہتے ہو لیکن وہ تمام جوابات میرے منہ سے بے ساختہ نکل گئے تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی روح نے فوراً جواب دیا کہ بس اسی طرح میرے والد کا نام بھی بے ساختہ نکل گیا، اور ہو سکتا تھا کہ آپ بعد میں میرے والد کا نام دریافت فرماتے لہٰذا میں نے پہلے ہی شامل کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جواب پر خاموش ہو گئے اس پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا کے ذریعے تنبیہ کی کہ غزالی خاموش ہو جاؤ چنانچہ اس عصا کی چوٹ کا نشان امام رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کے بعد ان کے جسم پر دیکھا گیا بلکہ بعض مورخین کہتے ہیں کہ امام صاحب اس چوٹ اور تنبیہ کی وجہ سے لنگڑا کر چلتے تھے۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ کے شاگردوں کا سلسلہ بہت ہی وسیع تھا ایک ایک وقت میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو طالب علم آپ کے زیر تربیت ہوتے تھے بلکہ امام الحرمین کے انتقال کے بعد آپ کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں سے ہزاروں تک پہنچ گئی، یہاں تک کہ اس دور میں آپ کے درس میں تقریباً تین سو مدرسین، اور سینکڑوں رؤسا و امراء و نیز اراکین سلطنت تک درس میں شریک ہوتے اور آپ کے مواعظ کو نقل کر لیا کرتے تھے۔

لیکن اس مقبولیت، اور اعلیٰ علمی مقام و منصب کے ساتھ، ساتھ جیسا کہ ایسی برگزیدہ شخصیتوں کے ساتھ ہوتا ہے ان کے بہت سے حاسد اور بدخواہ بھی پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے امام صاحب کو ستانے اور پریشان کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، لیکن امام صاحب علیہ الرحمۃ نے محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہر طرح کی صعوبتیں اور رنج برداشت کئے اور حرف شکوہ زبان پر نہ لائے۔ وہ بادشاہ وقت سے بھی کبھی مرعوب نہیں ہوئے، نہ بڑے سے بڑے منصب نے ان کی زبان و قلم کو اعلاء کلمۃ الحق سے روکا۔ دنیا سے بے رغبتی اور ماسوا اللہ سے بے خوفی ان کی شان اور ان کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ وہ مرد مومن تھے اللہ تبارک و تعالیٰ کے سچے ولی تھے جن کی شان میں قرآن مجید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ہ

"سن لو بے شک اللہ تعالیٰ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم" (ترجمہ کنزالایمان)

وہ اوائل عمر ہی سے آخری دم تک اشاعت اسلام اور مسلمانوں کی تربیت و تزکیہ نفس میں مشغول رہے مال و متاع، جاہ و حشم، تخت و تاج کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی۔

کوئی علم ایسا باقی نہ تھا جس کے حصول میں کوئی کمی رہ گئی ہو جو آپ کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھے، دیدار الٰہی کے مشتاق تھے۔

۱۴ جمادی الآخر ۵۰۵ھ کو جب صبح صادق نے اپنا گریبان چاک کیا، امام غزالی علیہ الرحمۃ اٹھے، وضو کیا، ملک الموت سامنے آتے دکھائی دیئے آپ نے ان کو خوش آمدید کہا، آگے بڑھے سر تسلیم خم کیا، کہا آپ کا حکم بسروچشم قبول، میں تو مشتاق لقائے دوست ہوں اپنے ہاتھوں کفن پہن کر ملک الموت سے فرمایا کہ ہاں اب روح قبض کر لیجئے۔ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھا اور روح قبض کر لی گئی جسد خاکی یہاں رہ گیا روح عالم جاودانی کو پرواز کر گئی وہ دن بھی اتفاق سے پیر کا تھا جو ان کے آقا حبیب کبریا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا دن ہے، تمام عالم اسلام میں اس سانحے سے ہلچل مچ گئی ؎

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی

آج کی رات ہے اس گل سے ملاقات کی رات

تاریخ ولادت: لفظ "محبت اور بحر العلوم" سے برآمد ہوتی ہے۔ ۴۵۰ھ

تاریخ وفات: "محب مجتبیٰ" ۵۰۵ھ نکلتی ہے تذکرۃ الشعراء میں تاریخ وفات یوں لکھی ہے۔

نصیب حجۃ الاسلام ازیں سرائے سپنج

حیات پنجہ و چار و ممات پانچ صد و پنج

امام غزالی رحمۃ اللہ نے اپنی چوّن سالہ مختصر سی زندگی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تاریخ عالم میں کم شخصیات نے انجام دیئے اور تمام عالم انسانیت کے لیے ایک سبق اور مثال ہیں۔ اس عرصے میں تحصیل علوم اسلامی کے علاوہ اپنے زمانے کے مختلف النوع علوم عقلیہ و نقلیہ میں تبحر و کمال دسترس، تصنیف و تالیف کا زمانہ طالب علمی سے لے کر عمر کے آخری ایام ایک عمل مسلسل، جو تصانیف کی کثرت پر منتج ہوتا ہے، حضر و سفر میں مشغلۂ درس و تدریس اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ہجوم تلامذہ میں روز افزوں اضافہ تحصیل علم اور ابلاغ علم نافع (شریعت و طریقت) کے لیے دور دراز ممالک کے بار بار سفر، علوم و معارف روحانی اور صحبت اولیاء سے فیضیابی کے لیے تمام بلاد اسلامیہ میں صحرانوردی اور پھر آخر میں عالم شش جہات کی گوناگوں مصروفیات سے کہیں دور عالم لاہوت میں "ھو اللہ" کے بحر زخار میں غوطہ زنی، اور مقام فنا سے مقام بقا تک سیر آپ کی حیات کے یہ اور دیگر تمام معاملات و معمولات انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی اپنی تصنیف "الغزالی" میں امام علیہ الرحمۃ کی ہمہ جہت شخصیت کی متذکرہ خصوصیات پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

"تصنیفات کے اعتبار سے امام صاحب کی زندگی نہایت حیرت انگیز ہے۔ انہوں نے صرف ۵۴ برس کی عمر پائی تو گویا بیس برس کی عمر سے تصنیف و تالیف کا مشغلہ شروع کیا، دس گیارہ برس صحرانوردی اور بادیہ پیمائی میں گزارے، ساتھ ہی ساتھ

درس و تدریس کا شغل بھی قائم رہا اور کبھی کسی زمانے میں آپ کے شاگردوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے کم نہیں رہی۔ تفقہ و تصوف کے مشغلے جداگانہ، دور دور سے جو فتاویٰ آتے تھے، ان کے جوابات دینا الگ ــــ بایں ہمہ سینکڑوں کتب تصنیف کیں، جن میں بعض کئی کئی جلدوں پر مشتمل اور گوناگوں مضامین سے پر ہیں اور ہر تصنیف اپنے مضمون میں بے نظیر ہے ــ

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

علامہ شبلی نعمانی نے امام غزالی علیہ الرحمۃ کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کی زندگی کی مصروفیات اور ان کے کارناموں کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس کی مماثلت اگر دور حاضر کی کسی نابغۂ عصر شخصیت میں دیکھی جا سکتی ہے تو وہ ہے امام احمد رضا خاں افغانی علیہ الرحمۃ کی شخصیت ہے جو امام غزالی علیہ الرحمۃ کی طرح کثیر التصانیف (ایک ہزار سے زیادہ کتب کے مصنف) علوم اسلامی، فقہ، حدیث، تفسیر کے علاوہ اپنے دور کے تمام علوم پر نہ صرف نظر بلکہ ستر سے زیادہ جدید و قدیم علوم و فنون پر دسترس رکھتے تھے اور ہر فن میں آپ نے کوئی نہ کوئی یادگار تصنیف چھوڑی ہے، فرق یہ ہے کہ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ مذہب شافعی کے فقیہہ اعظم، امام اور چھٹی صدی ہجری کے مجدّد تھے، اور امام احمد رضا خاں افغانی علیہ الرحمۃ والرضوان مذہب حنفی کے فقیہہ اعظم، امام اور چودھویں صدی ہجری کے مجدّد تھے، اس اعتبار سے امام احمد رضا خاں اپنے دور کے امام غزالی تھے۔ لیکن ذاتی بغض و عناد، علمی کم مائیگی کی بنا پر حسد کینہ پرور امراء و علماء و اعیانِ مملکت کی ریشہ دوانیوں کے اعتبار سے دونوں کے حالات یکساں نظر آتے ہیں، امام غزالی علیہ الرحمۃ کی ذہانت و فطانت، علم و فضل اور ان کے کمالات و کرامات سے جلنے والوں نے ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے، ان کی تصانیف میں جا و بے جا عیوب تلاش کئے گئے اور من گھڑت عقائد و افکار کو ان کے ذاتی عقیدہ و مسلک سے منسوب کیا گیا یہاں تک کہ ان کو زندیق تک کہا گیا اور ان کی بعض تصانیف حتیٰ کہ " احیاء العلوم " جیسی بلند پایہ اور اخلاقیات کے موضوع پر بے نظیر اور بے مثال کتاب کو بھی نذر آتش کر دیا گیا، لیکن سب بے سود! امام غزالی علیہ الرحمۃ کے ذاتی کردار، اخلاق و آداب اور پختگیٔ علم نے لوگوں کے دلوں میں خود راہ بنائی، ان کی تصانیف گم کردگان منزل کے لیے چراغ راہ ثابت ہوئیں، علم و احسان کی بالآخر جیت ہوئی، جہالت و گمراہی پسپا ہوئی، امام احمد رضا خاں افغانی علیہ الرحمۃ کے ساتھ بھی حاسدوں اور جاہلوں کا کچھ ایسا ہی سلوک رہا، الحمد للہ ان کے وصال کے پچھتر سال بعد ان کی بعض معرکۃ الآرا تصانیف کے منظر عام پر آنے کے بعد اب جہل و عداوت اور بعض عناد کے بادل چھٹ رہے ہیں اور ان کا علمی وقار بلند سے بلند تر ہو رہا ہے اور نابغۂ عصر شخصیت کے خدّ و خال نکھر کر سامنے آ رہے ہیں۔

امام غزالی علیہ رحمۃ کی تصانیف کی صحیح تعداد کا تعین مشکل ہے لیکن ان کے سوانح نگار سینکڑوں کی تعداد بتاتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی تصنیف "الغزالی" میں بحساب حروف تہجی اجمالاً اٹھتّر (۷۸) کتب شمار کی ہیں۔ لیکن ان کی مشہور تصانیف علوم کے اعتبار سے حسب ذیل ہیں۔

فقہ:۔ تعلیقہ فی فروع المذہب۔ بیان القولین۔ وجیز۔ وسیط۔ بسیط، خلاصۃ الرسائل۔ اختصار المختصر غایۃ الغور مجموعہ فتاوی، وغیرہما۔

اصول فقہ:۔ تحصین الماخذ۔ مفصل الخلاف فی اصول القیاس ماخذ فی الخلافیات۔ شفاء العلل۔

منطق:۔ معیار القلم۔ محک النظر۔ میزان العمل۔

فلسفہ:۔ مقاصد الفلاسفہ

علم کلام:۔ تہافۃ الفلاسفہ۔ منقذ۔ الجام العوام۔ اقتصاد۔ مستظہری۔ فضائح الا باحۃ۔ حقیقت الروح الرسالۃ القدسیہ تفرقہ بین الاسلام والزندقہ مواہب الباطنیہ۔ القول الجمیل فی ردّ علی من غیر الانجیل۔ قسطاس المستقیم۔

علم الاخلاق والتصوّف:۔

احیاء العلوم۔ کیمیائے سعادت۔ المقصد الاقصیٰ اخلاق الابرار۔ جواہر القرآن، جواہر القدس فی تصفیۃ النفس۔ مشکوٰۃ الانوار۔ منہاج العابدین معراج السالکین۔ فصیحۃ الملوک۔ ایہا الولد۔ ھدایۃ الھدایۃ۔ مشکوٰۃ الانوار فی لطائف الاخبار وغیرہ

ان تصنیفات میں بعض ایسی کتب ہیں جو کسی اسلامی ملک میں بھی دستیاب نہیں ہیں مگر ان کے چند مخطوطہ نسخے لندن، پیرس اور برلن کے کتب خانوں میں اب تک محفوظ ہیں۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ کو عربی اور فارسی ادب اور اس کی لغت پر کامل عبور حاصل تھا۔ ان کی نثر نگاری کا امتیاز سادگی اور سہل نگاری ہے لیکن زبان وبیان میں فصاحت و بلاغت کی شان جھلکتی ہے۔ وہ ایک اعلیٰ شعری ذوق کے بھی حامل تھے بلکہ خود شاعری سے بھی شغف تھا لیکن ان کی شاعری کا محور عشق حقیقی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے مجمع الفصحا اور روضات الجنات سے امام غزالی علیہ الرحمۃ کی چند رباعیات نقل کی ہیں وہ امام صاحب کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ "سلجوقی دور میں شعراء زیادہ تر مدحیہ قصائد لکھا کرتے، لیکن قصیدہ سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی دلچسپی نہ تھی لہذا قطعات اور رباعیات پر ہی اکتفا کیا"۔ بطور نمونہ دو رباعیاں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

اے کان بقا در چہ بقائے کہ نہی در جائے نہ کدام جائے کہ نہی
اے ذات از ذات تو جہت مستغنی آخر تو کجائی کہ کجائے کہ نہی

رباعی دیگر

با جامہ نمازے بسرے خم کردیم وز آب خرابات تیمم کردیم

شاید کہ دریں میکدہ یادر یا بیم   آں یار کہ در صومعہ ہا گم کردیم

امام غزالی علیہ الرحمۃ کی حیات، کارناموں اور تصانیف کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ امام رحمۃ اللہ کا مسلک اور عقائد و معمولات بعینہ وہی تھے جو آج کل اہلسنت و جماعت جنہیں عرف عام میں بریلوی کہا جاتا ہے کے ہیں اور امام غزالی قدس سرہ نے یہ عقاید اپنے اسلاف کرام یعنی سلف صالحین سے اخذ کیے بطور نمونہ صرف تین عقائد و مسائل آپ کی زیرِ نظر کتاب "احیاء العلوم" ہی سے نقل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ عقیدہ حاضر و ناظر:

"التحیات" کی بحث میں امام غزالی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ حالت نماز میں جب قعدہ میں ان الفاظ پر پہنچو اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالطَّیِّبَاتُ تو اس مقام پر فوراً اپنے قلب و روح اور تصور و خیال کی قوت کو مجتمع کر کے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپائے اقدس کے تصور میں ڈوب جاؤ اور (با ادب) عرض کرو کہ آپ پر سلام (کامل) ہو یا نبی اللہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں۔ (السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہ)

۲۔ قیام تعظیمی:

امام غزالی علیہ الرحمۃ والرضوان "سماع" کی بحث "ادب خامس" میں قیام تعظیمی کے جواز کے متعلق ایک کلیہ تحریر فرماتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ:

کسی (معزز مہمان یا بزرگ شخصیت) کی آمد پر تعظیماً کھڑے ہو کر استقبال کرنا عربوں میں مروج نہ تھا چنانچہ بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے وقت کھڑے نہیں ہوتے تھے (یعنی بعض اوقات کھڑے ہوتے تھے اور بعض اوقات نہیں بھی ہوتے تھے) جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے، لیکن چونکہ اس کے متعلق کوئی نہی عام نہیں وارد ہے اس لیے جن ممالک میں اس طریقہ کا رواج ہے ہمارے نزدیک وہاں قیام تعظیمی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیوں کہ اس عمل سے مقصود تعظیم و تکریم اور اظہار محبت و عقیدت ہے یہ اور اسی قسم کی تمام عادات و اطوار بھی جو کسی قوم میں رواج پا گئی ہیں جائز اور مستحسن ہیں، البتہ جس فعل یا عمل کے متعلق کوئی ایسی نہی وارد ہو جس کی تاویل نہیں ہو سکتی تو وہ بلاشبہ ناجائز ہے۔"

۳۔ اصل اشیاء میں اباحت ہے:

اہلسنت و جماعت کے قدیم سلف صالحین کا یہ ضابطہ ہے اور اس مسئلہ پر معتزلیوں سے سخت اختلاف بھی رہا ہے اس لیے کہ وہ "اصل اشیاء میں خطر" کے قائل تھے۔

علامہ شبلی نعمانی کے بقول کہ

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے اپنی تحریروں میں انسانی بود و باش، معاملات و معمولات اور اخلاق و محاشبات، تمام امور

کے لیے اصول شریعت کو کسوٹی قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے اپنی تمام تصانیف خصوصاً احیاء العلوم میں عنوانات کے ابتداء میں آیات قرآنی اور رواۃ احادیث کو بنیاد بنا کر گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں اور احکام شرعیہ سے استنباط کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے کسی قوم یا زمانے کے رسم و رواج پر قول فیصل صادر کرنے سے قبل اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کون سے افعال رسالت کی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے معاشرت و عادت کی حیثیت سے۔ چنانچہ "احیاء العلوم" جلد دوم میں آداب طعام سے متعلق جو ایک طویل باب تحریر کیا ہے اس میں جہاں کھانا کھانے کے متعدد قواعد و ضوابط لکھے ہیں، ایک قاعدہ یہ بھی درج ہے کہ کھانا دسترخوان پر چن کر کھانے چاہئیں۔ میز یا صندلی پر رکھ کر کھانا نہ چاہیے۔ اس لیے کہ دسترخوان زمین پر بچھا کر کھانا کھانے کا عمل دسترخوان کو اونچا کرنے کے عمل سے کی بہ نسبت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے زیادہ قریب ہے۔ اس کی سند میں انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی صندلی (کشتی یا اونچے دسترخوان) پر کھانا تناول نہیں فرمایا۔ پھر امام غزالی علیہ الرحمۃ نے بعض علماء سلف کا ایک قول بیان کیا ہے کہ کھانے کے آداب میں چار چیزیں بدعت ہیں جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رواج پائیں؛ اوّل کھانے کے اونچے خوان (میز، صندلیاں) دوم چھلنیاں، سوم اشنان اور چہارم شکم سیری۔ ان اقوال کو لکھنے کے بعد امام غزالی کہتے ہیں کہ گو میں یہ کہتا ہوں کہ دسترخوان زمین پر بچھا کر کھانا بہتر ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ صندلی یا میز پر رکھ کر کھانا کھانا مکروہ یا حرام ہے کیوں کہ اس بات میں، یعنی ممانعت میں کوئی حکم شریعت میں ثابت نہیں۔ رہا یہ امر کہ یہ چیزیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور ہمایونی کے بعد کی ایجاد ہے، اس لیے بدعت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک نو ایجاد امر (بدعت) کی ممانعت نہیں بلکہ ممانعت اسی بدعت کے لیے ہے جو کسی سنتِ قائمہ کے خلاف ہو، یا جس سے شریعت کا کوئی حکم باوجود اس کی علت موجود ہونے کے باطل ہو جائے بلکہ بعض احوال میں جب اسباب بدل جاویں بدعت کا ایجاد واجب ہو جاتا ہے تب بدعت مستحب اور پسندیدہ ہو جاتی ہے۔

میز صندلی پر رکھ کر کھانا کھانے میں صرف یہ بات ہے کہ کھانا زمین سے کچھ اونچا سینے کے برابر ہو جاتا ہے اور کھانے میں آسانی ہو جاتی ہے اور یہ کوئی ناجائز یا ممنوع امر نہیں بلکہ انسان کی اپنی سہولت کی بات ہے۔ البتہ یہ چاروں مذکورہ امر جنہیں بدعت کہا گیا ہے وہ سب حالات و معاملات میں یکساں نہیں۔ ان میں اشنان سب سے بہتر ہے۔ (یعنی بہتر بدعت ہے)

یہ ایک قسم کی گھاس ہوتی تھی جو ہاتھ صاف کرنے کے لیے اس زمانے میں صابن کی بجائے استعمال ہوتی تھی، اس لیے کہ ہاتھ کا دھونا نظافت کے لیے ہے اور اشنان سے نظافت (صفائی) اچھی طرح ہوتی ہے تو یہ تو ایک اچھی بات ہے، اول زمانے کے لوگ جو اس کا استعمال نہ کرتے تھے تو اس کی چند وجوہ ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ ان کے

استعمال کی ان کو عادت نہ رہی ہے یا یہ گھاس بوئی اس زمانے میں دریافت نہ ہوئی ہے یا صفائی کا اہتمام کرنے کی بہ نسبت وہ زیادہ اہم کاموں میں مشغول رہنے کو زیادہ ترجیح دیتے ہوں، کیوں کہ بعض اوقات تو وہ ہاتھ بھی نہیں دھوتے تھے بلکہ تلوؤں وغیرہ سے صاف کر لیا کرتے تھے اور اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ کھانے کے بعد ہاتھ کا دھونا مستحب نہیں اسی طرح چھلنی سے غذا کا صاف کرنا غذا کی صفائی ستھرائی کے لیے ہے اور یہ مباح ہے، کراہیت جب پیدا ہو گی جب اس میں آسائش طلبی کی نیت سے مبالغہ کیا جائے اسی طرح اونچا دسترخوان (میز وغیرہ پر) کھانے کی آسانی کے لیے ہے ہاں اگر تکبر اور نمود و نمائش کے لیے ہو تو یہ ناجائز ہے۔ باقی رہا پیٹ بھر کر کھانا کھانا، یہ ان چاروں میں سخت تر بدعت ہے کہ اس سے بڑی شہوتیں پیدا ہوتی ہیں۔

قارئین کرام آپ ذرا امام غزالی علیہ الرحمۃ کے اس اصول پر غور کریں کہ کس قدر آسان اور منطقی ہے آج بھی اسی اصول کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کے بیسیوں اختلافی مسائل طے ہو سکتے ہیں اور مسلمانوں کو بات بات پر بدعتی کہنے والوں اور اس بابت پر مسلمانوں کو آپس میں دست و گریبان کرنے والوں کا قلع قمع ہو سکتا۔ دور جدید میں شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا خاں افغانی علیہ الرحمۃ نے امام غزالی اور دیگر اسلاف کرام رحمہم اللہ کے اسی اصول کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کے درمیان انتشار و افتراق پیدا کرنے والے فرقہ پرستوں کا رد اور دیگر جدید مسائل کا حل پیش کیا ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ کی یوں تو ہر تصنیف بسیط، علوم و فنون کا خزینہ اور عرفان و آگہی کا گنجینہ ہے لیکن "احیاء العلوم" اور کیمیائے سعادت" دو تصنیفیں ایسی ہیں جنہیں اپنے موضوعات اور طرز تحریر کی بناء پر مولانائے روم علیہ الرحمۃ کی مثنوی شریف کی طرح "الہامی" کہا گیا آپ کی تمام تصنیفات میں اس کو جو قبول عام آپ کے اپنے زمانۂ حیات اور اس کے بعد آج تک حاصل ہے وہ حیرت انگیز بھی ہے اور اس کے الہامی ہونے کی دلیل بھی۔

"کیمیائے سعادت" دراصل "احیاء العلوم" کا فارسی میں خلاصہ ہے، حیات انسانی کے گوشے سے متعلق کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جو امام موصوف نے "احیاء العلوم" میں بہ وضاحت نہ بیان کیا ہو۔ یوں تو بظاہر یہ کتاب اخلاق و تصوف سے متعلق ہے، لیکن امام غزالی علیہ الرحمۃ نے اس میں دنیا کے تمام علوم و معارف کو اس طرح یکجا کیا ہے کہ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے اب یہ ہر قاری کے مزاج، اس کی سطح علمی، اس کی فکری لہروں کی تعداد ارتعاش ( ) پر پرواز اور سب سے بڑھ کر یہ کہ توفیق الٰہی پر مبنی ہے کہ وہ اس نابغۂ روزگار تصنیف سے کیا کچھ حاصل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو ہر دور کے اکابر علماء مشائخ نے نہ صرف اپنے مطالعہ میں رکھا ہے بلکہ اپنے شاگردوں اور مریدوں کو سبقاً سبقاً اس کی باقاعدہ تعلیم بھی دی ہے اور اہل سلوک نے تزکیۂ نفس اور اصلاح احوال کے لیے نصاب طریقت کی "ٹکسٹ بک" ( ) کے طور پر اس کا مطالعہ لازمی قرار دیا ہے۔ محدث زین الدین عراقی، حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، شارح مسلم امام نووی رحمہم اللہ جیسی شخصیات نے اس کا بار بار مطالعہ کیا ہے اور اس کے مضامین کی تعریف و

توصیف کی ہے۔ "احیاء العلوم" اسم با مسمیٰ ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے مقدمہ میں، حمد باری تعالیٰ اور صلوٰۃ وسلام کے بعد اس تصنیف کی وجہ تسمیہ یہ لکھی کہ میرا ارادہ ہوا کہ علوم دینی کے زندہ کرنے میں ایک کتاب لکھی جائے تاکہ لوگ رسوم دنیاداری سے نکل کر علم کے بموجب عمل کرنے پر راغب ہوں، اور فرمایا کہ وہی علم اور عمل نافع ہے جو اللہ وتبارک و تعالیٰ کی ذات کا عرفان عطا کرے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ مردود ہے، ایسا ہی علم وعمل آخرت کی منزل تک بامراد پہنچنے کی ضامن ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک مرشد کامل کی رہنمائی اور دستگیری حاصل ہو اس لیے کہ وہ ہی راہ آخرت کے نشیب و فراز سے واقف ہوتا ہے "احیاء العلوم" کو اپنے دور کی اسی قسم کی تصانیف پر جو امتیازات ہیں اس کے متعلق امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "اور حضرات نے بھی ان موضوعات میں سے بعض امور میں کتابیں تحریر کی ہیں مگر یہ کتاب (احیاء العلوم) ان کتابوں سے پانچ باتوں میں ممتاز ہے:

۱۔ ان تصانیف میں جو اجمال تھا اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔
۲۔ پراگندہ مضامین کو ترتیب وار اور نظم وضبط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔
۳۔ طویل مضامین کا اختصار پیش کیا گیا ہے۔
۴۔ مکرر مضامین کو حذف کر دیا گیا ہے اور
۵۔ بہت سے دقیق اور نازک مسائل کا حل جن کا گذشتہ تصانیف میں کوئی ذکر نہ تھا، متحقق اور عام فہم اسلوب میں بیان کئے گئے ہیں۔"

احیاء العلوم چار جلدوں پر مشتمل ہے۔
پہلی جلد میں عبادات ہیں۔
دوسری میں عادات (معاملات اور آداب) ہیں۔
تیسری میں مہلکات (وہ امور جو بندے کو تباہ کرنے والے ہیں) اور
چوتھی میں منجیات (بندے کو نجات دینے والی چیزیں) ہیں
امام غزالی رحمۃ اللہ نے ہر جلد میں دس۱۰ دس۱۰ باب باندھے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

جلد اوّل: عبادات

(۱) علم (۲) عقائد کے قواعد۔ (۳) طہارت کے اسرار (۴) نماز کے اسرار (۵) زکوٰۃ کے اسرار (۶) روزہ کے اسرار (۷) حج کے اسرار (۸) تلاوت قرآن کے آداب (۹) دعا و اذکار (۱۰) وظائف اور ان کے اوقات کار۔

جلد دوم: عادات

(۱) کھانے پینے کے آداب (۲) نکاح کے آداب (۳) کسب (روزگار) کے احکام (۴) حلال و حرام (۵) صحبت کے

آداب واقسام رخلق کے ساتھ معاملات کرنے میں) (۶) گوشہ نشینی (۷) آداب سفر (۸) سماع وحال (۹) امر اور نواہی (۱۰) آداب زندگی (اخلاق نبوی کی روشنی میں)

جلد سوم۔ مہلکات

(۱) عجائبات قلب (۲) ریاضت نفس (۳) شہوت شکم اور شہوت نفسانی (۴) زبان کی آفات (۵) غصہ، کینہ اور حسد اور اس کے مضرات (۶) دنیا کی برائی (۷) محبت مال اور بخل کی مذمت (۸) حب جاہ اور ریا (۹) تکبر اور خود پسندی کی مذمت (۱۰) غرور کی مذمت

جلد چہارم۔ منجیات

(۱) توبہ (۲) صبر اور شکر (۳) خوف ورجا (۴) فقر اور زہد (۵) توحید وتوکل (۶) محبت وشوق اور انس ورضا (۷) نیت، اخلاص اور صدق (۸) مراقبہ ومحاسبہ (۹) فکر وعبرت (۱۰) ممات اور مابعد الممات۔

یہ ہے معرکۃ الآرا کتاب احیاء العلوم کا اجمالی خاکہ اس کتاب کے اب تک مختلف زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ اردو زبان میں اب تک مولوی احسن نانوتوی صاحب دیوبندی کا ترجمہ راقم کی نظر سے گذرا ہے جس پر سن اشاعت اول ۱۲۸۲ھ تحریر ہے اس طرح اس ترجمہ کی زبان وبیان ۱۲۵ سال سے زیادہ دقیانوسی ہے۔ لہٰذا زبان اردو کے جدید تقاضوں اور عصر حاضر کے مزاج، زبان وبیان کے بدلتے ہوئے پیرایوں اور طرز تحریر کے جدید نظم وترتیب کے پیش نظر احیاء العلوم کے ایک نئے اردو ترجمہ کی شدید ضرورت تھی اور اس بات کی احتیاط کرنا تھی کہ اس کتاب کا مترجم ایک ایسا فاضل ہو جو نہ صرف عربی اور جدید اردو زبان ولغت پر کامل عبور رکھتا ہو، بلکہ امام غزالی علیہ الرحمۃ کے عقائد ومسلک سے فکری ہم آہنگی بھی رکھتا ہو تاکہ ترجمہ میں متن کے کسی سیاق وسباق یا مفہوم سے اعراض یا اخفاء کی کوئی گنجائش نہ رہ جائے جس کا آج کل عام طور سے مشاہدہ ہے، اس لیے کہ جہاں معاشرے میں دیگر بددیانتی اور برائیاں فروغ پذیر ہیں وہیں علمی خیانت اور اسلاف کرام کی تصانیف میں موجود مسلمہ حقائق، اور ان سے مستخرجہ افکار وعقائد میں تحریف کا عمل بھی تیزی سے جاری ہے اور یہ سب کچھ تحقیق وتدقیق، فروغ علم اور علم دوستی کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ مثال کے طور پر جماعت اسلامی کے سابق امیر میاں محمد طفیل صاحب کا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف "کشف المحجوب" کا ترجمہ ہی لے لیں اور اس کا اصل کتاب کے متن سے موازنہ کریں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ میاں صاحب نے کس دیدہ دلیری کے ساتھ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے عقائد وافکار کو مسخ کر کے پیش کرنے کی جسارت کی ہے حیرت ہوتی ہے کہ جماعت اسلامی جو "صالحین" کی جماعت کہلاتی ہے اس کے امیر کا اصل کردار کیا ہے کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنا ایک مشکل فن ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ مترجم نہ صرف دونوں زبان پر عبور رکھتا ہو بلکہ وہ مصنف کے عقائد وافکار، اور طرز بیان سے بھی پوری طرح واقف ہو۔ ترجمہ کا اصل تصور یہ ہے کہ کتاب کا حقیقی موضوع، اس کے الفاظ، اور اس کا حقیقی مقصد تو بالکل وہی رہنا چاہیئے جو اصل کتاب کا ہے، جو مصنف کہنا

چاہتا ہے، یا مخاطب تک جو ابلاغ کرنا چاہتا ہے لیکن اگر کلام کے مبہم و مغلق الفاظ اور اس کی الجھنوں اور اس سے پیدا ہوتے والے اشکال کو دور کرنے کے لیے عام فہم الفاظ اور پیرایہ اختیار کیے جائیں یا مطالعہ کی آسانیوں اور کتاب کو مزید مفید بنانے کے پیش نظر حواشی، تعلیقات یا اہم معانی اصطلاحات کا سہارا لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ یہ ترجمہ کی زبان میں مزید حسن پیدا کرتا ہے اور ایک دوسری زبان کے قاری کے لیے سہولیات فراہم کرتا ہے۔ ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کو شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا کہ تصوف و اخلاق کے موضوع پر احیاء العلوم جیسی اہم کتاب کا ترجمہ کوئی ایسا صاحب دل عالم کرے جو امام علیہ الرحمۃ کے قلم کی زبان اور طرز بیان کو سمجھتا ہو ان کے مرتبہ و مقام کا بھی عارف ہو اور تصوف و اخلاق کی انہی اعلیٰ قدروں کا پروردہ ہو جس کے داعی حضرت امام موصوف ہیں۔

یہ امر باعث مسرت اور اہل علم کے لیے قابل اطمینان ہے کہ عالم جلیل، فاضل نبیل، محترم محمد صدیق ہزاروی زید علمہ، نے جو متعدد کتابوں کے مصنف اور مترجم بھی ہیں "احیاء العلوم" کو اردو کے قالب میں منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔

مولانا محمد صدیق ہزاروی صاحب، شہر لاہور کی ایک عظیم اسلامی درس گاہ دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ میں استاذ ہیں، عربی، فارسی اور اردو زبان و لغت پر ان کی گہری نظر ہے، فقہ اور تصوف ان کا محبوب موضوع ہے، فقہی مسائل پر سلسلہ وار ان کے متعدد کتابچے اور رسائل اب تک شائع ہو چکے ہیں راقم نے ان کے اکثر رسائل کا مطالعہ کیا ہے فقہی اصطلاحات اور عالمانہ مباحث کو جس طرح وہ عام فہم اور روزمرہ اردو کے قالب میں ڈھالتے ہیں اس سے اردو زبان پر ان کے عبور اور فقہی مسائل اور اس کے جزئیات و اصطلاحات پر ان کی نظر کا اندازہ ہوتا۔ قاری کو جس طرح وہ مطمئن کر دیتے ہیں اس سے موضوع پر ان کی گرفت کا اظہار ہوتا ہے "احیاء العلوم" کا ترجمہ بھی انہوں نے بڑی جانفشانی اور محنت سے کیا ہے۔ ترجمہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف صاحب طرز قلم کار ہیں۔ انہوں آسان اور با محاورہ زبان استعمال کی ہے اور اصل کتاب کے عربی کے ہر جملے کا مطلب اردو اصطلاحات کے مطابق عام فہم زبان میں لکھنے کی سعی فرمائی ہے۔ مولوی احسن نانوتوی صاحب کے ترجمہ کے مقابلے میں اس ترجمہ کی دیگر امتیازی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ دوران مطالعہ راقم کو احیاء العلوم" میں کوئی قرآنی آیت، کوئی حدیث شریف، کوئی قول صحابہ و ائمہ، کوئی واقعہ یا مسئلہ ایسا نظر نہیں آیا جس کو مترجم نے نظر انداز کیا ہو۔

۲۔ اصل کتاب کی ترتیب و پیش کش کو برقرار رکھا ہے۔

۳۔ اصل کتاب کا طرز بیان، روح اور ترتیب کو اردو زبان کے محاورات کے مطابق اس طرح رکھا ہے کہ قاری کو یہ گمان ہوتا ہے کہ اصل کتاب اردو ہی میں تصنیف ہوئی ہے۔

۴۔ کتاب کے دس حصوں کے ہر حصے کو ایک عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے اور اس کی ذیلی فصلوں کو باب میں تبدیل کیا گیا ہے۔

۵۔ اصل کتاب میں، جیساکہ اگلے زمانے کا دستور تھا، شروع سے آخر تک ایک تسلسل کے ساتھ جملے لکھے گئے ہیں کوئی پیراگرافنگ نہیں ہے، نہ ہی ذیلی عنوانات علیحدہ لکھے گئے ہیں۔ مولانا ہزاروی نے جدید طرزِ تحریر کے مطابق پیراگرافنگ کی ہے اور ہر عنوان اور ذیلی عنوان کو جلی حروف میں علیحدہ سے تحریر کیا ہے، اہم نکات کو ترتیب وار اور جہاں موقع سمجھا نمبر وار پیش کیا ہے۔

۶۔ اصل کتاب میں قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی تخریج نہیں ہے، مولوی احسن نانوتوی صاحب نے صرف آیات قرآنی کے ترجمہ اور احادیث کے سلسلے میں تخریج بجائے عراقی سے صرف نام کتب اور راوی اعلیٰ پر اکتفا کیا ہے، لیکن زیرِ نظر ترجمہ میں فاضل مترجم نے قرآنی آیات کے ترجمہ کے ساتھ حاشیے پر اس سے متعلق سورہ کا نام اور آیت کے عدد کی تخریج کی ہے۔ اور احادیث مبارکہ کے سلسلے میں ماخذ کتب کا جلد، باب اور صفحہ کا باقاعدہ حوالہ دیا گیا ہے۔ اس سے قاری کو حوالہ جات تلاش کرنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔

۷۔ قرآنی آیات کے ترجمہ کے بارے میں مولوی احسن نانوتوی صاحب نے اپنے مقدمہ میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ انہوں نے شاہ عبدالقادر مرحوم کے ترجمہ کا اتباع کیا ہے شاید اس لیے کہ اس وقت اردو میں صرف انہی کا ترجمہ موجود تھا لیکن علامہ صدیق ہزاروی نے قرآنی آیات کا ترجمہ کرتے وقت یہ التزام نہیں کیا اس لیے قاری کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ ترجمہ کس ترجمۂ قرآن سے ماخوذ ہے۔ بہتر ہوتا کہ صرف ایک ترجمہ قرآن امام احمد رضا خاں افغانی علیہ الرحمۃ کے ترجمہ) "کنزالایمان" کو اختیار کرتے تاکہ اسناد اور حوالہ جات میں آسانی رہتی۔

غرضیکہ مولانا ہزاروی صاحب نے قدیم ترجمہ کی روش ترک کر کے بڑی محنت اور کاوش سے نہ صرف یہ کہ عام فہم اور آسان بامحاورہ ترجمہ کیا ہے بلکہ کتاب کی ترتیب و تدوین اس طرح کی ہے کہ مسائل تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی اس کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے اور عامۃ المسلمین کے لیے اسے نافع بنائے۔ اور ساتھ ہی ان کو دیگر جلدوں کے ترجمہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

پروگریسو بکس لاہور کے مالک محترم شہباز رسول صاحب ایک دیندار اور علم دوست انسان ہیں۔ جذبۂ حمایت مذہب و مسلک سے سرشار ہیں۔ اسلاف کرام کی نایاب اور نابغۂ عصر تصانیف کے شائع کرنے کا شوق و ذوق اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی طبیعت میں ودیعت فرمایا ہے۔ جہاں تک راقم کے علم میں ہے "احیاء العلوم" کے ترجمہ کی تحریک بھی انہی کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبہ صادق کو سلامت رکھے اور "احیاء العلوم" اور اس جیسی دوسری کتب کی اشاعت کو ان کے لیے دنیا و آخرت کے فلاح کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

فجزاه الله احسن الجزاء وصلّی الله تعالیٰ علیہ خیر خلقہ سیدنا محمدٍ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ واولیاء امتہٖ اجمعین وبارک وسلم۔

محررہ سید وجاہت رسول قادری عفی عنہ
صدر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
۱۵ رمضان المبارک ۱۴۱۸ ہجری ۱۴ جنوری ۱۹۹۸ء

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بے حد اور مسلسل تعریف کرتا ہوں اگرچہ اس کے حقِ جلال کے سامنے تمام تعریف کرنے والوں کی تعریف حقیر و ہیچ ہے۔

اس کے بعد اس کے رسولوں کی بارگاہ میں صلوٰۃ و سلام کا وہ ہدیہ پیش کرتا ہوں جو انسانوں کے سردار (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) سمیت تمام رسولوں کو شامل ہو۔

بعد ازاں میں اپنے اس ارادے کے سلسلے میں بارگاہِ خداوندی میں بھلائی کا طالب ہوں جو میں نے علومِ دین کو زندہ کرنے کے سلسلے میں کتاب لکھنے کے لیے کیا ہے۔

پھر اے منکرین کی جماعت میں شامل ملامت گروں میں شدت سے ملامت کرنے والے اور غافل منکرین کے طبقات میں انکار اور ڈانٹ ڈپٹ میں حد سے بڑھنے والے تیرے تعجب کو دور کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے خاموشی کی گرہ کھول دی اور میرے گلے میں کلام و گفتگو کا ہار ڈال دیا ہے کہ میں تیرے اس اصرار کے خلاف کلام کروں جو تو نے صریح حق سے آنکھیں بند کر کے باطل کی مدد اور جہالت کی تحسین میں اختیار کر رکھا ہے تو ضدی جھگڑالو بن گیا اور تو نے ان لوگوں کے خلاف فتنہ و فساد برپا کر رکھا ہے جو مخلوق کی (رُبری) رسموں سے تھوڑا بہت نکلنا چاہتے ہیں یا ان رسموں سے تعلق ختم کر کے علم کے مطابق عمل کی کچھ نہ کچھ کوشش کرتے ہیں انہیں اس بات کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تزکیۂ نفس اور اصلاحِ قلب کا جو حکم دیا وہ اسے پائیں گے نیز تمام عمر کے رائیگاں جانے کی تلافی سے ناامید ہو کر بعض کوتاہیوں کا ازالہ کریں گے اور ان لوگوں کے ہم پایہ ہونے سے بچ جائیں گے جن کے بارے میں صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت کے دن سب سے سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے نفع نہیں دیا۔"

مجھے اپنی عمر کی قسم! تجھ پر تیرا اصرار اس بیماری کی وجہ سے ہے جس نے عام لوگوں کو گھیر رکھا ہے بلکہ وہ عالمگیر ہے۔ یعنی وہ اس معاملے (آخرت) کی عظمت کو ملاحظہ کرنے سے قاصر ہیں اور انہیں اس بات کا علم نہیں کہ معاملہ ہولناک اور مصیبت بڑی ہے۔

آخرت سامنے سے آرہی ہے اور دنیا پیٹھ پھیر رہی ہے موت قریب ہے اور سفر دور کا ہے، زادِ راہ کم ہے، اندیشہ

بہت بڑا ہے اور راستہ بند ہے۔

وہ علم و عمل جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو وہ ایک صاحب بصیرت ناقد کے نزدیک مردود ہے بے شمار مہلکات کی موجودگی میں کسی راہنما اور ساتھی کے بغیر آخرت کے راستے پر چلنا سخت تھکن اور دشواری کا باعث ہے۔

سببِ تالیف

راستے کے راہنما وہ علماء ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور ان سے زمانہ خالی ہو چکا ہے۔ اب تو محض رسمی لوگ رہ گئے ہیں ان میں سے اکثر پر شیطان غالب آچکا ہے اور سرکشی نے ان کو گمراہ کر رکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک فوری فائدے کے حصول میں معروف ہے چنانچہ وہ نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی قرار دیتے ہیں۔

یہاں تک کہ علم ناپید ہو گیا روئے زمین سے ہدایت کے نشانات مٹ گئے انہوں نے مخلوقِ خدا کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی ہے کہ علم یا تو حکومت کا فتویٰ ہے جس کے ذریعے ہم جھگڑوں کے فیصلے کے سلسلے میں قاضیوں کی مدد طلب کریں۔ یا علم بحث و مناظرہ کا نام ہے کہ بڑائی چاہتے والا اپنے لیے غلبہ اور مخالف کو خاموش کرانا چاہتا ہے۔ یا علم، مقفیٰ مسجع کلام کا نام ہے کہ واعظ اس کے ذریعے عوام کو پھسلاتا ہے۔

کیوں کہ ان کے نزدیک ان تین باتوں کے سوا کوئی دوسرا طریقہ حرام کا دام (جال) اور مال دنیا کا جال نہیں۔

جہاں تک آخرت کے راستے اور اس طریقے کا تعلق ہے جس پر سلف صالحین چلا کرتے تھے نیز اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب میں فقہ، حکمت، علم، چمک، روشنی اور ہدایت و رشد قرار دیا ہے وہ مخلوق کے درمیان سے لپیٹ دیا گیا اور اسے بالکل بھلا دیا گیا ہے۔

اور چونکہ یہ بات دین میں ایک بہت بڑے رخنے اور نہایت تاریک مصیبت ہے اس لیے علوم دینیہ کو زندہ کرنے اور متقدمین ائمہ کے راستوں کو واضح کرنے نیز ان علوم کی عظمت کو واضح کرنے کے لیے میں اس کتاب کی تحریر میں مشغول ہوا جو انبیاء کرام اور پہلے بزرگوں کے نزدیک نافع ہیں۔

ترتیبِ کتاب

میں نے اس کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔

(۱) عبادات کا بیان (۲) عادات کا بیان (۳) ہلاک کرنے والی چیزوں (مہلکات) کا بیان۔ (۴) نجات دینے والی باتوں (منجیات) کا بیان۔ اور ان سے پہلے میں علم کا بیان لایا ہوں کیوں کہ یہ نہایت ضروری اور اہم ہے تاکہ میں اس علم کو واضح کردوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اس کی طلب ہر ایک پر لازم کی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا "طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے"(۱)

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۰ باب فضل العلماء

اور میں نافع علم کو، نقصان دہ علم سے ممتاز کردوں گا کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا "ہم ایسے علم سے اللہ تعالی کی پناہ چاہتے ہیں جو نفع بخش نہیں" (۲)۔

اور میں ثابت کروں گا کہ اس زمانے کے لوگ راہ صواب سے پھر گئے ہیں انہوں نے چمکتی ریت کو پانی سمجھ کر دھوکہ کھایا اور علوم کے سلسلے میں مغز کو چھوڑ کر چھلکے پر قناعت اختیار کر لی۔

ترتیب ابواب عبادات کا بیان دس بابوں پر مشتمل ہے۔

(۱) قواعد عقائد (۲) اسرار طہارت (۳) اسرار صلوٰۃ (۴) اسرار زکوٰۃ (۵) اسرار صیام (۶) اسرار حج (۷) آداب تلاوت قرآن (۸) اذکار (۹) دعائیں (۱۰) باعتبار وقت وظائف کی ترتیب۔

عادات کا بیان بھی دس ابواب پر مشتمل ہے۔

(۱) کھانے کے آداب (۲) نکاح کے آداب (۳) احکام کسب (۴) حلال و حرام (۵) مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ صحبت و معاشرت کے آداب (۶) گوشہ نشینی (۷) آداب سفر (۸) سماع اور وجد (۹) نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا (۱۰) آداب معشیت اور اخلاق نبوت۔

مہلکات کا بیان بھی دس ابواب پر مشتمل ہے۔

(۱) عجائبات قلب کی شرح (۲) ریاضت نفس (۳) دو شہوتوں یعنی پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کا بیان (۴) زبان کی آفات (۵) غصے، کینے اور حسد کی آفات (۶) دنیا کی مذمت (۷) مال اور بخل کی مذمت (۸) عہدے اور ریاکاری کی مذمت (۹) تکبر اور خود پسندی کی مذمت (۱۰) غرور کی مذمت نجات دینے والے امور کا بیان بھی دس بابوں پر مشتمل ہے۔

(۱) توبہ (۲) صبر و شکر (۳) خوف اور امید (۴) فقر و زہد (۵) توحید و توکل (۶) محبت، شوق، انس اور رضا (۷) نیت، صدق اور اخلاص (۸) مراقبہ اور محاسبہ (۹) تفکر (۱۰) موت کا ذکر۔

مزید تفصیل عبادات کے بیان میں، میں ان کے پوشیدہ آداب ان کی سنتوں کی باریکیاں، ان کے معانی کے اسرار، وہ چیز جس کی طرف ایک باعمل عالم مجبور ہوتا ہے بلکہ جو شخص اس پر مطلع نہ ہو وہ علمائے آخرت سے نہیں ہوتا ہے ان میں سے زیادہ وہ باتیں ہیں جن کو فقہ کی کتب میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ عادات کے بیان میں، میں لوگوں کے درمیان جاری معاملات کے اسرار، ان کی باریکیاں اور ان کے راستوں کی گہرائیاں نیز جہاں جہاں وہ جاری ہیں ان میں پوشیدہ ورع (پرہیز گاری) کا ذکر کروں گا کیونکہ ہر دین دار کو ان کی ضرورت ہوتی ہے۔

مہلکات کے بیان میں ہر اس بری عادت کا ذکر کروں گا کہ قرآن پاک نے اسے مٹانے اور اس سے نفس اور

---

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۰ باب فضل العلماء

دل کو پاک کرنے کا حکم دیا ہے ہیں ان میں سے ہر عادت کی تعریف اور حقیقت ذکر کروں گا پھر وہ سبب ذکر کروں جس سے یہ عادات پیدا ہوتی ہیں پھر وہ آفات جو مرتب ہوتی ہیں پھر وہ علامتیں جن کے ذریعے ان کی پہچان حاصل ہوتی ہے اس کے بعد وہ علاج بتاؤں گا جس کے باعث ان سے چھٹکارا مل سکتا ہے اور ان تمام باتوں پر قرآن پاک کی آیات، احادیث اور آثار، سے شہادت پیش کروں گا۔

نجات دینے والے امور کے بیان میں ہر اس قابلِ تعریف خصلت کا ذکر کروں گا جس میں رغبت کی جاتی ہے اور وہ مقربین اور صدیقین کی عادات سے ہے اور جس کے ذریعے بندہ اپنے رب کا قرب حاصل کرتا ہے ہر خصلت کی تعریف و حقیقت ذکر کروں گا نیز ان کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے ان سے کونسا فائدہ حاصل ہوتا، ان کی علامات کیا ہیں جن کے ذریعے ان کی پہچان حاصل ہوتی ہے ان کی کون سی خصلت ہے جس کی وجہ سے یہ مرغوب ہیں اور اس سلسلے میں شریعت اور عقل سے شواہد پیش کروں گا۔

عظمتِ کتاب

ان میں سے بعض امور کے بارے میں کچھ لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں لیکن یہ کتاب (احیاء علوم الدین) پانچ وجوہ سے ان سے ممتاز ہے۔

(۱) جس چیز کو انہوں نے بغیر حل کے اور مجمل چھوڑا ہم نے اسے حل کیا اور بیان کیا۔

(۲) جس چیز کو انہوں نے منتشر رکھا ہم نے اسے مرتب کیا اور جسے انہوں نے متفرق رکھا ہم نے اسے منظّم کیا۔

(۳) جس بات کو انہوں نے ایک طویل تقریر میں بیان کیا ہم نے اسے مختصر طور پر ضبط کر دیا۔

(۴) جو بات انہوں نے بار بار لکھی ہم نے اسے حذف کر کے صرف مطلب کو ثابت رکھا۔

(۵) ایسے باریک امور جن کا سمجھنا ذہنوں پر دشوار ہے ان کتب میں ان کو نہیں چھیڑا گیا کیونکہ ان سب نے اگرچہ ایک ہی طریقہ اپنایا، لیکن ممکن ہے کہ ہر ایک سالک ایسی بات پر مطلع ہو جائے، جس سے اس کے رفقاء بے خبر رہے ہوں یا ہو سکتا ہے وہ بے خبر نہ ہوں لیکن اپنی کتب میں لانا بھول گئے ہوں یا بھولے بھی نہ ہوں لیکن کسی وجہ سے انہوں نے حقیقت سے پردہ نہ اٹھایا ہو۔

تو یہ کتاب کے خواص ہیں علاوہ ازیں یہ کتاب ان علوم کی تفصیل پر بھی مشتمل ہے۔

کتاب کو چار حصّوں میں تقسیم کرنے کی وجہ

مجھے دو باتوں نے کتاب کو چار حصّوں میں تقسیم کرنے کی رغبت دی۔

ان میں سے ایک اصلی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تحقیق و تفہیم کے لیے یہ ترتیب ضروری ہے۔ کیونکہ جس علم کے ذریعے آخرت کی طرف توجہ کی جاتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) علم مکاشفہ (۲) علم معاملہ۔ علم مکاشفہ سے میری مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے فقط معلومات کا کشف حاصل ہوتا ہے۔ اور علم معاملہ سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے (معلومات کے کشف کے ساتھ

ساتھ عمل بھی کیا جاتا ہے اس کتاب سے فقط علمِ معاملہ مقصود ہے علمِ مکاشفہ مراد نہیں کیوں کہ اسے کتاب میں لانے کی اجازت نہیں۔

اگرچہ یہ طالبانِ حق کے مقصد کی غایت اور صدیقین کا مطمحِ نظر ہے۔ اور علمِ معاملہ اس کی طرف جانے والا راستہ ہے لیکن انبیاءِ کرام علیہم السلام نے مخلوق کے ساتھ علمِ طریقت وارشاد میں ہی گفتگو کی ہے۔

جہاں تک علمِ مکاشفہ کا تعلق ہے تو اس میں انہوں نے اشارے، مثال پیش کرنے اور اجمال کے طریقے پر گفتگو کی ہے۔ کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ لوگوں کی سمجھ اسے برداشت نہیں کر سکتی، اور علماء، انبیاءِ کرام کے وارث ہیں لہٰذا ان کے لیے ان کے راستے اور اقتداء سے پھرنے کی کوئی صورت نہیں۔

پھر علمِ معاملہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک علمِ ظاہر ہے یعنی اعضاء کے اعمال کا علم اور دوسرا علمِ باطن یعنی دل کے اعمال کا علم اعضاء پر جو عمل جاری ہوتے ہیں وہ یا تو عادت کے طور پر ہیں یا بطور عبادت ہیں، اور دل جو حواس سے پردے میں ہیں ان پر عالمِ ملکوت سے جو اعمال جاری ہوتے ہیں وہ یا تو محمود ہیں یا قابلِ مذمت ہیں۔ تو اس علم کو دو حصوں یعنی ظاہر و باطن میں تقسیم کرنا ضروری ہوا۔

وہ حصہ جو ظاہر ہے اور اعضاء سے متعلق ہے وہ عادت و عبادت میں تقسیم ہوتا ہے اور جو حصہ باطن ہے اور دل کے حالات اور اخلاقِ نفس سے متعلق ہے وہ مذموم و محمود میں تقسیم ہوتا ہے اس طرح کل چار قسمیں ہوئیں تو یوں علمِ معاملہ میں ان اقسام کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

(کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کی) دوسری وجہ یہ ہے کہ میں نے طلباء کو دیکھا کہ وہ ایسی فقہ میں سچی رغبت رکھتے ہیں جو ان لوگوں کے نزدیک صحیح ہے جو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتے وہ اسے فخر کرنے اور مقابلوں میں اپنے مرتبہ و منزلت کو ظاہر کرنے کے لیے ذرّہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں وہ فقہ چار حصوں میں تقسیم ہوتی ہے تو چونکہ محبوب کے لباس میں ملبوس بھی محبوب ہوتا ہے تو میں نے کتاب کو ترتیبِ فقہ میں لانے کے سلسلے میں کوئی کوتاہی نہ کی، تاکہ آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں کو اس طرف مائل کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے روساء کی دلوں کا طب کی طرف میلان چاہا تو انہوں نے اپنی کتاب کو ستاروں کی تقویم کی صورت میں جدولوں (شکلوں) اور ہندسوں میں لکھا۔ اور اس کا نام تقویم صحت رکھا تاکہ اس جنس سے ان روساء کے اُنس کے باعث ان کو اس کے مطالعہ کی طرف متوجہ کریں۔ اور جس علم میں ابدی زندگی کا فائدہ ہو اس کی طرف دلوں کو کھینچنے کا حیلہ کرنا اس حیلے سے اہم ہے جو طب کی طرف کھینچتا ہے کیونکہ طب تو صرف جسمانی صحت کا فائدہ دیتی ہے۔ جبکہ اس علم کا نتیجہ، قلوب و ارواح کا علاج ہے اس کے ذریعے انسان ابدی زندگی تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے مقابلے میں طب کی کیا حیثیت ہے جس کے ذریعے صرف جسمانی علاج ہوتا ہے اور جسم تو تھوڑے سے ہی دنوں خراب ہو جائیں گے ـــــ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق، ہدایت اور صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کا سوال کرتے ہیں وہ کریم جواد ہے۔

علم کا بیان

اس میں سات باب ہیں۔

پہلا باب:۔

علم، تعلیم اور تعلّم کے بیان میں۔

دوسرا باب:۔

کون سے علوم فرض عین اور کون سے فرض کفایہ ہیں فقہ اور علم کلام کہاں تک علم دین سے ہیں، نیز علم آخرت اور علم دنیا کا بیان۔

تیسرا باب:۔

وہ علوم جنہیں عام لوگ علوم دینیہ میں شمار کرتے ہیں حالانکہ وہ ان میں شامل نہیں نیز کونسا علم اور کس قدر قابل مذمت ہے۔

چوتھا باب:۔

مناظرہ کے نقصانات اور لوگ اختلافات اور جھگڑے میں کیوں مشغول ہوئے؛

پانچواں باب:۔

استاذ اور شاگرد کے آداب کا بیان۔

چھٹا باب:۔

علم اور علماء کے مصائب کا بیان

ساتواں باب:۔

عقل، اس کی فضیلت و اقسام اور اس سلسلے میں وارد روایات کا بیان۔

پہلا باب

علم، تعلیم اور تعلّم کی فضیلت اور اس پر نقلی اور عقلی دلائل۔

فضیلتِ علم

قرآنی آیات:۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰۤئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ (آلِ عمران ۱۸)

اللہ تعالیٰ اس بات پر گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں فرشتوں اور اہلِ علم نے بھی اس بات کی گواہی دی اور یہ کہ وہ انصاف قائم کرنے والا ہے۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنی ذات پاک سے آغاز کیا پھر فرشتوں اور اس کے بعد اہلِ علم کا ذکر فرمایا شرف و فضیلت اور بزرگی و کمال کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ (مجادلہ ۱۱)

اور تم میں سے جو لوگ ایمان لائے نیز اہلِ علم کے درجات کو اللہ تعالیٰ بلند فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

"علماء کرام، عام مومنین سے سات سو درجات بلند ہوں گے اور ہر دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہوگی"

ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (زمر ۹)

آپ فرما دیجئے کیا اہل علم اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (فاطر ۲۸)

بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۔ (رعد ۴۳)

آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کافی ہے نیز وہ لوگ جن کے پاس علم ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ (نمل ۴۰)

اور جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں اسے (بلقیس کے تخت کو) تیرے پاس لاؤں گا۔

اس میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ وہ قوت علم سے اس (بلقیس کا تخت لانے) پر قادر ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۔ (قصص ۸۰)

اور اہل علم نے کہا تمہارے لیے خرابی ہو، جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ قدرِ آخرت کی عظمت، علم کے ذریعے معلوم کی جاتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۔ (عنکبوت ۴۳)

اور یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انہیں صرف علماء ہی سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۔ (نساء ۸۳)

اور اگر وہ اسے (اپنے جھگڑے کو) رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے بااختیار لوگوں (علماء) کی طرف لوٹاتے تو اسے وہ لوگ جانتے جو ان میں سے اجتہاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے واقعات و معاملات کے فیصلے کو علماء کرام کے اجتہاد کی طرف لوٹایا اور حکم خداوندی کے اظہار میں ان کے مرتبہ کو انبیاء کرام علیہم السلام کے درجہ سے ملایا۔

کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پاک :۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۚ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۔ (اعراف ۲۶)

اے انسانوں! بے شک ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا اور زینت ہے اور تقویٰ کا لباس بہتر ہے

ہیں "لباس" سے مراد علم، "ریش" سے مراد یقین اور "لباس التقویٰ" سے حیاء مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (اعراف ۵۲)

اور بے شک ہم ان کے پاس کتاب لائے جس میں ہم نے اپنے علم سے واضح کر دیا۔

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ (اعراف ۷)

پھر ہم ان پر علم کے ساتھ ضرور بیان کریں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (عنکبوت ۴۹)

بلکہ وہ روشن آیات ہیں جو ان لوگوں کے سینے میں ہیں جن کو علم دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (رحمٰن ۳، ۴)

(اللہ تعالیٰ نے) انسان کو پیدا فرمایا (اور) اسے بیان سکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے احسان جتاتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی۔

احادیث مبارکہ :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَيُلْهِمْهُ رُشْدَهٗ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور اس کی ہدایت اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ۔ (۲)

علماء کرام (اہل علم) انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ نبوت سے بلند کوئی رتبہ نہیں اور اس رتبہ کی وراثت سے بڑھ کر کوئی اعزاز نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز عالم کے لیے بخشش طلب

---

(۱) المعجم الکبیر، محمد بن کعب قرظی جلد ۱۹ ص ۳۴۰ محمد بن کعب القرظی عن معاویۃ۔

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۰۔ باب فضل العلماء

وَالْاَرْضِ - (۱)

کرتی ہے۔

اس شخص سے بڑھ کر کس کا منصب ہو گا جس کے لیے آسمانوں اور زمین کے فرشتے طلب مغفرت میں مشغول ہوں یہ اپنی ذات میں اور وہ اس کے لیے استغفار میں مشغول ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ الْحِکْمَۃَ تُزِیْدُ الشَّرِیْفَ شَرَفًا وَتَرْفَعُ الْمَمْلُوْکَ حَتّٰی یُدْرِکَ مَدَارِکَ الْمُلُوْکِ - (۲)

بے شک علم، معزز کی عزت کو بڑھاتا ہے اور غلام کو اس قدر بلندی عطا کرتا ہے کہ وہ بادشاہوں کے درجہ پہ پہنچ جاتا ہے۔

اس حدیث میں اس کے دنیوی فائدہ (پھل) کی خبر دی اور یہ بات معلوم ہے کہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَصْلَتَانِ لَا یَکُوْنَانِ فِیْ مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَفِقْهٌ فِی الدِّیْنِ - (۳)

کسی منافق میں (یہ) دو خوبیاں نہیں پائی جاتیں راہ راست پر ہونا اور دین کی سمجھ۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس دور کے بعض فقہاء کی منافقت کی وجہ سے (اس) حدیث پر ہرگز شک نہ کرنا کیوں کہ آپ کے ارشاد گرامی میں وہ فقہ مراد نہیں جو تمہارے خیال و تصور میں ہے عنقریب فقہ کا مفہوم بیان ہو گا۔ فقیہ کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ آخرت، دنیا سے بہتر ہے اور جب اس پر یہ معرفت صادق اور غالب آجائے تو وہ منافقت اور ریاکاری سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَفْضَلُ النَّاسِ الْمُؤْمِنُ الْعَالِمُ الَّذِیْ اِنِ احْتِیْجَ اِلَیْهِ نَفَعَ وَاِنِ اسْتُغْنِیَ عَنْهُ اَغْنٰی نَفْسَهٗ (۴)

بہترین انسان وہ مومن عالم ہے کہ جب اس کی ضرورت پڑے تو وہ نفع دے اور جب اس سے بے اعتنائی برتی جائے تو وہ بھی بے نیاز ہو جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

---

(۱) اتحاف السادۃ المتقین جلد اول ص ۷۱

(۲) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۴۶ حدیث نمبر ۲۸۷۴۲

(۳) جامع ترمذی ص ۳۸۴، باب ماجاء فی فضل الفقہ

(۴) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۴۷ حدیث نمبر ۲۸۹۰۷

اَلْاِیْمَانُ عُرْیَانٌ وَلِبَاسُهُ التَّقْوٰی وَزِیْنَتُهُ الْحَیَاءُ وَثَمَرَتُهُ الْعِلْمُ۔ (۱)

ایمان برہنہ ہے اس کا لباس تقویٰ ہے اس کی زینت حیاء اور اس کا پھل علم ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَقْرَبُ النَّاسِ مِنْ دَرَجَةِ النُّبُوَّةِ اَهْلُ الْعِلْمِ وَالْجِهَادِ اَمَّا اَهْلُ الْعِلْمِ فَدَلُّوا النَّاسَ عَلٰی مَا جَاءَتْ بِهِ الرُّسُلُ وَاَمَّا اَهْلُ الْجِهَادِ فَجَاهَدُوْا بِاَسْیَافِهِمْ عَلٰی مَا جَاءَتْ بِهِ الرُّسُلُ۔ (۲)

لوگوں میں سے درجۂ نبوت کے زیادہ قریب، علماء اور مجاہدین ہیں، علماء، رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں جب کہ مجاہدین رسولوں کی لائی ہوئی شریعت (کے تحفظ) کے لیے اپنی تلواروں سے جہاد کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَمَوْتُ قَبِیْلَةٍ اَیْسَرُ مِنْ مَوْتِ عَالِمٍ۔ (۳)

ایک قبیلے کی موت، ایک عالم کی موت سے آسان تر ہے۔

آپ نے مزید فرمایا۔

اَلنَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ فَخِیَارُهُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُهُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا۔ (۴)

سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح لوگوں کی بھی کانیں ہیں پس ان میں سے وہ لوگ جو دور جاہلیت میں بہتر تھے اسلام میں بھی بہتر ہیں بشرطیکہ دین کی سمجھ رکھتے ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یُوْزَنُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ بِدَمِ الشُّهَدَاءِ۔ (۵)

قیامت کے دن علماء کرام کی (تحریرات کی) سیاہی کو شہداء کے خون کے مقابلے میں تولا جائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۱۱۲ حدیث نمبر ۳۸۰

(۲) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۳۱ حدیث نمبر ۲۸۷۴۰

(۳) الاسرار المرفوعہ ص ۱۷۷ حدیث نمبر ۶۸۰

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۳۹ روایات ابی ہریرہ

(۵) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۷۳ حدیث نمبر ۲۸۸۹۹۔

مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا مِنَ السُّنَّةِ حَتّٰی یُؤَدِّیَهَا اِلَیْهِمْ كُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا وَشَهِیْدًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ ۔(۱)

جس شخص نے میری امت کی خاطر سنّت سے متعلق میری چالیس احادیث یاد کیں حتیٰ کہ انہیں ان تک پہنچا دیا تو میں قیامت کے دن اس شخص کا سفارشی اور گواہ ہوں گا۔

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ حَمَلَ مِنْ اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا لَقِیَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَقِیْهًا عَالِمًا ۔ (۲)

میرا جو امتی چالیس احادیث یاد کرے گا وہ قیامت کے دن ایک فقیہ عالم کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ تَفَقَّهَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ كَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مَا اَهَمَّهٗ وَرَزَقَهٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ۔ (۳)

جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کی سمجھ حاصل کرے اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات میں اسے کفایت کرے گا اور اسے اس جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جس جگہ کا اسے گمان بھی نہ ہو گا۔

٭ ٭ ٭ ٭

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَوْحَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَا اِبْرَاهِیْمُ اِنِّیْ عَلِیْمٌ اُحِبُّ كُلَّ عَلِیْمٍ ۔ (۴)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے ابراہیم! بلاشبہ میں علم والا ہوں اور علم والے کو پسند کرتا ہوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْعَالِمُ اَمِیْنُ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ فِی الْاَرْضِ ۔ (۵)

عالم، زمین میں اللہ تعالیٰ کا امانت دار ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

صِنْفَانِ مِنْ اُمَّتِیْ اِذَا صَلُحُوْا صَلُحَ النَّاسُ وَاِذَا فَسَدُوْا فَسَدَ النَّاسُ اَلْاُمَرَاءُ

میری امت کے دو طبقے ایسے ہیں کہ اگر وہ صحیح ہوں تو تمام لوگ صحیح ہوتے ہیں اور اگر وہ بگڑ جائیں تو سب لوگ بگڑ

(۱) الکامل جلد اوّل ص ۳۴۴ حدیث نمبر ۲۸۸۹۹ اسحاق بن نجیع
(۲) العلل المتناہیہ جلد اول ص ۱۱۸ ابواب یا یتعلق الحدیث
(۳) تاریخ بغداد جلد ۳ ص ۳۲ من اسمہ محمد بن عمر
(۴) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۳۴ حدیث نمبر ۲۸۶۷۱
(۵) 〃 〃 ص ۱۹۱ حدیث نمبر ۲۹۰۰۷

وَالْفُقَهَاءُ (۱) — جانتے ہیں ایک حکمرانوں کا طبقہ اور دوسرے علماء۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اذا اتی علی یوم لا ازداد فیہ علما یقربنی الی اللہ عزوجل فلا بورک لی فی طلوع الشمس ذلک الیوم (۲)

جب مجھ پر کوئی ایسا دن آئے جس میں، میں ایسے علم کا اضافہ نہ کروں جو مجھے اللہ تعالٰی کے قریب کر دے تو اس دن کے طلوعِ آفتاب سے مجھے برکت حاصل نہ ہوئی۔

رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو عبادت اور شہادت پر فضیلت دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا۔

وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَى رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِي۔ (۳)

عابد پر عالم کی فضیلت اس طرح ہے جیسے مجھے اپنے ادنیٰ صحابی پر فضیلت حاصل ہے۔

تو دیکھئے آپ نے کس طرح علم کو درجۂ نبوت کے ساتھ ملایا اور کس طرح علم سے خالی عمل کا درجہ گھٹا دیا اگرچہ عابد، اس عبادت کے علم سے بے بہرہ نہیں ہوتا جسے وہ ہمیشہ کرتا ہے کیونکہ اگر یہ علم نہ ہو تو وہ عبادت ہی نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ۔ (۴)

عالم کی عابد پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح چودھویں رات کا چاند تمام ستاروں سے افضل ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ (۵)

قیامت کے دن تین قسم کے لوگ سفارش کریں گے، انبیاء کرام پھر علماء عظام پھر شہداء کرام۔

تو آپ نے ایسے مرتبہ کے ساتھ (ان کی) عظمت بیان فرمائی جو نبوت سے ملا ہوا ہے اور یہ درجۂ شہادت سے بلند ہے باوجودیکہ شہادت کی فضیلت میں روایات آئی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۳۴ حدیث نمبر ۲۸۷۶۸

(۲) جامع ترمذی ص ۳۸۴، ۳۸۵ باب ماجاء فی فضل الفقہ

(۳) 〃 〃 〃

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۴ باب ذکر الشفاعۃ

مَا عُبِدَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِشَيْءٍ اَفْضَلَ مِنْ فِقْهٍ فِي الدِّيْنِ وَلَفَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔
وَلِكُلِّ شَيْءٍ عِمَادٌ وَعِمَادُ هٰذَا الدِّيْنِ الْفِقْهُ۔ (۱)

دین کی سمجھ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی گئی اور ایک فقیہ، شیطان پر ایک ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔
ہر چیز کا ستون ہوتا ہے اور اس دین کا ستون دین کی سمجھ ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
خَيْرُ دِيْنِكُمْ اَيْسَرُهٗ وَخَيْرُ الْعِبَادَةِ الْفِقْهُ۔ (۲)

تمہارا بہتر دین وہ ہے جو زیادہ آسان ہو اور بہترین عبادت دین کی سمجھ حاصل کرنا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔
فَضْلُ الْمُؤْمِنِ الْعَالِمِ عَلَى الْمُؤْمِنِ الْعَابِدِ بِسَبْعِيْنَ دَرَجَةً۔ (۳)

مومن عالم کو مومن عابد پر ستر درجے فضیلت حاصل ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اِنَّكُمْ اَصْبَحْتُمْ فِيْ زَمَنٍ كَثِيْرٍ فُقَهَاؤُهٗ قَلِيْلٍ قُرَّاؤُهٗ وَخُطَبَاؤُهٗ قَلِيْلٍ سَائِلُوْهُ كَثِيْرٍ مُعْطُوْهُ الْعَمَلُ فِيْهِ خَيْرٌ مِّنَ الْعِلْمِ وَسَيَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ قَلِيْلٌ فُقَهَاؤُهٗ كَثِيْرٌ خُطَبَاؤُهٗ قَلِيْلٌ مُعْطُوْهُ كَثِيْرٌ سَائِلُوْهُ الْعِلْمُ فِيْهِ خَيْرٌ مِّنَ الْعَمَلِ۔ (۴)

بے شک تم ایسے زمانے میں ہو جس میں اہل علم زیادہ اور قراء و خطباء کم ہیں مانگنے والے کم اور دینے والے زیادہ ہیں اس (زمانے) میں عمل، علم سے بہتر ہے اور عنقریب لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں اہل علم کم اور خطباء زیادہ ہوں گے دینے والے کم اور مانگنے والے زیادہ ہوں گے اس (زمانے) میں علم، عمل سے بہتر ہو گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
بَيْنَ الْعَالِمِ وَالْعَابِدِ مِائَةُ دَرَجَةٍ بَيْنَ

عالم اور عابد کے درمیان ایک سو درجے کا فرق ہے

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۴۷، ۱۴۸ حدیث نمبر ۲۸۷۵۲
(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۳۸ حدیث ۵۳۴۵۔
(۳) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۵۵ حدیث ۲۸۷۹۷
(۴) مجمع الزوائد (بحوالہ طبرانی) جلد اول ص ۱۲۷ باب فی فضل العلماء

كُلُّ دَرَجَتَيْنِ حَضْرُ الْجَوَادِ الْمُضَمَّرِ سَبْعِيْنَ سَنَةً۔ (۱)

اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنی مسافت ہے کہ تیز رفتار سرہایا ہوگھوڑا ستر سال دوڑتا رہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ذات پاک کا علم، عرض کیا گیا آپ کی مراد کونسا علم ہے۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم، انہوں نے عرض کیا ہم عمل کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ علم کے بارے میں بتا رہے ہیں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ قَلِيْلَ الْعَمَلِ يَنْفَعُ مَعَ الْعِلْمِ بِاللّٰهِ وَاِنَّ كَثِيْرَ الْعَمَلِ لَا يَنْفَعُ مَعَ الْجَهْلِ بِاللّٰهِ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ تھوڑا عمل بھی نفع بخش ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے لاعلم ہوتے ہوئے زیادہ عمل بھی نفع نہیں دیتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَبْعَثُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْعِبَادَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَبْعَثُ الْعُلَمَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ يَا مَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ اِنِّيْ لَمْ اَضَعْ عِلْمِيْ فِيْكُمْ اِلَّا لِعِلْمِيْ بِكُمْ وَلَمْ اَضَعْ عِلْمِيْ فِيْكُمْ لِاُعَذِّبَكُمْ اِذْهَبُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو اٹھائے گا پھر علماء کرام کو اٹھائے گا اس کے بعد فرمائے گا اے علماء کرام کے گروہ! میں نے اپنا علم تمہیں جانتے ہوئے عطا کیا تھا اور میں نے تمہیں اپنا علم اس لیے نہیں دیا تھا کہ میں تمہیں عذاب دوں بے شک میں نے بخش دیا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے حسن خاتمہ کا سوال کرتے ہیں۔

صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت کمیل سے فرمایا: اے کمیل! علم، مال سے بہتر ہے، علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو علم کی، علم حاکم ہے اور مال محکوم، مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی نے فرمایا۔

(رات بھر) عبادت کے لیے کھڑے رہنے والے اور (دن کو) روزہ رکھنے والے مجاہد سے عالم افضل ہے۔ جب کوئی عالم فوت ہو جاتا ہے تو اسلام میں ایسا رخنہ پیدا ہوتا ہے جسے اس کا کوئی نائب ہی پر کر سکتا ہے (۴)

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۱۰۲، فضل العالم علی العابد

(۲) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۵۶ حدیث نمبر ۲۸۸ ...

(۳) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۷۳ ا نمبر ۲۸۹...

(۴) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۵۵ حدیث نمبر ۲۹۳۶۳۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نظم کی صورت میں فرمایا۔

(ترجمہ) "فخر کے لائق صرف اہل علم ہیں وہ خود ہدایت پر ہیں اور ہدایت چاہنے والوں کے لیے راہنما ہیں، ہر شخص کے لیے وہی چیز قدر کا باعث ہے جو اسے حسن عطا کرتی ہے اور جاہل لوگ علماء کے دشمن ہیں علم کے ساتھ کامیابی حاصل کرو اس کے ذریعے ہمیشہ زندہ رہو گے باقی لوگ مردہ ہیں اور علماء زندہ ہیں"

ابوالاسود کہتے ہیں۔

"علم سے زیادہ قابل عزت کوئی چیز نہیں، بادشاہ لوگوں پر حکمران ہیں اور علماء، حکمرانوں پر حاکم ہیں"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

"حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کو علم، مال اور بادشاہی میں (سے ایک کا) اختیار دیا گیا تو انہوں نے علم کو اختیار کیا چنانچہ انہیں مال اور بادشاہی بھی عطا کر دی گئی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ سے پوچھا گیا کہ انسان کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا "علماء کرام"، پوچھا گیا بادشاہ کون ہیں؟ فرمایا "پرہیزگار لوگ"، پوچھا گیا بیوقوف کون لوگ ہیں؟ فرمایا "وہ لوگ جو دین کے ذریعے دنیا کھاتے ہیں"

انہوں نے (حضرت ابن مبارک نے) غیر عالم کو انسانوں میں شمار نہیں فرمایا کیونکہ جس خصوصیت کے ذریعے انسان، تمام جانوروں سے ممتاز ہوتے ہیں وہ علم ہے۔ پس انسان، اس وصف کے ذریعے انسان ہوتا ہے جس کے باعث اسے عزت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ (اعزاز) اس کی شخصی قوت کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اونٹ اس سے زیادہ طاقتور ہے اور نہ جسم کے بڑا ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ ہاتھی جسمانی طور پر اس سے بڑا ہے، نہ بہادری کی وجہ سے کیوں کہ درندے اس سے زیادہ بہادر ہیں۔ نہ کھانے کی وجہ سے کیوں کہ بیل کا پیٹ اس کے پیٹ سے زیادہ کشادہ ہے نہ صحبت و جماع کی وجہ سے کیوں کہ معمولی چڑیا بھی بلکہ وہ تو صرف علم کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

بعض علماء کرام نے فرمایا، جس نے علم کو نہ پایا اس نے کیا چیز پائی اور جس نے علم کو پایا اس نے کیا کھویا (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

مَنْ اُوْتِیَ الْقُرْاٰنَ فَرَاٰی اَنَّ اَحَدًا اُوْتِیَ خَیْرًا مِنْهُ فَقَدْ حَقَّرَ مَا عَظَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی (۲)

جس شخص کو قرآن پاک (کا علم) دیا گیا پھر اس نے خیال کیا کہ کسی کو اس سے بہتر چیز ملی ہے تو اس نے اس چیز کو ہلکا جانا جسے اللہ تعالیٰ نے عظمت عطا فرمائی ہے۔

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ جس کو علم حاصل ہو گیا اس کو دنیا کی ہر چیز مل گئی اور جسے علم نہیں ملا اسے کچھ بھی نہ ملا ۱۲ ہزاروی

(۲) کنز العمال جلد اول ص ۵۲۵ حدیث نمبر ۲۳۴۹۔

فتح موصلی رحمۃ اللہ نے پوچھا۔
کیا یہ بات نہیں کہ جب مریض کو کھانے پینے سے روک دیا جائے تو وہ مرجاتا ہے؟ انہوں نے (حاضرین نے) کہا
ہاں کیوں نہیں، فرمایا، دل کا بھی یہی حال ہے،
جب اس سے علم اور حکمت کو تین دن روکا جائے تو وہ مرجاتا ہے۔ انہوں نے سچ فرمایا کیونکہ دل کی غذا علم و حکمت
ہے اور ان دونوں کے ذریعے وہ زندہ رہتا ہے جیسے جسم کی غذا کھانا ہے۔ لہذا جس نے علم کو نہ پایا اس کا دل بیمار ہے
اور اس کی موت لازمی ہے۔ لیکن اسے اس بات کا شعور نہیں ہوتا۔ کیونکہ دنیا کی محبت اور اس میں مشغولیت اس کے احساس
کو ختم کردیتی ہے جیسے غلبۂ خوف فوری طور پر زخموں کی تکلیف کو مٹا دیتا ہے اگرچہ وہ موجود ہوتی ہے اور جب موت اس سے
دنیا کے بوجھ کو مٹا دیتی ہے تو اسے اپنی ہلاکت کا احساس ہوتا ہے اس وقت وہ بہت زیادہ افسوس کرتا ہے کیوں کہ
وہ اسے نفع نہیں دیتا۔ یہ ایسے ہے جیسے خوف سے نجات پانے والے اور نشے سے افاقہ حاصل کرنے والے کو ان زخموں
کا احساس ہوتا ہے جو اس کو نشے یا خوف کی حالت میں پہنچے۔ پس ہم اس دن سے پناہ چاہتے ہیں جب حقیقت کھل جائے
گی اب تو لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مرجائیں گے تو بیدار ہوں گے۔
حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا۔
"علماء کی (تحریرات کی) سیاہی کو شہداء کے خون کے مقابلے میں تولا جائے گا تو شہداء کے خون سے علماء کی سیاہی
زیادہ وزنی ہوگی۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔
"تم پر لازم ہے کہ علم کے اٹھنے سے پہلے اسے حاصل کرو اور اس کا اٹھنا اسے روایت کرنے والوں کا فوت ہونا
ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو کر شہید ہوئے جب
علماء کرام کی عزت دیکھیں گے تو تمنا کریں گے کہ کاش اللہ تعالیٰ ان کو بھی علماء کے طور پر اٹھاتا اور تم میں سے کوئی بھی پیدائشی
عالم نہیں ہوتا علم تو سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔"
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔
"مجھے رات کا کچھ حصہ علم کے مذاکرہ میں گزارنا، عبادت میں رات گزارنے سے زیادہ پسند ہے" حضرت ابوہریرہ رضی
اللہ عنہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔
حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ، ارشاد خداوندی

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں آگ کے عذاب

سے بچا۔ البَّابِ (۱)

کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "دنیا میں بھلائی علم اور عبادت ہے۔ اور آخرت میں جنت"

کسی دانا سے پوچھا گیا کون سی اشیاء جمع کی جائیں؟ اس نے جواب دیا "وہ اشیاء کہ جب تمہاری کشتی ڈوب جائے تو وہ تمہارے ساتھ تیرتی رہیں" اس سے علم مراد ہے۔ کہا گیا ہے کہ کشتی کے ڈوبنے سے مراد موت کے ذریعے بدن کی ہلاکت ہے بعض دانا لوگوں نے فرمایا "جس نے حکمت کو لگام بنایا لوگ اسے اپنا پیشوا بناتے ہیں۔ اور جو شخص حکمت (دانائی) میں مصروف ہوتا ہے لوگوں کی نگاہوں میں باوقار ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

علم کی شرافت ہے کہ جو شخص اس سے منسوب ہوتا ہے اگرچہ معمولی سی نسبت ہو وہ خوش ہوتا ہے اور جس سے یہ نسبت اٹھائی جائے وہ غمگین ہوتا ہے (۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

اے لوگو! تم پر علم (کا حاصل کرنا) لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک چادر ہے جسے وہ پسند فرماتا ہے پس جو شخص علم کا ایک باب طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہ چادر پہنا دیتا ہے۔ پھر اگر وہ کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ تین مرتبہ اس کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ اس چادر کو واپس نہ لے لے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اگرچہ وہ گناہ اس کی موت تک دراز ہو جائے۔

حضرت احنف نے فرمایا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علماء کرام مالک بن جائیں اور جس عزت کی مضبوطی علم سے نہ ہو اس کا انجام ذلت ہے۔

حضرت سالم بن ابی الجعد فرماتے ہیں۔

مجھے میرے مالک نے تین سو درہموں میں خرید کر آزاد کر دیا میں نے سوچا کہ کونسا پیشہ اختیار کروں تو میں نے علم کے شعبہ کو اختیار کر لیا ایک سال نہ گزرا تھا کہ شہر کا حاکم میری ملاقات کے لیے آیا لیکن میں نے اسے اجازت نہ دی۔

حضرت زبیر بن ابوبکر فرماتے ہیں۔

میرے والد نے مجھے عراق میں ایک خط لکھا کہ علم کو اختیار کرو۔ اگر تم محتاج ہو گئے تو وہ تمہارے لیے مال ہو گا اور اگر

---

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۲۰۱

(۲) کسی کو کہا جائے کہ یہ پڑھا لکھا ہے تو وہ فخر محسوس کرتا ہے اور اگر کہا جائے کہ یہ جاہل ہے تو وہ اپنی توہین محسوس کرتا ہے اگرچہ وہ جاہل ہی کیوں نہ ہو ۱۲ ہزاروی

نہیں ضرورت نہ ہو گی تو وہ تمہارا حسن و جمال ہو گا۔
حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی وصیتوں میں بھی اس بات کا ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔
اے بیٹے! علماء کی مجلس اختیار کرو اپنے زانو اُن کے زانوؤں سے ملا دو۔ اللہ تعالیٰ دلوں کو نور حکمت سے زندہ کرتا ہے جیسے کہ آسمان کی موسلا دھار بارش زمین کو آباد کر دیتی ہے۔
کسی دانا کا قول ہے کہ جب کسی عالم کا انتقال ہوتا ہے تو پانی میں مچھلیاں اور فضا میں پرندے روتے ہیں اگرچہ اس کا چہرہ گم ہو گیا لیکن اس کی یاد نہیں بھولتی حضرت زہری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔
علم نر ہے اور اسے مردوں میں سے وہی پسند کرتے ہیں جو نر ہوں[1]

طلب علم کی فضیلت

آیاتِ کریمہ:۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ۔ (۲)

تو کیوں نہ نکلے ہر قبیلے سے چند آدمی تا کہ دین میں تفقہ (سمجھ) حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (۳)

پس اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔

احادیث مبارکہ:۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ۔ (۴)

جو شخص طلب علم کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس شخص کو جنت کے راستے پر چلا دیتا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ علم کا حصول جوانمردوں کا کام ہے اگرچہ یہ جذبہ عورتوں کے اندر بھی پایا جاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ عورتیں علم حاصل نہیں کر سکتیں ۱۲ ہزاروی۔

(۲) سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۲۲ (۳) سورۂ نحل آیت (۴۳)

(۴) سنن ابی داؤد جلد ۳ ص ۳۱۷ حدیث نمبر ۳۶۴۱

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا يَصْنَعُ۔ (۱)

بے شک فرشتے طالب علم کے عمل پر راضی ہوتے ہوئے اس کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَأَنْ تَغْدُوَ فَتَتَعَلَّمَ بَابًا مِنَ الْعِلْمِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ۔ (۲)

تمہارا صبح کے وقت علم کا ایک باب سیکھنے کے لیے جانا ایک سو رکعت (نوافل) پڑھنے سے بہتر ہے

آپ نے فرمایا:۔

بَابٌ مِنَ الْعِلْمِ يَتَعَلَّمُهُ الرَّجُلُ خَيْرٌ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔ (۳)

علم کا ایک باب جسے کوئی شخص سیکھے اس کے لیے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے بہتر ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

أُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّينِ۔ (۴)

علم کی تلاش کرو اگرچہ چین میں ہو (یعنی بہت دور ہی کیوں نہ ہو)

آپ نے فرمایا:۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ (۵)

طلب علم ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔

ارشاد فرمایا:۔

اَلْعِلْمُ خَزَائِنُ مَفَاتِيحُهَا السُّؤَالُ أَلَا فَاسْأَلُوهَا فَإِنَّهُ يُؤْجَرُ فِيهِ أَرْبَعَةٌ السَّائِلُ وَالْعَالِمُ وَالْمُسْتَمِعُ وَالْمُحِبُّ لَهُمْ۔ (۶)

علم خزانہ ہے اور اس کی چابیاں سوال ہے سنو! پوچھا کرو اس میں چار آدمیوں کے لیے ثواب ہے پوچھنے والے، عالم، توجہ سے سننے والے اور ان لوگوں سے محبت کرنے والے کے لیے۔

⁂

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا يَنْبَغِي لِلْجَاهِلِ أَنْ يَسْكُتَ عَلَى جَهْلِهِ

جاہل کو اپنی جہالت پر اور عالم کو اپنے علم پر خاموش رہنا

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۴۱ مرویات صفوان بن عسال

(۲) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۵۸ حدیث نمبر ۲۹۲۷۰ (۳) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۶۳ حدیث نمبر ۲۸۸۴۸

(۴) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۳۸ حدیث نمبر ۲۸۶۹۷ (۵) سنن ابن ماجہ ص ۲۰ باب فضل العلماء

(۶) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۳۴ حدیث ۲۸۶۶۲

وَلِلْعَالِمِ اَنْ يَّسْكُتَ عَلٰى عِلْمِهٖ ۔ (۱)

مناسب نہیں (۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

حُضُوْرُ مَجْلِسِ عَالِمٍ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوةِ اَلْفِ رَكْعَةٍ وَعِيَادَةِ اَلْفِ مَرِيْضٍ وَشُهُوْدِ اَلْفِ جَنَازَةٍ۔ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ؟ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ يَنْفَعُ الْقُرْاٰنُ اِلَّا بِالْعِلْمِ۔ (۳)

کسی عالم کی مجلس میں حاضر ہونا ایک ہزار رکعات (نوافل) پڑھنے ایک ہزار مریضوں کی بیمار پرسی کرنے اور ایک ہزار جنازوں میں شریک ہونے سے بہتر ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا قرآن پاک پڑھنے سے بھی؟ آپ نے فرمایا قرآن پاک بھی تو علم کے ساتھ ہی فائدہ دیتا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ فِي الْجَنَّةِ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ۔ (۴)

جس شخص کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لیے علم حاصل کر رہا تھا تو جنت میں اس کے اور انبیاء کرام کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہوگا (یعنی اسے انبیاء کرام کا قرب حاصل ہوگا)

اقوالِ صحابہ و تابعین

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے طالب علمی کے زمانہ میں عجز و انکساری سے کام لیا اور اب بحیثیت معلّم میری عزت کی جاتی ہے حضرت ابن ابی ملیکہ بھی اسی طرح فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں۔

میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مثل نہیں دیکھا اگر تم ان کی زیارت کرو تو ایک خوبصورت ترین شخص کو دیکھو گے جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو عرب کے سب سے زیادہ فصیح اور فتویٰ دیتے ہیں تو لوگوں میں سے سب سے بڑے عالم معلوم ہوتے ہیں حضرت ابن مبارک فرماتے ہیں۔

"مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو علم حاصل نہیں کرتا اس کا نفس اسے کس طرح بزرگی کی طرف بلاتا ہے"۔

کسی دانا نے کہا ــــــ

---

(۱) مجمع الزوائد جلد اوّل ص ۱۶۴، ۱۶۵ باب فیما ینبغی للعالم والجاھل۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ بے علم کو طلب علم کے ذریعے اپنی جہالت کا ازالہ کرنا چاہیے اور جو شخص عالم ہے وہ دوسروں کو سکھاتا ہے ایسا نہ کرنا جائز ہے ۱۲ ہزاروی

(۳) الاسرار المرفوعہ ص ۱۱۳، ۱۱۴ حدیث نمبر ۴۲۷ (۴) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۲۶۰ حدیث نمبر ۲۹۳۸۲

مجھے لوگوں پر اس قدر ترس نہیں آتا جتنا دو آدمیوں میں سے ایک پر آتا ہے ایک وہ شخص جو علم طلب کرتا ہے لیکن اسے سمجھتا نہیں دوسرا وہ جو علم کو سمجھتا ہے لیکن طلب نہیں کرتا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"میرے لیے ایک مسئلہ سیکھنا رات بھر کے قیام سے بہتر ہے"

انہوں نے مزید فرمایا:۔

"عالم اور طالبِ علم، بھلائی میں شریک ہیں باقی تمام لوگ عوام الناس ہیں ان میں کوئی بھلائی نہیں"

مزید فرمایا:۔

"عالم یا طالب علم یا علم کو سننے والے بنو چوتھا آدمی نہ بننا ہلاک ہو جاؤ گے"

حضرت عطا فرماتے ہیں:۔

"علم کی ایک مجلس کھیل کود کی ستر مجلسوں کا کفارہ ہوتی ہے"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رات کو عبادت کے لیے قیام کرنے اور دن کو روزہ رکھنے والے ایک ہزار عبادت گزاروں کی موت ایک ایسے عالم کی موت کے سامنے ہیچ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حلال و حرام (کردہ) کی سمجھ رکھتا ہو۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"طلب علم، نفل نماز سے بہتر ہے"

حضرت ابن عبد الحکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے پاس علم حاصل کیا کرتا تھا ظہر کا وقت ہوا تو میں نے نماز پڑھنے کے لیے کتابوں کو اکٹھا کیا انہوں نے فرمایا اے فلاں! جس کام کی طرف تم اٹھے ہو وہ اس سے افضل نہیں جس میں تم مصروف تھے بشرطیکہ نیت صحیح ہو۔ (۱)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

جس شخص کے خیال میں طلب علم کے لیے جانا جہاد نہیں تو اس کی رائے اور عقل ناقص ہے۔

---

(۱) اگر دین کا طالب علم بالخصوص فقہ سیکھنے والا، اسباق سے فرصت نہ پائے تو اسے جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے (عام کتب فقہ) ۱۲ ہزاروی۔

تعلیم کی فضیلت

آیاتِ کریمہ :

ارشادِ خداوندی ہے :۔

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۔ (۱)

اور چاہیے کہ وہ (علماء) اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف واپس آئیں تاکہ وہ بچیں ۔

اس سے مراد علم سکھانا اور ہدایت دینا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے :۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۔ (۲)

اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ وعدہ لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ وہ اسے لوگوں سے ضرور بیان کریں اور اسے نہ چھپائیں ۔

اس میں علم سکھانے کو واجب قرار دیا گیا ہے :۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ (۳)

اور ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں ۔

یعنی علم کو چھپانا حرام ہے جیسے گواہی چھپانے کے بارے میں فرمایا :۔

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۔ (۴)

اور جو اسے (گواہی کو) چھپائے اس کا دل گناہ گار ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

مَا اٰتَى اللّٰهُ عَالِمًا عِلْمًا اِلَّا وَاَخَذَ عَلَيْهِ مِنَ الْمِيْثَاقِ مَا اَخَذَ عَلَى النَّبِيِّيْنَ اَنْ يُّبَيِّنُوْهُ لِلنَّاسِ وَلَا يَكْتُمُوْهُ ۔ (۵)

اللہ تعالیٰ نے جس عالم کو علم دیا ہے اس سے وہ عہد لیا جو انبیاء کرام سے لیا کہ وہ اسے لوگوں کے لیے بیان کریں اور اسے نہ چھپائیں ۔

---

(۱) سورۂ توبہ ۱۲۲) (۲) سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۸۷) (۳) سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۴۶)
(۴) سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۸۳)
(۵) فیض القدیر جلد ۵ ص ۴۰۶

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ (۱)

اور اس سے بڑھ کر کس کی بات اچھی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور اچھے کام کرتا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ (۲)

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ بلاؤ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ الْحِكْمَةَ۔ (۳)

اور وہ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔

احادیث مبارکہ:۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا:۔

لَئِنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (۴)

اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے کسی ایک شخص کو ہدایت دے تو یہ تمہارے لیے دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ تَعَلَّمَ بَابٌ مِّنَ الْعِلْمِ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ اُعْطِيَ ثَوَابَ سَبْعِيْنَ صِدِّيْقًا۔ (۵)

جو شخص علم کا ایک باب سیکھتا ہے تاکہ لوگوں کو سکھائے تو اسے ستر صدیقوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:۔

مَنْ عَلِمَ وَعَمِلَ وَعَلَّمَ فَذٰلِكَ يُدْعٰى عَظِيْمًا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ (۶)

جو شخص عالم ہو اور عمل کرے نیز سکھائے تو اسے آسمانوں کی سلطنت میں عظیم کہا جاتا ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ

جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ عابدین و مجاہدین سے

---

(۱) سورۂ فصلت (۳۳) (۲) سورہ النحل آیت ۱۲۵) (۳) سورۂ آل عمران آیت ۴۸)

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۹ باب من فضائل علی ابن طالب۔

(۵) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۹۸ باب فضل طلب العلم

(۶) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۶۴ حدیث نمبر ۲۸۸۵۰

لِلْعَابِدِیْنَ وَالْمُجَاهِدِیْنَ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ فَیَقُوْلُ الْعُلَمَاءُ بِفَضْلِ عِلْمِنَا تَعَبَّدُوْا وَجَاهَدُوْا فَیَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنْتُمْ عِنْدِیْ کَبَعْضِ مَلٰٓئِکَتِیْ اِشْفَعُوْا تُشَفَّعُوْا فَیَشْفَعُوْنَ ثُمَّ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ۔ (۱)

فرمائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ علماء کرام عرض کریں گے انہوں نے ہمارے علم کی فضیلت کے باعث عبادت اور جہاد کیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم میرے نزدیک میرے بعض فرشتوں کی طرح ہو سفارش کرو تمہاری شفاعت قبول ہو گی وہ شفاعت کریں گے پھر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

تو یہ اعزاز اس علم کے ذریعے ہو گا جو تعلیم کے ذریعے دوسروں تک پہنچتا ہے اس علم لازم کے ذریعے نہیں جو دوسروں تک نہیں پہنچتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا یَنْتَزِعُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا مِنَ النَّاسِ بَعْدَ اَنْ یُّؤْتِیَهُمْ اِیَّاهُ وَلٰکِنْ یَّذْهَبُ بِذَهَابِ الْعُلَمَاءِ فَکُلَّمَا ذَهَبَ عَالِمٌ ذَهَبَ بِمَا مَعَهُ مِنَ الْعِلْمِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ اِلَّا رُؤُسًا جُهَّالًا اِنْ سُئِلُوْا اَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَیَضِلُّوْنَ وَیُضِلُّوْنَ (۲)

اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں کو عطا کرنے کے بعد ان سے واپس لے لے بلکہ علماء کو اٹھانے کے ذریعے علم کو اٹھائے گا جب بھی کوئی عالم اس دنیا سے رخصت ہو گا تو اس کے ساتھ اس کا علم بھی چلا جائے گا حتیٰ کہ وہ وقت آئے گا جب جاہل لوگ لوگوں کے راہنما ہوں گے اگر ان سے پوچھا جائے تو علم کے بغیر فتویٰ دیں گے اس طرح خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

٭ ٭ ٭

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ عَلِمَ عِلْمًا فَکَتَمَهُ اَلْجَمَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنَ النَّارِ۔ (۳)

جس شخص نے علم حاصل کیا پھر اسے چھپایا (بیان نہ کیا) تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے آگ کی لگام ڈالے گا۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۳۶ حدیث نمبر ۲۸۶۸۸

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۵۹۰ کتاب العلم

(۳) جامع ترمذی ص ۳۷۹ ما جاء فی کتمان العلم

«نِعْمَ الْعَطِيَّةُ وَنِعْمَ الْهَدِيَّةُ كَلِمَةُ حِكْمَةٍ تَسْمَعُهَا فَتَطْوِيْ عَلَيْهَا ثُمَّ تَحْمِلُهَا إِلَى أَخٍ لَكَ مُسْلِمٍ تُعَلِّمُهُ إِيَّاهَا تَعْدِلُ عِبَادَةَ سَنَةٍ» (۱)

بہترین عطیہ (اور) سب سے اچھا تحفہ (کیا ہے) دانائی کی ایک بات جسے تم سنو پھر اسے محفوظ رکھ کر اپنے مسلمان بھائی کے پاس لے جاؤ اور اسے سکھا دو تو یہ ایک سال کی عبادت کے برابر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَمَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا إِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَمَا وَالَاهُ أَوْ مُعَلِّمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا (۲)

دنیا اور جو کچھ اس اندر ہے سب قابل لعنت ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس چیز کے جو اس سے متعلق ہو، نیز علم سکھانے اور سیکھنے والا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ سَمٰوَاتِهِ وَأَرْضِهِ حَتَّى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ فِي الْبَحْرِ لَيُصَلُّوْنَ عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق حتی کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلی دریا میں، لوگوں کو نیکی سکھانے والوں کے لیے رحمت کی دعا مانگتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

" مَا أَفَادَ الْمُسْلِمُ أَخَاهُ فَائِدَةً أَفْضَلَ مِنْ حَدِيْثٍ حَسَنٍ بَلَغَهُ فَبَلَّغَهُ (۴)

کوئی مسلمان اپنے بھائی کو اس حدیث سے بہتر فائدہ نہیں پہنچاتا جو اس تک پہنچے اور وہ اسے اس (مسلمان بھائی) تک پہنچائے۔

* * *

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

كَلِمَةٌ مِنَ الْخَيْرِ يَسْمَعُهَا الْمُؤْمِنُ فَيُعَلِّمُهَا وَيَعْمَلُ بِهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ۔ (۵)

ایک اچھی بات جسے کوئی مسلمان سن کر دوسروں کو سکھاتا اور خود اس پر عمل کرتا ہے وہ اس کے لیے ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد اول ص ۱۶۶ باب فیمن نشر علما (۲) مجمع الزوائد جلد اول ص ۱۲۲ باب فی فضل العالم۔

(۳) جامع ترمذی ص ۳۸۵ ما جاء فی فضل الفقه (۴) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۶۲

(۵) کتاب الزهد والرقائق ص ۴۸۷ حدیث نمبر ۱۳۸۶۔

ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (خانۂ اقدس سے) باہر تشریف لائے تو آپ نے دو مجلسیں دیکھیں ان میں سے ایک مجلس والے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے تھے اور اس کی طرح متوجہ تھے اور دوسرے لوگوں کو تعلیم دے رہے تھے آپ نے فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں اگر وہ چاہے تو ان کو عطا کرے اور اگر چاہے تو روک دے لیکن وہ گروہ، لوگوں کو تعلیم دے رہا ہے اور بے شک مجھے بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہے ـــــ پھر آپ ان کی طرف چلے اور ان کے پاس بیٹھ گئے ۔(۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم "مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللہُ عزوجل بِہٖ من والعلم کمثل الْغَیْثِ الْکَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَکَانَتْ مِنْھَا بُقْعَۃٌ قبلت الماء فانبتت الکلاء والعشب الْکَثِیْرَ، وَکَانَتْ مِنْھَا بُقْعَۃٌ اَمْسَکَتِ الماء فنفع اللہ عزوجل بھا الناس فشربوا منھا وسقوا وزرعوا، وکانت منھا طائفۃ قیعانٌ لا تمسک ماء ولا تنبت کلاء۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے مجھے جس ہدایت اور علم کے ساتھ بھیجا ہے اس کی مثال بہت زیادہ بارش جیسی ہے وہ زمین کے ایک ایسے ٹکڑے کو پہنچتی ہے جو اسے قبول کرتا ہے تو اس سے بہت زیادہ گھاس اُگتا ہے اور زمین کا ایک ٹکڑا ایسا ہے جو پانی کو روک لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو نفع عطا فرماتا ہے وہ اس سے خود پیتے ہیں (جانوروں کو) پلاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں اور ایک خطہ ایسا ہے جس میں پانی نہیں ٹھہرتا اور نہ اس سے گھاس پیدا ہوتا ہے۔"

تو آپ نے پہلی مثال ان لوگوں کے بارے میں بیان فرمائی جو اپنے علم سے نفع اٹھاتے ہیں دوسری مثال ان لوگوں کی ذکر فرمائی جو (اپنے علم سے) نفع پہنچاتے ہیں اور تیسری مثال ان لوگوں کی ہے جو ان دونوں باتوں سے محروم ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا مَاتَ ابْنُ اٰدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُہٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِہٖ ۔ (۳)

جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا سلسلۂ عمل ختم ہو جاتا ہے سوائے تین باتوں کے۔ ایک وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے۔ (آخر تک) (۴)

٭ ٭ ٭

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۱، باب فضل العلماء (۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۸، باب فضل من علم وعلّم (۳) صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱، باب مایلحق الانسان

(۴) مکمل حدیث اس طرح ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا البتہ تین عمل باقی رہتے ہیں صدقۂ جاریہ، وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا مانگے، (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲) ایسے لوگوں کو اس حدیث پر غور کرنا چاہیے جو کسی فوت شدہ کے لیے دعا مانگنے کو شرک و بدعت کہتے ہیں اور مسلمانوں کو چاہیے اپنی اولاد کو ایسے لوگوں کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے نہ بھیجیں ورنہ اولاد کی دعا سے بھی محروم ہو جائیں گے ۱۲ ہزاروی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدال علی الخیر کفاعلہ (۱)

نیکی کی راہ دکھانے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

"لاحسد الا فی اثنتین : رجل اتاہ اللہ عزوجل حکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا الناس، ورجل آتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الخیر۔ (۲)

دو قسم کے انسانوں پر رشک کیا جا سکتا ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا فرمائی وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور اسے لوگوں کو سکھاتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا تو اس کو نیکی کی راہ پر خرچ کرنے کی قدرت عطا فرمائی۔

٭ ٭ ٭

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

علی خلفائی رحمۃ اللہ، قیل: ومن خلفاؤک قال: الذین یحیون سنتی ویعلمونھا عباد اللہ۔ (۳)

"میرے خلفاء پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، عرض کیا گیا آپ کے خلفاء کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا وہ لوگ جو میری سنت کو پسند کرتے اور بندگانِ خدا کو اس کی تعلیم دیتے ہیں"

اقوالِ صحابہ و تابعین

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"جو شخص کوئی حدیث بیان کرے اور اس پر عمل بھی کرے اس کے لیے عمل کرنے والے کے ثواب کے برابر (ثواب) ہے"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

"لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والے کے لیے ہر چیز مغفرت کی دعا کرتی ہے حتیٰ کہ دریا میں مچھلیاں بھی"

بعض علماء کرام فرماتے ہیں:

"عالم، اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے تو اسے غور کرنا چاہیئے کہ کس طرح داخل ہو"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ عسقلان میں تشریف لائے وہاں (کچھ عرصہ) ٹھہرے لیکن کسی انسان نے آپ سے کوئی سوال نہ کیا آپ نے فرمایا مجھے کرایہ دو تاکہ میں اس شہر سے چلا جاؤں جہاں علم مر چکا ہے، آپ نے یہ بات

(۱) جامع ترمذی ص ۳۸۲ باب ماجاء ان الدال علی الخیر۔

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۷ باب الاغتباط فی العلم۔

اس لیے فرمائی کہ آپ تعلیم کی فضیلت اور اس کے ذریعے علم کے بقا کی خواہش رکھتے تھے۔
حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو وہ رو رہے تھے میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا، "(اس لیے کہ) کسی نے مجھ سے کوئی مسئلہ نہیں پوچھا۔
بعض حضرات کا قول ہے کہ علماء کرام زمانوں کے چراغ نہیں (ان میں سے) ہر ایک اپنے زمانے کی شمع ہے کہ اس سے اہلِ زمانہ روشنی حاصل کرتے ہیں۔
حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
"اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ چوپایوں کی طرح ہوتے یعنی وہ (علماء) ان کو تعلیم کے ذریعے چوپائے کی حالت سے نکال کر انسانیت کی حالت میں لاتے ہیں۔"
حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
"اس علم کی ایک قیمت ہے پوچھا گیا "وہ کیا ہے"؟ انہوں نے فرمایا کہ اسے ان لوگوں تک پہنچاؤ جو اسے اچھی طرح یاد رکھیں اور ضائع نہ کریں۔
حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں:۔
"علماء کرام، امتِ محمدیہ پر ان کے ماں باپ سے بھی زیادہ رحم کرنے والے ہیں" پوچھا گیا "وہ کیسے"؟ فرمایا اس لیے کہ ماں باپ انہیں دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں اور یہ (علماء کرام) ان کو آخرت کی آگ سے محفوظ رکھتے ہیں۔
کہا گیا ہے کہ علم کا پہلا مرحلہ خاموشی ہے، پھر غور سے سننا، پھر یاد رکھنا اس کے بعد عمل کرنا اور بعد ازاں اسے پھیلانا۔
کہا گیا ہے۔ اپنا علم ان لوگوں کو سکھاؤ جو بے علم ہیں اور ان لوگوں سے سیکھو جو اس بات کو جانتے ہیں جس سے تم بے علم ہو۔ جب تم ایسا کرو گے تو جو کچھ نہیں جانتے اسے سیکھ لو گے اور جو کچھ جانتے ہو اسے محفوظ کر لو گے۔
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) اور میرا خیال ہے وہ مرفوعاً (یعنی حضور علیہ السلام سے) روایت کرتے ہیں۔
"علم حاصل کرو کیونکہ اسے سیکھنا خشیتِ الٰہی (کا باعث) ہے، اس کی تلاش عبادت، اس کا درس تسبیح، اس میں بحث کرنا جہاد کسی بے علم کو سکھانا صدقہ اور اس کے اہل لوگوں تک اسے پہنچانا قربِ خداوندی ہے، علم تنہائی میں غمخوار اور علیحدگی میں ساتھی ہے، دین میں راہنما خوشی اور تنگی کی حالت میں صبر دینے والا، دوستوں کے سامنے نائب، اجنبی لوگوں کے ہاں رشتہ دار اور جنت کے راستے کا مینار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کو رفعت عطا فرماتا ہے۔
چنانچہ انہیں نیک کاموں میں قائد، اور ہادی بنا دیتا ہے جن کی اقتدا کی جاتی ہے وہ اچھے کاموں میں راہنما ہوتے ہیں لوگ ان کے قدموں پر چلتے ہیں ان کے افعال کو غور سے دیکھتے ہیں، فرشتے ان کی دوستی میں رغبت رکھتے اور ان کو

اپنے پروں سے چھوتے ہیں ہر خشک و تر چیز حتیٰ کہ دریا کی مچھلیاں اور کیڑے مکوڑے خشکی کے درندے اور جانور، آسمان اور اس کے ستارے ان کے لیے بخشش چاہتے ہیں۔ کیونکہ علم، دل کو اندھے پن سے (بچا کر) زندگی دیتا ہے یہ اندھیروں کو دور کر کے آنکھوں کو روشنی دیتا ہے، بدن کو کمزوری سے نجات دے کر قوت بخشتا ہے، اس کے ذریعے بندہ نیک لوگوں کی منازل اور بلند درجات تک پہنچتا ہے اس میں غور و فکر روزہ رکھنے کے برابر اور اس کا درس قیام لیل کے مساوی ہے۔ اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت و فرمانبرداری ہوتی ہے۔ اسی سے اس کی توحید اور بزرگی کا اقرار ہوتا ہے، اسی کے ذریعے پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے اسی (علم) کے ذریعے صلہ رحمی کی جاتی ہے، یہی حلال و حرام کی پہچان کا ذریعہ ہے، علم امام اور عمل اس کا تابع ہے۔ علم نیک بخت لوگوں کے دلوں ڈالا جاتا ہے اور بدبختوں کو اس سے محروم رکھا جاتا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے اچھی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

عقلی دلائل

جان لو کہ اس باب کا مطلوب علم کی فضیلت اور نفاست معلوم کرنا ہے لیکن جب تک خود "فضیلت" کا مفہوم اور اس کی مراد کا علم نہ ہو تو اس بات کا پتہ نہیں چل سکتا کہ وہ علم یا کسی دوسری اچھی خصلت کا وصف ہے چنانچہ وہ شخص راستے سے بھٹک گیا جو اس بات کو جاننے کی طمع رکھتا ہے کہ آیا زید حکیم ہے یا نہیں؛ لیکن وہ حکمت کے معنیٰ اور حقیقت کو نہیں سمجھتا۔

فضیلت کیا ہے

فضیلت، فضل سے ماخوذ ہے اور اس کا معنیٰ "زائد" کے ہیں جب دو چیزیں کسی بات میں مشترک ہوں اور ان میں سے ایک کسی اضافی بات کے ساتھ مختص ہو تو کہا جاتا ہے فَضَلَہٗ ولہ الفضل علیہ" وہ اس دوسری چیز پر فضیلت رکھتی ہے اور وہ اس سے افضل ہے لیکن یہ زیادتی اس چیز میں ہونی چاہیے جو اس چیز کا کمال ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ گھوڑا گدھے پر فضیلت رکھتا ہے،

یعنی بوجھ اٹھانے کی قوت میں وہ اس کے ساتھ شریک ہے لیکن پلٹ کر حملہ کرنے اور سخت حملہ آور ہونے نیز حسنِ صورت میں اس سے بڑھ کر ہے اگر فرض کیا جائے کہ ایک گدھے میں کچھ چیزوں کا اضافہ کر دیا جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ اس سے افضل ہے کیوں یہ اضافہ جسم میں ہے جب کہ معنوی طور پر نقصان ہے اور کسی حیوان میں یہ کمال کی بات نہیں کیونکہ حیوان، اپنے باطنی معنیٰ اور صفات کی وجہ سے مطلوب ہوتا ہے جسم کی وجہ سے نہیں۔

جب آپ یہ بات سمجھ گئے تو آپ پر مخفی نہیں رہنا چاہیئے کہ اگر علم کا دوسری صفات سے تقابل کیا جائے تو یہ ایک فضیلت ہے جس طرح گھوڑے کو دوسرے حیوانات کے مقابلے میں رکھا جائے تو اسے فضیلت حاصل ہے بلکہ تیز دوڑنا گھوڑے کی فضیلت ہے مطلقاً فضیلت نہیں جب کہ علم تو ذاتی طور پر بھی فضیلت ہے اور کسی دوسری چیز کی طرف اضافت کے بغیر بھی فضیلت ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا وصفِ کمال ہے، فرشتوں اور انبیاء کرام کا شرف ہے بلکہ سمجھدار گھوڑا، بے سمجھ گھوڑے سے اچھا ہوتا ہے اور یہ مطلق فضیلت ہے (کسی کی طرف نسبت کریں یا نہ)

نفیس اشیاء کی طلب

جاننا چاہیئے کہ وہ نفیس چیز جس میں رغبت ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔(۱) جو غیر کی وجہ سے مطلوب ہوتی ہے (۲) جو ذاتی طور پر طلب کی جاتی ہے (۳) وہ چیز جو ذاتی طور پر بھی اور غیر کی وجہ سے بھی مطلوب ہوتی ہے۔

جو چیز ذاتی طور پر مطلوب ہوتی ہے وہ اس چیز سے افضل ہوتی ہے جو غیر کی وجہ سے مطلوب ہوتی ہے، غیر کی وجہ سے مطلوب اشیاء کی مثال درھم اور دینار ہیں یہ دونوں پتھر ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی ضرورتوں کو ان کے ذریعے آسان نہ فرماتا تو ان کا اور کنکریوں کا ایک مقام ہوتا۔ وہ چیز جو اپنی ذات کے باعث مطلوب ہوتی ہے وہ آخرت کی سعادت اور دیدار خداوندی کی لذت ہے اور وہ چیز جو اپنی ذات اور غیر دونوں کی وجہ سے مطلوب ہوتی ہے اس کی مثال بدن کی سلامتی ہے مثلاً پاؤں کی سلامتی مطلوب ہوتی ہے کیونکہ اس طرح جسم درد سے محفوظ رہتا ہے اور اس لیے بھی کہ اس کے ذریعے انسان چل کر اپنے مقاصد و حاجات تک پہنچتا ہے۔

علم کا اعزاز

اس اعتبار سے جب علم کو دیکھیں تو وہ اپنی ذات میں لذیذ ہے لہٰذا وہ ذاتی طور پر مطلوب ہے اور چونکہ وہ آخرت کے گھر اور اس کی سعادت کا وسیلہ ہے نیز قرب الٰہی کا ذریعہ ہے کیوں کہ اس کے بغیر اس ذات تک نہیں پہنچ سکتے۔

اور انسان کے حق میں سب سے بڑا رتبہ ابدی سعادت ہے اور بہترین چیز وہ ہوگی جو اس (ابدی سعادت) کا وسیلہ ہو، اور اس تک علم اور عمل کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک عمل کی کیفیت کا علم نہ ہو عمل تک بھی نہیں پہنچ سکتے لہٰذا دنیا اور آخرت میں بنیادی خوش بختی علم ہے، بنابریں وہ سب سے بہتر عمل ہے اور ایسا کیوں نہیں ہوگا جب فضیلت شئے کی معرفت اس کے نتائج کی عظمت سے معلوم ہوتی ہے اور آپ معلوم کر چکے ہیں کہ علم کا نتیجہ تمام جہانوں کے پروردگار کا قرب ہے، فرشتوں اور ملاء اعلیٰ (اوپر والی مخلوق) سے مل جاتا ہے یہ تو آخرت کا اعزاز ہے۔ جب کہ دنیا میں عزت و وقار، بادشاہوں پر حکم نافذ کرنا، طبیعتوں میں احترام کا لازم ہونا ہے یہاں تک کہ غبی قسم کے ترکی اور عربوں میں سے اکھڑ مزاج لوگ بھی اپنی طبیعتوں کے ہاتھوں مشائخ و علماء کی عزت کرنے پر مجبور ہیں کیوں کہ وہ تجربہ کی بنیاد پر زیادہ وہ علم کے ساتھ مختص ہوتے ہیں بلکہ جانور بھی طبعی طور پر انسان کی عزت کرتے ہیں کیونکہ انہیں اس بات کی سمجھ ہے کہ انسان اپنے کمال کی وجہ سے ان سے بڑھ کر درجہ رکھتا ہے۔

یہ علم کی مطلق فضیلت ہے پھر علوم (فضیلت کے اعتبار سے) مختلف ہیں جیسا کہ آگے بیان آئے گا تو اس اختلاف کی وجہ سے ان کی فضیلت میں تفاوت ایک لازمی امر ہے۔

جہاں تک تعلیم و تعلم کی فضیلت کا تعلق ہے تو وہ ظاہر ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کیونکہ جب علم، تمام کاموں میں سے افضل ہے تو اسے سیکھنا افضل کام کی طلب ہے اور اس کی تعلیم بہترین چیز سے (دوسروں کو) فائدہ پہنچاتا ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ تخلیق کا مقصد دنیوی بھی ہے اور دینی ہے اور جب تک دنیا کا نظام درست نہ ہو دین کا نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور جو شخص اسے آخرت کا آلہ اور اپنی منزل قرار دے اس کے لیے یہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا آلہ و وسیلہ ہے اس شخص کے لیے نہیں جو اس کو اپنا ٹھکانہ اور وطن بنا لے دنیا کے امور انسانوں کے اعمال سے ہی منظم ہوتے ہیں۔

انسانی اعمال کی اقسام

انسانی اعمال، ان کے پیشے اور صنعتیں تین قسموں میں منحصر ہیں۔

(۱) اصول :- وہ اعمال جن کے بغیر اس کائنات انسانیت کا نظام نہیں چل سکتا اور یہ چار ہیں۔

(ا) زراعت جس پر کھانا موقوف ہے۔

(ب) کپڑا بننا جس پر لباس موقوف ہے۔

(ج) تعمیر جس پر رہائش کا دارومدار ہے۔

(د) سیاست جو باہمی اُنس اور اجتماع نیز اسباب معیشت میں باہمی تعاون اور اس کی مضبوطی کے لیے ضروری ہے۔

۲- وہ امور جو ان چاروں کو مہیا کرنے والے اور ان کے خادم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً آہنگری (لوہار کا پیشہ) یہ زراعت کا خادم ہے بلکہ دوسری صنعتوں کے بھی کام آتا ہے کہ ان کے آلات مثلاً دھننا اور کاتنا کہ یہ دونوں کپڑا بننے کی صنعت میں کام آتے ہیں کیونکہ اس کے لیے کام تیار کرتے ہیں (یعنی سوت وغیرہ مہیا کرتے ہیں)

۳- وہ کام جو اصول (بنیادی کاموں) کو پورا کرنے والے اور ان کی زینت کا باعث ہیں جیسے زراعت کے لیے (آٹا) پیسنا اور روٹی پکانا نُورباتی کے لیے دھونا اور سینا (دھوبی اور درزی کا پیشہ) ان تین قسم کے امور کو عالم ارضی کے قیام میں اسی طرح دخل ہے جس طرح انسان کے اعضا کا اس کے پورے جسم سے تعلق ہوتا ہے کیوں کہ اعضائے انسانی کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اصول جیسے دل، جگر اور دماغ (۲) وہ اعضاء جو ان تینوں کے خادم ہیں مثلاً معدہ، رگیں، شریانیں، پٹھے اور گردن کی رگیں۔ (۳) وہ اجزاء جو تکمیل جسم کا سبب اور اس کے لیے زینت کا باعث ہیں جیسے ناخن، انگلیاں اور ابرو وغیرہ۔

شرفِ سیاست

ان تمام پیشوں میں سے زیادہ معزز اصول ہیں اور ان اصول میں سے افضل وہ سیاست ہے جو لوگوں کے درمیان اُنس پیدا کرنے اور ان کی اصلاح کا باعث ہے یہی وجہ ہے کہ اس عمل سے تعلق رکھنے والوں میں ایسا کمال درکار ہوتا ہے جو دوسرے پیشوں میں نہیں ہوتا۔ اسی لیے اس پیشے سے تعلق رکھنے والا دوسری صنعتوں کے متعلقین سے خدمت لیتا ہے۔

مراتبِ سیاست

مخلوق کی اصلاح چاہنے اور دنیا و آخرت میں نجات دینے والے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے والی سیاست کے چار مراتب ہیں۔

(۱) سیاست علیا:- یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سیاست ہے ان کا حکم عام و خاص کے ظاہر و باطن پر چلتا ہے۔
(۲) خلفاء اور بادشاہوں کی سیاست۔ ان کا حکم بھی عام و خاص سب پر نافذ ہوتا ہے لیکن ان کے ظاہر پر ہوتا ہے باطن پر نہیں۔
(۳) اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا علم رکھنے والے علماء کرام کی سیاست۔ ان کا حکم صرف خاص لوگوں کے باطن پر چلتا ہے عام لوگوں کی سمجھ ان سے استفادہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی۔ اور نہ ہی ان (علماء کرام) کو لوگوں کے ظاہر پر کوئی حکم نافذ کرنے یا منع کرنے یا ان کے لیے کوئی حکم جاری کرنے کی قوت حاصل ہوتی ہے۔
(۴) واعظین کی سیاست۔ ان کا حکم صرف عام لوگوں کے باطن پر چلتا ہے۔

افضل سیاست

تو ان چار قسم کی سیاستوں میں سے نبوت کے بعد سب سے افضل سیاست، علم سے فائدہ پہنچانا، لوگوں کے دلوں کو بری اور مہلک عادتوں سے پاک کرنا نیز اچھی اور باعث سعادت خصلتوں کی طرف ان کی راہنمائی کرنا ہے اور تعلیم سے یہی مراد ہے ہم نے کہا کہ سیاست، تمام صنعتوں اور پیشوں سے افضل ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی صنعت (یا پیشے) کی پہچان تین باتوں سے ہوتی ہے۔ یا تو اس قوت کو دیکھا جاتا ہے جس کے ذریعے اس فن کی معرفت حاصل ہوتی ہے جیسے علوم عقلیہ کو علم لغویہ پر فضیلت حاصل ہے کیوں کہ حکمت، عقل کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور لغت سماعی چیز ہے اور عقل، سماعت سے افضل ہے۔

یا عام نفع کو دیکھا جاتا ہے جیسے زراعت، زرگری کی نسبت زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

یا اس جگہ کو دیکھا جاتا ہے جس میں تصرف ہوتا ہے جیسے زرگری، چمڑا رنگنے کی صنعت (دباغت) سے افضل ہے کیونکہ ان میں سے ایک کا محل سونا ہے اور دوسرے کا محل مردار کا چمڑا ہے۔

اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ علوم دینیہ، آخرت کے طریقے کی سمجھ کا نام ہے۔ اور ان کا حصول، کمال عقل اور ذہن کی تیزی کے ذریعے ہوتا ہے۔ اور عقل، انسانی صفات میں سے افضل ہے جیسے اس کا بیان آگے آ رہا ہے۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی امانت کو قبول کیا جاتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قرب تک رسائی ہوتی ہے۔

جہاں تک نفع کے عام ہونے کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کیوں کہ اس کا نفع اور نتیجہ آخرت کی سعادت ہے۔

رہا اس کے محل کا معزز ہونا تو یہ بات کس طرح پوشیدہ رہ سکتی ہے کیوں کہ معلم، انسانوں کے دلوں اور نفوس میں تصرف کرتا ہے اور زمین پر جو کچھ موجود ہے ان سب سے زیادہ شرف انسان کو حاصل ہے، انسان کے اجزاء میں سے افضل اس کا دل ہے معلم اسی کی تکمیل، اس کو روشنی پہنچانے، اس کو پاک کرنے اور اسے قرب خداوندی تک پہنچانے میں مشغول رہتا ہے۔

تو تعلیم من وجہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے کسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی خلافت ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی خلافت ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کے دل پر اپنی سب سے خاص صفت کو کھول دیا ہے پس وہ اللہ تعالیٰ کے عمدہ خزانوں کا خازن ہے پھر ہر محتاجِ علم پر اس کے صرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے بڑھ کر کیا رتبہ ہو سکتا ہے کہ بندہ اپنے رب اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ بن کر بندوں کو اس کے قریب کر دے اور انہیں جنت کی طرف لے جائے۔
اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرما دے اور ہر منتخب بندے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

دوسرا باب

محمود و مذموم علم ان کی اقسام و احکام نیز کون سا علم، فرضِ عین ہے اور کس علم کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور اس بات کا بیان کہ علمِ کلام و فقہ کسی حد تک علوم دینیہ سے ہیں نیز علم آخرت کی فضیلت کا بیان۔

فرضِ عین علم کا بیان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔ (۱)

ہر مسلمان پر علم کا حاصل کرنا فرض ہے۔

آپ نے مزید فرمایا:۔

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّیْنِ۔ (۲)

علم حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو۔

اس سلسلے میں لوگوں (اہل علم) کا اختلاف ہے کہ کونسا علم ہر مسلمان پر فرض ہے چنانچہ اس مسئلے میں بیس سے زائد فرقے بن گئے ہیں ہم تفصیل نقل کر کے کلام کو لمبا نہیں کرتے البتہ خلاصہ یہ ہے کہ ہر فریق نے اسی علم کو واجب قرار دیا جس کے درپے وہ خود ہے چنانچہ متکلمین کہتے ہیں کہ وہ "علم کلام" ہے کیونکہ اس کے ذریعے توحید کا ادراک ہوتا ہے اور اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم حاصل ہوتا ہے۔

فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علمِ فقہ ہے کیونکہ اس کے ذریعے عبادات اور حلال و حرام کا پتہ چلتا ہے نیز کون سے معاملات جائز اور کون سے ناجائز ہیں علم فقہ سے ان کی مراد وہ علمِ فقہ ہے جس کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے نادر اور کم واقع ہونے والے واقعات مراد نہیں۔

مفسرین و محدثین فرماتے ہیں یہ کتاب وسنت کا علم ہے کیونکہ ان دونوں کے ذریعے تمام علوم تک رسائی ہوتی ہے۔

اہلِ تصوف کہتے ہیں کہ اس سے علمِ تصوف مراد ہے۔

ان میں سے بعض کا قول ہے کہ بندے کا اپنے حال اور خداوند تعالیٰ کے ہاں اپنے مقام کو جاننا مراد ہے، ان ہی میں سے کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ اخلاص اور نفس کی آفتوں کا علم نیز شیطانی وسوسوں اور فرشتے کے الہام میں تمیز کرنا مراد ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں اس سے علمِ باطن مراد ہے اور یہ خاص لوگوں پر واجب ہے جو اس کے اہل ہیں ان حضرات نے لفظ کے عموم کو بدل ڈالا۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۰ باب فضل العلماء (۲) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۳۸ حدیث نمبر ۲۸۶۹۷

ابو طالب کہتے ہیں کہ اس سے وہ علم مراد ہے جس کو وہ حدیث شامل ہو جس میں اسلام کی بنیادوں کا ذکر ہے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزیں ہیں اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور استطاعت ہو تو بیت اللہ شریف کا حج کرنا، کیوں کہ یہ پانچ چیزیں واجب ہیں لہٰذا ان پر عمل کرنے کے طریقے اور کیفیت وجوب کا جاننا واجب ہے (۱)

اور جس بات پر طالب علم کو یقین کرنا اور شک سے بچنا چاہیئے ہم اسے ذکر کرتے ہیں وہ یہ کہ جس طرح ہم نے کتاب کے خطبہ میں ذکر کیا ہے علم کی دو قسمیں ہیں (۱) علم معاملہ (۲) علم مکاشفہ۔ اور فرض علم سے مراد علم معاملہ ہے۔

عاقل اور بالغ بندے کو جن معاملات کا حکم دیا جاتا ہے وہ تین ہیں (۱) اعتقاد (۲) عمل (۳) (بعض کاموں کو) چھوڑ دینا مثلاً جب کوئی شخص چاشت کے وقت احتلام یا عمر کے ذریعے بالغ ہو جائے (۲) تو سب سے پہلے اس پر کلمۂ شہادت کا سیکھنا اور اس کا معنیٰ سمجھنا واجب ہے۔

اور وہ کلمہ "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" ہے۔

اس کلمہ میں غور و فکر کرنے، بحث کرنے اور دلائل لکھنے کے ذریعے اس کی وضاحت اس پر واجب نہیں۔ بلکہ اس کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ اس کی تصدیق کرے اور کسی شک و شبہ اور اضطراب نفس کے بغیر اس پر پکا یقین اور اعتقاد رکھے۔ اور یہ بات صرف تقلید اور سننے سے حاصل ہو جاتی ہے بحث اور دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کیوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اُجڈ لوگوں سے تصدیق اور اقرار کو کسی دلیل کے سیکھے بغیر قبول کیا جب وہ شخص اس طرح کر لے گا تو اس نے وجوب وقت پر عمل کر لیا۔ اس وقت اس پر جس چیز کا جاننا فرض عین تھا وہ کلمہ توحید کو سیکھنا اور اس کو سمجھنا تھا۔ اس وقت اس پر اس کے علاوہ کچھ بھی واجب نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ اس کے بعد فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار اور گناہوں سے اجتناب کرنے والا شمار ہوگا۔

اس کے علاوہ جو کچھ واجب ہوتا ہے وہ ان عوارض کی وجہ سے ہوتا ہے جو اسے پیش آتے ہیں اور یہ عوارض عمل کرنے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۶ کتاب الایمان

(۲) بالغ ہونے کی دو صورتیں ہیں علامت کے ذریعے یا عمر کے پورا ہونے پر اگر لڑکے کو احتلام ہو جائے یا لڑکی کو حیض آجائے تو وہ بالغ ہو جاتے ہیں لڑکے کو بارہ سال کی عمر میں احتلام آسکتا ہے اور لڑکی کو نو سال کی عمر میں حیض آسکتا ہے اگر علامات ظاہر نہ ہوں تو پندرہ سال کی عمر میں بالغ ہو جاتے ہیں اور یہ عمر لڑکی اور لڑکے دونوں کے لیے ہے ۱۲ ہزاروی۔

میں ہوتے ہیں یا اس کے چھوڑنے میں اور یا اعتقاد میں ہوتے ہیں۔
جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اگر وہ چاشت سے ظہر تک زندہ رہے تو ظہر کا وقت داخل ہوتے ہی اس پر طہارت اور نماز سیکھنے کے اعتبار سے ایک نیا عمل واجب ہو جائے گا اگر وہ صحیح تندرست ہے اور اس حالت میں ہے کہ اگر وہ سورج کے زوال تک کچھ نہ سیکھے تو وقت ظہر میں سب کچھ سیکھ کر عمل نہ کر سکے گا بلکہ اگر سیکھنے میں مشغول ہو تو ظہر کا وقت نکل جائے گا تو اس حالت میں یہ کہنا صحیح ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ وہ (ظہر تک) زندہ رہے گا۔ لہٰذا اس پر وقت سے پہلے سیکھنا واجب ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عمل کے لیے جس علم کا حاصل کرنا شرط ہے وہ وجوب عمل کے بعد واجب ہوتا ہے لہٰذا زوال سے پہلے واجب نہ ہوگا باقی نمازوں کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔
پھر اگر وہ ماہ رمضان تک زندہ رہے تو اس کے سبب اس پر روزے کا علم حاصل کرنا واجب ہو جائے گا۔ یعنی وہ اس بات کا علم حاصل کرے کہ اس کا وقت صبح سے لے کر غروب آفتاب تک ہے۔ اور اس میں نیت کرنا، کھانے، پینے اور جماع سے باز رہنا واجب ہے اور یہ عمل عید کا چاند دیکھنے یا اس پر دو گواہوں (کی گواہی) تک ہے۔
پھر اگر اسے مال حاصل ہو جائے یا بالغ ہوتے وقت اس کے پاس مال تھا تو اس پر اس چیز کا علم واجب ہے جس کے سبب زکوٰۃ فرض ہوتی ہے لیکن یہ اسی وقت لازم نہ ہوگا بلکہ اسلام کے وقت سے ایک سال پورا ہونے پر لازم ہوگا۔ اگر وہ صرف اونٹوں کا مالک ہو تو اس پر صرف اونٹوں کی زکوٰۃ سے متعلق علم حاصل کرنا واجب ہوگا اسی طرح مال کی دوسری اقسام کا حکم ہے۔
اس کے بعد جب حج کے مہینے آجائیں تو حج سے متعلق علم کی فوری ضرورت نہیں کیونکہ اس کی ادائیگی تاخیر سے بھی ہو سکتی ہے لہٰذا فی الفور اس (کے مسائل) کا سیکھنا لازمی نہیں۔
لیکن علمائے اسلام کو چاہیے کہ وہ اسے آگاہ کریں کہ جو شخص سامان سفر اور سوار کا مالک ہو اس پر حج فرض ہے اگرچہ تاخیر کے ساتھ ہے حتیٰ کہ بعض اوقات وہ احتیاط کے طور پر جلد از جلد ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو جب وہ ارادہ کرے تو اس پر حج کا طریقہ سیکھنا لازم ہے اور وہ بھی فرائض (ارکان) اور واجبات کا سیکھنا ہے نوافل کا سیکھنا ضروری نہیں کیونکہ نوافل کو اپنی طرف سے ادا کرتا ہے لہٰذا اس کا علم بھی نفل ہے (واجب نہیں) بنا بریں اس کا سیکھنا فرض نہیں۔ اور کیا محض وجوبِ حج کے بارے میں اسے ابھی وقت آگاہ کرنے سے خاموشی اختیار کرنا حرام ہے؟ تو یہ بات فقہ کے متعلق ہے۔ اسی طرح ان تمام افعال کا علم تدریجاً حاصل کرے گا جو فرضِ عین ہیں۔
کسی فعل کو چھوڑنے سے متعلق علم بھی حسب ضرورت واجب ہوتا چلا جائے گا اور یہ شخصیات کے حوالے سے بدلتا رہتا ہے کیونکہ گونگے پر حرام کلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنا واجب نہیں اسی طرح اندھے پر حرام نظر کا علم واجب نہیں، جنگل میں رہنے والے پر حرام مجالس کا علم حاصل کرنا واجب نہیں (کیونکہ وہاں ایسی مجالس نہیں ہوتیں)

گویا جن چیزوں کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ وہ اس کے لیے غیر ضروری ہیں تو ان کے بارے میں علم حاصل کرنا واجب نہیں البتہ جن امور کے ساتھ اس کا تعلق ہو ان سے آگاہی حاصل کرنا واجب ہے جس طرح کوئی شخص اسلام لاتے وقت ریشم پہنے ہوئے ہو یا مغصوبہ زمین پر بیٹھا ہوا ہو یا غیر محرم کی طرف دیکھ رہا ہو تو ان امور کی وضاحت واجب ہوگی اور جن امور میں فی الحال مبتلا نہیں لیکن عنقریب ان کے ساتھ تعلق پیدا ہوگا جیسے کھانا پینا تو ان امور کی تعلیم واجب ہے حتیٰ کہ اگر کسی ایسے شہر میں ہو جہاں شراب نوشی اور خنزیر کھانے کا رواج ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں کو اس کے چھوڑنے کی تعلیم دے اور تنبیہ کرے اور جن باتوں کا سکھانا واجب ہے ان کو سیکھنا بھی واجب ہے۔

جہاں تک عقائد اور قلبی اعمال کا تعلق ہے تو ان کا سیکھنا بھی (قلبی) خطرات کے مطابق ہے، اگر اسے ان معانی پر شک پیدا ہو جن پر کلمہ طیبہ کے دونوں جز دلالت کرتے ہیں (توحید و رسالت) تو اس بات کا سیکھنا واجب ہے جو اس شک کو زائل کر دے اور اگر اپنے اس قسم کا شک نہ ہو لیکن وہ اس اعتقاد سے پہلے فوت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور اس کا دیدار ہو سکتا ہے نیز وہ حوادث (قابل تغیر امور) کا محل نہیں ہے اور اس کے علاوہ دیگر اعتقادات جو عقائد کی بحث میں ذکر کئے جائیں گے تو بالاتفاق وہ شخص اسلام پر فوت ہوا۔

اور یہ خطرات جو اعتقادات کو واجب کرتے ہیں ان میں سے بعض خود دل میں اٹھتے ہیں اور بعض شہر والوں سے سن کر پیدا ہوتے ہیں پس اگر وہ ایسے شہر میں ہو جس میں بدعت[1] کے بارے میں کلام و گفتگو، عام ہو تو لازم ہے کہ اس کے بالغ ہونے ہی اسے امور حق سکھا کر بدعات سے محفوظ کر لیا جائے۔ کیونکہ اگر باطل اس تک پہنچ گیا تو اس کے دل سے اس کا نکالنا واجب ہوگا اور بسا اوقات ایسا کرنا مشکل ہوتا ہے مثلاً اگر یہ مسلمان تاجر ہو اور شہر میں سود کا معاملہ عام مروج ہو تو اس پر سود سے بچنے کا علم حاصل کرنا واجب ہے[2] تو فرضِ عین علم میں یہی بات حق ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو عمل واجب ہے اس کی کیفیت کا علم رکھتا ہو پس جس شخص کو واجب عمل اور اس کے وقتِ وجوب کا علم حاصل ہو گیا اس نے وہ علم حاصل کر لیا جو فرضِ عین ہے۔

---

(۱) بدعت ہر اس نئے عمل کو کہتے ہیں جو دین کے خلاف ہو اور دین میں اس کی کوئی اصل نہ ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے ہمارے اس دین میں ایسا کام جاری کیا جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں تو وہ کام مردود ہے"، گویا بدعت جسے چھوڑنے کا حکم ہے یہ وہ عمل ہے جو شریعت کے خلاف ہو یا شریعت میں اس کی کوئی اصل نہ ہو لہٰذا میلاد النبی، عرس اولیاء کرام تیجہ چالیسواں وغیرہ بدعت نہیں کیونکہ یہ شریعت نہیں بلکہ نیکی کے کام ہیں ۱۲ ہزاروی۔

(۲) بچوں کو ابتدائی تعلیم کے لیے کسی بدعقیدہ ادارے میں داخل کرانا بھی خطرناک ہے کیونکہ اس طرح بچے کو شروع سے گمراہ کر دیا جاتا ہے پھر اس کو راہ راست پر لانا مشکل ہو جاتا ہے ۱۲ ہزاروی۔

صوفیاء کرام نے جو فرمایا کہ اس سے شیطان کے وسوسوں اور فرشتے کے الہام کا علم مراد ہے وہ بھی صحیح ہے لیکن یہ اس شخص کے لیے ہے جو اس کے درپے ہو اور جب غالب گمان یہ ہے کہ انسان شر، ریا اور حسد کی طرف بلانے والی باتوں سے نہیں بچ سکتا تو اس پر لازم ہے کہ (وہ اس کتاب کے باب) مہلکات میں سے ان باتوں کا علم حاصل کرے جن کا وہ حاجت مند ہے اور اس پر یہ بات کیسے واجب نہ ہوگی حالانکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ: شُحٌّ مُطَاعٌ، وَهَوًى مُتَّبَعٌ، وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ ۔ (۲)

تین باتیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں (۱) ایسا بخل (اور لالچ) جس کی اطاعت کی جائے (۲) وہ خواہش جس کی پیروی کی جائے (۳) اور انسان کا خود پسندی میں مبتلا ہونا۔

ان امور سے کوئی بھی شخص محفوظ نہیں اور اس کے علاوہ دیگر قلبی خرابیاں مثلاً تکبر، خود پسندی وغیرہ جن کا ہم ذکر کریں گے وہ ان تینوں خرابیوں کے تابع ہیں۔ اور ان کا ازالہ فرض عین ہے۔ اور جب تک ان کی تعریف اور اسباب کی معرفت نیز ان کی علامات کی پہچان اور علاج کا طریقہ معلوم نہ ہو ان کا ازالہ ممکن نہیں کیونکہ جو شخص برائی کو نہیں پہچانتا وہ اس میں پڑجاتا ہے علاج یہ ہے کہ ہر ایک سبب کی ضد سے مقابلہ کیا جائے اور یہ بات سبب اور مسبب کی پہچان کے بغیر کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔

ہم نے کتاب کی بحث "مہلکات" میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر کا علم فرض عین ہے اور بہت سے لوگوں نے بے مقصد امور میں مشغول ہو کر ان کو ترک کر دیا ہے۔

اگر نو مسلم شخص کسی دوسرے دین کو چھوڑ کر اس دین میں نہیں آیا (بلکہ کفر سے اسلام کی طرف آتا ہے) تو اسے جنت و دوزخ اور حشر و نشر پر ایمان سکھانے میں جلدی کرنی چاہیے تاکہ وہ اس پر ایمان لائے اور تصدیق کرے اور یہ کلمہ شہادت (کلمہ توحید مراد ہے) کی تکمیل ہے۔ کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کے بعد اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ رسالت کی تبلیغ سے آگاہ ہو اور وہ اس طرح ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اس کے لیے جنت ہے۔ اور جو آدمی ان دونوں کی نافرمانی کرے گا اس کے لیے جہنم ہے۔

جب تم اس تدریج (کسی عمل کا آہستہ آہستہ مقصد تک جانا تدریج ہے) سے آگاہ ہوگئے۔ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ مذہب حق یہی ہے اور یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ ہر شخص پر رات دن میں کچھ ایسے حالات آتے ہیں کہ اس کی عبادات و معاملات کے سلسلے میں نئے نئے واقعات ولوازم پیدا ہوتے ہیں اس لیے جو نئی اور عجیب بات اس پر ظاہر ہو اس کے بارے میں پوچھنا ضروری ہے اور جس بات کا عنقریب واقع ہونا غالب ہو اس کے بارے میں علم حاصل کرنا بھی لازم ہے جب

---

(۱) مجمع الزوائد جلد اول ص ۹۰ باب فی المنجیات والمہلکات۔

یہ بات واضح ہو گئی کہ حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم"، میں العلم جو الف لام کے ذریعے معرفہ ہے اس سے مراد اس عمل کا علم ہے جو مسلمانوں پر واجب ہے کوئی دوسرا علم مراد نہیں تو اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ علم تدریجی کیوں ہے نیز یہ کب واجب ہوتا ہے؟(۱) واللہ اعلم بالصواب۔

فرض کفایہ علم | جان لیجئے کہ جب تک علوم کی اقسام ذکر نہ کی جائیں فرض اور غیر فرض میں تمیز نہیں ہو سکتی اور ہم جس فرض کے درپے ہیں جب علوم کی اس کی طرف اضافت کی جائے تو علوم کی دو قسمیں بنتی ہیں۔

(۱) علوم شرعیہ (۲) علوم غیر شرعیہ۔

علوم شرعیہ سے مراد وہ علوم ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام سے حاصل ہوئے عقل، تجربہ اور محض سننا اس کی طرف راہنمائی نہیں کر سکتا جیسے حساب، طلب اور لغت عقل، تجربہ اور لغت سے حاصل ہوتے ہیں۔

علوم غیر شرعیہ کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ علوم جو قابلِ تعریف ہیں (۲) وہ علوم جو قابلِ مذمت ہیں (۳) اور وہ علوم جو محض مباح کے درجہ میں ہیں۔

قابلِ تعریف وہ علوم ہیں جن سے دنیوی امور کی مصلحت وابستہ ہے جیسے طب (ڈاکٹری) اور حساب، پھر ان علوم کی دو قسمیں ہیں بعض وہ ہیں جن کا حصول فرض کفایہ ہے اور کچھ وہ ہیں جن کا حاصل کرنا محض فضیلت کا باعث ہے فرض نہیں۔

ہر اس علم کو حاصل کرنا فرض کفایہ ہے جس کی دنیوی امور کے قیام میں ضرورت رہتی ہے جیسے طب کہ بدن کی بقا کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور حساب کہ معاملات کے سلسلے میں نیز وصیتوں اور وراثتوں وغیرہ کی تقسیم میں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ وہ علوم ہیں کہ اگر کسی شہر میں ان کو جاننے والا کوئی نہ ہو تو پورے شہر والے حرج میں پڑ جاتے ہیں۔ اور اگر ان میں ایک بھی جاننا ہو تو کافی ہے اور دوسروں سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا ہمارے اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم نے طب اور حساب کو فرض کفایہ میں سے قرار دیا کیونکہ اصولی صنعتیں بھی تو فرض کفایہ ہیں۔

جیسے کھیتی باڑی، تور بافی (کپڑا بننا) اور سیاست بلکہ نشتر لگانا(۲) اور سلائی کرنا بھی، کیونکہ اگر کوئی شہر نشتر لگانے والے سے خالی ہو تو وہ لوگ جلدی ہلاک ہو جائیں گے۔ اور ہلاکت کے خطرہ کے باعث وہ حرج میں مبتلا ہوں گے۔ کیوں کہ جس ذات نے بیماری اتاری ہے اس نے دوائی بھی نازل کی ہے اس نے استعمال کا طریقہ بھی بتایا اور اس کے لیے

---

(۱) چونکہ مختلف اعمال آہستہ آہستہ (تدریجاً) فرض ہوتے ہیں اس لیے جب کوئی عمل واجب ہوگا اس کے بارے میں علم بھی فرض ہو جائے گا، اس باب کا خلاصہ یہی ہے ۱۲ ہزاروی۔

(۲) نشتر لگانے کو پچھنہ اور سینگی لگانا بھی کہتے ہیں اس کے ذریعے جسم سے گندا خون نکالا جاتا ہے ۱۲ ہزاروی۔

اسباب بھی تیار فرمائے۔ لہٰذا ان کو چھوڑ کر ہلاکت کی طرف جانا جائز نہیں۔
وہ علوم جن کا حصول محض فضیلت کا باعث ہے، فرض نہیں تو وہ حساب کی باریکیوں اور طلب کے حقائق اور اس کے علاوہ غیر ضروری باتوں میں مصروف ہونا ہے لیکن جس چیز کی ضرورت پڑتی ہے۔
اس کی تعداد میں قوت کا اضافہ ہوتا ہے
وہ علوم جو ناپسندیدہ اور قابل مذمت ہیں وہ جادو اور طلسم، شعبدہ بازی اور برے ہتھکنڈے ہیں۔
وہ علوم جن کا حاصل کرنا محض جائز ہے تو وہ ایسے اشعار کا علم حاصل کرنا ہے جن میں کوئی ہلکی بات نہ ہو اسی طرح علم تاریخ اور جو اس کے قائم مقام ہیں۔

علوم شرعیہ جہاں تک علوم شرعیہ کا تعلق ہے تو اس بیان کا مقصود وہی ہیں اور وہ تمام کے تمام محمود ہیں لیکن بعض اوقات دھوکہ ہو جاتا کہ کچھ علوم کو شرعی سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ مذموم ہوتے ہیں اس لیے ان کی دو قسمیں ہوئیں ایک محمود، دوسرے مذموم — علوم محمودہ میں سے کچھ اصول اور کچھ فروع ہیں۔ بعض مقدمات ہیں اور بعض ان کو مکمل کرنے والے ہیں اس طرح یہ چار طرح کے بنتے ہیں۔
پہلی قسم۔ وہ علوم جو اصول ہیں اور وہ چار ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اجماع امت اور آثار صحابہ۔
اجماع اس لیے اصل ہے کہ وہ سنت پر دلالت کرتا ہے اور یہ تیسرے درجہ پر اصل ہے اسی طرح اقوال صحابہ (آثار) بھی سنت پر دلالت کرتے ہیں کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وحی اور نزول قرآن کا مشاہدہ کیا اور احوال کے قرینہ سے انہیں وہ باتیں معلوم ہیں جو دوسروں سے غائب تھیں۔
اور بعض اوقات تحریر میں ان باتوں کی گنجائش نہیں ہوتی جو قرائن سے معلوم کی جاتی ہے۔ اسی لیے علماء کرام نے صحابہ کرام کی اقتداء اور ان کے اقوال سے استدلال میں مصلحت دیکھی ہے اس اقتداء کو ضروری قرار دینے والوں کے نزدیک بھی یہ مخصوص طریقے اور خاص شرائط کے ساتھ ہے۔ لیکن اس فن میں اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔
دوسری قسم:۔ یہ فروع ہیں جو ان اصول سے معلوم کئے جاتے ہیں لیکن ان کے الفاظ سے نہیں بلکہ ان معانی کی وجہ سے جن پر عقل کو آگاہی ہوئی اور ان کے سبب مفہوم وسیع ہو گیا حتیٰ کہ لفظ سے وہ باتیں بھی معلوم ہو گئیں جن کے لیے الفاظ کو لایا نہیں گیا تھا۔ جیسے حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی
"لَا يَقْضِي الْقَاضِي وَهُوَ غَضْبَانُ" (۱) "قاضی غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے"
سے معلوم ہوا کہ جس وقت اسے زور کا پیشاب آیا ہوا ہو یا بھوک کا غلبہ ہو یا کسی مرض کی وجہ سے درد محسوس کر رہا

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۶۰، باب ھل یقضی القاضی وھو غضبان۔

ہو تو اس وقت فیصلہ نہ کرے۔

اور علم فروع کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی بھلائی سے متعلق ہے اور وہ کتب فقہ میں ہے۔ اور اس سے تعلق رکھنے والوں کو فقہاء کرام کہا جاتا ہے اور وہ علمائے دنیا ہیں۔

اور دوسرا وہ جو آخرت کی بھلائی سے متعلق ہے اور وہ دل کے حالات اور اچھے اور بُرے اخلاق کا علم ہے نیز کونسی چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے اور کون سی مکروہ، یہ علم اس کتاب (احیاء العلوم) کے نصف اخیر میں مذکور ہے۔ اس میں ان عادات و عبادات کا علم بھی شامل ہے جو دل سے اعضاء پر ظاہر ہوتی ہیں۔ کتاب (احیاء العلوم) کے پہلے نصف میں ان کا بیان ہے۔

تیسری قسم:۔ یہ مقدمات ہیں جو ان (اصول) کے لیے آلات کی طرح جاری ہوتے ہیں جیسے لغت و نحو کا علم، یہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے لیے آلہ ہیں۔

لغت اور نحو ذاتی طور پر علوم شرعیہ میں سے نہیں لیکن شریعت کے سبب ان میں غور و خوض لازم ہے کیوں کہ یہ شریعت عربی لغت میں آئی ہے اور ہر شریعت کسی نہ کسی لغت میں ظاہر ہوتی ہے لہٰذا اس لغت، کو آلہ کے طور پر سیکھا جاتا ہے۔

اور آلات میں سے علم کتابت بھی ہے البتہ یہ ضروری نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام خود اُمّی تھے (آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا سیکھا نہ تھا) اور اگر تصور کر لیا جائے کہ جتنی باتیں سنی ہیں انہیں یاد کرنا ممکن ہے تو کتابت کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ لیکن عام طور پر لوگ اس بات (ہر بات یاد رکھنے) سے عاجز ہوتے ہیں لہٰذا کتابت کا سیکھنا ضروری ہے۔

چوتھی قسم:۔ وہ علوم جو تکمیل کرنے والے شمار ہوتے ہیں اور یہ علم قرآن سے متعلق ہیں کیونکہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو الفاظ سے متعلق ہیں جیسے قراءتوں اور مخارجِ حروف کا سیکھنا اور کچھ معنی سے متعلق ہیں جیسے علم تفسیر اس کا دار و مدار بھی نقل پر ہے (عقل پر نہیں) کیوں کہ محض لغت اس کے لیے کافی نہیں اور بعض علوم (اس قرآن پاک) کے احکام سے متعلق ہیں جیسے ناسخ و منسوخ، عام و خاص، نص و ظاہر اس علم کو اصول فقہ کہا جاتا ہے اور یہ حدیث کو بھی شامل ہے۔

احادیث و آثار کا تتمہ راویوں، ان کے ناموں اور انساب نیز صحابہ کرام کے اسمائے گرامی اور ان کی صفات کا علم ہے۔ راویوں کی عدالت اور ان کے حالات کا علم ہے تاکہ ضعیف (حدیث) کو قوی (حدیث) سے الگ کیا جا سکے اسی طرح ان کی عمروں کا علم ہے تاکہ حدیث مرسل کو مسند سے ممتاز کیا جا سکے اسی طرح دیگر امور جو ان سے متعلق ہیں یہ تمام علوم قابل تعریف ہیں اور فرض کفایہ سے ہیں۔

فقہ اور فقہاء کا مقام

اگر تم کہو کہ فقہ کو علم دنیا سے اور فقہاء کرام کو علمائے دین دنیا سے کیوں ملایا ہے؟ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا اور ان کی اولاد کو مٹی کے جوہر اور اچھلتے پانی سے پیدا فرمایا انہیں (باپوں کی) پیٹھوں سے (ماؤں کے) رحموں کی طرف نکالا پھر وہاں سے دنیا اور

وہاں سے قبر کی طرف لے گیا پھر میدان محشر کی طرف اور اس کے بعد جنت یا دوزخ کی طرف لے جائے گا، تو یہ ان کا آغاز ہے اور وہ ان کا انجام۔ اور یہ ان کی منزلیں ہیں دنیا کو آخرت کے لیے توشہ کے طور پر پیدا فرمایا تاکہ اس میں سے جو چیز آخرت کے لیے توشہ کی صلاحیت رکھتی ہے اسے توشہ بنا لیں۔ اب اگر وہ اسے انصاف کے ساتھ حاصل کریں تو جھگڑے مٹ جائیں گے اور فقہاء معطل ہو کر رہ جائیں گے لیکن وہ تو خواہشات کے ساتھ حاصل کرتے ہیں جس سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں لہٰذا ایک بادشاہ کی ضرورت پڑی جو ان کے حالات کو درست رکھے اور بادشاہ کو قانون کی ضرورت ہے جس کے ذریعے اصلاح کرے تو فقیہ قانون سیاست کا عالم اور لوگوں کے درمیان ایک واسطہ ہے جب وہ خواہشات کی وجہ سے جھگڑتے ہیں تو فقیہ، بادشاہ کو تعلیم دیتا اور اسے مخلوق کی اصلاح اور نظم و ضبط قائم کرنے کا راستہ دکھاتا ہے تاکہ ان کے ٹھیک رہنے سے دنیا میں ان کے معاملات درست رہیں مجھے اپنی عمر کی قسم فقہ بھی دین سے متعلق ہے لیکن ذاتی طور پر نہیں بلکہ دنیا کے واسطہ سے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اور دنیا کے بغیر دین کی تکمیل نہیں ہو سکتی، سلطنت اور دین جڑواں ہیں۔ پس دین اصل ہے اور سلطنت اس کی محافظ ہے اور جس (عمارت) کی بنیاد نہ ہو وہ منہدم ہو جاتی ہے اور جس (عمارت) کا محافظ نہ ہو وہ ضائع ہو جاتی ہے پس بادشاہی اور نظم و ضبط بادشاہ کے بغیر کامل نہیں ہوتا، اور فیصلوں میں نظم و ضبط فقہ سے ہی قائم ہوتا ہے۔

تو جس طرح مخلوق میں سلطنت کے ذریعے سیاست (اصلاح و درستگی) پہلے مرتبہ میں علم دین سے نہیں بلکہ وہ اس چیز کی مددگار ہے جس کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا تو سیاست کے طریقوں کی معرفت بھی اسی طرح ہے (گویا فقہ بھی دوسرے درجہ میں علم دین بنتا ہے) یہ بات تو معلوم ہے کہ حج ایسے محافظ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا جو راستے میں بدوؤں سے بچائے۔ لیکن حج الگ چیز ہے۔ اور حج کی طرف جانا دوسری بات ہے، اسی طرح اس حفاظت کو قائم کرنا جس کے بغیر حج کی تکمیل نہیں ہو سکتی یہ تیسری بات ہے، اور حفاظت کے طریقوں، تدابیر اور قوانین کی معرفت چوتھی بات ہے تو علم فقہ کا خلاصہ سیاست و حفاظت کے طریقوں کی پہچان ہے اس پر ایک مسند حدیث دلالت کرتی ہے آپ نے فرمایا۔

لَا یُفْتِی النَّاسَ اِلَّا ثَلَاثَۃٌ اَمِیْرٌ اَوْ مَامُوْرٌ اَوْ مُتَکَلِّفٌ۔ (۱) "لوگوں کو صرف تین آدمی فتویٰ دیتے ہیں امیر، یا مامور (نائب) یا متکلف"

امیر سے مراد امام (حاکم) ہے اور یہی لوگ فتویٰ دیا کرتے تھے مامور سے اس کا نائب مراد ہے اور متکلف ان دونوں کا غیر ہے اور یہ وہ شخص ہے جو اس عہدے کو کسی ضرورت کے بغیر حاصل کرتا ہے حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتویٰ دینے سے بچتے تھے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۸۳ مروی عن عبداللہ بن عمرو۔

حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے حوالے کر دیتا جب کہ ان سے علم قرآن اور آخرت کے راستے کا سوال کیا جاتا تو اس (کا جواب دینے) سے احتراز نہیں فرماتے تھے بعض روایات میں متکلف کی جگہ مرائی کا لفظ ہے (یعنی ریاکار) پس جو شخص فتویٰ دینے کا عظیم کام اختیار کرتا ہے حالانکہ اسے کام کے لیے مقرر نہیں کیا گیا تو اس شخص کا مقصد صرف اور صرف مرتبہ اور مال کا حصول ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر تم کہو کہ آپ کی یہ تقریر زخموں، حدود، تاوان اور مقدمات کے فیصلوں کے بارے میں صحیح ہے لیکن اس کتاب میں عبادات کا جو حصہ ہے مثلاً روزہ اور نماز وغیرہ نیز معاملات میں سے عادات مثلاً حلال و حرام کو یہ شامل نہیں تو تمہیں جاننا چاہیے کہ درحقیقت فقیہ اعمال آخرت میں سے جن اعمال کے بارے فتویٰ دیتا ہے وہ تقریباً تین ہیں۔(۱) اسلام (۲) نماز اور زکوٰۃ (۳) حلال و حرام تو جب تم اس سلسلے میں فقیہ کے غور و فکر کی انتہا کو دیکھو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ دنیا کی حدود سے آخرت کی طرف تجاوز نہیں کرتی، تو جب تم نے ان تینوں میں اس بات کو معلوم کر لیا تو دوسرے امور میں یہ زیادہ ظاہر ہے۔

اسلام کے بارے میں فقیہ صرف اتنی بات کرتا ہے کہ فلاں کا اسلام صحیح ہے یا صحیح نہیں، اسی طرح اسلام کی شرائط کا ذکر کرے گا وہ اس سلسلے میں صرف زبان کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب کہ دل کا معاملہ فقیہ کے اختیارات سے باہر ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اور حکومت والوں کو اس (دل کے معاملے) سے معزول فرما دیا کیونکہ (کفار کے ایک لشکر میں سے) ایک شخص نے کلمہ پڑھا تو جس صحابی نے اسے اس وجہ سے قتل کر دیا کہ اس نے محض خوف سے کلمہ پڑھا ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:۔

هَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ۔(۱) "تو نے اس کا دل پھاڑ کر کیوں معلوم نہیں کیا"۔

بلکہ فقیہ تو تلواروں کے سائے میں اسلام کا فیصلہ کرتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ تلوار نے اس کی نیت کو واضح نہیں کیا اور نہ اس کے دل سے جہالت اور حیرانگی کا پردہ اٹھا ہے لیکن وہ تلوار والے کو حکم دیتا ہے تلوار اس (مقتول) کی گردن کی طرف اور ہاتھ اس کے مال کی طرف بڑھا ہوا ہوتا ہے اور اس وقت یہ کلمہ اس کی گردن اور مال کو بچا لیتا ہے جب تک اس کی زندگی اور مال موجود ہو۔ اور یہ دنیا میں ہوتا ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا فَقَدْ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ

مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ کلمہ طیبہ پڑھیں جب وہ ایسا کر لیں تو انہوں نے اپنے

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۶۸، باب تحریم قتل الکافر۔

هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ۔ (۱) خون اور مال مجھ سے بچا لئے ،،

تو آپ نے اس کا اثر خون، اور مال میں قرار دیا۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو اس میں مال فائدہ نہیں دیتے (۲) بلکہ وہاں دلوں کے اسرار اور خلوص سے فائدہ ہوگا۔ اور اس کا تعلق فن فقہ سے نہیں اگرچہ فقیہ اس میں غور و خوض کرے جیسے وہ علم کلام اور طب میں سوچ بچار کرتا ہے حالانکہ یہ دونوں بھی اس کے فن سے خارج ہیں۔

جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو فقیہ اس کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیتا ہے جب وہ نماز کی شرائط کی پابندی کرتے ہوئے عمل کی صورت میں لاتا ہے اگرچہ وہ اپنی نماز میں شروع سے آخر تک غفلت کا شکار رہے۔ اور تکبیر کے علاوہ باقی تمام وقت بازار کے حساب و کتاب میں مشغول رہے تو یہ نماز آخرت میں فائدہ نہیں دیتی جس طرح محض زبانی اسلام (آخرت میں) نفع نہیں دے گا لیکن فقیہ اس کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیتا ہے یعنی جو اس طرح کر لیتا ہے وہ اسلام سے متعلق صیغۂ امر کی تعمیل کر لیتا ہے اور اس سے قتل اور تعزیر دور ہو جاتی ہے۔ لیکن خشوع اور دل کی حاضری جو یہ آخرت کا عمل ہے اور اس کے ذریعے ظاہری عمل فائدہ دیتا ہے تو فقیہ اس کے درپے نہیں ہوتا اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یہ اس کے فن سے خارج ہے۔

اور زکوٰۃ کے سلسلے میں فقیہ اس بات کی طرف نظر کرتا ہے جس کی وجہ سے بادشاہ کا مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرے اور حکمران اس سے زبردستی وصول کر لے تو حکم دیا جائے گا کہ یہ شخص بری الذمہ ہو گیا کہا گیا ہے کہ حضرت امام ابو یوسف قاضی رحمہ اللہ سال کے آخر میں اپنا مال، بیوی کو ہبہ کر دیتے اور اس کا مال اپنے لیے ہبہ کرواتے تاکہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے یہ بات بیان کی گئی تو انہوں فرمایا یہ ان کی فقہ سے ہے (۳) اور انہوں نے سچ فرمایا کیونکہ یہ حیلہ صرف دنیا کی فقہ سے متعلق ہے لیکن آخرت میں اس کا نقصان ہر جرم سے بڑھ کر ہے اور اس قسم کا علم نقصان دہ علم ہے۔

جہاں تک حلال و حرام کا تعلق ہے تو حرام سے بچنا دین سے ہے لیکن اس بچاؤ (ورع) کے چار مراتب ہیں۔

تقویٰ کے مراتب

(پرہیزگاری کے چار مراتب ہیں)

(۱) وہ پرہیزگاری جو گواہ کے عادل ہونے کی شرط ہے اور یہ وہ ہے کہ اس کے چھوڑنے سے

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۷، باب الامر بقتال الناس۔

(۲) یعنی محض مال آخرت میں فائدہ نہیں دیا البتہ اگر دنیا میں اپنا مال اچھے کاموں پر صرف کیا تو وہ اعمال نفع دیں گے تو اس طرح مال بالواسطہ آخرت میں بھی فائدہ دیتا ہے ۱۲ ہزاروی۔

(۳) اسلام میں حیلہ جائز ہے بشرطیکہ نیک مقاصد کے لیے ہو اس لیے حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ حیلہ بھی یقیناً کسی اچھے مقصد کے لیے ہوگا متقی امام کے بارے میں یہ تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنا چاہتے ہوں گے ۱۲ ہزاروی۔

آدمی گواہ اور قاضی نیز کسی کا ولی بننے کی اہلیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور یہ (پرہیز گاری) ظاہر حرام سے بچنا ہے۔
(۲) صالحین کی پرہیز گاری۔ یہ ایسے شبہات سے بچنا ہے جن میں (حلال وحرام دونوں طرح سے) احتمالات ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

دَعْ مَا یَرِیْبُکَ اِلٰی مَالَا یَرِیْبُکَ۔ (۱)
شک والی چیز کو چھوڑ کر اس کو اپناؤ جو تمہیں شک میں نہیں ڈالتی۔"

نیز آپ نے فرمایا:۔

اَلْاِثْمُ حَزَّازُ الْقُلُوْبِ۔ (۲)
جو چیز دلوں میں کھٹکے وہ گناہ ہے۔ (۳)

(۳) متقی لوگوں کی پرہیز گاری حلال چیز کو اس لیے چھوڑنا کہ حرام میں جانے کا خطرہ ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا یَکُوْنُ الرَّجُلُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ حَتّٰی یَدَعَ مَالَا بَاْسَ بِہٖ مَخَافَۃً مِمَّا بِہٖ بَاْسٌ (۳)
کوئی شخص اس وقت تک متقی لوگوں میں سے نہیں ہو سکتا جب تک وہ ایسی چیز کو نہ چھوڑے جس میں کوئی حرج نہیں اس چیز کے خوف سے جس میں حرج ہے۔"

اسکی مثال یہ ہے کہ پوشیدہ طور پر لوگوں کے بارے میں باتیں نہ کرے کہ کہیں غیبت تک نہ چلا جائے۔ اسی طرح وہ خواہشات کے مطابق نہیں کھاتا کہ کہیں اس میں ایسی چستی اور گمراہی نہ پیدا ہو جائے جو اسے ممنوعات شرعیہ کی قریب کردے۔
(۴) صدیقین کی پرہیز گاری۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو چھوڑنے کا نام ہے کیوں کہ اسے یہ ڈر ہوتا کہ کہیں زندگی کی کوئی ساعت قرب خداوندی کے بغیر نہ گزر جائے اگرچہ وہ جانتا ہے اور اسے یقین ہے کہ وہ (عمل) اسے حرام کی طرف نہیں پہنچائے گا۔

یہ تمام درجات فقیہ کی نظر اور سوچ و بچار سے الگ ہیں البتہ پہلا درجہ پر اس کی نظر ہوتی ہے یعنی ایسی پرہیز گاری جو گواہی اور قضا سے متعلق ہے یا ایسا عمل جو عدالت میں مخل ہوتا ہے اسے ترک کرنا، ایسی پرہیز گاری اس بات کے منافی نہیں کہ آخرت میں گناہ نہ ہو،
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وابصہ سے فرمایا:۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۵ باب تفسیر المشبہات (۲) شعب الایمان جلد ۵ ص ۵۸ ۴ حدیث نمبر ۷۲۷۷
(۳) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی طہارت و پاکیزگی کی تاکید فرمائی ہے جب دل پاک ہو جاتا ہے تو اب دل خود بخود اس بات کا فیصلہ کر دیتا ہے کہ یہ کام صحیح ہے یا غلط؟ ۱۲ ہزاروی
(۴) سنن ابی ماجہ ص ۳۲۱، باب الورع والتقویٰ۔

اَسْتَفْتِ قَلْبَکَ وَاِنْ اَفْتَوْکَ وَاِنْ اَفْتَوْکَ وَاِنْ اَفْتَوْکَ ۔ (۱) "اپنے دل سے پوچھو اگرچہ لوگ تجھے (کچھ) فتویٰ دیں (دوسرا حصہ تین بار ذکر کیا)

فقیہ دل کے خلجان اور اس کے مطابق عمل کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا بلکہ وہ صرف اسی چیز کا ذکر کرتا ہے جو عدالت میں خلل انداز ہو، تو اس وقت فقیہ کی مکمل نظر اس دنیا سے مربوط ہوتی ہے جس کے ذریعے آخرت کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور اگر وہ دل کی صفات اور آخرت کے احکام سے متعلق گفتگو کرے تو یہ اس کے کلام میں ضمنی گفتگو ہوگی جیسے اس کے کلام میں علم طب علم حساب علم نجوم اور علم کلام کا کچھ حصہ آجاتا ہے اور جس طرح نحو اور شعروں میں حکمت داخل ہوجاتی ہے۔

حضرت سفیان ثوری جو علم ظاہر کے امام تھے فرماتے ہیں اس علم کی طلب زادِ آخرت سے نہیں اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ علم میں شرف اس پر عمل کے باعث ہوتا ہے تو کیسے خیال کیا جاسکتا ہے حالانکہ وہ ظہار، لعان بیع سلم، اجارہ اور بیع صرف کا علم ہے اور جو کوئی ان باتوں کو اس لیے سیکھے کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے تو وہ مجنون ہے عبادات میں عمل دل اور اعضاء کے ساتھ ہوتا ہے اور ان اعمال کی وجہ سے بھی (علم کو) شرف حاصل ہوتا ہے۔

اگر تم کہو کہ آپ نے فقہ اور طب کو کیسے برابر کردیا کہ طب بھی دنیا سے متعلق ہے کیوں کہ یہ جسمانی صحت کا نام ہے اور اس سے بھی دنیا کی بھلائی متعلق ہوتی ہے اور یہ برابری مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔

تو تمہیں جاننا چاہیئے کہ برابری لازم نہیں بلکہ ان دونوں میں فرق ہے۔

علمِ فقہ کی فضیلت

اور فقہ، تین وجہ سے افضل ہے۔

(۱) یہ علم شرعی ہے کیوں کہ یہ نبوت سے حاصل ہوتی ہے جب کہ طب علم شریعت سے نہیں ہے۔

(۲) کوئی بھی آخرت کے راستے پر چلنے والا شخص فقہ سے قطعاً بے نیاز نہیں ہوسکتا نہ صحیح اور نہ ہی مریض لیکن طب کی حاجت صرف بیمار لوگوں کو ہوتی ہے اور وہ بہت کم لوگ ہیں۔

(۳) علم فقہ، علم آخرت سے ملا ہوا ہے کیونکہ اس میں اعضاء کے اعمال پر نظر ہوتی ہے اور اعضاء کے اعمال دل کی صفات سے پیدا ہوتے ہیں پس اچھے اعمال اخلاق محمودہ سے پیدا ہوتے ہیں جو آخرت میں نجات دینے والے ہیں اور قابلِ مذمت اعمال مذموم صفات سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اعضاء کا دل سے تعلق کوئی مخفی بات نہیں جہاں تک صحت اور مرض کا تعلق ہے تو وہ مزاج اور مختلف اخلاط سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ بدن کے اوصاف ہیں دل کے اوصاف سے نہیں تو جب فقہ کی طب کی طرف یوں نسبت کی جائے تو اس کا شرف ظاہر ہوتا ہے اور جب طریق آخرت کے علم کو فقہ کی طرف نسبت

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۲۸، مرویات وابصة بن سعید

کر کے دیکھا جائے تو طریق آخرت، کا علم اس کی نسبت افضل واشرف معلوم ہوتا ہے۔

علم طریق آخرت اگر تم کہو کہ علم طریق آخرت، تفصیل سے یوں بیان کر دیجئے کہ اس کے عنوانات کی طرف اشارہ ہو جائے اگرچہ اس کی مکمل تفصیل کا احاطہ ممکن نہیں تو جان لو کہ اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) علم مکاشفہ (۲) علم معاملہ۔

علم مکاشفہ:۔ یہ باطن کا علم ہے اور یہ تمام علوم کی غایت وانتہا رہے بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ جس شخص کو اس علم سے حصہ نہیں ملا مجھے اس کے برے خاتمے کا ڈر ہے۔ اور اس کا ادنیٰ حصہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق کرے اور اس کے اہل کو تسلیم کرے۔

ایک دوسرے عارف فرماتے ہیں" جس شخص میں دو خصلتیں ہوں اس کے لیے اس علم کا دروازہ نہیں کھولا جاتا (۱) بدعت (۲) تکبر،، کہا گیا ہے کہ جو شخص دنیا سے محبت کرتا ہو یا وہ خواہشات پر مصر ہو اس کو یہ علم حاصل نہ ہو گا، اگرچہ وہ باقی تمام علوم کا محقق ہو جائے اس کے منکر کی کم از کم سزا یہ ہے کہ وہ اس میں سے کچھ بھی نہیں پاتا۔ اس پر شعر کہا گیا۔
اس بات پر راضی ہو جو تجھ سے پوشیدہ ہے تو یہ ایک گناہ ہے جس کی سزا اسی کے اندر ہے۔

علم مکاشفہ صدیقین اور مقربین کا علم ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک نور ہے جب دل کو برے اخلاق سے طہارت و پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس (دل) پر ظاہر ہوتا ہے اور اس نور سے بہت سے امور منکشف ہوتے ہیں کہ وہ پہلے ان کے نام سنا کرتا تھا اور اس کے لیے کچھ اجمالی معانی کا وہم ہوتا تھا لیکن وہ واضح نہیں ہوتے تھے تو اس وقت وہ معانی واضح ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا علم باقیہ اس کے افعال اور دنیا و آخرت کے پیدا کرنے میں اس کی حکمت کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا کو آخرت پر کیوں مرتب کیا؟ نبوت اور نبی کے معنی، وحی اور شیطان کا مفہوم لفظ ملائکہ اور شیاطین، شیطانوں کی انسانوں سے دشمنی کی صورت، فرشتوں کے انبیاء کرام کے سامنے ہونے کی کیفیت، ان تک وحی کے پہنچنے کی کیفیت آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کی معرفت، دل کی معرفت، فرشتوں اور شیطانوں کے لشکروں کے باہمی ٹکراؤ کی کیفیت، فرشتوں کے الہام اور شیطانوں کی ٹھیس کے درمیان فرق کی پہچان، آخرت، جنت اور دوزخ کی معرفت، عذاب قبر، پل صراط، میزان، حساب کی معرفت حاصل ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ہیں:۔

اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا۔ (۱)
اپنے نامۂ اعمال کو پڑھو، آج کے دن تمہارے حساب کے لیے یہی کافی ہے۔

---

(۱) قرآن پاک سورہ اسراء آیت ۱۴

اور ارشاد خداوندی ہے:۔

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔(۱) "اور بے شک آخرت کا گھر ہی حقیقی زندگی ہے اگر وہ جانتے"

کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات، اور اس کی ذات کریمہ کی زیارت، اس سے قرب کا مفہوم اس کے جوارِ رحمت میں اترنے، اعلیٰ درجہ کے ملائکہ کی رفاقت کی سعادت فرشتوں اور انبیاء کرام کی رفاقت، اہل جنت کے درجات میں فرق، حتیٰ کہ ان میں سے بعض، بعض کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح آسمان کے درمیان چمکتا ہوا ستارہ ہوتا ہے اور اس کے علاوہ امور جن کی تفصیل نہایت طویل ہے، سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔

کیوں کہ اس نورِ مکاشفہ سے پہلے لوگ اگرچہ ان امور کے اصول کی تصدیق تو کرتے ہیں لیکن ان کے معانی کے بارے میں ان کے مختلف مقامات ہیں ان میں سے بعض ان سب کو مثالی تصور کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے (نیک) بندوں کے لیے تیار کر رکھا ہے یہ وہ نعمتیں ہیں جنہیں نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا اور مخلوق کے لیے جنت میں سے سوائے صفات اور ناموں کے کچھ نہیں۔

اور بعض کا خیال یہ ہے کہ ان میں سے بعض مثالی چیزیں ہیں اور بعض ان حقائق کے موافق ہیں جو ان کے الفاظ سے سمجھ آتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی انتہا یہ ہے کہ اس کی معرفت سے عاجزی کا اظہار کیا جائے جب کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے سلسلے میں بلند بانگ دعوے کرتے ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ جہاں تک عوام کے اعتقادات پہنچتے ہیں وہ معرفت خداوندی کی حد ہے۔ وہ یہ کہ وہ موجود ہے عالم، قادر، سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

پس علمِ مکاشفہ سے ہماری غرض یہ ہے کہ پردہ اٹھ جائے یہاں تک کہ ان امور کی حقیقت اس طرح واضح ہو جائے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور کوئی شک باقی نہ رہے۔

اور یہ بات جوہرِ انسانی میں ممکن ہے اگر اس کے آئینۂ دل پر دنیا کی آلائشوں کا زنگ اور میل نہ چڑھی ہو۔

علمِ طریقِ آخرت سے ہماری مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے اس شیشے کو ان خباثتوں سے جو اللہ تعالیٰ، اس کی صفات اور افعال کی معرفت کے سامنے حجاب بنتی ہیں، صاف کرنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور اس کو پاک وصاف کرنے کے لیے خواہشات سے رکنا اور تمام حالات میں انبیاء کرام علیہم السلام کی اقتداء کرنا ہوتی ہے۔ تو جس قدر دل کو جِلا حاصل ہوتی

(۱) قرآن پاک سورۃ عنکبوت آیت نمبر ۶۴

جائے گی۔ اور اس کے مقابل حق کا حصہ آتا جائے گا اس میں حقائق چمکتے چلے جائیں گے اور اس کی طرف جانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ریاضت ہے جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ علاوہ ازیں علم اور تعلیم کی ضرورت ہے اور یہ وہ علوم ہیں جو کتابوں میں نہیں لکھے جاتے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کچھ عطا فرمایا وہ انہیں صرف ان لوگوں سے بیان کرتا ہے جو ان علوم کے اہل ہیں اور وہی اس کے ساتھ گفتگو میں شریک اور اس کے راز دار ہوتے ہیں اور یہی وہ پوشیدہ علم ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے مراد لیا گیا ہے۔

آپ نے فرمایا:۔

"اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ كَهَيْئَةِ الْمَكْنُوْنِ لَا يَعْلَمُهُ اِلَّا اَهْلُ الْمَعْرِفَةِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى، فَاِذَا نَطَقُوْا بِهٖ لَمْ يَجْهَلْهُ اِلَّا اَهْلُ الْاِغْتِرَارِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى، فَلَا تُحَقِّرُوْا عَالِمًا آتَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عِلْمًا مِنْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُحَقِّرْهُ اِذْ آتَاهُ اِيَّاهُ" (۱)

"بعض علوم جو پوشیدہ خزانوں کی طرح ہیں ان کو صرف اہل معرفت جانتے ہیں جب وہ اس علم کے ساتھ بولتے ہیں تو اس سے سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کے ذات کے بارے میں مغالطہ میں ہیں، کوئی شخص ناواقف نہیں رہتا تو جس عالم کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم عطا کیا ہو اسے حقیر نہ جانو کیونکہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا اسے اس نے حقیر قرار نہیں دیا۔

علم معاملہ:۔ اور یہ دل کے حالات کا علم ہے۔ اس میں سے جو قابل تعریف ہے اس کی مثال صبر، شکر، خوف و امید، رضا، زہد، تقویٰ، قناعت، سخاوت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کو پہچاننا، احسان، حسن ظن، اچھے اخلاق، عمدہ سلوک اور صدق و اخلاص ہے۔ ان احوال کی حقیقتوں کی معرفت ان کی تعریف اور وہ اسباب جن کے ذریعے یہ حاصل ہوتے ہیں، ان کے نتائج اور جو ان میں سے ضعیف ہو اس کا علاج تاکہ مضبوط ہو جائے اور جو زائل ہو جائے اسے لوٹانا یہ سب علم آخرت ہے۔

اور ان میں سے جو قابل مذمت ہیں وہ محتاجی کا خوف، تقدیر پر ناراض ہونا (دل کی) کھوٹ اور کینہ، حسد، بے نری کی طلب، اپنی تعریف کو پسند کرنا دنیا سے نفع اٹھانے کے لیے طویل زندگی کی تمنا، تکبر، ریا کاری، غصہ اور نفرت عداوت اور بغض، طمع اور بخل، رغبت و تکبر، اکڑ اور غرور مال دار لوگوں کی تعظیم اور فقراء کی توہین، فخر و تکبر، مبالغہ آرائی اور قبول حق بات سے تکبر کرنا، بے مقصد باتوں میں پڑنا، زیادہ گفتگو کو پسند کرنا مخلوق (کو دکھانے) کے لیے بن سنور کر رہنا، منافقت و خود پسندی اپنے عیبوں سے بے خبر ہو کر دوسروں کے عیب تلاش کرنا، دل سے فکر کا اٹھ جانا اور خوف خدا کا نکل جانا اور جب نفس کو ذلت پہنچے تو اس کا سختی سے بدلہ لینا، اور حق کی مدد سے کمزوری دکھانا باطن کی دشمنی کے لیے ظاہری دوست

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۸۱ حدیث نمبر ۲۸۹۴۲

بنانا۔ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف رہنا کہ جو کچھ اس نے عطا کیا وہ واپس بھی لے سکتا ہے عبادت و اطاعت پر بھروسا کرنا، مکر، خیانت، دھوکہ بازی، طویل امیدیں، دل کی سختی اور سخت کلامی، دنیا (کے ملنے) پر خوشی اور اس کے فوت ہو جانے پر افسوس کرنا مخلوق سے اُنس کرنا اور ان کی علیحدگی پر وحشت زدہ ہو جانا، ظلم، غصہ اور جلد بازی کرنا نیز حیا اور رحم کی کمی، یہ (مذکورہ بالا) اور اس کی مثل دل کی وہ صفاتِ بد ہیں جو تمام برائیوں اور ممنوع اعمال کی جڑ اور بنیاد ہیں۔

اور ان کے مقابل جو اچھی عادات ہیں ان کا منبع اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور قرب ہے تو ان صفات کی تعریف، حقائق، اسباب، نتائج اور علاج کا علم، علمِ آخرت ہے اور علمائے آخرت کے فتویٰ کے مطابق یہ فرض عین ہے ان صفات سے منہ پھیرنے والا آخرت میں حقیقی بادشاہ کے قہر سے ہلاک ہو گا جیسے ظاہری اعمال سے منہ پھرنے والا دینوی فقہاء کے فتویٰ کے باعث سلاطینِ دنیا کی تلوار سے ہلاک ہوتا ہے تو فرض عین کے سلسلے میں علمائے دنیا کی نظر اصلاح دنیا کی طرف ہوتی ہے اور یہ مذکورہ علم، آخرت کی بہتری کے لیے ہے۔ اگر کسی فقیہ سے ان باتوں میں سے کسی بات مثلاً اخلاص، توکل اور ریا سے بچنے کے بارے پوچھا جائے تو وہ اس میں خاموشی اختیار کرے گا حالانکہ یہ وہ فرض عین ہے کہ اس کو چھوڑنے میں اس کے لیے اُخروی ہلاکت ہے۔ اور اگر تم اس سے لعان، ظہار، گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی کے بارے میں پوچھو تو تمہارے سامنے ایسے دقیق فروعی مسائل کی کئی جلدیں پیش کر دیں گے۔ کہ زمانے ختم ہو جائیں اور تمہیں ان میں سے کسی کی بھی ضرورت نہ پڑے اور اگر ضرورت پڑے بھی تو شہر اس کے بتانے والوں سے خالی نہ ہو گا اور وہ اس کو اس سلسلے میں مشقت سے بچالے گا تو یہ دن رات ان مسائل کو یاد کرنے اور پڑھنے میں مشقت برداشت کرتا ہے اور اس علم سے غافل ہے جو دین میں اس کے لیے اہم ہے اور جب اس فقیہ کی طرف رجوع کیا جائے تو کہتا ہے کہ میں اس میں اس لیے مشغول ہوں کہ یہ علم دین ہے اور فرض کفایہ ہے وہ اس کے سیکھنے میں اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی دھوکا دیتا ہے حالانکہ عقلمند آدمی جانتا ہے کہ اگر اس کی غرض فرض کفایہ کے سلسلے میں اپنے فرض کی ادائیگی ہوتی تو وہ اس پر فرض عین کو مقدم کرتا۔ بلکہ کئی دیگر فرض کفایہ کو اس پر مقدم کرتا کتنے ہی ایسے شہر ہیں جن میں غیر مسلم (ذمی) کے علاوہ کوئی ڈاکٹر نہیں اور طبیبوں سے متعلق احکام فقہ میں ان کفار کی گواہی قبول نہیں۔ پھر بھی، ہم نہیں دیکھتے کہ کوئی شخص اس (علم طب) میں مشغول ہو، اور علم فقہ، بالخصوص اختلافی اور باعث نزاع مسائل سیکھنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں حالانکہ شہر ایسے فقہاء سے بھرے پڑے ہیں جو فتویٰ نویسی اور واقعات کے جوابات دینے میں مشغول ہیں۔

افسوس! کس طرح فقہائے دین اس فرض کفایہ میں مشغول ہونے کی اجازت دیتے ہیں جسے قائم کرنے کے لیے ایک جماعت موجود ہے اور وہ اسے چھوڑ رہے ہیں جسے قائم کرنے والا کوئی نہیں اس کا سبب کیا ہو سکتا ہے یہی کہ طب کے ذریعے اوقاف اور وصیتوں کا ولی بننے، یتیموں کے مال کی حفاظت قضاء اور حکومت کا حصول، ہم عصر لوگوں سے آگے بڑھنا اور دشمنوں پر مسلط ہونا میسر نہیں۔

افسوس! افسوس! بُرے علماء کے دھوکے کے باعث علمِ دین مٹ گیا تو ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی کی پناہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں اس دھوکے سے بچائے جو رحمٰن کی ناراضگی اور شیطان کی خوشی کا باعث ہے۔

علمائے ظاہر میں سے جو صاحبِ تقویٰ تھے وہ علمائے باطن اور اہلِ دل لوگوں کی فضیلت کا اقرار کیا کرتے تھے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ حضرت شیبان راعی کے سامنے اس طرح بیٹھتے جیسے بچہ اپنے مکتب میں بیٹھتا ہے اور ان سے پوچھتے کہ فلاں فلاں کام کس طرح کریں ان سے پوچھا گیا آپ جیسا فقیہ شخص اس دیہاتی سے پوچھتا ہے تو وہ فرماتے ان کو اس چیز کی توفیق دی گئی ہے جس سے ہم غافل ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت یحییٰ بن معین رحمہما اللہ، حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کے پاس جاتے تھے حالانکہ وہ علم ظاہر میں ان دونوں کی طرح نہ تھے وہ دونوں ان سے پوچھا کرتے تھے۔ اور ایسا کیوں نہ کرتے جب کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جب ہمیں ایسا معاملہ درپیش ہو جسے ہم قرآنِ پاک اور سنت مطہرہ میں نہ پائیں تو کیا کریں آپ نے فرمایا۔

سَلُوا الصَّالِحِيْنَ وَاجْعَلُوْهُ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔ (۱)

"صالحین لوگوں سے پوچھو اور ان کے باہمی مشورہ پر عمل کرو۔"

اسی لیے کہا گیا کہ علمائے ظاہر زمین اور ملک کی زینت ہیں اور علمائے باطن آسمان اور ملکوت کی زینت ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک دن مجھ سے میرے شیخ حضرت سری سقطی رحمہ اللہ نے پوچھا جب تم میرے پاس سے چلے جاتے ہو تو کس کے پاس بیٹھتے ہو میں نے کہا حضرت محاسبی کے پاس فرمایا اچھا ہے ان سے علم و ادب سیکھنا لیکن جو کچھ وہ علم کلام اور متکلمین کے رد میں کہیں۔ اسے چھوڑ دینا پھر میں جب واپس آنے لگا تو سنا کہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تجھے حدیث والا صوفی بنائے ایسا صوفی بنائے جو (بعد میں) حدیث حاصل کرے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ جس شخص نے حدیث اور علم حاصل کر کے تصوف کو اختیار کیا اس نے کامیابی پائی اور جس نے علم سے پہلے تصوف اختیار کیا اس نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا۔

علمِ کلام اور فلسفہ

اگر تم کہو کہ علوم کی اقسام میں، علم کلام اور فلسفہ کا ذکر کیوں نہیں کیا اور نہ اس بات کو واضح کیا کہ یہ دونوں علم مذموم ہیں یا قابلِ تعریف؟

تو جان لو کہ علم کلام جن نفع بخش دلائل پر مشتمل ہے وہ قرآن پاک اور احادیث میں پائے جاتے ہیں اور جو دلائل ان دونوں سے باہر ہیں وہ یا تو برے جھگڑے ہیں اور وہ بدعات سے ہیں جیسا کہ اس کا بیان آرہا ہے یا وہ مختلف فرقوں کے اختلافات سے متعلق تباہ کن باتیں ہیں اور ایسے مقالات کو نقل کرنے کے ذریعے بات کو لمبا کیا جاتا ہے جو بیہودہ ہو اس پر مشتمل ہیں طبیعتیں ان کو رد کرتی اور کان ان کو دور پھینکتے ہیں ان میں سے بعض ایسی ہیں جن میں غور و خوض دین سے خارج ہے اور

---

(۱)

پہلے دور (صحابہ کرام کے زمانے) میں ان کا وجود نہ تھا اور ان میں غور و خوض کرنا مکمل طور پر بدعت تھا۔

لیکن اب حکم بدل گیا کیوں کہ اس طرح کی بدعتیں جو قرآن و سنت کے مقتضا سے پھیر دیں! زیادہ ہو گئی ہیں اور کچھ ایسے لوگ ظاہر ہو گئے ہیں جنہوں نے جھوٹ گھڑ لیا اور اس میں مرتب تقریریں بنا دیں۔ لہذا ضرورت کے تحت اس ممنوع کام کی اجازت دی گئی۔ بلکہ یہ فرض کفایہ علوم میں سے ہو گیا اور یہ اسی قدر ہے جس کے ساتھ کسی بدعتی کا مقابلہ کر سکے جب وہ بدعت کی طرف بلائے اور یہ ایک محدود حد تک ہے ہم آئندہ باب میں اس کا ذکر کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

تقسیم فلسفہ

جہاں تک فلسفہ کا تعلق ہے تو وہ مستقل علم نہیں بلکہ اس کے چار حصے ہیں۔

(۱) ہندسہ اور حساب:۔ یہ دونوں جائز ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس سے صرف اسی شخص کو کو منع کیا جائے جس کے بارے میں ڈر ہو کہ وہ اس کے ذریعے مذموم کی طرف چلا جائے گا کیونکہ ان میں مہارت رکھنے والے اکثر لوگ ان دونوں سے بدعات کی طرف نکل گئے تو ان دونوں علوم سے کمزور ایمان والے کو بچایا جائے گا اس لیے نہیں کہ یہ ذاتی طور پر صحیح نہیں۔ جیسے نہر کے کنارے پر کھڑے چھوٹے بچے کو بچایا جاتا ہے کیوں کہ اس کے نہر میں گرنے کا ڈر ہوتا ہے اور جس طرح کسی نو مسلم کو کفار کے ساتھ میل جول سے محض ڈر کی وجہ سے روکا جاتا ہے کیونکہ جو مضبوط ہے وہ ان سے میل جول کو خود ہی اچھا نہیں سمجھتا۔

(۲) علم منطق:۔ اس میں دلیل کی کیفیت اور شرائط نیز حد (تعریف) کی وجہ اور شرائط کا بیان ہوتا ہے اور یہ دونوں علم کلام میں داخل ہیں۔

(۳) الٰہیات:۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں بحث کرنا علم الٰہیات ہے۔ یہ بھی علم کلام میں داخل ہے۔ فلسفیوں نے اس سلسلے میں کوئی نیا علم جاری نہیں کیا بلکہ ان کے الگ الگ مذاہب ہیں جن میں سے بعض کفر اور بعض بدعات پر مبنی ہیں۔ تو جس طرح اعتزال (معتزلی ہو جانا) الگ علم نہیں بلکہ اس کے ماننے والے متکلمین کا ہی ایک گروہ ہیں بحث و دلیل والے حضرات نے الگ مذاہب بنا لیے اسی طرح فلسفہ بھی ہے۔

(۴) طبیعات:۔ ان میں سے شریعت اور دین حق کے مخالف ہیں اور وہ علم نہیں بلکہ جہالت ہیں اس لیے اقسام علوم میں بیان نہیں کیے جا سکتے، ان میں سے کچھ، جیسوں ان کے خواص اور ان کے تغیر و تبدیل سے بحث کرتے ہیں وہ طب کے مشابہ ہیں البتہ یہ (فرق ہے) کہ طبیب کی نظر خاص طور پر انسانی جسم پر بیماری اور صحت کے اعتبار سے ہوتی ہے جب کہ یہ لوگ تمام اجسام کو ان کی تبدیلی اور حرکت کے حوالے سے دیکھتے ہیں لیکن علم طب کو اس پر فضیلت حاصل ہے اور اس کی ضرورت بھی رہتی ہے جب کہ علوم طبیعات کی کوئی حاجت نہیں ہوتی۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ علم کلام ان باتوں میں سے ہے کہ لوگوں کے دلوں کو بدعات پر مبنی خیالات سے بچانے کے لیے ان کا

جاننا فرض کفایہ ہے، اور یہ علم بدعات کے پیدا ہونے سے پیدا ہوا جیسے حج کے راستے میں اہل عرب کے ظلم اور ان کی ڈاکہ زنی کی وجہ سے محافظ حاصل کرنے کی ضرورت پڑی (۱)

اگر عرب لوگ یہ زیادتی چھوڑ دیں تو کسی محافظ کو کرایہ پر حاصل کرنا طریق حج کی شرائط میں سے نہ ہوگا اسی طرح اگر اہل بدعت اپنی بیہودہ گفتگو سے باز آجائیں تو صحابہ کرام کے زمانے میں جس قدر علم تھا اس سے زائد کی ضرورت نہ ہوگی تو علم کلام سے تعلق رکھنے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ علم کس حد تک دین سے متعلق ہے نیز متکلم (علم کلام والا) کا درجہ صرف اسی قدر ہے جتنا حج کے راستے میں محافظ کا ہے۔ جب محافظ صرف محافظت کا فریضہ انجام دے تو وہ حجاج کرام میں سے نہ ہوگا۔ اور جب متکلم مناظرہ اور بدعتیوں کی روک تھام ہی میں مشغول ہو اور آخرت کے راستے پر نہ چلے اور نہ دل کی حفاظت و اصلاح میں مشغول ہو تو وہ علمائے دین میں سے بالکل نہ ہوگا اور متکلم کے پاس سوائے اس عقیدے کے جس میں وہ تمام عوام کے ساتھ شریک ہے اور کچھ بھی نہ ہوگا۔ اور یہ عقیدہ دل اور زبان کے ظاہری اعمال میں سے ہے وہ دوسرے لوگوں سے صرف اس لیے ممتاز ہوگا کہ وہ مخالفین سے جھگڑ سکتا ہے اور حفاظت کر سکتا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کے افعال اور ان تمام باتوں کی معرفت کا تعلق ہے جن کی طرف ہم نے علم مکاشفہ کے بیان میں ذکر کیا وہ علم کلام سے حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ قریب ہے کہ علم کلام اس کے لیے حجاب اور رکاوٹ بن جائے اللہ تعالیٰ تک رسائی تو اسی مجاہدہ کی بنیاد پر ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے مقدمہ قرار دیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (۲)

اور وہ لوگ جو ہمارے راستے میں مجاہدہ (اور محنت) کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستوں کی طرف ہدایت دیتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

✤ ✤ ✤ ✤

علم فقہ و کلام

اگر تم کہو کہ تم نے متکلم کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ اہل بدعت کے الجھاؤ سے عوام کے عقیدے کی حفاظت کرتا ہے جیسے محافظ کی تعریف یہ ہے کہ وہ عربی بدوؤں کی لوٹ مار سے حجاج کرام کے سامان کی حفاظت کرتا ہے، فقیہ کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ اس قانون کی حفاظت کرتا ہے جس کے ذریعے بادشاہ زیادتی کرنے والوں کی زیادتی کو دوسروں سے روکتا ہے اور یہ دونوں مرتبے علم دین کے مقابلے میں کم درجے کے ہیں حالانکہ علمائے امت جو

---

(۱) یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگ پیدل حج کرتے جاتے تھے اور عرب کے بدو قافلوں پر حملہ کر کے لوٹ مار کرتے تھے اب ایسی بات نہیں ۱۲ ہزاروی۔

(۲) قرآن پاک سورہ عنکبوت آیت ۶۹

فضیلت کے ساتھ مشہور ہیں وہ فقہاء اور متکلمین ہی تو ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین مخلوق ہیں تو کس طرح علم دین کے مقابلے میں ان کا درجہ اس قدر پست ہو گیا؟

تو جواباً) جان لو کہ جو شخص حق کو انسانوں کے ذریعے جاننا چاہتا ہے وہ گمراہی کے جنگلوں میں بھٹکتا رہتا ہے اگر تو راہ حق پر چلتا ہے تو پہلے حق کو پہچان لے اس کے اہل کو خود بخود پہچان لے گا اور اگر تقلید اور لوگوں کے درمیان مشہور درجاتِ فضیلت پر ہی نظر رکھتا ہے تو صحابہ کرام اور کے درجات کی بلندی سے غافل نہ ہو تم نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے وہ سب صحابہ کرام کی عظمت اور ان کے تقدم پر متفق ہیں دین کے معاملے میں کوئی بھی شخص نہ ان کی بلند ہمتی کو پہنچ سکتا ہے اور نہ ان کی گردِ راہ کو۔ اور ان کی فضیلت کلام اور فقہ کی وجہ سے نہ تھی بلکہ وہ آخرت اور اس کی طرف جانے کا علم رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زیادہ نمازوں، روزوں، کثرتِ روایات اور فتویٰ وکلام کی وجہ سے افضل نہیں ہوئے بلکہ ان کی فضیلت کا باعث وہ بات تھی جو ان کے سینے میں راسخ تھی (۱) جس طرح رسولوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اس بات کی شہادت دی۔

لہٰذا تمہیں اس راز کو پانے کی جستجو کرنی چاہیئے یہی جوہر نفیس اور پوشیدہ موتی ہے اور اپنے آپ سے اس چیز کو دور کر دو جسے اکثر لوگ کچھ تفضیلی وجوہات کی بنیاد پر باعث عظمت سمجھتے ہیں اور وہ اس بات پر متفق ہو گئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے وہ تمام کے تمام علمائے را بنھے، لیکن ان میں سے کوئی بھی فن کلام سے اچھی طرح واقف نہ تھا دس سے کچھ زائد صحابہ کرام کے علاوہ کسی صحابی نے بھی اپنے آپ کو فتویٰ دینے کے لیے مقرر نہیں کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بھی انہی لوگوں میں سے تھے جب ان سے کوئی فتویٰ پوچھا جاتا تو سائل سے فرماتے فلاں امیر کے پاس جاؤ جس نے لوگوں کے معاملات کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ مقدمات اور فیصلوں کے سلسلے میں فتویٰ دینا ولایت وسلطنت کے امور سے ہے۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا علم کے دس حصوں میں سے نو حصے چلے گئے ان سے پوچھا گیا کہ آپ یہ بات فرماتے ہیں حالانکہ ہم میں جلیل القدر صحابہ کرام موجود ہیں انہوں نے فرمایا میں فتویٰ اور احکام کے علم کی بات نہیں کرتا میری مراد علم باللہ سے ہے، تو تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے فن کلام اور مناظرہ مراد لیا تھا تو تمہیں کیا ہوا کہ تم اس علم کی معرفت کی حفاظت نہیں کرتے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وصال سے اس کے دس میں سے نو حصے چلے گئے۔ حالانکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کلام اور بحث ومناظرہ کا دروازہ بند کیا تھا اور جب حضرت ضبیع نے قرآن پاک کی دو آیتوں کے درمیان تعارض کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انہیں درے سے مارا اور ان

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۰۴ حدیث نمبر ۸۰۱

کا بائیکاٹ کیا بلکہ صحابہ کرام کو بھی ان کے بائیکاٹ کا حکم دیا۔

تمہارا یہ کہنا کہ علماء میں سے مشہور فقہاء اور متکلمین ہیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت کا باعث اور چیز ہے اور لوگوں کے ہاں شہرت کا سبب دوسری بات ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت کے ساتھ مشہور تھے لیکن آپ کی فضیلت کا باعث وہ راز تھا جو آپ کے سینے میں راسخ و موجود تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیاست کی وجہ سے مشہور تھے لیکن آپ کی فضیلت کا باعث وہ علم تھا جس کے نو حصے آپ کی وفات کے ساتھ اٹھ گئے علاوہ ازیں حکومت کے ذریعے تقرب خداوندی کا قصد کرنا اور اس کی مخلوق سے عدل و انصاف اور شفقت سے پیش آنا تھا اور یہ بھی ایک پوشیدہ بات تھی جو آپ کے دل کے اندر تھی جب کہ آپ کے تمام ظاہری اعمال ہر ایسے شخص سے بھی صادر ہو سکتے ہیں جو مرتبہ، نام اور شہرت کا طالب ہو۔

تو شہرت ہلاک کرنے والے عمل میں ہوتی ہے اور فضیلت پوشیدہ چیزیں ہوتی ہے جس پر کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی۔

لہذا فقہاء اور متکلمین، خلفاء، قاضیوں اور علماء کی طرح ہیں اور وہ کئی قسم کے ہیں۔

ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے علم، فتویٰ اور سنت نبویہ کی حمایت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں وہ نہ تو ریا کاری کرتے ہیں اور نہ شہرت کے طالب ہوتے ہیں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی فضیلت کا سبب علم پر عمل کرنا اور اپنے فتویٰ اور دلیل سے اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرنا ہے کیوں کہ ہر علم عمل (کا ذریعہ) ہے کیونکہ وہ بھی ایک فعل ہے جس کو حاصل کیا جاتا ہے۔

لیکن ہر عمل، علم نہیں طبیب بھی اپنے علم سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے، چنانچہ اسے بھی علم پر ثواب ملتا ہے کیونکہ اس نے اس علم پر، اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کیا۔ بادشاہ لوگوں کے درمیان ایک واسطہ ہوتا ہے لہذا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہوتا ہے اور اسے ثواب ملتا ہے اس لیے نہیں کہ وہ علم دین کا ذمہ دار ہے بلکہ اس لیے کہ وہ ایسا عمل اختیار کرتا ہے جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ارادہ کرتا ہے۔

قرب خداوندی کا راستہ

جن چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ وہ تین قسم کے ہیں۔ (۱) علم مکاشفہ (۲) محض عمل جیسے بادشاہ کا انصاف کرنا اور لوگوں کو کنٹرول کرنا (۳) علم و عمل کا مرکب یعنی طریق آخرت کا علم، ایسے علم والا عالم بھی ہے اور عامل بھی، تو تم اپنے بارے نہیں سوچ لو کہ قیامت کے دن علماء کی جماعت میں ہونا چاہتے ہو یا عاملین کی جماعت میں یا دونوں جماعتوں میں تاکہ دونوں سے حصہ پاؤ تو محض شہرت کی تقلید کی بجائے یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے جیسے شاعر نے کہا،

"جس کو دیکھو اسے اختیار کرو اور جس بات کو سنو اسے چھوڑ دو سورج، طلوع ہو تو زحل ستارے کی کیا ضرورت ہے۔"

تذکرہ ائمہ علاوہ ازیں ہم پہلے فقہاء کرام کے حالات زندگی نقل کرتے ہیں جس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ جو اپنے آپ کو ان کے مذہب پر بتاتے ہیں انہوں نے ان پر ظلم کیا اور قیامت کے دن یہ ان کے بہت بڑے دشمن ہوں گے۔ اُن لوگوں نے اپنے علم سے صرف اور صرف رضائے خداوندی کا مقصد کیا ان کے حالات سے علمائے آخرت کی علامات دیکھی گئی ہیں جیسے علمائے آخرت کی علامات کے باب میں اس کا بیان ہوگا۔ انہوں نے اپنے آپ کو صرف علم فقہ کے لیے وقف نہیں کیا تھا بلکہ دلوں کے علم میں مشغول اور نگران بھی رہتے تھے ان کے لیے تدریس و تصنیف سے وہی بات مانع تھی جو صحابہ کرام کی تصنیف و تدریس میں رکاوٹ تھی باوجودیکہ وہ علم فتویٰ کے مستقل فقیہ تھے رکاوٹیں یقیناً واقع ہوئیں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

اب ہم فقہاء کرام کے حالات سے وہ باتیں ذکر کرتے ہیں جن سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا وہ ان لوگوں پر طعن نہیں بلکہ اُن لوگوں پر طعن ہے جنہوں نے ان کے مذاہب کو اپنا کر اپنے آپ کو ان کا پیروکار ظاہر کیا حالانکہ یہ لوگ اپنے اعمال و عادات میں ان کے مخالف ہیں۔

وہ فقہاء کرام جو فقہ میں سردار اور مخلوق کے قائد تھے یعنی مذاہب کے سلسلے میں ان کی اتباع کرنے والے زیادہ ہیں وہ پانچ حضرات ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت سفیان ثوری رحمہم اللہ ان میں سے ہر ایک عابد و زاہد اور علوم آخرت کا عالم تھا۔ دنیا میں لوگوں کی بھلائی کی سمجھ رکھتا تھا اور اپنی فقہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا تھا۔ یہ پانچ عادات ہیں لیکن ہمارے زمانے کے فقہاء نے ان سب میں سے ایک کو اختیار کر لیا یعنی فقہ کی فروعات میں استعداد اور مبالغہ، اس لیے کہ باقی چار عادات کا تعلق آخرت سے ہے اور یہ ایک خصلت دنیا اور آخرت دونوں کے لیے ہے اگر اس سے آخرت کا ارادہ کیا جائے تو دنیا کے لیے اس کی بھلائی کم ہو جاتی ہے۔ انہوں نے اس سے دنیا کا قصد کیا اور ان ائمہ سے مشابہت کا دعویٰ کیا، لوہار کو فرشتوں پر قیاس کرنا افسوس ناک ہے۔

اب ہم ان ائمہ کرام کے وہ حالات زندگی بیان کرتے ہیں جن سے ان چار خصلتوں کا پتہ چلے ورنہ فقہ میں ان کا تعارف ظاہر ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے عابد ہونے پر دلیل یہ ہے کہ آپ نے رات کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا تھا ایک تہائی علم کے لیے، دوسری تہائی عبادت اور تیسری نیند کے لئے۔ حضرت ربیع فرماتے ہیں۔

"حضرت امام شافعی رحمہ اللہ رمضان شریف میں نماز میں ساٹھ مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے تھے۔"

آپ کے ایک شاگرد حضرت بویطی فرماتے ہیں کہ آپ رمضان شریف میں روزانہ ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے۔

حضرت حسن کرابیسی فرماتے ہیں۔ ”میں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ کئی راتیں گزاری ہیں آپ تقریباً رات کا تہائی حصہ نماز پڑھتے اور میں نے دیکھا کہ آپ پچاس آیات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اگر کبھی زیادہ پڑھتے تو ایک سو آیات ہوتیں۔

آپ جب بھی کسی آیتِ رحمت پر پہنچتے تو اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمام مومنین و مسلمین کے لیے رحمت کا سوال کرتے اور جب بھی ایسی آیت پڑھتے جس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو پناہ مانگتے اور اپنے لیے نیز تمام مومنوں کے لیے نجات کا سوال کرتے گویا آپ کے لیے امید اور خوف کو جمع کر دیا گیا تھا۔

تو دیکھو ان کا پچاس آیات پر اکتفاء کرنا کس طرح اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ قرآن پاک کے اسرار و رموز میں غوطہ زن ہوتے اور ان میں غور و فکر کرتے تھے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے سولہ سال سے سیر ہو کر نہیں کھایا کیوں کہ پیٹ کا بھر جانا بدن کو بھاری کر دیتا ہے، دل کو سخت کرتا ہے دانائی کو زائل کرتا اور نیند پیدا کرتا اور اس شخص کو عبادت میں کمزور کر دیتا ہے تو شکم سیری کی آفات کے سلسلے میں ان کی حکمت پر غور کیجئے۔ پھر عبادت میں ان کی مشقت کو دیکھیں کیونکہ انہوں نے اسی کے لیے شکم سیری کو ترک کیا (حقیقت یہی ہے) کہ عبادت کی اصل کم کھانا ہے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم نہیں کھائی نہ سچی اور نہ جھوٹی۔ تو اندازہ کیجئے وہ اللہ تعالیٰ کی توقیر و تعظیم کا کس قدر خیال فرماتے تھے اور یہ اس بات کی دلیل کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلال کا علم رکھتے تھے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو آپ خاموش رہے عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ جواب نہیں دیتے۔

فرمایا میں اس وقت تک جواب نہیں دوں گا جب تک مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ میری خاموشی میں بہتری ہے یا جواب دینے میں۔

تو دیکھئے آپ اپنی زبان کی کس قدر حفاظت فرماتے تھے حالانکہ فقہاء کرام پر تمام اعضاء سے زیادہ یہی مسلط ہے اور یہی ان کے ضبط و قابو سے زیادہ باہر ہو جاتی ہے اسی بات سے واضح ہوا کہ آپ کا بولنا یا خاموش رہنا دونوں کا مقصد فضیلت و ثواب کا حصول تھا۔

حضرت احمد بن یحییٰ بن وزیر فرماتے ہیں ایک دن حضرت امام شافعی رحمہ اللہ قندیلوں کے بازار سے نکلے تو ہم آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑے تو دیکھا کہ ایک شخص کسی اہل علم کو بیہودہ باتیں کہتا تھا۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا فحش کلامی سے اپنے کانوں کو پاک رکھو جیسے تم اپنی زبانوں کو برے کلام سے پاک رکھتے ہو کیونکہ (قصداً) سننے والا کہنے والے کے ساتھ شریک ہوتا ہے بیوقوف آدمی اپنے برتن (مغز) میں سے سب سے بری بات تمہارے برتنوں (دماغوں)

میں ڈالنے کی حرص کرتا ہے اگر بیوقوف کی بات کو اسی کی طرف لوٹا دیا جائے (یعنی نہ سنا جائے) تو لوٹانے والا نیک بخت ہوتا ہے جیسے اس کا قائل بدبخت ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ایک دانا نے دوسرے عقل مند کی طرف لکھا کہ تجھے علم دیا گیا ہے لہٰذا تو اپنے علم کو گناہوں کی سیاہی سے میلا نہ کر اس طرح تم اس دن اندھیرے میں رہو گے جب علم والے اپنے علم کی روشنی میں چلیں گے۔

آپ کا زہد اس طرح تھا آپ فرماتے ہیں "جس نے دعویٰ کیا کہ اس نے دنیا کی محبت اور اپنے خالق کی محبت کو دل میں جمع کر لیا ہے تو اس نے جھوٹ بولا ہے۔"

حضرت حمیدی فرماتے ہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ ایک دفعہ کچھ حکام کے ہمراہ یمن کی طرف تشریف لے گئے تو دس ہزار درھموں کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف لوٹے مکہ مکرمہ سے باہر آپ کے لیے ایک خیمہ نصب کیا گیا لوگ آپ کے پاس آنے لگے تو آپ اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹے جب تک وہ تمام درھم تقسیم نہ کر دیئے۔ ایک مرتبہ آپ حمام سے نکلے تو حمام والے کو بہت مال دیا، ایک دفعہ آپ کا عصا مبارک ہاتھ سے گر گیا ایک آدمی نے اٹھا کر آپ کو دیا تو آپ نے اسے بدلے میں پچاس دینار عطا فرمائے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی سخاوت اس قدر معروف ہے کہ بیان کی حاجت نہیں اور زہد کی بنیاد سخاوت ہے کیوں کہ جو شخص کسی چیز کو پسند کرتا ہے وہ اسے روک لیتا ہے جدا نہیں کرتا اور وہی شخص مال کو جدا کرتا ہے جس کی نگاہ میں دنیا حقیر ہو اور زہد کا یہی مطلب ہے۔

آپ کے مضبوط زہد، اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے اور اپنی ہمت کو آخرت میں مشغول رکھنے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہ نے رقتِ قلبی کے بارے میں ایک حدیث حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے سامنے ذکر کی تو ان پر غشی طاری ہو گئی حضرت سفیان سے عرض کیا گیا کہ یہ تو انتقال کر گئے انہوں نے فرمایا اگر ان کا انتقال ہو گیا تو زمانے کا افضل انسان فوت ہوا۔

حضرت عبد اللہ بن محمد بلوی سے منقول ہے فرماتے ہیں میں اور حضرت عمر بن نباتہ بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بندوں اور پرہیزگار لوگوں کا ذکر کر رہے تھے تو حضرت عمر بن نباتہ نے مجھ سے کہا میں نے حضرت محمد بن ادریس شافعیؒ سے زیادہ پرہیزگار اور فصیح نہیں دیکھا میں، امام شافعیؒ اور حارث بن لبید صفا کی طرف گئے حضرت حارث صالح مری کے شاگرد تھے انہوں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا وہ نہایت خوش آواز تھے، انہوں نے یہ آیت پڑھی،

"هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (۱)"

"یہ وہ دن ہے جب لوگ باتیں نہیں کریں اور نہ انہیں عذر پیش کرنے (توبہ کرنے) کی اجازت ہوگی"

---

(۱) قرآن پاک سورۃ المرسلات آیت ۳۵-۳۶

میں نے دیکھا حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا ان کے جسم پر بال کھڑے ہو گئے وہ بہت زیادہ تڑپے اور بیہوش ہو کر گر پڑے، جب افاقہ ہوا تو کہنے لگے۔

"یا اللہ! میں جھوٹوں کے مقام سے اور غافل لوگوں کے منہ پھیرنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! عارفین کے دل تیرے لیے جھک گئے اور مشتاق لوگوں کی گردنیں تیرے سامنے جھک گئیں یا اللہ! مجھے اپنے جود و کرم سے حصہ عطا فرما اور مجھے اپنے پردۂ کرم میں چھپا لے اپنے لطف و کرم سے میری کوتاہیوں کو معاف فرما دے۔

وہ فرماتے ہیں پھر آپ چلے اور ہم واپس لوٹ آئے جب میں بغداد میں پہنچا اور ان دنوں آپ عراق میں تھے تو میں نہر کے کنارے بیٹھا تاکہ نماز کے لیے وضو کروں کہ ایک آدمی میرے پاس سے گزرا اور اس نے کہا اے لڑکے! اپنے وضو کو ٹھیک کر اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں تجھ سے اچھی طرح پیش آئے گا میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک شخص ہے جس کے پیچھے ایک پوری جماعت ہے میں جلدی جلدی وضو کر کے ان کے پیچھے پیچھے ہو گیا انہوں نے میری طرف متوجہ ہو کر پوچھا تمہیں کوئی کام ہے؟ میں نے کہا جی ہاں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیجئے انہوں نے فرمایا جان لو! جس نے اللہ تعالیٰ سے سچ کہا (یا اس کی تصدیق کی) اس نے نجات پائی، اور جس نے اپنے دین کا خوف رکھا وہ تباہی سے بچ گیا۔ جس نے دنیا میں زہد اختیار کیا تو کل (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب دیکھے گا اس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ کیا میں تمہیں مزید نہ بتاؤں؟

میں نے عرض کیا جی ہاں بتائیے، فرمایا جس میں تین عادات ہوں اس کا ایمان مکمل ہو گیا جس نے اچھی بات کا حکم دیا اور اس پر خود بھی عمل کیا، برائی سے روکا اور خود بھی باز رہا اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کی" کہا تمہیں کچھ اور نہ بتاؤں؟ میں نے عرض ہاں کیوں نہیں۔ فرمایا دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا شوق رکھنے والا ہو جا ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے سچ کا معاملہ کر (یا اسے سچا جان) نجات پانے والوں کے ساتھ نجات پائے گا" پھر وہ چلے گئے میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا یہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ ہیں۔

تو تم ان کے بیہوش ہو کر گرنے، اور پھر ان کے وعظ کو دیکھو یہ کس طرح ان کے زہد اور انتہائی درجے کے خوف پر دلالت کرتا ہے اور یہ خوف و زہد اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا کیونکہ!

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ اللہ تعالیٰ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو اس کی معرفت رکھتے ہیں۔" (۱)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ خوف و زہد بیع سلم، اجارہ اور فقہ کے دوسرے ابواب سے حاصل نہیں کیا بلکہ یہ

---

(۱) قرآن پاک سورہ فاطر آیت ۲۸

علوم آخرت سے ہے جو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے حاصل ہوتے ہیں کیوں کہ پہلوں اور پچھلوں کی حکمتیں ان دونوں (قرآن وحدیث) میں بھری ہیں۔

اسرار قلب اور علوم آخرت سے ان کے تعلق کی پہچان ان اقوال سے ہوتی ہے جو ان سے منقول ہیں۔

مروی ہے کہ آپ سے ریاکاری کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فی البدیہہ فرمایا ریاکاری ایک فتنہ ہے جسے خواہشات نفس نے علماء کی قلبی آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کیا ہے انہوں نے اس کی طرف نفس کی بری چاہت کے ساتھ ان کی طرف دیکھا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جب تمہیں اپنے عمل پر خود پسندی (ریاکاری) کا ڈر ہو تو دیکھو کہ تم کس کی رضا چاہتے ہو، کس ثواب میں رغبت رکھتے ہو، کس عذاب سے ڈرتے ہو، کس عافیت کا شکریہ ادا کرتے ہو، کس مصیبت کو یاد کرتے ہو جب تم ان باتوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی سوچو گے تو تمہاری نگاہوں میں تمہارے اعمال حقیر نظر آئیں گے۔

تو دیکھو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ریاکاری کی حقیقت اور خود پسندی کا علاج کس انداز میں ذکر کیا اور یہ دونوں دل کی بڑی بڑی آفات میں سے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص اپنے نفس کو نہیں بچاتا اس کے علم نے اسے نفع نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا جس نے علم کے سبب اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اسے اس کے بھید نے نفع دیا اور آپ نے فرمایا ہر شخص سے کوئی نہ کوئی محبت کرنے والا اور دشمنی رکھنے والا ہوتا ہے جب یہ صورت حال ہو تو تم ان لوگوں کا ساتھی بن جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبدالقاہر بن عبدالعزیز ایک نیک اور متقی شخص تھے وہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے تقویٰ کے مسائل پوچھا کرتے تھے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ ان کے تقویٰ کی وجہ سے ان کی طرف توجہ فرماتے۔

ایک دن انہوں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھا صبر، امتحان اور طاقت واختیار میں سے کون سی بات افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اختیار اور طاقت انبیاء کرام علیہم السلام کا درجہ ہے، اور طاقت امتحان کے بعد ہی ہوتی ہے اور جب کسی کا امتحان ہوتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور جب صبر کرتا ہے تو اسے قدرت دی جاتی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی پھر انہیں طاقت عطا عطا فرمائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا پھر انہیں قوت دی حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کی تو اس کے بعد انہیں طاقت دی اور بادشاہی عطا فرمائی قدرت۔ بہترین درجہ ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "ہم نے اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو زمین میں طاقت دی"، (۱) اور حضرت ایوب علیہ السلام

---

(۱) قرآن پاک سورۂ یوسف آیت ۲۱

کو بہت بڑی آزمائش کے بعد طاقت عطا فرمائی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "ہم نے انہیں ان کے گھر والے اور ان کے ساتھ ان کی مثل عطا کئے۔ (۱)

تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے یہ کلام اسرار قرآن میں ان کے غوطہ زن ہونے پر دلالت کرتا ہے نیز یہ کہ انہیں انبیاء کرام و اولیاء عظام میں سے اللہ تعالیٰ کی طرف سالکین کے مقامات سے آگاہی تھی اور یہ تمام باتیں علوم آخرت سے تعلق رکھتی ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ سے پوچھا گیا کہ آدمی کب عالم بنتا ہے؟

آپ نے فرمایا جب وہ کسی علم میں محقق بننے کے بعد دوسرے علوم کے درپے ہوتا ہے پھر وہ اس چیز کی طرف دیکھتا ہے جسے وہ نہیں پاسکا۔ تو اس وقت وہ عالم بن جاتا ہے، جالینوس سے پوچھا گیا کہ تم ایک بیماری کے لیے بہت سی دوائیاں دیتے ہو؟ اس نے کہا ان سب میں سے ایک ہی مقصود ہوتی ہے اس کے ساتھ دوسری دوائیاں اس کی گرمی کو ختم کرنے کے لیے ہوتی ہیں کیونکہ مفرد دوا قاتل ہے یہ اور اس قسم کی دوسری بے شمار مثالیں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور علوم آخرت کے سلسلے میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مرتبہ کی بلندی پر دلالت کرتی ہیں۔

انہوں نے فقہ اور اس میں مناظرہ سے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کی ہے اس بات پر ان سے منقول یہ روایات دلالت کرتی ہیں فرمایا میں چاہتا ہوں کہ لوگ اس علم سے نفع اٹھائیں اور اس میں سے کچھ بھی میری طرف منسوب نہ ہو۔ تو دیکھو کس طرح آپ علم اور اس کے لیے طلب شہرت کی آفت سے آگاہ تھے اور کس طرح ان کا دل اس طرف متوجہ ہونے سے پاک تھا اور وہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کرتے تھے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "میں نے کسی سے بھی مناظرہ کرتے ہوئے یہ نہیں چاہا کہ وہ غلطی کرے"، اور فرماتے ہیں میں نے جس سے بھی کلام کیا اس کے لیے یہی خواہش کی ہے کہ اسے توفیق حاصل ہو وہ سیدھے راستے پر رہے اس کی مدد کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے حمایت و حفاظت حاصل رہے۔ اور میں نے جب بھی کلام کیا تو اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ میری زبان سے حق کو واضح کرتا ہے یا اس کی زبان سے۔ مزید فرماتے ہیں میں نے جس پر بھی حق اور دلیل پیش کی ہے اور اس نے مجھ سے قبول کیا تو میں اس کے سامنے جھک گیا اور اس کی محبت کا معتقد ہو گیا ہے، اور جس شخص نے بھی مجھ سے امر حق پر حق کے خلاف زبردستی کی اور دلیل کا رد کیا میری نگاہوں سے وہ گر گیا اور اس نے اسے چھوڑ دیا۔

تو یہ علامات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فقہ اور مناظرہ سے آپ کا مقصد محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا تھا۔ تو دیکھئے کس طرح لوگوں نے ان پانچ خصلتوں (اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے) میں سے صرف اس ایک خصلت پر ان کی اتباع

---

(۱) قرآن پاک سورۃ انبیاء آیت ۸۴۔

کی ہے پھر انہوں نے اس میں بھی ان کی مخالفت کی۔ اسی لیے حضرت ابو ثور رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے اور کسی بھی دیکھنے والے نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی مثل نہیں دیکھا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں چالیس سال سے جو بھی نماز پڑھتا ہوں تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے لیے دعا مانگتا ہوں۔ دعا مانگنے والے کے انصاف اور جس کے لیے دعا مانگی گئی اس کے درجہ کو دیکھو پھر اس زمانے کے علماء کے حالات کا ان سے مقابلہ کر ان کے درمیان بغض و عناد کو دیکھو تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کا ان حضرات کی اقتداء کا دعویٰ ناقص ہے حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے زیادہ دعا مانگنے کے باعث ان کے صاحبزادے نے پوچھا یہ شافعی کون شخص ہے جس کے لیے آپ ہر وقت دعا مانگتے ہیں۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا، بیٹا! حضرت امام شافعیؒ دنیا کے لیے سورج کی طرح اور لوگوں کے لیے عافیت کا باعث تھے۔ تو دیکھو کیا ان دو باتوں میں کوئی ان کا نائب ہے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے جو شخص بھی دوات کو ہاتھ لگاتا ہے۔ اس کی گردن پر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا احسان ہے۔

حضرت یحییٰ بن سعید قطان نے فرمایا میں چالیس سال سے جب بھی نماز پڑھتا ہوں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے لیے دعا مانگتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر علم کے دروازے کھول دیے اور ان کو اس میں راہ صواب عطا فرمایا ہم نے آپ کے مختصر سے حالات بیان کئے ورنہ وہ شمار سے بھی باہر ہیں ہم نے ان میں سے اکثر مناقب شیخ نصر بن ابراہیم مقدسی رحمہ اللہ کی کتاب سے نقل کیے ہیں جو انہوں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مناقب میں لکھی ہے اللہ تعالیٰ ان سے اور تمام مسلمانوں سے راضی ہو۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ

حضرت امام مالک رحمہ اللہ بھی ان پانچ خصائل کے زیور سے آراستہ تھے ان سے پوچھا گیا اے مالک! طلب علم کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا بہت اچھا ہے لیکن دیکھو جو شخص صبح سے شام تک تمہارا ساتھ نہ چھوڑے تم بھی اس کے ساتھ رہو۔ آپ علم دین کی خوب تعظیم کرتے تھے حتیٰ کہ جب کوئی حدیث شریف بیان کرنا چاہتے تو وضو فرما کر اپنی مسند کے صدر مقام پر تشریف فرما ہوتے داڑھی کو کنگھی کرتے خوشبو لگاتے پھر بڑے وقار اور ہیبت کے ساتھ بیٹھتے اس کے بعد حدیث شریف بیان فرماتے۔ اس سلسلے میں ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو پسند کرتا ہوں حضرت مالک رحمہ اللہ نے فرمایا علم ایک نور ہے اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اسے رکھتا ہے یہ کثرت روایات سے نہیں ہوتا آپ کی طرف سے علم دین کا یہ احترام و توقیر اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کو جلال خداوندی کی نہایت قوی معرفت حاصل تھی۔ آپ نے علم سے رضائے خداوندی کا ارادہ فرمایا تھا اس بات پر آپ کا یہ قول دلالت کرتا ہے آپ نے فرمایا "دین میں جھگڑے کی کوئی حیثیت نہیں" اور اس بات پر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے فرماتے ہیں میں حضرت امام مالکؒ

کے پاس حاضر تھا آپ سے اڑتالیس مسائل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ان میں بتیس مسائل کے بارے میں فرمایا "مجھے معلوم نہیں"، اور جو شخص علم سے غیر خدا کی رضا چاہتا ہے اس کا نفس اسے اس بات کا اقرار نہیں کرنے دیتا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ اسی لیے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جب علماء کا ذکر کیا جاتا ہے تو امام مالک رحمہ اللہ نجم ثاقب (چمکتے ہوئے ستارے) ہیں اور مجھ پر امام مالک سے بڑھ کر کسی نے احسان نہیں کیا۔

ایک روایت ہے کہ (عباسی خلیفہ) ابوجعفر منصور نے امام مالک رحمہ اللہ کو مکرہ (مجبور کیے گئے شخص) کی طلاق کے بارے روایت حدیث سے روک دیا پھر ایک شخص کو خفیہ طور پر آپ کے پاس بھیجا کہ وہ آپ سے یہ مسئلہ پوچھے انہوں نے لوگوں کے سامنے بیان فرمایا کہ جس شخص کو مجبور کیا گیا اس کی طلاق نہیں ہوتی (۱) ابوجعفر نے آپ کو کوڑے مارے لیکن آپ نے روایت حدیث کو نہ چھوڑا۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص حدیث کے بیان میں سچا ہوتا ہے اور جھوٹ نہیں بولتا اسے عقل سے نفع حاصل ہوتا ہے اور بڑھاپے میں اس کی عقل خراب نہیں ہوتی اور نہ کوئی آفت پہنچتی ہے۔

آپ کی دنیا سے بے رغبتی پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ امیر المومنین مہدی نے ان سے پوچھا کیا آپ کا کوئی مکان ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، لیکن میں عنقریب تمہیں ایک حدیث سناؤں گا۔

میں نے حضرت ربیعہ بن ابو عبدالرحمٰن سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ آدمی کا نسب ہی اس کا مکان ہے، ہارون الرشید نے آپ سے پوچھا کیا آپ کا مکان ہے؟ فرمایا نہیں، اس نے آپ کو تین ہزار دینار دیئے اور کہا کہ آپ ان سے مکان خرید لیں آپ نے وہ دینار لے لئے لیکن ان کو خرچ نہ کیا جب ہارون الرشید نے (مدینہ طیبہ سے) واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ مناسب ہے آپ ہمارے ساتھ چلیں میں نے ارادہ کیا ہے کہ لوگوں کو مؤطا امام مالک کی ترغیب دوں جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو قرآن پاک کی ترغیب دی تو انہوں نے فرمایا لوگوں کو مؤطا کی ترغیب دینے کی کوئی سبیل (ضرورت) نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام مختلف شہروں میں تشریف لے گئے اور انہوں نے احادیث بیان کیں لہٰذا ہر شہر والوں کے پاس علم موجود ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ۔ (۲)

میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

اور جہاں تک آپ کے ساتھ جانے کا تعلق ہے تو اس کی بھی کوئی صورت نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلْمَدِیْنَۃُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔ (۳)

"مدینہ ان (لوگوں) کے لیے بہتر ہے اگر وہ جانتے"

(۱) مکرہ (مجبور کیے گئے شخص) کی طلاق احناف کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے ۱۲ ہزاروی۔

(۲) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۳۶ حدیث نمبر ۲۸۶۸۶

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۲ باب فضل المدینۃ۔

آپ نے مزید فرمایا۔

اَلْمَدِیْنَۃُ تَنْفِیْ خَبَثَھَا کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ۔(۱) "مدینہ میل کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کی میل کو دور کر دیتی ہے۔"

یہ تمہارے دینار جوں کے توں ہیں اگر تم چاہو تو لے لو اور چاہو تو چھوڑ دو تم نے اس عمل کے ذریعے مجھ سے مدینہ طیبہ چھڑانا چاہا تو میں مدینہ طیبہ پر دنیا کو ترجیح نہیں دوں گا۔

تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا جب آپ کے شاگردوں اور علم کے پھیلنے کی وجہ سے آپ کے پاس دنیا بھر سے مال آنے لگا تو آپ اسے اچھے کاموں میں خرچ کر دیتے تھے۔ آپ کی یہ سخاوت آپ کے زہد اور دنیا سے بہت کم محبت پر دلالت کرتی ہے۔ زہد کا مطلب مال کا نہ ہونا نہیں بلکہ اس سے دل کی فراغت کا نام زہد ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود بادشاہی کے دنیا سے بے رغبت رہتے تھے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی دنیا سے بے رغبتی پر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی یہ روایت دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے دروازے پر خراسان کے گھوڑوں اور مصر کی خچروں کا ایک ایسا گلہ دیکھا کہ میں نے اس سے اچھا نہیں دیکھا تھا میں نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے عرض کیا یہ کتنا خوبصورت ہے انہوں نے فرمایا اے ابوعبداللہ! یہ میری طرف سے تمہارے لیے تحفہ ہے میں نے عرض کیا آپ اس میں سے ایک جانور اپنی سواری کے لیے رکھیں آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس مبارک مٹی کو جانور کے کھروں سے روندوں جس میں اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں تو آپ کی سخاوت کا اندازہ کیجئے کہ آپ نے وہ تمام جانور ایک بار ہی دے دیئے نیز آپ خاکِ مدینہ طیبہ کی کس قدر عزت کرتے تھے۔

آپ کے علم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا اور دنیا کو حقیر جاننا تھا اس بات پر یہ روایت دلالت کرتی ہے فرماتے ہیں میں ہارون الرشید کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے کہا اے ابوعبداللہ! مناسب ہے کہ ہمارے پاس آپ کا آنا جانا رہے تاکہ ہمارے بچے آپ سے مؤطا کی سماعت کریں فرماتے ہیں میں نے کہا، اللہ تعالیٰ امیر کو عزت عطا کرے یہ علم تم لوگوں سے ہی نکلا ہے اگر تم اس کی تعظیم کرو گے تو یہ معزز ہو گا اور اگر تم اس کی تذلیل کرو گے تو اس کی عزت نہیں رہے گی لوگ علم کے پاس جایا کرتے ہیں علم لوگوں کے پاس نہیں جاتا۔ اس نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں (پھر اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ) مسجد میں جا کر لوگوں کے ساتھ (مؤطا کی) سماعت کرو۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۲۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت امام ابوحنیفہ (نعمان بن ثابت) رحمہ اللہ بھی عابد، زاہد اور عارف باللہ تھے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور اپنے علم سے صرف اس کی رضا چاہتے تھے۔ حضرت ابن مبارک کی اس روایت سے آپ کی عبادت کا پتہ چلتا ہے وہ فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ صاحب مروّت اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والے تھے حضرت حماد بن ابو سلیمان فرماتے ہیں آپ رات بھر عبادت کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے آپ نصف رات عبادت میں گزارتے تھے ایک دن راستے سے گزر رہے تھے ایک شخص نے آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسرے سے کہا یہ وہ شخص ہے جو تمام رات عبادت میں گزارتا ہے آپ فرماتے ہیں مجھے اس بات سے حیا آیا کہ اس بات پر میری تعریف کی جائے، جو مجھ میں نہیں پائی جاتی۔

آپ کے زہد کے بارے حضرت ربیع بن عاصم سے مروی ہے فرماتے ہیں مجھے یزید بن عمر بن ہبیرہ نے بھیجا میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اس کے پاس لے گیا وہ آپ کو بیت المال کا نگران مقرر کرنا چاہتا تھا آپ نے انکار کیا تو اس نے آپ کو بیس کوڑے مارے۔ تو اندازہ کیجئے کہ آپ نے کس طرح اذیت برداشت کرلی لیکن حکومت کا منصب حاصل کرنے سے گریز کیا، حکم بن ہشام ثقفی فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں شام میں مجھ سے بیان کیا گیا کہ آپ، لوگوں میں بہت بڑے امانت دار تھے، بادشاہ نے اپنے خزانے کی چابیاں آپ کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا اور دھمکی دی کہ اگر انہوں نے انکار کیا تو وہ آپ کی پیٹھ پر کوڑے مارے گا۔

تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے عذاب پر بادشاہ کی سزا کو ترجیح دی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن مبارک کے پاس حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کیا تم ایسے شخص کا ذکر کرتے ہو جس کے سامنے دنیا اپنے تمام اطراف کے ساتھ پیش کی گئی لیکن اس نے اس سے گریز فرمایا۔

محمد بن شجاع سے بواسطہ ان کے بعض شاگردوں کے، مروی ہے فرماتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے عرض کیا گیا کہ امیر المومنین ابوجعفر منصور نے آپ کے لیے دس ہزار درہموں کا حکم دیا ہے تو فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس پر راضی نہ ہوئے جب وہ دن آیا جس میں اس مال کے ملنے کی توقع تھی تو آپ نے صبح کی نماز پڑھی اور منہ لپیٹ لیا آپ نے کسی سے کلام نہ کیا۔ حسن بن قحطبہ کا نمائندہ مال لے کر آیا جب آپ کے پاس داخل ہوا تو آپ نے گفتگو نہ فرمائی بعض حاضرین نے کہا کہ ہم سے بھی ایک آدھ بات ہی کرتے ہیں یعنی یہ آپ کی عادت ہے پھر کہا اس مال کو ایک تھیلی میں مکان کے ایک کونے میں رکھ دو۔ اس کے بعد حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے گھر کے تمام سامان کی وصیت کردی اور اپنے صاحبزادے سے فرمایا جب میں انتقال کرجاؤں اور تم مجھے دفن کردو تو اس کے بعد دس ہزار کی اس تھیلی کو حسن بن قحطبہ کے پاس لے جانا اور اسے کہنا اپنی یہ امانت جو تم نے امام ابوحنیفہ کے پاس رکھی تھی لے لو، آپ کے والد پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو وہ اپنے دین پر بہت حریص تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ

و عہدۂ قضا کی دعوت دی گئی، آپ نے فرمایا میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا پوچھا گیا کیوں ؟
آپ نے فرمایا اگر میں سچا ہوں تو واقعی صلاحیت نہیں رکھتا اور اگر جھوٹا ہوں تو جھوٹا شخص بھی قاضی بننے کا اہل نہیں۔
طریقِ آخرت، امورِ دین اور معرفتِ خداوندی سے متعلق آپ کے علم پر آپ کی خشیتِ الٰہی اور دنیا سے بے رغبتی دلالت کرتی ہے ابن جریج فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تمہارا یہ نعمان بن ثابت کوفی اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتا تھا حضرت شریک نخعی فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت زیادہ خاموش رہتے اور ہمیشہ فکر میں مستغرق رہتے تھے اور لوگوں سے بہت کم باتیں کرتے یہ آپ کے علمِ باطنی اور امورِ دینیہ میں مشغولیت کی علامات ہیں جس شخص کو خاموشی اور زہد عطا کیا گیا اسے تمام علم دیا گیا۔
یہ تین ائمہ کرام کے حالات سے ایک مختصر جائزہ ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت امام سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ

حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت امام سفیان ثوری رحمہما اللہ کے متبعین ان تینوں کے مقلدین سے کم ہیں جب کہ حضرت سفیان ثوری کے مقلدین، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تقلید کرنے والوں سے بھی کم ہیں لیکن زہد و تقویٰ کے ساتھ ان دونوں حضرات کی شہرت اظہر من الشمس ہے۔
یہ تمام کتاب ان کے افعال و اقوال کی حکایات سے بھری پڑی ہے لہٰذا اب تفصیل کی ضرورت نہیں پس تم ان تینوں اماموں کی سیرت پر غور کرو اور سوچو کہ دنیا، سے بے رغبتی اور اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہونے کے سلسلے میں یہ احوال، اقوال اور افعال محض فقہی فروعات کے علم کا نتیجہ ہے کہ بیع سلم، اجارہ، ظہار، ایلاء اور لعان وغیرہ کی معرفت حاصل ہو جائے بس۔ یا کسی اور علم کا نتیجہ ہے جو اس سے نہایت اعلیٰ و اشرف ہے تو اب لوگوں کو دیکھو جو ان حضرات کی اقتداء کا دعویٰ کرتے ہیں کیا وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں یا نہیں ؟ (۱)

---

(۱) حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی اس تمام گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ علمِ فقہ اور علمِ کلام ضروری ہیں لیکن ان علوم کو حاصل کرنے کے بعد ان سے متعلق بحث مباحثہ اور مناظرہ و مجادلہ میں ہی مصروف ہو جانا اور آخرت کو بھول جانا دنیا اور شہرت کی طلب کو ہی مقصود بنا لینا ان اکابر ائمہ کے راستے سے روگردانی ہے لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ معاذ اللہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ علمِ فقہ و کلام کے خلاف تھے ۱۲ ہزاروی۔

تیسرا باب

وہ علوم جن کو لوگ علومِ محمودہ میں سے سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان علوم میں سے نہیں ہیں۔ نیز کس وجہ سے بعض علوم کبھی مذموم ہو جاتے ہیں؟ اسمائے علوم کی تبدیلی کا بیان مثلاً فقہ، کلام، توحید، تذکیر اور حکمت، نیز علومِ شرعیہ کس قدر محمود اور کس قدر مذموم ہیں۔

علمِ مذموم کی علتِ مذمت

شاید تم کہو کہ علم تو کسی چیز کی ماہیت کو جاننے کا نام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز علم بھی ہو اور اس کے باوجود وہ مذموم بھی ہو؟ تو تمہیں جان لینا چاہیے کہ کوئی علم ذاتی طور پر قابلِ مذمت نہیں ہوتا بلکہ وہ بندوں کے حق میں تین اسباب میں سے کسی ایک سبب سے مذموم ہوتا ہے۔

پہلا سبب:۔ وہ علم صاحبِ علم یا کسی دوسرے کو کچھ نہ کچھ نقصان پہنچاتا ہو۔ جیسے جادو اور طلسمات کے علم کی مذمت کی جاتی ہے حالانکہ یہ حق ہے اور اس پر قرآن پاک گواہ ہے۔ لیکن یہ میاں بیوی (وغیرہ) کے درمیان جدائی ڈالنے کا ذریعہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کیا گیا جس کے باعث آپ علیل ہو گئے حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اس کی اطلاع کی اور وہ جادو ایک کنویں کے اندر پتھر کے نیچے سے نکالا (۱)

جادو ایک قسم کا علم ہے جو جواہر کے خواص اور ستاروں کے مطالع (جائے طلوع) میں حسابی امور کو جاننے سے حاصل ہوتا ہے ان جواہر سے اس آدمی کی صورت پر ایک ہیکل (بُت) بناتے ہیں، جس پر جادو کرنا مقصود ہوتا ہے، مطالع میں سے کسی خاص وقت کا انتظار کیا جاتا ہے پھر اس پر کچھ کفریہ اور فحش کلمات پڑھے جاتے ہیں جو شریعتِ مطہرہ کے خلاف ہوتے ہیں اور اس کے ذریعے شیطانوں کی مدد حاصل کی جاتی ہے اور اس سب کے مجموعہ سے اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے تحت اس مسحور شخص میں عجیب و غریب حالات پیدا ہو جاتے ہیں ان اسباب کی معرفت، بحیثیت علم، مذموم نہیں لیکن یہ تو صرف مخلوق کو ضرر دینے ہی کی صلاحیت رکھتا ہے اور جو چیز، برائی کا وسیلہ ہو وہ بھی بری ہو گی۔ تو اس علم کے مذموم ہونے کی یہ وجہ ہے۔

بلکہ اگر کوئی ظالم اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کو قتل کرنے کے درپے ہو اور وہ اس سے کسی محفوظ جگہ چھپ جائے جب ظالم اس کے بارے میں پوچھے تو اسے بتانا جائز نہیں بلکہ یہاں خلافِ واقع بات کہنا واجب ہے حالانکہ اس جگہ

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۵۸ باب السحر

کے بارے میں بتانا راہنمائی کرنا اور کسی چیز کی حقیقت کے علم سے آگاہ کرنا ہے لیکن یہ اس لیے مذموم ہے کہ نقصان تک پہنچا دیتی ہے۔

دوسرا سبب : وہ علم، صاحب علم کو عام طور پر نقصان پہنچاتا ہو جیسے علم نجوم، یہ علم ذاتی طور پر مذموم نہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم حساب سے متعلق ہے قرآن پاک نے بتایا کہ سورج اور چاند کا چلنا حساب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (۱) — سورج اور چاند حساب سے چلتے ہیں"

اور ارشاد فرمایا:۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ (۲) — ہم نے چاند کے لیے منازل مقرر کی ہیں حتیٰ کہ وہ پرانی ٹہنی کی طرح لوٹتا ہے۔

دوسری قسم احکام کے لیے ضروری ہے۔ اور اس کا حاصل اسباب سے حوادث پر استدلال کرنا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے طبیب نبض کے ذریعے بیماری کے پیدا ہونے پر دلیل پکڑتا ہے اور یہ مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ کی معرفت ہے لیکن شریعت نے اس کی مذمت کی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا ذُكِرَ الْقَدَرُ فَأَمْسِكُوا، وَإِذَا ذُكِرَتِ النُّجُومُ فَأَمْسِكُوا، وَإِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا (۳) — جب تقدیر کے بارے میں بحث ہو تو تم خاموش رہو جب ستاروں کے بارے میں گفتگو ہو تو تم خاموش رہو اور جب میرے صحابہ کرام کے بارے میں کوئی بحث ہو تو بھی خاموش رہو۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي بَعْدِي ثَلَاثًا: حَيْفَ الْأَئِمَّةِ وَالْإِيمَانَ بِالنُّجُومِ وَالتَّكْذِيبَ بِالْقَدَرِ (۴) — مجھے اپنی امت پر تین باتوں کا ڈر ہے (۱) حکمرانوں کا ظلم کرنا (۲) ستاروں کا اعتقاد رکھنا اور (۳) تقدیر کو جھٹلانا"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ستاروں کے علم سے صرف اسی قدر سیکھو جس کے ذریعے تم خشکی اور سمندر میں راستہ پاؤ پھر رک جاؤ اس علم سے روکنے کی تین وجوہ ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورہ رحمٰن آیت ۵ - ۲ قرآن مجید سورۂ یٰسین آیت ۳۹

(۳) التمہید لابن البر جلد ۶ ص ۶۸ مرویات لزید بن سعد

(۴) کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵ حدیث نمبر ۴۶۲۲۲

پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ علم عام لوگوں کے لیے مضر ہے کیوں کہ جب ان کو بتایا جائے کہ یہ حالات ستاروں کی چال کا نتیجہ ہیں تو ان کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ ستارے ہی موثر ہیں، اور یہی تدبیر کرنے والے معبود ہیں۔ کیونکہ یہ عمدہ آسمانی اجسام ہیں، اس طرح دلوں میں ان کی عظمت بیٹھ جاتی ہے اور دل ان کی طرف ہی متوجہ ہو جاتا ہے اور بھلائی کی امید نیز برائی سے پرہیز کو انہی کی طرف سے سمجھتا ہے اور دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر مٹ جاتا ہے کیونکہ کمزور آدمی کی نظر وسائل پر ہوتی ہے جب کہ پکا عالم جانتا ہے کہ سورج، چاند اور ستارے امر خداوندی کے تابع ہیں۔

ضعیف شخص جو سورج نکلنے کے بعد اس کی روشنی کو دیکھتا ہے اس کی مثال اس چیونٹی جیسی ہے کہ اگر اس کے لیے عقل پیدا کر دی جائے اور وہ ایک کاغذ پر ہو تو وہ تحریر کی روشنائی کو دیکھتی ہے تو اس کا اعتقاد صرف اتنا ہو گا کہ یہ قلم کا ہی فعل ہے اس کی نظر قلم سے انگلیوں تک اور ان سے ہاتھ تک پھر وہاں سے ہاتھ کو حرکت دینے والے کے ارادے تک پھر اس سے اس کاتب تک جو لکھنے پر قادر ہے اور ارادہ بھی کرتا ہے، وہاں سے ہاتھ، طاقت اور ارادے کے خالق تک نہیں جاتی تو مخلوق کی نظر عام طور پر نچلے درجے کے ان اسباب تک جاتی ہے جو قریب ہیں وہ اسباب کو پیدا کرنے والے تک نہیں پہنچتی علم نجوم سے روکنے کی ایک وجہ تو یہ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نجوم کے احکام محض اندازے اور تخمینے کی بنیاد پر ہوتے ہیں ہر فرد خاص کے بارے میں نہ تو یہ یقینی ہوتے ہیں اور نہ ہی ظنی، تو گویا ان کے ساتھ حکم لگانا جہالت پر حکم نافذ کرنا ہے۔ اس صورت میں اس کی مذمت اس لیے ہے کہ یہ جہالت ہے علم ہونے کی وجہ سے نہیں حالانکہ یہ علم حضرت ادریس علیہ السلام کا معجزہ تھا جیسے منقول ہے۔ اب یہ علم ختم ہو گیا اور مٹ گیا۔ اب اگر کسی نجومی کی بات سچی ہوتی ہے تو وہ نادر اور اتفاقی ہوتی ہے کیوں کہ منجم بعض اوقات کچھ اسباب پر مطلع ہوتا ہے لیکن اس کے بعد مسبب بہت سی ایسی شرائط کے بعد حاصل ہوتا ہے جن کے حقائق سے آگاہی بشری طاقت سے باہر ہے اگر ایسا اتفاق ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ باقی اسباب کو بھی مقدر فرما دے تو اس کا قول درست ہو جاتا ہے اور اگر مقدر نہ فرمائے تو غلطی ہو جاتی ہے، اور یہ انسان کے اندازے کی طرح ہے کہ بعض اوقات بادلوں کو دیکھ کر جو جمع ہوتے ہیں اور پہاڑوں سے اٹھتے ہیں، اندازہ لگاتا ہے کہ آج بارش برسے گی لیکن عام طور پر اس کے بعد سورج نکل آتا ہے اور بادل غائب ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے بارش برسنے کے لیے محض بادلوں کا ہونا کافی نہیں جب تک باقی اسباب کا علم نہ ہو اسی طرح ملاح اندازہ لگاتا ہے کہ عادت کے طور پر کشتی ہواؤں سے محفوظ رہے گی لیکن ان ہواؤں کے لیے کچھ خفیہ اسباب ہیں جن پر وہ مطلع نہیں ہوتا تو یوں کبھی اس کا اندازہ ٹھیک ہو جاتا ہے اور کبھی غلط۔ اسی وجہ سے مضبوط عقیدے والے کو بھی علم نجوم سے منع کیا گیا۔

(مذمت کا) کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس علم کا فائدہ کوئی نہیں سب سے کم بات یہ ہے کہ اس میں غور و خوض کرنا فضول اور بے مقصد بات کو سوچنا ہے نیز اپنی زندگی کو جو انسان کی بہترین پونجی ہے، بے فائدہ چیز پر ضائع کر دیتا ہے اور

یہ انتہائی درجہ کا نقصان ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے تو اس کے پاس لوگ جمع تھے آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ بہت بڑا عالم ہے فرمایا کس چیز کا؟ انہوں نے کہا شعر گوئی اور عرب کے نسبوں کا۔ آپ نے فرمایا:۔

عِلْمٌ لَا يَنْفَعُ وَجَهْلٌ لَا يَضُرُّ (۱) یہ ایسا علم ہے جس کا کوئی نفع نہیں اور ایسی جہالت ہے جس کا کوئی نقصان نہیں۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِنَّمَا الْعِلْمُ آيَةٌ مُحْكَمَةٌ أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ أَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ۔ (۲) علم تو آیات محکمات یا سنت قائمہ یا عدل پر مبنی فریضہ ہے۔

تو اب ستاروں میں غور و خوض کرنا یا جو اس کے مشابہ ہے خطرے میں پڑنا ہے، اور جہالت میں بے مقصد مشغول ہونا ہے کیوں کہ جو کچھ مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا اور اس سے بچنا ناممکن ہے، بخلاف طب کے کہ اس کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے اکثر دلائل پر اطلاع ہو جاتی ہے اسی طرح علم تعبیر بھی فائدہ مند ہے اگرچہ وہ بھی ایک اندازہ ہی ہے لیکن وہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور اس میں کوئی خطرہ نہیں۔

تیسرا سبب:۔ کسی علم میں آدمی کا یوں مشغول ہونا کہ وہ اس کو علم کا فائدہ نہیں دیتا تو وہ اس کے حق میں مذموم ہے جیسے علوم کی ظاہر اور اعلیٰ باتوں کو جاننے سے پہلے اس کی باریکیوں اور پوشیدہ باتوں کو سیکھنا، اسرار خداوندی میں بحث مباحثہ کرنا کیونکہ فلاسفہ اور متکلمین نے ان پر اطلاع کی کوشش کی لیکن وہ ان تک رسائی حاصل نہ کر سکے اور (حقیقت تو یہ کہ) ان تک رسائی اور ان میں سے بعض کے طریقوں پر اطلاع انبیاء کرام و اولیاء عظام کے علاوہ کسی کو نہیں ہو سکتی لہذا لوگوں پر واجب ہے کہ ان پر بحث کرنے سے گریز کریں اور جس قدر شریعت میں وارد ہے اس کی طرف رجوع کریں توفیق یافتہ شخص کے لیے اتنا ہی کافی ہے کتنے ہی لوگ ہیں جنہوں نے علوم میں غور و خوض کیا لیکن نقصان اٹھایا اور اگر ان میں مشغول نہ ہوتے تو اس کی نسبت دین میں اچھی حالت میں ہوتے اور علم کے بعض لوگوں کے لیے نقصان دہ ہونے کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا جس طرح پرندے کا گوشت، اور لطیف حلوہ کی بعض اقسام دودھ پیتے بچے کو نقصان دیتی ہیں بلکہ کچھ لوگوں کو بعض امور سے ان کی جہالت نفع دیتی ہے۔ چنانچہ ایک حکایت ہے ایک شخص نے طبیب سے اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کی شکایت کی کہ اس کے ہاں بچہ پیدا نہیں ہوتا طبیب نے اس کی نبض تلاش کی اور کہا تجھے اب بچہ پیدا کرنے کی دوائی کی ضرورت نہیں کیونکہ تیری نبض سے

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۲۸۰ حدیث نمبر ۲۹۴۴۳

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۴۴ کتاب الفرائض

معلوم ہوتا کہ تو چالیس دن میں مر جائے گی، عورت بہت زیادہ خوف زدہ ہوگئی اور اس کی زندگی تنگ ہوگئی اس نے اپنا مال نکالا اسے تقسیم کیا اور وصیت کی اور باقی وقت کھانے پینے کے بغیر گزارہ حتیٰ کہ وقت پورا ہوگیا لیکن اس کی موت واقع نہ ہوئی اس کا خاوند طبیب کے پاس آیا اور کہا کہ اس کی وفات نہیں ہوئی طبیب نے کہا مجھے یہ بات معلوم تھی اب تو اس سے جماع کر بچہ پیدا ہوگا اس نے کہا وہ کس طرح؟ اس نے کہا میں نے دیکھا کہ وہ موٹی تھی اور اس کے رحم کے منہ پر چربی چڑھی ہوئی تھی مجھے معلوم تھا کہ یہ چربی صرف موت کے خوف سے کمزور ہو سکتی ہے تو میں نے اسے ڈرایا حتیٰ کہ وہ دبلی پتلی ہوگئی اور بچے کی ولادت سے رکاوٹ ختم ہوگئی۔ تو اس سے تمہیں معلوم ہوگیا کہ بعض علوم نقصان دہ ہوتے ہیں اور اس سے تمہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مطلب بھی سمجھ آگیا۔ آپ نے فرمایا:۔

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ۔ (۱) "ہم غیر نافع علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں"

اس حکایت سے سبق سیکھو اور ایسے علوم میں بحث نہ کرو جن کو شریعت نے مذموم قرار دیا اور ان سے روکا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتدا کرو اور اتباع سنت پر کفایت کرو سلامتی، اتباع میں ہے اور اشیاء میں بحث و تحقیق میں خطرہ ہے اپنی رائے، عقل، دلیل اور برہان کے ذریعے جھگڑالو نہ بنو۔

اور تمہارا یہ خیال کہ میں تو اس لیے بحث کرتا ہوں کہ اشیاء کی ماہیت معلوم کروں۔

لہذا علم میں غور و فکر سے کیا نقصان ہوتا ہے تو (جان لو کہ) اس کا جو نقصان تمہاری طرف لوٹے گا وہ بہت زیادہ ہے اور کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں کہ ان پر تمہارا مطلع ہونا ایسے نقصان کا باعث ہے جو تمہیں آخرت میں ہلاک کر دے گا اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے بچا نہ لے۔

اور جان لو کہ جس طرح ماہر طبیب علاج کے سلسلے میں پوشیدہ باتوں پر مطلع ہوتا ہے اور جسے یہ علم حاصل نہیں وہ ان باتوں کو بعید سمجھتا ہے اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام دلوں کے طبیب اور اخروی اسباب کے عالم ہیں لہذا تم اپنی عقل کو ان کی سنتوں پر فوقیت نہ دو۔ اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جنہیں انگلی میں تکلیف پہنچی ہے تو اس کی عقل چاہتی کہ اس پر لیپ کرے یہاں تک کہ ماہر طبیب بتاتا ہے کہ وہ ہتھیلی کی دوسری طرف لیپ کرے تو یہ شخص اسے عقل کے بہت زیادہ خلاف جانتا ہے کیوں کہ وہ اعصاب کے پھوٹنے اور نکلنے کی جگہ سے ناواقف ہوتا ہے اس کی توجہ ظاہری بدن پر ہوتی ہے طریق آخرت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے شریعت کے طریقوں اور آداب اور لوگوں کے لیے مقرر کردہ عقائد میں وہ اسرار و لطائف ہیں کہ انسانی عقل اور قوت ان کا احاطہ نہیں کر سکتی جیسے پتھروں کے خواص میں بعض عجیب باتیں ہیں کہ اہل فن سے بھی پوشیدہ ہیں حتیٰ کہ کوئی شخص اس بات سے آگاہ نہ ہو سکا کہ مقناطیس لوہے کو کس وجہ سے کھینچتی ہے تو عقائد و اعمال میں عجیب و غریب

---

(۱) سنن ابی ماجہ ص ۲۲ باب الانتفاع بالعلم۔

باتیں اور دلوں کی طہارت، پاکیزگی اور تزکیہ اور ان کی اصلاح جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث ہے اور اس سے اس کے فضل کی خوشبوؤں کے حصول ہوتا ہے ان کا مفید ہونا دوائیوں اور جڑی بوٹیوں کے عجائبات و اسرار سے بھی زیادہ ہے، تو جس طرح دوائیوں کے منافع کو سمجھنے سے عقل قاصر ہے حالانکہ تجربہ وہاں تک پہنچاتا ہے تو عقل اس چیز کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے جو آخروی زندگی میں فائدہ دیتی ہے جب کہ یہاں تجربہ بھی نہیں ہو سکتا۔

یہاں تجربہ تب ہو سکتا تھا جب کچھ فوت شدہ لوگ ہماری طرف لوٹتے اور ہمیں ان نیک اعمال کے بارے میں بتاتے جو مقبول ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث ہیں اور ان اعمال کی خبر بھی دیتے جو اس سے دور رکھتے ہیں اسی طرح عقائد کے بارے میں بتاتے اور یہ وہ بات ہے جس کی امید نہیں ہو سکتی۔ تو تمہارے لئے عقل کا اتنا ہی نفع کافی ہے کہ وہ تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی راہ دکھائے اور آپ کے اشاروں کا منشا بتائے، اس کے بعد عقل پر عمل چھوڑ دو اور اتباع کو اختیار کرو تمہاری سلامتی اسی اتباع اور تسلیم کرنے میں ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا وَاِنَّ مِنَ الْقَوْلِ عِيًّا (۱) "بعض علم، جہالت ہیں اور بعض باتیں محض تھکاوٹ ہیں"

اور یہ بات معلوم ہے کہ علم، جہالت نہیں ہو سکتا بلکہ وہ نقصان پہنچانے میں جہالت جیسا اثر کرتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا۔

قَلِيلٌ مِنَ التَّوْفِيقِ خَيْرٌ مِنْ كَثِيرٍ مِنَ الْعِلْمِ (۲) "کم توفیق، زیادہ علم سے بہتر ہے"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا درخت بہت ہیں لیکن سب پر پھل نہیں لگتا اور کس قدر پھل ہیں لیکن سب عمدہ نہیں اور کتنے زیادہ علوم ہیں لیکن سب نافع نہیں"

الفاظِ علوم میں تبدیلی کا بیان

برے علوم، علوم شرعیہ میں اس لیے مل جل گئے کہ (بعض) لوگوں نے اپنی بری اغراض کے تحت علوم محمودہ کے نام تبدیل کر کے ان سے وہ معانی مراد لئے جو صالحین نیز دور اول کے لوگوں کی مراد سے متصادم ہیں اور یہ پانچ الفاظ ہیں۔ فقہ، علم، توحید، تذکیر اور حکمت یہ اچھے نام ہیں اور جو لوگ ان سے متصف ہیں انہیں دین میں اعلیٰ مقام حاصل ہے لیکن اب یہ الفاظ مذموم معانی کی طرف منتقل کر دیئے گئے اور چونکہ یہ نام ان لوگوں پر بولے جاتے تھے لہٰذا اب جو لوگ ان سے متصف ہیں ان کی مذمت سے دلوں کو نفرت ہوتی ہے۔

فقہ:۔ پہلا لفظ فقہ ہے اسے دوسرے معنیٰ کی طرف منتقل تو نہیں کیا گیا لیکن اس میں تخصیص کر دی گئی یعنی جو

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۲۸ کتاب الادب (۲) الاسرار المرفوعہ حدیث ۲۶۰ ص ۱۱۱

لوگ فتاویٰ کے عجیب و غریب فروع کی معرفت رکھتے ہیں، ان کی باریک علتوں سے واقف ہیں اور اس سلسلے میں بہت زیادہ گفتگو کرتے ہیں اور ان سے متعلق مقالات کو یاد کرتے ہیں انہیں فقہ کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے پس جو شخص اس میں زیادہ غور و فکر کرتا ہے اور اس میں بہت مشغول ہوتا ہے اسے رفقہ (بہت بڑا فقیہ) کہا جاتا ہے۔

حالانکہ پہلے زمانہ میں فقہ کا لفظ مطلقاً طریقِ آخرت کے علم نفوس کی آفتوں کی باریکیوں اور اعمال کو فاسد کرنے والے امور کی معرفت دنیا کی حقارت سے خوب واقف ہوتے ہوئے آخرت کی نعمتوں سے اچھی طرح مطلع ہونے اور دل پر خوف چھائے رہنے پر بولا جاتا تھا۔

اس بات پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی دلالت کرتا ہے۔

لِیَتَفَقَّهُوا فِی الدِّیْنِ وَ لِیُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوا اِلَیْهِمْ (۱) اور چاہیے کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو ان کو ڈرائیں۔

تو جس چیز سے ڈرانا اور خوف دلانا پایا جائے وہ فقہ ہے طلاق، عتاق (غلام آزاد کرنا) لعان سلم اور اجارہ کے فروعی مسائل فقہ نہیں، کیونکہ ان امور سے ڈرانا اور خوف دلانا نہیں پایا جاتا کہ بلکہ ہمیشہ اسی کے درپے ہونے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور اس سے خشیت نکل جاتی ہے جیسا کہ اب ہم ان لوگوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو ان مسائل کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا۔ (۲) ان کے دل ہیں لیکن وہ ان کے ساتھ سمجھتے نہیں"۔

اس سے مراد ایمان فتاویٰ نہیں۔ اور مجھے اپنی عمر کی قسم! لغت میں فقہ اور فہم دونوں ہم معنی ہیں گذشتہ دور میں اور آج بھی عادتاً یہ اسی حد معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ۔ (۳) البتہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی نسبت تمہارا ڈر زیادہ ہے کیوں کہ وہ قوم سمجھتی نہیں"۔

تو مخلوق کے دبدبے کو بڑا سمجھنے اور اللہ تعالیٰ سے کم ڈرنے کی وجہ قلتِ فقہ بتائی ہے۔ تو دیکھئے نیز کیا یہ فروعات فتاویٰ کو یاد نہ کرنے کا نتیجہ رہے یا ان علوم کے نہ ہونے کا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو لوگ حاضر ہوتے تھے ان سے فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۱۲۲، (۲) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۷۹،

(۳) قرآن مجید، سورۂ حشر آیت ۱۳

عُلَمَاءُ حُکَمَاءُ فُقَهَاءُ (۱) یہ لوگ اہل علم، دانا اور سمجھدار ہیں۔

حضرت سعد بن ابراہیم زہری سے پوچھا گیا "مدینہ طیبہ میں کون سب سے بڑا فقیہ ہے تو انہوں نے فرمایا "ان میں سے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے" گویا انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ فقہ کا نتیجہ تقویٰ ہے۔ اور تقویٰ، باطنی علم کا نتیجہ ہے فتاویٰ اور فیصلوں کا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ لَمْ یُقَنِّطِ النَّاسَ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰہِ وَلَمْ یُؤْمِنْهُمْ مِنْ مَکْرِ اللّٰہِ وَلَمْ یُؤْیِسْهُمْ مِنْ رَوْحِ اللّٰہِ وَلَمْ یَدَعِ الْقُرْاٰنَ رَغْبَةً اِلٰی مَا سِوَاہُ (۲)

کیا میں تمہیں کامل فقہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں بتایئے۔ آپ نے فرمایا جو شخص لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ کرے، نہ انہیں اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف کرے، نہ اللہ تعالیٰ کے فیضان رحمت سے مایوس کرے اور نہ ہی قرآن پاک کی بجائے کسی دوسری چیز میں رغبت کرتے ہوئے قرآن پاک کو چھوڑ دے"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ تَعَالٰی مِنْ غُدْوَۃٍ اِلٰی طُلُوْعِ الشَّمْسِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَ رِقَابٍ (۳)

مجھے صبح طلوع آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا، چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے"

انہوں نے (حضرت انس رضی اللہ عنہ نے) زید رقاشی اور زیاد نمیری کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، (اس وقت) مجالس ذکر تمہاری ان مجلسوں کی طرح نہ تھیں۔ کہ ایک شخص اپنے ساتھیوں کو وعظ سناتا ہے اور بڑی روانی سے گفتگو کرتا ہے ہم تو بیٹھ کر ایمان کا تذکرہ کرتے قرآن پاک میں غور و فکر کرتے، دین کی سمجھ حاصل کرتے اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعامات کو شمار کرتے تو انہوں نے قرآن پاک میں غور و فکر اور انعامات الہیہ کے شمار کرنے کو فقہ قرار دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لَا یَفْقَهُ الْعَبْدُ کُلَّ الْفِقْهِ حَتّٰی یَمْقُتَ النَّاسَ فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ وَحَتّٰی یَرٰی لِلْقُرْاٰنِ وُجُوْهًا کَثِیْرَۃً (۴)

کوئی شخص اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں لوگوں سے نفرت نہ کرے اور قرآن پاک کیلئے بہت سے معانی کا اعتقاد نہ رکھے۔

---

(۱) (۲) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۸۱ (۳) سنن ابی داؤد کتاب العلم جلد ۲ ص ۱۶۰

(۴) جامع الاحادیث جلد ۹ ص ۱۴۱۔

یہ حدیث حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے۔

ثُمَّ یُقْبِلُ عَلٰی نَفْسِہٖ فَیَکُوْنَ لَھَا اَشَدَّ مَقْتًا (١) — پھر وہ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو اور اس سے بہت زیادہ نفرت کرے۔

حضرت فرقد سبخی نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے ایک بات کے بارے میں پوچھا انہوں نے جواب دیا تو حضرت فرقد نے عرض کیا کہ فقہاء آپ کے خلاف کہتے ہیں، حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا اے فریقد (بطور محبت فرقد کا اسم تصغیر استعمال کیا) تجھے تیری ماں گم پائے (یہ ایک محاورہ ہے) کیا تم نے اپنی آنکھوں سے کسی فقیہ کو دیکھا ہے؟ فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کی رغبت رکھتا ہے اپنے دین کی بصیرت رکھنے والا، اپنے رب کی ہمیشہ عبادت کرنے والا، پرہیز گار، مسلمانوں کی عزتوں سے اپنے نفس کو روکنے والا، ان کے اموال سے بچنے والا، اور ان کی جماعت کا خیر خواہ ہوتا ہے۔

ان تمام باتوں کے ساتھ یہ نہیں فرمایا کہ وہ فتاویٰ کے فروعی مسائل کا حافظ ہو، میں یہ نہیں کہتا کہ ظاہری احکام کے فتاویٰ پر فقہ کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ بطور عموم یا بالتبع ان کو بھی شامل ہوتا ہے اسلاف کرام عام طور پر یہ لفظ علم آخرت پر ہی بولا کرتے تھے۔ اس تخصیص کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے آپ کو اس کے لیے وقف کر کے اور علم آخرت اور احکام قلوب سے اعراض کر کے لوگوں کو دھوکہ دیا اور اس پر نفس کی طرف سے مدد بھی پائی کیونکہ باطنی علم تو نہایت گہرائی میں ہے اور اس پر عمل کرنا مشکل ہے، اور اس کے ذریعے حکومت اور قضا نیز مرتبہ و مال کا حصول مشکل ہے تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں اس بات کو اچھا قرار دینے کا موقعہ یوں پایا کہ فقہ جو شریعت میں ایک اچھا نام ہے اسے ان لوگوں کے ساتھ خاص کر دیا۔

علم:- دوسرا لفظ "علم" ہے یہ لفظ بندوں اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی آیات و افعال کی پہچان کے لیے بولا جاتا تھا حتیٰ کہ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بے شک علم کے دس میں سے نو حصے فوت ہو گئے" انہوں نے لفظ علم الف لام کے ساتھ معرفہ ذکر کیا پھر اس کی وضاحت علم باللہ کے ساتھ فرمائی۔ ان لوگوں نے اس میں بھی تخصیص کے ساتھ تصرف کیا حتیٰ کہ انہوں نے عام طور پر اسے ان لوگوں کے لیے مشہور کر دیا جو فقہی مسائل وغیرہ کے سلسلے میں اپنے مخالفین کے ساتھ مناظرے میں مشغول رہتے ہیں کہا جاتا ہے حقیقتاً عالم تو یہی ہے، یہ علم میں مردانگی رکھتا ہے اور جسے اس فن (مناظرہ) کے ساتھ تعلق نہ ہو اور نہ وہ اس میں مشغول ہوتا ہو تو اسے کمزور لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے یہ لوگ اسے اہل علم میں شمار نہیں کرتے یہ بھی تخصیص میں تصرف ہے لیکن علم اور علماء کے فضائل کے بارے میں جو کچھ آیا ہے وہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے احکام، افعال اور صفات کا علم رکھتے ہیں۔ اور اب تو یہ لفظ مطلقاً ایسے شخص پر بولا جاتا ہے جو شرعی علوم میں سے صرف اختلافی مسائل

ہیں جھگڑنے کے طریقوں سے واقف ہوا سے بڑے بڑے علماء میں شمار کیا جاتا ہے حالانکہ وہ تفسیر، احادیث اور علم مذاہب سے جاہل ہوتا ہے یہ بات بے شمار طالب علموں کے لیے ہلاکت کا باعث بن گئی ہے

توحید:۔ تیسرا لفظ "توحید" ہے آج کل فن کلام، مجادلہ (و مناظرہ) کے طریقوں کی معرفت، مد مقابل کے اعتراضات کو توڑنے کے طریقوں کے احاطہ، کثرت سوال کے لیے تکلف فصاحت کے اظہار، شبہات ڈالنے اور الزامات دینے کا نام توحید رکھ دیا گیا ہے حتیٰ کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو اہل عدل و توحید کہنا شروع کر دیا، متکلمین کا نام علماء توحید رکھ دیا حالانکہ اس فن کی یہ خاص باتیں پہلے دور میں نہیں تھیں بلکہ اس شخص پر سخت اعتراض کیا جاتا تھا جو اختلافات اور جھگڑوں کا دروازہ کھولتا تھا۔

اور جن ظاہری دلائل پر قرآن پاک مشتمل ہے اور اس کے سنتے ہی ذہن اس کی قبولیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ سب کے لیے معلوم تھا (اس زمانے میں) علم قرآن ہی مکمل علم تھا۔ ان کے نزدیک توحید ایک دوسری بات تھی جسے اکثر متکلمین سمجھ نہیں پاتے تھے اور اگر سمجھیں تو اس سے متصف نہیں ہوتے تھے وہ مفہوم یہ تھا کہ انسان تمام امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں جانے اس کی توجہ تمام وسائل سے ہٹ جائے وہ ہر خیر و شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانے۔ یہ نہایت معزز مرتبہ ہے اور اس کا ایک نتیجہ توکل ہے، جیسا باب توکل میں اس کا بیان آئے گا۔

اس کے نتائج میں سے ہے کہ مخلوق سے شکایت نہ کرے ان پر غصہ کرنا چھوڑ دے اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی ہو جائے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، اس کا ایک نتیجہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے۔ کہ جب آپ کی بیماری کے دوران عرض کیا گیا، آپ کے لیے معالج کو بلائیں؟ آپ نے فرمایا "معالج نے ہی مجھے بیمار کیا ہے" ایک روایت میں ہے جب آپ بیمار ہوئے تو پوچھا گیا طبیب نے آپ کی بیماری کے بارے میں کیا بتایا؟ آپ نے فرمایا اس نے مجھے کہا ہے کہ "میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں"، کتاب توکل اور کتاب توحید میں اس پر شواہد پیش کیے جائیں گے۔

توحید ایک ایسا جوہر نفیس ہے جس کے دو پوست (چھلکے) ہیں۔ ان میں سے ایک، دوسرے کی نسبت مغز سے زیادہ دور ہے لوگوں نے لفظ توحید کو پوست کے ساتھ نیز پوست کی حفاظت کے فن کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور مغز کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ پہلا پوست یہ ہے کہ تم اپنی زبان سے "لا الٰہ الا اللہ" پڑھو، یہ توحید اس تثلیث کے خلاف ہے جس کا دعویٰ عیسائی کرتے ہیں لیکن بعض اوقات منافق، جس کا باطن، ظاہر کے خلاف ہوتا ہے، وہ بھی اس کا اقرار کرتا ہے۔

اس کا دوسرا چھلکا یہ ہے کہ دل میں اس قول کے مفہوم کی مخالفت اور انکار نہ ہو۔ بلکہ ظاہر دل میں اس کا اعتقاد اور تصدیق موجود ہو، یہ عوام کی توحید ہے۔ اور جیسا کہ پہلے گزرا متکلمین اس پوست کو بدعتی لوگوں کی گڑبڑ سے بچاتے ہیں۔ اور تیسری چیز یعنی مغز یہ ہے کہ وہ تمام امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں سمجھے کہ وسائل سے اس کی توجہ ہٹ

جائے۔ اور وہ صرف اسی کی عبادت کرے کسی دوسرے کی پُوجا نہ کرے اس توحید سے وہ لوگ خارج ہیں جو نفسانی خواہشات کے پیروکار ہیں کیوں کہ جو شخص اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے وہ اپنی خواہش کو معبود بناتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (۱)
"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا"

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اَبْغَضُ اِلٰهٍ عُبِدَ فِی الْاَرْضِ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی هُوَ الْهَوٰی (۲)
"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب بڑا معبود جس کی زمین میں پوجا کی جائے وہ خواہش ہے"

اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو شخص سوچ وبچار کرتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ بت پرست، بت کی پُوجا نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی خواہش کی پوجا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا نفس باپ دادا کے دین کی طرف مائل ہے چنانچہ وہ اس میلان کے پیچھے چلتا ہے اور نفس کا ان چیزوں کی طرف مائل ہونا جن کو وہ چاہتا ہے خواہشات نفسانیہ ہی سے ہے اس توحید سے خلق خدا پر ناراض ہونا اور ان کی طرف متوجہ ہونا بھی خارج ہے کیوں کہ جو شخص سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھتا ہے وہ کسی دوسرے پر کیسے غصہ کر سکتا ہے تو توحید اس مقام کا نام ہے اور یہ صدیقین کا مقام ہے تو دیکھو اسے کس طرف پھیر دیا گیا اور کس پوست پر قناعت کی گئی۔ اور کس طرح انہوں نے اپنی تعریف اور فخر و تکبر میں اس سے استدلال کیا حالانکہ اس کا نام محمود ہے لیکن یہ اس معنی سے خالی ہے جو تعریفِ حقیقی کا باعث ہے اور یہ ایسا افلاس (غربت) ہے جیسے کوئی شخص صبح سویرے اٹھ کر قبلہ رُخ ہو کر کہے۔

"میں نے اپنا منہ خالصتاً اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا، تو اگر اس کی توجہ خاص اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہوگی تو وہ ہر روز صبح صبح اللہ تعالیٰ سے جھوٹ بولتا ہے اگر وہ ظاہری توجہ مراد لیتا ہے تو اس کا رُخ کعبۃ اللہ کی طرف ہے اور اس نے تمام جہات سے پھیر کر ادھر رُخ کیا ہے۔ اور کعبہ شریف اس ذات کی جہت نہیں جس نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا تاکہ اس کی طرف متوجہ ہونے والا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ جہات اور کناروں کے احاطے میں آنے سے پاک ہے۔ اور اگر اس شخص کی مراد قلبی توجہ ہے اور وہی مقصود عبادت ہے تو اس کے قول کی تصدیق کس طرح کی جائے گی حالانکہ اس کا دل اپنے کاموں اور دنیوی حاجات میں مبتلا ہے اور وہ ہر قسم کے مال، مرتبے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ جاثیہ آیت نمبر ۲۳

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۱۲۳

اور اسباب کی کثرت حاصل کرنے کے لئے تلاش کر رہا ہے تو اس نے اپنے آپ کو کب اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا؟ اور یہ کلمہ (آیت کریمہ) حقیقتِ توحید کی خبر دیتا ہے لہٰذا مقصد تو دل ہے جو صرف ایک ذات کا اعتقاد رکھتا ہے اور صرف اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس کلمہ کی تعمیل ہے ارشادِ خداوندی ہے۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ (۱) "آپ فرمادیں اللہ ہے پھر ان لوگوں کو چھوڑ دیں جو اپنی بیہودگیوں میں کھیلتے ہیں"

اور اس سے زبانی قول مراد نہیں کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہے کبھی سچ کہتی ہے اور کبھی جھوٹ اللہ تعالیٰ کی نظر کا مقام تو دل ہے جس کی ترجمانی ہوتی ہے یہی توحید کا مرکز و منبع ہے

ذکر و تذکیر۔ چوتھا لفظ ذکر و تذکیر ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (۲) ذکر کیجئے بے شک ذکر مومنوں کو نفع دیتا ہے۔

مجالس ذکر کی تعریف میں بے شمار احادیث مبارکہ آئی ہیں جیسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:-

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قِیْلَ وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ مَجَالِسُ الذِّکْرِ (۳) جب تم جنت کے باغات سے گذرو تو چرو (ان سے پھل حاصل کرو) عرض کیا گیا جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا مجالس ذکر۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی مَلٰٓئِکَةً سَیَّاحِیْنَ فِی الدُّنْیَا سِوٰی مَلٰٓئِکَةِ الْخَلْقِ اِذَا رَاَوْا مَجَالِسَ الذِّکْرِ یُنَادِیْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اَلَا هَلُمُّوْا اِلٰی بُغْیَتِکُمْ فَیَاْتُوْنَهُمْ وَیَحُفُّوْنَ بِهِمْ وَیَسْتَمِعُوْنَ، اَلَا فَاذْکُرُوا اللّٰهَ وَذَکِّرُوْا اَنْفُسَکُمْ (۴) بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو مخلوق کے فرشتوں کے علاوہ ہیں وہ دنیا میں سیر و تفریح کرتے ہیں جب وہ ذکر کی مجالس دیکھتے ہیں تو ان میں سے بعض، دوسروں کو آواز دیتے ہیں اپنے مقصود کی طرف آؤ چنانچہ وہ وہاں آتے ہیں ان کو گھیر لیتے ہیں اور غور سے سنتے ہیں سنو! اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اپنے نفسوں کو یاد دلایا کرو"

تو جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اس زمانے میں یہ نام عام واعظین کی ان باتوں پر بولا جاتا ہے جنہیں وہ ہمیشہ بیان کرتے ہیں اور وہ واقعات، اشعار شطح اور طامات ہیں (شطح اور طامات کی وضاحت آرہی ہے) واقعات تو بدعت ہیں اور بزرگوں نے قصہ گو لوگوں کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر اور حضرت

---

(۱) قرآن مجید سورہ انعام آیت ۹۲ (۲) قرآن مجید سورہ ذاریات آیت نمبر ۵۵

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۰ (۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۵۱

عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہ لوگ نہیں تھے حتیٰ کہ فتنہ پیدا ہوا اور قصہ گو لوگ ظاہر ہوئے۔ (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ آپ مسجد سے باہر تشریف لائے اور فرمایا میں صرف اس قصہ گو کی وجہ سے باہر آیا ہوں اگر یہ نہ ہوتا تو میں باہر نہ نکلتا۔

حضرت حمزہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے پوچھا کیا ہم قصہ گو لوگوں کی طرف منہ کر سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا۔

"بدعتوں کی طرف سے اپنی پیٹھ پھیر لیا کرو۔"

ابن عون فرماتے ہیں میں حضرت ابن سیرین کے پاس گیا تو انہوں نے پوچھا آج کی کوئی خبر ہے؟ میں نے کہا امیر (حاکم) نے قصہ گو لوگوں کو قصے بیان کرنے سے منع کر دیا ہے انہوں نے فرمایا اسے (امیر کو) اچھے راستے کی توفیق حاصل ہوئی ہے حضرت اعمش، بصرہ کی جامع مسجد میں داخل ہوئے، تو ایک قصہ گو کو دیکھا جو قصے بیان کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ہم سے حضرت اعمش نے بیان کیا آپ حلقہ کے اندر چلے گئے اور اپنی بغل کے بال اکھاڑنے لگے، قصہ گو نے کہا اے شیخ! تجھے حیا نہیں آتی؟ انہوں نے فرمایا کیوں؟ میں تو سنت پر عمل کر رہا ہوں اور تم جھوٹ بول رہے ہو میں اعمش ہوں اور میں نے تم سے کوئی بات بیان نہیں کی۔

حضرت احمد بن حنبل فرماتے ہیں سب سے زیادہ جھوٹے لوگ قصہ گو اور بھیک مانگنے والے لوگ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قصے بیان کرنے والوں کو جامع مسجد بصرہ سے نکال دیا تھا اور جب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا کلام سنا تو انہیں نہ نکالا کیونکہ وہ علم آخرت، موت کی فکر دلانے، نفس کے عیوب پر آگاہی، (برے) اعمال کی مصیبتیں، شیطان کے وسوسے اور ان سے بچنے کا طریقہ بیان کر رہے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، بندوں کی طرف سے شکر ادا کرنے میں کوتاہی کا ذکر کر رہے تھے، دنیا کی حقارت، اس کے عیوب اس کی ناپائیداری اور بیوفائی، آخرت کے خطرات اور ہولناکیوں سے آگاہ کر رہے تھے شرعاً یہ ذکر و تذکیر محمود ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اسی کی ترغیب دی گئی ہے وہ فرماتے ہیں۔

"ایک مجلس ذکر میں حاضر ہونا ایک ہزار رکعات سے افضل ہے۔"

زیادہ فضیلت کا باعث ہے کسی مجلسِ علم میں جانا ایک ہزار جنازوں میں حاضر ہونے سے افضل ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا قرآن پڑھنے سے بھی؟ آپ نے فرمایا قرآن پاک کی قرأت بھی تو علم کے ساتھ ہی نفع دیتی ہے۔ (۲)

---

(۱) سنن ابن ماجہ باب القصص ص ۲۷۴

(۲) الموضوعات باب تقدیم حضور مجلس العالم جلد اول ص ۲۲۳

حضرت عطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ایک مجلسِ ذکر لہو و لعب کی بےشمار مجلسوں کا کفارہ بن جاتی ہے، ان چکنی چپڑی باتیں بنانے والوں نے ان احادیث کو اپنے نفسوں کی پاکیزگی ٹھہرا لیا اور تذکیر کا لفظ اپنی خرافات کی طرف منتقل کر دیا یہ لوگ ذکر محمود کے طریقے سے ہٹ گئے اور ان قصوں میں مبتلا ہو گئے جن میں اختلافات اور کمی اور بیشی کا عمل دخل ہے قرآن پاک میں جو واقعات مذکور ہیں وہ ان سے خارج اور زائد ہیں۔

کیونکہ بعض واقعات کا سننا نفع دیتا ہے اور بعض واقعات اگرچہ سچائی پر مبنی ہوں، نقصان دہ ہوتے ہیں اور جو شخص اپنے آپ پر اس دروازے کو کھولتا ہے اس پر سچ اور جھوٹ، نفع بخش اور نقصان دہ خلط ملط ہو جاتا ہے اس لیے اس سے منع کیا گیا اسی لیے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا۔

"لوگوں کو سچے واقعات بیان کرنے والوں کی کس قدر ضرورت ہے۔"

اگر انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات میں سے کوئی واقعہ ہو اور وہ لوگوں کے ذہن سے متعلق ہو بیان کرنے والا سچا اور صحیح راوی ہو تو میں اس میں کچھ حرج نہیں سمجھتا، جھوٹ سے اور ایسے قصوں سے بچنا چاہیے جو لغزشوں اور کاہلی و سستی کی طرف اشارہ کرتے ہوں اور عوام کے ذہن ان کے معانی کو سمجھنے سے قاصر ہوں ایسی نادر لغزش کو بھی بیان نہ کرے جس کے بعد اس شخص (لغزش کرنے والے) نے بطور کفارہ بہت سی نیکیاں کر کے اسے ڈھانپ دیا ہو۔ کیونکہ گناہ کا مرتکب شخص انہی کوتاہیوں اور لغزشوں کے سلسلے میں اس سے استدلال کرتا ہے اور اپنی طرف سے بطورِ معذرت اسے تمہید بنا کر یوں کہتا ہے کہ فلاں، فلاں مشائخ اور اکابر سے اس قسم کی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور ہم سب گناہوں کے در پے ہیں اگر میں نے گناہ کیا تو کیا تعجب ہے مجھ سے بڑے لوگوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور یہ بات اسے لاعلمی سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر جرأت دلاتی ہے۔

اگر یہ دو باتیں نہ ہوں تو واقعات بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس وقت وہ قابلِ تعریف واقعات اور ان قصوں کی طرف رجوع کرے گا جو قرآن پاک میں ہیں یا احادیث صحیحہ کی کتب میں مذکور ہیں۔

بعض حضرات نے عبادات کے سلسلے میں مرغوب حکایات گھڑنے کی اجازت دی ہے اور ان کے خیال میں یہ مخلوق کو حق کی طرف بلانے کا ایک ذریعہ ہے لیکن یہ شیطانی وسوسہ ہے کیونکہ سچ میں جھوٹ سے بچنے کی بہت گنجائش ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا وہ وعظ میں من گھڑت باتیں بیان سے کفایت کرتا ہے اور یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے حالانکہ قافیے ملانے کے لیے تکلف کرنے کو ناپسند کیا گیا اور اسے تصنع سے شمار کیا گیا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عمر سے مسجع کلام سنا تو فرمایا میں اسی لیے تمہیں اچھا نہیں سمجھتا میں تمہاری ضرورت اس وقت تک پوری نہیں کروں گا جب تک تو توبہ نہ کر لے۔ وہ آپ کے پاس کسی کام کے

پہلے آیا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے یہ مسجع کلمات سن کر فرمایا۔

اِیَّاكَ وَالسَّجْعَ یَاابْنَ رَوَاحَۃَ (۱) اے ابن رواحہ! اپنے آپ کو مقفیٰ مسجع کلام سے بچاؤ"

تو ممنوع مسجع کلام وہ ہے جو تکلف ہو اور دو کلموں سے زیادہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے جنین (حمل) کے خون بہا کے بارے میں مسجع کلام استعمال کیا اور یوں کہا، "ہم اس بچے کی دیت کیسے ادا کریں جس نے پیا یا نہ کھایا چیخا اور نہ کوئی آواز نکالی اس قسم کی صورت میں خون معاف ہوتا ہے۔

"تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"

اَسَجْعٌ کَسَجْعِ الْاَعْرَابِ (۲) دیہاتیوں کی طرح سجع ملا رہا ہے؟

شعر گوئی:۔ وعظ میں زیادہ اشعار پڑھنا مذموم ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَالشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّھُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ۔ (۳) اور گمراہ لوگ، شعراء کے پیچھے چلتے ہیں کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں مارے مارے پھرتے ہیں"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ۔ (۴) اور ہم نے انہیں (اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو) شعر نہیں سکھائے اور نہ ہی یہ ان کے شایان شان ہیں۔

واعظین عام طور پر ایسے اشعار پڑھتے ہیں جن میں عشق، معشوق کے حسن وجمال، وصال کی خوشی وراحت اور فراق کے دکھ کا ذکر ہوتا ہے اور مجلس میں عام طور پر جاہل قسم کے عوام ہوتے ہیں ان کے باطن خواہشات سے بھرپور ہوتے ہیں۔ خوبصورت چہروں کی طرف توجہ سے ان کے دل خالی نہیں ہوتے تو یہ اشعار ان میں چھپی ہوئی خواہشات کو حرکت دیتے ہیں اس طرح وہاں خواہشات کی آگ بھڑک اٹھتی ہے وہ چیختے ہیں اور وجد میں آجاتے ہیں تو اکثر یا تمام شعر فساد پر مبنی ہوتے ہیں لہٰذا وہی شعر استعمال کیا جائے جس میں کوئی نصیحت یا حکمت ہو اور اسے صرف دلیل کے طور پر اور لوگوں کو اُنس دلانے کے لیے پڑھا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً۔ (۵) بعض شعر حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۸۳ (۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد نمبر ۴ ص ۲۴۵

(۳) قرآن مجید سورۃ شعراء آیت نمبر ۲۲۴ (۴) قرآن مجید سورہ یٰسین آیت نمبر ۶۹

(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۸ باب ما یجوز من الشعر

اور اگر خاص لوگوں کی مجلس ہو جن کے بارے میں معلوم ہو کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ نہ ہوں تو انہیں وہ شعر نقصان نہیں پہنچاتا جو ظاہر میں مخلوق کی طرف ہوتا ہے کیوں کہ سننے والا جو کچھ سنتا ہے اسے اس مفہوم پر ڈھال لیتا ہے جو اس کے دل پر غالب ہے، اس کی تحقیق سماع کے باب میں آئے گی۔ اسی لیے حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ دس سے کچھ اوپر لوگوں کو خطاب کیا کرتے تھے اگر زیادہ ہو جاتے تو آپ خطاب نہ فرماتے اور ان کی مجلس کبھی بھی بیس کی تعداد کو نہیں پہنچی ابن سالم کے مکان کے دروازے پر ایک جماعت آئی ان سے کہا گیا کہ آپ کے اصحاب حاضر ہیں کچھ بیان کیجئے انہوں نے فرمایا نہیں یہ میرے ساتھی نہیں یہ تو مجلسی لوگ ہیں میرے ساتھی تو خاص لوگ ہیں۔

شطح کیا ہے؟ شطح سے ہی مراد دو قسم کے کلام ہیں جنہیں بعض صوفیا کرام نے گھڑا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق و محبت کے لیے چوڑے دعوے کرنا اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ گئے ہیں لہٰذا انہیں ظاہری اعمال کی ضرورت نہیں حتیٰ کہ بعض نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتحاد کا دعویٰ کیا اور وہ کہتے ہیں کہ پردہ اٹھ گیا۔ اور وہ مشاہدہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں اور انہیں حضوری خطاب حاصل ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم سے فلاں بات کہی گئی تو ہم نے یہ جواب دیا، وہ حسین بن منصور حلاج کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں جنہیں اس قسم کے کلمات کی وجہ سے سولی پر چڑھایا گیا تھا۔

وہ منصور کے قول "انا الحق"، اور حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے اس قول سے دلیل پکڑتے ہیں انہوں نے "سبحانی سبحانی" (میں پاک ہوں) کہا تھا۔ یہ ایسا فن کلام ہے جس سے عوام کو بہت نقصان پہنچتا ہے حتیٰ کہ بعض کاشتکاروں نے کاشتکاری چھوڑ دی اور اس قسم کے دعوے شروع کر دیئے کیونکہ اس قسم کے کلام سے طبیعتیں لذت محسوس کرتی ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے ان کے خیال میں اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لیے ظاہری اعمال اور تزکیۂ نفس کی ضرورت باقی نہیں رہتی تو غبی قسم کے لوگ اس قسم کا دعویٰ کیوں نہیں کریں گے اور وہ من گھڑت اور مہمل قسم کے کلمات کیوں نہیں کہیں گے اور جب ان کے اس عمل پر اعتراض کیا جائے تو بلا تکلف جواب دیتے ہیں کہ اس اعتراض کی بنیاد علم اور مناظرہ ہے اور علم تو ایک حجاب (پردہ) ہے اور مناظرہ بازی تو نفس کا عمل ہے۔ اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں تو یہ نور حق کے مکاشفہ کے باعث ہمارے باطن سے اٹھتی ہے یہ اور اس قسم کی دوسری خرافات جن کا شر شہروں میں پھیل چکا ہے اور عوام کو اس سے عظیم نقصان پہنچا ہے حتیٰ کہ دین میں اس قسم کی بات کرنے والے کو مار ڈالنا دس آدمیوں کو زندہ رکھنے سے افضل ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ سے جو کچھ منقول ہے (کہ انہوں نے سبحانی کہا) وہ صحیح نہیں اور اگر ان سے یہ بات سنی گئی ہے تو شاید وہ اپنے کلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے طور پر اپنے دل میں بار بار کہتے ہیں مثلاً آپ کو یہ کلمات کہتے ہوئے سنا گیا۔

اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (۱) "بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو۔"

تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ قائل اپنا حال بیان کر رہا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور حکایت یوں کہتا ہے۔

۲۔ سطح کی دوسری صورت یہ ہے کہ کچھ ایسے کلمات کہے جائیں جو بظاہر اچھے ہوں لیکن سمجھ میں نہ آئیں۔ عبارت ہولناک اور بے فائدہ ہو۔

اور یہ اس طرح کہ یا تو خود کہنے والے کو بھی سمجھ نہ آتی ہو بلکہ وہ اپنی عقل کی خرابی اور خیال کی پریشانی کی بنیاد پر کہتا ہو کیونکہ جو کچھ اس کے کانوں میں پڑتا ہے وہ اس کلام کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا اور ایسا اکثر ہوتا ہے یا یہ کہ وہ اسے سمجھتا تو ہے لیکن وہ اسے سمجھا نہیں سکتا اور ایسی عبارت نہیں لا سکتا جو اس کے مافی الضمیر پر دلالت کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا علم سے تعلق کم ہوتا ہے اور عمدہ الفاظ کے ساتھ معانی کی تعبیر کے طریقے سے ناواقف ہوتا ہے اس قسم کے کلام کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے دل پریشان اور عقل و ذہن حیران ہو جاتے ہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے وہ معانی سمجھے جائیں جو مراد نہیں اور ہر شخص اپنی خواہش اور طبیعت کے مطابق اس سے مفہوم اخذ کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا حَدَّثَ اَحَدُکُمْ قَوْمًا بِحَدِیْثٍ لَا یَفْقَھُوْنَہٗ اِلَّا کَانَ فِتْنَۃً عَلَیْھِمْ۔ (۲) "تم میں سے کوئی شخص کسی قوم سے ایسی بات کرے جسے وہ نہ سمجھ پائیں تو وہ ان کے لیے فتنے کا باعث ہوگی۔"

اور آپ نے مزید فرمایا:۔

کَلِّمُوا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ وَدَعُوْا مَا یُنْکِرُوْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّکَذَّبَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔ (۳) "لوگوں سے وہ باتیں کرو جن کو وہ سمجھتے ہیں اور جو کچھ وہ نہیں سمجھتے انہیں چھوڑ دو کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہو۔"

یہ وہ بات ہے جسے کہنے والا سمجھتا ہے لیکن سننے والے کی عقل میں نہیں آتی۔ تو اس بات کا کیا حال ہوگا جسے خود کہنے والا نہ سمجھتا ہو۔ اگر کہنے والا سمجھتا ہے لیکن سننے والا نہیں سمجھتا تو اس کا ذکر جائز نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت ۱۴۔ (۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۹ باب النہی عن الروایۃ۔

(۳) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۲۴۷

دانائی کی بات غیر اہل کو نہ بتاؤ یہ اس (حکمت) پر ظلم ہے اور جو لوگ اس کے اہل ہیں ان سے دانائی کی بات نہ روکو اس طرح تم ان پر ظلم کرو گے۔ تم مہربان طبیب کی طرح ہو جاؤ وہ بیماری کے مطابق دوائی دیتا ہے اور دوسرے الفاظ میں یوں ہے جس نے غیر اہل کو حکمت کی بات بتائی اس نے جہالت کا کام کیا اور جس نے اہل لوگوں سے اسے روکا اس نے ظلم کیا بے شک دانائی کی باتوں کا بھی ایک حق ہے اور اس حکمت کے لیے کچھ اہل لوگ ہیں لہذا ہر حقدار کو اس کا حق دو۔

طامات :۔ ان میں وہ امور بھی داخل ہیں جو ہم نے شطح کے بیان میں ذکر کئے ہیں اور بعض دوسرے امور ہیں جو ان کے ساتھ خاص ہیں وہ یہ کہ الفاظ شرعیہ کو ظاہر مفہوم سے ایسے باطنی امور کی طرف پھیرا جائے کہ ذہنوں کو ان سے فائدہ نہ پہنچے۔ جیسے فرقہ باطنیہ قرآن پاک میں تاویل کرتا ہے یہ بھی حرام اور بہت بڑے نقصان کا باعث ہے کیوں کہ جب الفاظ کو کسی شرعی دلیل کے بغیر ان کے ظاہری معانی سے پھیر دیا جائے اور کوئی عقلی دلیل بھی اس کا تقاضا نہ کرتی ہو تو اس سے الفاظ پر اعتماد نہیں رہے گا، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا فائدہ ختم ہو جائے گا کیونکہ جو کچھ الفاظ سے سمجھ آتا ہے اس پر اعتماد نہ رہا اور باطن کے لیے ضبط نہیں بلکہ اس میں دل ایک دوسرے کے خلاف ہوتے ہیں اور اسے مختلف طریقوں پر ڈھالا جا سکتا ہے لیکن یہ بھی ایک بہت بڑی بدعت ہے اور نقصان کا باعث ہے طامات والوں کا ارادہ ایک عجیب و غریب بات نکالنا ہوتا ہے کیونکہ نفس عجیب و غریب باتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اور ان سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح فرقہ باطنیہ ظاہری الفاظ کی تاویل کر کے اور انہیں اپنی رائے کے مطابق کر کے پوری شریعت کو ختم کرنے کا راستہ پاتا ہے۔ جس طرح ہم (امام غزالی رحمہ اللہ) نے اپنی کتاب المستظہری میں جو باطنیہ کے رد میں لکھی گئی ہے ان کے مذہب کا ذکر کیا ہے۔

اہل طامات کی تاویل کی مثال ان میں سے بعض کا اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں تاویل کرنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (۱)
(اے موسیٰ) فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس سے دل کی طرف اشارہ ہے یعنی فرعون سے دل ہی مراد ہے اور وہ ہر انسان کے لیے باغی ہے اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ (۲)
اور آپ اپنی لاٹھی ڈال دیں۔

وہ کہتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سوا جس چیز پر بھی اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت ۲۴ (۲) قرآن مجید سورہ اعراف آیت ۱۱۷۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السَّحُوْرِ بَرَکَۃً۔(۱) سحری کھایا کرو بے شک سحری کھانے میں برکت ہے"۔

وہ کہتے ہیں اس سے مراد سحری کے وقت مغفرت طلب کرنا ہے، اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں حتی کہ انہوں نے قرآن پاک میں اول سے آخر تک ظاہری معانی کو بدل ڈالا۔ اور اس تفسیر کو بھی بدل دیا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر علماء سے مروی ہے۔ ان میں سے بعض تاویلات کا باطل ہونا قطعی اور یقینی ہے جیسے فرعون سے دل مراد لینا کیونکہ فرعون تو ایک محسوس شخص ہے اس کے وجود اور موسیٰ علیہ السلام کے اسے اسلام کی طرف بلانے کے بارے میں ہم تک متواتر خبر پہنچی ہے جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ دوسرے کفار ہیں اور وہ شیاطین اور فرشتوں کی جنس سے نہ تھے جو حواس کے ذریعے معلوم نہ ہو سکیں کہ ان الفاظ کی یہ تاویل کی جائے اسی طرح سحری کھانے سے استغفار مراد لینا بھی غلط ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرماتے اور فرماتے:۔

تَسَحَّرُوْا۔(۲) سحری کھاؤ

نیز فرماتے:۔

هَلُمُّوْا اِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ (۳) مبارک کھانے کی طرف آؤ۔

تو یہ وہ امور ہیں کہ نقل متواتر اور حواس کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں ان کو دوسرے معانی کی طرف منتقل کرنا باطل ہے، ان میں سے بعض باتیں غالب گمان کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں اور یہ وہ امور ہیں جو احساس سے متعلق نہیں ہیں تو یہ سب حرام اور گمراہی ہیں اور مخلوق پر دین کو خراب کرنا ہے اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین اور حضرت حسن بصری رحمہم اللہ سے کچھ بھی منقول نہیں حالانکہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور وعظ و نصیحت کرنے میں بہت دلچسپی لیتے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا یہی مفہوم ہے آپ نے فرمایا:۔

مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَأْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ (۴) جس نے اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر کی وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنائے۔

یعنی اس کی غرض اور رائے ایک بات کو ثابت کرنے کی ہو اور وہ اس کے لئے قرآن پاک سے شہادت پیش کرے اور اس سے اپنی غرض پوری کرے حالانکہ اس پر نہ تو دلالت لفظی لغوی پائی جاتی ہے اور نہ کوئی نقلی دلیل۔ اس حدیث سے یہ مفہوم اخذ کرنا مناسب نہیں کہ قرآن پاک کی تفسیر، اجتہاد اور غور و فکر نہیں کرنی چاہیئے کیوں کہ

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۷ باب برکۃ السحور (۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۷

(۳) مسند امام احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۲۶ (۴) جامع الترمذی جلد ۲ ص ۱۰۹ ابواب تفسیر القرآن۔

بعض آیات کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مفسرین سے پانچ، چھ اور سات تک معانی منقول ہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ یہ سب کچھ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کیونکہ یہ معانی بعض اوقات ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں جمع نہیں ہو سکتے لہذا یہ حسن فہم اور طویل غور و فکر کے نتیجے میں اخذ کئے گئے ہیں اس لیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا فرمائی تھی۔

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاْوِیْلَ۔ یا اللہ! ان کو دین کی سمجھ اور تفسیر و تاویل کا علم عطا فرما۔ (۱)

تو اہل طامات میں سے جو شخص ان تاویلوں کو جائز قرار دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ الفاظِ قرآن سے یہ مراد نہیں اور اس کا خیال ہے کہ وہ ان تاویلات کے ذریعے مخلوق کو خالق کی طرف بلاتا ہے تو یہ اس شخص کی طرح ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی اور من گھڑت احادیث منسوب کرتا ہے حالانکہ وہ بات فی نفسہٖ صحیح ہوتی ہے لیکن شریعت نے اسے بیان نہیں کیا۔ جیسے وہ شخص جو ہر اس مسئلے کے لیے جسے وہ حق سمجھتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے حدیث گھڑتا ہے تو یہ ظلم اور گمراہی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مذکور سزا کے تحت داخل ہوتا ہے آپ نے فرمایا۔

مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ (۲) جس نے مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

بلکہ ان الفاظ کی تاویل اس سے بھی بڑھ کر جرم ہے کیونکہ اس طرح ان الفاظ سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور قرآن کے فہم اور اس سے استفادہ کا راستہ بالکل ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ تو تمہیں معلوم ہو گیا کہ شیطان نے کس طرح لوگوں کے ارادوں کو علوم محمودہ سے، بڑے علوم کی طرف پھیر دیا اور یہ سب علمائے سُو کی طرف سے ناموں کے بدلنے کی وجہ سے ہوا۔ اگر تم مشہور نام پر اعتماد کرتے ہوئے ان لوگوں کے پیچھے چلو گے اور جو کچھ پہلے دور میں معروف تھا اس کی طرف متوجہ نہیں ہو گے تو تم اس آدمی کی طرح ہو جاؤ گے جو کسی طبیب کی اتباع کر کے حکمت (دانائی) کے ذریعے شرف و اعزاز کا طالب ہوتا ہے کیونکہ اس زمانے میں طبیب، شاعر، اور نجومی کو کہا جاتا ہے۔

حکمت:۔ پانچواں لفظ! "حکمت" ہے اب یہ لفظ طبیب، شاعر اور نجومی پر بولا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ شخص جو سڑکوں میں عوام کے ہاتھوں پر قرعہ اندازی کرتا ہے اسے بھی حکیم کہتے ہیں حالانکہ حکمت تو وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۲۶۶، ۳۱۴ (۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۱ باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (۱)

وہ جسے چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت دی گئی تحقیق اسے بہت زیادہ بھلائی عطا کی گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

كَلِمَةُ حِكْمَةٍ يَتَعَلَّمُهَا الرَّجُلُ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (۲)

ایک کلمۂ حکمت جسے کوئی شخص سیکھتا ہے وہ اس کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔"

تو تم دیکھ لو کہ حکمت کس چیز کا نام تھا اور اب اسے کسی طرف منتقل کر دیا گیا ہے باقی الفاظ کو بھی اسی پر قیاس کر لیں۔ علماء سُو کے دھوکے اور فریب سے بچو کیونکہ دین کے بارے میں ان کا شر، شیطان کے شر سے زیادہ ہے کیونکہ شیطان انہی کے ذریعے مخلوق کے دلوں سے آہستہ آہستہ دین کو نکال رہا ہے یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مخلوق میں سب سے بدترین کون ہے ؟ تو آپ نے (جواب دینے سے) انکار کیا اور فرمایا اے اللہ ! بخشش فرما۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے بار بار سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ برے علماء ہیں ؟ (۳) —— تو تم نے علم محمود اور علم مذموم اور ایک دوسرے سے ان کے اقتباس کو جان لیا اب تمہیں اختیار ہے کہ اپنے نفس کا لحاظ کر کے اسلاف کی پیروی کرو یا دھوکے کی رسی کو پکڑو اور ان کے بعد والے لوگوں کی مشابہت اختیار کرو ہمارے اسلاف کے تمام پسندیدہ علوم مٹ چکے ہیں۔ اور لوگ جن علوم میں منہمک ہیں ان میں سے اکثر بدعت اور نو پید ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں ثابت ہے آپ نے فرمایا:۔

بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ، فَقِيْلَ : وَمَنِ الْغُرَبَاءُ ؟ قَالَ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا أَفْسَدَهُ النَّاسُ مِنْ سُنَّتِيْ وَالَّذِيْنَ يُحْيُوْنَ مَا أَمَاتُوْهُ مِنْ سُنَّتِيْ۔ (۴)

اسلام کا آغاز غریب الوطنی میں ہوا اور وہ اسی طرح اجنبی کی حیثیت اختیار کرے گا تو غرباء کے لیے خوشخبری ہے"، آپ سے پوچھا گیا کہ غرباء کون ہیں ؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ جو میری سنت کی اصلاح کریں گے جب لوگ اسے خراب کر دیں گے اور وہ لوگ جو میری فوت شدہ سنت کو زندہ کریں گے۔

⁂ ⁂ ⁂

اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

هُمُ الْمُتَمَسِّكُوْنَ بِمَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ الْيَوْمَ (۵)

وہ لوگ اس چیز کو مضبوطی سے پکڑیں گے جسے آج تم نے (صحابہ کرام نے) اختیار کیا ہوا ہے"۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۶۹ (۲) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۱۷۔ (۳) مجمع الزوائد جلد اول ص ۱۸۵ باب فیمن لا ینتفع بعلمہ۔
(۴) جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۷۷ باب جاء ان الاسلام بدأ غریبا۔ (۵) مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۱۴

ایک اور حدیث شریف میں ہے آپ نے فرمایا:۔

اَلْغُرَبَاءُ نَاسٌ قَلِیْلٌ صَالِحُوْنَ بَیْنَ نَاسٍ کَثِیْرٍ مَنْ یُّبْغِضُهُمْ فِی الْخَلْقِ اَكْثَرُ مِمَّنْ یُّحِبُّهُمْ" (۱)

غرباء تھوڑے سے نیک لوگ ہیں جو دوسرے لوگوں کے مقابلے میں کم ہوں گے، ان سے محبت کرنے والوں کی نسبت، دشمنی رکھنے والے زیادہ ہوں گے"

تو یہ علوم غریب واجنبی ہو گئے کیوں کہ ان کو یاد کرنے والوں سے دشمنی کی جاتی ہے اسی لیے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا "جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ اس کے دوست زیادہ ہیں تو جان لو کہ وہ حق کے ساتھ باطل کو ملانے والا ہے کیونکہ اگر وہ سچ کہتا تو لوگ اس سے دشمنی رکھتے۔

علوم محمودہ کی تعداد محمودہ

جان لو کہ اس اعتبار سے (محمودہ مذموم ہونے کے اعتبار سے) علم کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ وہ علم جو تھوڑا ہو یا زیادہ بہرحال مذموم ہے۔

۲۔ وہ علم جو سراپا محمود ہے کم ہو یا زیادہ اور وہ جب بھی بڑھتا ہے احسن وافضل ہوتا ہے۔

۳۔ وہ جس سے کفایت کی مقدار محمود ہے اس سے زیادہ نہیں اور نہ ہی اس میں بحث مباحثہ پسندیدہ ہے۔

اور یہ بدن کے احوال کی طرح ہے کیونکہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو قلیل وکثیر محمود ہیں مثلاً صحت اور حسن وجمال اور بعض مذموم ہیں تھوڑے ہوں یا زیادہ، جیسے بدصورتی اور بداخلاقی، اور بعض وہ ہیں جن میں میانہ روی قابل تعریف ہے جیسے مال کا خرچ کرنا اس میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا پسندیدہ نہیں اگرچہ وہ بھی خرچ کرنا ہی ہے اور جیسے شجاعت ہے کہ اس میں کسی کو ہلاک کرنا غیر محمود ہے اگرچہ وہ بھی شجاعت ہی سے ہے تو علم کا بھی یہی حال ہے۔

مذموم علم وہ علم جو قلیل وکثیر مذموم ہے یہ وہ ہے جس میں نہ دنیوی فائدہ ہے نہ دینی، کیونکہ اس کا نقصان نفع پر غالب ہوتا ہے جیسے جادو اور طلسمات کا علم اور علم نجوم اس میں سے کچھ وہ ہے جس میں بالکل فائدہ نہیں اور اس میں زندگی کو صرف کر دینا جو انسان کی سب سے بہترین ملکیت ہے، ضائع کر دینا ہے اور نفیس چیز کو ضائع کرنا قابل مذمت ہے۔ اور کچھ وہ ہے کہ اس کا نقصان اس نفع سے زیادہ ہوتا ہے جس کی دنیا میں امید ہوتی ہے تو نقصان کے مقابلے میں اس نفع کا کوئی شمار نہیں۔

علم محمود وہ علم جو آخر تک محمود ہی محمود ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اس کے افعال، مخلوق کے بارے میں اس کی عادات اور دنیا پر آخرت کو مرتب کرنے کی حکمت کا علم ہے یہ علم ذاتی طور پر بھی مطلوب ہوتا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۷۷

اور آخرت کی سعادتوں کا وسیلہ ہونے کی وجہ سے بھی اس میں جس قدر بھی کوشش کی جائے وہ حدِ واجب سے کم ہو گی کیونکہ یہ وہ سمندر ہے جس کی گہرائی تک رسائی نہیں ہو سکتی اور گھومنے والے اس کے ساحل اور کناروں پر جس قدر ممکن ہوتا ہے گھومتے ہیں اور اس کے اندر انبیاء کرام اولیاء عظام، اور علم میں مضبوط لوگ اپنے اپنے درجات اور مختلف قوتوں کے حساب سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں لکھ دی ہیں، جاتے ہیں یہ وہ پوشیدہ علم ہے جو کتابوں میں لکھا نہیں جاتا اس علم سے آگاہی کے لیے سیکھنا اور علمائے آخرت کے حالات کا مشاہدہ مددگار ہوتا ہے جیسے اس کی علامات آئیں گی یہ تو ابتدائی بات ہے۔ اس کے بعد اس کے لیے مجاہدہ اور ریاضت مددگار ہوتی ہے نیز دل کو پاک صاف کرنا اور دنیوی تعلقات سے فارغ کرنا ضروری ہوتا ہے نیز انبیاء و اولیاء کرام کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ اس کی طلب میں کوشش کرنے والے کو اس کے نصیب کے مطابق مل سکے، کوشش کے مطابق نہیں لیکن اسی میں مجاہدہ ضروری ہے کیونکہ ہدایت کی چابی مجاہدہ ہے اس کے علاوہ اس کی کوئی چابی نہیں۔

وہ علوم جن کی مخصوص مقدار محمود ہے

وہ علوم جن کی صرف ایک مخصوص مقدار محمود ہے یہ وہ علوم نہیں جن کا ہم نے فرض کفایہ علوم میں ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ہر علم کے تین درجے ہیں بقدر حاجت حاصل کرنا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے دوسرا وہ ہے جس میں میانہ روی اختیار کی جاتی ہے اور یہ درمیانہ درجہ ہے اور اس میانہ روی سے بڑھ کر ہے جو آخر عمر تک حاصل کیا جاتا ہے تو تمہیں دو قسم کے آدمیوں میں سے ایک ہونا چاہیے یا تو اپنے نفس کے فکر میں مشغول ہو یا نفس سے فراغت کے بعد دوسروں کے لیے فکر مند ہو جا۔

اپنی اصلاح سے پہلے دوسروں کی اصلاح کرنے سے بچو اگر تم اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول ہو تو صرف اسی علم میں مشغول رہو جو تمہارے حال کے مطابق تم پر فرض ہے اور جو اعمال ظاہرہ سے متعلق ہے مثلاً نماز، طہارت اور روزے کے مسائل سیکھو سب سے اہم علم جسے تمام لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے وہ قلبی صفات کا علم ہے کہ ان میں سے کون سی مذموم۔ کیونکہ کوئی بھی انسان صفات مذمومہ سے خالی نہیں ہو سکتا جیسے حرص، حسد، ریاکاری تکبر اور خود پسندی وغیرہ یہ سب ہلاک کرنے والے امور ہیں اور ان کو چھوڑنا واجب ہے پھر ظاہری اعمال میں مشغول ہونا ایسے ہی ہے کہ انسان خارش اور پھوڑے پھنسی کی تکلیف میں مبتلا ہو تو ظاہر بدن پر لیپ کرلے اور نشتر یا جلاب کے ذریعہ اندر کا فاسد مادہ نکالنے میں سستی کرے نام کے علماء ظاہری اعمال کا مشورہ دیتے ہیں جیسے سڑکوں پر بیٹھے ہوئے طبیب ظاہری بدن پر لیپ کا مشورہ دیتے ہیں اور علمائے آخرت باطنی طہارت اور خرابی کا مواد دور کرلے کا حکم دیتے ہیں وہ اس طرح کہ دل سے ان کی جڑیں ہی اکھاڑ دی جائیں اکثر لوگ تطہیر قلوب کی بجائے اعمال ظاہرہ کی طرف جاتے ہیں تو صرف ظاہری اعمال کے آسان اور قلبی اعمال کے مشکل ہونے کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں جس طرح کڑوی دوائی کو سخت اور مشکل سمجھنے والا

شخص ظاہری لیپ کا عمل اختیار کرتا ہے، اور اس سے بیماری بڑھتی جاتی ہے۔
اگر تم آخرت کا ارادہ رکھتے ہو، نجات کے طالب اور ابدی ہلاکت سے بھاگنا چاہتے ہو تو باطنی بیماریوں اور ان کے علم میں مشغول ہو جاؤ۔ جیسا کہ ہم نے مہلکات کے بیان میں تفصیلاً ذکر کیا ہے پھر اپنے آپ کو ان پسندیدہ مقامات کی طرف لے جاؤ جن کا ذکر ہم نے منجیات کے بیان میں کیا ہے، کیونکہ جب دل مذموم چیز سے خالی ہو گا تب وہ محمود چیز دل سے بھرا جائے گا جب زمین کو گھاس پھونس سے پاک کیا جائے تب اس میں مختلف قسم کے غلے اور پھول اُگتے ہیں۔
اگر تم اسے خالی نہیں کرو گے تو یہ چیزیں پیدا نہیں ہوں گی۔ لہٰذا تم فرض کفایہ میں مشغول نہ ہو جاؤ بالخصوص جب کہ لوگوں میں اس (فرض کفایہ) کو قائم کرنے والے لوگ موجود ہیں، کیونکہ جو شخص دوسروں کی اصلاح کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے وہ بیوقوف ہے، تو اس سے بڑی حماقت کیا ہو سکتی کہ ایک شخص کے کپڑوں میں سانپ اور بچھو گھس کر اسے ہلاک کرنا چاہتے ہوں اور وہ پنکھا ڈھونڈ رہا ہو جس کے ذریعے دوسروں سے مکھیوں کو دور کرے اور دوسرا آدمی اس کو ان سانپوں اور بچھوؤں سے نہیں بچاتا جب وہ اسے ہلاک کرنا چاہتے ہوں۔
اور جب تم اپنے نفس اور اس کی تطہیر سے فارغ ہو جاؤ اور ظاہری و باطنی گناہ کے چھوڑنے پر قادر ہو جاؤ اور یہ تمہاری عادت بن جائے اور تمہارے لیے ایسا کرنا آسان ہو جائے اور یہ بات کوئی بعید بھی نہیں تو پھر فرض کفایہ میں مشغول ہو جانا اور اس میں بھی درجات اور تدریج کا خیال رکھنا (یعنی) اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ابتدا کرنا پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس کے بعد علم تفسیر اور دیگر تمام علوم قرآنیہ، یعنی ناسخ و منسوخ کا علم، مفصول و موصول اور محکم و متشابہ کا علم۔ سنت میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔ پھر فروع میں مشغول ہو جانا اور وہ فقہ سے مذاہب کا علم حاصل کرنا ہے اختلافی مسائل نہیں۔ پھر اصول فقہ، اور اسی طرح باقی علوم جیسے جیسے زندگی اجازت دے اور وقت میں گنجائش ہو، اور کسی فن میں کمال حاصل کرنے کے لیے ساری زندگی اس میں خرچ نہ کر دینا۔ کیونکہ علوم زیادہ ہیں اور عمر کم ہے۔ اور یہ علوم محض آلات اور مقدمات ہیں۔ ذاتی طور پر نہیں بلکہ غیر کی وجہ سے مطلوب ہیں، اور جو چیز غیر کی وجہ سے مطلوب ہوتی ہے اس میں مطلوب کو بھول جانا اور آلات کو کثرت سے حاصل کرنا مناسب نہیں۔
لہٰذا تم مروجہ لغت سے اتنا علم حاصل کرو جس کے ذریعے عربی کلام کو سمجھ سکو اور گفتگو کر سکو اور لغت نادرہ سے صرف اتنا حاصل کرو کہ قرآن و حدیث کے اس قسم کے الفاظ کو سمجھ سکو زیادہ گہرائی میں نہ جاؤ نحو کا علم صرف اتنا حاصل کرو جو کتاب و سنت سے متعلق ہے کیونکہ ہر علم کے تین درجے ہیں وہ) ادنیٰ بھی ہے، متوسط بھی اور کامل بھی، ہم حدیث، تفسیر، فقہ اور کلام کے سلسلے میں ان تینوں درجات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ تم دوسرے علوم کو ان پر قیاس کر لو۔
تفسیر سے بقدر کفایت علم یہ ہے کہ قرآن پاک کے حجم کا دوگنا ہو جیسے واحدی نیشاپوری کی تفسیر "وجیز" ہے، درمیانہ درجہ یہ ہے جو قرآن پاک سے تین گنا زیادہ حجم رکھتی ہو جیسے تفسیر "وسیط" ہے اور اس سے زائد درجہ کمال

ہے جس کی کوئی حاجت نہیں اور نہ ہی مرتے دم تک اسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حدیث میں اکتفاء کا درجہ یہ ہے کہ کسی فاضل اور متن حدیث کے عالم سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مضامین سیکھ لیے جائیں، راویوں کے نام یاد کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ تم سے پہلے لوگوں نے یہ ذمہ داری اٹھا کر تمہیں فارغ کر دیا ہے تمہارے لیے ضروری ہے کہ ان کی کتب کی طرف رجوع کرو۔ نیز تم پر صحیحین کے متن (احادیث) کو یاد کرنا بھی لازمی نہیں بلکہ اس قدر حاصل کر لو کہ ضرورت کے وقت جس قدر حاجت ہو اسے پورا کر سکو۔

حدیث کے سلسلے میں اعتدال یہ ہے کہ صحیح مسندات میں جو صحیح احادیث پائی جاتی ہیں اور صحیح بخاری و مسلم میں نہیں ہیں انہیں بھی صحیحین کے ساتھ ملا کر پڑھ لو۔ حدیث میں کمال کی صورت یہ ہے کہ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ضعیف و قوی، صحیح غیر صحیح نقل حدیث کے طرق کثیرہ (حدیث کی اسناد) کی پہچان حاصل کرو نیز راویوں کے حالات ان کے نام اور اوصاف کی معرفت حاصل کی جائے۔

فقہ میں کفایت درجہ وہ ہے جو مختصر المزنی رحمہ اللہ میں شامل ہے جسے ہم نے خلاصۃ المختصر کے نام سے مرتب کیا ہے، اس میں اعتدال یہ ہے کہ اس کتاب کا تین گنا ہو جائے اور یہ اندازہ ہم نے مذہب کی کتاب "وسیط" میں رکھا ہے اور کمال علم فقہ یہ ہے جو ہم نے وسیط میں لکھا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسری بڑی بڑی کتابیں بھی پڑھی جائیں۔

علم کلام کا مقصد صرف ان عقائد کی حفاظت ہے جو اہل سنت نے سلف صالحین سے نقل کئے ہیں اس کے علاوہ نہیں اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ حقائق امور کا کشف ہے لیکن یہ طریقہ کشف کے بغیر ہے۔ سنت کی حفاظت اختصار کے طور پر ایک مختصر کتاب عقائد سے ہو سکتی ہے اور اس کی مقدار صرف اتنی ہے جو ہم اس کتاب میں قواعد عقائد کے تحت لکھا ہے اس سلسلے میں متوسط درجہ ایک سو ورق کا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد لکھی ہے اس کی ضرورت اس لیے ہے کہ بدعتی سے مناظرہ کیا جائے اور اس کی بدعت کا مقابلہ کرکے اسے توڑا جائے اور عام آدمی کے دل سے اسے نکالا جائے۔ اور یہ بات صرف عوام کے ساتھ ہی معتبر ہے بشرطیکہ وہ تعصب میں پڑھ نہ گیا ہو جہاں تک بدعتی کا تعلق ہے تو وہ جب مناظرہ کا طریقہ سیکھ لیتا ہے اگرچہ تھوڑا سا ہی ہو تو اسے علم کلام سے بہت کم نفع حاصل ہوتا ہے اگر تم اسے خاموش بھی کر دو تو وہ اپنے مذہب کو نہیں چھوڑتا اپنے نفس کا قصور سمجھ کر یوں فرض کرے گا کہ اس کے غیر کے پاس اس بات کا جواب ہے اور یہ جواب دینے سے عاجز ہو گیا (اپنے آپ سے کہتا ہے) کہ مخالف نے مناظرے کی قوت سے تجھے مغالطے میں ڈالا ہے۔

جہاں تک عام آدمی کا تعلق ہے تو جب اسے کسی قسم کی مناظرہ بازی کے ذریعے حق سے پھیر دیا جائے تو اس قسم کے انداز سے اسے واپس لوٹایا جا سکتا ہے جب تک وہ گمراہی میں زیادہ پکا نہ ہو گیا ہو اگر ان لوگوں کا تعصب بڑھ جائے تو ان سے ناامیدی ہو جاتی ہے کیونکہ تعصب نفوس میں عقائد کی پختگی کا سبب ہے اور یہ برے علماء کی آفات میں سے ہے

کیونکہ وہ حق کے خلاف سخت تعصب سے کام لیتے ہیں اور اپنے مخالفین کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی طرف سے مقابلے اور جوابی کارروائی کا دعویٰ ہوتا ہے اور وہ باطل کی بہت زیادہ مدد کرتے ہیں اور ان پر جس بات کا الزام ہوتا ہے اس کو مضبوطی سے اختیار کرتے ہیں ان کی غرض مضبوط ہو جاتی ہے۔ اگر علماء کرام ان لوگوں کو علیحدگی میں نرمی، پیار اور نصیحت کے طور پر سمجھاتے، تعصب اور حقارت کی نظر سے کام نہ لیتے تو وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔

لیکن جب تک پیروی کرنے والے لوگ نہ ہوں جاہ و مرتبہ قائم نہیں ہو سکتا اور جب تک مخالفین سے تعصب اور ان پر لعن طعن نہ کیا جائے کوئی بھی پیچھے آنے کے لیے قائل نہیں ہوتا لہٰذا ان لوگوں نے تعصب کو عادت اور آلہ بنا لیا اور اس کا نام دین کی حفاظت اور مسلمانوں کی حمایت رکھ لیا درحقیقت اس میں مخلوق کی ہلاکت اور دلوں میں بدعت کی مضبوطی ہے۔

وہ اختلافات جو اس پچھلے دور میں پیدا ہوئے اور اس سلسلے میں تحریرات، تصنیفات اور مناظرے ظاہر ہوئے اور اسلاف کے زمانے میں ان کا نام و نشان بھی نہ تھا، ان کے پاس جانے سے اپنے آپ کو بچانا اور اس سے اس طرح پرہیز کرنا جیسے زہر قاتل سے پرہیز کیا جاتا ہے کیونکہ یہ لاعلاج مرض ہے یہی وہ بیماری ہے جس نے تمام فقہاء کو مقابلہ اور ایک دوسرے پر فخر کرنے میں مبتلا کر دیا ہے جیسا کہ عنقریب اس کی آفات اور ہلاکتوں کا ذکر آئے گا بعض اوقات اس قسم کا کلام اس کے قائل سے سنا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے لوگ جس چیز سے بے خبر ہوتے ہیں اس کے دشمن ہوتے ہیں۔

لہٰذا تم اس راستے پر نہ چلو، یہ بات تو باخبر آدمی کے پاس آئی ہے تم اس نصیحت کو اس شخص سے قبول کرو جس نے اس میں زندگی گزاری ہے۔ اور اس سلسلے میں پہلے لوگوں سے زیادہ کتابیں لکھیں تحقیق اور مناظرے کئے اور بیان کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کے دل میں ہدایت ڈال دیتا ہے اور اس چیز کے عیب پر اسے مطلع کر دیتا ہے چنانچہ وہ اسے چھوڑ کر اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول ہو جاتا ہے تو تمہیں اس شخص کا قول دھوکہ نہ دے جو کہتا ہے کہ فتویٰ شریعت کا ستون ہے اور اس کی علتوں کو اختلافی امور کے جانے بغیر معلوم نہیں کیا جا سکتا (تو اس قول سے تمہیں مغالطہ نہ ہو کیوں کہ) مذہب میں مذکور ہیں اور جو کچھ اس سے زائد ہے وہ محض جھگڑے ہیں ہمارے اسلاف اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کو نہیں جانتے تھے حالانکہ وہ فتاویٰ کی علتوں کا علم دوسروں کی نسبت زیادہ رکھتے تھے بلکہ یہ بات تو علم مذہب میں غیر مفید ہونے کے ساتھ ساتھ ذوق فقہ کے لیے نقصان دہ اور فساد کا باعث ہے کیوں کہ جس شخص کے لیے مفتی کی زیرکی اور دانائی شاہد ہوتی ہے جب فقہ میں اس کا ذوق صحیح ہو جاتا ہے تو اکثر معاملات میں اس کے لیے مناظرے کی شرائط پر چلنا ممکن نہیں ہوتا۔ تو جس شخص کی طبیعت مناظرانہ رسوم سے مانوس ہو گئی اس کا ذہن مناظرہ کے تقاضوں کی طرف جاتا ہے اور ذوق فقہ کو ماننے میں بزدل ہو جاتا ہے اور اس (مناظرہ) میں وہی شخص مشغول ہوتا ہے جسے شہرت اور مرتبے کی خواہش ہوتی ہے اور وہ بہانہ یہ کرتا ہے کہ وہ مذہب کی علتیں تلاش کرتا ہے اس طرح زندگی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی ہمت علم مذہب کی طرف رخ نہیں کرتی۔ لہٰذا تم جنوں کے شیطانوں سے امن میں رہو اور

انسانی شیطانوں سے دور رہو کیونکہ انہوں نے گمراہ کرنے میں تھکاوٹ سے شیاطین جن کو آرام پہنچایا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عقل مند لوگوں کے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ تم اس جہاں میں تصور کر لو کہ تمہارا نفس صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تمہارے سامنے موت ہے، حاضری، حساب، جنت اور دوزخ ہے اور غور کرو کہ جو کچھ تمہارے سامنے ہے ان میں سے کونسی چیز تمہاری مددگار ہے اس کے سوا سب کچھ چھوڑ دو تم پر سلامتی ہو۔

کسی بزرگ نے خواب میں کسی عالم کو دیکھا تو اس سے پوچھا جن علوم میں تم مناظرے کرتے اور جھگڑتے تھے ان کے بارے میں کیا خبر ہے اس نے ہاتھ پھیلا کر اس پر پھونک ماری اور کہا کہ سب کچھ خاک ہو کر اڑ گیا اور مجھے تو صرف ان دو رکعتوں نے فائدہ دیا جو میں نے رات کے وقت ادا کی تھیں۔ حدیث شریف میں ہے "جو کوئی بھی قوم ہدایت کے بعد گمراہی کی طرف نہیں جاتی مگر ان کا جھگڑا وہاں جاتا ہے" پھر آپ نے پڑھا۔

مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ۔ (۱)

"یہ لوگ آپ کے لیے جھگڑا" اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اور وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے"

کے مفہوم میں حدیث شریف میں آیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مناظرہ باز لوگوں کا ذکر ہے لہذا ان سے بچو۔ (۲)

بعض بزرگوں نے فرمایا آخری زمانے میں ایک ایسی قوم ہو گی جن پر عمل کا دروازہ بند ہو جائے گا اور مناظرے کا دروازہ کھل جائے گا۔

بعض روایات میں ہے:

إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ أُلْهِمْتُمْ فِيهِ الْعَمَلَ وَسَيَأْتِي قَوْمٌ يُلْهَمُونَ الْجَدَلَ (۳)

تم اس زمانے میں ہو جس میں تمہیں عمل کا الہام ہوا عنقریب ایک زمانہ آئے گا کہ ان کے دلوں میں مناظرے کا شوق ڈال دیا جائے گا۔

⁂

اور ایک مشہور حدیث میں ہے آپ نے فرمایا

أَبْغَضُ الْخَلْقِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى الْأَلَدُّ الْخَصِمُ (۴)

اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین مخلوق وہ شخص ہے جو بہت زیادہ جھگڑالو ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے:۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ زخرف آیت ۵۸ ، سنن ابن ماجہ ص ۶ باب اجتناب البدع والجدل۔

(۳) الاحادیث الضعیفۃ الموضوعۃ ۱-(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۵۵

(۵) الاسرار المرفوعہ ص ۱۹۹

مَا اُوْتِیَ قَوْمٌ الْمَنْطِقَ اِلَّا مُنِعُوْا الْعَمَلَ (۱)

"جس قوم کو بولنے کی قوت دی گئی وہ عمل سے روک دی گئی"

واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) حضرت امام غزالی رحمہ اللہ وعظ یا مناظرہ کے مخالف نہیں البتہ ان کے نزدیک وہ واعظین یا مناظر قابلِ مذمت ہیں جو دوسروں کو وعظ کرتے ہیں خود عمل سے بے نیاز ہیں نیز اُلٹے سیدھے واقعات اور اشعار کے ذریعے رقم بٹورتے اور نمائش کرتے ہیں یا اپنی شہرت کے لئے مناظرے بازی میں لگے رہتے ہیں اگر کوئی عالم لوگوں کو وعظ کرتا ہے اور خود بھی عمل کرتا ہے نیز من گھڑت واقعات نہیں بیان کرتا یا کوئی عالم بدعقیدہ لوگوں کے دجل و فریب کو دور کرنے کے لیے مناظرہ کرکے لوگوں کو گمراہ ہونے سے بچاتا ہے تو یہ کام اچھا ہے ۱۲ ہزاروی۔

چوتھا باب

علمِ خلاف کی طرف لوگوں کی توجہ کا سبب مناظرے اور مجادلے کے نقصانات اور شرائطِ جواز

جان لو! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین جو راہ ہدایت پر تھے خلافت کے منصب پر فائز ہوئے یہ حضرات ایسے حکمران تھے جو عالم باللہ تھے، احکام خداوندی کو سمجھنے والے اور مقدمات کے فیصلوں میں فتاویٰ کے ماہر اور مستقل تھے وہ دوسرے فقہاء سے بہت کم مدد لیتے تھے، اور وہ بھی ان واقعات میں جہاں مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ لہٰذا علماء کرام علمِ آخرت کے لیے فارغ تھے اور ان کا کوئی دوسرا شغل نہ تھا وہ فتاویٰ اور مخلوق کے دنیوی مسائل کو ایک دوسرے پر ٹالتے تھے (خود فتویٰ نہیں دیتے تھے) اور وہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ جیسا کہ ان کی سیرتوں سے نقل کیا گیا ہے۔ جب ان کے بعد خلافت (حکومت) ایسے لوگوں تک پہنچی جو اس کے اہل نہ تھے اور نہ ہی وہ فتاویٰ و احکام کے ماہر تھے تو انہیں فقہاء کرام کی مدد اور احکام کے اجراء میں ان سے مدد لینے کے لیے انہیں ہر وقت ساتھ رکھنے کی ضرورت پڑی۔

اس وقت تابعین میں سے ایسے علماء کرام موجود تھے جو پہلے طور طریقوں پر چلتے تھے اور دین خالص سے منسلک تھے وہ علمائے سلف کے نقش قدم پر چلتے تھے، انہیں جب بلایا جاتا تھا تو وہ بھاگ جاتے تھے اور اعراض کرتے تھے لہٰذا حکمرانوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اصرار کر کے انہیں طلب کریں اور قضاء اور حکومت کے دوسرے مناصب پر فائز کریں۔

اس زمانے کے لوگوں نے علماء کی عزت اور ان کے اعراض کے باوجود حکمرانوں کا ان کی طرف متوجہ ہونا دیکھا تو انہوں نے حکمرانوں کی طرف سے جاہ و مرتبہ حاصل کرنے کے لیے طلب علم کی طرف توجہ کی وہ علم فتاویٰ میں منہمک ہوئے اور پھر اپنے آپ کو حکمرانوں کے سامنے پیش کیا ان سے تعارف کروایا، نیز عہدے اور انعام کا مطالبہ کیا،

چنانچہ ان میں سے کچھ تو محروم رہے لیکن بعض نے کامیابی حاصل کی، لیکن کامیابی حاصل کرنے والے بھی مانگنے کی رسوائی اور طفیلی ہونے کی ذلت سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ فقہاء کرام پہلے مطلوب ہوتے تھے اب طالب بن گئے۔ پہلے حکمرانوں سے منہ پھیرنے کی وجہ سے معزز تھے اب ان کے پاس آنے کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہو گئے مگر جن علمائے دین کو اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں (بچنے کی) توفیق عطا فرمائی۔ چونکہ حکومتوں کو زیادہ فتاویٰ اور مقدمات کے فیصلوں کے علم کی زیادہ

ضرورت پڑتی تھی اس لئے اس دور میں ان دو علموں کی طرف زیادہ توجہ تھی۔

پھر امراء اور رؤسا کو قواعد عقائد کے مقالات سننے اور ان کے دلائل سننے کا شوق اور میلان ہوا چنانچہ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ علم کلام میں مناظرہ اور مجادلہ کی رغبت رکھتے ہیں تو وہ علم کلام کی طرف متوجہ ہو گئے اس میں بہت سی کتابیں لکھیں اور مناظرے کے طریقے مرتب کئے گفتگو میں دوسرے کی بات کو توڑنے کے گر نکالے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان کی غرض دین اسلام اور سنت کی حفاظت نیز بدعت کا قلع قمع کرنا ہے۔ جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کا دعویٰ تھا کہ ہماری غرض دین کے فتاویٰ سیکھ کر مسلمانوں کے مسائل کا کفیل بننا ہے اور اس میں مخلوق پر شفقت اور ان کی خیر خواہی ہے۔

پھر ایسے حکمران ظاہر ہوئے جنہوں نے علم کلام میں غور وخوض اور مناظرہ کو اچھا نہ سمجھا کیونکہ اس کے ذریعے بے حد تعصب اور ایسے جھگڑے پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے خون ریزی اور شہروں کی تباہی تک نوبت پہنچ گئی۔

لہٰذا اب ان کی توجہ فقہ میں مناظرہ کی طرف ہو گئی اور یہ کہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ میں کس کا مذہب بہتر ہے لہٰذا لوگوں نے علم کلام اور فنون علم کو چھوڑ دیا اور خاص طور پر امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے درمیان اختلافی مسائل کی طرف مائل ہو گئے جب کہ امام مالک، سفیان ثوری اور امام احمد رحمہم اللہ کے ساتھ اختلاف کو نظر انداز کر دیا ان لوگوں نے دعویٰ کیا کہ ان کی غرض شریعت کی باریکیوں اور مذہب کی علتوں کو ثابت کرنا اور اصول فتاویٰ تیار کرنا ہے چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں بہت سی کتب تصنیف کیں اور اجتہادات کئے نیز ان کتب میں طرح طرح کے مجادلات و مناظرات اور تصانیف کا ذکر کیا اور اب تک (امام غزالی رحمہ اللہ کے دور تک) وہ اسی ڈگر پر چل رہے ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ ہمارے بعد کے زمانوں میں کیا صورت پیدا ہو گی (۱)

تو مناظروں اور اختلافات کی طرف متوجہ ہونے کا سبب صرف یہی تھا اور کچھ نہیں۔ اگر دنیا داروں کا میلان دوسرے ائمہ یا دوسرے علوم میں اختلاف کی طرف ہوتا تو یہ لوگ ادھر مائل ہو جاتے۔ اور وہ یہ دلیل پیش کرتے کہ وہ جس کام میں مشغول ہیں یہ علم دین ہے اور ان کا مقصد صرف اور صرف تمام جہانوں کے رب کا قرب حاصل کرنا ہے۔

مناظرات کو صحابہ کرام کی مشاورت سے تشبیہ دینا

یہ اس دھوکے کا بیان ہے جس کے ذریعے باور کرایا جاتا ہے کہ یہ مناظرے صحابہ کرام کے مشوروں اور اسلاف کے مذاکرات کی طرح ہیں۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ لوگ، عوام کو آہستہ آہستہ اس بات کی طرف لے جا رہے ہیں کہ ان مناظروں سے ہماری

---

(۱) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تو صورت حال مزید بگڑ گئی اس وقت کم از کم فقہی مسائل کی طرف تو توجہ تھی اب مناظرہ باز حضرات کا میدان دوسرا ہے اور فقہ کا علم نہ ہونے کے برابر (العیاذ باللہ) ۱۲ ہزاروی۔

غرض، حق پر بحث کرنا ہے تاکہ وہ واضح ہو جائے ۔کیونکہ حق مطلوب ہے اور علم میں غور و فکر نیز کئی آراء کا متفق ہونا مفید ہے ، صحابہ کرام کے مشوروں میں بھی یہی بات تھی مثلاً انہوں نے دادا کی موجودگی میں بھائیوں کی (وراثت سے) محرومی، شراب نوشی کی حد، امام (حکمران) غلطی کرے تو اس پر تاوان ڈالنا ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خوف سے ایک عورت کا حمل ساقط ہو گیا تھا اور جیسے وراثت وغیرہ کے مسائل میں ان کے مشورے منقول ہیں اور جس طرح حضرت امام شافعی امام احمد، امام محمد بن حسن، امام مالک امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ سے منقول ہے ۔

ان حضرات کے دھوکوں پر میری آئندہ کی گفتگو سے نہیں عنقریب اطلاع ہو جائے گی ۔(یعنی وہ اس بات کے ذریعے دھوکہ دیتے ہیں کہ) طلب حق پر ایک دوسرے کی مدد کرنا دین ہے (اور اس طرح وہ مناظروں کو دین قرار دیتے ہیں) لیکن مناظرہ کے لیے آٹھ شرائط اور علامات ہیں ۔

طلب حق کے لیے مناظرہ کی شرائط

جو مناظرہ حق کی تلاش کے لیے کیا جائے اس کے لیے درج ذیل آٹھ شرائط ہیں :۔

پہلی شرط :۔ جو شخص فرض عین سے فارغ نہ ہو وہ مناظرہ میں مشغول نہ ہو کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے اور جو شخص فرض کفایہ میں مشغول ہوتا ہے حالانکہ اس کے ذمہ فرض عین باقی ہے اور وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا مقصد حق (کی تلاش) ہے تو وہ آدمی جھوٹا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص خود نماز کو چھوڑ دیتا ہے اور کپڑوں کے حصول اور بُننے میں مشغول ہو جاتا ہے اور کہتا ہے ، میری غرض یہ ہے کہ میں اس شخص کے ستر کو ڈھانپوں جو برہنہ نماز پڑھتا ہے اور اس کے پاس کپڑا نہیں ۔ ایسا کبھی ہو بھی جاتا ہے اور یہ ممکن ہے جیسے ایک فقیہ گمان کرتا ہے کہ جن اختلافی مسائل میں بحث ہوتی ہے اگرچہ وہ نادر ہیں لیکن ان کا وقوع ممکن ہے جو لوگ مناظرے میں مشغول ہوتے ہیں وہ ایسی باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں جن کے فرض عین ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور جس شخص نے امانت فوراً واپس کرنا ہو اور وہ کھڑا ہو کر نماز شروع کر دے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا سب سے بڑا ذریعہ ہے تو ایسے شخص نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، تو کوئی شخص بھی عبادات کے سلسلے میں اس وقت تک فرمانبردار شمار نہیں ہوتا جب تک وہ اس میں وقت، شرائط اور ترتیب کی رعایت نہ کرے ۔

دوسری شرط :۔ مناظرہ کی نسبت کوئی دوسرا فرض کفایہ اہم نہ ہو کیونکہ جب کوئی شخص کسی اہم کو دیکھتے ہوئے اس کے علاوہ کام کرتا ہے تو اس عمل میں وہ گناہ گار شمار ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی دیکھ رہا ہے کہ پیاسے لوگوں کی ایک جماعت ہے اور وہ لوگ ہلاکت کے قریب ہیں اور لوگوں نے ان سے پہلو تہی کرلی ہے جب کہ یہ آدمی ان کو پانی پلا کر ان کی زندگی بچا سکتا ہے لیکن یہ پچھنے لگانے کا طریقہ سیکھنا شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ فرض کفایہ ہے اور اگر اس سے شہر خالی رہ گیا تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے ۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ شہر میں پچھنا لگانے والوں کی ایک

پوری جماعت موجود ہے اور وہ کافی ہے تو وہ کہتا ہے اس سے اس کام کا فرض کفایہ ہونا ختم تو نہیں ہو گیا۔ تو جو شخص یہ عمل کرتا ہے اور اس کام کو چھوڑ دیتا ہے جو نہایت ضروری ہے یعنی مسلمانوں کی جماعت کو پانی نہ پلائے تو اس کا حال اس شخص کی طرح ہے جو مناظرے میں مشغول ہو جاتا ہے حالانکہ شہر میں کئی دوسرے فرض کفایہ ہیں جنہیں قائم کرنے والا کوئی دوسرا شخص نہیں ہے کہ مثلاً فتویٰ دیتا ہے تو اسے قائم کرنے والی ایک جماعت موجود ہے جب کہ شہر میں کئی ایسے فرض کفایہ ہیں جنہیں چھوڑ دیا گیا اور فقہاء کرام اس طرف متوجہ نہیں ہیں ان میں سے زیادہ قریب طب ہے کیونکہ اکثر شہروں میں مسلمان ڈاکٹر دستیاب نہیں ہے کہ طبی امور میں اس کی گواہی شرعاً معتبر ہو لیکن کوئی بھی فقیہ اس عمل میں مشغول ہونے کے لیے تیار نہیں ہے اسی طرح نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی فرض کفایہ امور میں سے ہیں اور بعض اوقات اپنی مجلس مناظرہ میں دیکھتا ہے کہ ایک شخص نے ریشم پہنا ہوا ہے یا ریشمی بچھونا بچھا ہوا ہے لیکن یہ خاموش رہتا ہے اور اس مسئلے میں مناظرہ کرتا ہے جو کبھی بھی وقوع پذیر نہیں ہو گا۔ اور اگر کبھی واقع ہو تو اسے قائم کرنے والی فقہا کی ایک جماعت موجود ہوتی ہے۔

پھر وہ دعویٰ کرتا ہے کہ فرض کفایہ امور کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "عرض کیا گیا یا رسول اللہ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کب چھوڑ دیا جائے گا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا ظَهَرَتِ الْمُدَاهَنَةُ فِي خِيَارِكُمْ وَالْفَاحِشَةُ فِي شِرَارِكُمْ وَتَحَوَّلَ الْمُلْكُ فِي صِغَارِكُمْ وَالْفِقْهُ فِي أَرَاذِلِكُمْ -(۱)

جب تم میں سے بہترین لوگوں میں مداہنت) پیدا ہو جائے گی، برے لوگوں میں بے حیائی پھیل جائے گی، حکومت چھوٹی عمر کے لوگوں کے سپرد ہو جائے گی اور فقہ کمینے لوگوں کے سپرد ہو جائے گی،

٭ ٭ ٭

تیسری شرط: مناظر مجتہد ہو جو اپنی رائے کے مطابق فتویٰ دے حضرت امام شافعی یا حضرت امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے مذہب پر نہیں حتیٰ کہ اگر اس کے سامنے حق، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق ظاہر ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کو چھوڑ دے اور جو کچھ اس کے سامنے ظاہر ہوا اس کے مطابق فتویٰ دے جیسے صحابہ کرام اور ائمہ دین کرتے تھے اور جس شخص کو اجتہاد کا مرتبہ حاصل نہ ہو جیسا کہ اس زمانے کے سب لوگوں کا حال ہے اور اس سے جو مسئلہ پوچھا جاتا ہے، وہ اپنے مذہب سے نقل کر کے جواب دیتا ہے اور اگر اس کے مذہب کی کمزوری ظاہر بھی ہو جائے تو وہ اپنے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا تو مناظرے کا کیا فائدہ ہے جب کہ اس کا مذہب بھی معلوم ہے اور وہ دوسرے مذہب پر فتویٰ بھی نہیں دے سکتا اور جو بات اس کے لیے مشکل ہو تو اس پر لازم ہے کہ کہے شاید میرے امام

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۹ باب الفتن۔

مذہب کے پاس اس کا جواب ہو مجھے اصل شریعت میں اجتہاد کی صلاحیت حاصل نہیں اور اگر جس مسئلے میں بحث کرتا ہے اس میں اس کے امام کے دو قول یا دو صورتیں ہیں تو یہ بحث مناسب ہے کیونکہ بعض اوقات وہ ایک صورت کے مطابق فتویٰ دیتا ہے تو بحث سے یہ فائدہ ہوگا کہ دونوں میں سے ایک جانب اس کا میلان ہو جائے گا (اور اس کا قوی ہونا معلوم ہو جائے گا) حالانکہ ایسے مسائل میں مناظرے نہیں ہوتے بلکہ بعض اوقات وہ مسئلہ چھوڑ دیا جاتا ہے جس میں دو صورتیں یا دو قول ہوں اور ایسا مسئلہ تلاش کیا جاتا ہے جس میں قطعاً اختلاف نہ ہو۔

چوتھی شرط:۔ وہ صرف اسی مسئلے میں مناظرہ کرے جو واقع ہو چکا ہے یا عنقریب واقع ہوگا۔ کیونکہ صحابہ کرام کی مشاورت بھی نو واقعات کے بارے میں ہوتی تھی۔ یا جن مسائل کا وقوع ہوتا جیسے وراثت کے مسائل، اور ہم نہیں دیکھتے کہ مناظرین ان مسائل میں تحقیق کا اہتمام کرتے ہوں جن میں عام لوگ مبتلا ہیں اور ان کو شرعی حکم کی ضرورت ہے۔ بلکہ وہ ایسے مسائل ڈھونڈتے ہیں جن میں جھگڑے کی گنجائش زیادہ ہو چاہے کسی طرح بھی ہو اور بعض ان مسائل کو چھوڑ دیتے ہیں جو عام واقع ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ حدیث سے متعلق ہے یا اتفاقی مسئلہ ہے اور اختلافی مسائل سے نہیں ہے پس تعجب ہے کہ مقصد تو طلب حق ہے پھر وہ مسائل کو چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ حدیث سے متعلق ہے حالانکہ امر حق تو احادیث سے ہی حاصل ہوتا ہے یا یہ کہ یہ مسئلہ طویل نہیں اور ہم اس میں کلام کو طول دینا نہیں چاہتے، حالاں کہ حق کے معاملے میں مقصود یہی ہوتا ہے کہ مختصر کلام کے ذریعے فوراً مطلب تک پہنچ جائیں نہ یہ کہ کلام کو طول دیا جائے۔

پانچویں شرط:۔ تنہائی میں مناظرہ کرنا اس کے نزدیک امراء اور بادشاہوں کی مجلس کے مقابلے میں زیادہ پسندیدہ اور اہم ہو کیونکہ خلوت میں ذہن مجتمع ہوتا ہے اور اس طرح ذہن اور فکر کی صفائی زیادہ ہوتی ہے اور حق کو پایا جا سکتا ہے جب کہ لوگوں کے سامنے ریاکاری کے لوازم متحرک ہو جاتے ہیں اور فریقین میں سے ہر ایک کو اپنی برتری کی حرص ہوتی ہے چاہے وہ حق پر ہو یا باطل پر۔ اور تم جانتے ہو کہ ان (مناظرین) کا اجتماع عوام کی خواہش رکھنا اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے نہیں ہوتا کیونکہ یہ لوگ ایک طویل عرصہ تک آپس میں تنہائی میں ملتے ہیں لیکن ایک دوسرے سے (ان مسائل کے بارے میں) کلام نہیں کرتے اور بعض اوقات اس سے سوال کیا جاتا ہے تو جواب نہیں دیتا اور جب کوئی منصب دار وہاں ہوتا ہے یا لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے تو وہ تقریر میں اپنی انفرادیت ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔

چھٹی شرط:۔ طالب حق اس شخص کی طرح ہو جس کی کوئی چیز گم ہو گئی ہو وہ اس بات میں فرق نہیں کرتا کہ گمشدہ چیز اس کے ہاتھوں ملے یا کسی معاون کے ذریعے۔ وہ اپنے ساتھی کو مددگار سمجھتا ہے مخالف نہیں سمجھتا۔ اگر وہ اسے اس کی غلطی پر آگاہ کرے اور اس کے سامنے حق کو واضح کرے تو یہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے جس طرح اگر وہ اپنی گمشدہ چیز کی تلاش میں ایک راستے پر چلے اور اس کا ساتھی بتائے کہ گمشدہ چیز

دوسرے راستے پر ہے تو وہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے اس کی برائی بیان نہیں کرتا اس کی عزت کرتا ہے اور اس بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہم مشورے اسی انداز میں ہوتے تھے۔

حتیٰ کہ ایک خاتون نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات کو تسلیم نہ کیا اور انہیں صحیح بات کی خبر دی حالانکہ اس وقت آپ لوگوں کے اجتماع میں خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا عورت نے صحیح کہا، مرد سے غلطی ہو گئی؛
ایک شخص نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک سوال کیا تو آپ نے اسے جواب دیا اس نے عرض کیا امیر المومنین! بات اس طرح نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے ٹھیک کہا مجھ سے خطا ہو گئی۔ اور ہر علم والے سے اوپر علم والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ بات بتائی جو ان سے رہ گئی تھی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب یہ عظیم عالم تم میں موجود ہے تو مجھ سے کسی بات کے بارے میں مت پوچھو۔ واقعہ یوں ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا اور شہید ہو گیا انہوں نے فرمایا وہ جنت میں جائے گا اس وقت آپ امیرِ کوفہ تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور سائل سے فرمایا دوبارہ سوال کرو شاید امیر سمجھ نہیں پائے۔ انہوں نے پھر سوال کیا حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ اگر وہ یوں قتل ہوا کہ حق پر تھا تب وہ جنت میں جائے گا، حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا حق وہی ہے جو آپ نے فرمایا، تو طالب حق کے انصاف کا تقاضا یہی ہے اگر آج کے زمانے میں اس قسم کی بات کسی ادنیٰ فقیہ کے سامنے ذکر کی جائے تو وہ اس کا انکار کرے گا اور اسے بہت بعید سمجھے گا، اور کہے گا یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ حق تک پہنچا کیونکہ یہ بات تو ہر ایک کو معلوم ہے، تو آج کے زمانے کے مناظر کو دیکھو کہ جب اس کے مخالف کی زبان پر حق بات ظاہر ہوتی ہے تو اس کا چہرہ کیسے سیاہ ہو جاتا ہے اور اسے اس وجہ سے کس قدر شرمندگی ہوتی ہے اور وہ انکار کرنے کی انتہائی کوشش کرتا ہے اور جس کے ہاتھوں ذلیل ہوا عمر بھر اس کی برائی بیان کرتا ہے پھر وہ حیا نہیں کرتا کہ اپنے آپ کو صحابہ کرام سے تشبیہ دیتا ہے کہ وہ بھی ان کی طرح حق کی تلاش میں غور و فکر کے ذریعے مددگار ہے۔

<u>ساتویں شرط</u>۔ اگر مناظرہ میں شریک دوسرا فریق بحث مباحثہ میں ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف اور ایک اعتراض سے دوسرے اعتراض کی طرف آئے تو اسے منع نہ کرے ہمارے اسلاف کے مناظرے اسی طرح ہوا کرتے تھے لہٰذا اس کے کلام سے جھگڑنے کے سلسلہ میں تمام نئی دقیق باتیں جو اس کے حق میں ہوں یا مخالف خارج ہونی چاہئیں۔ جیسے وہ کہتا کہ مجھ پر اس بات کا ذکر لازم نہیں ہے یا یہ کہ یہ بات تمہاری پہلی بات کے خلاف ہے لہٰذا قبول نہیں ہے۔ کیونکہ حق کی طرف رجوع باطل کو توڑنا ہے اور اس کو قبول کرنا واجب ہے اور تم دیکھتے ہو کہ یہ تمام مجالس ایک دوسرے

کی دلیل کو رد کرنے اور جھگڑوں پر ختم ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ جب کوئی دلیل دینے والا کسی ایک اصل کی علت ٹھہرا کر قیاس کرتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے اس پر کیا دلیل ہے کہ اصل میں اس حکم کی علت یہی ہے وہ کہتا ہے مجھے تو یہی معلوم ہوئی ہے اگر تیرے پاس اس سے زیادہ واضح اور بہتر علت ہے، تو اسے ذکر کر دتا کہ میں اس میں غور کروں تو معترض اس بات پر ڈٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کچھ تم نے ذکر کیا ہے اس میں کئی معانی ہیں لیکن میں نہیں بتاؤں گا کیونکہ یہ بات مجھ پر لازم نہیں۔ دلیل دینے والا کہتا ہے کہ تم اس کے علاوہ جس کو علت ماننے ہو اسے پیش کرو لیکن معترض اصرار کرتا ہے کہ پیش کرنا اس پر لازم نہیں۔ تو اس قسم کے سوالوں سے مجالس مناظرہ میں شور و غوغا رہتا ہے۔ اور وہ معترض بیچارہ اتنی بات نہیں سمجھتا کہ اس کا کہنا کہ مجھے یہ علت معلوم ہے لیکن میں ذکر نہیں کروں گا کیونکہ مجھ پر لازم نہیں یہ شریعت پر جھوٹ باندھنا ہے کیونکہ اگر اسے معنیٰ معلوم نہیں بلکہ وہ محض مخالف کو عاجز کرنے کے لیے یہ دعویٰ کرتا ہے تو وہ فاسق کذاب ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس کی ناراضگی کو دعوت دی کیونکہ اس نے علم کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ اس سے خالی ہے اور اگر وہ (اپنے دعویٰ میں) سچا ہے تو شریعت کی معلوم بات کو چھپانے کی وجہ سے فاسق ہو گیا حالانکہ اس کے مسلمان بھائی نے اس سے پوچھا تھا تاکہ وہ اس کو سمجھ کر اس میں غور و فکر کرے اور اگر وہ علت قوی ہے تو وہ اس کی طرف رجوع کرے اور اگر کمزور ہے تو اس کے لیے اس کی کمزوری کو واضح کرے اور اسے جہالت کے اندھیرے سے علم کے نور کی طرف لے جائے اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ علوم دین میں سے جو علم حاصل ہوا گر اس کے بارے میں پوچھا جائے تو جواب دینا ضروری ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کا یہ کہنا کہ یہ جواب اس پر لازم نہیں یعنی مناظرہ بازی کی شریعت جسے ہم نے خواہشات اور حیلہ سازی کے طریقوں میں رغبت اور کلام کے ذریعے دوسروں کو نیچا دکھانے کے سلسلے بنایا ہے اس کے مطابق پھر اس سوال کا جواب مجھ پر لازم نہیں ورنہ شرعی حکم کے مطابق لازم ہے کیونکہ اس کے ذکر سے رکنے کی وجہ سے وہ کاذب ہے یا فاسق۔

تو تمہیں صحابہ کرام کی مشاورت اور اسلاف کے مذاکرات کو دیکھنا چاہئیے کیا وہ اس طرح کے ہوتے تھے اور کیا کسی نے ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف اور قیاس سے حدیث کی طرف اور حدیث سے قرآن پاک کی طرف جانے سے منع کیا ہے بلکہ ان تمام مناظرے اسی طرح کے ہوتے تھے یعنی جو کچھ ان کے دل میں آتا تھا وہ مجلس میں ذکر کر دیتے تھے اور وہ سب اس میں غور و فکر کرتے تھے۔

آٹھویں شرط:۔ مناظرہ اس شخص سے کرے جو علم میں مشغول ہو اور اس سے جو کچھ حاصل ہونے کی توقع ہو اور اب غالباً یوں ہوتا ہے کہ وہ بڑے بڑے (علماء) کے ساتھ مناظرہ کرنے سے پرہیز کرتے ہیں کیونکہ انہیں ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ان کی زبان پر حق بات نہ آجائے۔ لہٰذا وہ اپنے سے کم علم لوگوں کے ساتھ مناظرہ کرتے ہیں تاکہ ان میں باطل کو رواج دیں۔ ان شرائط کے علاوہ بہت سی دقیق شرائط ہیں لیکن ان آٹھ شرائط سے تمہیں راہنمائی مل جائے گی کہ کون شخص اللہ تعالیٰ

کے لیے مناظرہ کرتا ہے اور کونسا آدمی دوسرے مقاصد کے لیے مناظرہ میں مصروف ہوتا ہے۔
حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص شیطان سے مناظرہ نہیں کرتا حالانکہ وہ اس کے دل پر مسلط ہے اور وہ اس کا بدترین دشمن ہے اور وہ اسے ہمیشہ ہلاکت کی طرف بلاتا ہے تو یہ شخص (شیطان کی بجائے) دوسرے لوگوں سے ان مسائل میں مناظرہ کرتا ہے جن میں مجتہد راہ صواب پاتا ہے یا صحیح اجتہاد والے کے ساتھ ثواب میں شریک ہوتا ہے تو ایسا مناظر شیطان کا کھلونا اور مخلصین کے لیے عبرت ہے۔ تو شیطان اس پر اسی لیے خوش ہوتا ہے کہ اس نے اسے آفات و مصائب کے ان اندھیروں میں غوطہ دیا جن کا ہم ذکر کریں گے اور تفصیل بیان کریں گے، ہم اللہ تعالیٰ سے اچھی مدد اور توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

مناظرہ کی آفات اور ہلاکت خیزی

واضح ہو کر جو مناظرہ حصول غلبہ، دوسروں کو لاجواب کر دینے، اپنے فضل و شرف کو ظاہر کرنے، لوگوں کے سامنے منہ کھول کھول کر باتیں کرنے، فخر و تکبر نیز دوسروں کو ذلیل و رسوا کرنے کی غرض سے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام بری عادات کا اور اللہ تعالیٰ کے دشمن شیطان کے نزدیک قابل تعریف ہے، باطنی برائیوں مثلاً تکبر، خود پسندی، حسد، بغض، پاکباز بننے اور مرتبہ وغیرہ کے ساتھ مناظرے کو وہی نسبت ہے
جو شراب کو ظاہری برائیوں مثلاً زنا، الزام تراشی، قتل، اور چوری وغیرہ کے ساتھ ہے۔ اور جس طرح وہ شخص جسے شراب نوشی اور بے حیائی کے باقی کاموں میں اختیار دیا جائے تو وہ شراب نوشی کو معمولی سمجھ کر اختیار کرتا ہے پھر وہ نشے کی حالت باقی بے حیائیوں کا بھی مرتکب ہو جاتا ہے اسی طرح جس آدمی پر دوسروں کو نیچا دکھانے اور مناظرہ میں غالب آنے کی خواہش غالب ہو اور وہ جاہ و مرتبہ کا طالب ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں تمام خباثتیں پوشیدہ ہیں اور یہ تمام اخلاق مذمومہ اس میں ہیجان پیدا کرتے ہیں۔
ان بری عادات کی مذمت میں قرآن پاک کی آیات اور احادیث شریفہ سے دلائل مہلکات کے بیان میں آئیں گے لیکن فی الحال ہم اجتماعی طور پر ان عادات کا ذکر کرتے ہیں جو مناظرہ کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔ ان میں سے ایک حسد ہے۔
اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْحَسَدُ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (۱)

"حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح آگ، لکڑی کو جلا دیتی ہے۔"

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۰ باب الحسد۔

اور مناظرہ حسد سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ بعض اوقات وہ غالب آتا ہے اور کبھی مغلوب ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کی تقریر کی تعریف کی جاتی ہے اور کبھی دوسرے شخص کی گفتگو کی تعریف ہوتی ہے تو جب تک دنیا میں ایک بھی ایسا شخص ہوگا کہ اس کے علم اور اجتہاد کی قوت کی وجہ سے اس کا ذکر کیا جائے گا یا اس کے خیال میں اس کا کلام اچھا اور فکر قوی ہوگی وہ ضرور حسد کرے گا اور اس سے نعمت کے زوال کو پسند کرے گا وہ چاہے گا کہ لوگ ظاہری اور باطنی طور پر اس سے پھر جائیں حسد ایک جلانے والی آگ ہے تو جو شخص اس میں مبتلا ہوا وہ دنیا میں عذاب میں مبتلا ہوگا اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ سخت اور بڑا ہے، اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا علم حاصل کرو جہاں سے بھی پاؤ لیکن فقہاء کے اقوال جو ایک دوسرے کے خلاف ہوں انہیں قبول نہ کرو کیونکہ وہ ایک دوسرے کے اسی طرح مخالف ہوتے ہیں جس طرح باڑے میں بکرے ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں ان مہلکات میں سے ایک چیز تکبر اور لوگوں پر بلندی حاصل کرنا ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ وَمَنْ تَوَاضَعَ رَفَعَهُ اللّٰهُ۔(۱) جس نے تکبر کیا اللہ تعالیٰ اسے پست کر دیتا ہے۔

نیز آپ نے اللہ تعالیٰ سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالْعَظَمَةُ اِزَارِیْ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَاءِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِيْهِمَا قَصَمْتُهٗ (۲) عظمت میری ازار ہے اور بڑائی میری چادر ہے لہٰذا جو شخص ان دونوں کے بارے میں مجھ سے لڑے گا میں اسے توڑ دوں گا۔"

٭ ٭ ٭

اور مناظرہ تکبر سے خالی نہیں ہوتا ہے مناظر اپنے ہم عصر اور مثل لوگوں پر تکبر کرتا ہے اور اپنی حیثیت سے بلند ہونا چاہتا ہے حتیٰ کہ وہ بیٹھنے کی جگہ پر لڑتے مرتے ہیں۔

بلند اور پست جگہ کے بارے میں ان کا جھگڑا ہوتا ہے مقام صدارت کے قریب اور دور ہونے پر تنگ راستے میں پہلے جانے پر لڑائی کرتے ہیں اور بعض اوقات ایک غبی اور مکار، دھوکے باز یہ دلیل دیتا ہے کہ وہ تو علم کی حفاظت چاہتا ہے اور مومن کو اپنے تذلیل سے منع کیا گیا ہے (۳)

چنانچہ وہ تواضع جسے اللہ تعالیٰ اور تمام انبیاء کرام نے قابل تعریف قرار دیا اسے ذلت سے تعبیر کرتا ہے اور وہ تکبر جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک برا ہے اسے دین کی عزت قرار دیتا ہے اس طرح وہ نام میں تبدیلی کرتا ہے اور مخلوق کو گمراہ کرنا چاہتا

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۱۵ (۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۸ باب البراءۃ من الکبر والتواضع۔

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۹ ابواب الفتن۔

ہے جس طرح حکمت اور علم وغیرہ کے نام بدل دیئے گئے۔
ان خرابیوں میں سے ایک کینہ ہے۔ اور مناظر اس سے خالی نہیں ہوتا۔
جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلْمُؤْمِنُ لَیْسَ بِحَقُوْدٍ (۱) مومن کینہ پرور نہیں ہوتا،

اور کینے کی مذمت میں جو احادیث آئی ہیں وہ واضح ہیں۔ اور تم مناظر کو نہیں دیکھو گے کہ وہ اپنے کینے کو چھپانے پر قادر ہو جب کوئی شخص اس کے مخالف کی بات پر سر ہلاتا ہے اور اس کے کلام پر خاموش رہتا ہے۔ اور اچھی طرح نہیں سنتا بلکہ مناظر جب یہ بات دیکھتا ہے تو دل میں کینہ چھپاتے اور دل ہی دل میں اس کو بڑھانے پر مجبور ہو جاتا ہے زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا ہے کہ وہ منافقت کرتے ہوئے چھپاتا ہے لیکن عام طور پر یہ کینہ ظاہر بھی ہو جاتا ہے اور یہ اس سے کس طرح جدا ہو سکتا ہے جب کہ تمام سننے والوں کا اس کے کلام کو ترجیح دینے پر اتفاق کرنا متصور نہیں ہوتا نیز یہ کہ ہر حالت میں اسی کے اعتراضات وجوابات کو اچھا قرار دیا جائے بلکہ اگر فریق ثانی سے چھوٹی سی بات بھی ایسی صادر ہو جائے، جس کی وجہ سے اس کے کلام کی طرف توجہ کم ہو گئی تو اس کے دل میں زندگی بھر کے لیے کینہ جم جاتا ہے۔

ان خرابیوں میں سے ایک غیبت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے (غیبت کو) مردار کھانے کے مشابہ قرار دیا ہے اور مناظر مردار کھانے کا عادی ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے مخالف کے کلام کو دوسروں تک پہنچاتے اور اس کی مذمت کرنے سے بچ نہیں سکتا زیادہ سے زیادہ یہ احتیاط کرے گا کہ اس کی جو بات بیان کرے گا تو اس میں سچ بولے گا۔ جھوٹ نہیں کہے گا لیکن اس کی وہ باتیں بیان کرے گا جو اس کے کلام میں نقصان اور کمزوری پر نیز اس کی فضیلت کی کمی پر دلالت کرتی ہوں اور یہ غیبت ہے۔ جہاں تک جھوٹ کا تعلق ہے تو وہ بہتان ہے۔ اسی طرح وہ اس بات پر قادر نہیں ہوتا کہ جو شخص اس کے کلام سے رُو گردانی کرے اور اس کے مخالف کی بات سنے اور قبول کرے وہ اس کی بے عزتی نہ کرے بلکہ وہ تو اسے جاہل، احمق، کم فہم اور کند ذہن کہتا ہے۔

ان خرابیوں میں سے ایک اپنے نفس کی تعریف کرنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ (۲) اور اپنے نفسوں کی پاکیزگی بیان نہ کرو وہ اللہ پرہیزگار لوگوں کو جانتا ہے۔

کسی دانا سے پوچھا گیا قبیح سچ کیا ہے؟ اس نے کہا کسی شخص کا اپنی تعریف کرنا اور مناظر قوت، غلبہ، اور ہم عصر

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۴۸ (۲) قرآن مجید سورۃ النجم آیت ۳۲

لوگوں سے افضل ہونے کے ساتھ اپنے نفس کی تعریف کرتا ہے اور مناظرے کے دوران یہ بات ضرور کہتا ہے کہ مجھ جیسے شخص پر اس قسم کی باتیں پوشیدہ نہیں ہیں، میں علوم میں ماہر ہوں اصول اور حفظِ حدیث میں یکتا ہوں، اور اس کے علاوہ وہ باتیں کرتا ہے جن کے ساتھ تعریف کی جاتی ہے کبھی تو وہ شیخی کے طور پر ایسا کرتا ہے اور کبھی اپنے کلام کو رواج دینے کے لیے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ شیخی دکھانا اور اپنی تعریف کرنا دونوں باتیں شرعاً اور عقلاً ممنوع ہیں۔

ان خرابیوں میں سے ایک عیب جوئی اور لوگوں کی پوشیدہ باتیں تلاش کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

وَلَا تَجَسَّسُوا۔ (۱) "اور عیب مت ڈھونڈو"

اور مناظر دوسروں کی پوشیدہ باتیں تلاش کرنے اور مخالف کی عیب جوئی میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اسے بتایا جاتا ہے کہ اس کے شہر میں فلاں مناظر آیا ہے تو وہ ایسے آدمی کو ڈھونڈتا ہے جو اس کے اندرونی حالات بتائے اور پوچھ پوچھ کر اس کی خرابیاں باہر لاتا ہے حتیٰ کہ ان کو اپنے لیے ذخیرہ بناتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت اسے ذلیل و رسوا اور شرمندہ کرے یہاں تک کہ وہ اس کے بچپن کے حالات اور بدن کے عیوب بھی معلوم کرتا ہے کہ شاید اس کی کسی لغزش یا عیب مثلاً گنجاپن وغیرہ پر مطلع ہو جائے پھر جب مخالف کی طرف سے معمولی سا غلبہ بھی دیکھتا ہے تو اگر سنجیدہ ہے تو اس کا عیب گن گن کر بتاتا ہے۔ اور لوگ بھی اس کی بات کو پسند کرتے ہیں اور یہ نکتہ سنجی اور باریک بینی سے شمار ہوتا ہے اور اگر وہ مسخرہ پن پر خوش ہونے والا ہے تو اعلانیہ طور پر اسے ذلیل کرتا ہے جیسا کہ بڑے معتبر مناظرین میں سے ایک جماعت کا حال بتایا گیا ہے۔

ان برائیوں میں سے ایک لوگوں کی برائیوں پر خوش ہونا اور ان کی خوشی پر رنجیدہ ہونا ہے حالانکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لیے کرتا ہے تو یہ عمل مومنین کے اخلاق سے بعید ہے تو جو شخص بھی اپنی فضیلت جتا کر فخر و غرور کا طالب ہوتا ہے یقیناً وہ اس بات پر خوش ہوتا ہے جو اس کے ہم عصر اور برابر کے لوگوں کو بُری لگتی ہے ان لوگوں کے درمیان بغض اس طرح ہوتا ہے جیسے سوتنوں (سوکنوں) میں ہوتا ہے جیسے ایک سوتن دوسری کو دور سے دیکھتی ہے تو کانپ اٹھتی ہے اور اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے تو تم مناظر کو بھی اسی طرح دیکھو گے جب وہ کسی مناظر کو دیکھتا ہے تو اس کا رنگ بدل جاتا ہے اور متفکر و پریشان ہو جاتا ہے گویا وہ کسی سرکش شیطان یا ضرر رساں درندے کو دیکھ رہا ہے۔ تو وہ اُلفت و راحت جو علماء کی باہمی ملاقات کے وقت پیدا ہوتی ہے کہاں گئی؟ نیز وہ اخوت، باہمی امداد اور غمی و خوشی میں شرکت جو ان حضرات سے منقول ہے کہاں ہے حتیٰ کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا فضیلت و عقل والوں کے درمیان علم، قریب کا سبب ہے جو ان کو ملاتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورہ الحجرات آیت ۱۲

تو مجھے معلوم نہیں کہ ایک جماعت ان (امام شافعیؒ) کی اقتداء کا دعویٰ کیسے کر سکتی ہے جب کہ علم ان کے درمیان ایک قطعی عداوت کا ذریعہ بن گیا، تو کیا یہ تصور ہو سکتا ہے کہ غلبہ اور فخر و غرور کی طلب کے باوجود ان کے درمیان اُنس پیدا ہو ہرگز نہیں ہرگز نہیں، اس مناظرے کی اتنی برائی ہی تمہیں کافی ہے کہ تم منافقین کی عادات اپنا لو اور مومن و متقی لوگوں کے اخلاق چھوڑ دو۔

ان خرابیوں میں سے ایک منافقت ہے اس کی مذمت میں شواہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں یہ لوگ اس کے محتاج ہیں، کیونکہ جب یہ لوگ اپنے مخالفین، ان کے دوستوں اور جماعت کے آدمیوں سے ملتے ہیں تو زبان سے محبت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے مقام و مرتبہ کے اشتیاق کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ بات گفتگو کرنے والا اور مخاطب بلکہ تمام سننے والے جانتے ہیں کہ یہ بالکل جھوٹ اور منافقت ہے کیونکہ وہ زبان سے محبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن دل میں بغض و عداوت ہوتی ہے۔ ہم اس سے اللہ بزرگ و برتر کی پناہ چاہتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا تَعَلَّمَ النَّاسُ الْعِلْمَ وَتَرَكُوا الْعَمَلَ وَتَحَابُّوا بِالْأَلْسُنِ وَتَبَاغَضُوا بِالْقُلُوبِ وَتَقَاطَعُوا فِي الْأَرْحَامِ، لَعَنَهُمُ اللهُ عِنْدَ ذَلِكَ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ (۱)

جب لوگ علم حاصل کریں اور عمل چھوڑ دیں، زبانوں سے محبت کا اظہار کریں اور دل میں عداوت ہو نیز رشتہ داروں سے تعلقات منقطع کریں تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں وہ انہیں بہرہ اور اندھا کر دیتا ہے۔

❁ ❁ ❁

اسے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا اور تجربہ سے اس حدیث کی صحت واضح ہوتی ہے۔

ان مذموم عادات میں سے ایک حق بات سے تکبر کرنا، اسے ناپسند کرنا اور اس میں جھگڑنے کی حرص ہے۔ حتیٰ کہ مناظر کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ چیز یہ ہے کہ اس کے مخالف کی زبان پر حق بات ظاہر ہو جائے اور جب ظاہر ہوتی ہے تو اس کے انکار کے لیے مکمل طور پر تیار ہو جاتا ہے اور اسے دور کرنے کے لیے دھوکہ بازی، مکر اور حیلہ گری میں حتی الامکان کوشش کرتا ہے حتیٰ کہ اختلاف و جھگڑا اس کی طبیعت میں رچ بس جاتا ہے۔ اور وہ جو بھی بات سنتا ہے اس کی طبیعت اعتراض کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے یہاں تک کہ یہ بات قرآن پاک کے دلائل اور الفاظ شرعیہ کے بارے میں بھی اس کے دل پر غالب آجاتی ہے چنانچہ وہ ان میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں لاتا ہے۔ حالانکہ جھگڑا تو باطل کے مقابلے میں بھی ممنوع ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باطل کے خلاف حق کے ساتھ نہ

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۶ ص ۲۶۴

لڑنے کو پسند فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُبْطِلٌ بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي أَعْلَى (۱)

جو شخص باطل کے لیے جھگڑا چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے ایک کونے میں گھر بناتا ہے اور جو آدمی حق پر ہونے کے باوجود بھی جھگڑا نہیں کرتا اس کے لیے اللہ تعالیٰ سب سے اوپر والی جنت میں گھر بناتا ہے۔

٭ ٭ ٭

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو برابر قرار دیا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ (۲)

اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتا ہے یا جب اس کے پاس حق آئے تو اسے جھٹلاتا ہے۔

اور ارشاد فرمایا۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ (۳)

اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتا ہے اور سچ کو جھٹلاتا ہے جب وہ اس کے پاس آتا ہے۔"

ان خرابیوں میں سے ایک ریاکاری ہے، لوگوں کو دکھانا اور ان کے دلوں اور چہروں کو اپنی طرف پھیرنا ہے۔ ریاکاری وہ لاعلاج مرض ہے جو کبیرہ گناہوں میں سے بھی بڑے گناہوں کی دعوت دیتی ہے۔ جیسا کہ ریاکاری کی بحث میں آئے گا۔ اور مناظر کا مقصد مخلوق کے سامنے ظاہر ہونا اور ان کی زبانوں پر اپنی تعریف کو جاری کروانا ہوتا ہے۔

تو یہ دس عادات جو باطنی برائیوں کی جڑ ہیں اور یہ ان خرابیوں کے علاوہ ہیں جو غیر سنجیدہ مناظرین میں پیدا ہوتی ہیں مثلاً اس انداز میں جھگڑا کہ۔ دوسروں کو مارنا، تھپڑ رسید کرنا، چہرے پر مارنا کپڑے پھاڑنا اور داڑھی پکڑنا، والدین اور اساتذہ کو گالی دینا، واضح الفاظ میں الزام لگانا پایا جاتا ہے۔

تو یہ لوگ انسانیت کے دائرے سے خارج ہیں، ان میں سے جو اکابر اور عقلمند ہیں ان میں وہ دس خصلتیں ضرور پائی جاتی ہیں البتہ بعض حضرات ان میں سے بعض خرابیوں سے محفوظ رہتے ہیں لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا مدمقابل اس سے کم درجہ رکھتا ہو یا اس سے بلند مرتبہ ہو یا اس کے شہر اور اسبابِ معیشت سے دور ہو لیکن جب ہم پلہ لوگوں

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۱۳۱ الترہیب من المراء (۲) قرآن مجید سورۂ عنکبوت آیت نمبر ۶۸۔
(۳) قرآن مجید سورۂ زمر آیت نمبر ۳۲

سے مناظرہ ہو تو ان عادات سے خالی نہیں ہوتا۔

پھر ان دس خصلتوں سے دوسری دس بے ہودہ حرکات پیدا ہوتی ہیں ہم ان میں سے ہر ایک کو تفصیل سے ذکر کر کے کلام کو طول نہیں دیتے مثلاً ناک چڑھانا غصہ کرنا، دشمنی رکھنا، طمع کرنا، مال اور مرتبہ کی طلب سے محبت کرنا تاکہ وہ غلبہ پا نے اور فخر کرنے پر قادر ہو سکے، غرور، اکڑ مالداروں اور حکمرانوں کی تعظیم، ان کے پاس آنا جانا، ان کے حرام مال میں سے لینا، گھوڑوں، سواریوں اور ممنوع کپڑوں کے ساتھ زینت اختیار کرنا تکبر و غرور کے ذریعے دوسروں کو حقیر سمجھنا، بے مقصد باتوں میں مشغول رہنا اور زیادہ گفتگو کرنا، دل سے خشیت الٰہی، خوف خدا اور جذبہ رحم کا نکل جانا، اس پر غفلت کا غالب آجانا حتی کہ ان میں سے نماز پڑھنے والے کو نماز میں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کس قدر نماز پڑھی ہے قرآن پاک سے کیا پڑھ رہا ہے اور کس کے ساتھ مناجات کر رہا ہے تمام عمر علوم میں مستغرق رہنے کے باوجود دل میں خشوع کی خبر تک نہیں۔ تو یہ وہ علوم ہیں جو اسے مناظرہ میں مدد دیتے ہیں لیکن آخرت میں کوئی نفع نہ دیں گے۔ کیونکہ یہ عمدہ عبارت، مسجع مقفیٰ الفاظ نادر و عجیب باتوں کا یاد ہونا وغیرہ۔ بے شمار امور ہیں مناظرہ کرنے والے اس سلسلے میں اپنے اپنے درجات کے مطابق مختلف ہیں اور ان کے درجات بھی مختلف ہیں ان میں سے جو زیادہ دیندار اور بڑا عقلمند ہوتا ہے وہ بھی ان بری عادات سے خالی نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ نفس پر کنٹرول کر کے ان باتوں کو پوشیدہ رکھتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ رذیل عادات اس شخص کے ساتھ بھی رہتی ہیں جو وعظ و نصیحت میں مشغول رہتا ہے جبکہ اس کا مقصد یہ ہو کہ اس کو مقبولیت حاصل ہو اور مقام و مرتبہ اور عزت و جاہ کا طالب ہو۔ نیز جو شخص مذہب و فتاویٰ کے علم میں مشغول ہوتا ہے اس میں بھی یہ بری عادات پائی جاتی ہیں جب اس کا مقصد عہدۂ قضا اور تولیتِ اوقاف اور ہم عصر لوگوں پر فوقیت حاصل کرنا ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ خصائل رذیلہ ہر اس شخص کے ساتھ ہوں گی جو علم کے ذریعے ثوابِ آخرت کے علاوہ تلاش کرتا ہے تو علم، عالم کو اسی طرح نہیں چھوڑتا بلکہ اسے ہمیشہ کی ہلاکت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَالِمٌ لَا یَنْفَعُہُ اللّٰہُ بِعِلْمِہٖ (۱)	قیامت کے دن سب سے سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جسے اس کے علم نے نفع نہ دیا ہو۔

یہاں تو علم نے نفع کی بجائے نقصان دیا کاش کہ وہ برابر برابر ہی نجات پا لیتا ہے۔

خبردار! خبردار! علم کا خطرہ بہت بڑا ہے اور اس کا طالب، ہمیشہ کی بادشاہی اور دائمی نعمتوں کا طالب ہے تو لازماً یا

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۸۷

بادشاہی حاصل کرے گا یا ہلاک ہوگا۔ اور یہ اس شخص کی طرح ہے جو دنیوی سلطنت چاہتا ہے اگر اسے مال حاصل نہ ہو سکے۔ تو ذلت سے بچنے کی امید نہ کی جائے بلکہ وہ بہت زیادہ رسوا ہوگا۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر تم کہو کہ مناظرے کی اجازت دینے میں فائدہ ہے یعنی اس کے ذریعے لوگوں کو علم کی ترغیب دی جاتی ہے کیوں کہ ریاست کی محبت نہ ہو تو علوم مٹ جائیں گے۔ تو جو کچھ تم نے کہا ایک طرح سے سچ کہا لیکن یہ بے فائدہ ہے، کیونکہ جب تک بچے کو گیند بلے اور چڑیوں سے کھیلنے کی رغبت نہ دی جائے وہ مکتب میں دلچسپی نہیں لیتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں رغبت محمود ہے۔ اور اگر محبت ریاست وعہدہ نہ ہو تو علم مٹ جائے گا اور اس میں اس بات پر بھی کوئی دلالت نہیں کہ حکومت چاہنے والا نجات پائے گا۔ بلکہ وہ ان لوگوں میں شامل ہے جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِاَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَھُمْ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایسے لوگوں سے بھی لیتا ہے جن کا کوئی اخلاق نہیں،،

پھر آپ نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ فاجر آدمی سے بھی اس دین کو تقویت دیتا ہے،،

تو طالب حکومت، ذاتی طور پر ہلاک ہو رہا ہے اور بعض اوقات اس کی وجہ سے دوسروں کی اصلاح ہو جاتی ہے اگر وہ انہیں ترک دنیا کی دعوت دے اور یہ اس شخص میں ہوتا ہے کہ جس کے ظاہری معاملات علماء سلف کے ظاہر کی طرح ہوتے ہیں لیکن وہ دل میں حصولِ مرتبہ کا قصد چھپائے ہوتا ہے۔ اس کی مثال وہ شمع ہے جو خود جل جاتی ہے لیکن دوسروں کو روشنی پہنچاتی ہے۔ تو دوسروں کی اصلاح اس کی اپنی ہلاکت میں ہے اور اگر وہ دوسروں کو طلب دنیا کی دعوت دیتا ہے تو اس کی مثال اس جلانے والی آگ کی طرح ہے جو خود بھی جلتی ہے اور دوسروں کو بھی جلا دیتی ہے۔

اقسام علماء

علماء تین قسم کے ہیں۔

ایک وہ جو خود بھی ہلاک ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی ہلاک کر دیتے ہیں، یہ وہ علماء ہیں جو علانیہ طور پر دنیا طلب کرتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۲۳

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۳۱ باب ان اللہ لیؤید۔

دوسرے وہ جو خود بھی سعادت مند ہیں اور دوسروں کو بھی خوش بخت بنا دیتے ہیں۔ یہ وہ علماء ہیں جو مخلوق کو ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔

تیسری قسم کے علماء وہ ہیں جو اپنے آپ کو ہلاک کرتے اور دوسروں کی خوش بختی کا باعث ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آخرت کی طرف بلاتے ہیں اور ظاہر میں دنیا کو چھوڑ بیٹھے ہیں لیکن اندرونی طور پر ان کا مقصد لوگوں میں مقبولیت حاصل کرنا اور جاہ و مرتبہ کی خواہش ہے۔

تو تم دیکھو کہ تم ان میں سے کس قسم کے علماء میں شامل ہو۔ اور تم کس کے لیے تیاری میں مشغول ہو اور یہ خیال مت کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور عمل کو قبول کرے گا جو خالصتاً اس کے لیے نہ ہو، ریاکاری کے بیان میں بلکہ مہلکات کی بحث میں اس قسم کی گفتگو ہوگی جو تم سے شک کو دور کر دے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پانچواں باب

متعلم و معلّم کے آداب

متعلم (سیکھنے والے) کی ظاہری آداب تو بہت زیادہ ہیں لیکن وہ دس جملوں میں منظم کر دیئے گئے ہیں۔

پہلا ادب:۔ سب سے پہلے اپنے نفس کو بری عادات اور مذموم اوصاف سے پاک کرنا ہے کیونکہ علم، دل کی عبادت اور باطن کی نماز اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ تو جس طرح ظاہری اعضا کی عبادت نماز اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک ظاہر کو حکمی اور حقیقی نجاستوں سے پاک نہ کر لیا جائے اس طرح اندر کی عبادت کی درستگی اور علم کے ذریعے دل کی اصلاح بھی تب ہی ہوگی جب دل کو بری عادات اور ناپاک خیالات سے پاک کر لیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

بُنِيَ الدِّيْنُ عَلَى النَّظَافَةِ (۱) "دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے"۔

اور یہ طہارت ظاہر و باطن دونوں کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (۲) بے شک مشرک ناپاک ہیں۔

اس میں عقلمند لوگوں کو خبردار کیا ہے کہ طہارت اور نجاست صرف ظاہر پر موقوف ہیں جو حواس کے ذریعے معلوم ہو جائے کیونکہ بعض اوقات مشرک کے کپڑے صاف ہوتے ہیں اور اس نے غسل بھی کیا ہوتا ہے لیکن پھر بھی اس کا باطن ناپاک ہوتا ہے یعنی اس کا دل ناپاکیوں سے آلودہ ہوتا ہے نجاست اس چیز کا نام ہے جس سے پرہیز کیا جائے اور اس سے دوری اختیار کی جائے۔ اور قلبی نجاستوں سے پرہیز کرنا تو زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ فی الحال یہ محض نجاستیں ہیں اور بالآخر ہلاکت کا باعث ہوں گی اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ (۱) فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو۔

اور دل ایک گھر ہے جو فرشتوں کی منزل ان کے اثرات کا مرکز اور ان کے ٹھہرنے کا مقام ہے اور بری صفات مثلاً غصہ، شہوت، کینہ، حسد، تکبر، خود پسندی وغیرہ بھونکنے والے کتے ہیں تو فرشتے کس طرح دل میں داخل ہوں

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۹۱ (۲) قرآن مجید سورہ آیت ۔۔۔

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸۰ باب التصاویر۔

جب کہ یہ کتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ علم کا نور دل میں فرشتوں کے واسطہ سے ڈالتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۤئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۤءُ (۱)

کسی انسان کے لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا رسولوں کو بھیجتا ہے تو جو کچھ چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی فرماتا ہے۔

☆ ☆ ☆

تو اسی طرح علوم کی رحمت جو دلوں کی طرف بھیجی جاتی ہے وہ ان فرشتوں کے ذریعے آتی ہے جو اس پر مقرر ہیں۔ اور وہ پاک ہیں بری خصلتوں سے مبرا ہیں، وہ تو پاک جگہ ہی دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جو خزانے ان کے پاس ہیں ان کو بھی پاک صاف دل میں بھرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ لفظ بیت (گھر) سے مراد دل ہے اور کتے سے مراد غصہ اور دیگر عادات مذمومہ ہیں لیکن میں یہ بات کہتا ہوں کہ یہ اس بات پر تنبیہ ہے۔ تو اس طرح ظاہر سے باطنی معنی مراد لینے اور ظاہر کے ذکر سے باطنی امور پر آگاہی حاصل کرنا جب کہ ظاہر کو برقرار رکھا جائے ان دونوں باتوں میں فرق ہے تو اس نکتہ کے ذریعے باطنی فرقہ کا عقیدہ الگ ہو گیا۔

کیونکہ عبرت پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ دوسرے آدمی کو کہا جائے اسے اس کے ساتھ مخصوص نہ سمجھے جیسے کوئی عقلمند آدمی دوسرے شخص کو مصیبت میں مبتلا دیکھے تو اس سے عبرت حاصل کرتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ وہ بھی مصیبت کا نشانہ بن سکتا ہے۔ اور دنیا میں انقلاب ہوتا رہتا ہے لہٰذا دوسرے کے حالات سے خود عبرت حاصل کرنا اور اپنی حالت سے اصل دنیا کا اندازہ لگانا عبرت محمودہ ہے تو تم بھی اس گھر سے جو مخلوق بناتی ہے دل کا اندازہ لگاؤ جو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا گھر ہے اور اس کتے سے جس کی مذمت عادت کی وجہ سے ہے صورت کی وجہ سے نہیں یعنی اس میں درندگی اور نجاست ہے اس روح کا اندازہ لگاؤ جس میں درندگی پائی جاتی ہے۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جو دل غصے اور دنیا کی حرص سے بھرا ہوا ہے اس پر لڑنا جھگڑنا اور لوگوں کی ہتک عزت پر حریص ہے معنوی طور پر کتا ہے صورت کے لحاظ سے دل ہے تو نور بصیرت معانی کو دیکھتا ہے صورتوں کو نہیں اس عالم میں صورتیں، معانی پر غالب ہیں اور معانی ان صورتوں میں چھپے ہوئے ہیں جب کہ آخرت میں صورتیں، معانی کی اتباع کریں گی اور معانی غالب ہوں گے، اسی لیے ہر شخص کا حشر اس کی معنوی صورت پر ہوگا وہ شخص جو لوگوں کی عزت خراب کرتا ہے اس کا حشر شکاری کتے کی طرح ہوگا اور ان کے احوال پر حرص کرنے والے کا حشر ظالم بھیڑیے جیسا ہوگا تکبر کرنے

(۱) قرآن مجید سورہ شوریٰ آیت ۵۱۔

والے کا حشر چیتے کی صورت میں اور حکومت کے طالب کا حشر شیر کی صورت میں ہو گا، اس سلسلے میں احادیث مبارکہ وارد ہیں اور بصیرت و بصارت کے حامل حضرات کے نزدیک اس پر عبرت شاہد ہے،

اگر تم کہو کہ کتنے ہی طالب علم ہیں جو بُرے اخلاق کے مالک ہیں لیکن انہوں نے علوم حاصل کئے، لیکن افسوس کہ وہ علم حقیقی سے جو آخرت میں نفع دے گا اور خوش بختی کا باعث ہو گا اس سے کس قدر دُور ہیں کیونکہ علم کا آغاز یہ ہے کہ طالب علم پر ظاہر ہو جائے کہ گناہ زہر قاتل ہیں اور ہلاک کرنے والے ہیں کیا تم نے کسی کو دیکھا ہے کہ وہ اس بات کو جانتے ہوئے کہ زہر قاتل ہے اسے استعمال کرے جس علم کو تم نے رسمی لوگوں سے سنا ہے وہ ایک بات ہے جسے وہ ایک مرتبہ اپنی زبان پر لاتے ہیں اور دوسری بار اپنے دلوں سے اسے رد کر دیتے ہیں حالانکہ اس کا علم سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ " علم، کثرت روایات کا نام نہیں بلکہ علم ایک نور ہے جو دلوں میں ڈالا جاتا ہے" بعض علماء نے فرمایا، "علم تو خوف خدا کا نام ہے"

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (۱) بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں"

٭ ٭ ٭

کیونکہ علم کے سب سے زیادہ خاص نتائج کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اسی لیے بعض محققین نے اس جملہ کا مفہوم یوں بیان کیا ہے۔

" ہم نے اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے علم سیکھا لیکن علم نے غیر خدا کے لیے ہونے سے انکار کیا"

یعنی علم نے ہم سے کنارہ کشی کی اور ہمارے لیے حقیقت واضح نہ ہوئی بلکہ ہمیں فقط اس کی حدیث اور الفاظ حاصل ہوئے

اگر تم کہو کہ میں نے محقق فقہ علماء کی ایک جماعت دیکھی ہے جنہوں نے اصول و فروع میں شہرت حاصل کی اور وہ بڑے بڑے ماہر علماء میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کے اخلاق بُرے ہیں وہ ان سے پاک نہ ہو سکے۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ جب تم علوم کے مراتب اور علم آخرت کی معرفت حاصل کر لو گے تو تم پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ جس چیز میں مشغول ہیں وہ بطور علم ان کو بہت کم نفع دیتا ہے ان کو فائدہ اس عمل سے ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں جب ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہو، اس سے پہلے ہم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے عنقریب اس سلسلے میں مزید بیان اور وضاحت آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

<u>دوسرا ادب</u>:۔ دنیوی معاملات میں اس کی مشغولیت بہت کم ہو اور وہ اپنے رشتہ داروں اور وطن سے دُور ہو،

---

(۱) قرآن مجید سورۂ فاطر آیت ۲۸

کیونکہ یہ تعلقات اسے مشغول رکھتے اور علم سے پھیر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی میں دو دل نہیں رکھے۔ بعض اوقات سوچ منتشر ہو جاتی ہے تو حقائق کے دریافت کرنے میں کوتاہی ہو جاتی ہے اسی لیے کہا گیا ہے "علم تجھے اپنا بعض نہیں دے گا جب تک تو اسے اپنا سب کچھ نہ دے دے جب تو اسے اپنا سب کچھ دے دے گا تو تمہیں تھوڑا بہت علم ضرور ملے گا اور انسانی فکر جو مختلف امور میں بٹی رہتی ہے وہ اس نالی کی طرح ہے جس کا پانی بکھر گیا کچھ حصے کو زمین نے خشک کر دیا اور کچھ پانی ہوا میں چلا گیا لہٰذا اتنا پانی نہ ہوگا جو اکٹھا ہو کر کھیتی کو سیراب کرتا۔

تیسرا ادب:۔ طالب علم کا تیسرا ادب یہ ہے کہ وہ علم پر تکبر نہ کرے اور اپنے استاد پر حکم نہ چلائے بلکہ اپنے کام کی لگام مکمل طور پر اس کے ہاتھ میں دے دے اور اس کی نصیحت پر اس طرح کان دھرے جس طرح ایک جاہل مریض، شفیق اور ماہر ڈاکٹر کی ہدایت کو سنتا ہے اسے چاہیے کہ استاذ کے سامنے تواضع اختیار کرے اور اس کی خدمت کو ثواب اور عزت کا سبب جانے۔

حضرت شعبی فرماتے ہیں، "حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کی نماز جنازہ پڑھی پھر ان کی خچر قریب لائی گئی تاکہ سوار ہوں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تشریف لے آئے انہوں نے اس کی رکاب پکڑلی حضرت زید نے عرض کیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اسے چھوڑ دیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہمیں علماء اور اکابرین کے ساتھ اسی طرح پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور فرمایا ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لَيْسَ مِنْ اَخْلَاقِ الْمُؤْمِنِ التَّمَلُّقُ اِلَّا فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ (۲)

"ایمان دار کے اخلاق سے خوشامد کرنا نہیں البتہ طلب علم کے لیے ایسا کر سکتا ہے"

لہٰذا طالب علم کو استاذ سے تکبر نہیں کرنا چاہیے مثلاً یہ کہ مشہور و معروف علماء کے علاوہ کسی سے استفادہ کرنے میں نفرت کرے اور یہ عین حماقت ہے کیونکہ علم تو نجات اور سعادت کا سبب ہے تو جو شخص کسی ضرر رساں درندے سے راہ فرار اختیار کرے تو وہ اس بات میں تمیز نہیں کرتا کہ بھاگنے کا طریقہ بتانے والا کوئی مشہور آدمی ہو یا گمنام۔ اور اللہ تعالیٰ سے بے خبر لوگوں کے لیے آگ کی درندگی کا نقصان تمام درندوں کے نقصان سے زیادہ سخت ہے تو حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے جہاں بھی پائے اسے غنیمت سمجھے، اور اس شخص کا احسان مند ہو جس نے اس کی طرف بلایا وہ جو بھی ہو اسی لئے کہا گیا ہے "علم کو اس نوجوان سے عداوت ہے جو تکبر کرتا ہے جس طرح بلند مکان سے سیلاب کو دشمنی ہوتی ہے تو

---

(۱)

(۲) الکامل لابن عدی جلد ۲ ص ۱۲۔

تواضع اور غور سے سننے کے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (۱)

بے شک اس میں نصیحت ہے اس شخص کے لیے جس کے لیے دل ہے اور وہ دل کی حاضری کے ساتھ کان لگاتا ہے۔

اس کے دل والا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ علم کو سمجھنے کے قابل ہو پھر وہ اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک غور سے نہ سنے اور دل بھی حاضر نہ ہو، تاکہ جو کچھ اسے بتایا جائے اسے اچھی طرح سنے انکساری، شکر اور خوشی کے ساتھ اس کا استقبال کرے اور احسان کو قبول کرے استاذ کے سامنے شاگردوں کو یوں رہنا چاہیے جیسے نرم زمین ہوتی ہے جو موسلا دھار بارش کو جذب کر لیتی ہے اور اسے مکمل طور پر قبول کر لیتی ہے۔ بعض اوقات استاذ اسے علم کا ایک طریقہ بتاتا ہے تو وہ اسے اختیار کرتا ہے اور اپنی رائے کو چھوڑ دیتا ہے کیوں کہ مرشد کی خطا اس (شاگرد یا مرید) کی درست رائے کے مقابلے میں زیادہ نفع دیتی ہے کیونکہ تجربہ سے ایسی باریک باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کے سننے پر تعجب ہوتا ہے حالانکہ اس کا نفع زیادہ ہوتا ہے کتنے ہی گرم مزاج مریض ہیں کہ بعض اوقات ڈاکٹر ان کا علاج گرم دواؤں کے ساتھ کرتا ہے تاکہ اس کی حرارت اتنی مضبوط ہو جائے کہ وہ علاج کا صدمہ برداشت کر سکے تو اس بات پر اسی شخص کو تعجب ہوتا ہے جو فنِ علاج سے واقف نہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ میں اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے جب حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:۔

إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا، وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا۔ (۲)

بے شک آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے اور آپ اس بات پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کی آپ کو خبر نہیں۔

پھر انہوں نے ان پر خاموش رہنے اور بات ماننے کی پابندی لگا دی، اور فرمایا:۔

فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۔ (۳)

اگر آپ میرے پیچھے آنا چاہتے ہیں تو کسی بات کے بارے میں نہ پوچھنا جب تک میں خود آپ کے سامنے اس کا ذکر نہ کروں۔

٭ ٭ ٭ ٭

پھر وہ صبر نہ کر سکے اور بار بار ان کو ٹوکتے رہے حتیٰ کہ یہ بات ان کے درمیان جدائی کا باعث بن گئی۔

خلاصہ یہ کہ ہر وہ طالب علم جو استاذ کی رائے کے مقابلے میں اپنی ذاتی رائے اور اختیار کو ترجیح دیتا ہے وہ محرومی اور نقصان کا شکار رہتا ہے۔

اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ق آیت ۳۷ (۲) قرآن مجید سورہ کہف آیت ۶۷، ۶۸ (۳) ″ ″ ″ آیت (۷۰)

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[1] "اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے"
تو پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تو جان لو کہ باپ یہی ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب استاذ اسے پوچھنے کی اجازت دے کیونکہ جو چیز تمہاری سمجھ سے بالا ہو اس کے بارے میں پوچھنا مذموم ہے اسی لیے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوال کرنے سے منع کر دیا تھا مقصد یہ کہ اس کے وقت سے پہلے نہ پوچھو۔ تو معلم کو معلوم ہے کہ تم کس بات کے اہل ہو اور اسے ظاہر کرنے کا کونسا وقت ہے اور جس چیز کے بیان کا وقت نہیں آتا ابھی اس کے بارے میں سوال کا وقت بھی نہیں آیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عالم کا حق یہ ہے کہ اس سے زیادہ سوالات نہ کئے جائیں اور جواب میں اس کی ہتک نہ کرو اور جب وہ تھک جائے تو اصرار نہ کرو۔ جب وہ اٹھنے لگے تو اس کے کپڑے نہ پکڑو اس کے راز مت تلاش کرو اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو اور نہ اس کی لغزش تلاش کرو اگر اس سے لغزش ہو جائے تو معذرت قبول کرو اور تم پر لازم ہے کہ اس کی عزت اور تعظیم کرو جب تک وہ دین خداوندی کی حفاظت کرتا ہے اس سے آگے نہ بیٹھو اگر اسے کوئی حاجت ہو تو پوری قوم خدمت کے لیے آگے بڑھے۔

چوتھا ادب:- ابتداء میں طالب علم لوگوں کے اختلاف میں غور و خوض کرنے سے احتراز کرے چاہے وہ علوم جن میں غور کر رہا ہے دنیوی ہو یا اُخروی۔ کیونکہ یہ بات اس کی عقل و ذہن کو حیران کر دے گی اس کی رائے سست ہو جائے گی اور مسئلے کو پانے اور اس پر مطلع ہونے سے مایوسی پیدا ہو گی، بلکہ اس کو چاہیئے کہ ایک عمدہ طریقہ جو استاذ کے ہاں بھی پسندیدہ ہو اس کا یقین کرے اس کے بعد دیگر مذاہب اور ان کے شبہات کو سنے اگر اس کے استاد کی ایک مستقل رائے نہ ہو بلکہ اس کی عادت مختلف مذاہب اور ان میں بحث کو نقل کرنا ہو تو اس سے بچے کیونکہ وہ ہدایت دینے کی نسبت زیادہ گمراہ کرتا ہے اندھا، اندھوں کی قیادت اور راہنمائی نہیں کر سکتا۔ اور جس شخص کی یہ حالت ہو وہ خود حیرت اور جہالت کے جنگلوں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ ابتدائی طالب علم کو شبہات سے روکنا ایسا ہی ہے جیسے کسی نو مسلم کو کفار کے ساتھ میل جول سے منع کیا جائے۔

اور منتہی طالب علم کو اختلافات میں غور کرنے کی دعوت دینا ایسے ہی ہے جیسے مضبوط ایمان والے کو کفار کے پاس جانے کے لیے ترغیب دینا ہے (تاکہ ان کو دعوتِ اسلام دے) یہی وجہ ہے کہ کفار کے لشکر پر حملہ کرنے کے لیے کسی بزدل کو نہیں بلاتے بلکہ کسی شجاع (بہادر) کو بلایا جاتا ہے اس باریکی سے غفلت کی وجہ سے بعض کمزور لوگوں نے خیال کیا کہ جو معاملات مضبوط لوگوں سے منقول ہیں ان میں ان کی پیروی کرنا جائز ہے اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ قوی

---

[1] قرآن مجید سورہ نحل آیت ۴۳

لوگوں کا معاملہ کمزوروں کے معاملہ سے الگ ہے اس سلسلے میں بعض حضرات نے فرمایا ، جس نے مجھے ابتداء میں دیکھا وہ دوست بن گیا اور جس نے مجھے انتہاء میں دیکھا وہ زندیق ہوگیا۔ کیوں کہ آخر میں اعمال باطن کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور ظاہری اعضاء فرائض سے علاوہ حرکات سے خاموش ہو جاتے ہیں اور دیکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سستی اور بیکاری کی وجہ ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

بلکہ یہ تو شہود و حضور میں دل کی نگرانی اور دائمی ذکر کو اختیار کرنا ہے جو تمام اعمال سے افضل ہے اور ضعیف آدمی، قوی کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اسے لغزش تصور کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح عذر پیش کرتا ہے جو پانی کے ایک لوٹے میں تھوڑی سی نجاست ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ اس سے کئی گنا زیادہ نجاست سمندر میں ڈالی جاتی ہے اور سمندر تو لوٹے سے بہت بڑا ہے تو جو چیز سمندر کے لیے جائز ہے وہ لوٹے کے لئے زیادہ جائز ہوگی حالانکہ اس بیچارے کو معلوم نہیں کہ سمندر اپنی قوت کی وجہ سے نجاست کو پانی میں بدلتا ہے اور سمندر کے غلبہ کی وجہ سے نجاست بھی اس کی صفت اختیار کر لیتی ہے۔ جب کہ تھوڑی نجاست لوٹے پر غالب آتی ہے اور اسے بھی اپنی صفت پر لے آتی ہے، اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ عمل بھی جائز قرار دیا گیا جو دوسروں کے لیے جائز نہیں حتیٰ کہ آپ کے لیے بیک وقت نو بیویاں رکھنا جائز تھا۔ (۱)

کیونکہ عورتوں سے انصاف کرنے کے سلسلے میں آپ کو قوت حاصل تھی اگرچہ وہ زیادہ ہوں لیکن دوسرے لوگ تھوڑی عورتوں سے بھی انصاف نہیں کر سکتے بلکہ ان کے درمیان کا نقصان اس آدمی تک پہنچ جاتا ہے حتیٰ کہ وہ ان کی رضا جوئی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تک پہنچ جاتا ہے تو جو شخص فرشتوں کو لوہاروں پر قیاس کرے وہ کہاں فلاح پا سکتا ہے۔

<u>پانچواں ادب</u>:۔ طالب علم، علوم محمودہ میں سے کسی فن اور کسی نوع کو نہ چھوڑے بلکہ اس میں اس قدر غور کرے کہ اس مقصود اور علت غائیہ تک پہنچ جائے۔ پھر اگر عمر وفا کرے تو اس میں مہارت حاصل کرے ورنہ اس سے اہم میں مشغول ہو جائے۔ اور اسے حاصل کرے اور باقی علوم میں سے بھی تھوڑا تھوڑا حاصل کرے کیونکہ علوم ایک دوسرے کے معاون اور آپس میں مربوط ہیں اور جو شخص فی الحال ان سے الگ رہتا ہے تو وہ جہالت کی وجہ سے اس علم سے عداوت رکھتا ہے کیونکہ آدمی جس چیز سے بے علم ہوتا ہے اس کا دشمن بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ (۲)

اور جب وہ اس کے ذریعے راہ پر نہ آئے تو عنقریب کہیں گے یہ تو قدیم جھوٹ ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے "جس مریض کا منہ کڑوا ہو تو وہ میٹھے پانی کو کڑوا سمجھتا ہے پس علوم کے مختلف درجات ہیں

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵۸، باب کثرۃ النساء (۲) قرآن مجید سورۂ احقاف آیت ۱۱

یا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاتے ہیں یا اس سلوک میں کسی نہ کسی طرح مددگار ہوتے ہیں۔ اور مقصود سے دوری یا قربت میں ہر علم کا ایک مقرر مقام ہے، ان علوم کو قائم کرنے والے ان کے محافظ ہیں جیسے جہاد میں اسلامی سرحدوں کے محافظ ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک کے لیے ایک رتبہ ہے اور اسی درجہ کے مطابق ہر ایک کو آخرت میں ثواب حاصل ہوگا۔ جب کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔

چھٹا ادب :- علوم کے کسی فن کو دفعتاً اختیار نہ دے بلکہ ترتیب کا لحاظ رکھے سب سے اہم کے ساتھ آغاز کرے کیونکہ عام طور پر عمر تمام علوم کے لیے کافی نہیں ہوتی لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ ہر چیز میں سے عمدہ کو حاصل کرے اور اس میں سے تھوڑی پر قناعت کرے اور اس تھوڑے سے علم کے باعث جو قوت حاصل ہوتی ہے اسے اس علم کی تکمیل پر خرچ کرے جو تمام علوم سے زیادہ شرف کا حامل ہے اور وہ علم آخرت ہے یعنی علم معاملہ اور علم مکاشفہ، علم معاملہ کی انتہا علم مکاشفہ ہے اور علم مکاشفہ کا انجام اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور اس سے میری مراد وہ عقائد نہیں جیسے عوام الناس نے باپ دادا سے وراثتاً پایا یا کسی سے زبانی سنا۔ اور نہ ہی طریق کلام اور مجادلہ مراد ہے جس کے ذریعے وہ مقابل کی دھوکہ بازی سے اپنے کلام کو محفوظ رکھتا ہے اور یہی متکلمین کا مقصود ہوتا ہے لیکن ہمارا مقصود ایک قسم کا یقین ہے جو اس نور کا نتیجہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اس بندے کے دل میں ڈالتا ہے جس نے مجاہدے کے ذریعے اپنے باطن کو خباثتوں سے پاک کر لیا ہو، حتیٰ کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتبۂ ایمان کو پہنچ جاتا ہے اور یہ وہ رتبہ ہے کہ اگر ایسے تمام علماء کے ایمان کے ساتھ تولا جائے، تو یہ بھاری ہو جائے (۱)

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی گواہی دی ہے ہمارا نظریہ یہ بھی نہیں کہ عام لوگ جس کا اعتقاد رکھتے ہیں اور متکلم جو جس بات کو مرتب کرتا ہے وہ بھی عام آدمی سے صرف صنعت کلام میں فوقیت رکھتا اسی لیے اس کے فن کو کلام کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ اور باقی صحابہ کرام اس سے عاجز تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان پر اس وجہ سے فوقیت تھی بلکہ آپ کی فضیلت کا باعث وہ باطنی راز تھا جو آپ کے سینے میں بٹھا ہو گیا تھا۔ ان لوگوں پر تعجب ہے جو صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی باتیں سنتے ہیں پھر اس سنی ہوئی بات کو معمولی سمجھتے اور خیال کرتے ہیں کہ یہ صوفیوں کی بیہودہ اور عقل کے خلاف باتیں ہیں تو آدمی کو چاہیے کہ اس بارے میں غور کرے کیونکہ اسی مقام پر اصل مال ضائع ہو جاتا ہے تو تمہیں اس بھید کی معرفت کا حریص ہونا چاہیے جو فقہاء و متکلمین کی ہمت اور سرمایہ سے خارج ہے اور جب تک تجھے اس کی طلب پر حرص نہ ہو تجھے اس کی راہ نہیں مل سکتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ بہترین علم بلکہ تمام علوم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی گہرائی معلوم

---

(۱) حدیث کے الفاظ یہ ہیں لو وزن ایمان ابی بکر بایمان العالمین لرجح (الکامل للعدی جلد ۴ ص ۱۵۱۸)

نہیں اور اس میں سب اعلیٰ درجہ، انبیاء کرام کا مرتبہ ہے پھر اولیاء کرام اور اس کے بعد وہ لوگ جو ان سے تعلق رکھتے ہیں ایک واقعہ میں منقول ہے کہ پہلے حکیموں میں سے دو حکیموں کی تصویر ایک مسجد میں دیکھی گئی، ایک ہاتھ میں کاغذ کا ایک ایک ٹکڑا تھا جس پر لکھا ہوا تھا۔ "اگر تم مکمل طور پر نیکی کرلو تو یہ گمان نہ کرو کہ تم نے کچھ نیکی کی ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل نہ ہو اور تمہیں معلوم نہ ہو جائے کہ وہی مسبب الاسباب اور تمام اشیاء کو پیدا کرنے والا ہے اور دوسرے حکیم کے ہاتھ میں یوں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے سے پہلے میں پانی پیتا تھا لیکن پھر بھی پیاسا رہتا تھا یہاں تک کہ جب اس کی معرفت حاصل ہو گئی تو میں کوئی چیز پینے کے بغیر سیراب رہتا ہوں۔

ساتواں ادب :- جب تک پہلے فن کو پورا نہ کرے دوسرے فن میں غور و فکر نہ کرے کیونکہ علوم میں ایک لازمی ترتیب ہے ان میں سے بعض دوسرے بعض تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں لہٰذا توفیق یافتہ وہی شخص ہے جو اس ترتیب و تدریج کی رعایت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (۱)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی کما حقہ تلاوت کرتے ہیں"

یعنی وہ کسی دوسرے فن کی طرف نہیں جاتے جب تک وہ علم و عمل کے اعتبار سے اس کو پختہ نہ کرلیں۔ لیکن اس کو چاہئیے کہ وہ جس علم کا ارادہ کرتا ہے اس سے اوپر والے علم میں ترقی کی نیت کرے اگر کسی علم میں لوگوں کا اختلاف ہو یا اس میں کسی ایک یا زیادہ لوگوں سے خطا واقع ہو، یا وہ اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرتے ہوں تو اس وجہ سے اس علم کو فاسد نہ سمجھے، جیسے بعض لوگ معقولات اور فقہی مسائل میں غور و فکر نہیں کرتے اور اس کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ اگر ان کی کوئی اصل ہوتی تو اس کے ماہرین کو حاصل ہوتی۔ معیار علم کے بیان میں ہم اس شبہ کا جواب لکھ چکے ہیں۔

اور ایک گروہ کو دیکھو گے کہ وہ طب کو اس وجہ سے باطل قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے طبیب میں کوئی غلطی دیکھی ہوتی ہے، بعض حضرات علم نجوم کو اس لئے صحیح قرار دیتے ہیں کہ بعض اوقات اتفاقاً کوئی بات صحیح ہو جاتی ہے جبکہ دوسرا گروہ اسے اس لیے باطل قرار دیتا ہے کہ اتفاقاً خطا واقع ہوئی۔ تو یہ لوگ غلطی پر ہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ کسی چیز کی ذاتی معرفت حاصل کی جائے کیونکہ ہر آدمی تمام علوم کو مکمل طور پر نہیں جان سکتا۔ اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حق کو لوگوں کے ذریعے نہ پہچانو بلکہ پہلے حق کی معرفت حاصل کرو، اہل حق کو جان لو گے"،

آٹھواں ادب :- طالب علم اس سبب کو جان لے جس کے ذریعے سب سے بہتر علم کی پہچان حاصل کرلے اور کسی علم کا شرف دو چیزوں کے باعث ہوتا ہے،

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۱۲۱۔

ایک نتیجہ کے اعتبار سے اور دوسرا دلیل کی قوت و پختگی کی وجہ سے، جیسے علم دین اور علم طب ہے کیونکہ ان میں ایک کا نتیجہ ابدی زندگی کا حصول ہے اور دوسرے کا نتیجہ فانی زندگی ہے لہٰذا علم دین اشرف ہوگا اور جس طرح علم حساب و علم نجوم کا معاملہ ہے علم حساب اشرف ہے کیونکہ اس کی دلیل مضبوط اور قوی ہے اور اگر حساب کا علم طب سے مقابلہ کریں تو نتیجہ کے اعتبار سے علم طب اشرف ہوگا جب کہ دلیل کے حوالے سے حساب کو زیادہ اعزاز حاصل ہے اور نتیجہ کا لحاظ رکھنا زیادہ بہتر ہے، اسی لیے طب اشرف ہے اگرچہ اس کی اکثر باتیں اندازے سے ہوتی ہیں۔ اس سے واضح ہوگیا کہ سب سے بہتر اور معزز علم، اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، کتابوں اور اس کے رسولوں کا علم ہے نیز وہ علم جو ان علوم تک پہنچاتا ہے لہٰذا تم اس کے علاوہ میں رغبت سے بچو اور صرف اسی کی حرص کرو۔

نواں ادب:۔ متعلم کا فی الحال صرف یہ ارادہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے علم و فضل کے ساتھ اپنے باطن کو آراستہ کرے اور آخر میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور مقربین میں سے اعلیٰ درجہ والوں کی ہمسائیگی حاصل ہو۔ وہ اس علم سے، حکومت، مال، مرتبہ، بیوقوفوں سے بحث مباحثہ، ہم عصر لوگوں پر فخر وغیرہ کا قصد نہ کرے، اور جب اس کا مقصد، یہ (قرب خداوندی کا حصول) ہوگا تو وہ یقیناً اس چیز کو حاصل کرے گا جو اس کے مقصود کے زیادہ قریب ہے اور وہ علم آخرت ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ باقی علوم کو بھی حقارت کی نظر سے نہ دیکھے۔ یعنی علم فتاویٰ اور علم نحو و لغت جو کتاب و سنت سے متعلق ہیں اور اس کے علاوہ جن کا ذکر ہم نے مقدمات اور متممات میں کیا ہے کہ یہ فرض کفایہ علم کی اقسام ہیں ہم نے علم آخرت کی تعریف میں جو اتنا زیادہ مبالغہ کیا ہے تو اس سے یہ مت سمجھنا کہ باقی علوم کی مذمت کی جارہی ہے جو لوگ ان علوم کے حامل ہیں وہ ان لوگوں کی مثل ہیں جو سرحدوں کی حفاظت کرتے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ لڑتے ہیں، بعض دشمن کا حملہ روکتے ہیں کچھ ان کو پانی پلاتے ہیں کچھ لوگ ان کے جانوروں کی حفاظت کرتے اور ان کی خدمت کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی ثواب سے محروم نہیں ہوگا۔

بشرطیکہ اس کا مقصد کلمۂ حق کو بلند کرنا ہو غنیمتیں اکٹھا کرنا مقصود نہ ہو اسی طرح علماء کا مقام ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (۱)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا درجہ بلند کرتا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور جن لوگوں کو علم دیا ان کے مختلف درجات ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ (۲)

اور ان لوگوں کے مختلف درجات ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورہ مجادلہ آیت ۱۱ (۲) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۶۳

فضیلت ایک اضافی چیز ہے (یعنی کوئی کسی وجہ سے اعلیٰ اور کسی وجہ سے دوسرے سے کم درجہ رکھتا ہے) جیسے بادشاہوں کی نسبت صرافوں کو کم درجہ دینا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ جب ان کو جاروب کش کے مقابلے میں لائیں تو بھی حقیر ہوں گے۔

لہٰذا تمہیں یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ جو شخص اعلیٰ درجہ سے کم درجہ رکھتا ہے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں بلکہ سب سے اعلیٰ رتبہ انبیاء کرام کا ہے پھر اولیاء کرام کا اس کے بعد ان لوگوں کا جنہیں علم میں مضبوطی حاصل ہے پھر صالحین کا درجہ ان کے مراتب کے اعتبار سے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو ایک ذرے کے برابر بھی اچھا عمل کرے گا اس کا اجر دیکھ لے گا اور جو آدمی ایک ذرے کے برابر بھی بُرا عمل کرے گا وہ بھی اس کا بدلہ پائے گا اور جو شخص علم سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد کرے وہ علم کوئی بھی ہو وہ شخص یقیناً نفع اور بلندی حاصل کرے گا۔

دسواں ادب:۔ مقصد کی طرف علم کی نسبت کا علم حاصل کرے تاکہ رفعت قریبہ کو بعیدہ پر اور جو مشکل ہے اس کو غیر پر ترجیح دے "مہم" کا معنیٰ (اہم نہیں بلکہ) وہ چیز ہے جو تمہیں فکر مند کر دے اور دنیا و آخرت میں تمہارا اپنا معاملہ ہی تمہیں متفکر کرتا ہے اور چونکہ دنیا کی لذتوں اور آخرت کی نعمتوں کو اکٹھا کرنا تمہارے لیے ممکن نہیں جیسا کہ قرآن پاک نے بیان کیا اور نورِ بصیرت بھی اس کا شاہد ہے جو آنکھ سے دیکھنے کی طرح ہے تو اہم وہ چیز ہے جو ہمیشہ ہمیشہ رہے اس وقت دنیا ایک منزل ہو جائے گی بدن سواری اور اعمال، مقصد تک پہنچنے کی ایک کوشش (اور اس کی طرف چلنا) ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے علاوہ کوئی مقصد نہیں اسی میں تمام نعمتیں ہیں اگرچہ اس دنیا میں بہت کم لوگ اس کی قدر کو جانتے ہیں۔

مراتبِ علوم

اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے شرف یاب ہوئے اور اس کی زیارت کرنے یعنی وہ زیارت جس کی طلب انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی تھی اور وہ اسے سمجھتے تھے وہ زیارت نہیں جس کی طرف عوام الناس اور متکلمین کا ذہن جاتا ہے اس کی طرف نسبت کے حوالے سے علوم کے تین درجے ہیں جیسے تم ایک مثال کے ذریعے سمجھ سکتے ہو، وہ یہ کہ اگر کسی غلام سے کہا جائے کہ اگر تو حج کرے گا تو تجھے آزادی بھی ملے گی اور بادشاہی بھی، اور اگر تو حج کا سفر شروع کر دے اس کے لیے تیاری کرے لیکن کسی رکاوٹ کی وجہ سے وہاں نہ پہنچ سکے تو تجھے صرف آزادی ملے گی لیکن بادشاہی سے سرفراز نہیں ہو گا۔ تو اس شخص کو تین طرح کے کام پیش آئیں گے۔

(۱) اسباب کی تیاری کرنا مثلاً اونٹنی خریدنا، (پانی کے لئے) مشک سینا اور کھانے کا سامان تیار کرنا۔

(۲) اپنے وطن سے جدا ہو کر منزل بہ منزل کعبۃ اللہ کی طرف چلنا۔

(۳) حج کے ارکان کو ترتیب سے ادا کرنے میں مشغول ہو جانا۔

پھر فارغ ہوکر، احرام سے نکلنے اور طواف وداع کرنے کے بعد وہ آزادی اور حکمرانی کا مستحق ہوجائے گا اس کے لیے ہر مقام پر کچھ منازل ہیں یعنی سامان کی تیاری سے آخر تک۔ آغاز سفر سے اس کے اختتام تک اور ارکانِ حج کی ابتداء سے اس کی تکمیل تک تو ارکانِ حج کو مکمل کرنے والا جس قدر مقصد کے قریب ہے اتنا قریب وہ شخص نہیں جس نے ابھی سامان کی تیاری شروع کی یا سفر شروع کیا ہے۔

پس علوم کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو سامان سفر، سواری وغیرہ کی خرید و فروخت کے قائم مقام ہے یہ علم طب اور فقہ ہے بلکہ جو علوم دنیا میں انسانی جسم کی بہتری سے متعلق ہیں۔ وہ اس میں شامل ہیں۔

دوسری قسم راستے پر چلنے اور گھاٹیوں سے گزرنے کی مثل ہے مثلاً دل کو بری باتوں سے پاک کرنا اور ان بلند گھاٹیوں پر چڑھنا ہے جن سے پہلے اور پچھلے لوگ عاجز تھے سوائے ان لوگوں کے جن کو توفیق دی گئی تو سلوکِ طریقت کے علوم ہیں، ان کا حاصل کرنا اسی طرح ہے جس طرح راستے کے اطراف اور منازل کا علم حاصل کرنا ہے، تو جس طرح محض منازل اور راستوں کا علم کافی نہیں جب تک ان پر نہ چلے اسی طرح تہذیب اخلاق کا علم ہی کافی نہیں جب تک تہذیب کو اختیار نہ کرے۔ اگرچہ عادت کی تہذیب و درستگی علم کے بغیر نہیں ہوتی۔ علم کی تیسری قسم حج اور اس کے ارکان کے قائم مقام ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، اس کے فرشتوں، اس کے افعال اور جو کچھ ہم نے مکاشفہ کے معانی کے ضمن میں لکھا ہے ان سب کو جاننا ہے اس مقام پر کامیابی اور سعادت حاصل ہوتی ہے اور اسے صرف وہی لوگ حاصل کرسکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں وہ اس کے مقرب ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے جوار (پڑوس) میں راحت و آرام اور جنت کی نعمتیں حاصل ہیں۔ لیکن جو لوگ کمال کے مرتبے سے ادھر ہی رہ گئے ان کے لیے نجات و سعادت ہے۔

جیسے ارشادِ خداوندی ہے:-

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ، وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ[1]	اگر وہ مقربین سے ہے تو راحت اور جنت کی نعمتیں ہیں اور اگر اصحاب یمین سے ہے تو اصحاب یمین کی طرف سے آپ کو سلام پہنچے۔"

اور جو شخص مقصد کی طرف متوجہ نہ ہو اور نہ اس کی طرف حرکت کرے یا اس کی طرف حرکت تو کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور عبادت کے طور پر نہیں بلکہ کسی دنیوی حاجت کے لیے کرے تو وہ اصحاب شمال (بائیں طرف والوں) میں سے اور گمراہوں میں سے ہے اس کے لیے کھولتا ہوا پانی اور جہنم کی آگ ہے۔

جان لو کہ علماء راسخین کے نزدیک یہی حق الیقین ہے یعنی انہوں نے اسے باطنی مشاہدہ سے پایا جو آنکھوں کے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ واقعہ آیت ۸۸ تا ۹۱۔

مشاہدہ کی نسبت زیادہ مضبوط اور روشن ہے اور انہوں نے محض حسن تقلید کرنے کی حد سے ترقی کر لی پس ان کی حالت اس شخص جیسی ہے جسے خبر دی گئی تو اس نے تحقیق کی پھر مشاہدہ کر کے حق الیقین تک پہنچ گیا جب کہ دوسروں لوگوں کی حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے حسن تصدیق اور ایمان کے ساتھ قبول کیا لیکن آنکھوں سے دیکھنا اور مشاہدہ کرنا نصیب نہیں ہوا تو سعادت، علم مکاشفہ کے بعد ہے اور علم مکاشفہ اس علم معاملہ سے آگے ہے جو طریق آخرت پر چلنے کا نام ہے، صفات کی گھاٹیوں کو طے کرنا اور صفات مذمومہ کو مٹانے کے راستے پر چلنا علم صفات کے بعد ہوتا ہے علاج معالجہ کے طریقے اور اس پر چلنے کا علم بدن کی سلامتی کا علم حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے، بدن کی صحت و سلامتی کے اسباب کی تیاری باہم جمع ہونے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے سے ہوتی ہے جس کے ذریعے لباس، طعام اور رہائش حاصل ہوتی ہے اور یہ کام بادشاہ سے متعلق ہے جب کہ لوگوں کو عدل و سیاست کے طور پر منظم کرنے کا قانون فقیہ سے متعلق ہوتا ہے۔ جب کہ صحت کے اسباب طبیب کے ذہن میں ہوتے ہیں اور جس نے کہا کہ علم دو قسم کے ہیں، علم الابدان اور علم الادیان ، اور اس سے فقہ کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس کے ظاہری مروجہ علوم مراد لیے ہیں علوم باطنی مراد نہیں لیتے۔

ایک شبہ کا ازالہ اگر تم کہو کہ علم طب اور فقہ کو سواری اور کھانے پینے کے سامان کی تیاری سے کیوں تشبیہ دی ہے؟ تو تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرنے والی چیز دل ہے بدن نہیں، اور دل سے میری مراد وہ گوشت نہیں جو محسوس ہوتا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جو حواس میں نہیں آسکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جسے کبھی روح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نفس مطمئنہ سے، شریعت اسے دل سے تعبیر کرتی ہے کیونکہ اس بھید کی پہلی سواری یہی ہے، پھر اس کے واسطے سے پورا بدن اس لطیفہ کی سواری اور آلہ بن جاتا ہے اس راز سے پردہ اٹھانا علم مکاشفہ سے متعلق ہے اور وہ قابل افشاء نہیں بلکہ اس کے ذکر کی اجازت ہی نہیں، اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہنے کی اجازت ہے کہ وہ ایک جوہر نفیس اور در عزیز ہے ان اجسام محسوسہ سے اشرف ہے وہ ایک امر خداوندی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (۱)

اور وہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجیے روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے لیکن اس کی نسبت، تمام اعضائے بدن کی نسبت سے اشرف و اعلیٰ ہے

---

(۱) قرآن مجید سورہ اسراء آیت ۸۵

اس اللہ تعالیٰ کے لیے پیدا کرنا اور حکم دینا ہے امر، پیدا کرنے سے اعلیٰ ہے اور یہ جوہر نفسیہ جو اللہ تعالیٰ کی امانت کو اٹھانے والا ہے اور یوں وہ اس مرتبہ میں تمام آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں سے مقدم ہے۔ کیونکہ ان سب نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا تھا وہ (جوہر نفسیہ) عالم امر سے ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اسے قدیم قرار دیا جا رہا ہے کیونکہ ارواح کو قدیم قرار دینے والا مغرور اور جاہل ہے اور اسے معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے پس اب ہم اس فن سے بیان کو روکتے ہیں کیونکہ وہ ہماری بحث سے خارج ہے۔ مقصود یہ ہے کہ یہی لطیفہ قرب خداوندی کے لیے کوشش کرتا ہے کیونکہ وہ امرِ خداوندی سے ہے وہ اسی کی طرف سے آتا ہے اور ادھر ہی لوٹ کر جاتا ہے جہاں تک بدن کا تعلق ہے تو وہ اس کی سواری ہے جس پر وہ سوار ہوتا ہے اور اس کے واسطہ سے چلتا ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس لطیفہ کے لیے بدن کی حیثیت راہ حج میں اونٹنی کی طرح ہے یا وہ مشکیزہ جس میں پانی بھرا ہوتا ہے اور بدن کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

غرض یہ کہ جس علم کا مقصد بدن کی اصلاح ہو وہ سواری کی مصلحتوں میں داخل ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ طب کا بھی یہی حال ہے۔

کیوں کہ انسان کو بعض اوقات بدنی صحت کی حفاظت کے لیے اس کی ضرورت ہوتی ہے اگر بالفرض صرف ایک انسان ہوتا تو اسے بھی اس کی ضرورت ہوتی فقہ، طب سے اس اعتبار سے جدا ہے کہ اگر کوئی انسان تنہا ہی ہوتا تو ممکن ہے اسے فقہ کی ضرورت نہ پڑتی لیکن انسے اس انداز پر پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اکیلا اپنی زندگی نہیں گزار سکتا، کیوں کہ ایک شخص تنہا کھیتی باڑی اور روٹی پکانے کے ذریعے اپنا کھانا حاصل نہیں کر سکتا نہ وہ لباس اور رہائش کے سلسلے میں اکیلا کوشش کر سکتا ہے اور نہ تمام آلات تیار کر سکتا ہے لہٰذا وہ مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے پر مجبور ہوئے، اور بعض اوقات، لوگ مل جل کر رہتے پھر ان میں خواہشات پیدا ہوتیں تو وہ اسباب شہوت میں کھینچا تانی کرتے چنانچہ ایک دوسرے سے جھگڑتے اور لڑتے پھر وہ اس لڑائی کے باعث ہلاک ہونے لگے یہ ہلاکت کا خارجی سبب تھا جس طرح اندرونی اخلاط کے باعث انسان ہلاک ہوتے ہیں تو طب کے ذریعے داخلی اخلاط کے درمیان اعتدال پیدا کیا جاتا ہے اور سیاست و عدل کے ذریعے ظاہری فساد کو دور کر کے اعتدال کی حفاظت کی جاتی ہے۔

لہٰذا اندرونی اخلاط کے اعتدال کے طریقے کا علم، علم طب ہے اور معاملات و افعال میں لوگوں کے معاملات کو اعتدال کے راستے پر رکھنے کا علم، علم فقہ کہلاتا ہے اور یہ دونوں اس بدن کی حفاظت کرنے میں جو سواری ہے لہٰذا جو شخص علم فقہ اور علم طب کے لیے مختص ہو جاتا ہے اور وہ مجاہدہ کے ذریعے اپنے نفس کی اصلاح نہیں کرتا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو صرف اونٹنی خریدتا ہے اس کے لیے گھاس خریدتا ہے نیز مشکیزہ خرید کر اسے تیار کرتا ہے لیکن حج کے راستے پر نہیں چلتا لہٰذا وہ شخص جو اپنی تمام زندگی ان دقیق کلمات میں گزار دیتا ہے جو فقہ کے مجادلوں میں جاری ہوتے ہیں۔

تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنی زندگی ان اسباب میں گزار دیتا ہے جن کے ذریعے اس مشکیزے کو سینے کے لیے دھاگے کو مضبوط کیا جاتا جو (مشکیزہ) حج کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ ان فقہاء کرام کو ان لوگوں سے جو اصلاح قلب کے ایسے راستے پر چلتے ہیں جو علم مکاشفہ تک پہنچاتا ہے، وہ نسبت ہے جو مشکیزہ درست کرنے والوں کو حج کے راستے پر چلنے والوں یا اس کے ارکان کی ادائیگی کرنے والوں سے ہے۔ تو پہلے اس بات پر غور کرو اور اس شخص کی طرف سے مفت نصیحت کو قبول کرو جو اس کام میں اکثر وقت گزار چکا ہے اور بہت محنت کے بعد اس تک پہنچا ہے۔ اور اس نے عام اور خاص لوگوں میں امتیاز کے لیے بڑی جرأت سے کام لیا ہے اور ان کی تقلید سے گریز کرتے ہوئے اپنی خواہش کو کچل دیا متعلم کے آداب کے سلسلے میں اتنی بات ہی کافی ہے۔

استاذ کے آداب

جاننا چاہیے کہ علم کے معاملے میں انسان کی چار حالتیں ہیں جیسے حصول مال میں ہوتی ہیں کیوں کہ مال دار شخص کے لیے ایک حالت مال کمانے کی ہے اس وقت وہ مکتسب کہلاتا ہے دوسری حالت حاصل کئے ہوئے مال کو جمع کرنے کی ہوتی ہے اس وقت وہ مانگنے سے بے نیاز ہو جاتا ہے، تیسری حالت اپنے آپ پر مال کو خرچ کرنے کی حالت ہے اس وقت منتفع (نفع حاصل کرنے والا) ہوتا ہے جب کہ چوتھی حالت دوسروں پر خرچ کرنے کی حالت ہے اس وقت وہ سخی اور فضیلت والا شمار ہوتا ہے یہ سب سے بہتر حالت ہے۔

مال کی طرح علم کو بھی حاصل کیا جاتا ہے تو اس کی یہ حالت، طلب و اکتساب کی حالت ہوتی ہے جب علم حاصل کر لیتا ہے تو پوچھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی پھر اس حاصل کئے گئے علم میں غور و فکر کرتا ہے اور اس سے نفع اٹھاتا ہے اور ایک حالت دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی ہے اور وہ سب سے اچھی حالت ہے لہٰذا جس نے علم حاصل کیا، پھر عمل کیا اور دوسروں کو سکھایا وہی شخص آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں ایک عظیم انسان کہلاتا ہے۔ وہ سورج کی مثل ہے جو خود بھی روشن ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی روشنی دیتا ہے اور کستوری کی طرح ہے جو خود بھی خوشبو ہے اور دوسروں کو بھی معطر کرتی ہے اور وہ شخص جو علم حاصل کرتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا وہ اس رجسٹر (یا کتاب) کی طرح ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے لیکن خود علم سے خالی ہے یا اس سان کی طرح ہے جو دوسرے اوزاروں کو تیز کرتا ہے لیکن خود نہیں کاٹتا۔ اور وہ اس سوئی کی طرح ہے جو دوسروں کے لیے لباس تیار کرتی ہے لیکن خود ننگی رہتی ہے یا چراغ کی بتی ہے جو دوسروں کو روشن کرتی ہے اور خود جلتی رہتی ہے۔ جیسے کہا گیا ہے۔

بے عمل عالم اس بتی کی طرح ہے جو دوسروں کو روشن کرتی ہے اور خود جلتی رہتی ہے۔ جب وہ تعلیم میں مشغول ہوتا ہے تو بہت بڑی ذمہ داری اٹھاتا ہے لہٰذا اسے چاہیے کہ اس کے آداب کو یاد رکھے۔

<u>پہلا ادب</u>:۔ طلباء پر شفقت کرے اور انہوں نے اپنی اولاد کی طرح سمجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ (۱) — میں تمہارے لیے اس طرح ہوں جس طرح والد، اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے"

* * *

وہ انہیں آخرت کی آگ سے بچانے کا قصد کرے اور یہ بات ماں باپ کے اپنی اولاد کو دنیا کی آگ بچانے کے مقابلے میں اہم ہے اسی لیے استاذ کا حق، ماں باپ کے حق سے بڑا ہے کیونکہ باپ موجودہ وجود اور فانی زندگی کا سبب ہے اور استاذ باقی رہنے والی زندگی کا ذریعہ ہے اور اگر استاذ نہ ہوتا تو جو کچھ باپ سے حاصل کیا تھی وہ دائمی ہلاکت کی طرف لے جاتا استاذ ہی ہے جو آخرت کی دائمی زندگی کا فائدہ پہنچاتا ہے اس سے مراد وہ استاذ ہے جو علوم آخرت سکھاتا ہے یا دنیوی علوم، آخرت کی نیت سے سکھاتا ہے دنیا کے ارادے سے نہیں دنیوی مقاصد کے لئے سکھانا ہلاک ہونا اور ہلاک کرنا ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں تو جس طرح ایک شخص کے بیٹوں کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کریں اور مقاصد کے حصول میں ایک دوسرے سے تعاون کریں اسی طرح ایک استاذ کے شاگردوں کا بھی فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے سے محبت اور دوستی کا ثبوت دیں اور ایسا اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ان کا مقصد آخرت ہو اور اگر ان کا مقصد دنیا ہو تو ایک دوسرے سے حسد اور بغض پیدا ہو گا۔ کیونکہ علماء اور آخرت چاہنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کرتے ہیں اور دنیا سے گزر کر اس کی طرف جانے والے ہیں زندگی کے سال اور مہینے راستے کی منازل ہیں۔ اور جو مسافر شہروں کی طرف جاتے ہیں ان کے درمیان باہمی رفاقت ایک دوسرے سے محبت اور دوستی کرنے کا سبب بنتی ہے۔ تو جو سفر فردوس اعلیٰ کی طرف ہو اس کے راستے میں رفیق کے ساتھ محبت کیسے نہیں ہو گی جب کہ سعادت اخروی میں تنگی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان جھگڑا نہیں ہوتا بخلاف دنیا کی سعادت کے کیونکہ اس میں گنجائش نہیں ہوتی اسی لیے وہ ہجوم کی تنگی سے نہیں بچ سکتے اور جو لوگ علوم کے ذریعے ریاست طلب کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق نہیں ہو سکتے۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (۲) — بے شک مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

وہ اس آیت کے مضمون میں داخل ہیں۔

اَلْاَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ۔ (۳) — آج کے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیز گار لوگوں کے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۹ ص ۱۲ ۵ - (۲) قرآن مجید سورۂ حجرات آیت ۱۰
(۳) قرآن مجید سورہ زخرف آیت ۶۷

دوسرا ادب :- استاذ کو چاہیے کہ وہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار کرے علم کا فائدہ پہنچانے پر اجرت طلب نہ کرے اور نہ اس کے ذریعے کسی جزا اور شکریہ کا قصد کرے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے پڑھائے۔ اپنی طرف سے ان (طلباء) پر کوئی احسان خیال نہ کرے اگرچہ ان پر لازم ہے کہ وہ استاذ کے احسان مند ہوں اور یوں تصور کرے کہ مجھے ان کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوتی کیونکہ انہوں نے اپنے دلوں کو تیار کیا کہ ان میں علوم کا بیج بو کر اللہ تعالیٰ کے قریب کیا جائے یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص تمہیں اپنی زمین بطور ادھار دیتا ہے کہ تم اس میں اپنے لیے کھیتی باڑی کرو تو تمہارا نفع، زمین والے کے نفع سے زیادہ ہوگا۔

لہٰذا شاگرد پر احسان رکھنے کا کیا مطلب ؛ حالانکہ علم سکھانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارا ثواب، متعلم کے ثواب سے زیادہ ہے اگر شاگرد نہ ہوتا تو تمہیں یہ ثواب نہ ملتا لہٰذا تم صرف اللہ تعالیٰ سے اجر مانگو جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللهِ (۱)

اور اے میری قوم میں اس (تبلیغ) پر تم سے مال نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

کیونکہ مال اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بدن کا خادم ہے بدن نفس کی سواری ہے مخدوم، علم ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے نفس کو شرف حاصل ہوا پس جو شخص علم کے ذریعے مال طلب کرتا ہے وہ اس آدمی کی طرح ہے جو اپنی جوتی کے نچلے حصے کو اپنے چہرے سے پونچھ کر صاف کرتا ہے اس نے خادم کو مخدوم اور مخدوم کو خادم بنا دیا۔ اور یہ کامل درجے کی تبدیلی ہے اور اس جیسا آدمی قیامت کے دن مجرموں کے ساتھ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ فضیلت اور احسان استاذ کے لیے ہے تو دیکھو کہ دین کا معاملہ کس طرح ان کے پاس چلا گیا جن کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس جو کچھ علم فقہ و کلام اور ان کی یا دوسرے علوم کی تدریس ہے اس سے ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے وہ اپنا مال اور مقام خرچ کرتے ہیں اور بادشاہوں کی خدمت میں طرح طرح کی ذلت اٹھاتے ہیں تاکہ ان کو جاگیریں حاصل ہوں اور اگر وہ اس کو چھوڑ دیں تو ان کو بھی چھوڑ دیا جائے اور ان کے پاس کوئی بھی نہ جائے پھر استاذ کو اپنے شاگرد سے توقع ہوتی ہے کہ وہ ہر مشکل میں اس کے کام آئے اس کے دوستوں کی مدد کرے اور اس کے دشمن سے دشمنی رکھے۔ اس کی حاجات کو پورا کرنے کے لیے کمربستہ رہے اور اس کے مقاصد میں فرمانبردار رہے پھر اگر وہ اس کے حق میں کوتاہی کرتا ہے تو استاذ کو اس پر غصہ آتا ہے اور وہ اس کا بہت بڑا دشمن بن جاتا ہے تو اس قسم کا عالم کتنا کمینہ ہے کہ اپنے نفس کے لیے اس درجہ پر راضی ہوتا ہے پھر اس پر خوش ہوتا ہے اور یہ بات کہتے ہوئے اسے حیا نہیں آتا کہ تدریس سے میری غرض علم کو پھیلانا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور اس کے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ہود آیت ۱۱

دین کی مدد ہو تو تم ان نشانیوں کو دیکھو تاکہ دھوکہ دہی کی صورتوں پر تمہاری نظر رہے،

تیسرا ادب:- طالب علم کو نصیحت کرنا ترک نہ کرے اسے استحقاق سے پہلے رتبہ حاصل کرنے کی خواہش اور ظاہری علوم سے فراغت سے پہلے پوشیدہ علم میں مشغولیت سے منع کرے پھر اسے خبردار کرے کہ علوم حاصل کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے حکومت کا حصول اور فخر و مباہات نہیں ہے۔ جس قدر ممکن ہو شروع ہی سے اس کے دل میں اس چیز کی خرابی کا تصور پکا کر دے کیونکہ فاجر عالم اصلاح کے مقابلے میں خرابی زیادہ پیدا کرتا ہے اگر اسے شاگرد کے دل کی حالت معلوم ہو جائے کہ وہ علم کو دنیا کے لیے حاصل کرتا ہے تو وہ اس علم کو دیکھے جسے وہ حاصل کر رہا ہے اگر وہ فقہی اختلاف، کلامی جھگڑوں اور احکام و مقدمات کے فتاویٰ سے متعلق ہے تو اسے اس سے روک دے کیوں کہ یہ علوم آخرت سے نہیں اور نہ یہ ان علوم سے ہیں جن کے بارے میں کہا گیا کہ ہم نے غیر خدا کے لیے علم حاصل کرنا چاہا لیکن علم نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے ہونے سے انکار کر دیا اور یہ علم تفسیر اور علم حدیث ہے نیز وہ علم آخرت ہے جس میں اسلاف مشغول رہتے تھے، اخلاقِ نفس اور اس کی تہذیب کی کیفیت کو پہچاننا ہے تو جب طالب ان علوم کو دنیوی غرض کے لیے سیکھے تو استاذ کو چاہیے کہ اسے چھوڑ دے کیونکہ اس سے وعظ اور لوگوں کی پیروی کی لالچ پیدا ہوتی ہے۔ البتہ بعض اوقات تحصیل علم کے دوران یا آخر میں وہ خبردار ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں ایسے علوم بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کا خوف دلاتے ہیں، دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کو واضح کرتے ہیں تو ممکن ہے کہ آخر کار وہ اچھے راستے پر آجائے اور اس چیز سے نصیحت حاصل کرے جس کی دوسروں کو نصیحت کرتا ہے مقبولیت اور مرتبے کی محبت اس دانے کی طرح ہے جسے جال کے گرد دانا ڈالا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعے پرندے شکار کرنے اللہ تعالیٰ نے بھی بندوں کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا ہے اس نے شہوت کو پیدا کیا تاکہ اس کے ذریعے مخلوق، بقائے نسل تک پہنچے اسی طرح جاہ و مرتبہ کی محبت پیدا فرمائی تاکہ وہ علوم کو زندہ رکھنے کا سبب بنے اور یہ بات ان علوم میں متوقع ہے۔

لیکن محض اختلافی مسائل، علم کلام کے جھگڑے اور فروعات عجیبہ کی معرفت کے لیے مختص ہو جانا اور دیگر علوم کو چھوڑ دینا دل کی سختی، اللہ تعالیٰ سے غفلت، گمراہی میں بڑھنے اور جاہ و مرتبہ کا باعث ہے البتہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بچائے۔ یا اس کے ساتھ علوم دینیہ میں سے کوئی اور علم ملا لے۔ اس پر تجربہ اور مشاہدہ جیسی کوئی دلیل نہیں پس دیکھو اور عبرت پکڑو اور چشم بصیرت کے ذریعہ بندوں اور شہروں میں اس کی تحقیق معلوم کرو اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے، حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کو غمگین دیکھا گیا تو پوچھا گیا آپ کو کیا ہوا انہوں نے فرمایا ہم دنیا داروں کے لیے تجارت گاہ بن گئے ہیں ان میں سے ایک ہمارے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے حتیٰ کہ جب علم حاصل کر لیتا ہے تو اسے قاضی یا حکمران یا منشی بنا دیا جاتا ہے۔

چوتھا ادب:- یہ ادب فن تعلیم میں نہایت دقیق ہے وہ یہ کہ طالب علم کو حتی الامکان اشاروں کنایوں میں برائی

سے روکے، واضح الفاظ میں نہ کہے رحمت بھرے طریقے سے روکے جھڑکنے کے طور پر نہیں کیونکہ جھڑک، ہیبت کے پردے کو دور کر دیتی ہے مخالفت کرنے پر جرأت کو پیدا کرتی ہے اور (برائی پر) اصرار کے لیے حریص بنا دیتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام اساتذہ کے راہنما ہیں آپ نے فرمایا:۔

لَوْ مُنِعَ النَّاسُ عَنْ فَتِّ الْبَعْرِ لَفَتُّوْهُ وَقَالُوْا مَا نُهِيْنَا عَنْهُ إِلَّا وَفِيْهِ شَيْءٌ۔

اگر لوگوں کو مینگنی توڑنے سے منع کر دیا جائے تو وہ اس کو توڑیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں جو روکا گیا ہے تو ضرور اس میں کوئی بات ہے"

اس پر حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا واقعہ اور جس چیز سے انہیں منع کیا تھا، تمہیں آگاہ کرتا ہے تمہیں یہ قصہ محض کہانی کے طور پر بار نہیں دلایا بلکہ اس لیے کہ تم عبرت حاصل کرنے کے لیے اس سے آگاہ ہو جاؤ دوسری بات یہ ہے کہ صراحتاً تنبیہ نہ کرنے سے اچھے نفوس اور عمدہ ذہن اس کے معانی نکال لیتے ہیں اور مقصود کو حاصل کرنے کی خوشی انہیں علم میں رغبت دیتی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ ان باتوں سے ہے جو اس کی سمجھ سے پوشیدہ ہیں۔

پانچواں ادب: کسی علم کے ذمہ دار استاذ کو چاہیئے کہ وہ متعلم کے دل میں ان علوم کی برائی نہ ڈالے جو اس علم کے علاوہ ہیں جیسے لغت سکھانے والے استاذ کی عادت ہوتی ہے کہ وہ علم فقہ کی برائی بیان کرتا ہے اور فقہ کا استاذ علم حدیث و تفسیر کی برائی بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو محض نقل و سماع اور بوڑھی عورتوں کا کام ہے عقل کا اس میں کوئی دخل نہیں، معلم کلام، علم فقہ سے نفرت دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ فروعی مسائل ہیں اور عورتوں کے حیض کے بارے میں گفتگو ہے۔ یہ علم کلام کو کیسے پہنچ سکتا ہے کیونکہ وہ نور رحمٰن کی صفات کا ذکر ہے اساتذہ کی یہ عادات مذموم ہیں۔ انہیں ان سے بچنا چاہیئے بلکہ جو استاذ ایک علم کا کفیل ہو اسے چاہیئے کہ وہ طالب علم کو دوسرے علوم سیکھنے کا راستہ بھی دکھائے اور اگر وہ کئی علوم کا نگران ہے تو وہ اس بات کا خیال رکھے کہ طالب علم تدریجاً ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف ترقی کرتا جائے۔

چھٹا ادب: طالب کے ذہن کے مطابق اسے سمجھائے اسے وہ بات نہ بتائے جس تک اس کی عقل نہیں پہنچتی کیونکہ وہ اس سے نفرت کرنے لگے گا یا اس کی عقل کام کرنا چھوڑ دے گی اس سلسلے میں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے آپ نے فرمایا:۔

نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ أُمِرْنَا أَنْ نُنَزِّلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ وَنُكَلِّمَهُمْ

ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کو ان کے مراتب پر رکھیں اور ان کی عقلوں کے مطابق ان سے

---

(۱) الاسرار المرفوعہ ص ۱۹۵ - (۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۱۱ -

عَلیٰ قَدرِ عُقُولِهِمْ (۱) گفتگو کریں۔

تو استاد بھی شاگرد کے سامنے کوئی حقیقت اس وقت رکھے جب وہ جانتا ہو کہ وہ اسے سمجھ لے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا اَحَدٌ یُحَدِّثُ قَوْمًا بِحَدِیْثٍ لَا تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ اِلَّا کَانَ فِتْنَةً عَلیٰ بَعْضِهِمْ (۲)

جو شخص کسی قوم سے ایسی بات بیان کرتا ہے جس تک ان کی عقول نہیں پہنچتیں تو وہ بعض کے لیے فتنے کا باعث ہوتی ہے۔

⁂

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "یہاں بہت سے علوم ہیں بشرطیکہ ان کو سمجھنے والا کوئی ہو، تو آپ نے سچ فرمایا نیک لوگوں کے دل بھیدوں کا قبرستان ہے لہذا عالم کو چاہیے کہ جو کچھ وہ جانتا ہے ہر ایک کو نہ بتائے۔ یہ اس صورت میں ہے جب شاگرد سمجھتا تو ہو لیکن وہ اس سے نفع اٹھانے کا اہل نہ ہو۔ تو جس بات کو وہ سمجھتا ہی نہ ہو اس کا کیا حال ہوگا حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا:۔

لا تعلقوا الجواھر فی اعناق الخنازیر (۳)

خنزیروں کے گلے میں موتیوں کا ہار نہ ڈالو تو بیشک حکمت (علم) جواہرات سے بہتر ہے اور جو اسے ناپسند کرتا ہے وہ خنزیروں سے برا ہے۔

⁂

اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہر شخص کو اس کی عقل کے پیمانے کے مطابق ناپو اور اس کی سمجھ کے ترازو کے مطابق تول دو تاکہ تم اس سے بچو اور وہ تم سے نفع حاصل کرلے ورنہ معیار کے مختلف ہونے کی وجہ سے انکار کرے گا۔ ایک عالم سے کوئی بات پوچھی گئی تو اس نے جواب نہ دیا پوچھنے والے نے کہا کیا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا آپ نے فرمایا:۔

مَنْ کَتَمَ عِلْمًا نَافِعًا جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مُلْجَمًا بِلِجَامٍ مِّنْ نَارٍ (۴)

جس نے علم نافع کو چھپایا وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اسے آگ کی لگام ڈالی گئی ہوگی۔

اس عالم نے جواب دیا لگام چھوڑ دو اور جاؤ اگر کوئی سمجھنے والا آیا اور میں نے علم کو چھپایا تو وہ مجھے لگام دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَکُمْ (۵)

"نہ سمجھ لوگوں کو اپنے مال نہ دو"

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۱۱ (۲) (۳) تاریخ بغداد، ج ۹ ص ۲۵۰

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۲۳، ۲۴، باب من سئل من علم فکتمہ (۵) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۵

یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو شخص علم کو خراب کرے اور نقصان پہنچائے اس سے علم کو بچانا بہتر ہے۔ مستحق سے علم کو روکنا ظلم ہے لیکن غیر مستحق تک علم کو پہنچانا اس سے کم ظلم نہیں کسی شاعر نے کہا۔

(ترجمہ) کیا میں جانوروں کو چرانے والے کے سامنے موتی پھیلا دوں اور بکریوں کے چرواہے کے خزانہ جمع ہو جائے وہ اپنی قدر و قیمت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے اندھیرے میں چلے گئے تو میں جانوروں کو اس (علم کا ہار) پہنا کر روشن نہیں کر سکتا اگر اللہ تعالیٰ جو مہربان ہے، اپنے لطف و کرم سے مجھے ایسے لوگوں سے ملا دے تو علوم و حکمت کے اہل ہوں تو میں اس کو پھیلاؤں گا تاکہ اس سے فائدہ پہنچایا جائے، اور میں ان لوگوں سے دوستی کروں گا ورنہ یہ میرے پاس محفوظ ہے کیونکہ جو شخص جہلاء کو علم کا عطیہ دیتا ہے وہ اسے ضائع کرتا ہے اور جو مستحق لوگوں سے روکتا ہے وہ ظلم کرتا ہے۔

ساتواں ادب:۔ اگر متعلم سمجھدار نہ ہو تو اسے ایسی موٹی اور واضح بات بتائے جو اس کے لائق ہے اور اسے یہ نہ بتائے کہ اس کے علاوہ باریک بات بھی ہے جو اس نے روک رکھی ہے (بتائی نہیں)

کیونکہ اس سے واضح بات کے بارے میں بھی اس کی رغبت کم ہو جائے گی اور اس کا ذہن پراگندہ ہو جائے گا اور وہ وہم کرے گا کہ استاذ نے بخل سے کام لیا ہے اس لیے کہ ہر آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ وہ ہر دقیق علم کا اہل ہے اور ہر شخص اللہ تعالیٰ سے اس بات پر راضی ہے کہ اس نے اسے عقل کامل عطا کی ہے اور جو شخص زیادہ بیوقوف اور کم عقل ہے وہ اپنی عقل کے کمال پر سب سے زیادہ خوش ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عوام میں سے جو شخص شریعت کا پابند ہو اور اس کے دل میں اسلاف کے عقائد کسی تشبیہ و تاویل کے بغیر جم چکے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا باطن اچھا ہو اور اس کی عقل اس سے زیادہ کو برداشت نہ کر سکتی ہو تو اسے اس کے اعتقاد کے بارے میں تشویش میں مبتلا نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اسے اس کے کام میں مشغول چھوڑ دینا چاہیئے کیونکہ اگر اسے ظاہری تاویلات بتائی جائیں تو وہ عوام کے درجے سے نکل جائے گا اور خاص لوگوں کے زمرے میں آنا مشکل ہو گا لہٰذا اس کے اور گناہوں کے درمیان جو رکاوٹ ہے وہ اُٹھ جائے گی وہ سرکش شیطان بن کر اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی ہلاک کرے گا بلکہ مناسب ہے کہ عوام کے ساتھ دقیق علوم کے حقائق پر بحث نہ کی جائے بلکہ ان سے صرف عبادات کے بارے میں گفتگو کی جائے وہ جن کاموں میں مصروف ہیں ان میں ایمان داری کی تاکید کی جائے اور ان کے دلوں کو جنت کی رغبت اور جہنم کے خوف سے بھر دیا جائے جیسے قرآن پاک نے بیان کیا ہے ان کے سامنے کسی شبہ کی حرکت نہ دی جائے۔

کیونکہ بعض اوقات اس کے دل میں شبہ پڑ جاتا ہے اور اسے حل کرنا مشکل ہو جاتا ہے لہٰذا وہ بدبختی کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عوام کے سامنے بحث کا دروازہ نہ کھولا جائے اس سے ان کے وہ کام معطل ہو کر رہ جائیں گے

جن کے ساتھ مخلوق کا نظام اور خاص لوگوں کی زندگی کا دوام قائم ہے۔

آٹھواں ادب :- استاذ کو اپنے علم کے مطابق عمل کرنا چاہیئے تاکہ اس کا قول اس کے فعل کو نہ جھٹلائے اس لیے کہ علم باطنی آنکھوں سے اور عمل ظاہری آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے اور ظاہری آنکھوں والے لوگ زیادہ ہیں اور جب اس کا عمل، علم کے خلاف ہوگا تو ہدایت نہیں ہو سکے گی اور ہر وہ شخص جو کوئی چیز کھاتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ تم اسے نہ کھاؤ کیونکہ یہ زہر قاتل ہے تو لوگ اس کا مذاق اڑاتے اور اس پر تہمت لگاتے ہیں اور جس کام سے ان کو منع کیا گیا اس پر ان کی حرص زیادہ ہو جاتی ہے اور وہ کہتے ہیں اگر یہ چیز اچھی اور لذیذ نہ ہوتی تو استاذ محترم اسے کیوں اختیار کرتے ہدایت دینے والا استاذ، شاگردوں کے لحاظ سے اس طرح ہے جس طرح گارے کی نسبت نقش اور لکڑی کی نسبت سایہ ہوتا ہے تو جس چیز میں خود کوئی نقش نہیں اس کے ساتھ گارے میں کیسے نقش بنے گا اور جب لکڑی ٹیڑھی ہوگی تو سایہ کیسے سیدھا ہوگا۔ اسی لیے کسی شاعر نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے " ایسے کام سے نہ روک جیسے تو خود کرتا ہے اگر تو ایسا کرے گا اور روکے گا تو تیرے لیے عار اور شرم کی بات ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :-

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ (١) "کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

اسی لیے گناہ کا بوجھ جاہل کی نسبت عالم پر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس کے پھسلنے سے ایک عالم پھسلتا ہے اور لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے :-

مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا (٢) جس نے کوئی برا عمل جاری کیا اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور عمل کرنے والوں کا بھی۔

اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :-

" دو آدمیوں نے میری کمر توڑ دی ہے ایک عالم جس نے اپنی عزت کھو دی اور دوسرا جاہل جو زاہد بن رہا ہے (٣) جاہل زاہد بن کر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے اور عالم ارتکاب گناہ سے دھوکے میں مبتلا کرتا ہے۔

---

(١) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۴۴ (٢) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۵۷

(٣) مطلب یہ ہے کہ علم پر عمل ضروری ہے اور عبادت کے لیے علم حاصل کرنا لازمی ہے ۱۲ ہزاروی

چھٹا باب

علم کی آفات نیز علمائے آخرت اور علماء سُو کی علامات

علم اور علماء کے فضائل کے بارے میں ہم نے احادیث نقل کی ہیں۔

اور بُرے علماء کے بارے میں سخت سزا کا ذکر آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن انہیں تمام مخلوق سے زیادہ عذاب ہوگا اس لیے ان علامات کو جاننا بہت اہم کام جن کے ذریعے آخرت اور دنیا کے علماء کے درمیان فرق ہوتا ہے علمائے دنیا سے ہماری مراد علمائے سُو ہیں جن کا مقصود علم سے دنیا کی نعمتیں اور اہل دنیا کے ہاں جاہ و مرتبہ حاصل کرنا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ (۱)

قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے نفع نہیں دیا۔"

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی مروی ہے آپ نے فرمایا:

وَلَا یَکُوْنُ الْمَرْءُ عَالِمًا حَتّٰی یَکُوْنَ بِعِلْمِهٖ عَامِلًا۔ (۲)

کوئی شخص اس وقت تک عالم نہیں ہو سکتا جب تک اپنے علم پر عمل نہ کرے۔"

آپ نے مزید ارشاد فرمایا:

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ، عِلْمٌ عَلَی اللِّسَانِ، فَذٰلِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلٰی خَلْقِهٖ وَعِلْمٌ فِی الْقَلْبِ فَذٰلِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ۔ (۳)

علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم ہے جو زبان پر ہوتا ہے یہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے اور دوسرا وہ علم ہے جو دل میں ہوتا ہے یہ علم نافع ہے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ عُبَّادٌ جُهَّالٌ وَعُلَمَاءُ فُسَّاقٌ۔ (۴)

آخری زمانے میں جاہل عبادت گزار اور فاسق علماء ہوں گے۔"

---

(۱) کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۰۸ (۲) کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۹۲

(۳) کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۸۲ (۴) کنز العمال ج ۱۴ ص ۲۲۲

آپ نے فرمایا:۔

لَا تَتَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوا بِهِ الْعُلَمَاءَ وَلِتُمَارُوا بِهِ السُّفَهَاءَ وَلِتَصْرِفُوا بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْكُمْ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَهُوَ فِي النَّارِ (۱)

علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ اس کے ذریعے علماء پر فخر کرو نا سمجھ لوگوں سے جھگڑا کرو اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرو جس نے ایسا کیا وہ جہنم میں جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ كَتَمَ عِلْمًا عِنْدَهُ أَلْجَمَهُ اللّٰهُ بِلِجَامٍ مِنَ النَّارِ (۲)

جس نے اس علم کو چھپایا جو اس کے پاس ہے اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔"

اور آپ نے فرمایا:۔

لَاَنَا مِنْ غَيْرِ الدَّجَّالِ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ مِنَ الدَّجَّالِ۔

مجھے تم پر دجال کی نسبت دوسری بات کا زیادہ خوف ہے عرض کیا گیا وہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا:۔

مِنَ الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّينَ (۳)

گمراہ کن ائمہ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ارشاد ہے۔

مَنِ ازْدَادَ عِلْمًا وَلَمْ يَزْدَدْ هُدًى لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا بُعْدًا۔ (۴)

جس شخص کا علم زیادہ ہوا اور ہدایت زیادہ نہ ہوئی وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جائے گا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا" کب تک تم آخر شب میں چلنے والوں کے لیے راستہ صاف کرتے رہو گے اور خود حیرت زدہ لوگوں کے ساتھ کھڑے رہو گے۔ یہ اور اس کے علاوہ احادیث علم کے بہت بڑے خطرہ پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ عالم یا تو ہمیشہ کی ہلاکت میں چلا جاتا ہے یا ابدی سعادت حاصل کر لیتا ہے اور اگر علم میں غور کرنے سے سعادت نہیں پائے گا تو سلامتی سے بھی محروم رہے گا۔

---

(۱) کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۹۶ (۲) العلل المتناہیہ جلد اوّل ص ۹۳

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۴۵

(۴) کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۹۳

صحابہ کرام اور اسلاف کے اقوال

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس امت پر سب سے زیادہ خوف علم والے منافق کا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا کوئی منافق، علم والا کیسے ہو سکتا ہے، آپ نے فرمایا "زبان کا عالم ہو گا جب کہ دل اور عمل کے اعتبار سے جاہل ہو گا"

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان لوگوں میں سے نہ ہونا جنہوں نے علماء سے علم اور حکماء کی ظرافت کو جمع کر لیا اور عمل میں بیوقوفوں کی طرح ہیں ایک شخص نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں علم حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے اس کے ضائع ہونے کا خوف ہے۔ انہوں نے فرمایا علم کو ضائع کرنے کے لیے اسے چھوڑنا ہی کافی ہے۔

حضرت ابراہیم بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ سب سے زیادہ ندامت کس کو ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے تو اس شخص کو ندامت ہوتی ہے جو ایسے شخص سے نیکی کرتا ہے جو شکریہ ادا نہیں کرتا اور موت کے وقت کوتاہی کرنے والے عالم کو ندامت ہو گی۔

حضرت خلیل بن احمد نے فرمایا مرد چار قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) جو آدمی جانتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ وہ جانتا ہے تو یہ عالم ہے اس کی پیروی کرو۔

(۲) وہ جو علم رکھتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں کہ اس کے پاس علم ہے یہ سویا ہوا ہے اس کو جگاؤ۔

(۳) وہ شخص جو نہیں جانتا اور اس کا خیال بھی یہی ہے کہ وہ نہیں جانتا یہ ہدایت کا طالب ہے اس کی راہنمائی کرو۔

(۴) وہ آدمی جو نہیں جانتا اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ نہیں جانتا تو یہ شخص جاہل ہے اس کو چھوڑ دو۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں علم، عمل کو پکارتا ہے اگر وہ اس کی بات قبول کرے تو ٹھیک ہے ورنہ علم چلا جاتا ہے حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تک آدمی علم کی طلب میں رہتا ہے وہ عالم ہوتا ہے اور جب وہ خیال کرتا ہے کہ وہ عالم ہے تو وہ جاہل بن جاتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں "مجھے تین آدمیوں پر ترس آتا ہے کسی قوم کا معزز شخص ذلیل ہو جائے، قوم کا مالدار شخص محتاج ہو جائے اور وہ عالم جس سے دنیا کھیلتی ہے" حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں "علماء کی سزا دل کا طلب کرنا ہے انہوں نے یوں پڑھا۔

مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو ہدایت دے کر گمراہی لیتا ہے اور جو آدمی دین کے بدلے دنیا حاصل کرتا ہے اس پر تو زیادہ تعجب ہے اور ان دونوں سے بھی بڑھ کر اس پر تعجب ہے جو دوسروں کی دنیا کے لیے اپنے دین کا سودا کرتا ہے وہ ان دونوں سے زیادہ تعجب خیز ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ الْعَالِمَ لَیُعَذَّبُ عَذَابًا یُطِیْفُ بِهٖ اَهْلُ النَّارِ اِسْتِعْظَامًا لِشِدَّةِ عَذَابِهٖ۔ (۱)

عالم کو ایسا عذاب دیا جائے گا کہ اس کے عذاب کی سختی کے باعث جہنمی اس کے گرد اکٹھے ہوں گے،

اس سے مراد بداعمال عالم ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا:۔

یُؤْتٰی بِالْعَالِمِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهٗ فَیَدُوْرُ بِهَا کَمَا یَدُوْرُ الْحِمَارُ بِالرَّحٰی فَیُطِیْفُ بِهٖ اَهْلُ النَّارِ فَیَقُوْلُوْنَ مَالَكَ؟ فَیَقُوْلُ: کُنْتُ اٰمُرُ بِالْخَیْرِ وَلَا اٰتِیْهِ، وَاَنْهٰی عَنِ الشَّرِّ وَاٰتِیْهِ (۲)

قیامت کے دن عالم کو لایا جائے گا اور اس کو آگ میں ڈالا جائے گا اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی تو وہ اس طرح چکر لگائے گا جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے اہل جہنم اس کے گرد چکر لگائیں گے اور پوچھیں گے تجھے کیا ہوا تو وہ کہے گا میں نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود عمل نہیں کرتا تھا اور برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس کا مرتکب ہوتا تھا۔

❁ ❁ ❁

عالم کے گناہ پر اس کا عذاب اس لئے دوگنا ہے کہ اس نے علم کے باوجود گناہ کیا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۳)

بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے۔

کیوں کہ انہوں نے جاننے کے بعد انکار کیا اور اللہ تعالیٰ سے یہودیوں کو عیسائیوں کے مقابلے میں زیادہ بُرا قرار دیا حالانکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت نہیں کی (۴) اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ وہ (خدا) تین میں سے تیسرا ہے لیکن انہوں نے معرفت حاصل ہونے کے بعد انکار کیا،

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ۔ (۵)

وہ یہودی، ان کو (حضور علیہ السلام کو) اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو (کسی شک و شبہ کے بغیر) پہچانتے ہیں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۰۵ (۲) صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۲ باب عقوبۃ من یامر بالمعروف۔

(۳) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۱۴۵

(۴) یہ بات صحیح نہیں کیونکہ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانا قرآن پاک میں ہے اور یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں ۱۲ ہزاروی (۵) قرآن مجید سورۂ انعام آیت ۲۰

اور ارشاد خداوندی ہے :-

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ، فَلَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَافِرِينَ (۱)

اور جب ان کے پاس وہ چیز آگئی جسے وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے اس کا انکار کیا پس کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے -

اللہ تعالیٰ نے بلعم بن باعوراء کے واقع میں فرمایا :-

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ - (۲)

اور ان پر اس شخص کا واقعہ پڑھیں جسے ہم نے آیات دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا پس شیطان اس کے پیچھے پڑا تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا "

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (۳)

پس اس کی مثال کتے جیسی ہے اگر تم ان پر حملہ کرو تو زبان نکالتا ہے اور اگر چھوڑ دو تو بھی زبان نکالتا ہے "

تو بدکار عالم کا بھی یہی حال ہے کیونکہ بلعم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم دیا گیا تو وہ شہوات میں پڑ گیا چنانچہ اسے کتے سے تشبیہ دی گئی - یعنی اسے حکمت ملے یا نہ ، وہ خواہشات کی طرف ہانپتا ہے -

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا برے علماء کی مثال اس چٹان جیسی ہے نہر کے کنارے پر رکھ دی جائے نہ تو وہ خود پانی پیتی ہے اور نہ ہی پانی کو کھیتی تک جانے دیتی ہے نیز برے علماء کی مثال باغ کے پختہ نالے کی طرح ہے جس کے باہر چونا ہے اور اندر بدبو ہے اور قبروں کی مثل ہے جن کا ظاہر پکا ہے اور اندر مردوں کی ہڈیاں ہیں -

تو یہ احادیث اور آثار اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ جو عالم دنیادار ہے قیامت کے دن اس کا حال جاہل سے زیادہ برا ہوگا اور اسے عذاب بھی زیادہ ہوگا اور جو لوگ کامیاب اور مقرب ہوں گے وہ علمائے آخرت ہیں -

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۸۹ (۲) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۷۵

(۳) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۷۵

(۴) بلعم بن باعوراء کا واقعہ مختصراً یوں ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں ایک زاہد شخص تھا مستجاب الدعوات تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم جبارین پر حملہ کا ارادہ کیا تو اس کی قوم نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف اکسایا اور بددعا کا مطالبہ کیا یہ مسلسل انکار کرتا رہا بالآخر انہوں نے تحائف پیش کئے تو آمادہ ہو گیا چنانچہ وہ جو بھی بددعا کرتا زبان سے اس کی اپنی قوم کا نام نکلتا اور اس سے اسم اعظم بھی لے لیا گیا (تفصیل تفاسیر میں دیکھئے) ۱۲ ہزاروی -

علمائے آخرت کی نشانیاں

ان میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے علم کے ساتھ دنیا کو طلب نہ کرے کیوں کہ عالم کا سب سے چھوٹا درجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی حقارت، ہلکا پن گدلا پن اور ناپائیداری نیز آخرت کی عظمت اور دوام اس کی نعمتوں کی صفائی اور اس کی سلطنت کی بڑائی کا شعور رکھتا ہو اور اسے معلوم ہو کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دونوں دو سوکنوں کی طرح ہیں جب ایک کو راضی کر دگے تو دوسری ناراض ہو گی یا ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں جب ایک بھاری ہو گا تو دوسرا ضرور ہلکا ہو گا، اور دو پیالوں کی طرح ہیں ان میں سے ایک بھرے گا تو دوسرا فارغ ہو گا ایک کو جتنا بھرو گے حتیٰ کہ اسے مکمل بھر دو تو دوسرا فارغ ہو جائے گا جو شخص دنیا کی حقارت، گدلا پن اور اس کی لذتوں کے تکالیف کے ساتھ ملے ہونے کی پہچان نہیں رکھتا اور نہیں جانتا کہ جو دنیوی لذت کسی خلش کے بغیر ہوتی ہو وہ جلدی ختم ہو جاتی ہے اس شخص کی عقل خراب ہے کیوں کہ مشاہدہ اور تجربہ اس بات کی خبر دیتا ہے تو جو آدمی عقل مند نہ ہو وہ علماء میں سے کیسے ہو سکتا ہے اور جو آدمی امر آخرت کی عظمت اور اس کے دوام کو نہیں جانتا وہ کافر ہے اس کا ایمان سلب ہو گیا تو جس کے پاس ایمان ہی نہیں وہ علماء میں سے کیسے ہو گا۔

اور جو شخص نہیں جانتا کہ دنیا، آخرت کی ضد ہے اور ان دونوں کو جمع کرنا ایک بے فائدہ لالچ ہے وہ تمام انبیاء کرام کی شریعتوں سے جاہل ہے بلکہ قرآن پاک کے اول سے آخر تک کا منکر ہے تو وہ کس طرح علماء کی جماعت میں شمار ہو گا، اور جو آدمی ان سب باتوں کو جانتا ہو پھر بھی آخرت کو دنیا پر ترجیح نہ دے تو اس کی شہوت نے اسے تباہ کر دیا اور اس پر بدبختی غالب آگئی تو اس درجے کا آدمی علماء کے گروہ میں کیسے شمار کیا جائے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعات میں ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "جو شخص اپنی خواہش کو میری محبت پر ترجیح دیتا ہے میں اسے کم از کم یہ سزا دیتا ہوں کہ اسے اپنی مناجات کی لذت سے محروم کر دیتا ہوں اے داؤد علیہ السلام! مجھ سے ایسے عالم کے بارے میں سوال نہ کرنا جسے دنیا نے نشے میں ڈال دیا وہ تجھے میری محبت کے راستے سے روک دے گا اور یہ لوگ میرے بندوں پر ڈاکہ ڈالنے والے ہیں اے داؤد علیہ السلام! جب کسی کو میرا طالب دیکھو تو اس کے خادم بن جاؤ، اے داؤد علیہ السلام! جو آدمی کسی بھاگے ہوئے کو میری طرف لے آتا ہے میں اسے باخبر لکھ دیتا ہوں اور جس کو میں باخبر لکھ دوں اسے کبھی بھی عذاب نہیں دوں گا" اسی لیے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا "علماء کی سزا دل کی موت ہے اور دل کی موت اُخروی عمل کے ذریعے دنیا طلب کرنا ہے" اور اسی لیے حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے فرمایا "جب علم و حکمت کے ذریعے دنیا طلب کی جائے تو اس کی قدر و قیمت جاتی رہتی ہے" حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ امراء کے پاس آتا جاتا ہے تو وہ چور ہے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ دنیا سے محبت کرتا ہے تو سمجھ لو کہ تمہارے دین وہ تہمت زدہ ہے کیونکہ ہر محبت کرنے

والا اسی چیز میں مصروف رہتا ہے جس سے محبت کرتا ہے
حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے بعض گذشتہ کتابوں میں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب کوئی عالم دنیا سے محبت کرتا ہے تو میں اسے سب سے ہلکی سزا یہ دیتا ہوں کہ اس کے دل سے مناجات کی لذت نکال دیتا ہوں۔ ایک شخص نے اپنے بھائی کو لکھا تجھے علم دیا گیا ہے پس گناہوں کے اندھیرے سے اپنے علم کے نور کو نہ بجھانا۔ اس طرح تم اس دن اندھیرے میں رہو گے جس دن اہل علم اپنے علم کی روشنی میں چلیں گے۔"
حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ علمائے دین سے یوں مخاطب ہوتے ہیں "اے علماء کرام! تمہارے محلات، قیصر (رومی بادشاہ) کے محلات اور تمہارے گھر کسریٰ (ایرانی بادشاہ) کے گھر کی طرح ہیں تمہارے کپڑے محض ظاہری ہیں موزے جالوت کے موزوں جیسے سواریاں قارونی، برتن فرعونی گناہ دور جاہلیت جیسے اور تمہارے راستے شیطانی ہیں تو شریعت محمدیہ کہاں ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔
چرواہا، بکری کو بھیڑیئے سے بچاتا ہے جب چرواہے ہی بھیڑیئے بن جائیں تو پھر کیا ہو گا" ایک دوسرے شاعر نے کہا،

"اے قراء کے گروہ! اے شہر کے نمک، جب نمک ہی خراب ہو جائے تو وہ کس کو ٹھیک کرے گا"، کسی عارف سے پوچھا گیا کہ کیا وہ شخص جسے گناہوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا انہوں نے فرمایا مجھے اس میں شک نہیں کہ جس شخص کے نزدیک دنیا کو آخرت پر ترجیح ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتا اور یہ شخص پہلے آدمی کی نسبت بہت ہلکا ہے اور یہ خیال نہ کرو کہ، علمائے آخرت کے ساتھ ملنے کے لیے ترک مال کافی ہے بلکہ مال کی نسبت عہدے کا ضرر زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے حضرت بشر رحمہ اللہ نے فرمایا لفظ حدثنا (ہم سے حدیث بیان کریں) دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جب کسی آدمی سے لفظ "حدثنا" سنو تو وہ کہتا ہے مجھے جگہ دو۔ حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ نے کتابوں کے دس سے زائد بستے اور ٹوکرے دفن کر دیئے تھے اور وہ فرماتے تھے کہ مجھے حدیث بیان کرنے کی خواہش پیدا ہوئی ہے اگر بیان حدیث کی خواہش ختم ہو گئی تو میں حدیث بیان کروں گا۔ انہوں نے اور دوسرے حضرات سے فرمایا جب تمہیں حدیث بیان کرنے کی خواہش پیدا ہو تو خاموش رہو پھر جب یہ خواہش نہ رہے تو بیان کرو۔ یہ اس لیے کہ تعلیم و ارشاد کے منصب کی لذت دنیا کی ہر نعمت کی لذت سے بڑی ہے لہٰذا جو آدمی خواہشات کی بات مانتا ہے وہ دنیا کے بیٹوں میں سے ہے اسی لیے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا، حدیث (بیان کرنے) کا فتنہ، اہل، مال اور اولاد کے فتنہ سے زیادہ سخت ہے اور اس فتنہ کا خوف کیسے نہ کیا جائے حالانکہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا۔
وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ — اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ

إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا۔ (۱) ان کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہو جاتے ۔"

حضرت سہیل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں علم تمام کا تمام دنیا ہے اور اس پر عمل آخرت ہے اور اخلاص کے بغیر تمام عمل بیکار ہے انہوں نے فرمایا علماء کے علاوہ تمام لوگ مردہ ہیں اور باعمل علماء کے علاوہ باقی تمام علماء نشے کی حالت میں ہیں اور باعمل علماء تمام کے تمام دھوکے میں ہیں سوائے ان کے جو مخلص ہیں اور مخلصین خوف زدہ ہیں کہ معلوم ان کا خاتمہ کیسے ہو،

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا جب کوئی آدمی حدیث طلب کرے تاکہ نکاح کرے یا طلب معاش کے لیے سفر کرے تو وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ وہ اونچی اونچی سندیں طلب کرتا ہے یا وہ حدیث تلاش کرتا ہے جس کی طلب آخرت کے لیے ضرورت نہیں ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ شخص اہل علم میں سے کیسے ہو سکتا ہے جس کا سفر آخرت کی طرف ہو اور وہ دنیوی راستے کی طرف متوجہ ہو، اور وہ شخص کس طرح علماء میں شمار ہو سکتا ہے جو صرف اس لیے علم کی تلاش میں رہتا ہو کہ اس کے ذریعے دوسروں کا امتحان لے عمل کرنا مقصد نہیں"

حضرت صالح بن کیسان بصری نے فرمایا "میں نے بہت سے بزرگوں کو دیکھا کہ وہ بدکار عالم حدیث سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ طَلَبَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ تَعَالَى لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۲)

جو شخص ایسا علم جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کی جاتی ہے، اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس کے سبب دنیا کا سامان پائے وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔"

٭ ٭ ٭

اللہ تعالیٰ نے علماء سوء کے بارے میں فرمایا کہ وہ علم کے ذریعے دنیا کھاتے ہیں اور علمائے آخرت خشوع اور زہد والے ہوتے ہیں علمائے دنیا کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا۔ (۳)

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ لیا جنہیں کتاب دی گئی تاکہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کریں اور اسے نہ چھپائیں تو انہوں نے اسے پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا اور اس کے ذریعے بہت کم قیمت حاصل کی۔"

٭ ٭ ٭

---

(۱) قرآن مجید سورہ الاسراء آیت ۷۴ (۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۲ باب الانتفاع بالعلم۔

(۳) قرآن مجید سورہ آل عمران آیت ۱۸۷

اور علماءِ آخرت کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خَاشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (۱)

اور بے شک اہلِ کتاب میں سے وہ لوگ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا اور جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا اس پر ایمان لاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتے ہیں اور اس کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں لیتے ان لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا "علماء کو انبیاء کرام کے گروہ میں اٹھایا جائے گا اور قاضیوں کو بادشاہوں کی جماعت میں اٹھایا جائے گا اور ہر وہ فقیہ ان قاضیوں کے مفہوم میں شامل ہے جو اپنے علم سے دنیا کا قصد کرتا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:۔

اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى بَعْضِ الْاَنْبِيَاءِ: قُلْ لِلَّذِيْنَ يَتَفَقَّهُوْنَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ، وَيَتَعَلَّمُوْنَ لِغَيْرِ الْعَمَلِ، وَيَطْلُبُوْنَ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْاٰخِرَةِ، يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ مُسُوْكَ الْكِبَاشِ وَقُلُوْبُهُمْ كَقُلُوْبِ الذِّئَابِ اَلْسِنَتُهُمْ اَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ، وَقُلُوْبُهُمْ اَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ، اِيَّايَ يُخَادِعُوْنَ، وَبِيْ يَسْتَهْزِءُوْنَ: لَاُتِيْحَنَّ لَهُمْ فِتْنَةً تَذَرُ الْحَلِيْمَ حَيْرَانًا۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام کی طرف وحی بھیجی جو لوگ غیر دین کے لیے فقہ اور غیر عمل کے لیے علم حاصل کرتے ہیں آخرت کے عمل کے ذریعے دنیا طلب کرتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے بکری کی کھال پہنتے ہیں جب کہ ان کے دل بھیڑیوں کے دلوں جیسے ہیں ان کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی اور ان کے دل ایلوا سے بھی زیادہ کڑوے ہیں وہ مجھے دھوکہ دیتے ہیں اور میرا تمسخر اڑاتے ہیں آپ ان سے فرمادیں کہ میں انہیں ایسے فتنہ میں مبتلا کروں گا جس میں ایک بردبار آدمی بھی حیران رہ جائے گا۔

حضرت ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عُلَمَاءُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ رَجُلَانِ: رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ عِلْمًا فَبَذَلَهُ لِلنَّاسِ وَلَمْ يَاْخُذْ عَلَيْهِ طَمَعًا وَلَمْ يَشْتَرِ بِهِ ثَمَنًا، فَذٰلِكَ يُصَلِّىْ عَلَيْهِ طَيْرُ السَّمَاءِ وَحِيْتَانُ الْمَاءِ

اس امت کے علماء دو (قسم کے) آدمی ہیں ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا اور اس نے اسے لوگوں پر خرچ کیا اس نے اس پر کوئی لالچ کی اور نہ اس کے بدلے کوئی قیمت لی یہ وہ شخص ہے جس کے لیے آسمان کے

(۱) قرآن مجید سورۃ آل عمران آیت ۱۹۹۔ (۲)

وَدَوَابُّ الْاَرْضِ وَالْكِرَامُ الْكَاتِبُوْنَ يُقْدِمُ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَيِّدًا شَرِيْفًا حَتّٰى يُرَافِقَ الْمُرْسَلِيْنَ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ عِلْمًا فِي الدُّنْيَا فَضَنَّ بِهٖ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ وَاَخَذَ عَلَيْهِ طَمَعًا وَاشْتَرٰى بِهٖ ثَمَنًا، فَذٰلِكَ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلْجَمًا بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ يُنَادِيْ مُنَادٍ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ هٰذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ آتَاهُ اللّٰهُ عِلْمًا فِي الدُّنْيَا فَضَنَّ بِهٖ عَلٰى عِبَادِهٖ وَاَخَذَ بِهٖ طَمَعًا وَاشْتَرٰى بِهٖ ثَمَنًا، فَيُعَذَّبُ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ حِسَابِ النَّاسِ۔ (۱)

پرندے، پانی کی مچھلیاں، زمین کے چار پائے اور کراماً کاتبین (فرشتے) رحمت کی دعا مانگتے ہیں۔ وہ عالم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک معزز سردار کی صورت میں پیش کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ رسل عظام کی رفاقت اختیار کرے گا اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں علم عطا کیا لیکن اس نے بندگان خدا سے بخل کیا اس پر طمع کیا اور قیمت وصول کی یہ عالم قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی اور لوگوں کے سامنے ایک منادی اعلان کرے گا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں علم عطا کیا لیکن اس نے اس کے بندوں سے بخل کیا لالچ کی اور اس علم کے بدلے قیمت حاصل کی چنانچہ اسے عذاب دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ لوگوں کے حساب سے فراغت ہو جائے۔"

⁂ ⁂ ⁂

اس سے بھی زیادہ سخت یہ روایت ہے کہ ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کیا کرتا تھا اس نے لوگوں کے سامنے کہنا شروع کر دیا کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان فرمایا مجھ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے نجات عطا فرمائی۔ مجھ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا حتیٰ کہ وہ بہت مالدار ہو گیا اور اس کے پاس بہت زیادہ مال جمع ہو گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے نہ دیکھا تو اس کے بارے میں پوچھنے لگے لیکن اس کا سراغ نہ ملا حتیٰ کہ ایک دن ایک شخص آیا اور اس کے پاس خنزیر تھا اور اس کے گلے میں سیاہ رسی ڈالی گئی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا تو فلاں کو جانتا ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں، وہ یہی خنزیر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے میرے رب میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اسے اصلی شکل پر لوٹا دے تاکہ میں اس سے پوچھوں کہ اسے کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ اگر آپ مجھے ان الفاظ و صفات کے ساتھ پکاریں جن کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر لوگوں نے پکارا تو بھی میں آپ کو اس کے بارے میں جواب نہیں دوں گا لیکن جس سبب سے میں نے اس کی شکل مسخ کی ہے

---

(۱) کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۰۶

وہ بتا دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہ شخص دین کے ذریعے دنیا حاصل کرتا تھا۔
اور اس سے بھی زیادہ سخت وہ روایت ہے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مِنْ فِتْنَةِ الْعَالِمِ اَنْ يَكُوْنَ الْكَلَامُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ السَّمَاعِ، وَفِي الْكَلَامِ تَنْمِيْقٌ وَزِيَادَةٌ وَلَا يُؤْمَنُ عَلٰى صَاحِبِهِ الْخَطَأُ وَفِي الصَّمْتِ سَلَامَةٌ وَعِلْمٌ، وَمِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَكُوْنُ فِي عِلْمِهِ بِمَنْزِلَةِ السُّلْطَانِ اِنْ رُدَّ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ عِلْمِهِ اَوْ تُهُوْوِنَ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّهِ غَضِبَ فَذٰلِكَ فِي الدَّرْكِ الثَّانِي مِنَ النَّارِ، وَمِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَجْعَلُ عِلْمَهُ وَغَرَائِبَ حَدِيْثِهِ لِاَهْلِ الشَّرَفِ وَالْيَسَارِ وَلَا يَرٰى اَهْلَ الْحَاجَةِ لَهُ اَهْلًا فَذٰلِكَ فِي الدَّرْكِ الثَّالِثِ مِنَ النَّارِ، وَمِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَنْصِبُ نَفْسَهُ لِلْفُتْيَا فَيُفْتِيْ بِالْخَطَاءِ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى يُبْغِضُ الْمُتَكَلِّفِيْنَ فَذٰلِكَ فِي الدَّرْكِ الرَّابِعِ مِنَ النَّارِ، وَمِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامِ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى لِيَغْزُرَ بِهِ عِلْمُهُ فَذٰلِكَ فِي الدَّرْكِ الْخَامِسِ مِنَ النَّارِ، وَمِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَتَّخِذُ عِلْمَهُ مُرُوْءَةً وَنُبْلًا وَذِكْرًا فِي النَّاسِ فَذٰلِكَ فِي الدَّرْكِ السَّادِسِ مِنَ النَّارِ، وَمِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَسْتَفِزُّهُ الزَّهْوُ وَالْعُجْبُ فَاِنْ وَعَظَ عَنُفَ وَاِنْ وُعِظَ اَنِفَ فَذٰلِكَ فِي الدَّرْكِ السَّابِعِ مِنَ النَّارِ۔

عالم کے فتنے میں سے ہے کہ اسے سننے کی نسبت کلام کرنا زیادہ پسند ہو حالانکہ تقریر میں بناوٹ اور زیادتی ہو جاتی ہے اور اس سے غلطی کا ڈر رہتا ہے جب کہ خاموشی میں سلامتی اور علم ہے۔ اور علماء میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے علم کو جمع رکھتے ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ یہ دوسروں کے پاس بھی پایا جائے تو ایسا عالم جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوگا، کوئی عالم اپنے علم میں بادشاہ کی طرح ہوتا ہے اگر اس کے علم کے بارے میں کوئی اعتراض کیا جائے یا اس کے حق میں کچھ کوتاہی کی جائے تو اسے غصہ آتا ہے ایسا عالم جہنم کے دوسرے گڑھے میں ہوگا، کوئی عالم اس طرح کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم اور عمدہ حدیثوں کو معزز اور مالدار لوگوں کے لیے کر دیتا ہے اور ضرورت مندوں کو اس کا اہل نہیں سمجھتا یہ شخص جہنم کے تیسرے درجہ میں ہوگا، بعض عالم اپنے آپ کو فتویٰ دینے کے لیے مقرر کر دیتے ہیں اور غلط فتویٰ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تکلف کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے تو ایسا عالم جہنم کے چوتھے طبقہ میں ہوگا، بعض علماء یہود و نصاریٰ کا کلام پیش کرتے ہیں تاکہ اس کے علم کی قدر ہو ایسا شخص جہنم کے پانچویں طبقہ میں جائے گا کوئی عالم اپنے علم کو لوگوں میں مروت فضیلت اور ذکر کا ذریعہ بناتا ہے یہ جہنم کے چھٹے طبقہ میں ہوگا۔ بعض علماء کو تکبر اور خود پسندی دھوکہ دیتی ہے، اگر خود وعظ کرے تو سختی کرتا ہے

نَعَلَيْكَ يَا أَخِي بِالصَّمْتِ فَبِهِ تَغْلِبُ الشَّيْطَانَ، وَإِيَّاكَ أَنْ تَضْحَكَ مِنْ غَيْرِ عَجَبٍ أَوْ تَمْشِيَ فِي غَيْرِ أَرَبٍ (۱)

اور اگر اسے نصیحت کی جائے تو ناک چڑھاتا ہے یہ شخص جہنم کے ساتوں طبقہ میں ہوگا، تو اے بھائی! تجھ پر خاموشی لازم ہے اس طرح تم شیطان پر غالب آؤ گے، کسی عجیب بات کے بغیر نہ ہنسنا اور کسی مقصد کے بغیر باہر نہ جانا۔

٭ ٭ ٭

ایک دوسری حدیث میں ہے :۔

إِنَّ الْعَبْدَ لَيُنْشَرُ لَهُ مِنَ الثَّنَاءِ مَا يَمْلَأُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ۔ (۲)

ایک شخص کے لیے تعریف اس قدر پھیلا دی جاتی ہے کہ وہ مشرق و مغرب کے درمیان کو بھر دیتی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوتی ۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اپنی مجلس سے واپس ہونے لگے تو ایک خراسانی آدمی نے ایک تھیلی پیش کی جس میں پانچ ہزار درھم اور باریک ریشم کے دس کپڑے تھے۔ اور کہا اے ابوسعید! یہ خرچ کے لیے ہیں اور یہ پہننے کے کپڑے ہیں حضرت حسن رحمۃ اللہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے اپنی رقم اور کپڑے لے جا، ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے جو شخص میری طرح کی مجلس میں بیٹھے اور لوگوں سے اس قسم کی چیزیں قبول کرے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے یوں ملاقات کرے گا کہ اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "

لَا تَجْلِسُوا عِنْدَ كُلِّ عَالِمٍ إِلَّا إِلَى عَالِمٍ يَدْعُوكُمْ مِنْ خَمْسٍ إِلَى خَمْسٍ مِنَ الشَّكِّ إِلَى الْيَقِينِ وَمِنَ الرِّيَاءِ إِلَى الْإِخْلَاصِ وَمِنَ الرَّغْبَةِ إِلَى الزُّهْدِ وَمِنَ الْكِبْرِ إِلَى التَّوَاضُعِ وَمِنَ الْعَدَاوَةِ إِلَى النَّصِيحَةِ (۳)

ہر عالم کے پاس نہ بیٹھو، صرف اسی عالم کے پاس بیٹھو جو تمہیں دس چیزوں کو چھوڑ کر دوسری دس چیزوں کی دعوت دیتا ہے شک سے یقین کی طرف، ریاکاری سے اخلاص کی طرف، دنیوی رغبت سے زہد کی طرف، تکبر سے عاجزی کی طرف اور دشمنی سے خیرخواہی کی طرف بلاتا ہے۔

٭ ٭ ٭

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ

پھر وہ (قارون) بن ٹھن کر قوم کی طرف نکلا تو جو لوگ

---

(۱) الموضوعات لابن جوزی جلد اول ص ۲۶۵ باب ذم من لم یعمل بالعلم (۲) الاسرار المرفوعۃ ص ۴۔
(۳) کنز العمال ج ۹ ص ۱۴۷۔

يُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ (۱)

دنیوی زندگی چاہتے تھے، کہنے لگے کاش ہمارے لیے بھی اس کی مثل ہوتا جو قارون کو دیا گیا بے شک یہ بہت بڑے حصے والا ہے اور جن کو علم دیا گیا تھا انہوں نے کہا تمہارے لیے ہلاکت ہو ایمان والوں کیلئے ثواب بہتر ہے"۔

تو اہل علم نے جان لیا کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دینی چاہیے۔

علماء آخرت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کا عمل اس کے قول کے خلاف نہ ہو بلکہ جب تک وہ کسی بات پر خود عمل نہ کرتا ہو اس کا حکم نہ دے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ (۲)

کیا تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو"

اور ارشاد خداوندی ہے :۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۳)

اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے غضب کا باعث ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے"

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا۔

وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ۔ (۴)

میں جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں اس میں تمہاری مخالفت کا ارادہ نہیں کرتا"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (۵)

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ تمہیں سکھاتا ہے"

ارشاد خداوندی ہے :۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا۔ (۶)

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو"

نیز فرمایا:۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا (۷)

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو"

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ القصص آیت ۸۰ (۲) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت نمبر ۴۴ (۳) قرآن مجید سورۂ صف آیت ۳
(۴) قرآن مجید سورۂ آیت ۸۸ (۵) قرآن مجید سورہ بقرہ ہود آیت ۲۸۲ (۶) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۱۹۴ (۷) قرآن مجید سورہ مائدہ آیت ۱۰۸

اے ابن مریم! اپنے نفس کو نصیحت کرو اگر وہ نصیحت کو قبول کرے تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے حیا کرو،،
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَرَرْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ بِاَقْوَامٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَارٍ فَقُلْتُ مَنْ اَنْتُمْ فَقَالُوْا كُنَّا نَامُرُ بِالْخَيْرِ وَلَا نَاتِيْهِ وَنَنْهٰى عَنِ الشَّرِّ وَنَاتِيْهِ ۔(۱)

شب معراج میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود نیکی نہیں کرتے تھے۔ اور برائی سے روکتے تھے حالانکہ خود اس کے مرتکب ہوتے تھے۔

٭ ٭ ٭

نیز آپ نے فرمایا:۔

هَلَاكُ اُمَّتِيْ عَالِمٌ فَاجِرٌ وَعَابِدٌ جَاهِلٌ وَشَرُّ الشِّرَارِ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَخَيْرُ الْخِيَارِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ ۔(۲)

میری امت کی ہلاکت (کا باعث) بدکار عالم اور جاہل عابد ہے اور بدترین لوگ برے علماء ہیں اور سب سے بہترین لوگ بہترین علماء ہیں۔

حضرت اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ناکوں نے کفار کے مردہ جسموں کی بدبو کی شکایت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ برے علماء کا دل اس سے زیادہ بدبودار ہے جس میں تم ہو"۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ قیامت کے دن فاسق علماء کا حساب بت پرستوں سے بھی پہلے ہوگا"۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جو شخص علم نہیں رکھتا اس کے لیے ایک بار خرابی ہے اور جو عالم، عمل نہیں کرتا اس کے لیے سات بار خرابی ہے"۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "قیامت کے دن اہل جنت کا ایک طبقہ جہنمیوں کی ایک جماعت کی طرف جھانکے گا اور وہ ان سے کہیں گے نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے اور برائی سے روکتے تھے لیکن خود نہیں چھوڑتے تھے"۔ حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ نے فرمایا قیامت کے دن اس عالم سے زیادہ حسرت کسی کو نہ ہوگا جس نے لوگوں کو سکھایا اور انہوں نے عمل کیا لیکن خود اس نے عمل نہ کیا لہٰذا وہ اس عمل کے سبب کامیاب ہوگئے اور یہ ہلاک ہوگیا۔
حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جب کوئی عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو لوگوں کے دلوں سے اس

---

(۱) الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۲۴ الترہیب من ان یعلم ولا یعمل بعلمہ۔
(۲) سنن الدارمی ج ۱ ص ۸۲

وعظ اس طرح پھیلتا ہے جیسے صاف (سیدھے) پتھر سے قطرہ پھسل جاتا ہے، کسی شاعر نے کہا۔

"اے لوگوں کو وعظ کرنے والے تم تو تہمت زدہ ہو کیوں کہ جو عیب ان میں بتاتے ہو وہ خود کرتے ہو تم بہت کوشش سے اور زور لگا کر ان کو نصیحت کرتے ہو لیکن مجھے اپنی عمر کی قسم، ہلاکت خیز چیزیں تمہاری جانب آرہی ہیں تم دنیا اور اس کی طرف راغب لوگوں کو برا کہتے ہیں جب کہ خود دنیا میں ان سے زیادہ رغبت رکھتے ہو۔"

ایک دوسرے شاعر نے کہا۔

ایسے کام سے نہ روکو جس کی مثل خود کرتے ہو اگر تم ایسا کرو گے تو یہ بڑے شرم کی بات ہے۔"

حضرت ابراہیم ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا "میں مکہ مکرمہ میں ایک پتھر کے پاس سے گزرا اس پر لکھا ہوا تھا مجھے الٹ کر عبرت حاصل کرو، میں نے الٹایا تو اس پر لکھا ہوا تھا تم اپنے علم پر عمل نہیں کرتے اور جو کچھ نہیں جانتے اس کی طلب میں ہو"

حضرت ابن سماک نے فرمایا "کتنے ہی لوگ، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے ہیں لیکن خود اسے بھول جاتے ہیں کتنے ہی ڈرانے والے خود اللہ تعالیٰ پر جرأت کرتے ہیں کتنے ہی لوگ دوسروں کو خداوند تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں خود اس سے دور ہوتے ہیں کتنے ہی لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں لیکن خود بھاگتے ہیں کتنے ہی لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں لیکن اس کی آیات سے علیحدہ رہتے ہیں۔"

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا "ہم نے اپنے کلام کو عمدہ بنایا اور اس میں کوئی غلطی نہ کی لیکن اپنے اعمال میں غلطی کی اسے درست نہ کیا" حضرت اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جب فصاحت و بلاغت آتی ہے خشوع چلا جاتا ہے۔(۱)

حضرت مکحول، حضرت عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم مسجد قبا میں علم کے درس و تدریس میں مشغول تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے آپ نے فرمایا۔

تَعَلَّمُوْا مَا شِئْتُمْ اَنْ تَعَلَّمُوْا فَلَنْ يَّاْجُرَكُمْ حَتّٰى تَعْمَلُوْا (۲) جو چاہو سیکھو لیکن اللہ تعالیٰ ہرگز تمہیں اجر نہیں دے گا جب تک عمل نہیں کرو گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "جو شخص علم حاصل کرتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس عورت جیسی ہے

---

(۱) یعنی جب کوئی مقرر اپنی تقریر میں الفاظ کے اتار چڑھاؤ وغیرہ میں لگ جاتا ہے تو خشوع ختم ہو جاتا ہے البتہ کسی شخص کو قدرتی طور پر یہ ملکہ حاصل ہو تو وہ الگ بات ہے ۱۲ ہزاروی

(۲) کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۴۲

جو چھپ کر زنا کا ارتکاب کرتی ہے پھر حاملہ ہو جاتی ہے اور اس کا حمل ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ رسوا ہوتی ہے اسی طرح جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سامنے رسوا فرمائے گا۔"

حضرت معاذ رحمہ اللہ نے فرمایا "عالم کی لغزش سے ڈرو کیونکہ مخلوق کے نزدیک اس کی قدر و منزلت زیادہ ہے اور لوگ اس کی لغزش کے پیچھے چلتے ہیں۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب کوئی عالم پھسلتا ہے تو اس کے پھسلنے سے مخلوق میں سے ایک جہان پھسلتا ہے۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں "تین باتیں ایسی ہیں جن سے اہل زمانہ برباد ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک عالم کا پھسلنا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں دل کا مٹھاس کھارا ہو جائے گا اس وقت کسی عالم اور طالب علم کو اس کے علم سے نفع نہیں ہو گا علماء کے دل بنجر کھیت کی طرح ہو جائیں گے اس پر بارش ہوتی ہے لیکن مٹھاس پیدا نہیں ہوتی اور یہ اس وقت ہو گا جب علماء کے دل دنیا کی محبت کی طرف مائل ہو جائیں گے اور وہ اسے آخرت پر ترجیح دیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ دلوں سے حکمت کے چشمے نکال لے گا۔ اور ہدایت کے چراغ بجھا دے گا جب تو کسی عالم سے ملاقات کرے گا تو وہ کہے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے لیکن اس کے عمل سے گناہ ظاہر ہو گا اس دن زبانوں میں کس قدر چاشنی ہو گی لیکن دل خشک ہوں گے مجھے اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ صرف اس لیے ہو گا کہ اساتذہ نے غیر خدا کے لیے سکھایا اور طلباء نے غیر خدا کے لیے سیکھا۔

تورات اور انجیل میں لکھا ہے، "جو چیز نہیں جانتے اس کا علم اس وقت تک حاصل نہ کرو جب تک سیکھے ہوئے پر عمل نہ کر لو۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تم اس زمانے میں ہو کہ اس میں جو شخص علم کے دسویں حصہ پر عمل کو چھوڑ دے تو ہلاک ہو گا اور عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ (حاصل کردہ) علم کے دسویں حصہ پر بھی عمل کر لے تو نجات پائے گا۔ کیونکہ اس وقت جھوٹوں کی کثرت ہو گی جان لو کہ عالم کی مثال قاضی جیسی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ، قَاضٍ قَضٰى بِالْحَقِّ وَهُوَ يَعْلَمُ فَذٰلِكَ فِي الْجَنَّةِ، وَقَاضٍ قَضٰى بِالْجَوْرِ وَهُوَ يَعْلَمُ اَوْ لَا يَعْلَمُ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ قَضٰى بِغَيْرِ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ فَهُوَ فِي النَّارِ۔(۱)

قاضی تین قسم کے ہیں (۱) وہ قاضی جو اپنے علم کے مطابق حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے یہ جنت میں جائے گا (۲) وہ قاضی جو ظلم کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے وہ جہنم میں جائے گا جانتا ہو یا نہ، (۳) اور وہ قاضی جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ بھی جہنم میں جائے گا۔

(۱) المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۹۰ کتاب الاحکام۔

حضرت کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں آخری زمانے میں کچھ علماء ہوں گے جو لوگوں کو دنیا سے بے رغبتی کا سبق دیں گے اور خود اس سے الگ نہیں ہوں گے لوگوں کو خوفِ خدا کی تعلیم دیں گے خود نہیں ڈریں گے، لوگوں کو حکمرانوں کے پاس جانے سے منع کریں گے لیکن خود ان کے پاس جائیں گے، دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں گے، اپنی زبانوں کی کمائی کھائیں گے، امراء کے قریب ہوں گے، غرباء کے قریب نہیں جائیں گے علم پر ایک دوسرے سے یوں لڑیں گے جس طرح عورتیں مردوں پر لڑتی ہیں اگر ان کا کوئی ساتھی کسی دوسرے عالم کے پاس جاکر بیٹھے گا تو وہ اس پر غصہ کریں گے یہ لوگ متکبر اور اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بعض اوقات شیطان تمہیں علم کے ذریعے ہلاک کرتا ہے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا وہ کہتا ہے علم طلب کرو اور جب تک علم مکمل نہ ہو جائے عمل نہ کرو چنانچہ وہ ہمیشہ علم حاصل کرنے کے بارے میں کہتا رہتا ہے اور عمل کے معاملے میں ہلاک کرتا ہے حتی کہ موت آجاتی ہے اور وہ عمل نہیں کرتا (۱)

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک شخص جو ظاہری علوم پر بڑا حریص تھا عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو گیا میں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا میں نے خواب میں کسی شخص کو دیکھا وہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے ضائع کر دے کب تک علم کو ضائع کرے گا میں نے کہا میں تو اس کی حفاظت کرتا ہوں اس نے کہا علم کی حفاظت عمل کے ساتھ ہوتی ہے چنانچہ میں نے (مزید) علم کی طلب چھوڑ کر عمل شروع کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں علم، کثرتِ روایات کا نام نہیں علم تو خشیتِ الٰہیہ کا نام ہے "حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جو کچھ سیکھنا چاہو سیکھو لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں اس وقت تک اجر عطا نہیں فرمائے گا جب تک عمل نہیں کرو گے۔ بیوقوفوں کا مقصد علم روایت ہے اور علماء کا مقصد اس علم کی پاسداری ہے۔ حضرت مالک رحمہ اللہ نے فرمایا "علم حاصل کرنا اچھی بات ہے اور اسے پھیلانا بھی اچھی بات ہے جب کہ نیت صحیح ہو لیکن دیکھا کرو کہ جو چیز صبح سے شام تک تمہارے ساتھ رہتی ہے اس پر کسی دوسری چیز کو ترجیح نہ دو"، (یعنی عمل کرو) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قرآن پاک اس لیے نازل ہوا کہ اس پر عمل کیا جائے تو تم نے اس کے درس کو بھی عمل سمجھ رکھا ہے عنقریب ایک ایسی قوم آئے گی جو اسے نیزے کی طرح سیدھے کرے گی وہ تم میں سے بہتر لوگ نہیں ہوں گے۔ وہ عالم جو عمل نہیں کرتا وہ اس مریض کی طرح جو دوائی کی تعریف کرتا ہے اور اس بھوکے کی طرح ہے جو کھانوں کی لذتوں کی تعریف کرتا ہے لیکن وہ انہیں حاصل نہیں کرتا۔

اسی سلسلے میں ارشادِ خداوندی ہے۔

---

(۱) قوت القلوب جلد اوّل ص ۱۴۱ کتاب العلم۔

وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ (۱) اور تمہارے لیے اس چیز سے خرابی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔
اور حدیث شریف میں ہے "مجھے جن باتوں کا خوف ہے ان میں سے عالم کی لغزش اور منافق کا قرآن پاک میں جھگڑنا بھی ہے۔

ان (علماء آخرت کی علامات) میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا ارادہ اس علم کو حاصل کرنا ہو جو آخرت میں نفع دیتا ہے اور عبادت میں رغبت پیدا کرتا ہے وہ ایسے علوم سے اجتناب کرے جن کا نفع کم ہے اور جھگڑا نیز بحث، مباحثہ زیادہ ہے جو شخص علمِ اعمال سے اعراض کرتا اور جھگڑوں میں مشغول رہتا ہے وہ اس بیمار کی طرح ہے جو بہت سی بیماریوں میں مبتلا ہو، اور ایسے تنگ وقت میں ماہر طبیب مل جائے جب اس کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو وہ جڑی بوٹیوں اور دوائیوں کی خصوصیات اور طب کی عجیب و غریب باتوں کے بارے میں سوال شروع کر دے اور اس اہم بات کو چھوڑ دے جس میں وہ جکڑا ہوا ہے۔ یہ محض بیوقوفی ہے۔
ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کہا مجھے علم کی عجیب و غریب باتیں بتائیے آپ نے اس سے فرمایا تم نے بنیادی علم میں کیا عمل کیا؟ اس نے پوچھا بنیادی علم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تو نے اس کے حق (کی ادائیگی) میں کیا کیا؟ اس نے عرض کیا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ آپ نے فرمایا تجھے موت کی پہچان حاصل ہے اس نے کہا جی ہاں آپ نے فرمایا تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے، اس نے کہا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا، آپ نے فرمایا جاؤ اور ان امور میں پختگی اختیار کرو پھر آنا ہم تجھے علم کی عجیب باتیں سکھائیں گے (۲)
بلکہ متعلم کو چاہیے کہ وہ اس جنس سے ہو جس کے بارے میں حضرت شفیق بلخی رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت حاتم رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

تینتیس سالہ دورِ طالب علمی کا ماحصل

حضرت شفیق نے ان سے پوچھا کہ تم میرے ساتھ کتنے سال رہے؟ انہوں نے عرض کیا تینتیس سال، فرمایا، اس عرصہ میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا؟ انہوں نے عرض کیا آٹھ مسائل، حضرت شفیق نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔
میری عمر تیرے ساتھ گذر گئی اور تو نے صرف آٹھ مسائل سیکھے، انہوں نے عرض کیا اے استاذ! میں نے اس کے علاوہ کچھ نہیں سیکھا اور میں جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتا انہوں نے فرمایا وہ آٹھ مسائل بیان کرو تاکہ میں سنوں۔
حضرت حاتم نے فرمایا میں نے اس مخلوق پر نظر کی تو دیکھا کہ ہر شخص ایک محبوب سے محبت کرتا ہے اور وہ اپنے

---

(۱) قرآن مجید سورۃ انبیاء آیت ۱۸

محبوب کے ساتھ قبر تک جاتا ہے قبر تک پہنچنے کے بعد وہ اس سے جدا ہو جاتا ہے تو میں نے نیکیوں کو اپنا محبوب بنایا جب میں قبر میں جاؤں گا تو میرا محبوب میرے ساتھ داخل ہو گا حضرت شفیق نے فرمایا بہت خوب اے حاتم! دوسری بات کونسی ہے؟

انہوں نے عرض کیا میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں نظر کی۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (۱)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہش سے بچایا جنت اس کا ٹھکانا ہے،

مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قول حق ہے تو میں نے اپنے نفس کو خواہش سے دور رہنے کی عادت ڈال دی ہے حتیٰ کہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر پکا ہو گیا ہے۔

"تیسری بات یہ ہے کہ میں نے اس مخلوق میں نظر کی تو دیکھا کہ جس شخص کے پاس کوئی قیمتی چیز ہوتی ہے وہ اس کو بلند رکھتا اور اس کی حفاظت کرتا ہے پھر میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کو دیکھا۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔ (۲)

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا"

لہذا جب بھی میرے پاس کوئی قدر و قیمت والی چیز آتی ہے تو میں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیتا ہوں تاکہ وہ اس کے پاس محفوظ رہے،

چوتھی بات یہ ہے کہ میں نے اس مخلوق پر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک مال، حسب و نسب، اور شرف کی طرف لوٹتا ہے جب میں نے غور کیا تو دیکھا کہ یہ کوئی چیز نہیں پھر میں نے ارشاد خداوندی کو دیکھا۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے زیادہ معزز وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے"

تو میں نے تقویٰ کو اختیار کیا تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز بن جاؤں۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ میں نے اس مخلوق میں نظر کی تو وہ ایک دوسرے پر لعن طعن کرتے ہیں اور اس کی بنیاد حسد ہے پھر میں نے اللہ تعالیٰ کا تعالیٰ کا ارشاد گرامی دیکھا ہے فرمایا:۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ نازعات آیت نمبر (۲) قرآن مجید سورۃ نحل آیت ۹۶

(۳) قرآن مجید سورۃ حجرات آیت ۱۳

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۱) ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کی روزی ان کے درمیان تقسیم کر دی ہے۔"

تو میں نے حسد چھوڑ دیا اور مخلوق سے الگ رہا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ تقسیم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو میں نے مخلوق کی دشمنی کو ترک کر دیا۔

چھٹی بات یہ ہے کہ میں نے اس مخلوق کو دیکھا کہ ان میں سے بعض، بعض پر زیادتی کرتے ہیں تو میں نے ارشاد خداوندی میں نظر کی فرمایا۔

اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔(۲) بے شک تمہارا دشمن ہے تو اسے اپنا دشمن سمجھو۔

لہٰذا میں نے صرف اسی سے دشمنی کی اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیونکہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی شہادت پائی جاتی ہے کہ وہ میرا دشمن ہے پس میں نے اس کے علاوہ مخلوق سے دشمنی کو چھوڑ دیا ہے۔

ساتویں بات یہ ہے کہ میں نے مخلوق کی طرف دیکھا تو ان میں سے ہر ایک کو یوں پایا کہ وہ روٹی کے اس ٹکڑے کی طلب میں اپنے نفس کو ذلیل کرتا ہے اور اس میں اس چیز کو داخل کرتا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں نظر کی ارشاد خداوندی ہے:۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (۳) زمین میں کوئی بھی چار پایہ نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔

تو مجھے معلوم ہوا کہ میں بھی ان جاندار چیزوں میں سے ایک ہوں جن کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے تو میں اس کام میں مشغول ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر لازم ہے اور جو کچھ میرے لیے اس کے پاس ہے اس کو چھوڑ دیا۔

آٹھویں بات یہ ہے کہ میں نے اس مخلوق کی طرف نظر کی تو میں نے دیکھا کہ یہ تمام لوگ مخلوق پر بھروسہ کرتے ہیں کوئی زمین پر، کوئی اپنی تجارت پر کوئی اپنی صنعت پر اور کوئی اپنے بدن کی صحت پر بھروسہ کرتا ہے گویا ہر مخلوق، اپنی جیسی مخلوق پر توکل کرتی ہے پھر میں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کی طرف رجوع کیا ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (۴) اور جس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا وہ اس کیلئے کافی ہے۔

حضرت شفیق نے فرمایا اے حاتم! اللہ تعالیٰ تجھے توفیق عطا فرمائے میں نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید کے علوم کو دیکھا تو خیر اور دیانت کی تمام اقسام کو یوں پایا کہ وہ ان آٹھ مسائل کے گرد گھومتے ہیں لہٰذا جس نے ان پر عمل کیا اس نے

---

(۱) قرآن مجید سورہ زخرف آیت ۳۲ (۵) قرآن مجید سورہ فاطر آیت ۶

(۲) قرآن مجید سورہ ہود آیت ۶ (۳) قرآن مجید سورہ طلاق آیت ۳

چاروں کتابوں پر عمل کر لیا۔

تو اس طرح کے فن کو حاصل کرنے اور سمجھنے کا اہتمام علماء آخرت ہی کرتے ہیں جہاں تک علماء دنیا کا تعلق ہے تو وہ اس چیز میں مشغول ہوتے ہیں جس کے ذریعے مال اور مرتبہ کا حصول آسان ہو جائے، اور اس قسم کے علوم جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا، ان کو چھوڑ دیتے ہیں حضرت ضحاک بن مزاحم نے فرمایا میں نے ان اسلاف کو پایا کہ وہ ایک دوسرے کو تقویٰ سکھاتے تھے اور آج یہ لوگ کلام کے علاوہ کچھ نہیں سیکھتے علمائے آخرت کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ کھانے پینے میں آسائش، لباس میں زیب و زینت گھریلو سامان اور مکان میں زیادہ حسن و خوبصورتی کی طرف مائل نہیں ہوتے، بلکہ ان تمام چیزوں میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں پہلے بزرگوں کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اور کم از کم پر اکتفاء کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جب بھی قلیل مقدار کی طرف ان کا میلان بڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قرب زیادہ ہو گا۔ اور علمائے آخرت کے مرتبے کی طرف ترقی کرے گا۔ اس سلسلے میں حضرت ابو عبد اللہ خواص رحمہ اللہ کی حکایت شاہد ہے۔ وہ حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے تھے وہ فرماتے ہیں میں حضرت حاتم کے ہمراہ علاقہ رے کی طرف گیا ہمارے ساتھ تین سو بیس افراد تھے اور ہم حج کا ارادہ رکھتے تھے وہ سب کمبل پوش تھے نہ اس کے پاس توشہ دان تھا اور نہ کھانا، ہم ایک تاجر کے پاس اترے جو تنگ دست تھا لیکن مساکین سے محبت کرتا تھا اس نے اس رات ہماری مہمان نوازی کی جب دوسرا دن ہوا تو اس نے حضرت حاتم سے کہا آپ کی کچھ ضرورت ہو تو بتائیں کیوں کہ میں ایک فقیہ کی عیادت کے لیے جا رہا ہوں جو بیمار ہے۔ حضرت حاتم نے فرمایا بیمار پرسی فضیلت کا کام ہے اور فقیہ (عالم) کو دیکھنا عبادت ہے لہذا میں بھی تمہارے ساتھ جاتا ہوں جو شخص بیمار تھا وہ محمد بن مقاتل تھے جو رے کے قاضی تھے۔ جب ہم دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک بلند اور خوبصورت محل ہے حضرت حاتم سوچ میں پڑ گئے اور فرمانے لگے ایک عالم کا دروازہ اس انداز کا! پھر انہیں اجازت دی گئی تو اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھا کہ ایک خوبصورت اور نہایت کشادہ مکان ہے اور اس پر پردے لٹکے ہوئے ہیں، حضرت حاتم متفکر ہو گئے پھر اس مجلس کی طرف گئے جس میں وہ قاضی صاحب تھے تو دیکھا کہ ایک نرم بچھونا ہے وہ اس پر آرام فرما ہیں سر کی طرف ایک غلام پنکھا لیے کھڑا ہے تاجر جو زیارت کے لیے آیا تھا سر کے پاس بیٹھا اور حال دریافت کرنے لگا۔ جب کہ حضرت حاتم اسی طرح کھڑے تھے۔ ابن مقاتل نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹھ جائیں انہوں نے فرمایا میں نہیں بیٹھوں گا، اس نے پوچھا آپ کو کوئی کام ہے؟ فرمایا ہاں، کہا کیا ہے؟ فرمایا میں آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

انہوں نے کہا پوچھئے، آپ نے فرمایا سیدھے ہو کر بیٹھ جائیں تاکہ میں آپ سے سوال کروں، وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے حضرت حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہایت با اعتماد حضرات نے مجھ سے بیان کیا، پوچھا انہوں نے کس سے حاصل کیا؟ کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے، پوچھا صحابہ کرام

نے کس سے علم حاصل کیا ؟ ، کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، پوچھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سے حاصل کیا ؟
حضرت جبریل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے،
حضرت حاتم رحمہ اللہ نے پوچھا کہ جو کچھ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام تک اور صحابہ کرام نے ثقہ اور با اعتماد لوگوں تک پہنچایا اس میں آپ نے سنا ہے کہ جس شخص کا مکان اونچا اور وسیع ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر و منزلت زیادہ ہوگی ؟ انہوں نے کہا نہیں پوچھا آپ نے کیا سنا ہے ؟ میں نے یہ سنا ہے کہ جو شخص دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے گا، آخرت میں رغبت کرے گا، مساکین سے محبت کرے گا، آخرت کے لیے آگے بھیجے گا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مقام و مرتبہ ہوگا حضرت حاتم رحمہ اللہ نے پوچھا تو آپ نے کس کی پیروی کی ہے ؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ صحابہ کرام، صالحین کی ؟ یا فرعون اور نمرود کی جن نے سب سے پہلے چونے اور اینٹوں کا مکان بنایا۔ اے علماء سو! ایک جاہل حریص اور دنیا سے رغبت کرنے والا جب تمہارے جیسے لوگوں کو (اس حالت میں) دیکھتا ہے تو کہتا ہے ایک عالم اس حالت میں ہے تو کیا میں اس سے بدتر نہیں اس کے بعد حضرت حاتم وہاں سے چلے گئے اور ابن مقاتل کی بیماری بڑھ گئی ہو سکتا ابن مقاتل اور ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی، اہل رَے کو اس کا علم ہوگیا انہوں نے حضرت حاتم سے کہا کہ قزوین میں طنافسی کو اس سے زیادہ فراخی حاصل ہے حضرت حاتم قصداً ادھر چل پڑے جب اس کے پاس داخل ہوئے تو فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے میں ایک عجمی شخص ہوں دین کی ابتدائی باتیں اور نماز کی چابی یعنی وضو کے بارے میں سیکھنا چاہتا ہوں میں نماز کے لیے کیسے وضو کروں ؟
انہوں نے کہا بہت بہتر، پھر غلام سے کہا کہ پانی کا برتن لاؤ، وہ برتن لائے تو طنافسی نے بیٹھ کر وضو کیا اور تین تین بار اعضاء کو دھویا۔ پھر کہا کہ اس طرح وضو کرو، حضرت حاتم نے فرمایا آپ اپنی جگہ ٹھہریں تاکہ میں آپ کے سامنے وضو کروں اور میرا مقصد مضبوط ہو جائے۔ طنافسی کھڑے ہو گئے اور حاتم بیٹھ گئے وضو کیا اور بازوؤں کو چار چار بار دھویا۔ طنافسی نے کہا اے فلاں! تم نے فضول خرچی کی ہے، حضرت حاتم نے اس سے فرمایا کس چیز میں ؟ کہا آپ نے اپنے بازوؤں کو چار چار بار دھویا۔
حضرت حاتم نے فرمایا سبحان اللہ العظیم! میں نے ایک چلو پانی میں اسراف کیا اور تم نے ان تمام چیزوں کو جمع کر کے بھی اسراف نہیں کیا طنافسی کو معلوم ہو گیا کہ ان کا مقصد یہ تھا، سیکھنا مقصود نہ تھا،
وہ گھر میں داخل ہو گئے اور چالیس دن تک لوگوں کی طرف باہر نہ آئے، جب حضرت حاتم بغداد پہنچے تو تمام اہل بغداد ان کے پاس اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے اے ابو عبدالرحمٰن! آپ ایک عجمی شخص ہیں اور رُک رُک کر بات کرتے ہیں، اگر آپ سے جو بھی کلام کرتا ہے اس کا منہ توڑ جواب دیتے ہیں انہوں نے فرمایا مجھے تین باتیں حاصل ہیں میں انہیں اپنے مخالف کے سامنے ظاہر کرتا ہوں، جب میرا مخالف درست بات کرتا ہے تو میں خوش ہوتا ہوں، جب وہ غلطی کرتا ہے

تو میں غمگین ہو جاتا ہوں اور مخالف کے ساتھ جہالت کا سلوک کرنے سے اپنے نفس کو بچاتا ہوں یہ بات حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا سبحان اللہ! وہ کتنے عقلمند شخص ہیں ہمیں بھی ان کے پاس لے چلو جب ان کے پاس پہنچے تو امام احمد نے ان سے پوچھا اے ابو عبدالرحمٰن! دنیا سے سلامتی کس بات میں ہے؟ انہوں نے فرمایا اے ابو عبداللہ! جب آپ میں چار خصلتیں نہ ہوں آپ دنیا سے نہیں بچ سکتے۔

(۱) لوگوں کی جہالت سے درگزر کرو۔

(۲) ان کے ساتھ جہالت سے پیش نہ آؤ،

(۳) ان کو کچھ دو۔

(۴) اور ان کے مال سے مایوس رہو، جب تمہاری یہ حالت ہو گی تو دنیا سے بچ جاؤ گے،

پھر حضرت حاتم مدینہ منورہ چلے گئے اہل مدینہ نے آپ کا استقبال کیا۔

آپ نے فرمایا اے قوم! یہ کونسا شہر ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ طیبہ ہے، فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محل کہاں ہے جہاں میں نماز پڑھوں؟ انہوں نے عرض کیا آپ کا تو کوئی محل نہ تھا آپ کا خانۂ اقدس زمین کے بالکل قریب تھا (بہت بلند نہ تھا)۔ فرمایا صحابہ کرام کے محلات کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا ان کے بھی محلات نہیں تھے ان کے گھر بھی زمین سے ملے ہوئے پست تھے۔

حضرت حاتم نے فرمایا اے قوم پھر تو یہ فرعون کا شہر ہے۔ چنانچہ لوگ آپ کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ ایک عجمی شخص ہے اور کہتا ہے کہ یہ فرعون کا شہر ہے۔ حاکم نے پوچھا ایسا کیوں ہے؟

حضرت حاتم نے فرمایا مجھ پر جلدی نہ کیجئے میں ایک عجمی مسافر آدمی ہوں میں شہر میں داخل ہوا تو پوچھا یہ کس کا شہر ہے؟ انہوں نے کہا یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر (مدینہ طیبہ) ہے میں نے پوچھا آپ کا محل کہاں ہے؟ پھر آپ نے تمام واقعہ سنایا، اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1] "تمہارے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے"

تم نے کس نمونے کو اختیار کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (کی زندگی) کا یا فرعون کا جس نے سب سے پہلے چونے اور اینٹوں کی عمارت بنائی چنانچہ وہ آپ سے الگ ہو گئے اور آپ کو چھوڑ دیا تو یہ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ کا واقعہ ہے اکابر اسلاف کی شکستہ حالی اور زینت ترک کرنے کے بارے میں اپنے مقام پر ذکر ہو گا جو اس بات پر شاہد ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ احزاب آیت ۲۱

مباح چیزوں سے بچنا تقویٰ ہے

اس سلسلے میں تحقیق یہ ہے کہ مباح چیزوں سے زینت اختیار کرنا حرام نہیں لیکن ان چیزوں میں بڑھانے سے ان سے محبت ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ان کو چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے اور ہمیشہ کے لیے مزین رہنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے اسباب حاصل نہ ہوں اور ان کے حصول کے لیے عام طور پر گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے مثلاً منافقت، لوگوں کی (جائز و ناجائز میں) رعایت کرنا ریاکاری اور اس کے علاوہ دیگر ممنوع امور ہیں۔

لہٰذا احتیاط یہی ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے کیونکہ جو شخص دنیاداری میں مشغول ہوتا ہے وہ اس سے قطعاً بچ نہیں سکتا۔ اگر اس میں مشغولیت کے باوجود سلامتی حاصل ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ترکِ دنیا کے بارے میں مبالغہ نہ فرماتے حتیٰ کہ آپ نے وہ قمیص اتار دی جس میں نقش و نگار تھے (۱) اور خطبہ کے دوران سونے کی انگوٹھی بھی اتار دی (۲) اس کے علاوہ روایات ہیں جن کا بیان عنقریب آئے گا (۳)

ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ یحییٰ بن یزید نوفلی نے حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اولین و آخرین میں رحمت ہو،

یہ خط یحییٰ بن یزید بن عبد الملک کی طرف سے حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ کی طرف ہے۔ حمد و ثناء کے بعد مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور چپاتی کھاتے ہیں نرم مسند پر بیٹھتے ہیں آپ کے دروازے پر دربان بیٹھتا ہے، حالانکہ آپ مجلس علم میں تشریف فرما ہیں۔

لوگ آپ کے پاس آتے ہیں انہوں نے آپ کو اپنا امام تسلیم کیا ہے اور آپ کے کلام کو پسند کرتے ہیں، تو اے مالک! اللہ تعالیٰ سے ڈریں تواضع اختیار کریں میں نے آپ کو نصیحت بھرا خط لکھا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں۔ والسلام،

حضرت امام مالک نے ان کی طرف لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت محمد مصطفیٰ (اور) آپ کی آل و اصحاب پر رحمت و سلام ہو امابعد۔

مجھے آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا میرے لیے یہ خط نصیحت، شفقت اور ادب کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ آپ کو تقویٰ کے نفع سے مالا مال فرمائے اور اس نصیحت کا اچھا صلہ عطا فرمائے۔ میں اللہ تعالیٰ سے توفیق کا سوال کرتا ہوں،

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۶۵ کتاب اللباس (۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۹۶، کتاب اللباس۔

(۳) چونکہ گذشتہ تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ اچھا لباس یا مکان وغیرہ اختیار کرنا حرام ہے اس لیے وضاحت کی گئی کہ جائز طریقے پر زیب و زینت جائز ہے البتہ بچنا بہتر ہے ۱۲ ہزاروی۔

نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔ آپ نے جو ذکر فرمایا کہ میں پتلی روٹی (چپاتی) کھاتا ہوں اور باریک کپڑے پہنتا ہوں دروازے پر دربان بھی ہے اور نرم بچھونے پر بیٹھتا ہوں ہم ایسا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "آپ فرما دیجئے کس نے اس زینت کو حرام کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور پاکیزہ رزق"۔

اور بے شک میں جانتا ہوں کہ اس کو اپنانے کی بجائے چھوڑنا بہتر ہے آپ ہمیں ضرور لکھتے رہا کریں ہم بھی آپ سے خط و کتابت جاری رکھیں گے۔ والسلام۔

تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا انصاف ملاحظہ کیجئے انہوں نے اعتراف کیا کہ اس کو اختیار کرنے کی بجائے چھوڑنا بہتر ہے اور فتویٰ دیا کہ یہ جائز ہے۔ تو انہوں نے دونوں باتیں سچ فرمائی ہیں۔

تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ جیسے لوگ جو اس منصب پر فائز ہیں انہوں نے اس نصیحت کو قبول کرنے اور اعتراف کرنے میں انصاف سے کام لیا تو انہوں نے مباح کی حدود کو جاننے پر اپنے نفس کو مضبوط فرمایا تاکہ وہ انہیں منافقت دکھاوے اور مکروہ امور کی طرف تجاوز کی راہ پر نہ لے جائے لیکن دوسرے لوگ اس پر قادر نہیں لہذا مباح چیزوں کے ساتھ لذت حاصل کرنے کی طرف مائل ہونے میں بہت بڑا خطرہ ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت سے بعید ہے جب کہ علمائے ربانیین کا خاصہ خشیت ہے۔

اور خشیت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اس جگہ سے بھی دور رکھتی ہے جہاں خطرات کا خدشہ ہو۔

علمائے آخرت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ حکمرانوں سے دور رہے اور جب تک ان سے فرار کا راستہ ملتا ہے ان کے پاس ہرگز نہ جائے بلکہ ان کے ساتھ میل جول سے بچتا رہے اگرچہ وہ اس کے پاس جائیں۔ کیونکہ دنیا میٹھی اور تر و تازہ ہے اور اس کی لگام بادشاہوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور جو آدمی ان سے میل جول رکھتا ہے وہ ان کی خوشنودی حاصل کرنے اور ان کے دل کو اپنی طرف مائل کرنے کے سلسلے میں تکلفات سے خالی نہیں ہوتا حالانکہ وہ (عام طور پر) ظالم ہوتے ہیں، لہذا ہر دین دار پر لازم ہے کہ ان پر اعتراض کرے اور ان کے مظالم کو ظاہر کرکے ان کے دل کو تنگ کرے اور ان کے عمل کی برائی بیان کرے۔ لیکن جو شخص ان کے پاس جاتا ہے وہ یا تو ان کے بناؤ و سنگار کو دیکھتا ہے اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو حقیر سمجھتا ہے۔

یا ان پر تنقید کرنے سے خاموش ہو جاتا ہے لہذا وہ منافقت کا مرتکب ہوتا ہے یا ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پُر تکلف کلام کرتا ہے اور ان کی حالت کی تحسین کرتا ہے اور یہ واضح جھوٹ ہے۔ یا اسے لالچ ہوگی کہ بادشاہوں کی دنیا سے کچھ حاصل کرے اور یہ حرام ہے حلال و حرام کے بیان میں آئے گا کہ بادشاہوں سے کیا کہنا جائز ہے اور کون کون سے عطیات و انعامات لینا ناجائز ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان کے ساتھ میل جول برائیوں کی چابی ہے جب کہ

علماء آخرت کا طریقہ احتیاط ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ بَدَا جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ آتَى السُّلْطَانَ افْتَتَنَ (۱)

جو شخص دیہات میں رہائش رکھتا ہے اس نے ظلم کیا، جس نے شکار کا پیچھا کیا وہ غافل ہوا اور جو شخص بادشاہ کے پاس گیا وہ فتنے میں مبتلا ہوا۔ (۲)

٭ ٭ ٭

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَيَكُونُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ تَعْرِفُونَ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُونَ، فَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ، وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ أَبْعَدَهُ اللهُ تَعَالَى) قِيلَ: أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ قَالَ صلى الله عليه وسلم "لَا، مَا صَلَّوْا" (۳)

عنقریب تم پر کچھ لوگ حکمرانی کریں گے تم ان سے اچھے کام بھی دیکھو گے اور برے بھی، تو جس نے ان کا انکار کیا وہ بری الذمہ ہو گیا اور جس نے (دل سے) ناپسند کیا وہ بھی بچ گیا لیکن جو شخص راضی ہوا اور (ان کی) اتباع کی اللہ تعالیٰ اسے (اپنی رحمت سے) دُور رکھے گا۔ عرض کیا گیا کیا ہم ان سے لڑائی نہ کریں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پڑھیں۔"

حضرت سفیان فرماتے ہیں "جہنم میں ایک وادی ہے اس وہ صرف وہ قاری حضرات رہیں گے جو امراء کی ملاقات اور زیارت کے لیے جاتے ہیں" حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "فتنے کی جگہوں سے بچو"، پوچھا گیا وہ کونسی جگہیں ہیں؟ فرمایا "امراء کے دروازے ہیں"

تم میں سے ایک شخص کسی حکمران کے پاس جاتا ہے اور اس کے جھوٹ کو سچ قرار دیتا ہے اور ایسی ایسی باتیں کہتا ہے جو اس میں پائی نہیں جائیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعُلَمَاءُ أُمَنَاءُ الرُّسُلِ عَلَى عِبَادِ اللهِ تَعَالَى مَالَمْ يُخَالِطُوا السَّلَاطِينَ، فَإِذَا فَعَلُوا

علماء کرام اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رسل عظام کے امانتدار ہیں جب تک حکمرانوں سے میل جول نہ رکھیں جب وہ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۵۔

(۲) دیہات میں علم کے مواقع اور مراکز کم ہوتے ہیں اس لیے انسان جہالت کا شکار ہو جاتا ہے، شکار کا پیچھا کرتے کرتے ممکن ہے نماز بھی یاد نہ رہے اور وہ اس سے غافل ہو جائے اور بادشاہوں کے پاس جانے کے جو نقصانات ہیں وہ اوپر بیان ہو چکے ہیں ۱۲ ہزاروی۔ (۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۵۔

ذٰلِكَ فَقَدْ خَانُوا الرُّسُلَ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاعْتَزِلُوْهُمْ۔(۱)

ایسا کریں تو انہوں نے رسولوں سے خیانت کی پس ان سے بچو اور الگ رہو۔

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت اعمش سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے شاگردوں کی کثرت کے باعث علم کو زندہ رکھا انہوں نے فرمایا جلدی نہ کرو، (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے تہائی حصہ تو پختہ ہونے سے پہلے مر جاتے ہیں، دوسری تہائی، بادشاہوں کے دروازوں سے چمٹ جاتے ہیں اور وہ مخلوق میں سے برے لوگ ہیں اور باقی تیسری تہائی میں صرف تھوڑے ہی فلاح پائیں گے۔

اسی لیے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب تم کسی عالم کو امراء کے پاس آتا جاتا دیکھو تو اس سے بچو، وہ چور ہے۔ حضرت اوزاعی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عالم سے بری چیز کوئی نہیں جو کسی حکمران سے ملاقات کرتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شِرَارُ الْعُلَمَاءِ الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ الْاُمَرَاءَ وَخِيَارُ الْاُمَرَاءِ الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ الْعُلَمَاءَ (۲)

بدترین علماء وہ ہیں جو امراء کے پاس جاتے ہیں اور بہترین امراء وہ ہیں جو علماء کے پاس جاتے ہیں۔

حضرت مکحول دمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جس نے قرآن پاک سیکھا اور دین کی سمجھ حاصل کی پھر خوشامد اور لالچ کے طور پر حکمران کی مجلس اختیار کی وہ اپنے گناہوں کے برابر جہنم میں غوطے کھائے گا۔

حضرت سمنون فرماتے ہیں وہ عالم کتنا برا ہے کہ جب کوئی اس کے پاس جائے تو اسے نہ پائے اس کے بارے میں پوچھا جائے تو بتایا جائے کہ وہ حکمران کے پاس ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں سنا کرتا تھا کہا جاتا تھا کہ جب کسی عالم کو دیکھو کہ وہ دنیا سے محبت کرتا ہے تو اسے دین کے معاملے میں تہمت زدہ جانو حتیٰ کہ میں نے اس بات کا تجربہ کیا کہ جب میں حاکم کے پاس جاتا ہوں تو باہر نکلنے کے بعد نفس کا محاسبہ کرتا ہوں تو اس میں بہت دوری جانتا ہوں حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ میں اس سے ملاقات کے وقت کس قدر سختی اور درشتی سے پیش آتا ہوں اور اس کی خواہشات کی بہت زیادہ مخالفت کرتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے پاس جانے سے بچ جاؤں پھر میں اس سے کوئی چیز لیتا بھی نہیں ہوں نہ اس کے ہاں پانی کا ایک گھونٹ پیتا ہوں پھر فرمایا۔

ہمارے زمانے کے علماء بنی اسرائیل کے علماء سے بڑے ہیں وہ انہیں ایسی باتیں بتاتے ہیں جن میں رخصت (آسانی) ہو اور ان کی مرضی کے مطابق ہو، اگر وہ انہیں ان کی خرابیوں پر آگاہ کریں اور ان سے نجات کی باتیں بتائیں تو حکمران انہیں گراں جانیں اور ان کا اپنے پاس آنا ناپسند کریں حالانکہ یہ بات ان کے رب کے پاس نجات کا باعث ہے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۸۳ (۲) العلل المتناہیہ جلد اوّل ص ۱۴۲

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا وہ اسلام میں سبقت رکھتا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی تھا حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کی مراد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں وہ بادشاہوں کے پاس نہیں جاتے تھے بلکہ ان سے نفرت کرتے تھے ان کے بیٹوں نے عرض کیا کہ بادشاہ کے پاس وہ لوگ جاتے ہیں جو صحابیت اور اسلام میں مقدم ہونے کے اعتبار سے آپ کی مثل نہیں ہیں اگر آپ بھی ان کے پاس جائیں تو کیا حرج ہے؟

انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹو! کیا میں اس مردار (دنیا) کے پاس جاؤں جیسے ایک قوم نے گھیر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! جب تک ہو سکا میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوں گا۔ انہوں نے عرض کیا ابا جان! اس طرح تو ہم کمزور ہو کر ہلاک ہو جائیں گے انہوں نے فرمایا اے بیٹو! میں ایک لاغر مومن کی صورت میں فوت ہونے کو موٹے منافق کی صورت میں مرنے پر ترجیح دیتا ہوں۔

حضرت حسن فرماتے ہیں اللہ کی قسم! وہ جیت گئے ہیں کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ مٹی گوشت اور موٹاپے کو کھا جاتی ہے ایمان کو نہیں کھا سکتی۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو آدمی حکمران کے پاس جاتا ہے وہ منافق سے کسی طرح بھی نہیں بچ سکتا۔ اور منافقت ایمان کی ضد ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہ سے فرمایا اے سلمہ! بادشاہوں کے دروازے پر آیا جایا نہ کرو۔ تم ان کی دنیا سے اس وقت تک کچھ نہیں پا سکتے جب تک وہ تمہارے دین میں سے اچھی باتیں نہ لے لیں (یعنی اپنا دین کھو بیٹھو گے) اور علماء کرام کے لیے یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے، اور شیطان کے لیے ان پر ایک سخت ذریعہ ہے بالخصوص جس کا انداز گفتگو اچھا اور کلام شیریں ہو کیونکہ شیطان مسلسل اس کے دل میں ڈالتا رہتا ہے کہ تمہارے وہاں جانے اور انہیں وعظ کرنے سے وہ ظلم سے باز آ جائیں گے اور احکام شریعت جاری کریں گے حتیٰ کہ اس کے تصور میں وہاں جانا دین کا حصہ بن جاتا ہے پھر جب وہ داخل ہوتا ہے تو جلد ہی کلام میں نرمی اور منافقت کا طریقہ اختیار کرتا ہے اس کی تعریف اور خوشامد میں لگ جاتا ہے اور اس میں دین کی ہلاکت ہے۔ کہا جاتا تھا کہ علماء کرام جب علم حاصل کر لیتے تھے تو عمل کرتے تھے جب عمل کرتے تو اسی میں مشغول رہتے اور جب مشغول ہوتے تو گمنام ہو جاتے تھے جب گمنام ہوتے تو تلاش کئے جاتے تھے جب ان کو طلب کیا جاتا تو بھاگ جاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حضرت حسن رحمہ اللہ کو لکھا حمد و صلوٰۃ کے بعد آپ مجھے کچھ ایسے لوگ بتائیں جن میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر مدد لوں۔

انہوں نے (جواب میں) لکھا جہاں تک اہل دین کا تعلق ہے تو وہ آپ کے پاس نہیں آئیں گے اور اہل دنیا سے آپ کو غرض نہیں تاہم آپ معزز افراد کو اپنے ساتھ رکھیں وہ اپنے شرف کو خیانت کی میل سے محفوظ رکھتے ہیں۔

یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بارے میں ہے حالانکہ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے زاہد تھے جب

اہلِ دین کو اس قسم کے بادشاہوں سے دور رہنا بھی شرط ہے تو دوسروں کی طلب اور ان سے میل جول کس طرح صحیح ہوگا۔ ہمارے اسلاف مثلاً حضرت حسن بصری، سفیان ثوری، ابن مبارک حضرت فضیل، حضرت ابراہیم بن ادھم اور حضرت یوسف بن اسباط رحمہم اللہ مکہ مکرمہ اور شام کے علماء دنیا کے بارے میں دو عیب بتایا کرتے تھے ایک دنیا کی طرف ان کا میلان اور دوسرا حکمرانوں سے میل جول۔

علماء آخرت کی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ فتویٰ دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ توقف کرے اور چھٹکارا حاصل کرنے کا راستہ تلاش کرے اور اگر اس سے ایسا مسئلہ پوچھا گیا جسے وہ قرآن پاک یا حدیث کی نص یا اجماع یا قیاس کے ذریعے یقینی طور پر جانتا ہے تو فتویٰ دے۔

اور اگر ایسا مسئلہ پوچھا جائے جس میں اسے شک ہے تو کہہ دے کہ میں نہیں جانتا اگر ایسا مسئلہ پوچھا جائے جسے اپنے اجتہاد اور اندازے سے صحیح طور پر حل کر سکتا ہے تو بھی احتیاط کرے اپنے آپ کو بچائے اور دوسروں کے حوالے کر دے بشرطیکہ دوسرا اس قابل ہو احتیاط یہی ہے۔ کیونکہ اجتہاد کے خطرات کو اپنے گلے میں ڈالنا بہت بڑی بات ہے اور حدیث شریف میں ہے۔

اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ، كِتَابٌ نَاطِقٌ، وَسُنَّةٌ قَائِمَةٌ، وَلَا أَدْرِي۔ (۱)

علم تین ہیں کتاب ناطق قرآن پاک سنت ثابتہ اور یہ کہنا کہ

حضرت شعبی فرماتے ہیں "میں نہیں جانتا" کے الفاظ نصف علم ہیں اور جو شخص نہیں جانتا وہ رضائے خداوندی کے لیے خاموش رہے تو مسئلہ بتانے والے سے اس کا ثواب کم نہ ہوگا۔ کیونکہ جہالت کا اعتراف نفس پر سخت گراں ہوتا ہے صحابہ کرام اور بعد والے اکابر اسلاف کا یہی طریقہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کوئی شرعی حکم پوچھا جاتا تو آپ فرماتے اس حکمران کے پاس جاؤ جس نے لوگوں کے معاملات کی ذمہ داری اٹھائی ہے یہ بھی اس کے گلے میں ڈال دو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہے جو شخص لوگوں کے ہر استفسار پر فتویٰ دیتا ہے وہ مجنوں ہے انہوں نے فرمایا عالم کی ڈھال "میں نہیں جانتا" کے الفاظ ہیں۔ کیونکہ اگر وہ اس میں غلطی کرتا ہے تو اس کے لیے ہلاکت ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا اس عالم سے بڑھ کر شیطان پر کوئی بھی سخت نہیں جو بعض علم بیان کرتا ہے اور بعض کے بارے میں خاموشی اختیار کرتا ہے شیطان کہتا ہے اس کی طرف دیکھو اس کی خاموشی مجھ پر اس کے کلام

---

(۱) میں نہیں جانتا یعنی جو مسئلہ معلوم نہ ہو اس کے بارے میں یہ کہنا چاہیے کہ میں نہیں جانتا ۱۲ ہزاروی

(۲) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۳۲

سے زیادہ سخت ہے۔" بعض اکابر نے ابدال کی تعریف یوں کی ہے کہ ان کا کھانا فاقہ (کے وقت) نیند غلبہ (کے وقت) اور کلام ضرورت کے تحت ہوتی ہے یعنی جب تک ان سے سوال نہ کیا جائے وہ کلام نہیں کرتے۔

اور جب ان سے پوچھا جائے اور ایسے لوگ موجود ہوں جو اس سلسلے میں کفایت کرتے ہوں (جواب دے سکتے ہوں) تو یہ خاموش رہتے ہیں اگر مجبور ہو جائیں تو جواب دیتے ہیں، یہ حضرات سوال سے پہلے خود بخود کلام کرنے کو کلام کی پوشیدہ خواہش قرار دیتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو لوگوں سے کلام کر رہا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا یہ کہتا ہے مجھے پہچانو۔ بعض اکابر نے فرمایا عالم وہ ہے جس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو گویا اس کی داڑھ نکال لی گئی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے تم ہمیں ایک پل بنانا چاہتے ہو تاکہ ہمارے ذریعے جہنم کو عبور کرو۔ حضرت ابو حفص نیشاپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں عالم وہ ہے جسے سوال کے وقت اس بات کا ڈر ہو کہ قیامت کے دن اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کہاں سے جواب دیا" حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ رو پڑتے اور فرماتے کیا تمہیں میرے سوا کوئی نہیں ملا کہ تمہیں میری ضرورت پڑ گئی حضرت ابو العالیہ ریاحی حضرت ابراہیم بن ادھم اور حضرت سفیان ثوری رحمہم اللہ دو تین یا چند افراد کے سامنے گفتگو فرماتے تھے جب زیادہ ہوتے تو وہ واپس چلے جاتے۔

مَا أَدْرِي أَعُزَيْرٌ نَبِيٌّ أَمْ لَا، وَمَا أَدْرِي أَتُبَّعٌ مَلْعُونٌ أَمْ لَا، وَمَا أَدْرِي ذُو الْقَرْنَيْنِ نَبِيٌّ أَمْ لَا (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے معلوم نہیں حضرت عزیر علیہ السلام نبی ہیں یا نہیں مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تبع ملعون ہے یا نہیں اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی ہیں یا نہیں (۲)

اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ زمین کا کونسا ٹکڑا اچھا ہے اور کون سا برا؟ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں حتی کہ حضرت جبریل علیہ السلام اترے تو آپ نے ان سے پوچھا انہوں نے عرض کیا میں نہیں جانتا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ بہترین جگہ مساجد اور بری جگہیں بازار ہیں۔ (۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دس مسائل پوچھے جاتے تو آپ ایک مسئلے کا جواب دیتے اور نو کے بارے

---

(۱) مستدرک للحاکم جلد اول ص ۳۶ تبع و ذوالقرنین اکانا نبیین۔

(۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لاادری" کے الفاظ استعمال فرمائے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر اپنے آپ نہیں جانتا اللہ تعالیٰ کے بتانے سے جانتا ہوں، یہی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے ۱۲ ہزاروی۔

(۳) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۶ باب فضل المساجد۔

ہیں خاموش رہتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نو مسائل کا جواب دیتے اور ایک کے بارے میں خاموش رہتے۔ فقہاء کرام میں سے بعض ایسے تھے جو "ادری" (میں جانتا ہوں) کے مقابلے "لاادری" (میں نہیں جانتا) زیادہ کہتے تھے۔ ان میں حضرت سفیان ثوری، مالک بن انس، احمد بن حنبل، فضیل بن عیاض اور بشر بن حارث رحمہم اللہ بھی شامل ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے اس مسجد میں ایک سو بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا تو ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس سے کسی حدیث یا شرعی مسئلے کا حل پوچھا جاتا تو وہ دوسرے کی طرف نہ لوٹاتا پسند کرتا ہو جو اس مسئلے کے حل کے لیے کافی ہوتا۔ دوسری روایت کے مطابق جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تو دوسرے کی طرف پھیر دیتا وہ کسی اور کی طرف حتیٰ کہ لوٹ کر پہلے کی طرف آجاتا۔

ایک روایت میں ہے کہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کے پاس ایک بھنا ہوا سر تحفہ کے طور پر بھیجا گیا وہ سخت مشکل میں تھے لیکن انہوں نے دوسرے کو دے دیا اس نے تیسرے کو اسی طرح ان کے درمیان چکر کاٹتا رہا حتیٰ کہ پہلے کے پاس آگیا۔

تو دیکھئے آج علماء کرام کا معاملہ کس طرح بدل گیا ہے جس چیز سے بھاگنا چاہیئے تھا وہ ان کی مطلوب بن گئی اور جو چیز مطلوب تھی اس سے بھاگا جاتا ہے فتویٰ دینے سے بچنا اچھا ہے اس پر وہ مسند روایت گواہ ہے جو بعض اکابر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں فتویٰ صرف تین آدمی دیتے ہیں حکمران، اس کا نائب اور تکلف سے مفتی بننے والا۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ صحابہ کرام چار باتوں یعنی حکمرانی، وصیت، امانت اور فتویٰ سے بچتے تھے (۱)

ان میں سے بعض نے فرمایا کہ جس کے پاس علم کم ہوتا وہ فتویٰ دینے میں جلدی کرتا اور جو زیادہ پرہیز گار ہوتا وہ اپنے آپ سے فتویٰ کو بہت زیادہ دور کرنے والا ہوتا تھا، صحابہ کرام اور تابعین عظام پانچ کاموں میں زیادہ مشغول ہوتے تھے، قرآن پاک پڑھنا، مساجد کو آباد رکھنا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ اور یہ اس لیے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

كُلُّ كَلَامِ ابْنِ آدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهُ إِلَّا ثَلَاثَةٌ: أَمْرٌ بِمَعْرُوفٍ، أَوْ نَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ	انسان کی ہر گفتگو اس کے لیے مفید نہیں ہوتی البتہ تین باتیں نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا

(۱) فتویٰ دینا منع نہیں بلکہ احتیاط ضروری ہے کہ کہیں غلط فتویٰ نہ دیا جائے اور جب دیگر علماء کرام موجود ہوں تو احتیاط کا تقاضا ہے کہ دوسروں کی طرف پھیر دیا جائے وصیت کا مطلب ہے کسی مرنے والے کے معاملات کی ذمہ داری اٹھانا اس کو وصی کہتے ہیں ۱۲ ہزاروی۔

اَوْ ذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ (۱) (فائدہ مند ہے)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوَاھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ۔ (۲)

ان کی اکثر مشاورت میں بھلائی نہیں البتہ جو شخص صدقہ کا حکم دے یا نیکی کا حکم کرے یا لوگوں کے درمیان صلح کروائے۔"

کسی عالم نے ایک مجتہد کو کوفہ میں خواب میں دیکھا تو پوچھا تم جو فتویٰ دیتے تھے اور اپنی رائے سے کام لیتے تھے اس کے بارے میں کیا دیکھا اس نے ناگواری کا اظہار کیا اور منہ پھیر لیا اور کہا کہ ہم نے اسے کچھ بھی نہیں پایا۔ اور ہمیں اس کا انجام اچھا معلوم نہیں ہوا۔

حضرت ابن حصین فرماتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے ایک آدمی فتویٰ دیتا ہے حالانکہ یہ مسئلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوتا تو آپ اس کے لیے اہل بدر کو جمع فرماتے۔ تو ضرورت کے علاوہ خاموشی اختیار کرنا ہمیشہ سے علماء کا طریقہ رہا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے:۔

اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ قَدْ اُوْتِیَ صَمْتًا وَّزُھْدًا فَاقْتَرِبُوْا مِنْہُ فَاِنَّہٗ یُلَقَّنُ الْحِکْمَۃَ۔ (۳)

جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے خاموشی اور زہد عطا ہوا ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ کیوں کہ اسے حکمت کی تلقین کی جاتی ہے،

کہا گیا ہے کہ عالم یا تو عوام کا عالم ہو گا اور وہ مفتی ہے یہ لوگ بادشاہوں کے ساتھی ہیں یا عالم خاص ہو گا وہ توحید اور قلبی امور کا عالم ہوتا ہے ایسے لوگ علیحدہ اور تنہا رہتے ہیں۔

کہا جاتا تھا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ دجلہ کی مثل تھے جس سے ہر شخص چلو بھرتا ہے۔

حضرت بشر بن حارث بیٹھے اور ڈھانپے ہوئے کنویں کی طرح تھے اس کا ارادہ ایک کے بعد دوسرا کرتا ہے اور وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ فلاں عالم ہے اور فلاں متکلم ہے، فلاں زیادہ کلام کرتا ہے اور فلاں عمل زیادہ کرتا ہے۔

حضرت ابو سلیمان نے فرمایا معرفت، کلام کی نسبت، سکوت کے زیادہ قریب ہے۔ کہا گیا ہے کہ جب علم زیادہ ہو جائے تو کلام کم ہو جاتا ہے اور جب کلام زیادہ ہو جائے تو علم کم ہو جاتا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۵ باب کف اللسان فی الفتنۃ (۲) قرآن مجید سورۃ النساء آیت ۱۱۴

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۰۱ باب الزھد فی الدنیا۔

نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو لکھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمایا تھا(۱) (انہوں نے لکھا)

اے بھائی! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ طبیب بن کر مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ تو دیکھیں اگر آپ طبیب ہیں تو اس سلسلے میں کلام کریں آپ کے کلام میں شفا ہو گی اور اگر آپ بتکلف طبیب ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے ڈریں کسی مسلمان کو ہلاک نہ کریں اس کے بعد جب حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا جاتا تو آپ توقف فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے ہمارے آقا حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کوئی سوال کیا جاتا تو فرماتے حضرت حارثہ بن زید سے پوچھو، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے پوچھو۔ ایک حکایت ہے کہ حضرت حسن بصری کی موجودگی میں ایک صحابی نے بیس احادیث روایت کیں جب ان کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا میں صرف روایت کا علم رکھتا ہوں حضرت حسن رحمہ اللہ نے ایک ایک حدیث کی وضاحت فرمائی تو حاضرین ان کی اس تفسیر اور حافظہ سے حیران رہ گئے ان صحابی نے کنکریوں کی ایک مٹھی لے کر ان لوگوں پر ماری اور فرمایا مجھ سے علم کے بارے میں پوچھتے ہو حالانکہ یہ عظیم عالم موجود ہے۔ علمائے آخرت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ باطنی علم دل کی حفاظت، طریق آخرت کی معرفت اور سلوک کا زیادہ اہتمام کرے اور مجاہدہ و مراقبہ کے ذریعے ان امور کی حقیقت واضح ہونے کے سلسلے میں سچی امید رکھے۔ کیوں کہ مجاہدہ، مشاہدہ تک پہنچاتا ہے اور قلبی علوم کی باریکیوں سے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں جہاں تک کتب اور تعلیم کا تعلق ہے تو وہ اس سلسلے میں کافی نہیں ہیں بلکہ مجاہدہ، مراقبہ اور ظاہری و باطنی اعمال سے وہ حکمت حاصل ہوتی ہے جو شمار سے باہر ہے۔ اور خلوت میں دل کی حاضری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے بیٹھنے سے فکر میں صفائی پیدا ہوتی ہے اور ماسوی اللہ سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے یہ کشف کا منبع اور الہام کی چابی ہے۔ کتنے ہی طالب علم ہیں جنہوں نے طویل عرصہ علم حاصل کیا لیکن جو کلمہ سنا تھا اس سے آگے نہیں بڑھ سکے اور کتنے ہی ایسے ہیں جو حصول علم کا اہتمام کم کرتے ہیں لیکن عمل زیادہ کرتے ہیں اور دل کی نگرانی (مراقبہ) کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ حکمت کی وہ باریکیاں کھول دیتا ہے جن پر عقل مند لوگوں کی عقل دنگ رہ جاتی ہے، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ (۲)

جس نے سیکھے ہوئے پر عمل کیا اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطا فرما دیتا ہے جو اس کو حاصل نہ تھا۔

گذشتہ کتب میں سے کسی کتاب میں ہے "اے بنی اسرائیل! یہ نہ کہو کہ علم آسمان پر ہے اسے زمین پر کون اتارے گا

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۶۱ کیف اخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ۔ (۲) حلیۃ الاولیاء جلد ۱۰ ص ۱۵ ترجمہ احمد بن ابی الحواری۔

یا وہ زمین کی تہہ میں ہے اسے اوپر کون لائے گا۔ نہ یہ کہ وہ سمندر کے اس طرف ہے کون سمندر کو عبور کر کے لائے گا علم تمہارے دلوں میں رکھ دیا گیا ہے، میرے سامنے روح دلوں کے آداب اختیار کرو میرے ساتھ صدیقین کے اخلاق برتو میں تمہارے دلوں میں علم کو ظاہر کر دوں گا حتیٰ کہ وہ تمہیں ڈھانپ لے گا۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ نے فرمایا دنیا سے علماء، عابد اور زاہد لوگ چلے گئے اور ان لوگوں کے دلوں پر تالے پڑے ہوتے ہیں صرف صدیقین اور شہداء کے دل کھلے ہیں پھر انہوں نے آیت کریمہ تلاوت فرمائی:۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ۔ (۱)

اور اس اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی چابیاں اور اسے صرف وہی جانتا ہے (۲)

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اہل قلب کے دل کا ادراک باطنی نور سے ظاہر پر حاکم ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرماتے:۔

اُسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَإِنْ اَفْتَوْكَ وَاَفْتَوْكَ وَاَفْتَوْكَ (۳)

اپنے دل سے پوچھو اگرچہ لوگ تمہیں فتویٰ دیں (آخری جملہ تین بار فرمایا)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ، فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهٖ۔ (۴)

بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں جب میں اس محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ (آخر تک حدیث) (یعنی اس کے جسم میں اللہ تعالیٰ روحانی قوت پیدا کر دیتا ہے مترجم)

٭ ٭ ٭

تو قرآن پاک کے کتنے ہی باریک معانی ہیں جو ان لوگوں کے دلوں پر نازل ہوتے ہیں جو ذکر و فکر کے لیے علیحدگی اختیار کرتے ہیں ان معانی سے کتب تفاسیر خالی ہیں، اور نہ ہی بڑے بڑے مفسرین کو ان پر اطلاع ہوئی ہے جب یہ بات کسی مرید مراقبہ کرنے والے پر ظاہر ہوئی اور اس نے مفسرین کے سامنے پیش کی تو انہوں نے اس کی تحسین فرمائی۔ اور جان لیا کہ یہ پاک دلوں کی آگاہی، اور ان بلند ہمتوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو اس کی طرف متوجہ ہیں علوم مکاشفہ، علوم

---

(۱) قرآن مجید سورہ انعام آیت ۵۹

(۲) یعنی دوسروں کو اس کے بتائے بغیر علم نہیں ہوتا البتہ اس کے بتانے سے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو بھی یہ علم حاصل ہو جاتا ہے اس پر قرآن پاک کی دیگر آیات اور احادیث دلالت کرتی ہیں ۱۲ ہزاروی

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۲۸ / الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ (۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۳ باب التواضع۔

معاملہ کے اسرار اور قلبی خطرات کی باریکیوں کا بھی معاملہ ہے ان میں سے ہر علم ایک سمندر ہے جس کی گہرائی کا ادراک نہیں ہو سکتا اس میں ہر طالب اپنے مفہوم جسے اور جس قدر حسنِ عمل کی توفیق عطا ہوئی ہے اس کے مطابق غوطہ لگاتا ہے۔

ان علماء کے اوصاف میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ دل برتن ہیں اور ان میں سے بہترین وہ ہیں جن میں بھلائی موجود ہے اور لوگ تین قسم کے ہیں (۱) عالم ربانی (۲) نجات کے طور پر سیکھنے والا طالب علم (۳) اور کمینے اور بیوقوف لوگ جو ہر بلانے والے کے پیچھے چلے جاتے ہیں۔ ہوا کا ہر جھونکا انہیں ادھر اُدھر لے جاتا ہے وہ نور علم سے روشنی حاصل نہیں کرتے نہ مضبوط سہارا لیتے ہیں علم، مال سے بہتر ہے کیونکہ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی حفاظت کرتا ہے علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے جب کہ مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے علم ایک ایسا راستہ ہے جسے اختیار کیا جاتا ہے اس کے ذریعے تو زندگی میں اطاعت کمائی جاتی ہے اور وفات کے بعد ذکر خیر ہے۔ علم حاکم ہے اور مال محکوم، مال چلا جائے تو اس کا نفع بھی چلا جاتا ہے مال جمع کرنے والے سب مر گئے لیکن علماء زندہ ہیں جب تک زمانہ باقی ہے۔ پھر آپ نے ایک لمبا سانس لیا پھر سینے کی طرف اشارہ کرکے) فرمایا یہاں بہت زیادہ علم ہے کاش کوئی اسے لینے والا ہوتا لیکن میں ایسا طالب پاتا ہوں جس پر اعتماد نہیں وہ آلہ دین کو طلب دنیا کے لیے استعمال کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے نعمتوں کے ذریعے اس کے اولیاء پر زبانِ طعن دراز کرتا ہے اور لوگوں پر حجت بازی کرتا ہے یا وہ اہل حق کے سامنے جھکتا ہے لیکن شروع ہی سے شک اس کے دل میں جم جاتا ہے نہ اسے کوئی بصیرت ہے نہ اسے یا وہ لذات کا حریص اور طلب شہوت کا بندہ ہے یا وہ اپنی خواہش کے تابع ہو کر مال جمع کرتے میں مغرور ہے وہ چرنے والے جانوروں کے زیادہ مشابہ نہیں یا اللہ! اس طرح علم ختم ہو جائے گا جب اس کے حاملین مر جائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی زمین ایسے لوگوں سے خالی نہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے لیے حجت قائم کرنے والے ہیں یا تو وہ ظاہر واضح ہوں گے یا خوف زدہ مغلوب ہوں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجتیں اور دلائل باطل نہ ہو جائیں وہ جو بہت کم اور گنتی کے لوگ ہیں وہ کہاں ہیں؟ ان کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہے ان کے وجود (بظاہر) مفقود ہیں لیکن دلوں میں ان کی تصویریں موجود ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے دلائل کی حفاظت فرماتا ہے تاکہ وہ ان دلائل کو بعد والوں کے حوالے کریں اور اپنے جیسے لوگوں کے دلوں میں ڈال دیں۔ علم نے انہیں حقیقت امر تک پہنچا دیا چنانچہ وہ روحِ یقین سے جا ملے۔ جسے دولت مند مشکل جانتے تھے انہوں نے اسے آسان پایا اور غافل لوگ جس سے وحشت کرتے تھے اس سے انہوں نے انس پیدا کر دیا دنیا میں وہ ایسے بدنوں کے ساتھ ہیں جن کی روحیں محل اعلیٰ سے متعلق ہیں مخلوقِ خداوندی میں سے وہ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اس کی زمین میں امانت دار اور نائبین ہیں اور اس کے دین کی طرف بلانے والے ہیں پھر آپ رو پڑے اور فرمایا مجھے ان کے دیدار کا شوق ہے۔

تو آپ نے آخر میں جو کچھ بیان فرمایا یہ علمائے آخرت کا وصف ہے اور یہ وہ علم ہے جس کا اکثر حصہ عمل اور دائمی مجاہدہ سے حاصل ہوتا ہے ان علماء کے اوصاف میں سے ایک یہ ہے کہ یقین کو مضبوط کرنے کی طرف ان کی توجہ

بہت زیادہ ہو، کیونکہ یقین دین کا اصل مال ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
اَلْیَقِیْنُ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ (۱) یقین مکمل طور پر ایمان ہے۔
لہٰذا علم یقین کا سیکھنا ضروری ہے یعنی اس کی ابتداء سیکھے۔ پھر دل کے لیے اس کا راستہ کھل جائے گا اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
تَعَلَّمُوا الْیَقِیْنَ (۲) یقین کا علم حاصل کرو۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ یقین والوں کے پاس بیٹھو اور ان سے علم یقین کی سماعت کرو اور ہمیشہ ان کی پیروی کرو تاکہ ان کی طرح تمہارا یقین بھی مضبوط ہو جائے تھوڑا یقین، زیادہ عمل سے بہتر ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو آدمیوں کے بارے میں پوچھا گیا ایک کا یقین اچھا تھا گناہ زیادہ تھے، دوسرے کا یقین کم تھا لیکن عمل میں زیادہ کوشش کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا:۔
مَا مِنْ اٰدَمِیٍّ اِلَّا وَلَہٗ ذُنُوْبٌ۔ (۳) اس کوئی شخص نہیں جس کے کچھ نہ کچھ گناہ نہ ہوں (انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں)
لیکن جس کو قوتِ عقلیہ حاصل ہو اور یقین اس کی عادت ہو اسے گناہ نقصان نہیں دیتے کیوں کہ وہ جب بھی گناہ کرے گا توبہ کرے گا بخشش طلب کرے گا اور نادم ہو گا تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا اور کچھ بچ جائے گا جس کے ذریعے وہ جنت میں داخل ہو گا۔
اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
اِنَّ مِنْ اَقَلِّ مَا اُوْتِیْتُمُ الْیَقِیْنَ وَعَزِیْمَۃَ الصَّبْرِ وَمَنْ اُعْطِیَ حَظَّہٗ مِنْھُمَا لَمْ یُبَالِ مَا فَاتَہٗ مِنْ قِیَامِ اللَّیْلِ وَصِیَامِ النَّھَارِ (۴) کم از کم جو چیز تمہیں دی گئی ہے وہ یقین ہے اور صبر پر پختگی ہے جس آدمی کو ان دونوں میں سے حصہ ملا اگر اس سے رات کا قیام اور دن کا روزہ فوت ہو جائے تو کوئی پرواہ نہیں۔
حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت میں یہ بات بھی تھی کہ اے بیٹے! یقین کے بغیر عمل کی طاقت حاصل نہیں ہوتی۔ اور آدمی اپنے یقین کی مقدار کے مطابق عمل کرتا ہے اور عمل میں کوتاہی اسی وقت ہوتی ہے جب یقین میں کمی

---

(۱) العلل المتناہیۃ جلد ۲ ص ۳۲۳ (۲) حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۹۵ ترجمہ ثور بن یزید۔
(۳) المطالب العالیہ ج ۳ ص ۱۵ (۴) قوت القلوب جلد اول ص ۱۹۴ شرح مقام الصبر و وصف الصابرین

آجاتی ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں بے شک توحید کے لیے نور اور شرک کے لیے آگ ہے شرک کی آگ مشرکین کی نیکیوں کو اس قدر نہیں جلاتی جتنا نورِ توحید موحدین کے گناہوں کو جلا دیتا ہے اور اس سے ان کی مراد یقین ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے کئی مقامات پر یقین کرنے والوں کے ذکر کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس بات پر دلالت ہے کہ نیکیوں اور سعادتوں کے لیے یقین رابطہ ہے اگر تم کہو کہ یقین کا کیا مطلب ہے؟ اسی طرح اس کی قوت اور ضعف کا مفہوم کیا ہے؟ تو سب سے پہلے اسے سمجھنا اور پھر اس کی طلب اور سیکھنے میں مشغول ہونا ضروری ہے کیونکہ جس کی صورت سمجھ نہ آئے اس کی طلب ممکن نہیں۔

تو جان لو! لفظ یقین مشترک ہے دونوں فریق (فقہاء اور متکلمین) دو مختلف معانی پر اس کا اطلاق کرتے ہیں مناظرہ باز اور متکلمین اس سے عدمِ شک مراد لیتے ہیں کیونکہ نفس کا کسی چیز کی تصدیق کی طرف میلان ہو تو اس کے چار مقامات ہیں۔

۱۔ تصدیق و تکذیب برابر ہو اسے شک سے تعبیر کیا جاتا ہے جس طرح تم سے کسی معین شخص کے بارے میں پوچھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا یا نہیں؟ اور تم اس کے حال سے واقف نہ ہو تو تم اس کے بارے میں نفی یا اثبات میں فیصلہ کرنے کی طرف مائل نہیں ہو گے بلکہ تمہارے نزدیک دونوں باتوں کا امکان برابر ہو گا اسے شک کہتے ہیں۔

۲۔ تمہارا نفس شعوری طور پر کسی ایک بات کی طرف مائل ہو لیکن اس کے مخالف مفہوم کا امکان بھی ہو، لیکن یہ امکان پہلے مفہوم کی ترجیح میں رکاوٹ نہ بنتا ہو، جیسا کہ تم ایک شخص کو جانتے کہ وہ متقی اور صالح ہے اور وہ اسی حالت پر مر گیا۔ اب تم سے پوچھا جائے کہ کیا اسے عذاب ہو گا؟ تو تمہارا دل عذاب ہونے کی نسبت عذاب نہ ہونے کی طرف زیادہ مائل ہو گا کیونکہ نیکی کی علامات ظاہر ہیں اس کے باوجود تم اس کے باطن میں کوئی ایسا امر مان سکتے ہو جو عذاب کا باعث ہو، تو یہ جواز اس میلان کے موافق ہے لیکن اس مفہوم کی ترجیح کو ختم نہیں کر سکتا۔ اس حالت کو ظن کہتے ہیں۔

۳۔ نفس کسی چیز کی تصدیق کی طرف ایسا میلان رکھتا ہو کہ وہ نفس پر غالب آجائے اور دل میں کوئی دوسرا خیال نہ آئے اور اگر کوئی دوسرا خیال آئے تو نفس اسے قبول کرنے سے انکار کر دے لیکن اس تصدیق کے ساتھ معرفتِ حقیقی نہ ہو کیونکہ اگر یہ شخص اچھی طرح غور کرے اور تشکیک کی طرف متوجہ ہو تو اس میں گنجائش ہوتی ہے تو یہ وہ اعتقاد ہے جو یقین کے قریب ہے۔ تمام شرعی مسائل میں عوام کا اعتقاد یہی ہے کیونکہ محض سننے سے یہ ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا حتیٰ کہ ہر فرقہ اپنے مذہب کی صحت کا یقین رکھتا ہے اور اپنے امام و پیشوا کو صحیح سمجھتا ہے اگر ان میں سے کسی کے سامنے اس کے امام کی خطا کا امکان بھی بیان کیا جائے تو اس کو قبول کرنے سے بھاگتا ہے۔

(۴)۔ حقیقی معرفت جو ایسی برہان کے ذریعے حاصل ہوتی ہے جس میں کوئی شک نہیں اور نہ شک کا تصور کیا جا سکتا ہے

تو جب شک اور اس کا امکان دونوں ممتنع ہوں تو ان حضرات کے نزدیک اسے یقین کہتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جب کسی عاقل سے کہا جائے کہ کیا ایسی چیز کا وجود ہے جو قدیم ہے تو اس کے لیے فوری طور پر کسی غور و فکر کے بغیر تصدیق کرنا ممکن نہیں کیونکہ قدیم غیر محسوس ہے وہ سورج اور چاند کی طرح نہیں کہ ان کے وجود کی تصدیق (آنکھ کی) حس کے ذریعے ہوتی ہے، اور کسی قیام ازلی چیز کے وجود کا علم ضروری (بدیہی) بھی نہیں جیسے اس بات کا علم کہ دو، ایک سے زیادہ ہوتے ہیں۔ بلکہ اس بات کے علم کی طرح بھی نہیں کہ سبب کے بغیر کسی حادث کا پیدا ہونا محال ہے یہ بھی بدیہی بات ہے (کسی سوچ و بچار کے بغیر سمجھ میں آتی ہے) تو عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ وہ قدیم چیز کے وجود کی تصدیق سوچ و بچار کے بغیر نہ کرے۔ پھر بعض لوگ یہ بات سنتے ہیں اور اس سماعت پر ہی پکی تصدیق کر دیتے ہیں اور اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔ یہ اعتقاد ہے، اور یہ عوام الناس کی حالت ہے اور کچھ لوگ دلیل کے ساتھ تصدیق کرتے ہیں مثلاً یوں کہا جائے کہ اگر کوئی وجود قدیم نہیں تو تمام موجودات حادث ہوں گے، اور اگر تمام حادث ہیں تو کسی سبب کے بغیر حادث ہیں یا ان میں سے کچھ کسی سبب کے بغیر حادث ہیں اور یہ محال ہے اور محال تک پہنچانے والی چیز بھی محال ہوتی ہے تو عقلی طور پر کسی قدیم وجود کی تصدیق ضروری ہو گئی۔ کیونکہ (موجودات کی) تین اقسام ہو سکتی ہیں یا تو تمام موجودات قدیم ہوں یا تمام حادث ہوں یا بعض قدیم اور بعض حادث ہوں۔ تمام موجودات کا حادث ہونا محال ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ وہ کسی سبب کے بغیر پیدا ہو لہٰذا تیسری یا پہلی قسم ثابت ہو گی جو علم اس طریقے پر حاصل ہو وہ ان حضرات کے نزدیک یقینی ہوتا ہے۔

چاہے وہ غور و فکر سے حاصل ہو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا حواس کے ذریعے حاصل ہو یا عقلِ سلیم کے ذریعے جیسے اس بات کا علم کہ حادث کا وجود کسی سبب کے بغیر محال ہے یا تواتر کے ساتھ ثابت ہو جیسے مکہ مکرمہ کا علم، تجربہ کے ذریعے ہو۔ جیسے اس بات کا علم کہ پکا ہوا سقمونیا (ایک بیل سے نکلنے والا دودھ۔ یہ بیل تین چار گز لمبی ہوتی ہے) دست آور ہے یا کسی دلیل کے ذریعے علم حاصل ہو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تو ان حضرات کے نزدیک یہ لفظ (یقین) عدم شک کے وقت بولا جاتا ہے اور جس علم میں شک نہ ہو اسے ان حضرات کے نزدیک یقین کیا جاتا ہے اس بنیاد پر یقین کو قوی یا ضعیف نہیں کہہ سکتے کیوں کہ نفیِ شک میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا۔

دوسری اصطلاح یہ فقہاء کرام، صوفیاء عظام اور اکثر علماء کرام کی اصطلاح ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں جواز یا شک کی طرف دھیان نہ دیا جاتا بلکہ عقل پر اس کے غلبہ کو دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے فلاں آدمی کا فوت پر یقین کچھ کمزور ہے حالانکہ اس میں شک نہیں اور کہا جاتا ہے کہ رزق حاصل ہونے پر فلاں کا یقین قوی ہے اس کے باوجود ہو سکتا ہے اسے رزق نہ ملے۔ تو بعض اوقات نفس کسی چیز کی تصدیق کی طرف مائل ہوتا ہے اور یہ بات اس کے دل پر غالب ہو جاتی ہے حتیٰ کہ کسی امر کو جائز قرار دینے یا منع کرنے کے سلسلے میں بھی نفس پر کنٹرول کرتی اور حکم چلاتی ہے تو اس کا نام یقین ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ موت کے یقینی ہونے اور شک نہ ہونے میں سب لوگ مشترک ہیں لیکن ان میں سے بعض اس کی طرف توجہ

نہیں کرتے اور نہ اس کی تیاری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں گویا کہ انہیں اس کا یقین ہی نہیں۔ لیکن ان میں سے بعض وہ ہیں جن کے دل پر اس (موت کے تصور) نے قبضہ کر رکھا ہے یہاں تک کہ ان کی تمام ہمت اس کی تیاری پر خرچ ہوتی ہے اور اس میں غیر کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی اسی حالت کو قوت یقین کہتے ہیں لہذا اس اصطلاح کی بنیاد پر یقین کو ضعیف اور قوی کہا جا سکتا ہے۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ علمائے آخرت کو اپنی توجہ یقین کے پختہ کرنے کی طرف مبذول کرنی چاہیے تو ہمارے نزدیک یہ دونوں مفہوم مراد ہیں یعنی شک کی نفی پھر نفس پر یقین کو مسلط کرنا تا کہ نفس پر اسی یقین کا غلبہ ہو وہی حکم دے اور تصرف کرے۔

جب تم نے یہ بات سمجھ لی تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے قول کا مطلب یہ ہے کہ یقین تین اقسام میں تقسیم ہوتا ہے قوت وضعف، کثرت و قلت، خفاء و ظہور۔ قوت وضعف میں اس کی تقسیم دوسری اصطلاح کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہ دل پر غلبہ اور کنٹرول کے حوالے سے ہے۔

قوت وضعف کے اعتبار سے یقین کے معانی کے درجات بہت زیادہ ہیں اور موت کی تیاری کے سلسلے میں لوگوں میں یقین کا تفاوت بھی اسی اعتبار سے ہے پوشیدہ اور ظاہر ہونے کے اعتبار سے یقین میں تفاوت پہلی اصطلاح کے مطابق ہے اور اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا اور جس صورت میں جواز کا امکان آتا ہے تو اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اس سے دوسری اصطلاح مراد ہے۔ جس صورت میں شک کی نفی ہوتی ہے اس کا بھی انکار نہیں ہو سکتا مثلاً تم مکہ مکرمہ کی تصدیق اور باغ فدک کی تصدیق میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وجود اور حضرت یوشع علیہ السلام کے وجود کی تصدیق میں فرق پاتے ہو لیکن اس کے باوجود دونوں باتوں میں شک نہیں ہو سکتا کیونکہ دونوں تواتر سے ثابت ہیں، لیکن تم دیکھتے ہو کہ تمہارے دل میں ایک، دوسرے کی نسبت زیادہ روشن اور واضح ہے، کیوں کہ ایک ہی سبب زیادہ قوی ہے اور وہ خبر دینے والوں کی کثرت ہے اسی طرح جو نظریات معروف دلائل سے ثابت ہیں ان میں بھی دیکھنے والا فرق محسوس کرتا ہے۔

کیونکہ جس بات کے ظہور پر ایک دلیل ہو وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتی جس پر بے شمار دلائل ہوں باوجودیکہ شک کی نفی میں دونوں برابر ہیں۔ یہ وہ بات کہ جو متکلمین کتب اور سماع کے ذریعے علم حاصل کرتے ہیں وہ اس کے منکر ہیں۔ اور وہ احوال کے اختلاف کی طرف رجوع نہیں کرتے یقین کی قلت و کثرت، متعلقات یقین کی کثرت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص، فلاں سے زیادہ علم رکھتا ہے یعنی اس کی معلومات زیادہ ہیں اسی لیے کبھی ایک عالم تمام شرعی مسائل میں قوی یقین کا حامل ہوتا ہے اور کبھی بعض مسائل میں اس کا یقین قوی ہوتا ہے۔

اگر تم کہو کہ میں یقین اور اس کی قوت وضعف، کثرت و قلت اور ظہور و خفاء کو سمجھ گیا ہوں کہ اس کا مطلب شک کی نفی ہے۔ یا دل پر اس کا کنٹرول اور غلبہ ہے لیکن یقین کے متعلقات اور جاری ہونے کی جگہوں سے کیا مراد ہے

اور کس چیز میں یقین طلب کیا جاتا ہے کیونکہ جب تک مجھے اس بات کا علم نہ ہو کہ یقین کس بات میں طلب کیا جاتا ہے میں اس کی طلب پر قادر نہیں ہو سکتا۔

تو جان لو کہ انبیاء کرام علیہم السلام اول سے آخر تک جو کچھ بھی لائے ہیں وہ یقین کے جاری ہونے کی جگہ ہیں، کیوں یقین معرفت مخصوصہ کا نام ہے اور اس کے متعلقات وہ معلومات ہیں جن کے ساتھ شریعت وارد ہوئی ہے لہٰذا ان کا احاطہ کرنے کی حرص نہیں کی جاسکتی البتہ میں بعض کی طرف اشارہ کروں گا جو ان سب کی اصل ہیں۔

ان میں سے ایک توحید ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تمام اشیاء کو مسبب الاسباب کی طرف سے سمجھے اور وسائل کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ وسائل تو خود مسخر ہیں ان کا ذاتی فیصلہ یا حکم نہیں چلتا۔ اس بات کی تصدیق کرنے والا یقین کرنے والا ہے اور اگر دل میں ایمان و یقین ہو اور شک کا امکان بھی نہ رہے تو وہ دو معنوں میں سے ایک کے اعتبار سے یقین کرنے والا ہوگا۔ اور اگر دل میں ایمان کے ساتھ ساتھ یقین کا اس طرح غلبہ ہو جائے کہ وسائل پر غصے یا ان پر راضی ہونا اور ان کا شکریہ ادا کرنا زائل ہو جائے بلکہ وہ اپنے دل میں وسائل کے بارے میں وہی خیال کرے جو انعام دینے والے کے دستخط کے وقت ہاتھ اور قلم کا مقام ہے تو وہ قلم اور ہاتھ کا شکریہ ادا نہیں کرتا اور نہ اسے ان پر غصہ آتا ہے بلکہ وہ ان دونوں کو ایسا آلہ سمجھتا ہے جو اس کے قابو میں دیئے گئے ہیں نیز انہیں ایک واسطہ سمجھتا ہے۔ تو یہ دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے موقن (یقین کرنے والا) شمار ہوتا ہے۔ اور یہ افضل ہے یہ پہلے یقین کا نتیجہ، روح اور فائدہ ہے۔

اور یہ جب بات ثابت ہو جائے کہ سورج، چاند، ستارے، جمادات نباتات، حیوانات بلکہ تمام مخلوق اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے جس طرح قلم کاتب کے ہاتھ میں مسخر ہے، اور قدرت ازلی ہی سب کی بنیاد اور منبع ہے اس وقت اس کے دل پر توکل، رضا اور تسلیم کا غلبہ ہو جاتا ہے اور یہ ایسا مومن موقن ہوتا ہے جو غضب، کینے، حسد اور برے اخلاق سے پاک ہو جاتا ہے تو یہ یقین کا ایک دروازہ ہے۔

اس بات پر پختہ یقین رکھنا کہ ہمارا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (۱)

اور زمین میں کوئی چلنے والی چیز نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔"

اور اس بات پر یقین رکھنا کہ وہ رزق اس کے پاس آئے گا اور جو کچھ اس کے مقدر میں ہے عنقریب اس تک پہنچے گا۔ اور جب یہ بات اس کے دل پر غالب ہو جائے گی تو وہ اچھے طریقے پر طلب کرے گا نہ اس کی حرص زیادہ ہوگی اور نہ ہی اسے اس کے فوت ہونے پر افسوس ہوگا۔ یہ یقین بھی کچھ عبادات اور اچھے اخلاق کا فائدہ دیتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ہود آیت ۶

یقین کے متعلقات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے دل میں یہ عقیدہ پکا ہو کر

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (۱) جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کرتا ہے وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو آدمی ایک ذرّہ کے برابر برائی کرتا ہے وہ بھی اس کا انجام دیکھ لے گا۔

یعنی اسے ثواب اور عذاب کا یقین ہو یہاں تک کہ وہ نیکیوں کی ثواب کی طرف نسبت کو اس طرح سمجھے جس طرح روٹی کی شکم سیری سے نسبت ہے اور گناہ کو عذاب سے وہ نسبت ہے جو زہر اور سانپوں کی ہلاکت کے ساتھ ہے تو جس طرح وہ شکم سیری کے لیے روٹی حاصل کرنے کی حرص رکھتا ہے اور قلیل و کثیر کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح وہ نیکیوں پر حریص ہونا چاہیے وہ کم ہوں یا زیادہ اور جس طرح وہ زہر سے بچتا ہے چاہے کم ہو یا زیادہ اسی طرح وہ تھوڑے اور زیادہ چھوٹے اور بڑے تمام گناہوں سے پرہیز کرے پہلے معنیٰ کے اعتبار سے یقین عام مومنوں میں پایا جاتا ہے لیکن دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے یہ مقربین کے ساتھ خاص ہے اس یقین کا فائدہ یہ ہے کہ انسان حرکات و سکنات اور خطرات کو اچھی طرح نظر میں رکھتا ہے اور جب یقین غالب ہوتا ہے تو وہ گناہوں سے بہت زیادہ پرہیز کرتا ہے۔

یقین کے متعلقات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری ہر حالت پر مطلع ہے وہ تیرے دل وسوسوں اور خفیہ خطرات کو دیکھ رہا ہے پہلی اصطلاح کے مطابق ہر مومن اس بات کا یقین رکھتا ہے یعنی اس میں شک نہیں کرتا۔ لیکن دوسرا معنیٰ جو مقصود ہے اور وہی عزیز ہے یہ صدیقین کے ساتھ خاص ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان تنہائی میں بھی اپنے تمام امور میں باادب رہے۔ جیسے وہ شخص جو بہت بڑے بادشاہ کے سامنے بیٹھا ہو اور وہ اسے دیکھ رہا ہو، وہ مسلسل گردن جھکائے اپنے تمام اعمال میں ادب کا مظاہرہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اور جو حرکت ادب کے خلاف ہو اس سے احتراز کرتا ہے وہ ظاہری اعمال کی طرح باطنی اعمال کی بھی فکر کرتا ہے کیوں کہ یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے باطن پر بھی اسی طرح مطلع ہے جس طرح اسے اس کے ظاہر پر اطلاع ہے پس وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے باطن کی آبادی اس کی پاکیزگی اور تزئین میں جس قدر مبالغہ کرتا ہے اس قدر اپنے ظاہر کو لوگوں کے لیے مزین نہیں کرتا۔ یقین کا یہ مقام حیا، خوف، انکساری عاجزی مسکنت خضوع اور عمدہ اخلاق پیدا کرتا ہے۔

اور یہ اچھے اخلاق سے کئی قسم کی بلند مرتبہ طاعتوں کا موجب ہیں۔ تو ان تمام امور میں سے ہر کام میں یقین ایک درخت کی طرح ہے اور یہ اخلاق دل میں اس درخت سے نکلنے والی شاخوں کی طرح ہیں اور ان اخلاق سے نکلنے والے یہ اعمال اور عبادات ان پھلوں اور شگوفوں کی طرح ہیں جو ان ٹہنیوں سے پھوٹتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ زلزال آیت ۷، ۸

تو یقین اصل اور بنیاد ہے اور اس کے متعلقات، اور اس سے منسوب اور ہماری اس گنتی سے بھی زیادہ ہیں، منجیات نجات دینے والے امور) کے بیان میں ان کا ذکر آئے گا انشاء اللہ۔ فی الحال اس لفظ کے معنی میں اتنی مقدار کافی ہے۔
عالم آخرت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ غمگین رہے، انکساری کے ساتھ سر جھکائے خاموش رہے اس کے رے، لباس، سیرت، حرکت و سکون، بولنے اور خاموش رہنے سے اس کی خشیت کا پتہ چلے۔ اسے دیکھنے والا دیا ایسے شخص کو دیکھ رہا ہے جس کے دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے، اس کی صورت، اس کی عمل کی دلیل ہو اور اس کا ظاہر، باطن کی پہچان کے لیے کافی ہو علمائے آخرت، سکون اور تواضع میں اپنی پیشانیوں سے پہچانے جاتے ہیں۔
اللہ تعالی جو سب سے بہتر لباس پہناتا ہے وہ باوقار فروتنی کا لباس ہے یہ انبیاء کرام کا لباس ہے صالحین، صدیقین ور علماء، خاص طور پر اسی میں ملبوس ہیں۔
لیکن زیادہ گفتگو کرنا اور گفتگو میں تکلیف برتتے ہوئے فصاحت کا اظہار کرنا، ہر وقت ہنستے رہنا، حرکات اور گفتگو میں زی پیدا کرنا یہ تکبر کی علامات ہیں بے خوف اور غافل رہنا اللہ تعالی کے بہت بڑے عذاب اور سخت ناراضگی کا عث ہے۔ یہ دنیا دار لوگوں کا طریقہ ہے جو اللہ تعالی سے غافل ہیں علماء کرام کا طریقہ نہیں اور یہ اس لیے کہ علماء کی ن قسمیں ہیں جیسے حضرت سہیل تستری رحمہ اللہ نے فرمایا ایک وہ جو اللہ تعالی کے امر کو جاننے والا ہوتا اس کے ایام کو نہیں جانتا، یہ علماء حلال و حرام کے بارے میں فتوی دیتے ہیں اس علم سے خوف خدا پیدا نہیں ہوتا دوسری قسم کے علماء وہ ہیں جو للہ تعالی کا علم رکھتے ہیں اس کے اوامر و ایام کا علم نہیں رکھتے یہ عام مومن ہیں تیسری قسم میں وہ علماء کرام شامل ہیں جو اللہ تعالی اس کے امر اور ایام کا علم رکھتے ہیں یہ صدیقین ہیں۔
ان لوگوں پر خشیت اور خشوع غالب ہوتا ہے ایام اللہ سے پوشیدہ سزائیں اور باطنی نعمتیں مراد ہیں۔ جو اللہ تعالی نے پہلے اور پچھلے لوگوں کو مرحمت فرمائی ہیں۔ جس آدمی کا علم اس چیز کا احاطہ کرلے اس سے خوف عظیم اور خشوع ظاہر ہو گا۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "علم حاصل کرو، اور علم کے لیے وقار اور بردباری سیکھو، جن سے تم سیکھتے ہیں ان کے لیے تواضع اختیار کرو اور جو تم سے سیکھتے ہیں وہ تمہارے لیے تواضع اختیار کریں متکبر علماء میں سے نہ ہو جانا کہ تمہارا علم، تمہاری جہالت کے برابر بھی نہ ہو۔
کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالی کسی بندے کو علم دیتا ہے تو اس کے ساتھ بردباری، تواضع حسن اخلاق اور نرمی بھی عطا رتا ہے یہ علم نافع ہے۔
ایک روایت میں ہے کہ جس کو اللہ تعالی نے علم، زہد، تواضع اور حسن خلق عطا فرمایا وہ متقین کا امام ہے، حدیث شریف میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
إِنَّ مِنْ أُمَّتِي قَوْمًا يَضْحَكُونَ جَهْرًا مِنْ   میری امت کے اچھے لوگوں میں سے ایک طبقہ وہ ہے کہ

يَسْمَعُ رَحْمَةِ اللهِ، وَيَبْكُوْنَ سِرًّا مِنْ خَوْفِ عَذَابِهِ، اَبْدَانُهُمْ فِي الْاَرْضِ وَقُلُوْبُهُمْ فِي السَّمَاءِ اَرْوَاحُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَعُقُوْلُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ، يَتَمَشَّوْنَ بِالسَّكِيْنَةِ، وَيَتَقَرَّبُوْنَ بِالْوَسِيْلَةِ (۱)

وہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کے باعث ظاہراً ہنستے ہیں (خوش ہوتے ہیں) اور اس کے عذاب کے خوف سے چھپ کر روتے ہیں ان کے جسم زمین پر ہیں اور ان کے دل آسمان پر ہیں، ان کی ارواح دنیا میں ہیں اور ان کی عقل آخرت میں، وہ وقار کے ساتھ چلتے ہیں اور وسیلے کے ساتھ قرب خداوندی حاصل کرتے ہیں۔"

* * *

حضرت حسن فرماتے ہیں بردباری، علم کا وزیر ہے، نرمی اس کا باپ اور تواضع اس کا لباس ہے۔

حضرت بشر بن حارث فرماتے ہیں جس نے علم کے ذریعے حکومت تلاش کی تو اللہ تعالیٰ کا تقرب اس سے بغض رکھتا ہے۔ اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک حکیم نے حکمت کے بارے میں تین سو ساٹھ کتابیں لکھیں حتیٰ کہ حکیم کے نام سے موصوف ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے ان زمانے کے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں آدمی سے فرما دیں تم زمین بھر خرچ کردو لیکن کسی چیز کے ساتھ میری رضا جوئی کی نیت نہ کرو تو میں تمہارے اس خرچ سے کچھ بھی قبول نہیں کروں گا۔ چنانچہ وہ شخص پشیمان ہوا یہ کام چھوڑ دیا اور عام لوگوں میں گھل مل گیا بازاروں میں چلنے لگا، بنی اسرائیل کے ساتھ کھانے پینے لگا اور اپنے نفس میں عاجزی کو اختیار کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اس سے فرما دیں کہ اب تجھے میری رضا کی توفیق حاصل ہوئی۔

حضرت اوزاعی، حضرت بلال بن سعد سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ تم میں کوئی ایک کسی سپاہی کو دیکھتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا چاہتا ہے لیکن وہ دنیا دار علماء کو دیکھتا ہے جو لوگوں کے لیے بناوٹ سے کام لیتے ہیں اور اقتدار کا شوق رکھتے ہیں تو ان کو برا نہیں سمجھتا حالانکہ سپاہی کے مقابلے میں ان کو برا سمجھنا زیادہ مناسب ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا۔

يَا رَسُوْلَ اللهِ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اِجْتِنَابُ الْمَحَارِمِ، وَلَا يَزَالُ فُوْكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللهِ تَعَالٰى. قِيْلَ: فَاَيُّ الْاَصْحَابِ خَيْرٌ؟ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَاحِبٌ اِنْ ذَكَرْتَ اللهَ اَعَانَكَ وَاِنْ نَسِيْتَهُ ذَكَّرَكَ. قِيْلَ: فَاَيُّ الْاَصْحَابِ

یا رسول اللہ! کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا حرام کاموں سے بچنا، اور تمہاری زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہیئے۔ پوچھا گیا کونسے ساتھی بہتر ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ساتھی کہ جب تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو وہ تیری مدد کرے اور اگر تو بھول جائے تو وہ تجھے یاد دلائے۔ عرض کیا گیا کونسا ساتھی

---

(۱) شعب الایمان للبیہقی جلد اول ص ۴۷۰

شَرٌّ؟ قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم: صَاحِبٌ إِنْ نَسِيتَ لَمْ يُذَكِّرْكَ، وَإِنْ ذَكَرْتَ لَمْ يُعِنْكَ، قِيلَ: فَأَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ قَالَ: أَشَدُّهُمْ لِلّٰهِ خَشْيَةً قِيلَ: فَأَخْبِرْنَا بِخِيَارِنَا نُجَالِسْهُمْ قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم: الَّذِينَ إِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللّٰهُ قِيلَ: فَأَيُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ: اَللّٰهُمَّ غُفْرًا. قَالُوا أَخْبِرْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: اَلْعُلَمَاءُ إِذَا فَسَدُوا۔ (۱)

بیرا ہے آپ نے فرمایا جب تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بھول جائے تو وہ تجھے یاد نہ دلائے اور جب تجھے یاد ہو تو وہ تیری مدد نہ کرے۔ عرض کیا گیا، کون شخص زیادہ علم رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے، عرض کیا گیا ہمیں بتائیے کہ ہم میں سے کون لوگ اچھے ہیں تاکہ ہم ان کی مجلس اختیار کریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ جن کو دیکھنے سے خدا یاد آجائے۔ عرض کیا گیا کون لوگ بُرے ہیں؟ آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! بخش دے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں بتائیے۔ فرمایا علماء جب خراب ہو جائیں (۱)۔ (تو وہ بُرے لوگ ہیں)

٭ ٭ ٭

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَإِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ أَمَانًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ فِكْرًا فِي الدُّنْيَا، وَأَكْثَرَ النَّاسِ ضِحْكًا فِي الْآخِرَةِ أَكْثَرُهُمْ بُكَاءً فِي الدُّنْيَا، وَأَشَدَّ النَّاسِ فَرَحًا فِي الْآخِرَةِ أَطْوَلُهُمْ حُزْنًا فِي الدُّنْيَا۔ (۲)

قیامت کے دن وہ لوگ زیادہ امن میں ہوں گے جو دنیا میں زیادہ فکر کرتے ہیں اور آخرت میں زیادہ خوش وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں زیادہ روتے ہیں آخرت میں وہ لوگ زیادہ خوش ہوں گے جو دنیا میں بہت زیادہ غمگین رہتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا یہ میرا ذمہ ہے اور میں اس بات کا ضامن ہوں کہ تقویٰ کی موجودگی میں کسی قوم کی (عمل کی) کھیتی خشک نہیں ہوگی اور ہدایت کی صورت میں اس کی جڑ پیاسی نہ ہوگی لوگوں میں سے زیادہ جاہل وہ شخص ہے جو اپنی قدر نہیں پہچانتا، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو ہر جگہ سے علم جمع کر کے فتنے کی تاریکیوں میں شب خون مارے اس جیسے رذیل لوگوں نے اس کا نام رکھا ہوا ہے حالانکہ وہ ایک دن بھی علم میں صحیح سالم زندگی نہیں گزارتا۔ صبح سویرے ہی وہ زیادہ جمع کرتا ہے اس میں جو کم ہے اور کفایت کرتا ہے وہ اس سے بہتر ہے

---

(۱) کتاب الزھد والرقائق ص ۱۰۳

نوٹ اس حدیث کے الفاظ مختلف مقامات سے لئے گئے ہیں ۱۲ ہزاروی

(۲) تنبیہ الغافلین ص ۱۵۳ باب التفکر۔

جو زیادہ ہے اور بے کار ہے۔ جب وہ بدبودار پانی پی کر سیراب ہوتا ہے اور بے فائدہ امور کی کثرت کرتا ہے
تو لوگوں کا معلم بن کر بیٹھ جاتا ہے تاکہ جو امور دوسروں پر مشتبہ ہیں وہ انہیں حل کرے۔ اور جب اس کے سامنے کوئی
مبہم بات آتی ہے تو اس کے لیے اپنی رائے سے ایک لغو لباس بنا لیتا ہے، وہ شبہات کو دور کرنے میں مکڑی کے جالے
بن ہونے کی طرح ہے وہ نہیں جانتا کہ اس نے خطا کی یا ٹھیک کہا، بہت سی جہالتوں کا سوار ہے اور بے عقلی کی بے تکی
باتیں کرتا ہے جو کہ نہیں جانتا اس سے عذر پیش نہیں کرتا تاکہ بچ جائے اور نہ علم کو مضبوطی سے پکڑتا ہے کہ غنیمت پائے
خون (ناحق) بھی اس سے بہتے ہیں اس کے فیصلے سے زنا حلال ہو جاتا ہے، اس کے سامنے جو سوال پیش ہوا اس
کا جواب نہیں دے سکتا۔ اور جو کچھ اسے سونپا جائے اس کا وہ اہل نہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے سزائیں ہیں اور زندگی
بھر ان پر رونا اور نوحہ کرنا جائز ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم علم سنو تو خاموش رہو اسے بیہودہ باتوں
میں نہ ملاؤ کیوں کہ دل اس کو قبول نہیں کرتے بعض بزرگوں نے فرمایا جب عالم ہنستا ہے تو وہ علم کی کلی کرتا ہے، اور کہا
گیا ہے کہ اگر استاذ میں تین باتیں ہوں تو ان کے ذریعے متعلم پر نعمت مکمل ہو جاتی ہے،

(۱) صبر (۲) تواضع (۳) اچھے اخلاق۔ اور جب متعلم میں تین باتیں ہوں تو ان کے ذریعے معلم پر نعمت کامل ہو جاتی ہے

(۱) عقل (۲) ادب (۳) اور اچھی سمجھ۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں جن اخلاق کا ذکر آیا ہے علماء آخرت ان سے
الگ نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ وہ قرآن پاک کو عمل کے لیے سیکھتے ہیں حکومت حاصل کرنے کے لیے نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم نے ایک زمانہ گزارا ہے ہم میں سے ہر ایک کو قرآن سے پہلے ایمان دیا جاتا
جب قرآن پاک کی کوئی سورت نازل ہوتی تو اس کے حلال و حرام، اوامر اور نواہی کو سیکھ لیتا۔ اور اس میں جہاں توقف
کرنا مناسب ہوتا اس کا علم بھی حاصل کر لیتا، اور میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ان میں سے ایک کو ایمان سے پہلے قرآن ملتا ہے
تو وہ سورۂ فاتحہ سے آخر تک پڑھتا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ اس میں کس کام کا امر ہے اور کس سے روکا گیا ہے، اور کہاں
توقف کرنا چاہیئے وہ اسے ناکارہ کھجوروں کی طرح بکھیرتا ہے ایک دوسری روایت میں اس جیسا مفہوم منقول ہے۔

اور ہم اصحاب رسول کو قرآن مجید سے پہلے ایمان دیا گیا جب کہ تمہارے بعد کچھ ایسے لوگ آئیں گے جنہیں ایمان
سے پہلے قرآن دیا جائے گا،

وہ اس کے حروف کو قائم رکھیں گے اور اس کی حدود و حقوق کو ضائع کر دیں گے وہ کہیں گے ہم نے پڑھا تو کون ہم سے
بڑا قاری ہے اور ہم نے سیکھا تو ہم سے بڑا عالم کون ہے، ان کا حصہ اسی قدر ہے، اور بعض روایات میں یوں ہے کہ
وہ اس امت کے برے لوگ ہیں۔

کہا گیا کہ پانچ اخلاق جو قرآن پاک کی پانچ آیات سے سمجھے جاتے ہیں علمائے آخرت کی علامات میں سے ہیں۔
خشیت، خشوع، تواضع، حسن اخلاق اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا یعنی زہد۔

خشیت اس آیت سے ثابت ہوتی ہے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔"

* * *

خشوع اس آیت سے سمجھا جاتا ہے۔

خَاشِعِينَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (۲)

"وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے جھکنے والے ہیں اس کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہیں لیتے۔"

تواضع کا اس آیت سے پتہ چلتا ہے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (۳)

"اور اپنے پہلوؤں کو مومنوں کے لیے جھکا دیں۔"

حسن اخلاق اس آیت سے ثابت ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (۴)

"اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کے لیے نرم دل ہو گئے۔"

زہد کا مفہوم اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ۔ (۵)

"اور جن لوگوں کو علم دیا گیا وہ کہتے ہیں تمہارے لیے ہلاکت ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب اس شخص کے لیے بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس نے اچھے کام کئے۔"

* * *

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ "تلاوت" فرمائی۔

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ (۶)

"اور جس آدمی کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔"

عرض کیا گیا، یہ کھولنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا جب دل میں نور ڈالا جاتا ہے تو اس کے لیے سینہ کھل جاتا ہے اور کشادہ ہو جاتا ہے،

عرض کیا گیا کہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں دھوکہ کے گھر (دنیا) سے دور رہنا اور دائمی گھر کی طرف رجوع کرنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری کرنا (۷)

---

(۱) قرآن مجید سورۂ فاطر آیت ۲۸ (۲) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۹۹۔

(۳) قرآن مجید سورۂ حجر آیت ۸۸ (۴) قرآن مجید سورۂ آل عمران ۱۵۹۔

(۵) قرآن مجید سورۂ قصص آیت ۸۰ (۶) قرآن مجید سورہ انعام آیت ۱۲۵ (۷) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۱۱ کتاب الرقاق۔

علمائے آخرت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ اس کی اکثر بحث علم الاعمال اور ان چیزوں کے بارے میں ہو جو چیزیں اعمال کو فاسد کرتی دل کو پریشانی کرتی وسوسے پیدا کرتی اور شر پھیلاتی ہیں کیوں کہ دین کی اصل برائی سے بچنا ہے۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ بدی کو محض بدی ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس سے بچنے کے لیے پہچان، اور جو آدمی برائی کو نہیں پہچانتا وہ اس میں پڑ جاتا ہے۔ نیز وہ اعمال جو فعلی ہیں وہ آسانی ہیں ان میں سے عظیم بلکہ اعلیٰ دل اور زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے اور شان تو ان چیزوں کو پہچاننے میں ہے جو دل کو خراب اور پریشان کرتی ہیں ان کے شعبے زیادہ اور فروع زیادہ ہیں، اور آخرت کے راستے پر چلنے میں ان کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے اور عام لوگ اس میں مبتلا ہیں۔

جہاں تک دنیا دار علماء کا تعلق ہے تو وہ حکومت اور فیصلوں کی نادر تفریعات کے پیچھے پڑتے ہیں اور ایسی صورتیں گھڑنے میں مشقت برداشت کرتے ہیں جو کئی زمانوں تک وقوع پذیر نہ ہوں اور اگر ہوں بھی تو ان کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے ہوں اور جب وہ واقع ہوں تو ان کے بتانے والے بے شمار لوگ موجود ہوں۔

اور وہ ان باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو ہر دم ان کے ساتھ ہیں اور رات کی گھڑیوں اور دن کے اطراف میں بار بار ان کے دلوں، وسوسوں اور اعمال میں واقع ہوتی ہیں۔ اور وہ شخص نیک بختی سے کس قدر دور ہے جو دوسرے کی نادر مہم کے بدلے اپنی اس مہم کا سودا کرتا ہے جو اسے لازم ہے اور یوں وہ اللہ تعالیٰ کے قرب پر مخلوق کے قرب کو ترجیح دیتا ہے، اسے اس بات کی حرص ہوتی ہے کہ اہل دنیا میں سے باطل پرست اسے فاضل محقق اور باریک مسائل کا عالم کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے یہ بدلہ ملتا ہے کہ اسے دنیا میں مخلوق کی طرف سے قبولیت کا نفع حاصل نہیں ہوتا بلکہ مصائب زمانہ سے اس کی زندگی مکدر ہو جاتی ہے۔ پھر قیامت کے دن مفلس ہو کر آئے گا اور جب عمل کرنے والوں کا نفع، اور مقربین کی کامیابی دیکھے گا تو کیف افسوس ملتا ہو گا۔ یہی واضح نقصان ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا کلام، انبیاء کرام کے کلام سے زیادہ مشابہ تھا، اور ان کی سیرت، صحابہ کرام کی سیرت سے بہت زیادہ ملتی جلتی تھی۔ ان کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہے ان کا عام وعظ دلوں کے خطرات، فساد اعمال، نفس کے وسوسوں اور نفسانی خواہشات کی پوشیدہ دقیق صفات کے بارے میں ہوتا تھا، ان سے پوچھا گیا کہ اے ابو سعید! آپ ایسی گفتگو کرتے ہیں جو آپ کے علاوہ کسی سے سنی نہیں گئی آپ نے یہ کہاں سے حاصل کی فرمایا حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایسا کلام کرتے ہیں جو کسی دوسرے صحابی سے نہیں سنا جاتا آپ نے اسے کہاں سے حاصل کیا انہوں نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خصوصی طور پر عطا فرمایا ہے،

دوسرے صحابہ کرام بھلائی کے بارے میں پوچھتے تھے میں برائی کے بارے میں سوال کرتا تھا۔ میں اس بات کا

خوف رکھتا تھا کہ کہیں برائی میں نہ پڑ جاؤں۔ اور میں جانتا تھا کہ بھلائی کا علم مجھ سے سبقت نہیں کر سکتا (یعنی مجھے حاصل ہو جائے گا) میں جانتا تھا کہ جو شخص برائی کی پہچان نہیں رکھتا وہ نیکی کو بھی پہچان نہیں سکتا۔

دوسری حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ صحابہ کرام عرض کرتے تھے یا رسول اللہ! فلاں کو کیا ہوا کہ وہ فلاں فلاں عمل کرتا ہے۔ وہ آپ سے فضائلِ اعمال کے بارے میں پوچھتے تھے اور میں کہتا تھا یا رسول اللہ! فلاں فلاں عمل کو کونسی چیز خراب کرتی ہے جب آپ نے مجھے اعمال کی آفات سے متعلق سوال کرتے دیکھا تو مجھے اس علم کے ساتھ خاص کر دیا۔ (۱)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ منافقین کے بارے میں معلومات کے ساتھ بھی خاص تھے نفاق، اس کے اسباب اور فتنوں کی باریکیوں سے متعلق علم کی معرفت میں آپ کا انفرادی مقام تھا۔ حضرت عمر فاروق حضرت عثمان غنی اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے عام و خاص فتنوں کے بارے میں پوچھتے تھے۔ اور منافقین کے بارے میں بھی پوچھتے تھے، آپ ان کو بتاتے کہ اتنے منافق باقی رہ گئے ہیں لیکن ان کے نام نہیں بتاتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سے اپنے بارے میں بھی پوچھتے تھے کہ کیا ان میں منافقت ہے؛ تو وہ ان کی برأت کا اظہار کرتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب کسی کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے بلایا جاتا تھا تو آپ دیکھتے اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وہاں موجود ہوتے تو نمازِ جنازہ پڑھاتے ورنہ چھوڑ دیتے آپ کو صاحبِ سِر (رازدان) کہا جاتا تھا۔

مقاماتِ قلب اور احوال پر توجہ رکھنا علمائے آخرت کا طریقہ ہے کیوں کہ قربِ الٰہی کی طرف سعی کرنے والا دل ہی تو ہے، اب یہ فن نادر و نایاب ہو گیا اب اگر کوئی عالم اس میں سے کسی چیز کے درپے ہوتا ہے تو لوگوں کو تعجب ہوتا ہے اور وہ اسے بعید جانتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ تو واعظین کا کلام کو مزین کرنا ہے تحقیق کہاں ہے۔ ان کے نزدیک تحقیق تو صرف جھگڑے کی باتوں (مناظروں) میں ہے کسی شاعر نے سچ کہا ہے۔

راستے مختلف ہیں لیکن حق کا راستہ ایک ہی ہے اور اس راستے پر چلنے والے بھی یکتا و منفرد ہوتے ہیں نہ ان کو کوئی جانتا ہے اور نہ ان کے مقاصد کا کوئی پتہ چلتا ہے وہ آرام میں ہیں اور وہ اس راستے کا قصد کر کے چلتے ہیں جس سے لوگ غافل ہیں کیونکہ لوگوں کی اکثریت حق کے راستے سے غافل رہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر لوگ آسان بات اور اس چیز کی طرف میلان رکھتے ہیں جو ان کی طبیعتوں کے موافق ہو، کیوں کہ حق کڑوا ہوتا ہے اس سے واقفیت حاصل کرنا مشکل اور اس کا پانا نہایت سخت ہے اور اس کا راستہ خصوصاً دل کی صفات کی معرفت اور اسے بری عادات سے پاک کرنا بہت مشکل ہے، یہ تو ہمیشہ جانکنی کی حالت ہوتی ہے اور جو شخص اس

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۲۷۱، ۲۷۲ ترجمہ حذیفہ بن یمان۔

کے در پے ہوتا ہے وہ دوائی پینے والے کی طرح ہوتا ہے جو شفاء کی امید پہ دوائی کی کڑواہٹ پر صبر کرتا ہے یا وہ اس شخص کی طرح ہے جو زندگی بھر روزہ رکھتا اور تکالیف برداشت کرتا ہے تاکہ وہ مرنے پر عید منائے۔ پس ایسے طریقے کی طرف رغبت کیسے ہو سکتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ بصرہ میں ایک سو حضرات وعظ و تذکیر کرنے والے تھے لیکن علم الیقین احوال قلوب اور باطنی صفات پر گفتگو کرنے والے صرف تین آدمی تھے، ان میں سے ایک حضرت سہل تستری، دوسرے صبیحی اور تیسرے حضرت عبدالرحیم تھے۔ اُن لوگوں کے پاس بے شمار لوگ بیٹھتے تھے اور ان بزرگوں کے پاس تھوڑے سے لوگ ہوتے تھے بہت کم دس (کی تعداد) سے تجاوز کرتے کیوں کہ نفیس اور عمدہ چیز کے اہل خاص لوگ ہوتے ہیں اور جو کچھ عوام کو دیا جاتا ہے وہ آسان ہوتا ہے۔

علماء آخرت کی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ علوم پر ان کا اعتماد بطور بصیرت اور دل کی صفائی کے ساتھ ہو، صحیفوں اور کتابوں پر اعتماد نہ ہو، اور نہ اس بات کی تقلید پر ہو جو دوسرے سے سُن رکھی ہو، تقلید تو صرف صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے (۱)

یعنی آپ کے حکم اور اقوال پر عمل کیا جائے، صحابہ کرام کی تقلید بھی اسی انداز میں کرے کہ ان کے افعال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت پر دلالت کرتے ہیں پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو قبول کرتے ہوئے آپ کی تقلید کرے تو اس کے اسرار سمجھنے پر حریص بن جائے۔ کیوں کہ مقلد یہ کام اس لیے کر رہا ہے کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے اور آپ کے فعل میں ضرور کوئی راز ہوگا۔ لہذا اعمال و اقوال کے اسرار خوب تلاش کرے کیوں کہ اگر وہ سُنی ہوئی بات کو یاد کرنے پر ہی اکتفاء کرے تو علم کا برتن ہو جائے گا عالم نہیں ہوگا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے فلاں شخص علم کے برتنوں میں سے ہے، لہذا جب تک وہ حکمتوں اور اسرار پر مطلع نہ ہو بلکہ صرف حفظ ہی اس کا کام ہو تو اسے عالم نہیں کہتے۔ جو شخص اپنے دل سے پردے کو ہٹا دیتا ہے اور نورِ ہدایت سے منور ہوتا ہے تو اس کی اتباع اور تقلید کی جاتی ہے لہذا اسے (اس درجہ میں) کسی دوسرے کی تقلید نہیں کرنی چاہیئے۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر شخص کے علم سے کچھ لیا جاتا ہے اور کچھ چھوڑا جاتا ہے (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فقہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اور قرأت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

---

(۱) امام غزالی رحمہ اللہ اس تقلید کی مخالفت نہیں فرما رہے جو فقہی ائمہ دین کی تقلید ہوتی ہے کیونکہ بڑے بڑے بزرگ مقلد ہو گزرے ہیں درحقیقت یہ تقلید بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کیونکہ ائمہ کی فقہ قرآن و سنت سے حاصل کردہ ہے بلکہ یہ بتا رہے ہیں کہ خود علم حاصل کیا جائے گویا حصول علم کی ترغیب ہے ۱۲ ہزاروی۔

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۱ ص ۳۳۹

سے سیکھی تھی پھر انہوں نے فقہ اور قرأت میں ان دونوں سے اختلاف بھی کیا۔

بعض بزرگوں نے فرمایا جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے وہ ہمارے سر آنکھوں پر (قبول ہے) اور جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے ہم اس سے کچھ لیں گے اور کچھ چھوڑ دیں گے اور جو کچھ تابعین سے ہم تک پہنچا ہے تو وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی۔

صحابہ کرام کو اس لیے فضیلت دی گئی کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارکہ کے قرائن کا مشاہدہ کیا اور جو امور قرائن سے معلوم ہوئے ان کے ساتھ ان (صحابہ کرام) کے دل متعلق تھے وہ لوگ اسی لیے راہ راست پر تھے کیوں کہ روایت اور عبارت میں مشاہدہ کا دخل نہیں ہوتا ان پر نور نبوت کا فیضان اس قدر تھا کہ وہ اکثر خطا سے محفوظ رہتے تھے۔ اور جب دوسرے سے سنی ہوئی بات پر اعتماد کرنا ناپسندیدہ تقلید ہے تو کتب اور تصانیف پر اعتماد اس سے بھی بعید ہے۔ بلکہ یہ کتب اور تصانیف بعد میں وجود میں آئیں صحابہ کرام کے زمانے اور تابعین کے ابتدائی دور میں نہیں تھیں یہ ہجرت کے ایک سو بیس سال بعد اس وقت جب تمام صحابہ کرام اور جلیل القدر تابعین انتقال کر چکے تھے مثلاً حضرت سعید بن مسیب حسن بصری اور دیگر اکابر تابعین کے وصال کے بعد تالیف ہوئی ہیں بلکہ پہلے لوگ تو احادیث لکھنا اور کتب تصنیف کرنا ناپسندیدہ خیال کرتے تھے تاکہ لوگ ان احادیث کے حفظ، قرآن پاک اور اس میں غور و فکر اور اس کے سمجھنے سے غافل ہو کر ان (تصانیف) میں ہی مشغول نہ ہو جائیں۔ انہوں نے فرمایا اس طرح یاد کرو جس طرح ہم یاد کرتے تھے اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن پاک کو ایک مصحف میں جمع کرنا مناسب نہ سمجھا، اور انہوں نے فرمایا کہ ہم وہ کام کیسے کریں جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ انہیں اس بات کا خدشہ تھا کہ لوگ کہیں مصاحف پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔

انہوں نے فرمایا کہ قرآن پاک کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے کہ لوگ ایک دوسرے سے تلقین اور پڑھانے کے ذریعے حاصل کریں۔ تاکہ ان کا یہی شغل اور مقصود رہے حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن پاک لکھنے کا مشورہ دیا اس خوف سے کہ کہیں لوگ سستی اور عدم تعاون کی وجہ سے اسے چھوڑ نہ دیں اور اس بات سے بچتے ہوئے کہ کہیں اس میں جھگڑا نہ ہو جائے اور کوئی ایسی اصل نہ ملے کہ متشابہات میں کسی کلمے یا قرأت کے سلسلے میں اس کی طرف رجوع کیا جا سکے تو اس کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سینہ کھل گیا چنانچہ آپ نے ایک مصحف میں قرآن پاک کو جمع کر دیا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ موطا امام مالک کی تصنیف کے سلسلے میں حضرت امام مالک پر اعتراض کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے انہوں نے وہ کام شروع کیا جو صحابہ کرام نے بھی نہیں کیا تھا،

کہا گیا کہ اسلام میں سب سے پہلی کتاب جو تصنیف ہوئی وہ ابن جریج کی کتاب ہے جس میں آثار اور وہ تفاسیر ہیں جو حضرت عطا، حضرت مجاہد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دوسرے شاگردوں سے منقول ہیں یہ کتاب

مکہ مکرمہ میں تصنیف ہوئی پھر یمن میں معمر بن راشد صنعانی کی کتاب تصنیف ہوئی جس میں وہ روایات ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں پھر مدینہ طیبہ میں حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ کی موطا اور اس کے بعد حضرت سفیان ثوری کی جامع تصنیف ہوئیں۔

پھر چوتھی صدی میں علم کلام میں کتابیں لکھی گئیں۔ اور جنگ و جدل اور مقالات کو باطل کرنے میں غور و خوض ہونے لگا اس کے بعد لوگ اس کی طرف نیز قصہ گوئی اور وعظ کی طرف مائل ہوئے۔ اس زمانے میں علم یقین مٹنے لگا۔

اس کے بعد صفات نفس اور شیطان کے مکر و فریب کے بارے میں دریافت کرنا ایک عجیب بات ہوگئی۔ سوائے چند لوگوں کے باقی سب نے اس سے منہ پھیر دیا اور اب متکلم جھگڑا کرنے والے عالم کہلانے لگا وہ قصہ گو جو مسجع عبارات سے اپنے کلام کو مزین کرتا تھا وہ بھی عالم شمار ہونے لگا۔ کیونکہ عوام ہی ان کو سننے والے ہوتے ہیں، اور انہیں حقیقت علم اور اس کے غیر میں تمیز نہیں ہوتی،

نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی بھی ان کے سامنے نہیں تھے کہ وہ ان کے نسبت سے فرق معلوم کرتے تو ایسے لوگوں پر علماء کا نام جاری ہوگیا اور پہلوں سے پچھلوں تک یہ لقب منتقل ہوتا رہا۔ آخرت کا علم لپیٹ دیا گیا اور سوائے خاص افراد کے باقی لوگوں نے علم اور کلام کے درمیان فرق پوشیدہ ہوگیا جب ان سے پوچھا جاتا کہ فلاں کے پاس زیادہ علم ہے یا فلاں کے پاس؟

تو کہتے فلاں کے پاس علم زیادہ ہے اور فلاں، کلام میں اس سے بڑھا ہوا ہے خواص لوگ علم، اور کلام پر قدرت کے درمیان فرق کرتے تھے گذشتہ صدیوں میں اسی طرح دین کمزور ہوتا چلا گیا تو اب اس زمانے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اور اب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ اگر کوئی کلام وغیرہ کا انکار کرے تو اسے پاگل کہا جاتا ہے لہذا زیادہ بہتر یہی ہے کہ انسان اپنی ذاتی اصلاح میں مشغول ہو جائے اور خاموشی اختیار کرے۔

عالم آخرت کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ بدعات سے بہت زیادہ اجتناب کرے اگرچہ اس پر تمام لوگوں نے اتفاق کرلیا ہو صحابہ کرام کے بعد لوگوں کے بدعات پر اتفاق سے دھوکہ نہ کھائے بلکہ صحابہ کرام کے حالات اور ان کی سیرت و اعمال کی دریافت میں حریص ہو نیز معلوم کرے کہ ان کی ہمت کن باتوں میں معروف تھی۔ کیا وہ تدریس، تصنیف، مناظرہ، قضا، حکمرانی، اوقات اور وصیتوں کی تولیت، یتیموں کا مال کھانے، بادشاہوں سے ملاقات میں مصروف رہتے تھے یا خوف خدا، اندوہ و غم، تفکر، مجاہدہ، ظاہر و باطن کی نگرانی، چھوٹے اور بڑے گناہوں سے اجتناب، نفس کی خفیہ خواہشات اور شیطان کے مکر و فریب کی دریافت وغیرہ علوم باطن میں مصروف رہتے تھے۔

اور قطعی طور پر یہ بات بھی جان لو کہ اس زمانے میں زیادہ علم والا اور حق کے قریب وہی شخص ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زیادہ مشابہ اور بزرگوں کے راستے کا زیادہ علم رکھتا ہے کیوں کہ دین ان ہی لوگوں سے لیا گیا ہے اسی لیے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جب عرض کیا گیا کہ آپ نے فلاں کی مخالفت کی ہے تو آپ نے فرمایا ہم نے اس دین کی پیروی کی ہے۔ غرض یہ ہے کہ اگر تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کی موافقت کر رہے ہو تو اپنے زمانے کے لوگوں کی مخالفت کی پرواہ نہ کرو کیونکہ لوگوں نے اپنی طبیعتوں کے میلان کے مطابق ایک رائے قائم کرلی ہے اور ان کا نفس اس اعتراف کو برداشت نہیں کرتا کہ یہ طریقہ جنت سے محرومی کا باعث ہے تو وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کے سوا جنت کا کوئی راستہ نہیں۔ اسی لیے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا۔

اسلام میں دو نئے آدمی پیدا ہوگئے۔ ایک وہ شخص جو بری رائے رکھتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ جنت اسی کو ملے گی جس کی رائے اس کے موافق ہوگی۔ اور دوسرا مالدار جو دنیا کا پجاری ہے اسی کے لیے اسے غصہ آتا ہے اسی کے لیے راضی ہوتا ہے اور اسی کو طلب کرتا ہے ان دونوں کو جہنم کی طرف چھوڑ دو ایک آدمی اس دنیا میں دو آدمیوں کے درمیان صبح کرتا ہے ایک مالدار ہے جو اسے اپنی دنیا کی طرف بلاتا ہے دوسرا خواہش کا پجاری ہے جو اسے اپنی خواہش کی دعوت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے ان دونوں سے بچایا۔

یہ اپنے نیک بزرگوں کا مشتاق ہے ان کے افعال کے بارے میں پوچھتا ہے ان کے نشانات پر چلتا ہے اور اجر عظیم کا طالب ہے تم بھی اسی طرح ہو جاؤ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مسنداً مروی ہے انہوں نے فرمایا وہ دو چیزیں ہیں ایک کلام ہے اور دوسری سیرت، بہترین کلام، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور بہترین سیرت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے سنو! بدعات سے بچو، بے شک سب سے برے امور بدعات ہیں۔

اور ہر (خلاف سنت) نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت (خلاف سنت کام) گمراہی ہے، سنو! اپنی عمر کو زیادہ طویل نہ سمجھو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے سنو جو کچھ آنے والا ہے وہ آئے گا اور قریب ہے اور جو بعید ہے وہ آنے والا نہیں۔(۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ مبارکہ میں ہے (آپ نے فرمایا)

طُوْبٰی لِمَنْ شَغَلَہٗ عَیْبُہٗ عَنْ عُیُوْبِ النَّاسِ وَاَنْفَقَ مِنْ مَالٍ اکْتَسَبَہٗ مِنْ غَیْرِ مَعْصِیَۃٍ، وَخَالَطَ اَھْلَ الْفِقْہِ وَالْحِکَمِ، وَجَانَبَ اَھْلَ الزَّلَلِ وَالْمَعْصِیَۃِ، طُوْبٰی لِمَنْ ذَلَّ

اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جسے اس کے عیوب (پر نظر) نے دوسروں کی عیب جوئی سے پھیر دیا جس نے ایسے مال سے خرچ کیا جو کسی گناہ کے بغیر کمایا، اس نے اہل فقہ و حکمت کے ساتھ میل جول رکھا، پھسلنے والے

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۶، باب اجتناب البدع والجدال۔

فِی نَفْسِہٖ وَحَسُنَتْ خَلِیْقَتُہٗ، وَصَلَحَتْ سَرِیْرَتُہٗ، وَعَزَلَ عَنِ النَّاسِ شَرَّہٗ، طُوْبٰی لِمَنْ عَمِلَ بِعِلْمِہٖ وَاَنْفَقَ الْفَضْلَ مِنْ مَالِہٖ وَاَمْسَکَ الْفَضْلَ مِنْ قَوْلِہٖ، وَوَسِعَتْہُ السُّنَّۃُ وَلَمْ یَعْدُھَا اِلٰی بِدْعَۃٍ ۔(۱)

اور گناہ کے مرتکب لوگوں سے الگ رہا اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس نے تواضع اختیار کی تواچھی عادات کو اپنایا اپنے باطن کی اصلاح کی اور لوگوں کو اپنے شر سے بچایا، اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس نے اپنے علم پر عمل کیا اپنا (ضرورت سے) زائد مال خرچ کیا اور اپنے زائد قول کو بچا کر رکھا سنت نے اسے اپنے تک محدود کرایا اور بدعت تک نہ جانے دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے آخری زمانے میں اچھی سیرت کثرتِ اعمال سے بہتر ہو گی، اور فرمایا کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ اس میں اچھے لوگ (نیک) امور میں جلدی کرتے ہیں، اور عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ اس دور کا اچھا آدمی کثرت شبہات کی وجہ سے توقف کرے گا" اور واقعی انہوں نے سچ فرمایا اس زمانے میں جو شخص توقف نہیں کرتا اور عام لوگوں کی موافقت کرتا ہے اور جن امور میں وہ مشغول ہیں انہی میں مشغول ہوتا ہے تو وہ ان کی طرح تباہ و برباد ہو گیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہارے دور کی نیکی گذشتہ زمانے کی برائی تھی اور تمہارے زمانے کی برائی آنے والے زمانے میں نیکی بن جائے گی۔ اور تم جب تک حق کی پہچان رکھو گے بھلائی پر رہو گے اور تمہارے دور کا عالم حق نہیں چھپائے گا۔

انہوں نے سچ فرمایا اس زمانے کی اکثر نیکیاں صحابہ کرام کے زمانے میں منکرات شمار ہوتی تھیں ہمارے زمانے میں مساجد کی زینت اور انہیں آراستہ کرنا اور عمارتوں کے باریک کاموں میں بہت زیادہ مال خرچ کرنا اور ان میں قیمتی بچھونے بچھانا نیکی تصور کیا جاتا ہے حالانکہ اس دور میں مسجد میں چٹائی بچھانا بھی بدعت شمار ہوتا تھا اور کہا گیا کہ یہ حجاج بن یوسف کی بدعات سے ہے پہلے لوگ اپنے اور مٹی کے درمیان بہت کم رکاوٹ ڈالتے تھے۔ اسی طرح رفیق مسائل پر جھگڑنا اور مناظرے کرنا اس زمانے کے بڑے بڑے علوم میں شمار ہوتا ہے اور ان لوگوں کا خیال ہے کہ یہ قرب خداوندی کا بہت بڑا ذریعہ اور عظیم عبادت ہے۔ حالانکہ پہلے زمانے میں یہ منکرات میں شمار ہوتا تھا قرآن پاک اور اذان میں لحن کرنا بھی انہی بدعات سے ہے (یعنی غلط لہجے میں پڑھنا) پاکیزگی میں مبالغہ کرنا اور طہارت میں وسوسہ کرنا بھی اسی (بدعت) سے ہے کپڑوں کی نجاست کے بارے میں اسباب بعیدہ فرض کئے جاتے ہیں حالانکہ خوراک کے حلال و حرام ہونے کے سلسلے میں سستی برتی جاتی ہے۔ اور اس قسم کی دوسری باتیں ہیں۔

---

(۱) العلل المتناہیہ جلد ۲ ص ۳۴۴

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا جب ارشاد فرمایا کہ تم اس زمانے میں ہو جس میں خواہش، علم کے تابع ہے اور عنقریب ایسا زمانہ آئے گا جس میں علم، خواہش کے تابع ہو جائے گا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے تھے ان لوگوں نے علم کو چھوڑ دیا اور عجیب و غریب باتوں میں مشغول ہو گئے ان میں علم کس قدر کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مدد فرمانے والا ہے۔

حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں گذشتہ زمانے کے لوگ ان امور کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے جس طرح آج کل لوگ پوچھتے ہیں اور علماء کرام بھی یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ حرام ہے اور یہ حلال۔ بلکہ میں نے ان کو یوں پایا کہ وہ فرماتے تھے یہ مستحب ہے اور یہ مکروہ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کراہت اور استحباب کی باریکیوں کو دیکھتے تھے کیونکہ حرام کی برائی تو واضح ہے، حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ان لوگوں سے ان بدعات کے بارے میں نہ پوچھو جو انہوں نے گھڑلی ہیں کیونکہ انہوں نے اس کا جواب تیار کر رکھا ہے، ان سے سنت کے بارے میں پوچھو کیوں کہ یہ اسے نہیں جانتے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے تھے جس شخص کے دل میں کوئی اچھی بات ڈالی گئی وہ اس پر اس وقت تک عمل نہ کرے جب تک اس کے مطابق حدیث سے سُن نہ لے۔ پھر جب اس کے دل میں پیدا ہونے والی بات کے موافق ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ انہوں نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ جو نئی آراء آتی ہیں وہ کانوں کو کھٹکھٹاتی اور دلوں سے معلق ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات دل کی صفائی مشکوک ہوتی ہے اس وجہ سے وہ باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے لہذا احتیاط کا تقاضا ہے کہ روایات کی شہادت سے اس کو ظاہر کیا جائے یہی وجہ ہے کہ جب مروان نے عید کی نماز کے موقعہ پر عید گاہ میں منبر رکھا تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا اے مروان یہ کیا بدعت ہے؟ اس نے کہا یہ بدعت نہیں بلکہ یہ تمہارے معلومات کے مقابلے میں بہتر ہے کیونکہ لوگ زیادہ ہو گئے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ ان سب تک آواز پہنچے، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! جو میرے علم کے مطابق تم کبھی بھی اچھا کام نہیں کرو گے، اور قسم بخدا! میں آج کے دن تمہارے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا انہوں نے یہ اعتراض اس لیے کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید اور نماز استسقاء کے خطبہ میں کمان یا لاٹھی پر ٹیک لگاتے تھے۔ منبر پر نہیں۔ (۱)

مشہور حدیث میں ہے:-

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ۔ (۲)

"جس نے ہمارے دین میں ایسا کام جاری کیا جو دین سے نہیں تو وہ کام مردود ہے۔"

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۹۹ باب السلاح فی العید (۲) مسند احمد بن حنبل۔ ج ۶ ص ۲۷۰

ایک دوسری روایت میں ہے :-

مَنْ غَشَّ اُمَّتِی فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلَائِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا غَشُّ اُمَّتِکَ؟ قَالَ اَنْ یَبْتَدِعَ بِدْعَۃً یَحْمِلُ النَّاسَ عَلَیْھَا (۱)

جس نے میری امت سے دھوکہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! امت کے ساتھ دھوکہ (یا کھوٹ) کیا ہے آپ نے فرمایا وہ یہ کہ کوئی بدعت جاری کر کے لوگوں کو اس کی ترغیب دینا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اِنَّ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مَلَکًا یُنَادِی کُلَّ یَوْمٍ : مَنْ خَالَفَ سُنَّۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ تَنَلْہُ شَفَاعَتُہٗ (۲)

اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہر دن پکارتا ہے جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کی مخالفت کی اسے آپ کی شفاعت سے حصہ نہیں ملے گا۔

دین میں ایسی بدعت جاری کرنے والا جو سنت کے مخالف ہو وہ شخص گناہ کرنے والے کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے کسی بادشاہ کی حکومت کو بدلنے میں اس کی نافرمانی کرنے والے مقابلے میں وہ شخص ہے جو کسی مقررہ خدمت میں اس کی نافرمانی کرتا ہے کیونکہ اس کی معافی ہو سکتی ہے لیکن جو شخص حکومت کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے اس کے لیے معافی نہیں۔

بعض علماء نے فرمایا کہ جس مسئلے میں اسلاف نے گفتگو کی ہے اس میں خاموشی اختیار کرنا ظلم ہے اور جس میں انہوں نے خاموشی اختیار کی اس میں گفتگو کرنا تکلف ہے۔ ایک دوسرے عالم نے فرمایا حق بات گراں ہے جس نے اس سے تجاوز کیا وہ ظالم ہے اور جس نے اس میں کوتاہی کی وہ عاجز ہے، اور جس نے اس پر توقف کیا وہ کفایت کرتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درمیانے راستے کو لازم پکڑو جس کی طرف بلند جانے والا لوٹ آئے اور پیچھے رہنے والا اس کی طرف بلندی اختیار کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا گمراہ لوگ اپنے دلوں میں گمراہی کی حلاوت محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ان لوگوں کو چھوڑ دیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنا لیا ہے۔

---

(۱) کنز العمال۔ ج ۱ ص ۲۲۱-۲۲۲

(۲) قوت القلوب۔ ج ۱ ص ۱۷۴ باب تفضیل علم الایمان والیقین۔

ارشاد خداوندی ہے :-

اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَہٗ سُوۡٓءُ عَمَلِہٖ فَرَاٰہُ حَسَنًا (۱) "تو کیا وہ شخص جسے اس کا برا عمل اچھا لگتا ہے تو وہ اسے اچھا سمجھتا ہے۔

تو صحابہ کرام کے بعد جو بھی نیا عمل شروع ہوا اور وہ ضرورت و حاجت سے زائد ہے تو وہ لہو ولعب سے ہے۔

ابلیس لعین کے بارے میں حکایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس نے اپنے لشکر کو ادھر ادھر پھیلایا، جب وہ پریشان حال تھکے ماندے واپس آئے تو اس نے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ہم نے ان لوگوں کی طرح نہیں دیکھا ہمیں ان سے سوائے تھکاوٹ کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا اس نے کہا تم ان پر قابو نہیں پا سکتے انہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہے اور اپنے رب کی طرف سے نزول قرآن کا مشاہدہ کیا ہے البتہ ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن سے تمہاری حاجت پوری ہوگی، جب تابعین کا زمانہ آیا تو اس نے اپنے لشکروں کو ادھر ادھر بھیجا، وہ شکستہ حال واپس آئے اور کہا کہ ہم نے ان سے زیادہ تعجب خیز لوگ نہیں دیکھے ہم ان کے گناہوں کے سبب کچھ نہ کچھ حصہ حاصل کر لیں گے جب شام کا وقت ہوا تو انہوں نے (تابعین) نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا۔

شیطان نے کہا تم ان سے بھی کچھ حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ ان کا عقیدہ توحید صحیح ہے اور یہ اپنے نبی کی سنت پر چلتے ہیں۔ البتہ ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے ان سے تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی۔ تم ان کے ساتھ کھیلنا، اور ان کی خواہشات کی لگام پکڑ کر جہاں چاہے سے جانا وہ بخشش طلب کریں گے تو ان کی بخشش نہیں ہوگی اور وہ توبہ بھی نہیں کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے راوی فرماتے ہیں۔

پہلی صدی کے بعد ایک قوم آئی تو اس نے (شیطان نے) ان میں خواہشات پھیلا دیں اور بدعات کو ان کے لیے مزین کر دیا چنانچہ انہوں نے ان کو حلال سمجھا اور دین بنا لیا وہ ان سے اللہ تعالیٰ کی بخشش نہیں مانگتے اور نہ توبہ کرتے ہیں لہٰذا ان پر دشمن (شیطان) غالب ہو گئے اب وہ جہاں چاہتے ہیں انہیں لے جاتے ہیں۔

اگر تم کہو کہ اس قائل کو کہاں سے معلوم کہ ابلیس نے یہ بات کہی ہے حالانکہ اس نے نہ تو ابلیس کو دیکھا اور نہ ہی اس سے گفتگو کی۔

تو جان لو کہ اہل دل پر ملکوت (بادشاہی) کے راز منکشف ہوتے ہیں کبھی بطور الہام ان کے دل میں ڈالے جاتے ہیں اور انہیں معلوم تک نہیں ہوتا کبھی سچے خواب کے ذریعے اور کبھی بیداری میں ان کے معانی مثالوں کے مشاہدے سے کے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ فاطر آیت نمبر ۸

ذریعے واضح کئے جاتے ہیں جیسا کہ خواب میں ہوتا ہے اور یہ سب اعلیٰ درجہ ہے اور یہ نبوت کا بلند درجہ ہے جیسے سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

تو تمہیں اس علم کے انکار سے بچنا چاہیئے جو تیری ناقص عقل کی حد سے پار ہو گیا اس سلسلے میں مہارت کا دعویٰ کرنے والے علماء بھی ہلاک ہو گئے جن کا خیال تھا کہ انہوں نے عقلی علوم کا احاطہ کر لیا ہے۔

تو جو عقل اولیاء کرام کے بارے میں ایسے امور کا انکار کرے اس سے جہالت بہتر ہے جو شخص اولیاء کرام کے بارے میں ایسی باتوں کا انکار کرتا ہے اس پر انبیاء کرام کا انکار بھی لازم آتا ہے۔ اور وہ دین سے مکمل طور پر نکل جاتا ہے بعض عارفین نے فرمایا "ابدال (اعلیٰ درجہ کے اولیاء کرام) زمین کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ عام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ کیوں کہ وہ علمائے وقت کی طرف نظر نہیں کر سکتے اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ علماء اللہ تعالیٰ سے بے علم ہیں جب کہ وہ اپنے اور جاہل لوگوں کے نزدیک علماء ہیں۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ نے فرمایا "سب سے بڑا گناہ جہالت سے بے خبر رہنا، عام لوگوں کی طرف دیکھنا، اور غافل لوگوں کا کلام سنتا ہے، جو عالم دنیا میں مشغول رہتا ہے اس کی بات سننا مناسب نہیں بلکہ اس کی ہر بات پر اسے تہمت زدہ جاننا چاہیئے کیوں کہ ہر شخص اپنی پسندیدہ چیز میں مشغول رہتا ہے اور جو کچھ اس کے محبوب کے موافق نہ ہوا سے رد کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے :-

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا (۱)	اور اس کی فرمانبرداری نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا معاملہ ظلم و زیادتی پر مبنی ہے۔

گناہ گار عوام ان لوگوں سے زیادہ خوش بخت ہیں جو دین کے راستے سے بے خبر ہیں حالانکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ کیونکہ عام گناہ گار آدمی اپنی کوتاہی کا اقرار کر کے بخشش مانگتا اور توبہ کرتا ہے اور یہ جاہل، علم کا مدعی ہے اور یہ ان علوم میں مشغول ہے جو طریق آخرت کی بجائے حصول دنیا کا وسیلہ ہیں لہٰذا نہ تو وہ توبہ کرتا ہے اور نہ ہی بخشش مانگتا ہے بلکہ وہ مرتے دم تک اسی حالت میں رہتا ہے۔

پس جب یہ بات اکثر لوگوں پر غالب ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمایا اور ان کی اصلاح کی امید نہ رہی تو دیندار محتاط آدمی کے لیے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ ان لوگوں سے الگ تھلگ رہے، جیسا کہ کتاب العزلۃ

---

(۱) قرآن مجید سورۂ کہف آیت ۲۸

(تنہائی کے بیان) میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اسی لیے حضرت یوسف بن اسباط نے حذیفہ مرعشی کو لکھا۔

"تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو اس حالت میں رہ گیا کہ اسے کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یوں ذکر کرے کہ وہ اس ذکر سے گناہ گار اور مذاکرہ سے نافرمان نہ ہوگا اور یہ اس لیے فرمایا کہ انہیں کوئی اس کا اہل نہیں ملتا تھا۔

اور واقعی انہوں نے سچ فرمایا، کیوں کہ لوگوں سے میل جول، غیبت کرنے یا غیبت سننے یا بری بات سننے سے خالی نہیں۔ انسان کی بہترین حالت یہ ہے کہ وہ علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے یا خود فائدہ حاصل کرے۔ اور اگر یہ مسکین غور کرتا اور اس بات کو جانتا کہ اس کا فائدہ پہنچانا ریاکاری کے شائبہ اور مال و ریاست حاصل کرنے کی طلب سے خالی نہیں تو اسے معلوم ہو جاتا کہ فائدہ حاصل کرنے والا بھی اسے طلب دنیا کے آلہ اور برائی کے لیے وسیلہ بنا رہا ہے لہٰذا وہ اس سلسلے میں اس کا مددگار ہے اور اس کے لیے اسباب مہیا کرتا ہے جیسے کوئی شخص ڈاکوؤں پر تلوار بیچتا ہے تو علم تلوار کی طرح ہے بھلائی کے لیے اس کو بہتر بنانا ایسے ہے جیسے جہاد کے لیے تلوار کو درست کیا جاتا ہے اسی لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ اس شخص پر تلوار بیچے جس کے بارے میں علامات اور قرائن سے معلوم ہو کہ وہ ڈاکوؤں کی مدد کرنا چاہتا ہے۔

یہ علمائے آخرت کی علامات میں سے بارہ علامتیں ہیں ان میں سے ہر ایک، پہلے علماء کرام کے اخلاق کی جامع ہے تو تو دو میں سے ایک شخص ہو جا یا تو ان صفات سے موصوف ہو یا اپنی کوتاہی کا اعتراف و اقرار کرنے تیسری صورت والا نہ بننا ورنہ تم دھوکے سے دنیا کے آلہ کو دین سمجھنے لگو گے اور جھوٹوں کی عادات کو علمائے راسخین کی سیرت سمجھ بیٹھو گے اور اس طرح تم اپنی جہالت اور انکار کے باعث ہلاک ہونے والے اور مایوس لوگوں کی جماعت میں شامل ہو جاؤ گے ہم شیطان کے دھوکے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اسی کے باعث عام لوگ ہلاک ہوئے ہم بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں کر دے جنہیں دنیا کی زندگی دھوکہ نہیں دیتی اور نہ ہی وہ ذات خداوندی کے بارے میں کسی دھوکے میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ساتواں باب

عقل، اس کی عظمت، حقیقت اور اقسام

جان لو! اس کے اظہار میں کسی تکلف کی ضرورت نہیں بالخصوص جب کہ علم کی فضیلت، عقل کے سبب سے ظاہر ہے عقل علم کا منبع جائے طلوع اور بنیاد ہے عقل کے ساتھ علم کی نسبت اس طرح ہے جس طرح پھل کو درخت سے، روشنی کو سورج سے اور نگاہ کو آنکھ سے نسبت ہے۔ تو وہ چیز جو دنیا اور آخرت میں سعادت کا وسیلہ ہے وہ کیسے معظم و مشرف نہ ہوگی۔ اور اس میں کیسے شک کیا جا سکتا ہے حالانکہ جانور سوجھ بوجھ کی کمی کی وجہ سے عقل سے شرماتا اور دبتا ہے یہاں تک کہ بڑے جسم والا سخت نقصان دہ اور رعب و دبدبے میں زیادہ مضبوط جانور جب انسان کی صورت دیکھتا ہے تو اس سے حیا کرتا اور ڈرتا ہے کیوں کہ وہ اپنے اوپر انسان کی برتری کو سمجھتا ہے اور اس کی وجہ مختلف حیلوں کے ادراک کے ساتھ انسان کا خاص ہونا ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلشَّيْخُ فِي قَوْمِهٖ كَالنَّبِيِّ فِيْ أُمَّتِهٖ (۱)

عمر رسیدہ شخص اپنی قوم میں ایسے ہوتا ہے جیسے نبی اپنی امت میں ہوتا ہے۔

اور یہ بات مال کی کثرت، اس شخص کے بڑھاپے اور قوت کی زیادتی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ اس کا وہ تجربہ ہے جو اس کی عقل کا نتیجہ ہے اسی لیے ترکی، کُرد (ایک قبیلہ) اور عرب کے اُجڈ اور وہ تمام لوگ جو جانوروں کی طرح شمار ہوتے ہیں فطری طور پر بزرگوں کی عزت کرتے ہیں اسی لیے جب بہت سے مخالفین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کیا اور ان کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھیں، انہیں آپ کے رُخِ تاباں کی زیارت کا سرنہ لگا تو وہ مصیبت زدہ ہو گئے اور انہوں نے آپ کے رُخِ انور پر نورِ نبوت کو چمکتا ہوا دیکھا اگرچہ نورِ نبوت آپ کے اندر پوشیدہ تھا جس طرح عقل پوشیدہ ہوتی ہے۔

تو عقل کی عظمت ایک بدیہی بات ہے ہم تو اس کی عظمت کے سلسلے میں وارد احادیث اور آیات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں

---

(۱) کنز العمال ج ۱۵ ص ۶۶۴

اللہ تعالیٰ نے اس کا نام نور رکھا ارشاد خداوندی ہے :۔

آیات کریمہ :۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ (۱)

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے اس کے نور کی مثال ایک طاق کی ہے ۔

علم جو عقل سے حاصل ہوتا ہے اُسے رُوح، وحی اور زندگی قرار دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ (۲)

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف ایک رُوح کی وحی بھیجی۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ۔ (۳)

تو کیا وہ جو مردہ تھا پس ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے ایک نور بنایا جس کے ساتھ وہ چلتا ہے (اس جیسا ہے جو اندھیروں میں ہے)

اور جب اللہ تعالیٰ نے روشنی اور اندھیرے کا ذکر کیا تو اس سے علم اور جہالت مراد لی۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (۴)

وہ (اللہ تعالیٰ) انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے ۔

احادیث مبارکہ :۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اعْقِلُوْا عَنْ رَبِّكُمْ وَتَوَاصَوْا بِالْعَقْلِ تَعْرِفُوْا مَا اُمِرْتُمْ بِهٖ وَمَا نُهِيْتُمْ عَنْهُ، وَاعْلَمُوْا اَنَّهٗ يُنْجِدُكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْعَاقِلَ مَنْ اَطَاعَ اللّٰهَ

”اے لوگو! اپنے رب کی پہچان حاصل کرو اور ایک دوسرے کو عقل (کے استعمال) کی تلقین کرو اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا اور جن امور سے روکا ان کی پہچان حاصل کر لو گے جان لو کہ عقل ہی تمہیں

---

(۱) قرآن مجید سورۂ نور، آیت ۳۵ (۲) قرآن مجید سورۂ شوریٰ آیت ۵۲

(۳) قرآن مجید سورۂ انعام آیت ۱۲۲ (۴) قرآن مجید سورۂ مائدہ آیت ۱۶

وَإِنْ كَانَ دَمِيْمَ الْمَنْظَرِ حَقِيْرَ الْخَطَرِ دَنِيَّ الْمَنْزِلَةِ رَثَّ الْهَيْئَةِ وَإِنَّ الْجَاهِلَ مَنْ عَصَى اللهَ تَعَالٰى وَإِنْ كَانَ جَمِيْلَ الْمَنْظَرِ عَظِيْمَ الْخَطَرِ شَرِيْفَ الْمَنْزِلَةِ حَسَنَ الْهَيْئَةِ فَصِيْحًا نَطُوْقًا، فَالْقِرَدَةُ وَالْخَنَازِيْرُ أَعْقَلُ عِنْدَ اللهِ تَعَالٰى مِمَّنْ عَصَاهُ، وَلَا تَغْتَرَّ بِتَعْظِيْمِ أَهْلِ الدُّنْيَا إِيَّاكُمْ فَإِنَّهُمْ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ۔ (۱)

تمہارے رب کے قریب کرتی ہے اور جان لو کہ عقلمند وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے اگرچہ اس کی شکل و صورت اچھی نہ ہو، حقیر سمجھا جاتا ہو، ظاہری مرتبہ بھی نہ ہو اور اس کی حالت بھی پراگندہ ہو، اور جاہل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اگرچہ دیکھنے میں خوبصورت ہو اس کا مقام و مرتبہ بلند شمار ہوتا ہے خوش حال، فصیح و بلیغ اور بہت باتونی ہو، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں نافرمان لوگوں کی نسبت بندر اور خنزیر زیادہ عقلمند ہیں اور تمہیں اس بات کا دھوکہ نہیں ہونا چاہیئے کہ دنیا والے تمہاری تعظیم کرتے ہیں وہ تو خود نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں۔"

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ الْعَقْلَ فَقَالَ لَهُ أَقْبِلْ فَأَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَهُ أَدْبِرْ فَأَدْبَرَ ثُمَّ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَيَّ مِنْكَ، بِكَ آخُذُ وَبِكَ أُعْطِيْ وَبِكَ أُثِيْبُ وَبِكَ أُعَاقِبُ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا پھر اس سے فرمایا آگے بڑھ، وہ آگے بڑھی پھر فرمایا پیچھے ہٹ جاؤ وہ پیچھے کی طرف ہٹ گئی پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو میرے نزدیک تجھ سے بڑھ کر معزز ہو، میں تیرے سبب سے پکڑوں گا، تیری وجہ سے عطا کروں گا تیرے سبب سے ثواب دوں گا اور تیری وجہ سے ہی عذاب دوں گا۔

اگر تم کہو کہ اگر یہ عقل عرض ہے (جو دوسروں کے ساتھ قائم ہوتی ہے ذاتی طور پر نہیں) تو یہ جسموں سے پہلے کیسے پیدا کی گئی اور اگر وہ جوہر ہے (جو خود بخود قائم ہو) تو یہ کیسا جوہر ہے جو ذاتی طور پر قائم ہے لیکن وہ کسی مکان میں نہیں۔ تو جان لو کہ یہ بات علم مکاشفہ سے متعلق ہے، علم معاملہ کے ساتھ اس کا ذکر مناسب نہیں اور اس وقت ہماری غرض علوم معاملہ کا ذکر ہے۔

(۱)

(۲) حلیۃ الاولیاء جلد ۷ ص ۳۱۸

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ لوگوں نے ایک شخص کی تعریف بیان کی حتی کہ انہوں نے اس میں مبالغہ سے کام لیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس کی عقل کیسی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم عبادت میں اس کی جدوجہد اور مختلف نیکیوں کے بارے میں بیان کر رہے ہیں اور آپ ہم سے اس کی عقل کے بارے میں پوچھتے ہیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیوقوف آدمی اپنی جہالت کی وجہ سے بدکار سے زیادہ برائی کر لیتا ہے اور کل قیامت کے دن بندوں کو ان کی عقلوں کے انداز سے پر بارگاہ خداوندی میں درجات قرب حاصل ہوں گے۔ (۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا اكْتَسَبَ رَجُلٌ مِثْلَ فَضْلِ عَقْلٍ يَهْدِيْ صَاحِبَهٗ اِلٰى هُدًى وَيَرُدُّهٗ عَنْ رَدًى وَمَا تَمَّ اِيْمَانُ عَبْدٍ وَلَا اسْتَقَامَ دِيْنُهٗ حَتّٰى يَكْمُلَ عَقْلُهٗ۔ (۲)

کوئی شخص فضیلت عقل جیسی کمائی نہیں کرتا یہ صاحب عقل کو ہدایت کی طرف بلاتی اور ہلاکت سے بچاتی ہے اور جب تک کسی بندے کی عقل مکمل نہ ہو جائے نہ تو اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا دین درست ہوتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ الرَّجُلَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ وَلَا يَتِمُّ لِرَجُلٍ حُسْنُ خُلُقِهٖ حَتّٰى يَتِمَّ عَقْلُهٗ فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَمَّ اِيْمَانُهٗ وَاَطَاعَ رَبَّهٗ وَعَصٰى عَدُوَّهٗ اِبْلِيْسَ۔ (۳)

بے شک انسان اپنے اچھے اخلاق کے باعث روزہ دار اور رات کو عبادت کے لیے کھڑا ہونے والے کا درجہ پاتا ہے اور کسی شخص کے اچھے اخلاق اس وقت تک مکمل نہیں ہوتے جب تک اسکی عقل کامل نہ ہو اس وقت (تکمیل عقل کے وقت) اس کا ایمان پورا ہوتا ہے اور وہ اپنے رب کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اپنے دشمن شیطان کی بات نہیں مانتا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لِكُلِّ شَيْءٍ دِعَامَةٌ وَدِعَامَةُ الْمُؤْمِنِ عَقْلُهٗ فَبِقَدْرِ عَقْلِهٖ تَكُوْنُ عِبَادَتُهٗ اَمَا

ہر چیز کا ستون ہوتا ہے اور مومن کا ستون اس کی عقل ہے پس اس کی عقل کے مطابق اس کی عبادت ہوتی

---

(۱) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۱۹ (۲) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۲۰، ۲۱۔
(۳) 〃 〃 〃 〃 ۱۴

سَمِعْتُمْ قَوْلَ الْفُجَّارِ فِي النَّارِ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيْرِ۔ (۱)

ہے کیا تم نے نہیں سنا کہ گناہ گار لوگ جہنم میں کہیں گے کاش کہ ہم سنتے یا سمجھتے تو جہنمیوں میں سے نہ ہوتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے انہوں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم لوگوں میں سرداری کس چیز کی ہے؟ انہوں نے فرمایا عقل کی، فرمایا تم نے سچ کہا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی طرح پوچھا تھا جس طرح آپ سے پوچھا تو آپ نے بھی یہی جواب دیا اور پھر فرمایا کہ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا سرداری کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا عقل ہے۔ (۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوال کئے گئے تو آپ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ مَطِيَّةً وَمَطِيَّةُ الْمَرْءِ الْعَقْلُ وَأَحْسَنُكُمْ دَلَالَةً وَمَعْرِفَةً بِالْحُجَّةِ أَفْضَلُكُمْ عَقْلًا۔ (۳)

اے لوگو! بے شک ہر چیز کی ایک سواری ہوتی ہے اور انسان کی سواری عقل ہے تم میں سے راہنمائی اور حجت کی پہچان کے حوالے سے سب سے اچھا شخص وہ ہے جو عقل کے اعتبار سے افضل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد سے واپس تشریف لائے تو صحابہ کرام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فلاں شخص، فلاں سے زیادہ بہادر ہے اور فلاں آدمی زیادہ تجربہ کار ہے جب تک فلاں تجربہ کار نہ ہو جائے۔ اور اس قسم کی دوسری باتیں کرنے لگے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس بات کا علم نہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر کس طرح ہے؟ آپ نے فرمایا انہوں نے اس عقل کے مطابق جہاد کیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی اور ان کی مدد اور نیت ان کی عقلوں کے مطابق تھی پس ان لوگوں کو مختلف درجات حاصل ہوئے اور جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ اپنی نیتوں اور عقلوں کے اندازے کے مطابق مراتب حاصل کریں گے (۴)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جَدَّ الْمَلَائِكَةُ وَاجْتَهَدُوْا فِي طَاعَةِ اللهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى بِالْعَقْلِ

فرشتوں نے عقل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خوب کوشش کی اور انسانوں میں سے مومنوں نے اپنی

---

(۱) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۱۷ (۲) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۱۶

(۳) المطالب العالیہ جلد ص ۱۰۱ (۴) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۱۸۔

وَجَدَّ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ فَاَعْمَلُهُمْ بِطَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَوْفَرُهُمْ عَقْلًا۔ (۱)

اپنی عقلوں کے مطابق کوشش کی تو اللہ تعالیٰ کی زیادہ فرمانبرداری کرنے والا وہ شخص ہے جو عقل میں سب سے بڑھ کر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! دنیا میں لوگوں کو ایک دوسرے پر برتری کیسے حاصل ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا "عقل کے ذریعے" میں نے عرض کیا اور آخرت میں؟ آپ نے فرمایا "عقل کی وجہ سے" میں نے پوچھا کیا ان کو اعمال کے حساب سے بدلہ نہیں دیا جائے گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! جس قدر ان کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا کی ہے وہ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں، تو جس قدر عقل عطا ہوئی اس کے مطابق عمل کرتے ہیں اور جس قدر عمل کریں گے اس کے مطابق ان کو بدلہ دیا جائے گا۔ (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لِكُلِّ شَيْءٍ اٰلَةٌ وَعُدَّةٌ، وَاِنَّ اٰلَةَ الْمُؤْمِنِ الْعَقْلُ، وَلِكُلِّ شَيْءٍ مَطِيَّةٌ وَمَطِيَّةُ الْمَرْءِ الْعَقْلُ، وَلِكُلِّ شَيْءٍ دِعَامَةٌ وَدِعَامَةُ الدِّيْنِ الْعَقْلُ، وَلِكُلِّ قَوْمٍ غَايَةٌ وَغَايَةُ الْعِبَادِ الْعَقْلُ وَلِكُلِّ قَوْمٍ دَاعٍ وَدَاعِي الْعَابِدِيْنَ الْعَقْلُ، وَلِكُلِّ تَاجِرٍ بِضَاعَةٌ وَبِضَاعَةُ الْمُجْتَهِدِيْنَ الْعَقْلُ، وَلِكُلِّ اَهْلِ بَيْتٍ قَيِّمٌ وَقَيِّمُ بُيُوْتِ الصِّدِّيْقِيْنَ الْعَقْلُ، وَلِكُلِّ خَرَابٍ عِمَارَةٌ وَعِمَارَةُ الْاٰخِرَةِ الْعَقْلُ، وَلِكُلِّ امْرِئٍ عَقِبٌ يُنْسَبُ اِلَيْهِ وَيُذْكَرُ بِهِ وَعَقِبُ الصِّدِّيْقِيْنَ الَّذِيْ يُنْسَبُوْنَ اِلَيْهِ وَيُذْكَرُوْنَ بِهِ

ہر چیز کا کوئی آلہ اور سامان ہوتا ہے اور بے شک مومن کا آلہ عقل ہے اور ہر چیز کی سواری ہوتی ہے اور انسان کی سواری عقل ہے، ہر چیز کا ایک ستون (سہارا) ہوتا ہے اور دین کا ستون عقل ہے ہر قوم کی ایک انتہاء ہے اور بندوں کی انتہاء عقل ہے ہر قوم کا ایک داعی (بلانے والا) ہے اور عبادت گزار لوگوں کی داعی عقل ہے تاجر کی پونجی ہوتی ہے اور مجتہدین کی پونجی عقل ہے ہر گھر والوں کا ایک منتظم ہوتا ہے اور صدیقین کے گھروں کا منتظم عقل ہے ہر غیر آباد جگہ کو آباد کیا جاتا ہے اور آخرت کی آبادی عقل ہے ہر شخص کا کوئی خلف ہوتا ہے جس کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے اور اس کے ذریعے اس کا ذکر ہوتا ہے اور صدیقین جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں جس کی طرف

---

(۱) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۱۶

(۲) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۱۴

اَلْعَقْلُ، وَلِكُلِّ سَفَرٍ فُسْطَاطٌ وَفُسْطَاطُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْعَقْلُ۔

وہ منسوب ہوتے ہیں اور جن کے ذریعے ان کا ذکر ہوتا ہے وہ عقل ہے ہر سفر کے لیے ایک خیمہ ہوتا ہے اور مومنوں کا خیمہ عقل ہے۔

(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ اَحَبَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مَنْ نَصَبَ فِیْ طَاعَةِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَنَصَحَ لِعِبَادِہٖ وَکَمَلَ عَقْلُہٗ وَنَصَحَ نَفْسَہٗ فَاَبْصَرَ وَعَمِلَ بِہٖ اَیَّامَ حَیَاتِہٖ فَاَفْلَحَ وَاَنْجَحَ۔ (۲)

اللہ تعالی کے ہاں پسندیدہ ترین مومن وہ شخص ہے جو اللہ تعالی کی فرمانبرداری کے لیے تیار رہتا ہے اس کے بندوں کی خیر خواہی کرتا ہے اور اس کی عقل کامل ہوتی ہے وہ اپنا بھی خیر خواہ ہوتا ہے چنانچہ اپنی زندگی کے دنوں میں اس (عقل) کے ذریعے عمل کرتا اور فلاح پاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَتَمُّکُمْ عَقْلًا اَشَدُّکُمْ لِلّٰہِ تَعَالٰی خَوْفًا وَاَحْسَنُکُمْ فِیْمَا اَمَرَکُمْ بِہٖ وَنَہٰی عَنْہُ نَظْرًا، وَاِنْ کَانَ اَقَلَّکُمْ تَطَوُّعًا۔ (۳)

تم میں سے اس شخص کی عقل کامل ہے جو جو اللہ تعالی سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے اور اللہ تعالی کے اوامر و نواہی پر اس کی نظر زیادہ ہوتی ہے اگرچہ نفل پڑھنے میں تم سے کمتر ہے۔

عقل کی حقیقت اور اس کی اقسام

جان لیجئے کہ عقل کی تعریف اور حقیقت کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے اور اکثر لوگوں کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ نام (عقل) مختلف معانی پر بولا جاتا ہے یہی ان کے درمیان اختلاف کا سبب ہے۔

اس سلسلے میں حق بات جو پوشیدگی کو دور کرتی ہے یہ ہے کہ لفظ عقل مشترک ہے اور چار معنوں پر بولا جاتا ہے جیسے لفظ "عین" وغیرہ الفاظ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں لہذا تمام اقسام کے لیے ایک تعریف تلاش کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کی ہر قسم کی وضاحت کی جائے۔

پہلا معنی:۔

(۱) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۱۶

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۳۶۶

(۳) تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۴۰ ترجمہ موسی بن عبداللہ۔

یہ وہ وصف ہے جس کے ذریعے انسان، تمام جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے اور اسی کے ذریعے اس میں نظری علوم کی قبولیت کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور وہ پوشیدہ فکری صنعتوں کی تدبیر کرتا ہے، حارث بن اسد حاسبی نے عقل کی تعریف کرتے ہوئے یہی معنیٰ مراد لیا ہے۔ انہوں نے کہا۔

یہ ایک ایسی فطری قوت ہے جس کے ذریعے علوم نظریہ کا ادراک کیا جاتا ہے گویا یہ ایک نور ہے جو دل میں ڈالا جاتا ہے اور اسی کے ذریعے وہ (دل) اشیاء کے ادراک کے لیے تیار ہوتا ہے جس شخص نے اس بات کا انکار کیا اور عقل کو صرف علوم ضروریہ (بدیہیہ) کی طرف لوٹایا اس نے انصاف نہیں کیا کیونکہ علوم سے غافل اور سوئے ہوئے شخص کو عقل مند اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کو یہ قوت حاصل ہے باوجودیکہ علوم مفقود ہیں۔

جس طرح زندگی ایک قوت ہے جس کے ذریعے جسم اختیاری حرکات اور حسی ادراکات کے لیے تیار ہوتا ہے اسی طرح عقل بھی ایک فطری قدرت ہے جس کے ذریعے بعض حیوانات نظری علوم کے قابل ہو جاتے ہیں اور اگر اس فطری قوت اور حسی ادراکات میں انسان اور گدھے کے درمیان مساوات مان کر کہا جائے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی عادت مبارکہ کے مطابق انسان میں علوم کو پیدا کرتا ہے جب کہ گدھے اور دوسرے جانوروں میں پیدا نہیں کرتا تو یہ کہنا بھی جائز ہوگا کہ گدھے اور جمادات (پتھر وغیرہ) کی زندگی برابر ہے اور یہ بھی کہا جائے گا کہ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی عادت مبارکہ کے مطابق گدھے میں مخصوص حرکات پیدا کرتا ہے اگر گدھے کو بے جان پتھر تصور کیا جائے تو یہ کہنا لازمی ہوگا کہ اس سے جو حرکت نظر آتی ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی دکھائی دینے والی ترتیب سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔

تو جیسے یہ بات کہنا ضروری ہے کہ گدھے کا حرکات میں جمادات سے ممتاز ہونا اس قوت کی بنیاد پر ہے جس کے ساتھ وہ مخصوص ہے اور وہ زندگی ہے اسی طرح انسان بھی علوم نظریہ میں حیوانات سے ایک خاص قوت کے ذریعے ممتاز ہوتا ہے اور وہ عقل ہے، اور یہ شیشے کی طرح ہے جو صورتوں اور رنگوں کو دکھانے میں ایک صفت کے ذریعے دوسرے اجسام سے جدا ہے اور وہ صفت اس کا صاف شفاف اور روشن ہونا ہے۔ اسی طرح آنکھ اپنی صفات اور شکل کے اعتبار سے جو اسے دیکھنے کے قابل کرتی ہیں، پیشانی سے ممتاز ہے تو اس قوت کی علوم کی طرف نسبت ایسے ہی ہے جیسے آنکھ کی دیکھنے کی طرف ہے، اور علوم کی وضاحت کے سلسلے میں قرآن و شریعت کی اس قوت کی طرف نسبت اس طرح ہے جیسے سورج کی روشنی کو آنکھوں کے نور سے نسبت ہوتی ہے۔ تو اس طرح اس قوت کو سمجھنا چاہیے۔

دوسرا معنیٰ:۔

(عقل سے مراد) وہ علوم ہیں جو سمجھ دار بچے کی ذات میں پائے جاتے ہیں کہ وہ جائز چیزوں کو جائز اور محال چیزوں کو محال سمجھتا ہے ۔ مثلاً وہ جانتا ہے دو، ایک سے زیادہ ہوتے ہیں اور ایک شخص ایک ہی وقت میں دو جگہوں میں نہیں

ہو سکتا بعض متکلمین نے جو عقل کی تعریف کرتے ہوئے مندرجہ ذیل بات کہی ہے تو ان کا مطلب بھی یہی ہے وہ فرماتے ہیں "عقل بعض بدیہی علوم ہیں جیسے جائز چیزوں کے جواز اور محال اشیاء کے محال ہونے کا علم ہے یہ بھی فی نفسہٖ صحیح تعریف ہے کیونکہ یہ علوم موجود ہیں اور انہیں عقل کہنا بھی ظاہر ہے البتہ اس قوت کا انکار کرنا اور یوں کہنا کہ صرف یہ علوم بدیہی ہی موجود ہیں، یہ فاسد خیال ہے۔

تیسرا معنیٰ :-

وہ علوم جو حالات کی تبدیلی سے تجربہ کی بنیاد پر حاصل ہوں کیوں کہ جس شخص کو تجربات، سمجھدار اور مذاہب، مہذب بنا دیں (اس کے بارے میں)، کہا جاتا ہے کہ وہ عادت میں عقل مند ہے اور جو آدمی اس صفت سے موصوف نہ ہو تو کہا جاتا ہے یہ شخص کند ذہن ناتجربہ کار اور جاہل ہے تو یہ علوم کی ایک اور قسم ہے جسے عقل کہا جاتا ہے۔

چوتھا معنیٰ :-

یہ قوت اس حد کو پہنچ جائے کہ معاملات کے انجام کی پہچان حاصل ہو جائے اور وہ شہوت جو فوری لذت کی طرف بلاتی ہے اسے نیست و نابود کر دے جب یہ قوت حاصل ہو جائے تو اس آدمی کو عقلمند کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا کسی چیز کی طرف بڑھنا اور اس سے رکنا انجام پر نظر کے مطابق ہوتا ہے فوری شہوت کی وجہ سے نہیں۔ اور یہ بھی انسان کے ان خواص میں سے ہے جس کی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔

تو پہلا مفہوم بنیاد اور منبع ہے دوسرا اس کی فرع ہے جو اس کے زیادہ قریب ہے تیسرا معنیٰ پہلے اور دوسرے کی فرع ہے کیوں کہ فطری قوت اور علوم ضروریہ کی بنیاد پر تجرباتی علوم حاصل ہوتے ہیں اور چوتھا معنیٰ آخری نتیجہ ہے اور یہی انتہائی مقصود ہے، پہلے دو، فطری اور طبعی طور پر حاصل ہوتے ہیں جب کہ دوسرے دو عمل اور اکتساب سے حاصل ہوتے ہیں اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"میں نے عقل کو دو صورتوں میں دیکھا ایک فطری اور دوسری سُنی ہوئی اور سُنی ہوئی اس وقت تک فائدہ نہیں دیتی جب تک فطری عقل موجود نہ ہو، جیسے سورج کی روشنی اس وقت تک فائدہ نہیں دیتی جب تک آنکھوں کی روشنی نہ ہو"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے عقل کی پہلی قسم مراد ہے آپ نے فرمایا :-

مَاخَلَقَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ خَلْقًا اَکْرَمَ عَلَیْہِ مِنَ الْعَقْلِ - (۱)

اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائی جو اس کے نزدیک عقل سے زیادہ معزز ہو۔

---

(۱) نوادر الاصول ص ۲۴۰ الاصل السادس۔

اور دوسری قسم کی طرف اس حدیث میں اشارہ فرمایا:۔

إِذَا تَقَرَّبَ النَّاسُ بِأَبْوَابِ الْبِرِّ وَالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ فَتَقَرَّبْ أَنْتَ بِعَقْلِكَ۔ (۱)

جب لوگوں مختلف قسم کی نیکیوں اور اعمال صالحہ کے ذریعے قرب حاصل کریں تو تو اپنی عقل کے ذریعے قرب حاصل کر۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے جو کچھ فرمایا اس سے بھی یہی مراد ہے آپ نے فرمایا" (اے ابو درداء!) اپنی عقل (سمجھداری) میں اضافہ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مقرب بن جائے گا انہوں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں ایسا کس طرح کر سکتا ہوں؟

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں سے بچ اور اس کے فرائض کو ادا کر عقلمند ہو جائے گا، اچھے اعمال کو اختیار کر دنیا میں تیری بلندی اور عزت میں اضافہ ہو گا اور قیامت کے دن تجھے اپنے رب کا قرب اور عزت حاصل ہوگی۔ (۲)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق، حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! لوگوں میں سے زیادہ علم والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جو عقلمند ہے۔ انہوں نے عرض کیا کون شخص زیادہ عبادت گذار ہے؟ فرمایا جو عاقل ہے انہوں نے عرض کیا سب سے زیادہ فضیلت والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو عقل مند ہے، انہوں نے عرض کیا کیا وہ شخص جس کی باطنی صفات مکمل ہوں فصاحت ظاہر ہو اس کا ہاتھ سخی ہو اور مقام عظیم کا مالک ہو وہ عقل مند ہیں؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب دنیوی زندگی کا سامان ہے اور آخرت پرہیزگار لوگوں کے لیے ہے (۳) تو عقل مند وہ ہے جو متقی ہے اگرچہ دنیا میں (بظاہر) ذلیل و رسوا ہو ایک دوسری حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّمَا الْعَاقِلُ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَصَدَّقَ رُسُلَهُ وَعَمِلَ بِطَاعَتِهِ (۴)

بے شک عقل مند وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اس کے رسولوں کی تصدیق کی اور اس کی فرمانبرداری کی۔

اور مناسب ہے کہ اصل نام لغت اور استعمال کے اعتبار سے ہو اور علوم پر اس کا اطلاق اس وجہ ہو کہ وہ اس کے ثمرات و نتائج ہیں جیسے کسی چیز کی پہچان اس کے (نتیجہ اور) ثمرہ سے ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ علم خشیت الٰہی

(۱) (۲) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۲۱

(۳) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۲۱ - (۴) المطالب العالیہ۔

کا نام ہے اور عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو کیونکہ خشیت، علم کا نتیجہ ہے تو اس (عقلی) قوت کے غیر پر اس (عقل) کا اطلاق مجازاً ہوگا لیکن لغت سے بحث کرنا مقصد نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ چاروں اقسام موجود ہیں اور یہ نام (عقل) ان سب پر بولا جاتا ہے اور پہلی قسم کے علاوہ کے کسی کے وجود میں کوئی اختلاف نہیں اور صحیح یہ ہے کہ تمام پائی جاتی ہیں اور یہی اصل ہیں جب کہ علوم گویا کہ فطرتاً اس قوت عقلیہ میں ضمناً پائے جاتے ہیں لیکن وجود میں اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب کوئی ایسا سبب جاری ہو جو ان کو وجود کی طرف نکالے یہاں تک کہ یہ علوم کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو باہر سے وارد ہوتی ہے اور گویا وہ اس قوت عقلیہ میں موجود تھے اب ظاہر ہو گئے۔ اس کی مثال زمین میں پانی کا موجود ہونا ہے جو کنواں کھودنے سے ظاہر ہوتا وہ جمع ہوتا ہے اور قوت حسیہ کے ذریعے ممتاز ہوتا ہے یہ بات نہیں کہ اس کی طرف کسی نئی چیز کو لایا گیا ہے۔

اسی طرح بادام میں روغن اور گلاب میں عرق گلاب ہوتا ہے اسی سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (۱)

اور جب آپ نے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل کو نکالا اور انہیں خود ان پر گواہ بنایا (اور فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں تو ہمارا رب ہے۔

اس سے مراد ان کے نفوس کا اقرار ہے زبانوں کا اقرار نہیں کیونکہ زبانوں کے اقرار کے اعتبار سے اقرار کرنے والے اور منکر میں ان کی تقسیم اس وقت ہوئی جب ان کی زبانوں اور اشکال کو پیدا کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (۲)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کے احوال کا اعتبار کیا جائے تو اس پر ان کے نفوس اور باطن گواہی دیں گے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ (۳)

یہ (اسلام) اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۱۷۲ (۲) قرآن مجید سورۂ زخرف آیت ۹

(۳) قرآن مجید سورۂ روم آیت ۳۰

یعنی ہر شخص کو ایمان باللہ پر پیدا کیا گیا بلکہ ہر چیز کو ماہیت کی معرفت پر پیدا کیا گیا مطلب یہ ہے کہ گویا اس کے اندر یہ قوت رکھی گئی ہے کیونکہ اس کی استعداد ادراک کے قریب ہے۔

پھر جب فطرتاً نفوس میں ایمان کو رکھا گیا ہے تو اس اعتبار سے لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ لوگ جنہوں نے منہ پھیرا اور (اللہ تعالیٰ کو) بھلا دیا اور یہ کفار ہیں۔

۲۔ وہ شخص جس نے اپنے خیال کو دوڑایا ہو یاد آگیا تو یہ اس شخص کی طرح ہے جو گواہ بنا پھر غفلت کی وجہ سے اسے بھلا دیا اور اس کے بعد اسے یاد آگیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (۱) تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اور فرمایا:۔

وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ۔ (۲) اور چاہیے کہ عقل مند نصیحت پکڑیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ۔ (۳) اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا اور اس کے اس وعدہ کو جو اس نے تم سے لیا۔

نیز ارشاد فرمایا:۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ۔ (۴) اور بے شک ہم قرآن پاک کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

اور اس طریقے کو "تذکر" (یاد آنا) کہنا کوئی تعجب خیز بات نہیں۔

گویا یاد آنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ اس صورت کو یاد کرے جس کا وجود اس کے دل میں حاضر ہے لیکن پائے جانے کے بعد غائب ہو گیا اور دوسرا یہ کہ وہ اس صورت کو یاد کرے جو فطرت کے ضمن میں وہاں پائی جاتی ہے۔

اور یہ حقائق دیکھنے والے کو نورِ بصیرت سے نظر آتے ہیں لیکن اس شخص پر بھاری ہوتے ہیں جس کا تکیہ تقلید اور سماعت ہو کشف اور دیکھنا نہ ہو اسی لیے تم اس کو دیکھو گے کہ وہ اس قسم کی آیات میں دیوانہ پن اختیار کرتا ہے اور تذکیر نفوس کے اقرار کے سلسلے میں دور از کار تاویلات کرتا ہے نیز احادیث اور آیات کے سلسلے میں اس کے ذہن میں اس طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ یہ ایک دوسرے کے خلاف ہیں بلکہ بعض اوقات یہ بات اس پر غالب آجاتی ہے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ابراہیم آیت ۲۵ (۲) قرآن مجید سورۂ ص آیت ۲۹
(۳) قرآن مجید سورۂ مائدہ آیت ۷ (۴) قرآن مجید سورۂ قمر آیت ۱۷

وہ ان کی طرف حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اسے حقیر سمجھتا ہے۔ اس کی مثال اس نابینا شخص جیسی ہے جو کسی گھر میں داخل ہوتا ہے اور گھر میں ترتیب سے رکھے ہوئے برتنوں کی وجہ سے گر جاتا ہے تو کہتا ہے کیا وجہ ہے کہ ان برتنوں کو راستے سے اٹھا کر ان کی جگہ پر نہیں رکھا جاتا تو اسے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی جگہ پر ہیں تمہاری آنکھوں میں خرابی ہے۔

اسی طرح بصیرت کی خرابی بھی اس کی طرح ہوتی ہے بلکہ اس سے زیادہ بڑی ہوتی ہے کیونکہ نفس سوار اور جسم سواری کی طرح ہے اور سوار کا اندھا ہونا سواری کے اندھاپن سے زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔

باطنی بصیرت کے ظاہری بصیرت کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى (۱) — دل نے جو کچھ دیکھا اسے غلط نہیں سمجھا۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (۲) — اسی طرح ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ حکومتیں دکھاتے ہیں۔

اور اس کی ضد کو اندھاپن قرار دیا ارشاد فرمایا:۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۔ (۳) — بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔ (۴) — جو شخص اس دنیا میں (دل کا) اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور راستے سے بہت بھٹکا ہوا۔

یہ امور انبیاء کرام کے لیے، واضح کئے گئے ان میں سے بعض کا تعلق ظاہری نگاہ سے اور بعض کا دل کی بصیرت سے ہے اور ان سب کو رویت (دیکھنا) کہا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس شخص کی باطنی نگاہ کامل نہ ہو اسے دین سے صرف چھلکے اور مثالیں حاصل ہوتی ہیں دین کا مغز اور حقائق حاصل نہیں ہوتے تو یہ اقسام ہیں جن پر عقل کا لفظ بولا جاتا ہے۔

عقل کے اعتبار سے انسانی نفوس میں تفاوت

عقل میں تفاوت (فرق) کے سلسلے میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے لیکن جن لوگوں کا علم کم ہے ان

(۱) قرآن مجید سورۃ النجم آیت ۱۱ (۲) قرآن مجید سورۃ انعام آیت ۷۵

(۳) قرآن مجید سورۃ حج آیت ۴۶ (۴) قرآن مجید سورۃ اسراء آیت ۷۲

کا کلام نقل کرنے کا کیا فائدہ ہے بلکہ سب سے بہتر اور اہم بات واضح حق کی طرف جلدی کرنا ہے اس سلسلے میں واضح حق
ہے کہ کہا جائے کہ دوسری قسم جو جائز امور کے جواز اور محال باتوں کے محال ہونے سے متعلق ضروری علم ہے، کے علاوہ
عقل کا) تفاوت چاروں قسموں میں داخل ہے کیوں کہ جو شخص یہ بات جانتا ہے کہ دو، ایک سے زیادہ ہوتے ہیں وہ
یقیناً یہ بات بھی جانتا ہے کہ ایک جسم (بیک وقت) دو جگہوں پر نہیں ہو سکتا نیز ایک ہی چیز قدیم بھی اور حادث بھی نہیں
ہو سکتی۔ اور اسی طرح کی دیگر مثالیں ہیں نیز وہ امور جن کا ادراک کسی شک کے بغیر ٹھیک ٹھیک ہوتا ہے لیکن تین اقسام میں
تفاوت پایا جاتا ہے۔

جہاں تک چوتھی قسم کا تعلق ہے تو وہ خواہشات کو ختم کرنے کے لیے قوت کا حاصل ہونا ہے اور اس سلسلے میں
لوگوں کے درمیان تفاوت پوشیدہ نہیں ہے بلکہ ایک شخص کی مختلف حالتوں میں بھی فرق ہوتا ہے اور یہ فرق کبھی خواہش
میں فرق کے باعث ہوتا ہے کیونکہ عقل مند شخص بعض اوقات بعض خواہشات کو چھوڑنے پر قادر ہوتا ہے اور بعض کو نہیں
چھوڑ سکتا۔ لیکن اس کا چھوڑنا مشکل نہیں ہوتا۔

نوجوان آدمی کبھی زنا کو چھوڑنے سے عاجز ہوتا ہے لیکن جب بڑا ہو جاتا ہے اور اس کی عقل مکمل ہو جاتی ہے
تو وہ اس پر قادر ہو جاتا ہے۔ جب کہ ریاکاری اور اقتدار کی خواہش بڑھاپے کی وجہ سے کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھ جاتی ہے،
کبھی اس کا سبب اس علم کا تفاوت ہوتا ہے جو اس شہوت کی خرابی سے روشناس کراتا ہے۔ اسی لیے طبیب بعض نقصان
دہ کھانوں سے بچنے پر قادر ہوتا ہے لیکن بعض اوقات وہ شخص جو طبیب نہیں ہے عقل میں اس (طبیب) کے برابر
ہونے کے باوجود اس پر قادر نہیں ہوتا اگرچہ وہ یقین رکھتا ہے کہ یہ نقصان دہ ہے لیکن چونکہ طبیب کا علم زیادہ مکمل ہوتا
ہے اس لیے اس کا خوف بھی زیادہ ہوتا ہے پس خوف خواہشات کے قلع قمع کے لیے عقل کا لشکر اور سامان جہاد ہے
اسی طرح ایک عالم گناہوں کے ترک پر جاہل سے زیادہ قادر ہوتا ہے کیوں کہ وہ گناہوں کے نقصانات کا علم رکھتا ہے اس
سے میری مراد عالم حقیقی ہے محض سبز لباس پہننے اور بیہودہ گفتگو کرنے والے لوگ مراد نہیں اگر خواہش کے اعتبار سے تفاوت
ہو تو وہ عقل کا تفاوت نہیں ہوگا اور اگر وہ علم کی وجہ سے ہے تو ہم نے اس قسم کے علم کا نام عقل بھی رکھا ہے۔ کیونکہ وہ
قوت عقلیہ کو مضبوط کرتا ہے پس اس چیز میں فرق ہوگا جس کی طرف یہ نام لوٹے گا اور بعض اوقات صرف قوت عقلیہ میں
فرق ہوگا جس کی طرف یہ نام لوٹے گا اور بعض اوقات صرف قوت عقلیہ میں فرق کی وجہ سے تفاوت ہوتا ہے جب یہ
قوت مضبوط ہوگی تو وہ یقیناً شہوت کو زیادہ ختم کرنے والی ہوگی۔

تیسری قسم جو تجرباتی علوم سے متعلق ہے اس میں لوگوں کا مختلف ہونا ناقابل انکار ہے کیونکہ وہ بات تک زیادہ پہنچنے
اور جلد از جلد اس کو پانے کے اعتبار سے مختلف ہیں اور اس کا سبب یا تو عقلی قوت میں فرق ہوتا ہے یا تجربہ میں فرق
اس کا باعث بنتا ہے پہلی بات یعنی قوت عقلیہ اصل ہے اور اس کے اعتبار سے انسانوں میں تفاوت کا انکار نہیں ہو سکتا

کیوں کہ وہ ایک نور ہے جو نفس پر چمکتا ہے اور اس کی صبح طلوع ہوتی ہے اس کے چمکنے کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب وہ (بچہ اشیاء میں) تمیز کرنے کی عمر کو پہنچ جاتا ہے پھر وہ مسلسل بڑھتا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور خفیہ طور پر تدریجاً بڑھتا ہے یہاں تک کہ یہ (نور) چالیس سال کی عمر کے قریب کامل ہو جاتا ہے۔ یہ صبح کی روشنی کی طرح ہوتا ہے کیونکہ وہ شروع میں اس قدر مخفی ہوتی ہے کہ اس کا ادراک مشکل ہوتا ہے پھر وہ تدریجاً بڑھتی ہے یہاں تک کہ سورج کی ٹکیہ کے طلوع ہونے کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے۔

نورِ بصیرت میں فرق، آنکھوں کی روشنی میں فرق کی طرح ہے کمزور بینائی والے اور تیز بینائی والے کے درمیان فرق محسوس ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تدریجاً پیدا کرنے کا طریقہ جاری فرمایا ہے حتیٰ کہ شہوانی قوت بچے کے بالغ ہوتے ہی اس میں اچانک اور یکدم ظاہر نہیں ہوتی بلکہ تھوڑی تھوڑی تدریجاً ظاہر ہوتی ہے اسی طرح تمام قوتیں اور صفات تدریجاً ظاہر ہوتی ہیں۔ اور جو شخص اس قوت میں لوگوں کے درمیان تفاوت کا انکار کرتا ہے تو گویا وہ عقلی قوت سے خالی ہے۔

اور جو آدمی یہ خیال کرے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مبارک کسی دیہاتی اور جنگلوں میں رہنے والے اجڈ لوگوں کی عقل کی طرح ہے تو وہ کسی دیہاتی سے بھی زیادہ خسیس ہے وہ قوت عقلیہ میں تفاوت کا کیسے انکار کر سکتا ہے کیونکہ اگر فرق نہ ہوتا تو علوم کے سمجھنے میں لوگوں کے مختلف درجات نہ ہوتے اور کند ذہن اور ذہین میں ان کی تقسیم نہ ہوتی کند ذہن وہ ہوتا ہے جو سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتا حتیٰ کہ استاذ کو اس پر بہت زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے اور ذہین وہ ہوتا ہے جو ادنیٰ اشارہ سے سمجھتا ہے اسی طرح بعض لوگ کامل ہوتے ہیں جن کو تعلیم دیئے بغیر بھی ان سے حقائق امور سامنے آتے ہیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

یَکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (۱)

اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں کیونکہ سیکھنے اور سننے کے بغیر بھی ان کے باطن میں نہایت باریک اور پوشیدہ امور روشن ہو جاتے ہیں اور اسے الہام کہا جاتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں۔

یہی بات بیان ہوئی ہے آپ نے فرمایا۔

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ اَحْبِبْ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ وَعِشْ مَاشِئْتَ فَاِنَّكَ مَیِّتٌ وَاعْمَلْ

بے شک حضرت جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ جس سے محبت کرنا چاہتے ہیں محبت کریں کیوں کہ آپ اس سے جدا ہونے والے ہیں اور جب

(۱) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۳۵

مَاشِئْتَ فَاِنَّكَ مَجْزِیٌّ بِهٖ (۱) تک زندہ رہنا چاہتے ہیں، رہیں بالآخر آپ انتقال فرمانے والے ہیں اور جو چاہیں عمل کریں آپ اس کا اجر لے گا۔

٭ ٭ ٭

اور فرشتوں کی طرف سے نبیوں کو اس طرح کی خبر دینا وحی صریح کے خلاف ہے جو کان کے ذریعے سنی جاتی ہے اور آنکھوں سے فرشتے کو دیکھا جاتا ہے اسی لیے اس کو دل میں ڈالنے سے تعبیر کیا ہے۔ وحی کے درجات بہت زیادہ ہیں اور ان میں بحث کرنا علم معاملہ کے لائق نہیں بلکہ اس کا تعلق علم مکاشفہ سے ہے۔

اور تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ وحی کے درجات، منصب وحی کو دعوت دیتے ہیں کیونکہ ممکن ہے طبیب، بیمار وصحت کے درجات سکھا دے اور عالم، کسی فاسق کو عدالت کے درجات کی تسلیم دے اگرچہ وہ خود اس سے خالی ہو۔ لہٰذا علم اور چیز ہے اور کسی چیز کو معلوم کرنا دوسری بات ہر وہ شخص جو نبوت اور ولایت کی پہچان رکھتا ہو نبی یا ولی نہیں ہو سکتا اور نہ ہی تقویٰ پرہیز گاری اور ان کی باریکیوں کو جاننے والا متقی ہو سکتا ہے۔

لوگوں کی تقسیم یوں ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو ذاتی طور پر آگاہ ہوتا اور سمجھتا ہے دوسرا وہ شخص ہے جو کسی کے آگاہ کرنے اور سکھانے کے بغیر نہیں سمجھتا اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہیں تعلیم و تنبیہ بھی فائدہ نہیں دیتی جس طرح زمین کی مختلف صورتیں ہیں بعض جگہ پانی جمع ہوتا ہے اور اس قدر طاقت ور ہوتا ہے کہ وہ خود بخود چشموں کی صورت میں پھوٹ نکلتا ہے۔ اور بعض مقامات پر کنواں کھودنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ نالیوں کی طرف نکلے اور بعض جگہوں پر کھودنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور وہ خشک جگہ ہوتی ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ صفات کے اعتبار سے زمین کے جواہر مختلف ہیں۔ اسی طرح قوت عقلیہ کے اعتبار سے انسانی نفوس بھی مختلف ہیں نقلی دلائل کے اعتبار سے عقل کے مختلف ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یہ ایک طویل حدیث ہے اس کے آخر میں عرش کی عظمت بیان کی گئی ہے۔

فرشتوں نے کہا "اے ہمارے رب! کیا تو نے عرش سے بڑی چیز بھی پیدا کی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ہاں وہ عقل ہے" انہوں نے پوچھا اس کی قدر و منزلت کیا ہے؟ فرمایا چھوڑو! اس کے علم کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا کیا تمہیں ریت کی گنتی کا علم ہے انہوں نے عرض کیا نہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے ریت کی گنتی کی طرح عقل کو مختلف قسموں میں پیدا کیا بعض لوگوں کو ایک دانہ دیا گیا کچھ کو دو دانے دیئے گئے ان میں سے بعض کو تین اور چار اور بعض کو ایک فرق (ایک پیمانہ جس میں آٹھ سیر غلہ آتا ہے) اور بعض کو ایک وسق (ساٹھ صاع غلہ) اور بعض کو اس سے بھی زیادہ دیا گیا۔ (۲)

اگر تم کہو کہ خود ساختہ صوفی جو عقل اور معقول کا انکار کرتے ہیں ان کا کیا حال ہے؟ تو جان لو کہ لوگوں نے علمی جھگڑوں

---

(۱) العلل المتناہیہ جلد ۲ ص ۵۰۳ (۲) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۲۰

اور ایک دوسرے پہ اعتراضات اور الزامات کے ذریعے مناظرے کا نام عقل رکھ لیا ہے اور یہ فن کلام ہے اور لوگ ان کو یہ بات بتانے پر قادر نہ ہوئے کہ تم نے نام رکھنے میں غلطی کی ہے کیوں کہ جب یہ نام ان کی زبانوں پر جاری اور دلوں میں پکا ہو گیا تو اب ان کے دلوں سے نہیں نکل سکتا لہذا انہوں نے عقل اور معقول کی مذمت کی اور ان کے نزدیک اس سے وہی مراد ہے جہاں تک باطنی نور بصیرت کا تعلق ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے رسولوں کی صداقت کی پہچان حاصل ہوتی ہے تو اس کی مذمت کا تصور کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف فرمائی ہے اگر اس کی مذمت کی جائے تو پھر کس چیز کی تعریف کی جائے گی جب شریعت قابل تعریف ہے تو شریعت کی صحت کا علم کیسے حاصل ہو گا۔

اگر اس عقل کے ذریعے معلوم ہو جو خود مذموم ہے اور اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا تو شریعت بھی مذموم ہو گی اس شخص کی طرف توجہ نہ کی جائے جو کہتا ہے کہ اس کا ادراک یقین کی آنکھ اور نور ایمان سے ہوتا ہے عقل کے ذریعے نہیں کیونکہ ہم بھی عقل سے عین الیقین اور نور ایمان ہی مراد لیتے ہیں اور یہ باطنی صفت ہے جس کے ذریعے انسان، جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے ذریعے ہر چیز کی حقیقت کو پا لیتا ہے۔

اس قسم کے اکثر مغالطے ان لوگوں کی جہالت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں جو حقائق کو الفاظ کے ذریعے "تلاش" کرتے ہیں تو مغالطے میں پڑتے ہیں کیوں کہ الفاظ میں لوگوں کی اصطلاحات مغالطوں کا شکار ہیں۔ عقل کے بیان میں اس قدر کافی۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و احسان سے علم کا بیان مکمل ہوا۔ ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور زمین و آسمان کے ہر منتخب بندے پر رحمت ہو اس کے بعد قواعد عقائد کا بیان ہو گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اوّل و آخر اللہ وحدہ لا شریک کے لیے حمد ہے۔

قواعد عقائد کا بیان

اس میں چار فصول ہیں :۔

پہلی فصل :

کلمہ شہادت جو اسلام کی بنیادوں میں سے ایک ہے کے بارے میں اہل سنت وجماعت کا عقیدہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پیدا کرنے والا اور دوبارہ لوٹانے والا ہے بزرگی والے عرش کا مالک اور سخت پکڑ والا ہے، اپنے منتخب بندوں کو راہ ہدایت اور رسید ھے مسلک کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے، توحید کی شہادت کے بعد شک وشبہ کی اندھیروں سے ان کے حفاظت کے ذریعے ان پر انعام فرماتا ہے ان کو اپنے منتخب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور مکرم ومحترم صحابہ کرام کے نشانات پر چلاتا ہے اپنی ذات اور افعال کو اچھے اوصاف کے ساتھ ان پر روشن کرتا ہے کہ ان کا ادراک صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو اس طرف توجہ کرتا اور حاضر رہتا ہے وہ ان کو اپنی ذات گرامی کی معرفت عطا فرماتا ہے کہ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، یکتا ہے اس کی کوئی مثل نہیں، بے مثال ہے اس کا کوئی مقابل نہیں، تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ واحد قدیم ہے اس سے پہلے کوئی نہیں وہ ہمیشہ سے ہے اس کی ابتدا نہیں، اس کا وجود ہمیشہ رہے گا اس کا آخر نہیں دائمی ہے اس کی انتہا نہیں، قائم ہے، اس کے لیے اختتام نہیں ہمیشہ کے لیے ہے اس کے لیے ٹوٹنا نہیں وہ بزرگانہ صفات سے موصوف ہے اور رہے گا، مدتوں اور زمانوں کے گزر جانے سے اس کے لیے ختم ہونا اور جدا ہونا نہیں ہے بلکہ وہی اول وآخر ہے، ظاہر وباطن ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۔

تنزیہہ خداوندی

وہ نہ جسم صُوری ہے نہ جوہر ہے جو کسی حد اور مقدار میں آ سکے وہ جسموں کی مثل نہیں نہ اندازہ کرنے میں اور نہ تقسیم کو قبول کرنے میں، نہ وہ جوہر ہے اور نہ اس میں کوئی جوہر آ سکتا ہے نہ وہ عرض ہے اور نہ اس پر اعتراض آ سکتے ہیں بلکہ وہ کسی موجود کی مثل نہیں اور نہ کوئی موجود اس کی مثل ہے کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہ بھی کسی چیز کی مثل نہیں نہ وہ مقدار میں آتا ہے نہ کنارے اس کا احاطہ کر سکتے ہیں اور نہ وہ جہات کے احاطہ میں آتا ہے، زمین وآسمان اس کو گھیر نہیں سکتے اور اس نے عرش پر استواء فرمایا جس طرح اس نے ارشاد فرمایا اور اس طریقے پر جو اس کی مراد ہے وہ ایسا استواء ہے جو چھونے قرار پکڑنے، ٹھہرنے، داخل ہونے اور

منتقل ہونے سے پاک ہے۔ عرش اسے نہیں اٹھاتا بلکہ عرش اور اس کو اٹھانے والے اس کی قدرت کے ساتھ اٹھائے گئے ہیں وہ اس کے قبضہ میں بند ہیں وہ عرش اور آسمان کے اوپر ہے اور وہ تحت الثریٰ تک کی ہر چیز سے اوپر ہے یہ بلندی ایسی نہیں جس کی وجہ سے وہ عرش و آسمان کے قریب ہے اور زمین اور تحت الثریٰ سے دور ہے بلکہ وہ عرش اور آسمان سے درجات کے اعتبار سے بلند ہے جیسے وہ زمین اور ثریٰ سے باعتبار درجات کے بلند ہے اس کے باوجود وہ ہر چیز کے قریب ہے وہ بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے ہر چیز اس کے سامنے ہے کیوں کہ اس کا قرب، جسموں کے قرب کی طرح نہیں ہے جیسے اس کی ذات، ذوات اجسام کی مثل نہیں وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے وہ اس بات سے بلند ہے کہ کوئی مکان اس کو گھیرے جس طرح وہ زمانے کے دائرے میں محدود ہونے سے پاک ہے بلکہ وہ تو زمان و مکان کی تخلیق سے پہلے بھی موجود تھا اور وہ اب بھی پہلے کی طرح ہے وہ اپنی صفات کے ساتھ مخلوق سے ممتاز ہے اس کی ذات میں کوئی دوسرا نہیں اور وہ کسی دوسری ذات میں نہیں وہ تبدیلی اور انتقال سے پاک ہے حادثات اور عوارضات اس پہ وارد نہیں ہوتے بلکہ وہ ہمیشہ بزرگی کے ساتھ متصف اور زوال سے منزہ رہتا ہے وہ اپنی صفات کمالیہ میں مزید کمال حاصل کرنے سے بے نیاز ہے اس کی ذات عقل کے اعتبار سے بھی معلوم و موجود ہے قیامت کے دن نیک لوگ اس کے فضل و کرم اور مہربانی سے آنکھوں کے ساتھ اس کی زیارت کریں گے اس کے جمال اقدس کو آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے اس کی نعمتوں کی تکمیل ہوگی۔

حیات و قدرت

بلاشبہ اللہ تعالیٰ زندہ قادر ہے، جبار و غالب ہے اسے کوتاہی اور عاجزی لاحق نہیں ہوتی نہ اسے اونگھ اور نیند آتی ہے اور نہ اس کے لیے فنا اور موت ہے وہ بادشاہی اور ملکوت کا مالک اور عزت و جبروت والا ہے وہ غالب ہے، پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کے اختیار میں ہے تمام آسمان اس کے قابو میں ہیں اور تمام مخلوق بھی اس کے کنٹرول میں ہے پیدا کرنے اور ایجاد میں وہ یکتا ہے کسی چیز کو ابتدائی وجود دینے اور کسی نمونہ کے بغیر پیدا کرنے میں وہ ایک ہے اس نے مخلوق اور ان کے اعمال کو پیدا کیا ان کے رزق اور وقت کا تعین کیا کوئی بھی چیز اس کے قابو سے باہر نہیں جا سکتی معاملات میں تصرفات اس کی قدرت سے باہر نہیں نکل سکتے نہ اس کی مقدورات (جو چیزیں اس کی قدرت کے تحت داخل ہیں) کا شمار ہے اور نہ ہی اس کی معلومات کی انتہا ہے۔

علم

وہ تمام معلومات کا عالم ہے زمین کی تہہ سے لے کر آسمانوں کی بلندی تک جو کچھ جاری ہے سب کو گھیرنے والا ہے وہ ایسا عالم ہے کہ اس کے علم سے زمین و آسمان کا کوئی ذرہ باہر نہیں جا سکتا بلکہ وہ سخت اندھیری رات میں صاف چٹان پہ چلنے والی سیاہ چیونٹی کے چلنے کی آواز کو بھی جانتا ہے وہ فضا میں ایک ذرے کی حرکت

کو بھی جانتا ہے وہ پوشیدہ امور کو جانتا ہے وہ دلوں کے وسوسوں اور خطرات اور پوشیدہ باتوں کا علم رکھتا ہے اس کا علم قدیم ازلی ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اس علم کے ساتھ موصوف رہا ہے اس کا علم جدید نہیں اور نہ ہی وہ اس کی ذات میں آنے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

ارادہ وہ کائنات کا ارادہ فرمانے والا اور نو پید امور کی تدبیر فرمانے والا ہے ملک و ملکوت میں تھوڑی یا زیادہ، چھوٹی یا بڑی، خیر یا شر، نفع یا نقصان، زیادتی یا کمی اطاعت یا عصیان ہر چیز اسی کے فیصلے اور قدرت نیز حکمت و مشیت سے پیدا ہوتی ہے جس چیز کو چاہتا ہے وہ ہو جاتی ہے اور جسے نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی اس کی مشیت سے پلک کا جھپکنا اور دل کا خیال باہر نہیں نکل سکتا وہی ابتداءً پیدا کرنے اور پھر (قیامت کے دن) لوٹانے والا ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اس کے فیصلے کو کوئی پیچھے نہیں کر سکتا ہے اس کی نافرمانی سے اس کی توفیق و رحمت کے بغیر بچنا ممکن نہیں اس کی عبادت کی قوت بھی اس کی مشیت و ارادہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر تمام انسان، جن، فرشتے اور شیطان دنیا میں کسی ذرہ کو حرکت دینے پر اتفاق کر لیں یا اسے ٹھہرا دیں تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے بغیر وہ اس سے عاجز رہ جائیں گے، اس کا ارادہ دیگر صفات کے ساتھ اس کی ذات میں قائم ہے وہ ہمیشہ سے اس سے موصوف ہے اس نے ازل میں اشیاء کے وجود کا ان کے اوقات پر (ظہور کا) ارادہ فرمایا چنانچہ اس کے ازلی ارادے کے مطابق ہر چیز کسی تقدم و تاخیر کے بغیر اپنے وقت پر ظاہر ہوئی۔ بلکہ کسی تغیر و تبدل کے بغیر اس کے علم و ارادہ کے مطابق واقع ہوئی اس نے امور کی تدبیر، ترتیب افکار اور تاخیر وقت کے بغیر فرمائی اسی لیے اسے کوئی ایک کام دوسرے کام سے غافل نہیں کرتا۔

سماعت و بصارت اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے وہ سنتا اور دیکھتا ہے اس کی سماعت سے کوئی سنی جانے والی چیز باہر نہیں جاتی اگرچہ وہ مخفی ہو۔ اور باریک سے باریک چیز بھی اس کی نظر سے غائب نہیں رہتی اس کی سماعت میں دوری رکاوٹ نہیں بنتی نہ اندھیرا اس کے دیکھنے کو دور کر سکتا ہے، وہ آنکھوں کے ڈھیلوں اور پلکوں کے بغیر دیکھتا ہے اور کانوں اور سوراخ کے بغیر سنتا ہے جیسے وہ دل کے بغیر جانتا ہے اور کسی عضو کے بغیر پکڑتا ہے اور کسی آلہ کے بغیر پیدا کرتا ہے کیونکہ اس کی صفات مخلوق کی صفات جیسی نہیں ہیں جیسے اس کی ذات مخلوق کی ذات کی طرح نہیں ہے۔

کلام اللہ تعالیٰ کلام فرمانے والا، حکم دینے والا اور منع کرنے والا ہے اس کا کلام ازلی قدیم اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جو کلام مخلوق کے مشابہ نہیں ہے وہ آواز کے ساتھ نہیں ہوتا جو ہوا کے کھینچنے یا اجسام کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے وہ کلام ہونٹوں کے بند ہونے یا زبان کی حرکت سے پیدا نہیں ہوتا قرآن پاک، تورات انجیل اور زبور اس کی کتب ہیں جو اس نے اپنے رسولوں علیہم السلام پر نازل کی ہیں قرآن پاک زبانوں سے پڑھا جاتا، مصاحف میں

لکھا جاتا اور دلوں میں محفوظ ہوتا ہے اس کے باوجود یہ (کلام) قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے دلوں اور اوراق کی طرف منتقل ہونے کے باوجود وہ اس (ذات باری تعالیٰ) سے جدا نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام آواز اور حرف کے بغیر سنا جس طرح نیکوکار لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی زیارت یوں کریں گے کہ نہ تو وہ جوہر (جو خود قائم ہو) ہوگا اور نہ عرض (جو دوسری چیز کے ساتھ قائم ہوتا ہے) جب وہ ان صفات سے متصف ہے تو وہ حیات، قدرت، علم، ارادہ، سماعت، بصارت اور کلام کی وجہ سے زندہ، عالم، قادر، ارادہ کرنے والا، سننے والا، دیکھنے والا، اور کلام کرنے والا ہے، محض ذات کی وجہ سے نہیں۔

افعال

اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ موجود ہے وہ اس کے فعل سے پیدا ہوا اور اس کے عدل کا فیضان ہے وہ نہایت اچھے طریقے پر، حد درجہ کامل و تمام اور نہایت درست پیدا ہوا۔ وہ اپنے افعال میں صاحبِ حکمت ہے، اپنے فیصلوں میں انصاف کرنے والا ہے لیکن اس کے عدل کو بندوں کے عدل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ بندے سے ظلم کا تصور بھی ہوسکتا کہ وہ دوسرے کی ملک میں تصرف کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں ظلم کا تصور بھی نہیں ہوسکتا کیوں کہ اس کے علاوہ کوئی مالک نہیں کہ اس (خداوند تعالیٰ) کا تصرف ظلم بن جائے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے چاہے وہ انسان اور جن ہوں، فرشتے ہوں یا شیطان، آسمان و زمین ہو یا حیوانات، نباتات و جمادات ہوں یا جوہر و عرض اس چیز کا ادراک ہوتا ہو یا وہ محسوسات میں سے ہو سب کچھ حادث ہے جسے وہ اپنی قدرت کے ساتھ عدم سے وجود میں لایا ہے اور اس کے بعد کہ وہ کچھ نہیں تھا اسے پیدا کیا۔ ازل میں صرف وہی ذات تھی اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا اس کے بعد اس نے اپنی قدرت کے اظہار اور اپنے سابقہ ارادے کو ثابت کرنے کے لیے مخلوق کو پیدا کیا اور اس لیے بھی کہ ازل میں اس کی بات ہو چکی تھی اس لیے نہیں کہ وہ اس (مخلوق) کا حاجت مند ہے۔

اس نے مخلوق کو پیدا کرکے اور اس کو مکلف بنا کر احسان فرمایا یہ عمل اس پر واجب نہ تھا اس نے انعام سے نوازا اور صلاح کی لیکن یہ بات اس پر لازم نہ تھی وہی فضل و احسان کرنے والا اور نعمت عطا کرنے والا ہے کیوں کہ وہ اپنے بندوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرنے پر قادر تھا وہ انہیں مختلف قسم کی تکالیف و مصائب میں مبتلا کرسکتا تھا اور اگر وہ ایسا کرتا تو اس کی طرف سے عدل ہوتا نہ تو یہ بات قبیح ہوتی اور نہ ظلم لیکن بلند و بالا ذات اپنے کرم اور وعدے کے مطابق اپنے مومن بندوں کو ان کی عبادات پر ثواب عطا فرماتا ہے اس لیے نہیں کہ وہ اس کے مستحق ہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کیوں کہ اس پر کسی کے لیے کوئی بات واجب نہیں اور نہ اس سے ظلم متصور ہے کسی کا اس پر کوئی حق نہیں بلکہ اس نے مخلوق پر اپنا حق عبادات کی صورت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک زبانوں کے واسطے سے لازم کیا محض عقل کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس نے رسل عظام کو بھیجا اور واضح معجزات کے ذریعے ان کی سچائی کو ظاہر کیا، انہوں نے اس کے امر و نہی اور وعدہ و وعید کو (لوگوں تک) پہنچایا پس جو کچھ انبیاء کرام لائے ہیں لوگوں پر اس

کی تصدیق واجب ہے۔

کلمہ شہادت کے دوسرے حصہ رسالت کا مفہوم

اس نے کسی سے نہ پڑھے ہوئے قریشی نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی رسالت کے ساتھ بھیجا جو تمام عرب وعجم اور جن دانش کے لیے کفایت کرتی ہے پس اس نے آپ کی شریعت کے ذریعے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا سوائے ان باتوں کے جن کو باقی رکھا، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام پر فضیلت عطا فرمائی اور آپ کو تمام انسانوں کا سردار بنایا۔ اور شہادت توحید یعنی لاالٰہ الا اللہ کو اس وقت تک قبول نہ فرمایا جب تک اس کے ساتھ شہادت رسالت یعنی "محمد رسول اللہ" ملا ہوا نہ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیوی اور اخروی امور کے بارے میں جو کچھ بتایا اس سب کی تصدیق امت پر لازم فرمائی ہے نیز کسی شخص کا ایمان اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک وہ اس بات پر ایمان نہ لائے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے بعد کے بارے میں بتائی ہے ان باتوں میں سے پہلی بات منکر نکیر کا سوال کرنا ہے یہ دونوں (فرشتے) ڈراؤنی انسانی شکل میں ہیں وہ بندے کو قبر میں سیدھا بٹھا دیتے ہیں اور وہ بندہ اس وقت روح اور جسم کے ساتھ ہوتا ہے وہ اس سے توحید ورسالت کے بارے میں پوچھتے ہیں اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ (۱)

وہ دونوں قبر کی آزمائش ہیں اور ان کا پوچھنا موت کے بعد پہلی آزمائش ہے عذاب قبر پر ایمان لائے اور یہ کہ وہ حق ہے۔ نیز روح وجسم پر اس کی منشاء کے مطابق حکم اس کا عدل ہے میزان (ترازو) پر ایمان لائے جو دو تھیلیوں اور زبان والا ہوگا وہ آسمانوں اور زمین کے طبقات جتنا بڑا ہوگا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس میں اعمال کا وزن ہوگا اس دن باٹ ذرے اور رائی کے دانے کے برابر ہوگا تاکہ مکمل طور پر انصاف ہو نیکیوں کے اعمال نامے نور کے پلڑے میں اچھی صورت میں رکھے جائیں گے تو جس قدر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان نیکیوں کے درجات ہوں گے فضل خداوندی سے اسی قدر پلڑا بھاری ہوگا جب کہ برائیوں کے کتب کو اندھیرے پلڑے میں نہایت قبیح صورت میں ڈالا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے عدل سے میزان ہلکا ہو جائے گا۔ اس بات پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ پل صراط حق ہے وہ پل جہنم کی پشت پر کھینچا گیا ہے وہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس پر کافروں کے قدم پھسلیں گے، تو وہ جہنم میں گر جائیں گے جب کہ بفضلہ تعالیٰ اس پر مومنوں کے قدم ٹھہرے رہیں گے تو انہیں قرار والے گھر کی طرف لے جایا جائے گا۔ اس حوض پر بھی ایمان لانا ضروری ہے جس پر مسلمان گزریں گے یہ حضور علیہ السلام کا حوض کہلاتا ہے مومن لوگ جنت میں داخل ہونے سے پہلے اور

(۱) جامع سنن ترمذی جلد اول ص ۴۳، ما جاء فی عذاب القبر۔

پل صراط سے گزرنے کے بعد، اس سے پئیں گے جو شخص اس سے ایک گھونٹ پی لے گا وہ اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا اس کی چوڑائی ایک مہینے کی مسافت ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا اس کے پیالے ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوں گے۔ اس میں دو پرنالے ہیں جو کوثر سے اس میں گرتے ہیں۔

(یعنی جنّت سے آکر اس حوض میں گرتے ہیں۔ مترجم)۔ حساب و کتاب پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ اعتقاد رکھنا کہ حساب نہیں پوچھ گچھ اور درگزر کے حوالے سے لوگ مختلف ہیں وہ لوگ بھی ہیں جو کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے اور یہ مقربین ہیں اللہ تعالیٰ جس نبی سے چاہیئے گا تبلیغ رسالت کے بارے میں پوچھے گا اور جس کافر سے چاہے گا رسولوں کو جھٹلانے کے بارے میں سوال کرے گا، بدعتی لوگوں سے سنت کے بارے میں سوال ہوگا اور مسلمانوں سے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔

اس بات پر بھی ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ توحید پر ایمان لانے والوں کو سزا کے بعد جہنم سے نکالے گا حتیٰ کہ فضل خداوندی سے جہنم میں کوئی موحّد بھی نہیں رہے گا کوئی موحّد جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔

اس بات پر بھی ایمان لائے کہ انبیاء کرام شفاعت کریں گے پھر علماء اس کے بعد شہداء اور پھر مومنین اپنے اپنے مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے شفاعت کریں گے اور جو مومن کسی سفارش کرنے والے کے بغیر رہ جائے گا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جہنم سے نکالے گا پس جہنم میں کوئی مومن بھی باقی نہیں رہے گا حتیٰ کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ بھی باہر نکل جائے گا۔ صحابہ کرام کی فضیلت اور ان کی ترتیب پر بھی ایمان لائے اور یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ فضیلت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہے پھر حضرت عمر فاروق اس کے بعد حضرت عثمان اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم افضل ہیں تمام صحابہ کرام کے بارے میں اچھا عقیدہ رکھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی ہے تمام صحابہ کرام کی اسی طرح تعریف کرے۔

یہ تمام باتیں احادیث میں آئی ہیں اور صحابہ کرام کے اقوال بھی ان پر دلالت کرتے ہیں جو شخص یقین کے ساتھ ان تمام باتوں پر اعتقاد رکھے وہ اہل حق اور اہل سنت سے ہے وہ گمراہ فرقے اور بدعتی جماعت سے الگ ہے ہم کمال یقین اور دین میں اچھی طرح ثابت قدمی کا اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں وہ اپنی رحمت سے نوازنے وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے، ہمارے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر مختار بندے پر سلام ہو۔

دوسری فصل :-

تدریجاً رہنمائی کرنے کی وجہ اور اعتقاد کے درجات

جان لیں کہ ہم نے جو کچھ عقیدے کے بارے میں ذکر کیا ہے وہ بچے کی ابتدائی تربیت میں اس کے سامنے رکھا جائے تو وہ اسے اس طرح یاد کرے کہ بڑا ہونے کے بعد تھوڑا تھوڑا کر کے اس کا مفہوم واضح ہوتا ہے شروع میں وہ یاد کرے پھر سمجھے گا پھر عقیدہ اور یقین رکھے گا پھر اس کی تصدیق کرے گا۔ اور یہ بات بچے کو کسی دلیل کے بغیر حاصل ہوتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے کہ وہ ابتدائی مراحلِ تربیت میں انسان کے دل کو کسی حجت اور دلیل کے بغیر ایمان کے لیے کھول دیتا ہے۔ اور اس بات کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے جب کہ عوام کے تمام عقائد محض تلقین اور تقلید حاصل پر مبنی ہوتے ہیں ہاں! جو عقیدہ محض تقلید سے حاصل ہوتا ہے وہ ابتدا میں کسی نہ کسی ضعف سے خالی نہیں ہوتا یعنی اگر اس کے خلاف بات آجائے تو وہ زوال کو قبول کرتا ہے لہٰذا بچے اور عام آدمی کے دل میں اسے پکا کرنا اور ثابت کر دینا ضروری ہے۔

تاکہ وہ مضبوط ہو جائے اور اس میں تزلزل نہ ہو۔ لیکن اس کی تقویت اور اثبات کا طریقہ کلام و مناظرہ کا فن جاننا نہیں بلکہ وہ قرآن پاک کی تلاوت و تفسیر نیز حدیث پڑھنے اور اس کے معانی میں مشغول ہونا ہے۔

نیز وہ عبادات کے وظائف میں مشغول ہو پس قرآن پاک کے دلائل اور حجت جب اس کے کان میں پڑے گی تو اس کا عقیدہ ہمیشہ مضبوط ہو گا۔

اور بعض اوقات اس پر احادیث اور ان کے فوائد سے شواہد وارد ہوتے ہیں کبھی کبھی اس پر عبادات اور ان کے وظائف کی روشنی پھیلتی ہے اور بعض اوقات صالحین کو دیکھنا اور ان کی مجلس اختیار کرتا ہے بالخصوص جب ان کی باتیں سنتا اور ان کی شکل و صورت کو دیکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کے لیے خشوع و خضوع کا اظہار کرتے ہیں تو یہ بات بھی اس پر اثر انداز ہوتی ہے پس پہلی بار کی تلقین سینے میں بیج ڈالنے کی طرح ہے اور یہ اسباب کھیتی کو سیراب کرنے اور اس کی دیکھ بھال کی طرح ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بیج بڑھتا ہے مضبوط ہوتا اور ایک ایسے پاکیزہ درخت کی طرح بلند ہوتا ہے جو راسخ ہوتا ہے اس کی جڑ قائم اور ٹہنیاں آسمان میں ہیں اور چاہیے کہ اس (بچے) کے کان کو مناظرانہ گفتگو سے بہت زیادہ بچائے کیونکہ یہ مناظرانہ گفتگو تربیت کے مقابلہ میں اس کے ذہن کو زیادہ خراب کرے گی نیز اصلاح کی نسبت فساد زیادہ پیدا کرے گی بلکہ جھگڑے والی باتوں سے اس کو تقویت دینا ایسا ہے جیسے کوئی شخص لوہے کے ہتھوڑے سے درخت کو کوٹے تاکہ وہ مضبوط ہو لیکن وہ تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات تو وہ ٹوٹ پھوٹ کر خراب ہو جاتا ہے اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے اس سلسلے میں بطور بیان مشاہدہ کفایت کرتا ہے اور یہ واضح دلیل ہے۔

عوام میں سے نیک اور متقی لوگوں کے عقیدے کا مقابلہ مناظرین اور کلامی لوگوں کے عقیدے سے کیا جائے تو تم دیکھو گے کہ عام آدمی کا عقیدہ قائم رہنے میں بلند ٹیلے کی طرح ہے جسے آفات اور بجلیاں حرکت نہیں دے سکتیں جب کہ مناظر و متکلم جو حفاظت کرنے والا ہے اس کا عقیدہ مناظرانہ گفتگو کی تقسیمات کی وجہ سے اس دھاگے کی طرح ہے جو فضا میں لٹکا ہوا ہو کبھی اسے ادھر لے جاتی ہے اور کبھی اُدھر۔

لیکن جو آدمی ان سے کسی عقیدے کی دلیل سنتا ہے تو بطور تقلید اسے قبول کر لیتا ہے جیسے وہ نفس عقیدہ کو تقلیداً حاصل کرتا ہے کیونکہ دلیل سیکھنے اور مدلول سیکھنے میں کوئی فرق نہیں۔ پس دوسرے کو دلیل بتانا اور چیز ہے جب کہ دلیل سے استدلال کرنا دوسری بات ہے اور وہ اس سے دور ہے۔

پھر جب بچے کی اس عقیدے پر تربیت کی جائے تو دنیا کا مال کمانے میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کے لیے کوئی دوسرا دروازہ نہیں کھلے گا۔ لیکن وہ اہل حق کا عقیدہ اپنانے کی وجہ سے آخرت میں (عذاب سے) محفوظ رہے گا کیونکہ شریعت نے عرب کے اُجڈ لوگوں کو ان عقائد کے ظاہر کو اپنانے کے ساتھ یقینی تصدیق سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا۔

جہاں تک بحث و تمحیص اور دلائل کو منظم کرنے کا تعلق ہے تو وہ قطعاً اس کا مکلف نہیں۔ اور اگر وہ آخرت کے راستے پر چلنے والوں میں شامل ہونا چاہے اور توفیق اس کی مددگار ہو یہاں تک کہ وہ عمل میں مشغول ہو جائے تقویٰ کو اختیار کرے اور نفس کو خواہشات سے روک کر ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو تو اس کے لیے ہدایت کے دروازے کھلتے ہیں جو نور الٰہی کے ساتھ اس عقیدہ کے حقائق سے منکشف ہوتے ہیں وہ نور الٰہی جو مجاہدہ کے سبب اس کے دل میں ڈالا جاتا ہے اور یہ وعدۂ خداوندی کا ایفاء ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (۱)

اور وہ لوگ جو ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور بے شک وہ نیکو کار لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔

یہی نفیس جوہر ہے جو صدیقین اور مقربین کے ایمان کی غایت ہے اور وہ راز جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینے میں رکھا گیا جب آپ کو مخلوق (ما سوائے انبیاء کرام کے) پر فضیلت دی گئی اسی کی طرف اشارہ ہے اس راز بلکہ ان تمام رازوں کے درجات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غیر ہے (بچتے ہوئے) نظافت و طہارت حاصل کرنے کی وجہ سے مجاہدے اور باطنی درجات کے مطابق ہوتے ہیں تیز نور یقین سے روشن ہونے سے حاصل ہوتے ہیں اور یہ تفاوت اسی طرح ہے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ عنکبوت آیت ۶۹

جس طرح طب، فقہ اور باقی علوم کے اعتبار سے لوگوں میں فرق ہوتا ہے کیوں کہ یہ اختلاف، اجتہاد میں تفاوت تیز عقلمندی اور دانائی کے اعتبار سے فطرت میں تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے اور جس طرح یہ علمی درجات بے انتہا ہیں اسی طرح اسرار کے یہ درجات بھی بے شمار ہیں۔

سوال :۔

اگر تم کہو کہ کیا علم کلام و مناظرہ کا حصول ستاروں کے علم کی طرح ہے یا مباح ہے یا مستحب ؟

جواب :۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں نے اس سلسلے میں مختلف انداز میں غلو کیا اور حد سے تجاوز کیا ہے کوئی کہتا ہے کہ یہ بدعت و حرام ہے اور اگر بندہ شرک کے علاوہ گناہوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ علم کلام کے ذریعے ملاقات کرے بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ واجب اور فرض ہے یا تو فرض کفایہ ہے یا فرض عین نیز یہ بہترین عمل اور قرب خداوندی کا اعلیٰ ذریعہ ہے کیونکہ اس سے علم توحید ثابت ہوتا ہے اور یہ علم دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ حضرت امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل امام سفیان ثوری اور تمام گذشتہ محدثین علیہم الرحمہ نے اسے حرام قرار دیا ہے حضرت ابن عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں جس دن حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا " حفص فرد " نامی معتزلی کلامی سے مناظرہ ہوا تو حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر بندہ اللہ تعالیٰ سے یوں ملے کہ وہ شرک کے علاوہ تمام گناہوں کا مرتکب ہو تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ وہ علم کلام میں سے کسی چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے فرماتے ہیں میں نے حفص سے وہ کلام سنا ہے جسے میں بیان نہیں کر سکتا وہ مزید فرماتے ہیں کہ مجھے اہل کلام سے ایسی بات کی اطلاع ملی ہے جس کا مجھے بالکل گمان نہ تھا اور اگر بندہ ہر اس بات میں مبتلا ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے تو یہ، علم کلام میں غور و فکر کرنے سے بہتر ہے۔ کرابیسی نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ آپ سے علم کلام سے متعلق کوئی بات پوچھی گئی تو آپ کو غصہ آیا آپ نے فرمایا "حفص فرد" اور اس کے ساتھیوں سے پوچھو اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے،

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو حفص فرد آپ کے پاس آیا اور پوچھا میں کون ہوں ؟ آپ نے فرمایا تو حفص فرد ہے اللہ تعالیٰ تیری حفاظت و رعایت نہ فرمائے یہاں تک کہ تو اپنے اس عمل سے توبہ کرے جس میں تو مبتلا ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ علم کلام میں کس قدر خواہشات پوشیدہ ہیں تو وہ اس سے اس طرح بھاگتے جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں آپ نے فرمایا جب تم کسی آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ اسم، مسمّٰی ہے یا غیر مسمّٰی تو گواہی دو کہ وہ کلامی شخص ہے اور اس کا کوئی دین نہیں۔

زعفرانی نے کہا حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل کلام کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ انہیں لاٹھی سے مارا جائے اور قبیلوں اور خاندانوں میں پھیرا جائے اور کہا جائے کہ جو لوگ کتاب و سنت کو چھوڑ کر علم کلام میں مصروف

ہوتے ہیں ان کی سزا یہی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا علم کلام سے تعلق رکھنے والا کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتا اور جب بھی تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کلام میں غور و فکر کرتا ہے تو اس کے دل میں ضرور فساد ہوگا۔ انہوں نے کلام کی مذمت میں مبالغہ سے کام لیا حتی کہ حارث محاسبی کو ان کے زہد و تقوی کے باوجود چھوڑ دیا کیونکہ انہوں نے بدعتیوں کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی آپ نے فرمایا تیرے لیے خرابی ہو کیا تم نے پہلے ان کی بدعات ذکر کر کے پھر ان کا رد نہیں کیا؟ کیا تو اپنی تصنیف کے ذریعے لوگوں کو بدعت کے مطالعہ اور ان شبہات میں غور و فکر کی ترغیب نہیں دے رہا اور اس طرح تو ان کو اپنی رائے پیش کرنے اور اس پر بحث کی دعوت دے رہا ہے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کلام زنادیق (بے دین) ہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر علم کلام والے کے مقابلے میں زیادہ تیز شخص آجائے تو کیا وہ اپنے لیے ہر روز ایک نیا دین ایجاد کرے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑنے والوں کے اقوال ایک دوسرے کے خلاف ہوتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ ہی نے فرمایا بدعتی اور خواہش پرست کی گواہی قبول نہیں آپ کے بعض شاگردوں نے ان کے قول کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ خواہشات والوں سے ان کی مراد اہل کلام ہیں وہ جس مذہب پر بھی ہوں۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا جس نے کلام کے ذریعے علم کو طلب کیا وہ بے دین ہوگیا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا اہل ہوا (خواہش والوں) کے ساتھ نہ مناظرہ کرو نہ اس کے پاس بیٹھو اور نہ ہی ان کی گفتگو سنو۔ پہلے محدثین اس بات پر متفق ہیں ان کی طرف سے اس کے خلاف جو سخت اقوال منقول ہیں وہ بے شمار ہیں وہ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوسرے لوگوں کی نسبت حقائق کی زیادہ پہچان رکھنے والے اور ترتیب الفاظ میں زیادہ فصیح تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس (کلام) کو اس سے پیدا ہونے والے شر کی وجہ سے چھوڑا اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ۔ (۱)

جو لوگ بحث و کلام (مناظرہ بازی) میں زیادہ پڑتے ہیں وہ ہلاک ہوگئے (تین بار فرمایا)

ان حضرات نے اس بات سے بھی استدلال کیا ہے کہ اگر یہ (کلام) دین سے ہوتا تو یہ ان اہم امور سے ہوتا جن کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، طریقہ سکھایا، ان امور اور ان کے حاصل کرنے والوں کی تعریف فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجاء کی تعلیم دی (۲)

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۹ (۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۳۰ باب الاستطابہ۔

علم فرائض کی طرف بلایا اور اسے لوگوں کی تعریف فرمائی (۱)
لیکن آپ نے تقدیر میں بحث کو منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:۔

اَمْسِكُوْا عَنِ الْقَدْرِ (۲)   تقدیر میں بحث سے اجتناب کرو۔

صحابہ کرام ہمیشہ اسی پر عمل پیرا رہے اور استاذ سے آگے بڑھنا سرکشی اور علم ہے وہ حضرات استاد اور پیشوا تھے اور ہم ان کے پیروکار اور شاگرد ہیں۔

دوسرا اگر وہ یوں استدلال کرتا ہے کہ اگر کلام سے منع لفظ جوہر عرض اور اس طرح کی دوسری غیر مانوس اصطلاحات ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں معروف نہ تھیں تو بات آسان ہے۔ کیونکہ ہر علم میں سمجھانے کے لیے اصطلاحات ایجاد ہوتی ہیں جیسے حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ جیسے قیاس کی اصطلاحات نقض، کسر، ترکیب، التعدیہ اور فساد وضع وغیرہ اگر ان لوگوں پر پیش کی جائیں تو وہ انہیں نہ سمجھتے تو مقصود صحیح ہر دلالت کے لیے عبارت نکالنا (کوئی اصطلاح بنانا) ایسے ہی ہے جیسے مباح (جائز) کام کے لیے نئی شکل پر برتن بنانا۔

اگر معنی کے اعتبار سے خرابی ہو تو ہماری مراد صرف یہ ہے کہ ہم عالم کے حادث ہونے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صفات کو شریعت کے مطابق پہچاننے کے لیے دلیل حاصل کریں تو دلیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت کیسے حرام ہوگی۔

اور اگر علم کلام اس لیے منع ہے کہ اس کی وجہ سے افتراق، تعصب اور عداوت ونفرت پیدا ہوتی ہے تو یقیناً یہ حرام ہوگا۔ اور اس سے بچنا ضروری ہوگا جس طرح علم حدیث، تفسیر اور فقہ کی وجہ سے تکبر، خود پسندی، ریاکاری اور حکومت طلبی کی خواہش پیدا ہو تو وہ حرام ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے لیکن اس وجہ سے کہ علم ان (خرابیوں) تک پہنچاتا ہے علم کو چھوڑنا صحیح نہیں اور کس طرح علم کلام کے ذریعے دلیل تک پہنچنا اور اس میں بحث کرنا منع ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ۔   اپنی دلیل لاؤ۔

اور ارشاد خداوندی ہے:۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى   تاکہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل دیکھ کر ہلاک ہو اور

---

(۱) جامع ترمذی جلد اول ص ۴، ۳۰ باب ما جاء فی تعلیم الفرائض۔
(۲) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۷۹
(۳) قرآن مجید سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۱۱

مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَۃٍ (۱) جس نے زندہ رہنا ہے وہ بھی دلیل کی بنیاد پر زندہ رہے۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اِنْ عِنْدَ کُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بِھٰذَا۔ (۲) تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔

سلطان سے مراد حجت و دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

قُلْ فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ۔ (۳) آپ فرما دیجئے پس (مقصد تک) پہنچنے والی دلیل اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرَاھِیْمَ فِیْ رَبِّہٖ (۴) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ۔ (۵) پس وہ کافر مبہوت (حیران) ہو کر رہ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے بارے میں یہ بات تعریف کے طور پر فرمائی کہ انہوں نے اپنے مخالف (نمرود) کے سامنے دلائل پیش کئے اس سے بحث کی اور اسے خاموش کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَتِلْکَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰھَآ اِبْرَاھِیْمَ عَلٰی قَوْمِہٖ (۶) اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کی۔

ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ انفال آیت نمبر ۴۲
(۲) قرآن مجید سورۂ یونس آیت ۶۸
(۳) قرآن مجید سورۂ انعام آیت ۱۴۹
(۴) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۵۸
(۵) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۵۸
(۶) قرآن مجید سورۂ انعام آیت نمبر ۸۳۔

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَکْثَرْتَ جِدَالَنَا۔ (۱)

انہوں نے کہا اے نوح علیہ السلام! بے شک آپ نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت زیادہ جھگڑے۔

اور فرعون کے قصے میں فرمایا:۔

وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ اَوَلَوْ جِئْتُکَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ (تک) (۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید میں اوّل سے آخر تک کفار کے خلاف دلائل ہیں توحید کے بارے میں متکلمین کی بہترین دلیل یہ ہے ارشاد خداوندی ہے۔

لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (۳)

اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہوتے تو ان کا نظام بگڑ جاتا۔

اور نبوت کے بارے میں بہترین دلیل یہ ہے۔

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (۴)

اور اگر تمہیں اس کلام میں شک ہو جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کیا تو اس کی مثل کوئی سورت لے آؤ۔

قیامت کے دن زندہ ہونے پر یوں دلیل دی:۔

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ (۵)

آپ فرما دیجئے اسے (مخلوق کو) وہی زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی مرتبہ پیدا فرمایا۔

اس کے علاوہ بھی آیات و دلائل ہیں۔

انبیاء کرام ہمیشہ منکرین کے خلاف دلائل دیتے رہے اور ان سے مجادلہ کرتے رہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ (۶)

اور ان (کفار) سے نہایت اچھے طریقے سے مجادلہ کیجئے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ہود آیت نمبر ۳۲

(۲) قرآن مجید سورۂ شعراء آیت نمبر ۳۰

(۳) قرآن مجید سورۂ انبیاء آیت نمبر ۲۲

(۴) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۳

(۵) قرآن مجید سورۂ یٰسین آیت ۷۹ (۶) قرآن مجید سورۂ نحل آیت ۱۲۵۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی منکرین کے خلاف دلائل پیش کرتے اور ان سے مجادلہ کرتے ہے لیکن ان کا یہ عمل ضرورت کے وقت ہوتا تھا اور ان کے دور میں اس کی بہت کم ضرورت پڑتی تھی۔

بدعتیوں کو سب سے پہلے مجادلہ کے طریقے پر جس شخصیت نے دعوتِ حق دی وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں جب آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خارجیوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا "تمہیں اپنے امام کی کونسی۔ بات اچھی نہیں لگی؟"

انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے) جنگ لڑی لیکن نہ تو کوئی قیدی بنایا اور نہ ہی مال غنیمت حاصل کیا انہوں نے فرمایا یہ تو کفار کے ساتھ لڑائی کی بات ہے بتاؤ اگر جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قید کر لی جائیں اور وہ تم میں سے کسی کے حصے میں آئیں تو کیا تم ان سے وہ بات حلال سمجھتے جو اپنی مملوکہ سے حلال جانتے ہو حالانکہ وہ تمہاری ماں ہیں اور یہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ انہوں نے جواب دیا نہیں تو اس طرح ان کے اس مجادلہ (دلائل دینے) سے دو ہزار (خارجیوں) نے اطاعت قبول کی۔

منقول ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے ایک منکر تقدیر سے مناظرہ کیا تو وہ انکارِ تقدیر کے عقیدہ سے تائب ہو گیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تقدیر کے منکر سے مناظرہ کیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یزید بن عمیرہ سے ایمان کے بارے میں مناظرہ کیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم کہو کہ میں مومن ہوں تو تم ضرور کہو گے کہ میں جنت میں جاؤں گا۔ یزید بن عمیرہ نے کہا اے صحابی رسول (علیہ السلام رضی اللہ عنہ) یہ آپ کی لغزش ہے کیا ایمان یہ نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن زندہ ہونے اور میزان پر ایمان لاؤ، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو، اور ہم گناہ گار ہیں اگر ہمیں معلوم ہو کہ ہمارے گناہ بخش دیئے جائیں گے تو یہ بھی جان لیں گے کہ ہم جنت میں جائیں گے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اہل جنت سے ہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے سچ کہا اللہ کی قسم! میری خطا تھی۔ تو یوں کہنا چاہیے کہ اس سلسلے میں وہ کم غور کرتے تھے زیادہ نہیں، تھوڑی دیر کرتے تھے زیادہ وقت نہیں وہ ضرورت کے وقت غور کرتے تھے وہ اسے تصنیف و تدریس اور پیشے کا درجہ نہیں دیتے تھے تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کا زیادہ غور نہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ انہیں ضرورت کم پڑتی تھی کیوں کہ اس زمانے میں بدعات ظاہر نہیں ہوئی تھیں اور وہ زیادہ دیر بحث اس لیے نہیں کرتے تھے کہ ان کا مقصد مخالف کو خاموش کرانا اسے معترف بنانا، حق کو واضح کرنا اور شبہ کو زائل کرنا تھا اگر مخالف کا اعتراض یا اصرار طول پکڑتا تو ان کا الزام بھی طوالت اختیار کرتا وہ اس کام کو شروع کرنے کے بعد حاجت کا اندازہ کسی ترازو یا دوسرے پیمانے کے ساتھ نہیں لگاتے تھے اس سلسلے میں ان کے تدریس و تصنیف کے پیچھے نہ پڑنے کا جو معاملہ ہے تو فقہ، تفسیر اور حدیث میں بھی ان کا یہی

طریقہ تھا۔ تو اگر فقہ میں تصنیف و تالیف اور ایسی صورتیں بنانا جو شاذ و نادر واقع ہوتی ہیں، اس مقصد کے لیے جائز ہیں کہ جس دن یہ بات واقع ہوگی، کام آئیں گی اگرچہ نادر ہوں اور ذکاوت ذہنی حاصل ہوگی تو ہم بھی مجادلہ اسی لیے ترتیب دیتے ہیں کہ جب کوئی شبہ پیدا ہو یا کوئی بدعتی جوش میں آئے یا ذکاوت ذہنی و فکری حاصل ہو تو کام آئے یا اس لیے کہ دلائل جمع ہوں اور ضرورت کے وقت غور و فکر کی بجائے فوری طور پر پیش کیے جائیں جیسے کوئی شخص لڑائی سے پہلے جنگ کے دن کے لیے اسلحہ تیار کرتا ہے۔ تو یہ دونوں طرف کے لوگوں کے دلائل ممکنہ طریقے پر ذکر کیے گئے۔

مختار قول

اگر تم کہو کہ تمہارے نزدیک مختار قول کیا ہے؟ تو جان لو کہ اس میں حق یہ ہے کہ ہر حالت میں اس کی مذمت کرنے یا ہر صورت میں اس کی تعریف کرنے کا قائل ہونا غلطی ہے بلکہ اس میں تفصیل ضروری ہے۔

تو پہلی بات اس طرح جانو کہ کوئی چیز بعض اوقات ذاتی طور پر حرام ہوتی ہے جس طرح شراب اور مردار۔ "ذاتی طور پر" کے الفاظ سے میری (مصنف کی) مراد یہ ہے کہ حرام ہونے کی علت خود اس کی ذات میں پائی جاتی ہے اور وہ نشہ دینا (شراب میں) اور اپنے آپ مرجانا ہے (مردار میں)۔ اس کے بارے میں جب ہم سے پوچھا جائے گا تو ہم مطلقاً حرام کا قول کریں گے۔ اور حالت اضطرار میں مردار کے حلال ہونے کو پیش نظر نہیں رکھیں گے یا اس بات کو نہیں دیکھیں گے کہ اگر لقمہ گلے میں اٹک جائے اور وہ اسے اتارنے کے لیے شراب کے سوا کچھ نہ پائے تو اس کا گھونٹ بھرنا جائز ہو جاتا ہے۔

یا کوئی چیز اپنے غیر کی وجہ سے حرام ہوتی ہے مثلاً ایک مسلمان بھائی نے زمین دن کے اختیار کے ساتھ سودا کیا تو اس کے سودے پر سودا کرنا اذان جمعہ کے وقت خرید و فروخت کرنا، گارا کھانا تو یہ اس لیے حرام ہے کہ اس میں ضرر ہے اور اس کی تقسیم یوں ہوتی ہے کہ اگر اس کا قلیل و کثیر نقصان دے تو اس کی حرمت کا قول بلا تفصیل ہوگا جس طرح زہر کم ہو یا زیادہ نقصان دیتا ہے اور اگر اس کی زیادہ مقدار نقصان دے تو مطلقاً حلال ہونے کا قول کیا جائے گا جیسے شہد، کیونکہ اس کی زیادہ مقدار گرم مزاج والے آدمی کے لیے مضر ہے اور جیسے کیچڑ کھانا ہے، کیچڑ کھانے اور شراب نوشی کو مطلقاً حرام کہنا شہد کو حلال سمجھنا اکثر حالات کے اعتبار سے ہے تو اگر کسی چیز میں حالات مختلف ہوں تو زیادہ بہتر اور شک و شبہ سے دور بات یہ ہے کہ اسے تفصیل سے بیان کیا جائے۔

پس ہم علم کلام کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی تو جب وہ نفع دے تو اس نفع کے اعتبار سے یہ جائز، مستحب اور واجب ہوگا یعنی جیسے حالات ہوں گے اسی قسم کا حکم ہوگا۔ اور جب اس سے نقصان ہو تو اس کے نقصان کا اعتبار کرتے ہوئے حرام ہوگا، جہاں تک اس کے نقصانات کا تعلق ہے تو وہ شبہات کا پیدا ہونا اور عقائد کو یوں حرکت دینا ہے کہ ان سے یقین اور پختگی زائل ہو جائے اور یہ بات بالکل شروع میں واقع ہو جاتی ہے اور دلیل کے ساتھ دوبارہ اس کی طرف آنا مشکوک ہے۔ اس سلسلے میں لوگ مختلف ہیں یہ صحیح

عقیدہ میں نقصان ہے۔

اس کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس سے اہل بدعت کے بدعات پر مبنی اعتقادات مضبوط ہو جاتے ہیں اور سینے میں یوں جم جاتے ہیں کہ ان بدعات کی طرف ہی دعوت ہوتی ہے اور ان پر ہی اصرار ہوتا ہے لیکن یہ نقصان اس تعصب کی وجہ سے ہوتا ہے جو جھگڑے سے پیدا ہوتا ہے اسی لیے تم دیکھو گے کہ عام بدعتی کا عقیدہ نرمی کے ساتھ جلدی زائل ہو سکتا ہے البتہ یہ کہ وہ ایسے شہر میں پروان چڑھے جہاں جھگڑے اور تعصب زیادہ ہو (تو مشکل ہے) اگر پہلے اور پچھلے سب جمع ہو جائیں تو وہ اس کے سینے سے بدعت کو نکال نہیں سکتے بلکہ خواہش، تعصب، مناظرہ کرنے والوں کی دشمنی اور مخالفین سے نفرت کا جذبہ اس کے دل پر قبضہ کر لیتا ہے اور اسے حق کے ادراک سے روک دیتا ہے حتیٰ کہ اگر اسے کہا جائے کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ تعالیٰ تجھ سے یہ پردہ دور کر دے اور واضح طور پر تمہیں بتا دے کہ حق تیرے مخالف کی جانب ہے تو وہ اس بات کو بھی ناپسند کرے گا کیونکہ اسے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ اس سے اس کا مخالف خوش ہو جائے گا تو یہ بہت تباہ کن بیماری ہے جو شہروں اور بندوں میں پھیل گئی ہے اور یہ ایک قسم کا فساد ہے جسے مناظر بازوں نے تعصب کی وجہ سے پھیلایا ہے تو یہ علم کلام کا نقصان ہے۔

اس (علم کلام) کے نفع کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ اس سے حقائق واضح ہوتے ہیں اور ان کی ماہیت کی پہچان حاصل ہوتی ہے لیکن افسوس! علم کلام سے یہ بہترین مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اور شاید اس سے کشف و معرفت کی بجائے دیوانگی اور گمراہی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر کسی محدث یا کٹر مذہبی شخص سے تم یہ بات سنو تو تمہارے دل میں خیال پیدا ہو گا کہ لوگ اس چیز کے دشمن ہوتے ہیں جس کا علم نہیں رکھتے۔ لہٰذا تم یہ بات اس شخص سے سنو (امام غزالی اپنی طرف اشارہ فرما رہے ہیں) جس نے علم کلام میں خوب مہارت حاصل کی متکلمین کے انتہائی درجہ تک پہنچا اور کلام سے متعلق دیگر علوم میں بھی خوب غور و فکر کیا لیکن پھر اسے چھوڑ دیا اور یہی معلوم ہوا کہ اس طریقے سے حقائق کی معرفت کا راستہ بند ہے۔

مجھے اپنی عمر کی قسم! بعض امور کی وضاحت اور معرفت علم کلام سے حاصل نہیں ہے لیکن یہ بات بہت نادر ہے اور یہ ایسے ظاہر امور میں ہے جو فن کلام میں غور کیے بغیر واضح ہو جاتے ہیں لہٰذا اس کا فائدہ صرف ایک ہے وہ یہ کہ ہم نے جس عقیدے کا ذکر کیا ہے عوام کے لیے اس کی حفاظت ہوتی ہے اور وہ اہل بدعت کے مختلف جھگڑوں سے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

کیونکہ عام آدمی کمزور ہوتا ہے تو بدعتی کا جدل (جھگڑا) اس پر غالب آ جاتا ہے اگرچہ اس کی بات فاسد ہوتی ہے اور فاسد کا فاسد سے مقابلہ اس کو دور کر دیتا ہے۔ اور لوگ اسی عقیدہ کو اپناتے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ شریعت میں یہی آیا ہے اور اسی میں ان کی دنیوی اور دینی بھلائی ہے۔

پہلے بزرگوں کا بھی اسی پر اجماع ہے اور علماء اہل بدعت کی چالبازیوں سے اسے عوام کے لیے محفوظ رکھنے

کے ذمہ دار ہیں جس طرح بادشاہ ان کے احوال کو ظالموں اور غاصبوں کی لوٹ کھسوٹ سے بچانے کے ذمہ دار اور پابند ہیں تو جب اس علم کے نقصان اور نفع کا علم حاصل ہو گیا تو چاہیئے کہ علماء ماہر طبیب کا طریقہ اختیار کریں کہ وہ پُرخطر دوائی کو اس کی ضرورت کے مقام پر استعمال کرتے ہیں اور یہ ضرورت کے وقت اور حاجت کے مطابق ہوتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عوام جو مختلف صنعتوں اور پیشوں میں مصروف ہیں ضروری ہے کہ ان کو ان کے اس صحیح عقیدے پر چھوڑا جائے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ انہیں علم کلام سکھانا ان کے حق میں محض نقصان کا باعث ہے اس لیے کہ بعض اوقات وہ شک میں پڑجاتے ہیں اور ان کا عقیدہ متزلزل ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے۔ جہاں تک ان عوام کا تعلق ہے جو بدعات پر مبنی عقیدے کے حامل ہیں تو انہیں نرمی کے ساتھ نرم گفتگو جو نفس کو جھکانے والی اور دل میں موثر ہو کے ذریعے دعوت دی جائے۔ کیونکہ متکلمین کی شرط کے مطابق جدل (جھگڑے) کی نسبت زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ عام آدمی جب اسے سنتا ہے تو وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ مناظرانہ انداز ہے جسے متکلم نے سیکھا ہے تاکہ وہ لوگوں کو آہستہ آہستہ اپنے عقیدے کی طرف لے جائے۔ اگر وہ جواب سے عاجز ہو گا تو فرض کرے گا کہ اس کے ہم مذہب مناظرین اس کا رد کر سکتے ہوں گے تو ایسے شخص اور پہلے شخص کے ساتھ مناظرہ بازی حرام ہے اسی طرح جو شخص شک میں پڑا ہوا ہو اس سے بھی مناظرہ کرنا حرام ہے۔ کیونکہ نرمی اور وعظ کے ذریعے اس کی بداعتقادی کا ازالہ ضروری ہے نیز ایسے دلائل استعمال کئے جائیں جو قریب کرنے والے اور مقبول ہوں اور کلام کی گہرائی سے دُور ہوں۔

مناظرہ بازی کی انتہا تک پہنچنا ایک جگہ نفع دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ فرض کر لیا جائے کہ ایک عام آدمی نے کسی مناظرہ کی سماعت کی بنیاد پر بدعت کا عقیدہ اختیار کیا ہے لہٰذا جب اس کے مقابلے میں اسی قسم کی مناظرانہ گفتگو لائی جائے تو صحیح عقیدہ کی طرف لوٹ آئے گا۔ اور یہ اس شخص کے حق میں ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ وعظ اور عام ڈرانے والے دلائل پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اسے مناظرہ سے اُنس ہے تو یہ ایسی حالت کو پہنچ گیا ہے کہ اسے مناظرانہ دوائی شفا دے سکتی ہے لہٰذا اس کے لیے یہ راستہ اختیار کرنا جائز ہے۔ جن شہروں میں بدعات کم ہیں اور وہاں مذہبی اختلاف نہیں ہیں وہاں صرف اسی اعتقاد پر اکتفاء کیا جائے جو ہم نے ذکر کیا ہے دلائل کو نہ چھیڑا جائے بلکہ شبہات کے واقع ہونے کا انتظار کیا جائے اگر وہ واقع ہو تو ضرورت کے مطابق کلام کا علم ذکر کرے اور اگر بدعات عام ہوں اور بچوں کے دھوکے میں پڑنے کا خطرہ ہو تو اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ انہیں اس قدر سکھایا جائے جو ہم نے اپنے رسالہ قدسیہ میں ذکر کئے ہیں تاکہ اہل بدعت کے مجادلوں کی تاثیر کو دور کرنے کا سبب ہو سکے اگر وہ مجادلات واقع ہوں یہ مختصر مقدار ہے اور ہم نے اس کے مختصر ہونے کی وجہ سے اسے اس کتاب میں ذکر کیا ہے۔

اور اگر اس مبتدی میں سمجھداری پائی جاتی ہو اور اپنی ذکاوت کی وجہ سے سوال کے مقام سے آگاہ ہو سکتا ہو یا اس کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوا تو وہ علت جس سے بچنا چاہیئے تھا، ظاہر ہو گئی اور اسی طرح بیماری بھی واضح ہو گئی لہٰذا اس مقدار سے آگے بڑھ کر اس کی طرف جانا جو ہم نے اپنی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں ذکر کی ہے، جائز ہے اور وہ تقریباً پچاس اوراق ہیں اس میں قواعدِ عقائد کے علاوہ متکلمین کے دیگر مباحث مذکور نہیں ہیں۔ اگر اسے یہ کفایت کرے تو ٹھیک ہے ورنہ بیماری پرانی ہو گئی اور غالب آگئی اور مرض بڑھ گیا لہٰذا معالج حتی الامکان نرمی سے کام لے اور اس کے بارے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی تنبیہ کے ذریعے اس کے سامنے حق واضح ہو جائے۔ یا جب تک اس کے لیے مقدر ہے وہ شکوک و شبہات کی وادی میں بھٹکتا پھرے کیونکہ اس کتاب (الاقتصاد فی الاعتقاد) اور اس جیسی دوسری کتابوں میں جس قدر مذکور ہے اس سے نفع کی امید کی جا سکتی ہے۔

جو علم کلام اس نفع سے خارج ہے اس کی دو قسمیں ہیں (ایک یہ کہ) اعتقادی قواعد کے علاوہ بحث کی جائے جیسے اعتمادات (اسباب و علل) موجودات اور اشیاء کے اثبات و نفی وغیرہ میں بحث کرنا نیز رویت کے بارے میں غور کرنا کہ کیا کوئی اس کی ضد ہے جسے رکاوٹ کا نام دیا جائے یا نابینا پن کا؟

اگر ایسا ہے تو کیا وہ ایک ہے جو ہر ایسی چیز سے رکاوٹ ہے جو دکھائی نہیں دیتی یا وہ چیزیں جن کا دیکھنا ممکن ہے ان کی تعداد کے مطابق الگ الگ رکاوٹ ہے اس قسم دوسری باطل باتیں (اس نفع سے خارج ہیں۔)

اور دوسری قسم یہ ہے کہ ان قواعد کے علاوہ امور میں ان دلائل کی زیادہ تقریر اور بہت زیادہ سوال و جواب کرنا ہے یہ بھی انتہا ہے جو اس شخص کو جو اس مقدار پر اکتفا نہیں کرتا زیادہ گمراہ کرتی اور جاہل بناتی ہے اور کئی کلام ایسے ہیں جن کو طول دینے اور لمبی تقریر کرنے سے انسان زیادہ ڈوبتا ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ادراکات اور اعتمادات کی حکمتوں میں بحث کرنے سے دل کے تیز ہونے کا فائدہ ہوتا ہے اور دل دین کا آلہ ہے جیسے تلوار جہاد کا آلہ ہوتی ہے لہٰذا اسے تیز کرنے میں کوئی حرج نہیں تو ایسے شخص کا قول اسی طرح ہے جیسے کوئی کہے کہ شطرنج کھیلنے سے دل میں تیزی آتی ہے اور وہ بھی دین سے ہے۔ یہ ہوس ہے کیونکہ دل علوم شرعیہ سے تیز ہوتا ہے اور ان علوم میں کوئی ڈر بھی نہیں ہوتا اور ان علوم میں کس قدر مذموم ہیں اور کس قدر قابل تعریف؛ یہ تم جان چکے ہو، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ کس حالت میں یہ قابلِ مذمت ہیں اور کونسی حالت میں قابلِ تعریف، کون آدمی اس سے نفع اٹھاتا ہے اور کسے نقصان پہنچتا ہے۔

اگر تم کہو کہ جب تم نے اہل بدعت کا جواب دینے کے لیے اس کی ضرورت کو تسلیم کر لیا ہے اور اب بدعات پھیل گئی ہیں اور ان میں عام لوگ مبتلا ہیں اور اس کی شدید ضرورت ہے لہٰذا اس علم کو قائم کرنا فرض کفایہ علوم میں سے

ہو جیسے اموال اور دوسرے حقوق کی حفاظت کا نظام قائم کرنے کے لیے عہدہ قضا اور تولیت وغیرہ ضروری ہیں اور جب تک علماء کرام اس (علم کلام) کو پھیلانے، اس کی تدریس اور اس میں بحث مباحثہ میں مشغول نہیں ہوں گے اسے دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اسے مکمل طور پر چھوڑ دیا جائے تو یہ مٹ جائے گا۔ اور اہلِ بدعت کے شبہات کو حل کرنے کے لیے محض فطری وطبعی صلاحیتیں کافی نہیں جب تک وہ (ان کا جواب) نہ سیکھے،

لہٰذا اس کی تدریس اور اس میں بحث بھی فرض کفایہ علوم سے ہو۔ صحابہ کرام کے زمانے کی بات اور ہے کیوں اس دور میں اس کی ضرورت نہ تھی تو جان لو حق بات یہ ہے کہ ہر شہر میں اس علم کو قائم کرنے والا کوئی نہ کوئی شخص ہونا چاہیئے جو مستقل طور پر اہل بدعت کے ان شبہات کا ازالہ کرے جو اس شہر میں پھیلے ہوں اور یہ تعلیم کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

لیکن یہ بات بھی مناسب نہیں کہ فقہ اور تفسیر کی طرح اس کی تدریس کو عام کر دیا جائے یہ دوا کی طرح ہے اور فقہ غذا کی طرح غذا کے نقصان سے بچنا ممکن نہیں جب کہ دوائی کے نقصان سے بچنا ضروری ہے جیسا کہ ہم نے اس کے نقصانات کا ذکر کیا ہے۔

پس وہ عالم جو اس علم کی تعلیم سے وہ تین خصلتوں سے موصوف ہو۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو علم کے لیے وقف کر دے اور اس کی حرص بھی رکھتا ہو کیوں کہ جو شخص کسی کام میں مصروف ہو گا اسے اس کی تکمیل اور شکوک جب پیش ہوں تو ان کے ازالے سے اس کا پیشہ مانع ہو گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ ذکی، ہوشیار اور فصیح ہو کیونکہ جو شخص کند ذہن ہو اس کی سمجھ غیر نافع ہے جو شک دیر سے سمجھتا ہے اس دلائل فائدہ مند نہیں، لہٰذا اس کے بارے میں ڈر ہوتا ہے کہ کلام اسے نقصان پہنچائے اور اس سے کسی نفع کی امید نہ ہو گی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس کی طبیعت، اصلاح، دیانت اور تقویٰ کی حامل ہو اور اس پر خواہشات غالب نہ ہوں کیونکہ فاسق آدمی معمولی سے شبہ کی وجہ سے بھی دین کو چھوڑ بیٹھتا ہے یہ بات اس سے رکاوٹ کو دور کر دے گی اور اس کے اور خواہشات کے درمیان جو پردہ ہے وہ اُٹھ جائے گا۔

تو یہ شبہ کو دور کرنے کی حرص نہیں کرے گا بلکہ اسے غنیمت سمجھے گا تاکہ وہ ذمہ داری کی مشقتوں سے چھوٹ جائے لہٰذا اس قسم کا آدمی طالب علم کی اصلاح کی بجائے اسے زیادہ خراب کر دے گا۔

جب تم نے ان تقسیموں کو جان لیا تو تیرے لیے یہ بات واضح ہو گئی کہ علم کلام میں یہ قابلِ تعریف دلیل قرآن پاک کے ان دلائل کی جنس سے ہے جو ایسے لطیف کلمات سے حاصل ہوتے ہیں جن سے دلوں میں تاثیر پیدا ہوتی ہے وہ نفوس کو جھکا دیتے ہیں وہ ایسی تعلیمات اور باریک باتیں نہ ہوں جن کو اکثر لوگ سمجھ نہ سکیں۔ اور اگر سمجھ لیں تو ان کا اعتقاد ہو کہ یہ اس کا شعبدہ اور فن ہے جسے اس نے دھوکہ دہی کے لیے سیکھا ہے تو جب وہ شخص اس کا

مقابلے میں آئے گا جو اس فن میں اس کا ہم پلہ ہے تو وہ اس کا مقابلہ کرے گا۔

اور تم یہ بات معلوم کر چکے ہو کہ حضرت امام شافعیؒ اور بہت سے اسلاف نے اس (علم کلام) میں غور و فکر کرنے اور اس کے لیے مختص ہونے سے منع فرمایا ہے کیوں کہ اس میں وہ نقصان ہے جس پر ہم نے متنبہ کیا ہے اور جو کچھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے خوارج سے مناظرہ کیا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے منکرِ تقدیر سے مناظرہ کیا اور اس کے علاوہ جو کچھ منقول ہے وہ ظاہر اور واضح کلام کے ساتھ اور ضرورت کے وقت تھا اور یہ ہر حال میں قابلِ تعریف ہے ہاں کبھی حاجت کی کثرت و قلت کے اعتبار سے زمانوں میں اختلاف ہوتا ہے تو اس اعتبار سے حکم کے مختلف ہونے میں کوئی بعید بات نہیں۔

یہ اس عقیدے کا حکم ہے جو مخلوق نے اپنایا ہے اور اس کی حفاظت کے طریقے کا بیان ہے جہاں تک شبہے کے ازالے، حقائق کے انکشاف اور اشیاء کی ماہیت کو پہچاننے کا تعلق ہے یا ان اسرار کو پانے کا مسئلہ ہے جو جن کی ترجمانی اس عقیدے کے ظاہری الفاظ کرتے ہیں تو یہ دروازہ کوئی مجاہدہ کرنے والا ہی کھول سکتا ہے جو شہوات کو ختم کرے گا، کلیتہً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور مجادلات کی خرابیوں سے پاک فکر کو ہمیشہ کے لیے اختیار کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جسے وہ اس شخص کو عطا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہمت کے مطابق اس کی خوشبوؤں کے درپے ہوتا ہے اور اسے اسی قدر ملتا ہے جس قدر اس کا محل (دل) قبول کرتا ہے اور جس قدر قلبی طہارت حاصل ہوتی ہے یہ وہ سمندر ہے جس کی گہرائی کو پایا نہیں جا سکتا اور اس کے کنارے تک پہنچ نہیں سکتا۔

سوال:۔

یہ کلام اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان علوم کی کچھ باتیں ظاہر ہیں اور کچھ پوشیدہ، بعض واضح ہیں جو ابتداءً ہی ظاہر ہو جاتی ہیں اور بعض مخفی ہیں یہاں تک کہ وہ مجاہدے، ریاضت اور طلبِ کامل پاکیزہ فکر اور ایسے باطن کے ذریعے واضح ہوتی ہیں جو مطلوب کے سوا دنیا کے تمام مشاغل سے خالی ہو۔ اور یہ مخالفت شریعت کے قریب ہے کیونکہ شریعت میں ظاہر و باطن، پوشیدہ و علانیہ کی تمیز نہیں بلکہ اس میں ظاہر و باطن اور پوشیدہ و علانیہ ایک ہی ہیں۔

جواب:۔

جان لو کہ کوئی بھی صاحب بصیرت اس بات کا انکار نہیں کرتا کہ یہ علوم خفی و جلی باتوں میں تقسیم ہوتے ہیں اس سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جن کی سمجھ میں کوتاہی ہے انہوں نے بچپن میں ایک بات کو حاصل کیا پھر وہ اس پر پکے ہو گئے لہٰذا وہ بلندیوں کی انتہا کی طرف ترقی نہیں کرتے اور نہ ہی وہ علماء کرام اور اولیاء عظام کے مقام کی طرف جاتے ہیں، اور یہ بات دلائل شرعیہ سے واضح ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا وَحَدًّا وَمَطْلَعًا۔ (۱)

بے شک قرآن پاک کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، اس کی حد بھی ہے اور جائے آغاز بھی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے سینہ مبارکہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

”بے شک اس مقام پر بہت زیادہ علوم ہیں کاش ان کو حاصل کرنے والا مل جاتا“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ أُمِرْنَا أَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ (۲)

ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق کلام کریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَا حَدَّثَ أَحَدٌ قَوْمًا بِحَدِيْثٍ لَمْ تَبْلُغْهُ عُقُوْلُهُمْ إِلَّا كَانَ فِتْنَةً عَلَيْهِمْ۔ (۳)

جو شخص کسی قوم کے سامنے ایسی بات بیان کرتا ہے جس تک ان کی عقل نہیں پہنچتی تو وہ ان لوگوں کے لیے فتنے کا باعث ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُوْنَ (۴)

اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں صرف علماء سمجھ سکتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ لَهَيْئَةِ الْمَكْنُوْنِ لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا الْعَالِمُوْنَ بِاللّٰهِ تَعَالٰى۔ (۵)

بے شک علم پوشیدہ خزانوں کی طرح ہیں انہیں وہی لوگ جانتے ہیں جو ذات خداوندی کا علم رکھتے ہیں۔

ہم نے یہ حدیث (مکمل) علم کے بیان میں ذکر کی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

---

(۱) الاحسان بترتیب صحیح للبان جلد اوّل ص ۲۴۳

(۲)

(۳)

(۴) قرآن مجید سورۂ عنکبوت آیت ۴۳

(۵)

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَّ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا ۔ (۱)

جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تمہیں اس کا علم ہو جائے تو تم تھوڑا ہنسو اور زیادہ روؤ۔

اگر یہ ایسا راز نہ ہوتا جسے ظاہر کرنے سے اس لئے منع کیا گیا کہ ان کی سمجھ اس کے ادراک سے قاصر تھی یا کسی اور وجہ سے (ظاہر نہیں فرمایا) تو آپ اسے ان کے سامنے کیوں بیان نہ فرماتے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر حضور علیہ السلام اسے ان کے سامنے بیان فرماتے تو وہ آپ کی تصدیق کرتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے سلسلے میں فرمایا اگر میں اس کی تفسیر ذکر کرتا تو تم مجھے سنگسار کر دیتے آیت کریمہ یہ ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ (۲)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سات آسمانوں اور ان کی مثل زمینوں کو پیدا فرمایا حکم ان کے درمیان اترتا ہے۔

ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا (اگر میں اس کی تفسیر ذکر کرتا تو) تم مجھے کافر کہتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (علم کے) دو برتن یاد کئے ایک تو میں نے ظاہر و نشر کر دیا لیکن دوسرا وہ ہے کہ اگر میں اسے ظاہر کروں تو یہ گردن کٹ جائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا فَضَلَکُمْ اَبُوْ بَکْرٍ بِکَثْرَۃِ صِیَامٍ وَّلَا صَلٰوۃٍ وَّلٰکِنْ بِسِرٍّ وَّقَرَ بِصَدْرِہٖ۔ (۳)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تم پر زیادہ روزوں اور نمازوں کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں بلکہ وہ اس راز کی وجہ سے افضل ہیں جو ان کے سینے میں جاگزیں ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ راز قواعد دین سے متعلق تھا اس سے خارج نہیں تھا اور جو چیز قواعد دین سے ہو وہ اپنے ظاہر کے اعتبار سے دوسرے صحابہ کرام پر مخفی نہ تھا۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ نے فرمایا۔

"عالم کے لیے تین قسم کے علم ہیں (۱) علم ظاہر جسے وہ اہل ظاہر تک پہنچاتا ہے (۲) علم باطن جو صرف اہل باطن تک پہنچایا جا سکتا ہے (۳) وہ علم جو اللہ تعالیٰ اور اس عالم کے درمیان ہوتا ہے وہ اسے کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۱ ص ۱۲۷۔

(۲) قرآن مجید سورۂ طلاق آیت ۱۲

(۳)

بعض عارفین نے فرمایا "ربوبیت کے راز کو ظاہر کرنا کفر ہے"
ان میں سے بعض نے فرمایا "ربوبیت کا ایک راز ہے اگر اسے ظاہر کیا جائے تو نبوت باطل ہو جائے اور نبوت کے لیے ایک راز ہے اگر اسے ظاہر کیا جائے تو علم باطل ہو جائے۔ اور علمائے ربانیین کے لیے راز ہے اگر وہ اسے ظاہر کریں تو احکام باطل ہو جائیں اگر اس قائل نے ضعیف لوگوں کے حق میں بطلان نبوت کا قول نہیں کیا تو جو کچھ اس نے ذکر کیا وہ صحیح نہیں کیونکہ ضعیف لوگوں کی سمجھ ناقص ہوتی ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس میں کوئی تناقض (تضاد) نہیں کیونکہ کامل وہ شخص ہے جس کی معرفت کا نور، اس کی پرہیزگاری کے نور بجھا نہیں سکتا۔ اور پرہیزگاری کا قیام نبوت (سے) ہے۔

سوال :-

ان آیات وروایات کی تاویلات کی جاتی ہیں پس آپ ہمارے لیے بیان کریں کہ ظاہر و باطن کے اختلاف کی کیفیت کیا ہے، کیونکہ اگر باطن ظاہر کے خلاف ہو تو اس میں شریعت کو باطل کرنا ہے اور کسی شخص کے اس قول کا یہی مطلب ہے اس نے کہا حقیقت، شریعت کے خلاف ہے یہ قول کفر ہے۔ کیونکہ شریعت ظاہر سے عبارت ہے اور حقیقت سے مراد باطن ہے، اور اگر وہ ظاہر کے خلاف نہ ہو تو ٹھیک ہے، تو اس سے تقسیم ختم ہو جائے گی اور شریعت کا کوئی ایسا راز نہ ہوگا جسے ظاہر نہ کیا جا سکے۔ بلکہ پوشیدہ اور ظاہر ایک ہی ہوگا۔

جواب :-

جان لو کہ یہ سوال ایک بڑے امر کو حرکت دیتا ہے اور علوم مکاشفہ کی طرف لے جاتا ہے اور علم معاملہ کے مقصود سے نکالتا ہے۔ حالانکہ اس کتاب کی غرض وہی (علم المعاملہ) ہے۔
جن عقائد کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ اعمال قلوب سے ہیں اور ہم دل کی گہرائیوں سے انہیں قبول کرنے اور ان کی تصدیق پر مامور ہیں یہ مقصد نہیں کہ ان کے ذریعے ان کے حقائق کو ظاہر کریں مخلوق میں کسی کو اس بات کا مکلف نہیں بنایا گیا۔ اگر یہ اعمال نہ ہوتے تو ہم انہیں اس کتاب میں نہ لاتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ یہ ظاہر دل کا عمل ہیں باطن کا نہیں تو ہم انہیں کتاب کے پہلے حصے میں نہ لاتے، کشف حقیقی تو دل اور اس کے باطنی راز کی صفت ہے۔
لیکن جب بحث سے یہ خیال پیدا ہوتا ہو کہ ظاہر، باطن کے خلاف تو اس کو حل کرنے کے لیے ایک مختصر کلام کی ضرورت ہے تو کسی نے کہا کہ حقیقت شریعت کے یا باطن، ظاہر کے خلاف ہے تو یہ شخص ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ہے، بلکہ وہ اسرار جو مقربین لوگوں کے لیے خاص ہیں وہ ان کو پا لیتے ہیں اور اکثر لوگ ان کے علم میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے اور یہ حضرات ان کے سامنے ان کو ظاہر کرنے سے باز رہتے ہیں۔ ان اسرار کی پانچ قسمیں ہیں۔

پہلی قسم : کوئی چیز ذاتی طور پر بہت دقیق ہو اور اکثر لوگوں کی سمجھ اس کو سمجھنے سے قاصر ہو اس کو صرف خواص

لوگ پا سکتے ہیں اور ان پر لازم ہے کہ وہ غیر اہل کے سامنے ظاہر نہ کریں چونکہ ان کی سمجھ اس کو سمجھنے سے قاصر ہے لہٰذا یہ بات ان کے لیے کسی فتنہ کی باعث ہو گی۔ نیز ان پر لازم ہے کہ روح کے راز کو بھی چھپا کر رکھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیان سے احتراز فرمایا (۱)

اسی سے ہے۔ کیونکہ اس کی حقیقت سے لوگوں کی سمجھ قاصر ہے نیز اس کی حقیقت تک وہم کی رسائی میں بھی کمزوری ہے۔

تمہارا یہ خیال نہیں ہونا چاہیے کہ یہ راز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ظاہر نہیں ہوا کیونکہ جو شخص رُوح کو نہیں جانتا وہ اپنے نفس کو بھی نہیں جانتا اور جو آدمی اپنے نفس کی پہچان نہیں رکھتا وہ اپنے رب سبحانہ تعالیٰ کو کس طرح پہچانے گا۔ اور یہ بات بعید نہیں کہ یہ راز بعض اولیاء اور علماء کے سامنے واضح ہو جائے اگرچہ وہ نبی نہیں ہیں لیکن وہ آداب شریعت سے مزیّن ہیں اور جس بات سے شریعت میں خاموشی ہے یہ اس سے خاموش رہتے ہیں۔

بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں جو پوشیدہ باتیں ہیں جن کے ادراک سے اکثر لوگ قاصر ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وہی باتیں ذکر کی ہیں جو ظاہر ہیں سمجھ میں آتی ہیں جیسے علم اور قدرت وغیرہ یہاں تک کہ مخلوق نے ایک مناسب طریقے پر اسے سمجھا یعنی اپنے علم و قدرت کے ساتھ اسے مشابہ سمجھتے ہوئے معلوم کیا کیوں کہ انہیں بھی کچھ اوصاف حاصل ہیں جن میں سے بعض کا نام علم اور قدرت ہے تو وہ ان صفات میں ایک قسم کی مشابہت خیال کرتے ہیں۔

اور اگر ایسی صفات ذکر فرماتے جن کے مشابہ مخلوق کے پاس کوئی صفات نہیں تو وہ انہیں نہ سمجھ سکتے بلکہ اگر کسی بچے یا عنیّن (نامرد) کے سامنے جماع کی لذت کا ذکر کیا جائے تو وہ اسے کسی کھائی جانے والی چیز کی لذت کے مشابہ خیال کرے اس کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و علم اور مخلوق کے علم اور قدرت کے درمیان فرق جماع اور کھانے کی لذت کے درمیان پائے جانے والے فرق سے زیادہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان صرف اپنی ذات یا ذاتی صفات جو اس وقت حاضر ہیں یا جو اس سے پہلے تھیں، کا ادراک کر سکتا ہے پھر اس پر قیاس کر کے دوسری چیز کو سمجھتا ہے۔

پھر وہ کبھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ شرف و کمال کے اعتبار سے اس کی صفات اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں فرق ہے تو انسان کے بس میں صرف یہی بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ بات ثابت کرے جو اس کی ذات کے لیے ثابت ہے مثلاً فعل، علم اور قدرت وغیرہ صفات، پھر وہ اس بات کی تصدیق کرے کہ وہ زیادہ کامل اور اشرف ہے تو اس کی زیادہ سے زیادہ رسائی اپنی ذات تک ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو صفات خاص نہیں ان تک نہیں

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۸۴ کتاب الاعتصام

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ (۱)

(اے اللہ) میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں جو کچھ معلوم کرتا ہوں اسے بیان نہیں کر سکتا بلکہ یہ اس کی حقیقت کے ادراک سے عاجز ہونے کا اعتراف ہے۔ اسی لیے بعض (عارفین) نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو صرف وہی (اللہ ہی) جانتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس ذات کے لیے تعریف ہے جس نے مخلوق کے لیے اپنی معرفت کی طرف راستہ نہیں بنایا البتہ اسے اپنی معرفت سے عجز کا راستہ دکھایا ہے۔" ہم اس طریقے پر کلام کی لگام کو پکڑتے ہیں اور اصل غرض کی طرف لوٹتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ پوشیدہ امور میں سے ایک قسم وہ ہے جس کے ادراک سے (انسانوں کی) سمجھ عاجز ہے اور انہی میں سے روح بھی ہے اور کچھ صفات خداوندی بھی ہیں اور شاید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

آپ نے فرمایا۔

اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ حِجَابًا مِنْ نُوْرٍ لَوْ كَشَفَهَا لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ كُلَّ مَنْ اَدْرَكَهٗ بَصَرُهٗ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ کے ستر پردے نور کے ہیں اگر وہ ان کو کھول دے تو اس کی ذات کے انوار ہر اس چیز کو جلا دیں جو اس کے سامنے آئے۔

دوسری قسم:۔

یہ وہ مخفی امور ہیں جن کے ذکر سے انبیاء کرام اور صدیقین کو روکا گیا ہے یہ ذاتی طور پر سمجھ میں آنے والے امور ہیں اور سمجھ ان سے قاصر نہیں ہے لیکن ان کا ذکر اکثر سننے والوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

البتہ انبیاء کرام اور صدیقین کو نقصان نہیں دیتا تقدیر کا راز جسے ظاہر کرنے سے اہل علم کو منع کیا گیا وہ اسی قسم سے ہے تو یہ بات (سمجھ سے) بعید نہیں کہ بعض حقائق کا ذکر بعض مخلوق کو نقصان دیتا ہے جیسے سورج کی روشنی چمگادڑوں کی آنکھوں کو نقصان پہنچاتی ہے اور گلاب کی خوشبو گبریلے (کالا کیڑا جو گوبر میں ہوتا ہے) کو نقصان دیتی ہے۔

اور یہ بات کیسے سمجھ سے باہر ہو سکتی ہے جب کہ ہم کہتے ہیں کہ کفر، زنا، گناہ اور تمام برائیاں اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر، ارادے اور مشیت کے ساتھ ہیں اور ذاتی طور پر یہ بات حق ہے لیکن اس کا سننا بعض لوگوں کے لیے نقصان دہ ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۵۸

(۲) الدر المنثور جلد اول ص ۹۳۔

کیوں کہ ان کو وہم ہوگا کہ یہ بات بے عقلی پر دلالت کرتی ہے اور حکمت کے خلاف ہے بلکہ قبیح بات اور ظلم پر رضامندی ہے ابن روانَدی اور اس قسم کے دوسرے ذلیل لوگ اسی قسم کی باتوں سے بے دین ہو گئے اسی طرح تقدیر کا راز ہے کیونکہ اگر اسے ظاہر کر دیا جائے تو اکثر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عجز کا وہم ہوگا کیوں کہ وہ اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں جس سے یہ وہم زائل ہو جائے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ اگر قیامت کے وقت کا ذکر کیا جائے کہ وہ ایک ہزار سال بعد یا اس سے کچھ عرصہ بعد یا اس سے پہلے قائم ہوگی تو یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے لیکن بندوں کی بھلائی کے پیش نظر اور نقصان کے خوف سے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ہو سکتا ہے اس تک وقت زیادہ ہو تو وہ دیر سے واقع ہوگی اور جب لوگ عذاب کے وقت میں تاخیر سمجھیں گے تو وہ لاپرواہی برتیں گے اور شاید اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ قریب ہو اور اس کا ذکر کیا جائے تو خوف زیادہ ہو جائے گا اور لوگ اعمال سے منہ پھیر لیں گے اور یوں دنیا کا نظام خراب ہو جائے گا پس اگر یہ معنیٰ صحیح ہو اور یہ وجہ بن جائے تو یہ تیسری قسم کی مثال ہوگی۔

تیسری قسم:-

کوئی چیز اس طریقے پر ہو کہ اگر اس کو صراحتاً ذکر کیا جائے تو وہ سمجھ میں آجائے اور اس (بیان) میں نقصان بھی نہیں ہوتا لیکن اسے کنایتاً اور اشارۃً بیان کیا جاتا ہے تاکہ وہ دھیان سے سننے والے کے دل میں واقع ہو جائے اور اس کی مصلحت یہی ہے کہ وہ اس کے دل میں زیادہ اثر انداز ہو جیسے اگر کوئی شخص کہے "میں نے فلاں کو دیکھا کہ وہ خنزیروں کی گردنوں میں موتیوں کا ہار ڈال رہا تھا" تو اس نے کنایتاً اس بات کو بیان کیا کہ فلاں نے علم و حکمت کو ایسے لوگوں تک پہنچایا جو اس کے اہل نہ تھے۔

سننے والے کی سمجھ بعض اوقات اس کے ظاہر الفاظ تک پہنچتی ہے لیکن محقق جب غور کرتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ اس شخص کے پاس موتی نہیں اور نہ وہاں خنزیر ہیں تو وہ اندرونی بات اور راز کو سمجھ جاتا ہے تو اس سلسلے میں لوگوں میں فرق ہے۔ (کسی شاعر نے کہا) "دو آدمی ہیں ایک درزی ہے اور دوسرا جولاہا ہے یہ دونوں آسمان بالا پر ایک دوسرے کے مقابلے میں ہیں ان میں سے ایک بدبخت کا لباس بنتا ہے اور دوسرا نیکوکار کے کپڑے سیتا ہے"۔

اس شاعر نے خوش بختی و بدبختی کے آسمانی سبب کو دو کاریگروں سے تعبیر کیا ہے اس قسم کا مطلب یہ ہے کہ مفہوم کو اس صورت میں بیان کیا جائے جس میں عین معنیٰ یا اس کی شکل پائی جائے۔ اسی قسم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے آپ نے فرمایا:-

اِنَّ الْمَسْجِدَ لَيَنْزَوِیْ مِنَ النُّخَامَۃِ — بے شک مسجد رینٹھ سے ایسے سکڑتی ہے جیسے چمڑا

كَمَا تَنْزَوِي الْجِلْدَةُ عَلَى النَّارِ ۔ (۱) آگ پر سکڑ جاتا ہے۔

حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ مسجد کی جگہ ریٹھ سے نہیں سکڑتی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کی روح معظم ہے اور اس میں ریٹھ پھینکنا اس کی توہین ہے اور یہ اس کی مسجدیت کے خلاف ہے جس طرح آگ چمڑے کے اجزا کے خلاف ہے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

أَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ ۔ کیا وہ شخص جو (سجدے یا رکوع سے) اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر کی طرح کر دے۔ أَنْ يُحَوِّلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ ۔ (۲)

اور یہ بات صورتاً نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ ہو گی لیکن معنوی اعتبار سے ہوتی ہے یعنی شکل و صورت کے اعتبار سے اس کا سر حقیقتاً گدھے کے سر جیسا نہیں ہو گا بلکہ خاصیت کے اعتبار سے ہو گا اور وہ بد دماغ اور بیوقوف ہوتا ہے تو جو شخص نے امام سے پہلے اپنا سر اٹھایا تو کند ذہن اور بیوقوف ہونے کے اعتبار سے اس کا سر گدھے کے سر جیسا ہو گا اور یہی مقصود ہے وہ شکل جو معنوں کا سانچہ (قالب) ہوتی ہے مراد نہیں ہے، کیونکہ یہ انتہائی درجہ کی بیوقوفی ہے کہ اقتدا بھی کرے اور امام سے آگے بھی بڑھے یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی نقیض اور ضد ہیں۔

یہ بات کہ یہ راز ظاہر کے خلاف ہے یا تو دلیل عقلی سے معلوم ہوتی ہے یا دلیل شرعی سے، عقلی دلیل کی صورت یہ ہے کہ اسے ظاہر پر محمول کرنا ممکن نہیں ہوتا جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ (۳) مومن کا دل، اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

کیوں کہ اگر ہم مومن کے دل کا جائزہ لیں تو اس میں انگلیاں نہیں پائیں گے، تو معلوم ہوا کہ یہ قدرت سے کنایہ ہے جو انگلیوں کا راز اور ان کی مخفی روح ہے اور قدرت کو انگلیوں کے ساتھ بطور کنایہ بیان فرمایا کیوں کہ اس طرح اس کی کمل قدرت سمجھ میں زیادہ آتی ہے اسی طرح ایک دوسری مثال میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو کنایتاً بیان کیا گیا ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے کہتے ہیں ہو

---

(۱) احکام القرآن للقرطبی جلد ۲ ص ۲۶۲ تحت آیت "واذ یرفع ابراہیم القواعد من البیت"۔
(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۹۶ باب من رفع راسہ قبل الامام۔
(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۷۳۔

نَقُولَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (۱) جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

تو ظاہراً یہ بات ناممکن ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "کُنْ" اگر کسی چیز کے وجود سے پہلے اسے خطاب ہے تو یہ محال ہے کیوں کہ معدوم چیز جب تک وجود میں نہ آئے خطاب کو سمجھ نہیں سکتی اور اگر وجود میں آنے کے بعد خطاب ہے تو وہ اب وجود میں آنے سے مستغنی ہے لیکن جب یہ کنایہ انتہائی قدرت کو سمجھانے میں زیادہ مؤثر تھا تو اس کی طرف رجوع کیا۔

شرعی دلیل کے ساتھ اس کا ادراک یوں ہے کہ اسے ظاہر پر محمول کرنا ممکن ہو، لیکن روایت میں ہے کہ اس سے غیر ظاہر مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں وارد ہوا۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَۃٌ بِقَدَرِھَا۔ (۲) اس نے آسمان سے پانی اتارا تو اس کے مطابق وادیاں جاری ہو گئیں۔

یہاں پانی سے مراد قرآن پاک ہے اور وادیوں سے دل مراد ہیں جن میں سے بعض زیادہ چیز کو اٹھا لیتے ہیں بعض کم چیز کو اور بعض کچھ بھی نہیں اٹھاتے، جھاگ، کفر اور منافقت کی مثال ہے اگرچہ وہ ظاہر ہوتی اور پانی کے اوپر تیرتی ہے لیکن وہ باقی نہیں رہتی، ہدایت وہ چیز ہے جو باقی بھی رہتی ہے اور نفع بھی دیتی ہے۔ اس (تیسری) قسم میں ایک جماعت نے تاویل کر کے جو کچھ آخرت میں میزان اور پُل صراط وغیرہ واقع ہوں گے، مراد لیے لیکن یہ تاویل بدعت ہے کیونکہ یہ روایت کے طریقے پر منقول نہیں ہے اور اسے ظاہر پر محمول کرنا محال بھی نہیں ہے لہٰذا اسے ظاہر پر محمول کیا جائے گا۔

چوتھی قسم:-

انسان کسی چیز کو یکبارگی سمجھے پھر تحقیق اور ذوق کے ساتھ اس کی تفصیل کا ادراک کرے یعنی وہ چیز اس کا حال بن جائے اور اسے لازم ہو جائے تو دونوں علموں میں فرق ہو جائے گا۔ پہلا چھلکے کی طرح اور دوسرا مغز کی طرح ہوگا، پہلا ظاہر اور دوسرا باطن کی مثل ہوگا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اندھیرے میں یا دور سے کسی شخص کو دیکھتا ہے تو اسے ایک قسم کا علم حاصل ہو جاتا ہے پھر جب اسے قریب سے دیکھتا ہے یا اندھیرا چھٹ جانے کے بعد دیکھتا ہے تو ان دونوں میں فرق محسوس کرتا ہے حالانکہ دوسرا (علم) پہلے کی ضد نہیں بلکہ اسی کی تکمیل ہے۔ اسی طرح علم، ایمان اور تصدیق ہے کیونکہ بعض اوقات انسان، عشق، مرض اور موت کے وجود کی تصدیق ان کے وقوع سے پہلے کرتا ہے لیکن ان کے وقوع کے بعد جو کچھ ثابت ہوتا ہے وقوع سے پہلے کی نسبت زیادہ مکمل ہوتا ہے بلکہ انسان کے لیے شہوت، عشق اور تمام حالات

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۴۰

(۲) قرآن مجید، سورۂ رعد آیت ۱۷

یہ تین حالتیں ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ہر ایک کا ادراک بھی مختلف ہے

(۱) اس کے واقع ہونے سے پہلے اس کی تصدیق کرنا۔

(۲) وقوع کے وقت تصدیق کرنا۔

(۳) اس کے ختم ہونے کے بعد تصدیق کرنا۔

مثلاً اگر تم بھوک کے جانے کے بعد ادراک کرو تو یہ ادراک و تحقق اس کے خلاف ہوگا جو بھوک کے زوال سے پہلے ہوا۔ اسی طرح علوم دین میں سے بعض کا ذوق ہو جاتا ہے تو یہ اس سے پہلے والے کی طرف نسبت کرتے ہوئے باطن کی طرح ہوتا ہے، بیمار کے لیے صحت کے علم اور تندرست کو صحت کے علم میں فرق ہے تو ان چار اقسام میں مخلوق میں فرق ہے لیکن ان میں کوئی ایسی باطنی بات نہیں جو ظاہر کے خلاف ہو بلکہ وہ اسے پورا اور مکمل کرتی ہے جیسے مغز، پوست کو مکمل کرتا ہے۔

پانچویں قسم :-

حال کی زبان کو مقال کی زبان سے تعبیر کیا جائے تو کم فہم آدمی ظاہر پر آگاہ ہوتا ہے اور اسے بولنا خیال کرتا ہے جب کہ حقائق کی بصیرت رکھنے والا اس میں پائے جانے والے راز کو پا لیتا ہے یہ کسی شخص کے اس قول کی طرح ہے کہ دیوار نے کیل سے کہا تو مجھے کیوں پھاڑتی ہے؟ اس نے کہا جو مجھے ٹھونکتا ہے اس سے پوچھو اس نے مجھے نہیں چھوڑا اور اس پتھر کو دیکھو جو میرے پیچھے ہے تو یہ زبان حال کو زبان قال سے تعبیر کرنا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ	پھر اس نے آسمان کا قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا اس
فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا	سے اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی اور ناخوشی سے
وَكَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ۔ (۱)	آؤ تو ان دونوں نے عرض کیا ہم اطاعت گزار ہو کر آئے۔

تو جس آدمی کی سمجھ کام نہیں کرتی وہ اس بات کا حاجت مند ہوگا کہ ان دونوں کے لیے یوں تصور کیا جائے کہ ان کے لیے زندگی اور عقل ہے نیز خطاب کو سمجھتا ہے اور ایسا خطاب فرض کیا جائے جس میں آواز اور حرف ہوں آسمان اور زمین اسے سن کر حرف اور آواز کے ساتھ کہیں کہ ہم اطاعت گزار ہو کر حاضر ہوئے۔

جب صاحبِ بصیرت جانتا ہے کہ یہ زبانِ حال ہے اور یہ اس بات کی خبر ہے کہ وہ دونوں لازماً مسخر ہیں اور تسخیر کے لیے مجبور ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ فصلت آیت ۱۱

اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (۱) ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

تو کند ذہن آدمی اس بات کا محتاج ہوگا کہ وہ جمادات کے لیے زندگی عقل، آواز اور حرف کے ساتھ بولنا فرض کرے یہاں تک کہ وہ چیز "سبحٰن اللہ" کہے تاکہ اس کی تسبیح متحقق ہو، لیکن سمجھدار آدمی جانتا ہے کہ اس سے زبان کے ساتھ بولنا مراد نہیں بلکہ وہ اپنے وجود کے ساتھ ہی تسبیح کرتے ہیں ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرتے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں جیسے کہا گیا۔ "ہر چیز میں اس (اللہ تعالیٰ) کے لیے نشانی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک ہے"

اور جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ مضبوط صنعت اپنے صانع کے حسنِ تدبیر اور کمال علم کی گواہی دیتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ زبان سے گواہی دیتی ہے بلکہ اس کا وجود اور حالت ہی اس پر گواہ ہے۔ اور اسی طرح ہر چیز ذاتی طور پر اپنے موجد کی محتاج ہے جو اسے ایجاد کرتا، باقی رکھتا، اس کے اوصاف کو ہمیشہ قائم رکھتا اور مختلف حالتوں میں اسے بدلتا رہتا ہے۔ تو وہ اپنی حاجت کے تحت اپنے خالق کی تقدیس پر گواہ ہیں ارباب بصیرت کو ان کی گواہی کا ادراک ہوتا ہے ان لوگوں کو نہیں جو صرف ظاہر پر قناعت کئے بیٹھے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (۲) لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے۔

اور جو لوگ سمجھ کے اعتبار سے قاصر ہیں وہ بالکل سمجھ نہیں سکتے لیکن مقربین اور مضبوط علم والے لوگ اس کی گہرائی اور کمال کو نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیس اور تسبیح پر ہر چیز کے لیے مختلف شہادتیں ہیں اور ہر ایک اپنی عقل اور بصیرت کے مطابق ان کا ادراک کرتا ہے۔

اور ان شہادتوں کی تعداد علم معاملہ کے لائق نہیں یہ فن بھی ان فنون میں سے ہے جس کے علم میں ظاہر نہیں اور اصحاب بصیرت میں فرق ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باطن، ظاہر سے جدا چیز ہے۔

اس مقام پر ارباب مقامات کے لیے حد سے بڑھا ہوا راستہ بھی ہے اور درمیانہ بھی، بعض حد سے اس قدر بڑھ گئے کہ انہوں نے تمام ظاہر الفاظ اور دلائل یا اکثر کو بدل ڈالا حتیٰ کہ انہوں نے مندرجہ ذیل ارشادات خداوندی منکر نکیر کے سوالات و جوابات میزان، پل صراط، حساب اور جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان مناظروں کو بدل کر

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بنی اسرائیل آیت ۴۴

(۲) قرآن مجید، سورۂ بنی اسرائیل آیت ۴۴

یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ زبان حال سے ہوگا۔ (جن آیات کو ظاہر سے پھیرا وہ یہ ہیں۔)

وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ۔ (۱)
اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ۔ (۲)
وہ اپنے چمڑوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی وہ کہیں گے ہمیں اس اللہ نے گفتگو کا حکم دیا جو ہر چیز سے گفتگو کرواتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ۔ (۳)
(جہنمی، جنتیوں سے کہیں گے) ہمیں پانی عطا کرو یا اس رزق میں کچھ دو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا۔

اور دوسروں نے اس بات کو بالکل بند کرنے کے لیے غلو سے کام لیا ان میں سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی ہیں حتیٰ کہ انہوں نے "کُنْ فَیَکُوْنُ" کی تاویل سے بھی روک دیا ان کا خیال ہے کہ یہ حرف اور آواز کے ساتھ خطاب ہے جو اشیاء کی تعداد کے مطابق ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے۔

حتیٰ کہ ان کے بعض شاگردوں سے سنا کہ انہوں نے تین الفاظ کے علاوہ، تاویل کا دروازہ بالکل بند کر دیا ہے۔

ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ يَمِيْنُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ (۴)
حجر اسود اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کا دایاں ہاتھ ہے۔

نیز آپ کا ارشاد گرامی ہے :۔

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ۔ (۵)
مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۶۵
(۲) قرآن مجید سورۂ فصلت آیت ۲۱
(۳) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۵۰
(۴) کنز العمال جلد ۱۲ ص ۲۱۷
(۵) کنز العمال جلد ۱۲ ص ۲۱۷

اور آپ ہی کا ارشاد ہے :۔

اِنِّی لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ الْیَمَنِ۔ (۱) — میں رحمٰن کی خوشبو دائیں طرف پاتا ہوں۔

ارباب ظاہر بھی تاویل کے بند کرنے کی طرف مائل ہوئے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں یہی خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ جانتے تھے کہ "استوا" سے مراد قرار پکڑنا نہیں ہے، اور نزول سے جسمانی طور پر اترنا مراد نہیں لیکن انہوں نے اس دروازے کو بند کرنے کے لئے تاویل سے منع فرمایا نیز انہوں نے مخلوق کی اصلاح کا لحاظ کیا کیونکہ جب دروازہ کھل جائے گا تو شگاف زیادہ ہو جائے گا اور معاملہ کنٹرول سے باہر ہو جائے گا، درمیانی حد سے بڑھ جائے گا کیونکہ جو چیز اعتدال سے بڑھ جائے اسے کنٹرول نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس قسم کی تنبیہ میں کوئی حرج نہیں۔

اس بات میں اسلاف کی سیرت گواہ ہے وہ کہتے تھے امور کو اسی طرح رہنے دو جس طرح آئے ہیں حتیٰ کہ جب امام مالک رحمہ اللہ سے استواء کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا استواء معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت مجہول ہے اس پر ایمان لانا واجب اور اس کے بارے میں پوچھنا بدعت ہے۔

ایک گروہ راہ اعتدال کی طرف گیا ہے انہوں نے ہر اس چیز کی تاویل کا دروازہ کھولا جو صفات خداوندی سے متعلق ہے۔

اور جو کچھ آخرت سے متعلق ہے اسے چھوڑ دیا اور اس کی تاویل سے روکا یہ اشعری ہیں (۲)

معتزلہ نے اس پر اضافہ کیا حتیٰ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے رؤیت (دیکھنا) کی تاویل کی۔ اس کے سمیع و بصیر ہونے نیز معراج کی تاویل کی۔ اور انہوں نے گمان کیا کہ معراج شریف جسم کے ساتھ نہیں تھا، انہوں نے عذابِ قبر، میزان، پل صراط اور آخرت کے تمام احکام کی تاویل کی لیکن انہوں نے جسموں کے (دوبارہ) اٹھنے، جنت، اس کے کھانوں، خوشبوؤں، نکاح اور تمام محسوس لذتوں کا اقرار کیا اسی طرح جہنم کا اقرار کیا اور یہ کہ وہ محسوس جسم پر مشتمل ہے اور ایسی آگ ہے جو چمڑوں کو جلا دے گی اور چربیوں کو پگھلا دے گی۔

فلاسفہ ان سے بھی بڑھ گئے انہوں نے آخرت میں وارد ہونے والی ہر بات کی تاویل کی اور اسے عقلی و روحانی تکالیف نیز عقلی لذتیں قرار دیا۔ انہوں نے جسموں کے اٹھنے کا انکار کیا جب کہ نفسوں کے باقی رہنے کا اقرار کیا اور کہا کہ

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۲ ص ۲۱۷

(۲) حضرت امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ کے پیروکار اشعری یا اشاعرہ کہلاتے ہیں ۱۲ ہزاروی۔

ان (نفوس) کو ایسا عذاب ہوگا یا ایسی نعمتوں سے نوازا جائے گا جن کا حواس سے ادراک نہیں ہو سکتا یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔

اس کمل چھٹی اور حنبلیوں کے بالکل جمہور کے درمیان حد اعتدال نہایت باریک ہے جس پر وہی لوگ مطلع ہو سکتے ہیں جن کو توفیق خداوندی حاصل ہے، وہ امور کو نور الٰہی کے ذریعے معلوم کرتے ہیں، سننے کے ذریعے نہیں۔

پھر جب ان امور کے اسرار اپنی حقیقت کے ساتھ منکشف ہوتے ہیں تو وہ سماعت اور اس کے لیے وارد ہونے والے الفاظ کو دیکھتے ہیں۔ ان میں سے جو اس نور یقین کے مشابہ ہوتے ہیں جس کا انہوں نے مشاہدہ کیا تو وہ اسے برقرار رکھتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہو اس کی تاویل کرتے ہیں لیکن جو شخص ان امور کو محض سماعت سے حاصل کرتا ہے تو اس سلسلے میں وہ ثابت قدم نہیں رہتا اور نہ ہی اس کا کوئی متعین موقف ہوتا ہے جو شخص محض سماعت پر اکتفاء کرتا ہے اس کے لیے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مقام ہے۔

اور اب چونکہ حد اعتدال کو خوب واضح کرنا علم مکاشفہ میں داخل ہے اور اس میں گفتگو زیادہ ہے لہٰذا ہم اس میں غور و فکر نہیں کرتے غرض تو اس بات کو بیان کرنا ہے کہ باطن، ظاہر کے موافق ہے اس کا مخالف نہیں تو ان پانچ اقسام سے بہت سے امور واضح ہو گئے۔

اور جب ہمارے خیال کے مطابق عام لوگوں کے لیے عقیدے کے بیان میں اتنا ہی کافی ہے جو ہم لکھ چکے ہیں اور پہلے درجہ میں اس سے زیادہ کے مکلف نہیں ہیں البتہ یہ کہ اہل بدعت کے پھیل جانے سے تشویش کا ڈر ہو تو دوسرے درجے کی طرف ترقی ہوگی جس میں مختصر اور روشن دلائل ہوں لیکن گہرائی نہ ہو پس ہم اس کتاب میں ان روشن دلائل کا ذکر کرتے ہیں اور صرف انہی پر اکتفاء کرتے ہیں جو ہم نے قدس والوں کو لکھا اور ہم نے اس کا نام "الرسالۃ القدسیہ فی قواعد العقائد" رکھا یہ اس کتاب کی تیسری فصل میں بیان کرتے ہیں۔

تیسری فصل:

قواعد عقائد

عقیدے کے روشن دلائل کے بارے میں اس کتاب قواعد العقائد کا بیان جو ہم نے قدس میں لکھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے سنت کو انوار یقین کے ساتھ ممتاز کیا اور اہل حق کو دین کی بنیادی باتوں کی طرف راہنمائی کے ساتھ ترجیح دی، ان کو ٹیڑھے راستے والوں کی کجی اور بے دین لوگوں کی گمراہی سے دور رکھا، انہیں

تمام رسولوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار کی توفیق عطا فرمائی اور صحابہ کرام کی پیروی کی توفیق بخشی نیز ان کے لیے سلف صالحین کے پیچھے چلنا آسان کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے عقل کے مقتضیٰ امور کو مضبوط رسی کے ساتھ پکڑا۔

نیز انہوں نے پہلے لوگوں کی سیرت اور ان کے عقائد کو واضح راستے کے ذریعے اختیار کیا چنانچہ انہوں نے عقل کے نتائج اور شریعت منقول کے فیصلوں کو قبولیت میں جمع کیا اور انہوں نے جان لیا کہ جس کلمہ طیبہ " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ " کا پڑھنا ہمارے لیے ضروری ٹھہرا ہے اس وقت تک اس کا کوئی فائدہ نہیں جب تک وہ ان اصول کو نہ جان لیں جن پر کلمہ شہادت کا دارومدار ہے۔

اور وہ اس بات کو جان لیں کہ کلمہ طیبہ اختصار کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، صدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت کرتا ہے۔ اور انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ایمان کی بنیاد چار ارکان پر ہے اور ان میں سے ہر رکن کے تحت دس اصول ہیں۔

پہلا رکن :-

پہلا رکن اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچاننے کے بارے میں ہے اور اس کا دارومدار دس اصول پر ہے وہ یہ کہ اس کے وجود، قدیم ہونے، باقی ہونے، جوہر، جسم اور عرض نہ ہونے کا علم ہو نیز وہ ذات کسی جہت کے ساتھ خاص نہیں اور نہ وہ کسی مقام پر ٹھہرا ہوا ہے (قیامت کے دن) اس کی زیارت ہوگی اور وہ ایک ہے۔

دوسرا رکن :-

دوسرا رکن اس کی صفات سے متعلق ہے اور یہ بھی دس اصول پر مشتمل ہے۔ اس بات کا علم (اور یقین) ہونا چاہیے کہ وہ زندہ، عالم، قادر، ارادہ کرنے والا، سننے والا، دیکھنے والا، کلام کرنے والا ہے حوادث کا محل بننے سے پاک ہے، اس کا کلام، علم اور ارادہ قدیم ہے۔

تیسرا رکن :-

تیسرا رکن اس کے افعال کے بارے میں ہے اس کا دارومدار بھی دس اصول پر ہے وہ یہ کہ بندوں کے افعال، اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں بندے محض کسب کرتے ہیں۔

نیز یہ اللہ تعالیٰ کی مراد ہیں وہ پیدا کرنے اور بنانے کی فضیلت سے متصف ہے وہ طاقت سے زیادہ تکلیف دینے کا اختیار رکھتا ہے اسے حق ہے کہ کسی بے گناہ کو ایذا دے کسی نیکوکار کو رعایت دینا اس پر واجب نہیں نیز جو کچھ واجب ہے شریعت کی وجہ سے ہے (عقل سے نہیں) اس کا انبیاء کرام کو بھیجنا جائز ہے نیز ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جائز (حق) ہے اور معجزات کے ساتھ اسے تائید حاصل ہے۔

چوتھا رکن :-

چوتھا رکن ان باتوں سے متعلق ہے جو سننے سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ بھی دس اصول پر مشتمل ہے۔ حشر و نشر، منکر نکیر کے سوالات، عذابِ قبر میزان، پل صراط کو ثابت ماننا، جنت و جہنم کو مخلوق تسلیم کرنا، امامت کے احکام نیز ترتیب خلافت) کے مطابق صحابہ کرام کی فضیلت کو تسلیم کرنا اور امامت کی شرائط کو ماننا ہے۔

تفصیل :-

ارکانِ ایمان میں سے پہلا رکن اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں ہے اور یہ گروہ ایک ہے اس رکن کے تحت دس اصول ہیں۔

پہلا اصل :-

پہلی چیز جس کے ذریعے انوار کی روشنی حاصل ہوتی ہے اور معتبر طریقے پر چلتا ہے یہ وہ راستہ ہے جس کی طرف قرآن پاک نے راہنمائی کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے بیان کے بعد کوئی بیان نہیں۔

ارشاد خداوندی ہے :-

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ، وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا ، وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ، وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ، وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ، وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ، وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ، وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ، وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَاءً ثَجَّاجًا ، لِنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَنَبَاتًا ، وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا۔ (۱)

کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا پہاڑوں کو کیل اور تمہیں جوڑ جوڑا بنایا تمہاری نیند کو باعث آرام اور رات کو لباس بنایا دن کو روزگار کے لیے بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط طبق بنائے ہم نے ایک نہایت روشن چراغ بنایا اور ہم نے بادلوں سے موسلا دھار بارش برسائی تا کہ اس کے ساتھ اناج اور سبزی اگائیں نیز گھنے باغ۔

نیز ارشاد فرمایا :-

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ ، وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ

بے شک رات اور دن کے پیدا کرنے میں رات اور دن کی گردش میں سمندروں میں چلنے والے جہازوں میں جو لوگوں کو جو نفع پہنچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے جو پانی اتارا اور اس سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد

(۱) قرآن مجید، سورۃ النباء آیت ۶ تا ۱۶

بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔(۱)

زندہ کیا اور اس پر ہر قسم کے جانوروں کو پھیلایا اور ہواؤں کے بدلنے میں نیز آسمان وزمین کے درمیان مسخر بادلوں میں عقلمند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

نیز فرمایا:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا، وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا۔(۲)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمانوں کو تہ بہ تہ بنایا اور ان میں چاند کو روشن بنایا اور سورج کو روشن چراغ، اور اللہ نے تم کو زمین سے عجیب طریقے پر پیدا کیا پھر اسی میں لوٹائے گا اور پھر دوبارہ نکالے گا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:۔

اَفَرَاَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ، ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ۔(۳)

بھلا دیکھو جو مادہ منویہ تم نکالتے ہو کیا تم اسے پیدا کرتے ہو یا ہم خالق ہیں۔

جس شخص کے پاس کچھ بھی عقل ہے جب وہ ان آیات کے مضمون پر تھوڑا سا بھی غور کرتا ہے زمین اور آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب مخلوق نیز حیوان اور سبزیوں کی تعجب خیز فطرت پر نظر دوڑاتا ہے تو اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ یہ عجیب معاملہ اور مضبوط ترتیب کسی ایسے صانع سے بے نیاز نہیں ہوسکتی جو اس کی تدبیر فرماتا ہے اور ایسا ناعمل ہے جو اس کو مضبوط کرتا اور اس کا اندازہ کرتا ہے بلکہ قریب ہے کہ نفوس کی فطرت اس بات کی گواہی دینے کہ یہ اس کی تسخیر کے تابع اور اس کی تدبیر کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔(۴)

کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔

اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا گیا کہ وہ مخلوق کو توحید کی دعوت دیں اور وہ "لا الٰہ الا اللہ"، پڑھیں انہیں

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۱۶۴

(۲) قرآن مجید سورۂ نوح آیت ۱۵ تا ۱۸

(۳) قرآن مجید سورۂ الواقعہ ۵۹ تا ۵۸ (۴) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم، آیت ۱۰

بات کہنے کا حکم نہیں دیا گیا کہ ہمارے لیے اور خدا ہے اور باقی جہان کے لیے دوسرا خدا۔ بے شک ان کی ابتداء نشوونما
اور عین جوانی کے اندر بھی ان کی فطرت عقل میں یہ بات رکھ دی گئی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۔ (۱)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔

نیز فرمان خداوندی ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (۲)

پس آپ اپنا رُخ یکسوئی سے دینِ اسلام کی طرف کر لیں اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ (جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی تخلیق میں کوئی رد و بدل نہیں یہی سیدھا دین ہے۔

* * *

تو اب انسانی فطرت اور قرآنی شواہد میں ایسی بات ہے جو دلیل قائم کرنے سے بے نیاز کر دیتی ہے لیکن ہم تاکید کے
لیے اور مناظرہ کرنے والے علماء کی اقتداء کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یہ بات بدیہی (واضح) ہے کہ کوئی بھی حادث چیز اپنے پیدا ہونے میں کسی پیدا کرنے والے سبب سے بے نیاز نہیں
اور عالم حادث ہے لہٰذا وہ اپنے وجود کے لیے کسی سبب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہمارا یہ کہنا کہ کوئی بھی حادث چیز اپنے وجود
کے سلسلے میں کسی سبب سے بے نیاز نہیں یہ روشن اور واضح بات ہے کیونکہ ہر حادث کسی ایسے وقت کے ساتھ خاص ہے
کہ عقلاً اس کی تقدیم و تاخیر جائز ہے تو اس کا پہلے یا بعد میں ہونے کی بجائے اپنے وقت سے مختص ہونا کسی خاص کرنے والے
کا محتاج ہے۔ اور ہمارا یہ کہنا کہ عالم حادث ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ اجسامِ عالم حرکت و سکون سے خالی نہیں ہو سکتے
اور یہ دونوں (حرکت و سکون) حادث ہیں اور جو چیز کسی حادث سے خالی نہ ہو وہ بھی حادث ہوتی ہے تو اس دلیل میں تین
دعوے ہیں۔

(۱) اجسام، حرکت و سکون سے خالی نہیں ہوتے اور یہ بات واضح ہے اور لازماً ماننا پڑتی ہے اس میں کسی غور و فکر کی ضرورت
نہیں کیوں کہ جو شخص کسی ایسے جسم کو مانتا ہے جو نہ تو ساکن ہوتا اور نہ ہی متحرک، تو ایسا شخص جہالت کے سواری پر سوار ہے
اور عقل کے راستے سے ہٹا ہوا ہے۔

(۲) ہمارا قول کہ حرکت و سکون دونوں حادث ہیں تو ان کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا اور ایک کا دوسرے کے بعد

---

(۱) قرآن مجید سورۂ لقمان آیت ۲۵

(۲) قرآن مجید سورۂ روم آیت ۳۰

پایا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے اور یہ بات تمام اجسام میں دیکھی جا سکتی ہے چاہے وہ اجسام مشاہدہ میں ہوں یا نہ، تو جو چیز ساکن ہوتی ہے عقل اس کی حرکت کو جائز قرار دیتی ہے اور جو چیز متحرک ہوتی ہے عقلاً اس کا ساکن ہونا جائز ہے تو جو حالت بھی طاری ہوگی وہ طاری ہونے کی وجہ سے حادث ہوگی ۔ اور اس سے پہلے والی حالت معدوم ہونے کی وجہ سے حادث ٹھہرے گی کیونکہ اگر اس کا قدیم ہونا ثابت ہو جائے تو اس کا عدم محال ہوگا، صانع جو بلند مرتبہ اور مقدس ذات ہے کے بقاء کی بحث میں اس کا بیان اور دلیل آئے گی۔

(۳) ہمارا قول ہے کہ جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو وہ خود بھی حادث ہوتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر حادث سے پہلے کچھ حادث چیزیں ہوتیں جن کی ابتداء نہ ہوتی اور اگر یہ تمام حوادث ختم نہ ہوں تو اس حاضر حادث کے وجود کی نوبت نہ آتی اور جس چیز کی انتہا نہ ہو اس کا ختم ہونا محال ہے، اور اگر آسمان کے لیے ایسے دورے (چکر) ہوں جن کی کوئی انتہا نہیں تو ان کی تعداد جفت ہوگی، طاق، یا جفت وطاق دونوں، یا جفت بھی نہ ہوگی اور طاق بھی نہیں، جوڑا اور طاق دونوں کا اکٹھا پایا جانا محال ہے اسی طرح جفت اور طاق دونوں کا نہ ہونا بھی محال ہے کیوں کہ یہ نفی اور اثبات کو جمع کرنا ہے اس لیے کہ ان میں سے ایک کا اثبات، دوسرے کی نفی ہے اور ایک کی نفی دوسرے کا اثبات ہے اور یہ بھی محال ہے کہ وہ جوڑا جوڑا ہوں کیوں کہ جوڑے میں ایک کا اضافہ کیا جائے تو وہ طاق بن جاتا ہے تو ایک اسے کیسے بدلے گا جب کہ اس کی کوئی انتہا نہیں اس کا طاق ہونا بھی محال ہے کیونکہ طاق ایک کے ساتھ جوڑا بن جاتا ہے تو ایک اسے کیسے بدلے گا جب کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اور یہ بھی محال ہے کہ وہ جفت اور طاق دونوں میں سے کچھ بھی نہ ہو کیونکہ اس کے لیے انتہاء ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عالم حوادث سے خالی نہیں لہٰذا وہ خود حادث ہے اور جب اس کا حدوث ثابت ہوا تو اس کا کسی محدث (پیدا کرنے والے) کا محتاج ہونا بدیہی اور واضح بات ہے۔

دوسرا اصل :۔

اس بات کو جاننا کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے وہ ہمیشہ سے ہے ازلی ہے اس کے وجود سے پہلے کچھ نہیں بلکہ وہ ہر چیز سے پہلے ہے وہ ہر مردہ اور زندہ سے پہلے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ حادث ہوتا اور قدیم نہ ہوتا تو وہ بھی کسی پیدا کرنے والے کا محتاج ہوتا اور پھر اسے پیدا کرنے والا کسی دوسرے محدث کا محتاج ہوتا تو یہ ایک ایسا تسلسل ہوتا جس کی کوئی انتہا نہیں اور جو چیز تسلسل والی ہوتی ہے۔ وہ حاصل نہیں ہو سکتی اور یہی ہمارا مطلوب ہے کہ ہم اسے عالم کو بنانے والا، اس کا آغاز کرنے والا، پیدا کرنے اس کا محدث اور موجد کہتے ہیں۔

تیسرا اصل :۔

اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ وہ ازلی ہونے کے ساتھ ساتھ ابدی بھی ہے اس کے بعد کسی کا وجود نہیں وہی اول وآخر اور ظاہر وباطن ہے کیوں کہ جس کا قدیم ہونا ثابت ہو وہ معدوم نہیں ہو سکتا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ معدوم ہو جائے تو ذاتی طور پر معدوم ہو گا یا کسی معدوم کرنے والے کی وجہ سے ہو گا جو اس کی ضد ہے اور جس کے بارے میں یہ تصور ہو کہ وہ ذاتی طور پر دائمی ہے اگر اس کا معدوم ہونا جائز ہو تو یہ بھی جائز ہو گا کہ وہ وجود میں بھی آ جائے۔ تو جس طرح وجود کا ظاہر ہونا کسی سبب کا محتاج ہے اسی طرح عدم کا پایا جانا بھی کسی سبب کا محتاج ہوتا ہے اور یہ بات باطل ہے کہ وہ کسی مقابل معدوم کرنے والے کی وجہ سے معدوم ہو۔ کیونکہ اگر یہ معدوم کرنے والا قدیم ہو تو اس کی موجودگی میں اس کا وجود کیسے قدیم ہو گیا حالانکہ پہلے دو ضابطوں کے مطابق اس (اللہ تعالیٰ) کا وجود اور قدیم ہونا ظاہر ہو چکا ہے تو اس کا وجود قدیم کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس کے ساتھ اس کی ضد ہو۔

اور اگر معدوم کرنے والی مخالف چیز حادث ہو تو یہ بات محال ہے کیونکہ یہ حادث جو قدیم کی ضد ہے وہ اس (قدیم) کے وجود کو دور کرنے میں قدیم سے اولیٰ نہیں ہے کہ قدیم اس کے وجود کو ختم نہ کرے (اور یہ اس کے وجود کو دور کرے) بلکہ ختم کرنے سے دور کرنا آسان ہے اور قدیم، حادث کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور اولیٰ ہے۔

چوتھا اصل :-

اس بات کو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جوہر نہیں کہ وہ کسی جگہ میں آ سکے بلکہ وہ جگہ کی مناسبت سے بلند اور پاک ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر جوہر کسی جگہ میں ہوتا ہے اور وہ اپنے مقام کے ساتھ خاص ہوتا ہے پس وہ دو حال سے خالی نہ ہو گا وہاں ساکن ہو گا یا وہاں سے حرکت کر جائے گا پس وہ حرکت وسکون سے خالی نہ ہوا اور وہ دونوں حادث ہیں اور جو وجود، کسی حادث سے خالی نہ ہو وہ خود بھی حادث ہوتا ہے اور اگر اسے ایسا جوہر تصور کیا جائے جو کسی مکان میں ہے لیکن قدیم ہے تو عالم کے تمام جوہر قدیم ماننا ہوں گے۔ اور اگر کوئی شخص اسے جوہر کہے لیکن کسی جگہ میں نہ مانے تو وہ لفظ کے اعتبار سے غلطی پر ہو گا، معنوی اعتبار سے نہیں (۱)

پانچواں اصل :

اللہ تعالیٰ کے لیے جسم نہیں جو جواہر سے مرکب ہوتا ہے کیونکہ جسم اس چیز کو کہتے ہیں جو جواہر سے مرکب ہو اور جب اس کا ایسا جوہر ہونا باطل ہو گیا جو کسی جگہ میں آ سکتا ہو تو اس کا جسم ہونا بھی باطل ہو گیا کیونکہ ہر جسم کسی مکان سے مختص اور جواہر سے مرکب ہوتا ہے لہٰذا جوہر کا پھٹنے اور جڑ جانے حرکت وسکون اور شکل و مقدار سے خالی ہونا محال ہے اور یہ حدوث کی علامات ہیں، اور اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ عالم کو بنانے والا، جسم رکھتا ہے تو جائز ہو گا کہ سورج اور چاند

---

(۱) یعنی جوہر کے دو مفہوم ہیں ایک یہ کہ وہ خود بخود قائم ہے اپنے قیام کے لیے کسی دوسرے کا محتاج نہیں اس معنیٰ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ پر جوہر کا لفظ صادق آ سکتا ہے دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ وہ کسی جگہ میں پایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جگہ سے پاک ہے لہٰذا اس پر اس لفظ کا اطلاق کرنا جائز نہیں ۱۲ ہزاروی۔

بلکہ کسی دوسرے جسم کو بھی معبود مان لیا جائے، اور اگر کوئی شخص جرأت کر کے یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے لیکن جواہر سے مرکب نہیں تو یہ الفاظ میں غلطی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جسم کی نفی بھی ہو جائے گی۔

چھٹا اصل :-

اس بات کو جاننا کہ اللہ تعالیٰ عرض نہیں جو کسی جسم کے ساتھ قائم ہو یا کسی جگہ میں حلول کئے ہوئے ہو کیونکہ عرض وہ ہوتا ہے جو کسی جسم میں داخل ہو پس ہر جسم یقیناً حادث ہے اور اسے وجود میں لانے والا اس سے پہلے موجود تھا تو وہ کس طرح کسی جسم میں آسکتا ہے حالانکہ ازل میں صرف وہی ذات تھی اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا پھر اس کے بعد اس نے جسم اور اعراض کو پیدا فرمایا نیز وہ عالم ہے قدرت رکھنے والا، ارادہ کرنے والا خالق ہے جیسا کہ اس کا بیان آئے گا،

اور یہ اوصاف اعراض کے لیے محال ہیں بلکہ یہ تو صرف اسی ذات کے لیے معقول ہیں جو ذاتی طور پر قائم ہے اور مستقل بالذات ہے اور ان سے معلوم ہوا کہ وہ موجود ہے اور اپنی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ نہ جوہر ہے نہ جسم اور نہ ہی عرض، جب کہ تمام عالم جوہر، عرض اور جسم ہے تو یوں وہ کسی چیز کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی چیز اس کے مشابہ ہے بلکہ وہ خود زندہ ہے دوسروں کو قائم رکھتا ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خالق اپنی مخلوق کے، قادر اپنی مقدور کے اور مصور اپنی تصویر کے مشابہ ہو جب کہ تمام اجسام اور اعراض اس کی مخلوق اور مصنوع ہیں۔

لہٰذا اسے کسی چیز کی مثل یا مشابہ کہنا غلط ہے۔

ساتواں اصل :-

اس بات کا علم ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت کے ساتھ خاص ہونے سے پاک ہے کیوں کہ جہت اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، آگے یا پیچھے کو کہتے ہیں اور اس نے انسانی تخلیق کے واسطے سے ان جہات کو پیدا فرمایا کیونکہ اس نے انسان کے لیے، دو کنارے پیدا فرمائے ان میں سے ایک کے ساتھ زمین پر ٹیک لگاتا ہے اور اسے پاؤں کہتے ہیں،

اور دوسرا اس کے مقابلہ ہے جسے سر کہا جاتا ہے پس جو جہت سر کی طرف ہے اس کو فوق (اوپر والی جہت) کہتے ہیں اور جو جہت پاؤں سے ملی ہوئی ہے اسے اسفل (نیچے) کہتے ہیں حتیٰ کہ اگر چیونٹی الٹی ہو کر چھت کی نچلی جانب چلے تو اس کی جہت فوق بدل جاتی ہے اس کے حق میں فوق، نچلی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے دو ہاتھ بنائے ان میں سے ایک، دوسرے کی نسبت عام طور پر زیادہ مضبوط ہوتا ہے پس زیادہ مضبوط کو یمین اور اس کے مقابل کے لیے شمال کا نام دیا گیا ہے تو جو جہت دائیں ہاتھ سے ملی ہوئی ہے وہ یمین (دائیں) کہلاتی ہے اور دوسری جہت کو شمال کہتے ہیں۔ اور اس کے لیے دو طرفیں بنائی ہیں ان میں سے ایک کو دیکھتا اور اس کی طرف چلتا ہے تو جس طرف کو جاتا ہے اسے قدّام (آگے) کہتے ہیں اور اس کی مقابل جہت کو خلف (پیچھے) کہا جاتا ہے تو جہات انسان کے پیدا ہونے کے ساتھ پیدا ہوئی ہیں اور اگر انسان اس شکل پر پیدا نہ ہوتا بلکہ گیند کی شکل میں گول پیدا ہوتا تو ان جہات

کا وجود بالکل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ازل میں کس طرح جہات سے مختص ہوگا جب کہ جہات نوپید (حادث) ہیں یا وہ اب کس طرح جہات کے ساتھ خاص ہوسکتا ہے جب کہ مخلوق کو پیدا کرتے وقت اس کے لئے اوپر کی جہت نہ تھی اور وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کے لیے اوپر کی جہت ہو کیونکہ سر سے پاک ہے۔ اور اوپر والی جہت وہ ہوتی ہے جو سر کی جانب ہوتی ہے۔

یا عالم کی تخلیق اس کی نچلی جانب ہوگی تو اس کے لیے نیچے والی جہت کا ہونا بھی محال ہے کیونکہ اس کے لیے پاؤں کا ہونا محال ہے اور تحت (نچلی جانب) اسے کہتے ہیں جو پاؤں کی طرف ہو۔ یہ تمام باتیں عقلاً محال ہیں۔ اور اگر اسے کسی جہت کے ساتھ خاص کیا جائے تو وہ جواہر کی طرح جگہ کے ساتھ خاص ہوگا یا جس طرح عرض، جوہر کے ساتھ خاص ہوتا ہے جب کہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس کا جوہر یا عرض ہونا محال ہے۔ پس اس کا کسی جہت کے ساتھ خاص ہونا بھی محال ہوگا۔

اور اگر جہت سے ان دو کے علاوہ کوئی معنیٰ مراد لیا جائے تو وہ لفظاً غلط ہوگا (یعنی اس کو جہت نہیں کہیں گے) اگرچہ معنیٰ صحیح ہو۔ نیز اگر وہ عالم سے اوپر ہوتا تو اس کے مقابل ہوتا اور جو چیز کسی چیز کے مقابل (محاذی) ہو وہ اس کی مثل ہوگی یا اس سے چھوٹی یا بڑی ہوگی اور یہ تمام صورتیں کسی مقدار کی محتاج ہوتی ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ جو خالق، واحد اور تدبیر فرمانے والا ہے وہ اس سے بلند و بالا ہے۔

ازالۂ شبہ: جہاں تک سوال کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کا تعلق ہے تو وہ اس لیے ہے کہ وہی دعا کی جہت و قبلہ ہے نیز اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس ذات سے دعا مانگی جا رہی ہے وہ جلال اور کبریائی کی صفت سے موصوف ہے کیوں کہ بلندی والی جہت بزرگی اور بلندی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ وہ ذات اپنے غلبہ اور قہر کے اعتبار سے سب سے بلند ہے۔

آٹھواں اصل:-

اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر استواء اسی معنیٰ کے اعتبار سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے اور وہ ایسا معنیٰ ہے جو اس کی بڑائی کے منافی نہیں اور نہ اس میں حدوث اور فنا کی علامتوں کا کوئی دخل ہے اسی طرح آسمانوں کی طرف استواء جس کا آیت کریمہ میں ذکر ہے اس سے بھی وہی معنیٰ مراد ہے آیت کریمہ ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ۔ (۱) پھر اس نے آسمان کی طرف استواء فرمایا اور وہ دھواں تھا۔

اور یہ بھی قہر اور غلبے کے اعتبار سے ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ فصلت آیت ۱۱

"بشر نے عراق پر غلبہ حاصل کیا لیکن نہ تلوار استعمال کی اور نہ خون بہایا"
اہل حق اس تاویل کی طرف مجبور ہیں جیسے اہل باطل اس آیت کی تاویل پر مجبور ہوئے۔
ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ - (۱) اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو۔

اس آیت میں معیت کو بالاتفاق احاطہ اور علم پر محمول کیا گیا) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف کو قدرت اور غلبے پر محمول کیا گیا۔

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ - (۲) مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث کو عزت و آرام پر محمول کیا گیا۔
آپ نے فرمایا:۔

اَلْحَجَرُ الْأَسْوَدُ يَمِيْنُ اللّٰهِ فِيْ أَرْضِهٖ (۳) حجر اسود، اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کا داہنا ہاتھ ہے۔

کیوں کہ اگر اسے اپنے ظاہر پر چھوڑ دیا جائے تو اس سے محال لازم آئے گا اسی طرح اگر استواء سے قرار پکڑنا اور ٹھہر جانا مراد لیا جائے تو قرار پکڑنے والا جسم ہوگا جو عرش کو چھو رہا ہوگا یا تو وہ اس (عرش) کی مثل ہوگا، اس سے بڑا یا چھوٹا ہوگا اور یہ بات محال ہے اور جو چیز محال کی طرف لے جائے وہ خود بھی محال ہوتی ہے۔

نواں اصل:۔

اس بات کو جاننا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ صورت اور مقدار سے پاک ہے جہات اور کناروں سے منزہ ہے لیکن قیامت کے دن آنکھوں سے دیکھا جائے گا۔ کیوں کہ ارشاد خداوندی ہے:۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ - (۴) اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔

لیکن دنیا میں اسے دیکھا نہیں جاسکتا کیوں کہ ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حدید آیت ۴
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۷۳۔
(۳) کنز العمال جلد ۱۲ ص ۲۱۷
(۴) قرآن مجید، سورہ القیامۃ آیت ۲۳

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ (۱) — آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں جب کہ وہ آنکھوں کو گھیرے ہوئے ہے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لَنْ تَرَانِیْ۔ (۲) — آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے۔

تو بتائیے کس طرح معتزلہ کو اللہ تعالیٰ کی صفات کی پہچان ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتہ نہ چلا اور کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال کیا جب یہ (ان کے بقول) یہ محال ہے اور جس چیز کا انبیاء کرام علیہم السلام کو علم نہ ہو اس سے کند ذہن اور خواہشات کے پجاری اہل بدعت بدرجہ اولیٰ جاہل ہیں، (۳)

اور آخرت میں دیدار خداوندی سے متعلق آیت کریمہ کو ظاہر پر اس لیے محمول کیا جاتا ہے کہ یہ دیکھنا محال تک نہیں پہنچائے گا یوں کہ دیکھنا ایک قسم کا کشف اور علم ہے،

البتہ یہ علم سے زیادہ واضح ہے تو جب علم کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو سکتا ہے اور وہ کسی جہت سے خاص نہیں تو کسی جہت کے بغیر دیکھنے کا تعلق ہو سکتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کا مخلوق کو دیکھنا جائز ہے حالانکہ وہ ان کے مقابلے میں نہیں ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ مخلوق مقابلے میں ہونے کے بغیر اس کی زیارت سے مشرف ہو، اور جس طرح اسے کسی کیفیت و صورت کے بغیر معلوم کیا جا سکتا ہے اسی طرح اسے دیکھنا بھی جائز ہے۔

دسواں اصل :۔

اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں تنہا ہے اس کا کوئی مثل نہیں وہ پیدا کرنے اور ایجاد کرنے میں منفرد اور مختار ہے اس کا کوئی مثل نہیں جو اس کا ہم پلہ ہو اور نہ کوئی اس کا مقابل ہے جو اس سے جھگڑے یا دشمنی کرے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

لَوْ کَانَ فِیْہِمَا اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا۔ (۴) — اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتے تو ان دونوں کا نظام خراب ہو جاتا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ انعام آیت ۱۰۳

(۲) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۱۴۳

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ معتزلہ رویت باری تعالیٰ کو ناممکن سمجھتے ہیں اگر یہ ناممکن اور محال ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا کیوں سوال کرتے لہٰذا معتزلہ کی بات غلط ہے ۱۲ ہزاروی۔

(۴) قرآن مجید سورۂ انبیاء آیت ۲۲

اس کا بیان یہ ہے کہ اگر دو خدا ہوتے اور ان میں سے ایک کسی کام کا ارادہ کرتا تو دوسرا اگر اس کی مدد پر مجبور ہوتا تو دوسرا مغلوب و عاجز ہوتا، اور قادر معبود نہ ہوتا اور اگر اس کی مخالفت و مدافعت پر قادر ہوتا تو دوسرا مضبوط اور غالب ہوتا اور پہلا ضعیف اور عاجز ہوتا اور قادر معبود نہ ہوتا۔

دوسرا رکن: اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم اور یہ بھی دس اصول پر مشتمل ہے۔

پہلا اصل:-

اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ جہان کو بنانے والا قادر ہے اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱) — اور وہ (اللہ تعالیٰ) ہر چیز پر قادر ہے۔

وہ اس بات میں سچا ہے کیونکہ عالم اپنی صنعت میں مضبوط اور پیدائش میں ترتیب کے ساتھ ہے اور جو آدمی کسی ریشمی کپڑے کو دیکھے کہ اس کی بناوٹ نہایت اچھی ہے اور اس پر بیل بوٹے بھی عمدہ ہیں پھر یہ خیال کرے کہ یہ کسی مردہ نے بنائے ہیں جسے کوئی طاقت حاصل نہیں یا ایسے انسان نے بنایا جسے کوئی طاقت حاصل نہیں تو ایسا شخص قوتِ عقل سے محروم ہے اور غبی اور جاہل قسم کے لوگوں میں داخل ہے۔

دوسرا اصل:-

اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمام موجودات کو جانتا ہے اور تمام مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے زمین و آسمان کا ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں وہ اپنے اس قول میں سچا ہے کہ۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲) — اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اور اس نے اس بات کی سچائی کی طرف اس آیت کے ذریعے راہنمائی فرمائی۔

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (۳) — کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ بڑا باریک بین خبر رکھنے والا ہے۔

اس نے مخلوق کے ذریعے اس بات کو جاننے کی طرف تمہاری راہنمائی فرمائی کہ خلقت کی لطافت اور صنعت کا ترتیب سے مزین ہونا اگرچہ چھوٹی سی چیزیں ہو اس بات پر دلالت ہے کہ بنانے والا ترتیب کی کیفیت کو جانتا ہے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ تغابن آیت ۱
(۲) قرآن مجید سورۂ انعام آیت ۱۰۱
(۳) قرآن مجید سورۂ ملک آیت ۱۴

کیا ہدایت اور تعریف میں یہی انتہا رہے۔

تیسرا اصل :-

اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ وہ زندہ ہے کیوں کہ جس کا علم اور قدرت ثابت ہو وہ لازماً زندہ ہوتا ہے اور اگر کوئی ایسی ذات تصور کی جائے جو قادر، عالم، فاعل اور تدبیر کرنے والی ہے لیکن زندہ نہیں تو یہ بھی جائز ہوگا کہ حیوانات کی حرکت و سکون کے وقت ان کی زندگی میں شک کیا جائے۔ بلکہ صنعت و حرفت والے لوگوں کی زندگی بھی مشکوک ہوگی اور یہ خیال جہالتوں اور گمراہیوں کے گہرے سمندر میں غوطہ لگانا ہے۔

چوتھا اصل :-

اس بات کا علم ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال کا ارادہ فرماتا ہے پس ہر موجود اس کی مشیت کی طرف منسوب ہے اور اس کے ارادے سے صادر ہوتی ہے پس وہ ابتداءً پیدا کرنے والا اور لوٹانے والا ہے۔ اور جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اسے عمل میں لاتا ہے اور وہ کیسے ارادہ کرنے والا نہیں ہوگا جب کہ جو فعل اس سے صادر ہوتا ہے ممکن ہے اس سے اس کی ضد بھی صادر ہو اور جس چیز کی ضد نہیں تو ممکن ہے کہ یہ اس سے پہلے یا بعد میں صادر ہو جب کہ قدرت دونوں ضدوں اور وقتوں سے ایک طرح کی مناسبت رکھتی ہے لہٰذا ارادہ ضروری ہے جو قدرت کو ان دو مقدور چیزوں میں سے ایک کی طرف پھیر دے۔ اور اگر معلوم چیز کی ارادہ کے ساتھ تخصیص کا علم ضروری نہ ہو اور یوں کہا جائے کہ یہ اس وقت پائی گئی جس کا پہلے سے علم ہے تو اس کا قدرت سے بے نیاز ہونا بھی جائز ہوگا اور کہا جا سکے گا کہ یہ کسی قدرت کے بغیر وجود میں آتی ہے کیوں کہ اس کا اس وقت میں پایا جانا پہلے سے علم میں تھا۔

پانچواں اصل :-

اس بات کا علم ہو کہ وہ سننے دیکھنے والا ہے اس کی نگاہ سے دل کے خطرات اور وہم و فکر کی مخفی باتیں بھی پوشیدہ نہیں ہیں رات کی تاریکی میں سخت پتھر پر چلنے والی سیاہ چیونٹی کی آواز بھی اس کی سماعت سے بچ نہیں سکتی اور وہ کیسے سمیع و بصیر نہیں ہوگا جب کہ سماعت و بصارت کمال ہے نقص نہیں اور کس طرح مخلوق اپنے خالق سے زیادہ کامل ہو سکتی ہے اور مصنوع اپنے بنانے والے سے کس طرح زیادہ اور مکمل ہو سکتا ہے اور کس طرح تقسیم انصاف پر مبنی ہوگی جب خالق کی ذات میں کمی ہو اور اس کی تخلیق و صنعت کامل ہو اور حضرت ابراہیم کی وہ دلیل کیسے صحیح ہوگی جو آپ نے اپنے چچا کے خلاف پیش کی جب وہ جہالت و گمراہی کی وجہ سے بتوں کی پوجا کرتا تھا آپ نے اس سے فرمایا :-

لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا (۱) — تم اس چیز کی پوجا کیوں کرتے ہو جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورہ مریم آیت ۴۲

اگر یہ بات اس (آزر) کے معبودیں ہو جاتی، تو آپ کی دلیل باطل ہو جاتی اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول صحیح نہ ہوتا۔
وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۔ (۱) اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے خلاف عطا فرمائی۔

تو جس طرح کسی عضو کے بغیر اس کا فاعل ہونا اور دل و دماغ کے بغیر عالم ہونا معقول ہے اسی طرح آنکھ کی پتلی کے بغیر اس کا بصیر اور کان کے بغیر سمیع ہونا بھی عقل کے مطابق ہے کیونکہ ان دونوں باتوں میں فرق نہیں۔

چھٹا اصل:۔

اللہ تعالیٰ کلام کے ذریعے متکلم ہے اور یہ ایک وصف ہے جو اس کی ذات کے ساتھ آواز اور حرف کے بغیر قائم ہے بلکہ اس کا کلام کسی اور کے کلام کی طرح نہیں ہے جس طرح اس کا وجود، دوسروں کے وجود کے مشابہ نہیں اور کلام درحقیقت کلام نفسی ہے آواز کو حروف کی شکل اس پر دلالت کے لیے دی گئی ہے۔ جس طرح بعض اوقات اس کلام پر انسانی حرکتیں اور اشارے دلالت کرتے ہیں اور یہ بات کس طرح بعض غبی لوگوں پر مشتبہ ہو گئی حالانکہ یہ، جاہل شعراء پر مشتبہ نہیں ہوتی چنانچہ ان میں سے کسی شاعر نے کہا۔

بے شک کلام تو دل میں ہے زبان کو دل پر دلیل بنایا گیا ہے۔

اور جس کی عقل و سمجھ اسے اس بات کے کہنے سے نہ روکے کہ "میری زبان حادث ہے لیکن اس پر جو کچھ میری قدرت حادثہ کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے وہ قدیم ہے" تو تو اس کی عقل سے طمع ختم کر دے اور اس کے ساتھ گفتگو سے اپنی زبان کو روک دے اور جسے یہ بات سمجھ نہ آئے کہ قدیم وہ ہوتا ہے جس سے پہلے کوئی چیز نہ ہو اور تمہارے قول بسم اللہ میں باء تا سین سے پہلے ہے تو وہ سین جو باء کے بعد ہے قدیم نہ ہو گی تو ایسے شخص کی طرف توجہ سے اپنے دل کو پاک رکھ، (بعض بندوں کو (مطلب تک پہنچنے سے) دور رکھنے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی راز ہے۔

اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جو آدمی اس بات کو (عقل سے) دور جانتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں آواز و حرف کے بغیر کلام سنا، تو وہ اس بات کا بھی انکار کر دے کہ قیامت کے دن وہ ایک موجود کو دیکھے گا جو کسی اور رنگ کے بغیر ہو گا اور اگر اس کی عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ وہ ایسے وجود کو دیکھے گا جو رنگ، جسم، اندازے اور مقدار سے پاک ہے حالانکہ ابھی تک اس نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی تو سننے کی قوت میں بھی اسی بات کو سمجھنا چاہیے جسے اس نے دیکھنے کی قوت میں سمجھا ہے اور اگر وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی علم کے ساتھ تمام موجودات کو جانتا ہے تو اسے ایک صفت کو بھی سمجھنا چاہیے جس کے ذریعے وہ تمام کلام کرتا ہے

---

(۱) سورۂ انعام آیت ۸۳

جس پر عبارات دلالت کرتی ہیں اور اگر اس بات کی سمجھ آتی ہے کہ ساتوں آسمان اور جنت و دوزخ ایک چھوٹے سے ورق میں لکھے جاتے ہیں ذرے کے برابر دل میں محفوظ ہو سکتے ہیں اور یہ سب کچھ آنکھ کے چھوٹے سے ڈھیلے کے ذریعے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ آسمان، زمین، جنت اور دوزخ آنکھ کی پتلی، ورق اور دل میں نہیں اُترتے تو اسے یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ کلام زبان کے ذریعے پڑھا جاتا ہے، دلوں میں محفوظ اور مصاحف میں لکھا جاتا ہے لیکن کلام ذاتی ان میں نہیں آتا کیوں کہ اگر لکھنے سے اللہ تعالیٰ کا کلام ذاتی طور پر کاغذ میں آجائے تو اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے سے اس کی ذات بھی ورق پر آنی چاہیے اسی طرح آگ کا لفظ لکھنے سے آگ بھی کاغذ پر آجائے تو وہ جل جائے۔

ساتواں اصل :

(اللہ تعالیٰ کا) کلام اس کی ذات سے قائم اور قدیم ہے اسی طرح اس کی دوسری صفات بھی ہیں کیونکہ اس کا حوادث کے لیے محل ہونا محال ہے کیونکہ حوادث تبدیل ہوتے رہتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اس کی صفات کے لیے بھی قدیم ہونا واجب ہے لہٰذا ان میں تبدیلی نہیں آسکتی اور نہ اس ذات میں کوئی حادث چیز آسکتی ہے بلکہ وہ ہمیشہ سے قابلِ تعریف صفات سے موصوف ہے اور ہمیشہ ہمیشہ اسی طرح حالات کے تغیر سے پاک رہے گا کیونکہ جو حوادث کا محل ہو وہ ان سے خالی نہیں رہ سکتا اور جو حوادث سے خالی نہ ہو وہ خود حادث ہوتا ہے اجسام اس لیے حادث ہیں کہ ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے اور ان کے اوصاف بدلتے رہتے ہیں تو ان کا خالق ان کے تبدیلی کو قبول کرنے میں ان کے ساتھ کس طرح شریک ہو سکتا ہے پس اس بات پر مناسب ہے کہ اس کا کلام قدیم ہو اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہو حادث وہ آوازیں ہیں جو اس کلام پر دلالت کرتی ہیں اور جس طرح یہ بات سمجھ آتی ہے کہ بچے کی پیدائش سے پہلے باپ بچے کے لیے تحصیل علم کی طلب اور ارادہ رکھتا ہے یہاں تک کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے اور سمجھ دار ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہ علم پیدا کر دیتا ہے جس کی طلب اس کے باپ کے دل میں موجود تھی تو وہ اس طلب پر مامور ہو جاتا ہے جو اس کے باپ کے ساتھ قائم تھی اور جب تک وہ لڑکا اس کی معرفت حاصل نہیں کر لیتا، اس امر کا وجود باقی رہتا ہے تو اسی طرح اس طلب کی سمجھ بھی آنی چاہیے جس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ (۱) آپ اپنے نعلین اتار دیں۔

اور یہ طلب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے وجود کے بعد مخاطب ہوئے یعنی جب ان میں اس طلب کی معرفت پیدا کی گئی اور انہوں نے اس قدیم کلام کو سنا۔

آٹھواں اصل :

---

(۱) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲

بے شک اس کا علم قدیم ہے پس وہ ازل سے اپنی ذات وصفات اور اس مخلوق کا علم رکھتا ہے جسے وہ پیدا کرتا ہے۔

جب کوئی نئی مخلوق پیدا ہوتی ہے تو اس کے لیے اس کا نیا علم پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ علم ازلی کے ساتھ ہی اس کے لیے واضح ہو جاتی ہے اس لیے کہ اگر ہمارے لیے زید کے طلوع آفتاب کے وقت آنے کا علم پیدا ہو جائے تو سورج نکلنے تک یہ علم مقدر رہے گا اور جب سورج طلوع ہوگا تو زید کا آنا کسی نئے علم کے بغیر اسی پہلے علم کے ساتھ معلوم ہو جائے گا تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علم کا قدیم ہونا سمجھنا چاہیئے۔

نواں اصل :-

بے شک اس کا ارادہ قدیم ہے اور وہ ازل میں ان حوادث سے متعلق ہے جو اپنے وقت میں اس علم ازلی کے مطابق وجود میں آتے ہیں کیونکہ اگر ارادہ حادث ہوتا تو وہ حوادث کا محل ٹھہرتا اور اگر وہ ارادہ کسی دوسری ذات میں پیدا ہوتا تو وہ (اللہ تعالیٰ) اس کا ارادہ کرنے والا نہ ہوتا جیسا کہ تم ایسی حرکت کے ساتھ متحرک نہیں ہو سکتے جو تمہاری ذات میں نہ پائی جاتی ہو۔ اور یہ بات کس طرح تصور کی جا سکتی ہے اس طرح تو اس ارادہ کا پیدا ہونا کسی دوسرے ارادے کا محتاج ہوگا اسی طرح دوسرا ارادہ بھی محتاج ہوگا اور یہ بات کسی کنارے تک نہیں پہنچے گی۔ اور اگر یہ بات جائز ہو کہ ارادہ کسی ارادے کے بغیر پیدا ہوتا ہے تو جائز ہوگا کہ عالم بھی کسی ارادے کے بغیر پیدا ہوا (حالانکہ ایسا نہیں)

دسواں اصل :-

اللہ تعالیٰ علم کے ساتھ عالم زندگی کے ساتھ زندہ، قدرت کے ساتھ قادر ارادے کے ساتھ ارادہ کرنے والا، کلام کے ساتھ متکلم، سماعت کے ساتھ سمیع اور بصارت کے ساتھ بصیر ہے اور اس کے یہ اوصاف انہی صفات قدیمہ سے ہیں لہٰذا کسی شخص کا یہ کہنا کہ وہ علم کے بغیر عالم ہے ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص کہے کہ فلاں مال کے بغیر غنی علم کے بغیر یا معلوم کے بغیر عالم ہے حالانکہ علم معلوم اور عالم ایک دوسرے کو اسی طرح لازم ہیں جیسے قتل مقتول اور قاتل باہم لازم و ملزوم ہیں اور جس طرح قتل اور مقتول کے بغیر قاتل کا تصور نہیں ہو سکتا اور مقتول کا تصور قاتل اور قتل کے بغیر نہیں ہو سکتا اسی طرح عالم کا علم کے بغیر، اور علم کا معلوم کے بغیر اور معلوم کا عالم کے بغیر تصور نہیں ہو سکتا بلکہ عقلی طور پر یہ تینوں ایک دوسرے کو لازم ہیں وہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے تو جو شخص عالم کو علم سے جدا سمجھے اسے چاہیئے کہ اسے معلوم سے بھی جدا سمجھے نیز علم کو عالم سے بھی الگ سمجھے کیونکہ ان اوصاف میں کوئی فرق نہیں۔

تیسرا رکن: یہ اللہ تعالیٰ کے افعال سے متعلق ہے اور اس میں بھی دس اصول ہیں۔

پہلا اصل :-

اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ اس عالم میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ اس کے فعل تخلیق اور بنانے سے ہے اس

کے سوا اس (مخلوق) کا کوئی خالق نہیں اور نہ ہی اس کے بغیر کوئی محدث (پیدا کرنے والا) ہے اللہ تعالیٰ نے مخلوق اور ان کی صنعت کو پیدا کیا نیز ان کی طاقت اور حرکت کو ایجاد فرمایا پس اس کے بندوں کے تمام افعال اسی کی مخلوق ہیں اور اس کی قدرت سے متعلق ہیں۔ اس کی تصدیق اس ارشاد ربانی ہی ہے:۔

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ (۱) — اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ (۲) — اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

نیز ارشاد فرمایا۔

وَاَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡہَرُوۡا بِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ (۳) — گفتگو آہستہ کرو یا بلند وہ سینے کی باتوں کو جانتا ہے کیا وہ جس نے پیدا کیا، نہیں جانتا حالانکہ وہ نہایت لطیف اور خبر رکھنے والا ہے۔

اس نے بندوں کو ان کے اقوال، افعال اور قلبی اسرار اور پوشیدہ باتوں میں بھی پرہیز کا حکم دیا کیونکہ وہ ان کے افعال کی جگہوں کو بھی جانتا ہے اور اس علم پر تخلیق سے استدلال کیا اور وہ بندوں کے قتل، کا خالق کیسے نہیں ہوگا حالانکہ اس کی قدرت کامل ہے اس میں کوئی کمی نہیں اور یہ بندوں کے بدنوں کی حرکتوں سے متعلق ہے اور حرکتیں ایک جیسی ہیں اور ان کے ساتھ قدرت کا تعلق ذاتی طور پر ہے تو کسی وجہ سے اس کا تعلق بعض حرکات کے ساتھ ہوگا اور بعض کے ساتھ نہیں ہوگا حالانکہ حرکات ایک جیسی ہیں یا کوئی حیوان کسی طرح اپنے کام کو پیدا کرنے میں مستقل ہوگا حالانکہ مکڑی اور شہد کی مکھی اور دیگر حیوانات سے نہایت لطیف صنعتیں صادر ہوتی ہیں اور ان سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

تو تمام ارباب کے رب کے بغیر وہ کس طرح خود بخود اسے بنا لیتی ہے حالانکہ جو عمل اس سے صادر ہو رہا ہے وہ اس کی تفصیل کو نہیں جانتی چھوڑیئے چھوڑیئے مخلوقات عاجز ہے جب کہ آسمانوں اور زمین کا حاکم، اوپر اور نیچے کا تنہا بادشاہ ہے۔

دوسرا اصل:۔

بندوں کی حرکات کو صرف اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ بطور کسب وہ افعال بندوں کی طاقت میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے طاقت اور جو کچھ طاقت میں ہے دونوں کو پیدا کیا اختیار اور مختار دونوں کو پیدا فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ رعد آیت ۱۶

(۲) قرآن مجید سورۂ صافات آیت ۹۶

(۳) قرآن مجید سورۂ ملک آیت ۱۳، ۱۴

طاقت، بندے کا وصف ہے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اس کا کسب نہیں ہے حرکت کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا
اور بندے کی صفت اور کسب بنایا یہ اس کی قدرت میں ہے جو اس کا وصف ہے حرکت کی ایک اور صنعت کی طرف نسبت
ہے جسے قدرت کہا جاتا ہے اور اسی نسبت کے اعتبار سے اسے کسب کہا جاتا ہے یہ محض جبر (مجبور کرنا) کیسے ہوگا حالانکہ
وہ اختیاری اور اضطراری حرکت میں فرق ضرور سمجھتا ہے یا یہ بندے کی تخلیق کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ اسے کسب کی ہوئی حرکات
کے اجزاء اور ان کی تعداد کا تفصیلی علم نہیں ہے۔ جب دونوں طرفین باطل ہو گئیں تو اعتقاد میں اعتدال باقی رہ گیا وہ یہ کہ تخلیق
کے اعتبار سے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مقدور ہیں اور بندے کی قدرت میں دوسری جہت سے آتے ہیں جسے اکتساب
کہا جاتا ہے اور قدرت کے مقدور سے متعلق ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صرف اختراع پیدا کرنا ہی ہو کیونکہ ازل میں اللہ تعالیٰ
کی قدرت اس عالم سے متعلق تھی لیکن اس وقت اس کی اختراع حاصل نہ تھی اور اختراع کے وقت اس کے ساتھ ایک
دوسرے قسم کا تعلق پیدا ہوتا ہے اس سے ظاہر ہوا کہ قدرت کا تعلق مقدور چیز کے حصول کے ساتھ خاص نہیں۔

تیسرا اصل:۔

بندے کا فعل اگرچہ اس کا کسب ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی مراد ہونے سے خارج نہیں ہو سکتا لہٰذا ملک و ملکوت میں
آنکھ کا جھپکنا، دل کی توجہ یا آنکھ کا متوجہ ہونا اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدرت ارادے اور مشیت کے ساتھ ہوتا ہے شر اور خیر، نفع و
نقصان، اسلام اور کفر، عرفان و انکار، کامیابی و ناکامی گمراہی و ہدایت، فرمانبرداری و نافرمانی، شرک و ایمان اسی کی طرف سے ہے
اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا، نہ کوئی اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت دے
وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے پوچھا نہیں جائے گا حالانکہ لوگوں سے سوال ہوگا اس پر امت کا یہ متفق علیہ
قول دلالت کرتا ہے کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو کچھ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا (۱) — اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت عطا کر دیتے۔

عقلی طور پر اس پر دلیل یہ ہے کہ گناہ اور جرائم کو اگرچہ اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے اور وہ ان کا ارادہ نہیں کرتا اور یہ
دشمن یعنی شیطان لعین کے ارادے کے مطابق جاری ہوتے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور جو کچھ دشمن کے ارادے
کے مطابق جاری ہوتا ہے وہ امور اللہ تعالیٰ کے ارادے کے موافق جاری ہونے والے امور سے زیادہ ہیں تو بتائیے کوئی
مسلمان اس بات کو کس طرح جائز سمجھے گا کہ اس جبار بادشاہ کو جو عزت و جلال والا ہے، اپنے رتبے کی طرف لوٹا جائے

(۱) قرآن مجید، سورہ سجدہ آیت ۱۳

جائے کہ اگر کسی بستی کے سردار کو اس کی طرف لوٹایا جائے تو وہ بھی اس سے نفرت کرے یعنی اگر اس گاؤں میں اس کا کوئی دشمن ہو اور اس کے مقابلے میں اس کے ارادے سے کام زیادہ ہوتا ہے تو وہ سردار اس ریاست سے ہاتھ اٹھائے گا اور مخلوق پر گناہوں کا غلبہ رہتا ہے اور اہل بدعت کے نزدیک یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف ظاہر ہوتا ہے تو یہ نہایت درجے کی کمزوری اور عاجزی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے عجز ثابت ہو رہا ہے)

اللہ تعالیٰ جو سب کا رب ہے ظالموں کے اس قول سے بہت بلند ہے۔ پھر جب یہ بات ثابت ہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو اس کی مراد ہونا بھی صحیح ہو گا۔

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس سے منع کیسے کرتا ہے اور جس کا ارادہ نہیں کرتا اس کا حکم کیسے دیتا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں حکم، ارادے کا غیر ہے اسی لیے جب کوئی مالک اپنے غلام کو مارتا ہے اور بادشاہ اسے اس پر تنبیہ کرتا ہے اور وہ بادشاہ کے سامنے غلام کی سرکشی کی شکایت کرتا تو سلطان اسے جھٹلا دیتا ہے چنانچہ وہ اپنی دلیل کو ظاہر کرنے کے لیے کسی کام کا حکم دینا چاہتا ہے تاکہ وہ اس کے سامنے مخالفت کرے تو وہ اسے کہتا ہے کہ بادشاہ کے سامنے اس سواری پر زین باندھ دو تو وہ اسے ایسی بات کا حکم دے رہا ہے جس کی تعمیل اس کا مقصود نہیں اور اگر وہ اسے حکم نہ دیتا تو بادشاہ کے سامنے اس کا عذر صحیح قرار نہ پاتا اور اگر وہ غلام سے تعمیل کا ارادہ کرے تو اپنے نفس کی ہلاکت کا ارادہ ہو گا اور یہ محال ہے۔

چوتھا اصل:

اللہ تعالیٰ تخلیق و ایجاد اور مکلف بنانے کے ذریعے فضل و احسان فرمانے والا ہے حالانکہ پیدا کرنا اور مکلف بنانا اس پر واجب نہیں معتزلہ کہتے ہیں یہ بات اس پر واجب ہے کیونکہ اس میں بندوں کی بھلائی ہے، لیکن یہ بات محال ہے کیونکہ وہ واجب کرنے والا، حکم دینے والا اور منع کرنے والا ہے تو وہ ایجاب اور لزوم و خطاب کا ہدف کیسے ہو سکتا ہے واجب سے دو باتوں میں سے ایک بات مراد ہوتی ہے یا وہ عمل کرنا جس کے چھوڑنے میں آئندہ نقصان ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے تاکہ وہ اسے آخرت میں آگ کا عذاب نہ دے یا فوری نقصان کا خطرہ ہے جیسے کہا جاتا ہے پیاسے پر پانی پینا واجب ہے تاکہ وہ مرنے سے بچ جائے، یا اس سے مراد وہ امر ہے جس کا عدم محال تک پہنچاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے معلوم کا وجود واجب ہے کیونکہ اس کا عدم محال تک پہنچاتا ہے یعنی علم، جہالت بن جاتا ہے اب اگر ہمارے مخالف کی مراد یہ ہے کہ پہلے معنی کے اعتبار سے تخلیق اللہ تعالیٰ پر واجب ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کو نقصان کا نشانہ بنایا اگر دوسرا معنی مراد ہے تو وہ مسلم ہے کیوں کہ علم ہونے کے بعد معلوم کا وجود ضروری ہے اور اگر تیسرا معنی مراد ہے تو اس کا کوئی مفہوم نہیں اور یہ کہنا کہ بندوں کی مصلحت کے لیے واجب ہے تو یہ بات فاسد ہے کیونکہ جب بندوں کی بھلائی کو چھوڑنے سے اسے نقصان نہیں ہو گا تو اب اس کے حق میں وجوب کا کوئی مطلب نہ ہو گا، پھر بندوں کی بھلائی

کا تقاضا تو یہ تھا کہ انہیں جنت میں پیدا کرتا اب جب کہ آزمائشوں کی جگہ پیدا کیا پھر ان کو خطاؤں کا ہدف بنایا پھر عذاب کے خطرے اور حساب درپیش کا خوف دلایا تو کون عقل مند اس کو قابلِ رشک سمجھے گا۔

پانچواں اصل :

اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے کہ وہ مخلوق کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف دے اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے، اگر ایسا کرنا جائز نہ ہوتا تو اسے دور کرنے کی دعا کیسے صحیح ہوتی حالانکہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ (۱) یا اللہ! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہیں۔

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ابو جہل آپ کی تصدیق نہیں کرے گا پھر آپ کو حکم دیا کہ آپ اسے تمام اقوال کی تصدیق کا حکم دیں۔ اور ان اقوال میں ایک قول یہ بھی تھا کہ وہ آپ کی تصدیق نہیں کرے گا۔ تو وہ اس قول کی تصدیق کرتا ہے "کہ وہ تصدیق نہیں کرے گا"، اس بات کا وجود محال ہے۔

چھٹا اصل :-

اللہ تعالیٰ کسی سابق جرم اور آنے والے ثواب کے بغیر بھی مخلوق کو درد اور عذاب پہنچا سکتا ہے معتزلہ کا اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ (ہماری دلیل یہ ہے کہ) وہ اپنی ملک میں تصرف کر سکتا ہے اور اس بات کا تصور نہیں ہو سکتا کہ اس کا تصرف اس کی ملک سے تجاوز کر جائے اور ظلم کا مطلب یہ ہے کہ غیر کی اجازت کے بغیر اس کی ملک میں تصرف کیا جائے اور یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ کیونکہ اس کے مقابلے میں کسی کی ملک ہی نہیں کہ اس کا تصرف ظلم قرار پائے۔ اور اس پر دلیل اس عمل کا پایا جانا ہے مثلاً جانوروں کو ذبح کرنا انہیں تکلیف پہنچانا ہے اور انسانوں کی طرف سے انہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے حالانکہ ان سے کوئی جرم صادر نہیں ہوا۔

ازالہ شبہ :

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ جانوروں کو زندہ کر کے جس قدر انہوں نے تکالیف اٹھائی ہوں گی ان کا بدلہ دے گا اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ تو ہم کہتے ہیں جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ جس چیونٹی کو روندا گیا اور مچھر کو مسلا گیا انہیں ان اذیتوں کا بدلہ دینے کے لیے زندہ کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، تو ایسا شخص شریعت و عقل سے خارج ہو گیا اس لیے کہ کہا جائے گا اگر ثواب اور حشر کا واجب ہونا اس لیے ہے کہ اس کے چھوڑنے سے (اللہ تعالیٰ کے لیے) ضرر ہے تو یہ بات محال ہے اور اگر کوئی دوسرا مقصد ہے تو یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ غیر مفہوم ہے کیونکہ وہ واجب کے مذکورہ معانی سے خارج ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ البقرہ آیت ۲۸۶

ساتواں اصل :-

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر زیادہ نیک بندوں کی رعایت واجب نہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں بلکہ اس کے حق میں وجوب عقل کے خلاف ہے کیونکہ اس سے اس کے افعال کے بارے میں باز پرس نہیں ہوگی جب کہ لوگوں سے پوچھ گچھ ہوگی، بتایئے اگر ہم معتزلی کے سامنے یہ مسئلہ رکھیں تو وہ اپنے اس قول کا کیا جواب دے گا کہ اللہ تعالیٰ پر زیادہ نیکی کرنے والے کی رعایت واجب ہے مسئلہ یہ ہے کہ فرض کریں آخرت میں ایک بچے اور بالغ کے درمیان مناظرہ ہو جاتا ہے اور وہ دونوں حالتِ اسلام میں فوت ہوئے اللہ تعالیٰ بالغ کے درجات بڑھا دیتا ہے اور اسے بچے پر فضیلت دیتا ہے کیونکہ اس نے بالغ ہونے کے بعد ایمان اور اطاعت کی مشقت برداشت کی اور معتزلی کے نزدیک یہ فضیلت واجب ہے اگر بچہ پوچھے اے رب! تو نے اسے مجھ سے زیادہ مرتبہ کیوں عطا کیا اور اللہ تعالیٰ جواب دے اس لیے کہ یہ بالغ ہوا اور اس نے عبادات میں کوشش کی، اب بچہ کہے کہ تو نے مجھے بچپن میں موت دے دی تجھ پر واجب تھا کہ مجھے زندہ رکھتا حتیٰ کہ میں بالغ ہو کر محنت کرتا تو تو نے اس کو زیادہ عمر دی اور اب فضیلت عطا فرمائی اس لیے تو نے انصاف نہیں کیا،

اللہ تعالیٰ اس کا جواب یوں دے کہ میں جانتا تھا اگر تو بالغ ہو گیا تو شرک کرے گا یا میری نافرمانی کرے گا تو تیرے لیے بچپن میں فوت ہو جانا بہتر تھا معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عذر پیش کیا جائے گا اب اگر جہنم کے طبقہ میں سے کافر بولیں اور کہیں اے رب! کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ ہم بالغ ہو کر شرک کریں گے تو تو نے ہمیں بچپن میں موت کیوں نہیں دی ہم مسلمان بچے کے مقام سے کم پر ہی راضی ہو جاتے۔ تو اس کا کیا جواب ہوگا تو اس صورت میں کیا اس بات پر یقین رکھنا لازمی نہیں کہ امور الٰہیہ اپنی جلالت کی وجہ سے معتزلہ کے ترازو میں تولنے سے بلند ہیں۔

ازالۂ شبہ :

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی رعایت پر قادر ہونے کے باوجود بعض اوقات ان پر اسباب عذاب مسلط کر دیتا ہے اور یہ بات قبیح ہے حکمت کے لائق نہیں۔

تو ہم کہتے ہیں قبیح وہ چیز ہوتی ہے جو غرض کے موافق نہ ہو حتیٰ کہ ایک چیز کسی شخص کے نزدیک قبیح ہوتی ہے اور اس کے غیر کے نزدیک اچھی ہوتی ہے کیونکہ وہ ایک کے غرض کے موافق ہوتی ہے دوسرے کے لیے نہیں۔ حتیٰ کہ ایک آدمی کے رشتہ دار اس کے قتل کو قبیح سمجھتے ہیں لیکن اس کے دشمن اسے اچھا سمجھتے ہیں۔ اگر قبیح سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی غرض کے موافق نہ ہو تو یہ محال ہے کیونکہ وہ غرض سے پاک ہے پس اس سے قبیح بات کا تصور نہ ہوگا جس طرح اس سے ظلم کا تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس سے غیر کی ملک میں تصرف کا تصور نہیں ہوتا اور اگر قبیح سے مراد یہ ہے کہ وہ دوسروں کی غرض کے موافق نہ ہو تو تم نے یہ کیوں کہا کہ وہ اس کے لیے محال ہے؟ یہ تو محض ایک خواہش ہے جس کے

خلاف وہ بات گواہی دیتی ہے جو ہم نے اہل جہنم سے مناظرہ کے بارے میں ذکر کی۔ پھر حکیم کا معنی ہے وہ ذات جو اشیاء کے حقائق کو جانتی ہو اور اپنے ارادے کے مطابق اس کے فعل پر قادر ہو تو یہ بات کس طرح نیکوکار کی رعایت کو واجب کرے گی جب کہ ہمارے ہاں حکیم (دانا) وہ شخص ہوتا ہے جو اچھے لوگوں کی رعایت اپنی ذات کے لیے کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے دنیا میں تعریف اور آخرت میں ثواب حاصل کرے یا اس کے ذریعے اپنے آپ سے آفت کو دور کرے اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں۔

آٹھواں اصل :

اللہ تعالیٰ کی پہچان اور اطاعت اس کے واجب کرنے اور شریعت کی وجہ سے واجب ہے عقل کے ذریعے نہیں اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔

(ہماری دلیل یہ ہے کہ) عقل اگرچہ اطاعت کو واجب کرتی ہے لیکن اس بات سے خالی نہیں کہ وہ کسی فائدہ کے بغیر واجب کرے گی، تو یہ محال ہے، کیونکہ عقل کسی بے فائدہ کام کو واجب نہیں کرتی یا کسی فائدے اور غرض کے لیے واجب کرے گی تو یہ دو حال سے خالی نہیں یہ غرض معبود کی طرف لوٹے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے کیونکہ وہ اغراض و فوائد سے پاک ہے بلکہ اس کے حق میں کفر و ایمان اور اطاعت و نافرمانی سب برابر ہیں یا اس کا تعلق بندے کی غرض سے ہوگا اور یہ بھی محال ہے کیونکہ فی الحال اس کی کوئی غرض نہیں بلکہ وہ اطاعت کی وجہ سے اپنے آپ کو تھکاتا اور خواہشات سے دور رہتا ہے۔ اور آخرت میں ثواب اور عذاب کے علاوہ کچھ نہیں اور کہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی اور اطاعت دونوں پر ثواب عطا فرمائے گا اور سزا نہیں دے گا حالانکہ اس کے حق میں اطاعت و عصیان برابر ہیں کیونکہ اس کا کسی ایک کی طرف میلان نہیں اور نہ ہی ان میں سے کوئی ایک اس کے ساتھ خاص ہے یہ امتیاز شریعت کے ذریعے معلوم ہوتا ہے جس شخص نے خالق و مخلوق کو ایک دوسرے پر قیاس کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا وہ بھٹک گیا کیونکہ مخلوق شکریہ اور انکار ہی فرق کرتی ہے اس لیے کہ ان میں سے ایک پر آدمی خوش ہوتا ہے اور لذت محسوس کرتا ہے دوسرے پر نہیں۔

ازالۂ شبہ :

اگر کہا جائے کہ جب اطاعت میں غور و فکر اور اس کی معرفت شریعت کی وجہ سے ہے اور شریعت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک مکلف اس میں غور و فکر نہ کرے تو جب کوئی مکلف اپنے نبی سے کہے کہ عقل مجھ پر غور و فکر واجب نہیں کرتی اور میرے ہاں شریعت، غور و فکر کے بعد ثابت نہیں ہوتی اور میں خود نظر پر جرأت نہیں کرتا تو یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لاجواب کر دے۔

ہم کہتے ہیں اس شخص کا یہ قول اسی طرح ہے کہ کوئی شخص کسی جگہ پر کھڑا ہو اور کوئی اسے کہے کہ تمہارے پیچھے ضرر رساں درندہ ہے اگر تو اپنی جگہ سے نہیں ہٹے گا تو وہ تجھے کھا لے گا اور اگر تو پیچھے کی طرف متوجہ ہو کر دیکھے گا تو میرے سچ کو

پہچان لے گا۔ تو جو شخص کھڑا ہے وہ کہے جب تک میں پیچھے نہ دیکھوں تیرا سچ ثابت نہیں ہوگا اور میں پیچھے مڑکر نہیں دیکھوں گا جب تک تمہارا سچ ثابت نہ ہو جائے تو یہ بات اس قائل کی بیوقوفی پر دلالت کرتی ہے اور وہ اپنے آپ کو ہلاکت کا نشانہ بنائے گا جب کہ راہنمائی کرنے والے کا کوئی نقصان نہیں ہوگا اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارے پیچھے موت ہے اور دوسری جانب ضرر رساں درندے اور جلانے والی آگ ہے اگر تم اس سے نہیں بچوگے اور میرے معجزات کے ذریعے میری صداقت کو نہیں پہچانوگے تو ہلاک ہو جاؤگے۔ تو جس نے توجہ کی اس نے پہچان لیا اور بچاؤ اختیار کر کے نجات حاصل کرلی اور جس نے توجہ نہ کی اور ڈٹا رہا وہ ہلاک اور تباہ و برباد ہوا۔ اور اگر سارے لوگ ہلاک ہو جائیں تو میرا کچھ بھی نقصان نہیں ہوگا۔ مجھ پر تو واضح انداز میں (پیغام) پہنچا دینا ہے۔ تو شریعت بتاتی ہے کہ مرنے کے بعد ہلاک کرنے والے درندوں سے پالا پڑے گا اور عقل شریعت کے کلام کو سمجھنے کا فائدہ دیتی ہے اور جو کچھ شریعت بتاتی ہے مستقبل میں اس کے ہونے کی خبر دیتی ہے اور طبیعت نقصان سے بچنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اور کسی چیز کے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا چھوڑنا باعث ضرر ہے، اور شریعت کے واجب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ متوقع نقصان کی پہچان کراتی ہے کیوں کہ عقل یہ بات نہیں بتاتی کہ خواہشات کے پیچھے چلنے سے موت کے بعد ضرر پہنچے گا اور شریعت و عقل اور وجوب کے سلسلے میں ان کی تاثیر کا یہ مفہوم ہے کہ اگر حکم خداوندی کے چھوڑنے پر عذاب کا ڈر نہ ہوتا تو وجوب ثابت نہ ہوتا کیوں کہ واجب کا یہی معنیٰ ہے کہ جس کے چھوڑنے سے آخرت میں نقصان ہو۔

نواں اصل :-

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت محال نہیں ہے اس میں براہمہ فرقہ کا اختلاف ہے (۱) وہ کہتے ہیں اس بعثت کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ عقل ان سے بے نیاز کر دیتی ہے (ہم کہتے ہیں کہ) عقل ان افعال کی طرف راہنمائی نہیں کرتی جو آخرت میں باعث نجات ہوں گے جیسے وہ ان ادویات کی طرف راہنمائی نہیں کرتی جو صحت کے لیے مفید ہوں تو مخلوق کو انبیاء کرام کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح انہیں ڈاکٹروں کی ضرورت ہے لیکن ڈاکٹر کی سچائی تجربہ سے نبی کی صداقت معجزہ کے ذریعے معلوم ہوتی ہے۔

دسواں اصل :-

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر بھیجا آپ پہلی شریعتوں یعنی یہود و نصاریٰ اور ستارہ پرستوں کے دین کو منسوخ کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ظاہری معجزات اور روشن دلائل کے ساتھ آپ کی تائید فرمائی

---

(۱) یہ علماء ہند کا ایک گروہ ہے اور وہ اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر سمجھتے ہیں۔ (الاتحاف جلد ۲ ص ۱۹۰) ۱۲

ہزاروی

جیسے چاند کا پھٹ جانا (۱) کنکریوں کا تسبیح کرنا (۲) جانوروں کا بولنا اور آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا (۳)
آپ کے ظاہر معجزات میں سے قرآن پاک ہے جس کے ذریعے آپ نے کفار عرب کو چیلنج کیا تو وہ باوجود فصاحت و بلاغت کے (مقابلہ کرنے کی بجائے) آپ کو قید کرنے، لوٹنے، شہید کرنے اور جلاوطن پر کرتے پر تل گئے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بتایا۔ وہ قرآن پاک کی مثل لانے اور اس کا مقابلہ کرنے پر قادر نہ ہوئے کیونکہ انسان کے بس میں نہیں کہ وہ قرآن پاک کی فصاحت اور ترتیب کو جمع کر سکے اس کے ساتھ ساتھ اس میں پہلے لوگوں کی خبریں بھی ہیں حالانکہ آپ کسی سے پڑھے ہوئے نہیں تھے اور نہ ہی کتب کے ساتھ آپ کا تعلق تھا۔ پھر یہ کہ آپ نے غیب کی خبریں دیں جو مستقبل میں سچ ثابت ہوئیں۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ (۴)

اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم امن و امان کے ساتھ ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے سروں کو منڈوانے یا بال ترشوانے ہوئے۔

اور جیسے فرمایا:۔

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ (۵)

قریب کی زمین میں رومی مغلوب کر دیئے گئے اور وہ مغلوب ہونے کے بعد آئندہ چند برسوں میں ضرور غالب آئیں گے۔

رسولوں کی صداقت پر معجزے کی دلالت کی وجہ یہ ہے کہ جس بات سے انسان عاجز ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے تو جوں ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بطور معجزہ پیش کیا تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہوا کہ آپ نے سچ کہا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا اور اس کی رعایا کے سامنے دعویٰ کرے کہ اسے بادشاہ نے ان کی طرف بھیجا ہے تو جب وہ بادشاہ سے کہے کہ اگر تم سچے ہو تین مرتبہ اپنے تخت پر کھڑے ہو جاؤ اور اپنی عادت کے خلاف بیٹھو چنانچہ بادشاہ اسی طرح کرے تو اس سے حاضرین کو اس بات کا واضح علم حاصل ہو گا کہ گویا بادشاہ نے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب التفسیر جلد ۲ ص ۲۲، سورۃ ۵۴
(۲) تاریخ ابن عساکر تسبیح الحصا فی یدہ جلد ۲ ص ۱۵۸
(۳) سنن الدارمی جلد اول ص ۲۲ باب اکرام اللہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تفجیر الماء۔
(۴) قرآن مجید سورۃ فتح آیت ۲۷
(۵) قرآن مجید، سورۃ روم آیت ۲

اس کی صداقت کی تصدیق کردی۔

چوتھا رکن:

سماعی باتیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروں کی تصدیق یہ بھی دس اصول پر مشتمل ہے۔

پہلا اصل:-

حشر ونشر کا ذکر شریعت میں آیا ہے اور یہ حق ہے ان کی تصدیق واجب ہے کیونکہ عقلاً یہ ممکن ہے۔ اور اس کا مطلب فنا کرنے کے بعد دوبارہ اٹھانا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے جیسے پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۔ (۱)

وہ کہتا ہے کون ہڈیوں کو زندہ کر سکتا ہے جب کہ وہ بوسیدہ ہو گئیں آپ فرما دیجئے وہی ان کو زندہ کرے جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔

تو ابتداء کے ساتھ اعادہ پر استدلال فرمایا۔ نیز ارشاد خداوندی ہے۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۔ (۲)

تمہاری پیدائش اور (قیامت کے دن) اٹھنا ایک نفس کی طرح ہے۔

اعادہ (لوٹانا) دوسری بار ابتداء کرنا ہے تو پہلی ابتداء کی طرح یہ بھی ممکن ہے۔

دوسرا اصل:-

منکر نکیر کا سوال

اس کے بارے میں احادیث آئی ہیں لہذا اس کی تصدیق واجب ہے کیونکہ یہ ممکن ہے اس لیے کہ اس کا تقاضا صرف اتنا ہے کہ زندگی کو اس جزو کی طرف لوٹایا جائے جس کے ذریعے خطاب کو سمجھا جاتا ہے اور یہ بات فی نفسہ ممکن ہے۔ اور اس بات کے ذریعے اسے رد نہیں کیا جا سکتا کہ میت کے اجزاء کو حالت سکون میں ہوتا ہے لیکن اپنے باطن کے ساتھ تکالیف اور لذات کا ادراک کرتا ہے جس کا اثر بیداری کے بعد بھی محسوس ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کا کلام سنتے اور انہیں دیکھتے تھے لیکن لوگ آپ کے گرد ہوتے وہ نہ سنتے تھے اور نہ دیکھتے تھے اور انہیں اس کے علم سے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ یٰسین ۷۸، ۷۹

(۲) قرآن مجید سورۂ لقمان آیت ۲۸

اتنا ہی حاصل ہوتا جتنا وہ چاہتا (۱) تو جب ان کے لئے (فرشتوں کو) دیکھنا اور سننا نہیں رکھا تھا تو انہیں حضرت جبریل علیہ السلام کا ادراک نہیں ہوتا تھا۔

تیسرا اصل :-

عذابِ قبر

عذاب قبر کے بارے میں شریعت نے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ـ (۲)

وہ آگ جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا کہ فرعونیوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلاف (بزرگوں) کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا مشہور ہے اور یہ ممکن بھی ہے لہٰذا اس کی تصدیق واجب ہے، میت کے اجزاء کا درندوں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں میں متفرق ہونا اس سے مانع نہیں ہے کیونکہ حیوان کے مخصوص اجزاء کو محسوس ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ان اجزاء میں احساس پیدا فرمادے۔

چوتھا اصل :

میزان

میزان حق ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (۳)

اور ہم قیامت کے دن عدل والے ترازو قائم کریں گے

اور ارشاد خداوندی ہے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ (۴)

تو جن اعمال کا وزن بھاری ہوگا وہی لوگ فلاح پائیں گے اور جن کے اعمال تول میں ہلکے ہوں پس وہی ہیں جنہوں نے اپنی جان کو نقصان میں ڈالا۔

---

(۱) مسلم شریف باب طیب عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے میں یاد کرتا رہتا ہوں صحیح مسلم اردو جلد ۶ ص ۹۱، مطبوعہ فرید بکسٹال

(۲) قرآن مجید سورۂ مومن آیت ۴۶ (۳) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۴۷

(۴) قرآن مجید سورۂ مومنون آیت ۱۰۲-۱۰۳

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ درجات اعمال کے مطابق نامہ اعمال میں وزن پیدا کر دے گا تو بندوں کے اعمال کی مقدار خود بندوں کو معلوم ہو جائے گی حتیٰ کہ عذاب کی صورت میں عدل اور معافی نیز دوگنا ثواب دینے کی صورت میں اس کا فضل ان پر ظاہر ہو جائے گا۔

پانچواں اصل :-

پُل صراط

یہ ایک پُل ہے جو جہنم کی پُشت پر بچھایا گیا ہے بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ (۱)

ان سب کو دوزخ کی طرف ہانکو اور انہیں ٹھہراؤ ان سے پوچھا جائے گا۔

اور یہ بھی ممکن ہے پس اس کی تصدیق واجب ہے کیوں کہ جو ذات پرندوں کو ہوا میں اُڑانے پر قادر ہے وہ انسان کو پُل صراط پر چلانے پر بھی قادر ہے۔

چھٹا اصل :

جنّت و دوزخ

جنّت و دوزخ پیدا کر دیئے گئے ہیں اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (۲)

اور اپنے رب کی بخشش حاصل کرنے میں جلدی کرو اور اس جنّت کی طرف (دوڑو) جس کی چوڑائی میں تمام آسمانوں وزمین سما جائیں وہ متقی لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

ساتواں اصل :

خلافت و امامت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام حق حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان غنی اور پھر حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ امام کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی نص قطعی نہیں آئی کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو مختلف شہروں میں لشکروں پر آپ نے جو حاکم یا امیر مقرر فرمائے تھے یہ ان سے بھی زیادہ ظاہر اور واضح ہوتا

(۱) قرآن مجید سورۂ انبیاء آیت ۲۴
(۲) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۳۳

اور پوشیدہ نہ رہتا کیوں کہ وہ پوشیدہ نہیں رہ سکتی تو یہ کیسے پوشیدہ رہ گیا۔ اور اگر یہ بات ظاہر تھی تو کیسے مٹ گئی اور ہم تک نہ پہنچی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، صحابہ کرام کے انتخاب اور بیعت کی وجہ سے امام ہوئے اور اگر کسی دوسرے صحابی کے لیے نص ثابت کی جائے تو تمام صحابہ کرام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا الزام آئے گا اور یہ اجماع کو توڑنا ہوگا۔ اس بات کو (کہ اس سلسلے میں نص ہے) رافضیوں نے گھڑا ہے اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کرام پاک ہیں اور قابل تعریف بھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ اجتہاد پر مبنی تھا حضرت معاویہؓ کی طرف سے امامت کا جھگڑا نہ تھا کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ چونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے قبائل بھی زیادہ ہیں اور وہ لشکر میں بھی شامل ہیں لہذا ان قاتلین کو (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رشتہ داروں کے) حوالے کرنا خلافت کے ابتدائی دور میں ہی اس میں خلل کا باعث ہوگا۔ لہذا آپ نے تاخیر کو زیادہ بہتر سمجھا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ان لوگوں کے اتنے بڑے جرم کے باوجود اس معاملے میں تاخیر انہیں ائمہ کے خلاف ترغیب دینے کے مترادف ہے اور اس سے خون ریزی ہوگی جلیل القدر علماء کرام نے فرمایا کہ ہر مجتہد کی رائے صحیح ہوتی ہے لیکن دوسرے حضرات نے فرمایا ایک کی بات درست ہوتی ہے اور کسی بھی اہل علم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سوچ کو غلط قرار نہیں دیا۔

آٹھواں اصل :-

صحابہ کرام کی فضیلت اور اس کی ترتیب

صحابہ کرام کی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے کیونکہ حقیقی فضیلت وہ ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت ہو اور اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی مطلع نہیں ہو سکتا تمام صحابہ کرام کی تعریف میں بہت سی آیات اور احادیث آئی ہیں فضیلت کی باریکیوں اور اس کی ترتیب کو وہی لوگ جانتے تھے جنہوں نے وحی اور نزول قرآن کا مشاہدہ کیا وہ احوال کے قرائن اور فضیلت کی باریکیوں سے یہ بات معلوم کرتے تھے اگر وہ لوگ اس بات کو نہ سمجھتے تو خلافت کو اس طرح ترتیب نہ دیتے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور کوئی قوت انہیں حق سے پھیر نہیں سکتی تھی۔

نواں اصل :-

شرائط امامت

اسلام اور مکلف ہونے کے بعد امامت کی شرائط پانچ ہیں، مرد ہونا، متقی ہونا، عالم ہونا، (امور حکومت پر) قادر ہونا

اور قریش میں سے ہونا، کیوں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ الْقُرَیْشِ (۱) ائمہ قریش سے ہوں گے۔

اگر ان صفات کے حاملین کئی ہوں تو جس کے ہاتھ پر زیادہ لوگ بیعت کریں۔ اور جو اکثریت کا مخالف ہو گا وہ باغی ہو گا اسے حق کے سامنے جھکنے پر مجبور کرنا واجب ہے۔

دسواں اصل:۔

خوف فتنہ کے وقت انعقادِ امامت

جو آدمی امامت کے درپے ہے اگر اس میں تقویٰ اور علم نہ پایا جاتا ہو اور اس کو معزول کرنے میں فتنہ پیدا ہوتا ہو اور اسے دور کرنے کی طاقت نہ ہو تو ہم اس کی امامت کے انعقاد کا حکم دیں گے کیونکہ یہ دو حال سے خالی نہیں یا تبدیلی کی وجہ فتنہ پیدا کریں گے اور اس صورت میں مسلمانوں کو جو نقصان ہو گا وہ اس نقصان سے زیادہ ہو گا جو امامت کی شرائط میں کمی کی وجہ سے ہو گا اور یہ شرائط مصلحت کے لیے زیادہ کی گئی ہیں۔

لہٰذا ان اضافی شرائط کی وجہ سے اصل مصلحت کو ختم نہیں کیا جائے گا۔ جیسے کوئی شخص ایک محل بنانے کے لیے پورے شہر کو تباہ کر دے یا یہ کہ ہم ملک کو امام سے خالی رکھنے کا فیصلہ کریں اور تمام مقدمات میں بگاڑ پیدا ہو جائے اور یہ محال ہے اور ہم ضرورت کی وجہ سے اہل بغاوت کے فیصلوں کو نافذ قرار دیتے ہیں۔ تو حاجت اور ضرورت کے وقت امامت کی صحت کا فیصلہ کیسے نہیں کریں گے۔

تو یہ چار ارکان جو چالیس اصول پر مشتمل ہیں، یہ عقائد کے قواعد ہیں جو شخص ان پر عقیدہ رکھتا ہے وہ اہل سنت کے موافق ہے اور بدعتیوں کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ہمیں سیدھے راستے پر رکھے اور اپنے احسان، وسیع کرم اور فضل سے حق اور اس کی تحقیق کی طرف ہماری راہنمائی فرمائے۔ ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی آل اور ہر منتخب بندے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

چوتھی فصل:

قواعدِ عقائد

ایمان، اسلام، ان کے درمیان اتصال وانفصال نیز ان میں کمی زیادتی اور اس میں اسلاف کے استثناء کا بیان۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ:

---

(۱) مستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۵۰۱

اس میں اختلاف ہے کہ کیا اسلام ہی ایمان ہے یا یہ کوئی دوسری چیز ہے اور اگر اس کا غیر ہے تو کیا وہ اس سے الگ ہے اس کے علاوہ بھی پایا جاتا ہے یا اس کے ساتھ اس کا ربط ہے اور یہ لازم ملزوم ہیں تو کہا گیا ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں بعض نے کہا یہ دو چیزیں ہیں جو باہم متصل نہیں ہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں لیکن ایک دوسرے سے مربوط ہیں ابو طالب مکی نے اس مسئلے میں بہت طویل اور سخت باعث اضطراب کلام کیا ہے اب ہم بے فائدہ تقریر کی طرف متوجہ ہوئے بغیر حق بات کو واضح طور پر لاتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اس میں تین ابحاث ہیں۔

۱۔ دونوں لفظوں کا لغوی معنیٰ کیا ہے۔

۲۔ شریعت میں ان دونوں سے کیا مراد ہے۔

۳۔ دنیا اور آخرت میں ان دونوں کا حکم کیا ہے۔

لہٰذا پہلی بحث لغوی، دوسری تفسیری اور تیسری فقہی شرعی بحث ہے۔

لغوی بحث:

اس میں حق بات یہ ہے کہ ایمان، تصدیق کا نام ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا (۱) اور آپ ہماری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں

اور اسلام ماننے اور دل سے قبول کرنے اور جھک جانے نیز سرکشی انکار اور عناد کو چھوڑنے کا نام ہے تصدیق کا محل خاص ہے اور وہ دل ہے زبان اس کی ترجمان ہے ماننا عام ہے دل، زبان اور دیگر اعضاء سب کے ساتھ ہوتا ہے ہر قلبی تصدیق، مان لینا، اور انکار کو چھوڑ دینا ہے اسی طرح زبان سے اعتراف ہے، اور اعضاء کے ذریعے فرمانبرداری کرنا اور جھک جانا بھی اسی طرح ہے تو لغوی اعتبار سے اسلام میں عموم ہے اور ایمان خاص ہے اور اسلام کا سب سے اچھا جزء ایمان ہے پس ہر تصدیق تسلیم (ماننا) ہے لیکن ہر تسلیم، تصدیق نہیں ہے۔

شرعی بحث:

اس میں حق بات یہ ہے کہ شریعت میں یہ دونوں مترادف (ہم معنیٰ) بھی آئے ہیں اور اختلاف کے طریقے پر بھی ذکر کیا گیا ہے نیز ایک دوسرے میں داخل ہونے کا بھی ذکر ہے۔

جہاں تک ان کے مترادف ہونے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ تو ہم نے اس میں سے مومنوں کو نکالا تو ہم نے وہاں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ یوسف آیت ۱۷

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ (۱) مسلمانوں کے علاوہ کسی کا گھر نہ پایا۔

اور یہ بات بالاتفاق ثابت ہے کہ وہاں ایک ہی گھر تھا۔

اور ارشاد خداوندی ہے :۔

يَا قَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ (۲) اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ (۳) اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

اور ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ان ہی پانچ باتوں کے ساتھ جواب دیا (کلمہ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) جہاں تک ان میں اختلاف کا تعلق ہے تو ارشاد خداوندی ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا۔ (۴) دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے تو آپ فرما دیجئے تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ظاہراً تسلیم کیا، تو یہاں ایمان سے فقط تصدیق اور اسلام سے ظاہری طور پر زبان اور اعضاء سے ماننا مراد ہے اور حدیث جبریل علیہ السلام میں ہے۔ جب انہوں نے ایمان کے بارے میں سوال کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَبِالْحِسَابِ وَبِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ (۵) تم اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں آخرت کے دن مرنے کے بعد زندہ ہونے حساب اور خیر وشر کی تقدیر پر ایمان لاؤ۔

پھر انہوں نے اسلام کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے پانچ باتوں کے ساتھ جواب دیا تو اسلام کو قول وعمل کے ساتھ ظاہر تسلیم سے تعبیر فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ذاریات آیت ۳۵، ۳۶

(۲) قرآن مجید سورۂ یونس آیت ۸۴

(۳) صحیح بخاری کتاب الایمان جلد اول ص ۵

(۴) قرآن مجید سورۂ حجرات آیت ۱۴

(۵) مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان ص ۱۱

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کچھ عطیہ عنایت فرمایا اور دوسرے کو نہ دیا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فلاں کو چھوڑ دیا اور عطا نہ فرمایا حالانکہ وہ مومن ہے آپ نے فرمایا یا مسلمان ہے، انہوں نے پھر وہی بات کہی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا (۱)

جہاں تک ان کے ایک دوسرے میں شامل ہونے کا تعلق ہے تو ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا "اسلام" سوال ہوا کون سا اسلام افضل ہے! آپ نے فرمایا "ایمان" (۲)

تو یہ حدیث ان کے درمیان اختلاف اور ایک دوسرے میں شامل ہونے کی دلیل ہے لغوی اعتبار سے یہ استعمال سب سے اچھا ہے۔ کیونکہ ایمان بھی ایک عمل ہے اور وہ سب سے افضل عمل ہے، اور اسلام تسلیم کرنے کا نام ہے چاہے وہ دل سے ہو، زبان سے یا اعضاء کے ساتھ ہو۔ اور ان میں سے افضل تسلیم دل سے ماننا ہے یہ تصدیق ہے جسے ایمان کہا جاتا ہے اور مکمل طور پر ترادف ماننے کی صورت میں لغت میں مجازی معنی ماننا پڑے گا۔

اختلاف کی صورت یہ ہے کہ ایمان کو فقط تصدیق قلبی سے تعبیر کیا جائے اور یہ لغت کے موافق ہے اور اسلام ظاہری طور پر ماننے کا نام ہے اور یہ بھی لغت کے موافق ہے کیونکہ تسلیم کے بعض مقامات کو بھی تسلیم ہی کہا جاتا ہے۔

لہٰذا اس نام (تسلیم) کے حصول کے لئے معنی کا عموم شرط نہیں کہ جہاں جہاں یہ معنی ممکن ہے ان سب مقامات پر تسلیم ہو تو اسے تسلیم کہیں گے (ایسا نہیں ہے) جس طرح کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے جسم کے بعض حصے کو ہاتھ لگاتے تو اسے بھی چھونے والا کہا جاتا ہے اگرچہ وہ تمام بدن کو نہ چھوئے تو اگر کوئی شخص زبانی تسلیم کے مطابق دل سے تسلیم نہ بھی کرے تو بھی اس کا ظاہری طور پر ماننا اسلام کہلائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے ارشاد فرمایا۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا أَسْلَمْنَا (۳)

دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے آپ فرما دیجئے تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔

اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا "أَوْ مُسْلِمٌ" بھی اسی پر محمول ہے کیونکہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی گئی اور اختلاف سے مراد دونوں کے معنی کا ایک دوسرے سے جدا

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۷۶

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۱۴

(۳) قرآن مجید سورہ حجرات آیت ۱۴

ہوتا ہے تداخل لغوی اعتبار سے بھی ایمان کے موافق ہے وہ یوں کہ دل سے تسلیم کرنا اور قول و عمل سب اسلام سے مراد ہوں اور ایمان اسلام میں داخل ہونے والے امور میں سے بعض یعنی قلبی تصدیق کا نام ہے اور تداخل سے ہماری مراد یہی ہے وہ ایمان خصوصی معنیٰ اور اسلام عمومی معنیٰ کے اعتبار سے لغت کے موافق ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل اسلام کے بارے میں سوال کے جواب میں ایمان کا ذکر اسی بنیاد پر فرمایا تھا کیونکہ آپ نے ایمان کو اسلام کا ایک خاص حصہ قرار دے کر اس میں داخل کر دیا۔

اور اسے ترادف کے طور پر استعمال کرنا یعنی دل سے تسلیم کرنے اور ظاہری عمل دونوں کو اسلام قرار دیا جائے کیونکہ یہ سب کچھ تسلیم کرنا ہے اور ایمان کا بھی یہی حال ہے اب اسلام کے عام ہونے کی وجہ سے ایمان میں خصوصی تصرف ہوگا اور ظاہر کو اس میں داخل کرنا ہوگا اور یہ جائز ہے کیونکہ قول و عمل کے ساتھ ظاہری تسلیم باطنی تصدیق کا نتیجہ ہے اور بعض اوقات درخت کا نام لیتے ہیں لیکن چشم پوشی کے طور پر اس سے درخت سے پھل مراد ہوتا ہے تو اس قدر عموم کی وجہ سے وہ اسلام کے نام کے مترادف اور مطابق ہے نہ اس پر کوئی اضافہ ہوگا اور نہ کمی، اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کا بھی یہی مطلب ہے۔

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (۱) — پس ہم نے اس (بستی) میں صرف مسلمان کا گھر پایا۔

تیسری بحث:

حکم شرعی

اسلام اور ایمان کے دو حکم ہیں ایک آخروی اور دوسرا دنیوی، اخروی حکم، جہنم سے دور رکھنا اور ہمیشہ جہنم میں رہنے سے بچانا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ۔ (۲) — جس آدمی کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ جہنم سے نکل آئے گا۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ حکم کس پر مرتب ہوگا یعنی ایمان کیا ہے کسی نے کہا وہ محض دل کا یقین ہے کسی نے کہا دل کا یقین اور زبان کی شہادت ہے کسی کہنے والے نے تیسری بات یعنی اعضاء کے ساتھ عمل کا بھی اضافہ کیا۔

ہم اس پردے کو دور کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس شخص میں یہ تینوں باتیں جمع ہوں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ذاریات آیت ۳۶

(۲) صحیح بخاری کتاب الایمان جلد اول ص ۸

کہ اس کا ٹھکانہ جنت ہے اور یہ ایک درجہ ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ دو باتیں اور تیسری کا کچھ حصہ پایا جائے۔ یعنی دل کا یقین، زبان کا قول اور بعض اعمال پائے جائیں لیکن یہ شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا کچھ کبیرہ گناہ کرتا ہو اس کے بارے میں معتزلہ نے کہا ہے کہ یہ شخص اس وجہ سے ایمان سے خارج ہو گیا لیکن کفر میں داخل نہیں ہوا بلکہ اس کا نام فاسق ہے اور وہ دو منزلوں کے درمیان تیسری منزل پر ہے۔ اور یہ شخص ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ لیکن یہ عقیدہ باطل ہے جیسے ہم ذکر کریں گے تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل سے تصدیق اور زبان سے شہادت پائی جائے لیکن اعضاء سے اعمال صالحہ نہ پائے جائیں اس کے حکم میں اختلاف ہے ابو طالب مکی نے کہا ہے کہ اعضاء سے عمل کرنا ایمان کا حصہ ہے اور اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا انہوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ایسے دلائل سے استدلال کیا ہے جو ان کے مطلب کے خلاف معلوم ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ - (۱)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل، ایمان کے بعد ہے، نفس ایمان سے نہیں ہے ورنہ عمل کا ذکر تکرار کے حکم میں ہوگا۔ اور تعجب ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں اجماع کا دعویٰ کیا اور اس کے باوجود حضور علیہ السلام کا یہ قول نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

لَا یَکْفُرُ اِلَّا بَعْدَ جُحُوْدِہٖ لِمَا اَقَرَّ بِہٖ - (۲)

وہ کافر نہیں ہوتا جس بات کا اقرار کیا ہے اس کے انکار کے بعد۔

اور معتزلہ کے اس عقیدے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہمیشہ جہنم میں رہے گا، کا وہ رد کرتے ہیں حالانکہ اسی بات کا قائل مذہب معتزلہ کا قائل ہے، کیونکہ اس سے کہا جاتا ہے کہ جو شخص دل سے تصدیق کرے اور زبان سے اقرار کرکے اسی وقت مر جائے (یعنی عمل نہ کر سکے) تو کیا وہ جنت میں جائے گا؟ تو وہ ضرور کہے گا ہاں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان، عمل کے بغیر ہوتا ہے تو ہم اس میں اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر وہ شخص زندہ رہتا یہاں تک کہ اس کو ایک نماز کا وقت ملتا اور وہ اسے چھوڑ دیتا پھر مر جاتا یا زنا کا ارتکاب کرکے مر جاتا، تو کیا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اگر وہ کہے کہ جی ہاں تو معتزلہ کی مراد بھی یہی ہے اگر کہے کہ جی ہاں تو یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ عمل نفس ایمان کا رکن نہیں، نہ اس کے وجود کے لیے شرط ہے اور نہ ہی جنت کے استحقاق کا سبب ہے۔ اور اگر کہے میری مراد یہ ہے کہ وہ ایک طویل عرصہ تک

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۸۲

(۲) مجمع الزوائد جلد اوّل ص ۱۰۶ باب لا یکفر احد

زندہ رہے اور نماز نہ پڑھے اور نہ ہی کوئی شرعی عمل کرے (تو جہنم میں ہمیشہ رہے گا) تو ہم کہیں گے یہ مدت کتنی ہوگی؟ اور وہ عبادات کس مقدار میں ہوں گی جن کے چھوڑنے سے ایمان باطل ہو جاتا ہے اور وہ کتنے گناہ کبیرہ ہوں گے جن کے ارتکاب سے ایمان باطل ہو جاتا ہے اور وہ کتنے گناہ کبیرہ ہوں گے جن کے ارتکاب سے ایمان باطل ہو جاتا ہے تو اس سلسلے میں نہ کوئی مقدار مقرر ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی شخص اس طرف گیا ہے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ دل میں تصدیق موجود ہو اور وہ زبان سے اقرار کرنے اور اعمال میں مشغول ہونے سے پہلے انتقال کر جائے تو کیا ہم کہیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن ہو کر فوت ہوا ہے تو اس سلسلے میں اختلاف ہے جن لوگوں نے تکمیل ایمان کے لیے زبان سے شہادت کی شرط رکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ ایمان سے پہلے فوت ہوا۔ اور یہ نظریہ فاسد ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الْإِيمَانِ (۱)

جس آدمی کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ جہنم سے نکل آئے گا۔

اور اس شخص کا دل ایمان سے بھرا پڑا ہے تو کس طرح یہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اور حدیث جبریل میں صرف اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اس کے فرشتوں، کتابوں اور آخرت پر ایمان کی شرط رکھی گئی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

پانچواں درجہ یہ ہے کہ وہ دل سے تصدیق کرتا ہے اور زندگی کی اتنی مہلت مل جاتی ہے کہ وہ زبان سے کلمہ شہادت کہہ سکے اور وہ اس کے وجوب کو بھی جانتا ہے لیکن نہیں کہتا تو اس بات کا احتمال ہے کہ وہ کلمہ شہادت سے اسی طرح رک رہا ہو جس طرح نماز نہیں پڑھتا تو یہ مومن ہے لیکن جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ ایمان محض تصدیق ہے زبان، ترجمان ایمان ہے تو زبانی شہادت سے پہلے ایمان مکمل ہونا چاہیے تاکہ زبان اس کی ترجمانی کر سکے یہی زیادہ ظاہر بات ہے۔ کیونکہ معانی کی پیروی کے علاوہ کوئی سند نہیں اور لغوی اعتبار سے ایمان قلبی تصدیق کا نام ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص ذرہ بھر بھی ایمان رکھتا ہے وہ جہنم سے نکل جائے گا۔"

اور زبانی شہادت کے وجوب کے باوجود جو آدمی اس شہادت سے خاموش رہے اس کے دل سے ایمان نہیں نکلتا جس طرح واجب عمل نہ کرنے کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ زبان سے کہنا رکن ہے کیوں کہ کلمہ شہادت دل کی خبر نہیں بلکہ انشاء ہے، اا ایک دوسرا عقد ہے اور شہادت والتزام کی ابتداء ہے۔ لیکن پہلی بات زیادہ ظاہر ہے۔ اس سلسلے میں مرجئہ فرقہ نے حد سے تجاوز کیا ہے وہ

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۸ کتاب الایمان

(۲) مرجئہ بارہ فرقوں میں تقسیم ہیں تفصیل کیلئے غنیۃ الطالبین (عربی) گمراہ فرقوں کا بیان جز اول ص ۹۰

کہتے ہیں یہ شخص جہنم میں بالکل داخل نہیں ہوگا اور کہتے ہیں مومن اگرچہ گناہ کا مرتکب ہو جہنم میں نہیں جائے گا۔ عنقریب ہم ان کے قول کا بطلان بیان کریں گے چھٹا درجہ یہ ہے کہ وہ زبان سے "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" پڑھے لیکن دل سے تصدیق نہ کرے تو اس میں ہمیں شک نہیں ہے کہ کفار کے لئے اخروی حکم ہے اور ایسا شخص ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ دنیوی حکم میں جس کا تعلق بادشاہوں اور حکمرانوں سے ہے، مسلمان سمجھا جائے گا کیونکہ اس کے دل پر اطلاع نہیں ہوسکتی اور ہم پر لازم ہے کہ جو کچھ اس نے زبان سے کہا اسی کو اس کے دل میں بھی سمجھیں ہمیں تیسری بات میں شک ہے یعنی وہ دنیوی حکم جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے وہ یہ کہ اگر اس حالت میں اس کا کوئی قریبی رشتہ دار مسلمان فوت ہوجائے پھر وہ دل سے تصدیق کرے اس کے بعد فتویٰ حاصل کرے اور کہے کہ میں اس شخص کی موت کے وقت دل سے تصدیق کرنے والا نہ تھا اور وراثت میرے قبضہ میں ہے تو کیا دیا تا یہ میرے لیے حلال ہے۔ یا اس نے کسی مسلمان عورت سے نکاح کیا پھر اس نے دل سے تصدیق کی تو کیا دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہوگا، یہ قابل غور ہے۔

تو اس بات کا احتمال ہے کہ کہا جائے دنیا کے اعمال کا ظاہری و باطنی دار و مدار ظاہری بات پر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے دوسروں کے لیے ظاہر پر دار و مدار ہے کیونکہ دوسروں کے لئے اس کا باطنی حال ظاہر نہیں ہے جبکہ خود اس کے لیے اس کا باطن اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ظاہر ہے۔ لیکن زیادہ بہتر بات یہ ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ اس کے لیے یہ وراثت جائز نہ ہوگی اور اس پر دوبارہ نکاح کرنا بھی لازم ہوگا اسی لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کسی مرنے والے منافق کی نماز جنازہ میں نہیں جاتے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس بات کا اندازہ انہی سے لگاتے تھے اور جس جنازے میں وہ نہ جائیں حضرت عمر فاروق رضی عنہ نہیں جاتے تھے اور نماز دنیا میں ظاہری فعل ہے اگرچہ عبادات سے ہے اور حرام سے بچنا بھی ان امور سے ہے جو نماز کی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ [1] حلال (رزق) تلاش کرنا فریضہ (نماز) کے بعد فرض ہے۔

اور یہ بات ہمارے اس قول کے خلاف نہیں کہ وراثت اسلام کا حکم ہے اور اسلام، تسلیم کر لینے کا نام ہے، بلکہ مکمل طور پر تسلیم کرنا وہ ہے جو ظاہر و باطن کو شامل ہو۔ یہ فقہی ظنی بحثیں ہیں جو ظاہری الفاظ، عمومی دلائل اور قیاسوں پر مبنی ہیں لہٰذا جو شخص علوم میں قاصر ہے وہ یہ خیال نہ کرے کہ اس میں قطعیت مطلوب ہے جیسے فن کلام میں یہ طریقہ رائج ہوگیا کہ اس میں

---

(۱) مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۲ کتاب البیوع باب الکسب طلب الحلال۔

قطعیت کو تلاش کیا جاتا ہے پس جو شخص علوم میں عادات اور رسوم کی طرف نظر کرتا ہے اسے فلاح نہیں ہوتی۔

شبہات اور ان کا ازالہ

اگر تم کہو کہ معتزلہ اور مرجئہ کا شبہ کیا ہے اور ان کے قول کے باطل ہونے پر کیا دلیل ہے؟ تو میں کہتا ہوں وہ قرآن پاک کے عموم سے شبہ پیدا کرتے ہیں۔

مرجیہ کا شبہ: مرجیہ کہتے ہیں کوئی مومن جہنم میں داخل نہیں ہوگا اگرچہ وہ تمام گناہوں کا مرتکب ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَمَنْ يُؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا۔ (۱)

پس جو کوئی اپنے رب پر ایمان لائے تو اسے نہ کسی تکلیف کا خوف ہے نہ زیادتی کا۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (۲)

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی سچے لوگ ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ (۳)

جب کوئی بڑی جماعت اس (جہنم) میں ڈالی جائے گی تو اس کا داروغہ ان سے پوچھے گا کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں آیا تھا کہیں گے کیوں نہیں ہمارے پاس ڈرانے والے آئے مگر ہم نے انہیں جھٹلایا اور کہا اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا۔

تو اس میں "کلما القی فوج" عام ہے تو مناسب ہے کہ جسے بھی جہنم میں ڈالا جائے وہ جھٹلانے والا ہو۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (۴)

اس جہنم میں وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے جھٹلایا اور پھر گیا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ جن آیت ۱۳

(۲) قرآن مجید سورۂ حدید آیت ۱۹

(۳) قرآن مجید سورۂ ملک آیت ۸-۹

(۴) قرآن مجید سورۂ اللیل آیت ۱۵

یہ حصر بھی ہے اثبات بھی اور نفی بھی۔
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ (۱)

جو آدمی نیکی کرے تو اسے اس سے بھی بہتر ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے مامون و محفوظ ہوں گے۔

تو ایمان تمام نیکیوں کی بنیاد ہے۔
اور ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا۔ (۳)

بے شک ہم اچھے کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔

لیکن ان لوگوں کے لیے اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ ان آیات میں جہاں ایمان کا ذکر کیا وہاں عمل کے ساتھ ایمان مراد ہے اس لیے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ کبھی ایمان کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے اسلام مراد ہوتا ہے اور وہ دل، زبان اور اعمال کی موافقت ہے، اور اس معنی پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں جن میں گناہ گاروں کے لیے سزا اور سزا کی مقدار کا ذکر ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ "وہ شخص بھی جہنم سے نکلے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا"، (یہ حدیث گزر چکی ہے) تو جب تک وہ داخل نہیں ہوگا کیسے نکلے گا۔
اور قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (۴)

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ کو بخش دے گا۔

تو مشیت کے ساتھ استثناء (کہ جسے چاہے بخش دے) یہ تقسیم پر دلالت ہے (کہ جسے نہیں چاہے گا نہیں بخشے گا۔)
اور ارشاد خداوندی ہے:

---

(۱) قرآن مجید سورۂ نمل آیت ۸۹
(۲) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۱۹۵
(۳) قرآن مجید سورہ کہف آیت ۳۰
(۴) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۴۸

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔ (۱)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے اس کے لیے جہنم ہے وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تو اسے کفر کے ساتھ خاص کرنا ہٹ دھرمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَلَا اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ (۲)

سنو! بے شک ظالم ہمیشہ کے عذاب میں ہوں گے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ (۳)

اور جو آدمی برائی کا مرتکب ہوں انہیں منہ کے بل آگ میں ڈالا جائے گا۔

تو یہ آیات ہیں جن میں عمومی حکم ہے اور یہ ان آیات کے مقابلے میں ہیں جن سے انہوں نے عموم ثابت کیا تھا اور تخصیص و تاویل کی دونوں طرف ضرورت ہے کیونکہ احادیث مبارکہ میں واضح طور پر آیا ہے گناہ گاروں کو عذاب ہوگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی اس سلسلے میں واضح ہے کہ یہ سب کے لیے ہے کیونکہ کوئی بھی مومن گناہ کے ارتکاب سے خالی نہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (۴)

اور ہر ایک نے اس میں داخل ہونا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

لَا يَصْلٰىهَا اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (۵)

اس (جہنم) میں وہی شخص داخل ہوگا جو نہایت بدبخت ہے اس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔

تو اس سے مخصوص جماعت مراد ہے یا "اشقیٰ" سے کوئی خاص معین آدمی مراد ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے!

"كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ۔ (۶)

جب اس جہنم میں کوئی بڑی جماعت ڈالی جائے گی تو جہنم کا داروغہ ان سے پوچھے گا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ جن آیت ۲۳ (۲) قرآن مجید سورۂ شوریٰ آیت ۴۵
(۳) قرآن مجید سورۂ نمل آیت ۹۰ (۴) قرآن مجید سورۂ مریم آیت ۷۱
(۵) قرآن مجید سورۂ اللیل آیت ۱۵-۱۶
(۶) قرآن مجید سورۂ ملک آیت ۸

سے کفار کی فوج مراد ہے اور عالم کو مخصوص بنانا کوئی بعید بات نہیں اس آیت کی بنیاد پر امام اشعری اور متکلمین کی ایک جماعت کے عموم کے صیغوں کا انکار کیا ہے اور یہ الفاظ اس سلسلے میں کسی قرینے کے محتاج ہیں جو ان کے معنی پر دلالت کرے۔

معتزلہ کا شبہ :

ارشاد خداوندی ہے :

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی (۱)

بے شک میں اسے بخش دوں گا جس نے توبہ کی ایمان لایا اور اچھے عمل کئے پھر ہدایت پائی۔

اور ارشاد خداوندی ہے :

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔(۲)

اور زمانے کی قسم بے شک انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے۔

اور ارشاد خداوندی ہے :

وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا (۳)

اور ہر ایک نے اس جہنم میں جانا ہے یہ تمہارے رب کا حتمی فیصلہ ہے۔

پھر ارشاد فرمایا :

ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (۴)

پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّمَ ۔(۵)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے بے شک اس کے لیے جہنم ہے۔

تو ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عمل کا ذکر کیا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۸۲

(۲) قرآن مجید سورۂ العصر آیت نمبر ۱ تا ۳۔

(۳) قرآن مجید سورۂ مریم آیت نمبر ۷۱

(۴) قرآن مجید سورۂ مریم آیت نمبر ۷۲

(۵) قرآن مجید سورۂ جن آیت نمبر ۲۳

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا (۱)
جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کا بدلہ جہنم ہے۔

ان عمومی آیات میں بھی تخصیص ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (۲)
اور وہ اس (شرک) کے علاوہ کو جس کے لیے چاہے بخش دے۔

تو شرک کے علاوہ (گناہوں) کی بخشش میں اس کی مشیت باقی رہنی چاہیئے اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جہنم سے وہ آدمی بھی نکل جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا (۳)
ہم اچھے کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔

تو ایمان اور تمام عبادتوں کا اجر ایک گناہ کی وجہ سے کیسے ضائع ہو جائے گا۔

ارشاد خداوندی

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا (۴)
جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا!

اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتول کو اس کے ایمان کی وجہ سے قتل کرے (اس طرح قاتل کافر ہو جاتا ہے اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا ہر قاتل مراد نہیں ۱۲ ہزاروی)

اس قسم کے سبب پر احادیث آئی ہیں۔

ایک سوال کا جواب!

اگر تم کہو کہ اس سے معلوم ہوا مذہب مختار یہ ہے کہ ایمان میں اعمال کا دخل نہیں حالانکہ بزرگوں کا قول معروف ہے کہ ایمان، تصدیق، قول اور عمل کا نام ہے تو اس کا کیا مطلب ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ عمل کو ایمان سے شمار کرنا کوئی خلاف عقل بات نہیں کیونکہ یہ (عمل) اسے مکمل کرتا ہے جیسے کہا جاتا ہے سر

---

(۱) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۹۳
(۲) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۴۸
(۳) قرآن مجید سورۂ کہف آیت ۳۰
(۴) قرآن مجید سورۂ نساء آیت نمبر ۹۳

اور ہاتھ انسان سے ہیں حالانکہ یہ معلوم ہے کہ اگر سر نہ ہو تو وہ انسان نہیں کہلائے گا ہاتھ کٹے ہونے کی وجہ سے وہ انسان ہونے سے نہیں نکل سکتا اسی طرح کہا جاتا ہے کہ تسبیحات اور تکبیرات نماز سے ہیں اگرچہ ان کے نہ ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی تو دل سے ایمان ایسے ہی ہے جیسے انسان کے لیے سر ہوتا اس لئے کہ اس کے نہ ہونے سے ایمان نہیں پایا جاتا اور باقی عبادات دوسرے اعضاء کی طرح ہیں جن میں سے بعض، دوسرے اعضاء سے اعلیٰ نہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ (۱) — زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

اور صحابہ کرام کا عقیدہ، معتزلہ کے عقیدے کی طرح نہ تھا کہ زنا کی وجہ سے آدمی کا ایمان ختم ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کامل ایمان کے ساتھ سچا مومن نہیں ہوتا۔ جیسے وہ شخص جس کے اعضا کٹے ہوئے ہوں اور وہ عاجز ہو تو کہا جائے کہ یہ انسان نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقتِ انسانیت اسے حاصل ہے لیکن اس کے بعد جو کمال انسانیت ہے وہ اسے حاصل نہیں۔

ایمان میں کمی زیادتی

اگر تم کہو کہ اسلاف اس بات پر متفق تھے کہ ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے عبادت کے ذریعے زیادہ ہوتا اور گناہ کی وجہ سے کم ہوتا ہے تو جب ایمان صرف تصدیق کا نام ہے تو اس میں کمی زیادتی کا تصور نہیں ہو سکتا تو میں کہتا ہوں کہ ہمارے اسلاف (احادیث کے) گواہ اور عادل تھے اور کسی کے لیے بھی ان کے قول سے روگردانی جائز نہیں لہٰذا انہوں نے جو کچھ ذکر کیا وہ حق ہے اس کے سمجھنے میں غور کرنا چاہیئے۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ عمل، ایمان کے اجزاء اور اس کے ارکان سے نہیں بلکہ وہ ایک زائد چیز ہے زائد بھی موجود ہے اور ناقص بھی اور کوئی چیز ذاتی طور پر نہیں بڑھتی لہٰذا یہ کہنا جائز نہیں کہ انسان اپنے سر کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس میں داڑھی یا موٹاپے کی وجہ سے اضافہ ہوا اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ رکوع اور سجدے کی وجہ نماز میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ آداب و سنن کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے تو اس بات کی نص صریح ہے کہ ایمان کے لیے ایک وجود ہے پھر اس کے بعد زیادتی اور کمی کی وجہ سے اس کے حالت بدلتی ہے۔

سوال :۔ اگر تم کہو کہ اعتراض باقی ہے کہ تصدیق کیسے زیادہ اور کم ہوتی ہے حالانکہ وہ ایک ہی خصلت ہے۔

جواب :۔ میں کہتا ہوں جب ہم منافقت ترک کر دیں اور کسی کے شور و شغب کی پرواہ نہ کریں اور پردہ اٹھا دیں تو اشکال ختم ہو جائے گا تو میں کہتا ہوں کہ ایمان اسم مشترک ہے اور یہ تین طرح استعمال ہوتا ہے۔

(۱) یہ تصدیق قلبی پر یوں بولا جاتا ہے کہ وہ محض تقلید ہوتی ہے کسی قسم کی وضاحت یا انشراح صدر نہیں ہوتا یہ عوام کا

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۰۶ کتاب المحاربین۔

ایمان ہے بلکہ خواص کو چھوڑ کر باقی تمام مخلوق کا ایمان اسی طرح ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ، قلبی یقین ہوتا ہے جو کبھی مضبوط اور سخت ہوجاتا اور کبھی کمزور ہوتا اور ڈھیلا پڑ جاتا ہے جیسے دھاگے کی گرہ ہوتی اور یہ بات خلاف قیاس نہیں اسے یہودی پر قیاس کیجئے کہ وہ اپنے عقیدے میں مضبوط ہوتا ہے کسی خوف اور ڈر کے ذریعے اسے چھینا نہیں جا سکتا کسی حیلے، وعظ اور تحقیق و دلائل کے ذریعے بھی ایسا نہیں کر سکتے اسی طرح عیسائی اور بدعتی لوگ ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ معمولی کلام کے ذریعے انہیں شک میں ڈالا جا سکتا ہے اور ادنیٰ حیلے یا خوف زدہ کرنے کے ذریعے اسے اپنے عقیدے سے نیچے اتار سکتے ہیں اس کے باوجود پہلے قسم کے لوگوں کی طرح اسے بھی اپنے عقیدے میں شک نہیں ہوتا لیکن پختگی میں ان دونوں کے درمیان فرق ہے یہ بات سچے عقیدے میں بھی موجود ہے عمل اسی ارادے کو بڑھانے اور زیادہ کرنے میں مؤثر ہوتا ہے جس طرح درختوں کو پانی دینا ان کی نشوونما میں مؤثر ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ (۱) پس ان کے ایمان بڑھ گئے۔

اور ارشاد فرمایا:

لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ۔ (۲) تاکہ ان کے ایمان میں اضافہ ہوجائے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسے بعض روایات میں آیا ہے۔

اَلْاِيْمَانُ يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ۔ (۳) ایمان بڑھتا اور گھٹتا رہتا ہے۔

اور یہ (ایمان کی کمی اور زیادتی) دل میں عبادت کی تاثیر کے اعتبار سے ہوتی ہے اور اس بات کا ادراک اسی شخص کو ہوتا ہے جو عبادت کی مصروفیت کے وقت جب اس کا دل صرف اسی طرف متوجہ ہو اور عبادت میں کوتاہی کے وقت میں تقابل کرے تو اسے فرق معلوم ہو جاتا ہے کہ پہلی حالت میں ایمان کی مضبوطی اس طرح ہو گی کہ اگر کوئی شخص اس کو شک میں ڈالنا چاہے تو ایسا نہیں کر سکے گا۔

بلکہ جو شخص یتیم پر رحمت کا اعتقاد رکھتا ہو جب اپنے عقیدے کے مطابق عمل کرتے ہوئے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرے اور اس کے ساتھ شفقت کا سلوک کرے تو اپنے باطن سے رحمت کی تاکید پائے گا اور اس عمل سے یہ رحمت بڑھ جائے گی اسی طرح جو شخص تواضع پر عقیدہ رکھتا ہے جب اس کے مطابق عمل کرے یا دوسرے کے سامنے عاجزی کا یا مظاہرہ کرے تو عمل کی وجہ سے اپنے دل میں تواضع کی زیادتی محسوس کرے گا۔ تمام قلبی صفات ہیں جن کے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۱۲۴

(۲) قرآن مجید سورۂ فتح آیت ۴

(۳) تاریخ ابن عساکر جلد ۳ ص ۲۰۴ ترجمہ حارث بن مسلم

باعث اعضا سے عمل صادر ہوتا ہے پھر اعمال کا اثر ان صفات پر پڑتا ہے تو وہ انہیں پکا کر دیتا اور بڑھا دیتا ہے یہ بحث نجات دینے والے اور ہلاک کرنے والے امور کے بیان میں آئے گی۔

جہاں باطن کا ظاہر کے ساتھ تعلق اور عقائد قلوب کے اعمال کا ذکر ہوگا۔ یہ ملک کے عالم ملکوت کے ساتھ تعلق کی جنس سے ہے ملک سے عالم ظاہر مراد ہے جس کا ادراک حواس کے ساتھ ہوتا ہے اور ملکوت عالم غیب ہے جس کا ادراک نور بصیرت سے ہوتا ہے دل عالم ملکوت سے ہے جب کہ اعضاء اور ان کے اعمال کا تعلق عالم ملک سے ہے ان دونوں عالموں کے درمیان اتنا باریک فرق ہے کہ بعض لوگوں نے انہیں ایک ہی خیال کیا اور دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ ظاہری عالم کے سوا کچھ نہیں اور وہی محسوس اجسام ہیں اور جس نے دونوں عالموں اور ان کے الگ الگ ہونے کا ادراک کیا تو اس رابطہ کو اس شعر میں بیان کیا گیا۔

شیشہ اور شراب اپنی رقت (صفائی) کے باعث ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے گویا شراب ہے پیالہ نہیں یا پیالہ ہے شراب نہیں۔

اب ہم مقصود کی طرف لوٹتے ہیں کیونکہ یہ عالم، علم معاملہ سے خارج ہے لیکن دونوں عالموں کے درمیان بھی اتصال و ارتباط ہے اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ علوم مکاشفہ ہر گھڑی علوم معاملہ کی طرف مائل ہوتے ہیں حتیٰ کہ بڑی شدت کے ساتھ اس سے الگ ہوتے ہیں تو اس اطلاق کے اعتبار سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ایمان ایک سفید نشان کی طرح ظاہر ہوتا ہے جب بندہ نیک اعمال کرتا ہے تو یہ نشان بڑھ کر زیادہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ تمام دل روشن ہو جاتا ہے اور منافقت ایک سیاہ نشان کی طرح ظاہر ہوتی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی حرمات کو توڑتا ہے تو یہ بڑھ کر پورے دل کو سیاہ کر دیتی ہے۔ پھر اس پر مہر لگا دی جاتی ہے یہ "ختم" مہر ہے۔

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (۱)

(۲) دوسرا اطلاق یہ ہے کہ اس سے تصدیق اور عمل دونوں مراد ہوں جیسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ بَابًا (۲) ایمان کے ستر سے زیادہ دروازے ہیں۔

اور جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَزْنِي الزَّانِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ (۳) زانی، زنا کے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ مطففین آیت ۱۴ (۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۷ کتاب الایمان۔

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۰۶ کتاب المحاربین۔

جب لفظ ایمان کے مقتضیٰ میں عمل داخل ہو جائے تو اس کی زیادتی اور نقصان کا ڈر نہیں ہوتا اور کیا وہ ایمان جو محض تصدیق کا نام ہے زیادتی کو قبول کرتا ہے؟ تو یہ محل نظریات ہے، اور ہم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ بھی اس میں موثر ہے۔

(۳) تیسرا اطلاق یہ ہے کہ اس سے ایسی یقینی تصدیق مراد ہو جس میں کشف اور انشراح صدر ہوتا ہے اور نور بصیرت کے ساتھ مشاہدہ پایا جاتا ہے اور یہ قسم زیادتی کو قبول کرنے سے زیادہ دور ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ امر یقینی جس میں شک نہیں اس میں بھی نفس کا اطمینان مختلف ہوتا ہے مثلاً "دو، ایک سے زیادہ ہوتے ہیں" میں جس قدر اطمینان ہے اس قدر اس بات میں نہیں کہ "عالم مصنوع حادث ہے"

اگرچہ دونوں باتیں شک سے پاک ہیں۔ تو یقینی امور وضاحت اور اطمینان کے درجات میں مختلف ہوتے ہیں ہم نے یہ بات "کتاب العلم" میں علمائے آخرت کی علامات کے ضمن میں یقین سے متعلق فصل میں ذکر کی ہے۔ اب اسے لوٹانے کی ضرورت نہیں تو ان تینوں معانی کے اعتبار سے واضح ہو گیا کہ جو کچھ ان اسلاف نے ایمان کی زیادتی اور کمی کے بارے میں فرمایا ہے وہ حق ہے اور وہ کس طرح حق نہیں ہوگا جب کہ احادیث میں آیا ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر ایمان ہوگا وہ جہنم سے نکل جائے گا اور بعض احادیث میں دینار کے برابر ایمان کا ذکر ہے (۱) تو اگر دل میں تفاوت نہ ہو تو اس مقدار کا کیا مطلب رہ جاتا ہے۔

ایمان کے اقرار میں استثناء

سوال:۔ اسلاف کے قول "میں ان شاء اللہ مومن ہوں" کا کیا مطلب ہے حالانکہ استثناء شک ہوتا ہے اور ایمان میں شک کفر ہے۔

اور وہ سب حضرات ایمان کے جواب میں قطعیت سے باز رہتے اور پرہیز کرتے تھے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا "جو شخص کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن ہوں تو وہ جھوٹوں میں سے ہے اور جو کہے کہ میں سچا مومن ہوں تو یہ کہنا بدعت ہے، تو وہ کس طرح جھوٹا ہوگا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر مومن ہے تو جو آدمی فی نفسہ مومن ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مومن ہوتا ہے جیسے کوئی شخص طویل القامت اور سخی ہو اور اس بات کو جانتا بھی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اسی طرح ہوتا ہے اسی طرح وہ شخص جو خوش، غمگین، سننے والا اور دیکھنے والا ہوتا ہے (اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اسی طرح ہوتا ہے) اور اگر کسی شخص کو کہا جائے کہ کیا تو حیوان ہے؟ تو وہ یہ جواب دینا پسند نہیں کرے گا کہ ان شاء اللہ میں حیوان ہوں۔

اور جب حضرت سفیان رحمہ اللہ نے یہ بات فرمائی تو ان سے پوچھا گیا آپ کیا فرما رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہو ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہماری طرف اتارا گیا اس پر ایمان لائے تو اس بات میں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہماری طرف اتارا گیا اس

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۷

پر ایمان لائے اور اس بات کہ میں مومن ہوں کیا فرق ہے حضرت حسن سے پوچھا گیا کیا آپ مومن ہیں؟ انہوں نے فرمایا ان شاء اللہ پوچھا گیا اے ابو سعید! ایمان میں استثناء کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا۔ مجھے خوف آتا ہے کہ میں ہاں کہہ دوں اور اللہ تعالیٰ فرمائے اے حسن! تو نے جھوٹ بولا ہے اور مجھ پر کلمہ (عذاب) ثابت ہو جائے وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس بات سے بے خوف نہیں ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے بعض ایسے اعمال پر مطلع ہو۔ جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے تو وہ مجھ پر ناراض ہو جائے اور فرمائے چلا جا میں تیرے کسی عمل کو قبول نہیں کرتا تو میں بے موقع عمل کرتا ہوں حضرت ابراہیم ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا جب تم سے پوچھا جائے کہ کیا تم مومن ہو؟ تو تم کہو "لا الہ الا اللہ" ایک مرتبہ فرمایا یوں کہو کہ مجھے اپنے ایمان میں شک نہیں اور تیرا سوال بدعت ہے حضرت علقمہ سے پوچھا گیا کیا آپ مومن ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں امید رکھتا ہوں ان شاء اللہ حضرت سوری فرماتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہیں۔ —— تو اس استثناء کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔

یہ استثناء صحیح ہے اور اس کی چار وجہیں ہیں دو وجہوں کی نسبت شک کی طرف ہے اصل ایمان کی طرف نہیں البتہ اس کے خاتمے اور کمال کے ساتھ تعلق ہے، اور دو وجہوں کی شک کی طرف نسبت نہیں۔

پہلی وجہ:

یہ شک کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ اس بات کے خوف سے ہے احتراز کیا جاتا ہے کہ خود اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ (۱) — اپنی پاکیزگی بیان نہ کرو۔

اور فرمایا:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ (۲) — کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی خود بیان کرتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (۳) — دیکھئے کس طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ نجم آیت ۳۲

(۲) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۴۹ (۳) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۵۰

کسی دانا سے پوچھا گیا برا سچ کیا ہے ؟ اس نے جواب دیا انسان کا اپنی تعریف کرنا۔ اور ایمان بزرگی کی اعلیٰ صفات میں سے ہے اور اس پر یقین سے بات کرنا مطلق پاکیزگی بیان کرنا ہے اور استثنار کا صیغہ گویا عرف سے منتقل کیا گیا ہے جسے کسی انسان سے پوچھا جائے آپ طبیب یا فقیہ یا مفسر ہیں ؟ تو وہ کہے گا ہاں انشاء اللہ۔ تو یہ تشکیک کی جگہ میں نہیں ہے۔ بلکہ اپنے نفس کو ذاتی پاکیزگی کے بیان سے نکالنا ہے تو یہ صیغہ تردید اور نفس خبر کو کمزور کرنے کے لیے ہے یعنی خبر سے جو بات لازم آتی ہے اسے کمزور کرنا ہے اور وہ اپنا تزکیہ ہے، اس تاویل کے مطابق اگر کسی برے وصف کے بارے سوال کیا جائے تو استثنار بہتر نہیں ہے۔

دوسری وجہ :

ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لو لگانا اور تمام امور کو مشیت خداوندی کی طرف پھیرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی طریقہ سکھایا۔

ارشاد خداوندی ہے :

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۔ (۱)

کسی کام کے بارے میں یہ نہ کہیں کہ میں اسے کل کروں گا مگر انشاء اللہ کہیں۔

پھر اس بات کو غیر مشکوک امور تک محدود نہیں رکھا بلکہ فرمایا :

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ۔ (۲)

تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اس حال میں کہ امن والے ہو گے اپنے سروں کو منڈانے والے یا بال کٹوانے والے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ضرور داخل ہوں گے اور یہی اس کی مشیت تھی۔ لیکن مقصود اس بات کی تعلیم دینا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خبر بھی دیتے چاہے وہ معلوم ہوتی یا مشکوک، اس میں یہی طریقہ اختیار فرماتے حتیٰ کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں داخل ہوئے تو فرمایا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ ۔ (۳)

اے مومنوں کے گھر والو! تم پر سلامتی ہو اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ کہف آیت نمبر ۲۴

(۲) قرآن مجید سورۂ فتح آیت ۲۷

(۳) صحیح مسلم کتاب الجنائز جلد اول ص ۳۱۳

حالانکہ ان کے ساتھ ملنے میں کوئی شک نہیں لیکن ادب کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور امور کا اسی سے ربط قائم کیا جائے اور یہ صیغہ اس بات پر دلالت کرتا ہے حتیٰ کہ عرف میں یہ رغبت اور تمنا کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے جب تم سے کہا جائے کہ فلاں شخص جلدی مر جائے گا تو تم کہتے ہو ان شاء اللہ تو اس سے تمہاری رغبت معلوم ہوتی ہے شک معلوم نہیں ہوتا۔ اور جب تم سے کہا جائے فلاں شخص کی بیماری جلد ختم ہو جائے گی اور وہ صحیح ہو جائے گا تو تم لفظ ان شاء اللہ کہتے ہو یعنی یہ بھی رغبت کا اظہار ہے۔ تو یہ کلمہ شک سے رغبت کی طرف پھیر دیا گیا تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف پھیر دیا گیا بات جس قسم کی بھی ہو۔

تیسری وجہ:

یہ شک کی طرف منسوب ہے اور اس کا معنیٰ ہے میں ان شاء اللہ یقیناً مومن ہوں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے چند لوگوں کو خاص کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ (۱) — وہ لوگ سچے مومن ہیں۔

تو اس کی دو قسمیں ہو گئیں اور یہ کمال ایمان میں شک کی طرف لوٹتا ہے اصل ایمان کی طرف نہیں اور ہر شخص کو اپنے ایمان کے کمال میں شک ہوتا ہے اور یہ کفر نہیں اور کمال ایمان میں شک دو وجہ سے صحیح ہے۔

(۱) منافقت، ایمان کے کمال کو زائل کر دیتی ہے اور یہ پوشیدہ بات ہے اس سے برأت ثابت نہیں ہو سکتی۔

(۲) ایمان نیک اعمال سے مکمل ہوتا ہے اور کامل طور پر ان اعمال کے وجود کا علم نہیں ہوتا۔

عمل کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ (۲)

بے شک (کامل) مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا وہی لوگ سچے ہیں۔

تو شک اس صدق میں ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (۳)

لیکن نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ، آخرت، فرشتوں، کتاب اور انبیاء کرام پر ایمان لایا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ انفال آیت ۴ (۲) قرآن مجید سورۂ حجرات آیت ۱۵

(۳) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۱۷۷

تو بیں اوصاف کی شرط بیان فرمائی جیسے وعدہ پورا کرنا اور مشکلات پر صبر کرنا۔

پھر فرمایا :۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا (۱) یہی لوگ سچے ہیں۔

اور ارشادِ خداوندی ہے۔

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔ (۲) اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور ان لوگوں کے درجات بلند کرتا ہے جنہیں علم دیا گیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا :

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ۔ (۳) تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا وہ برابر نہیں ہیں۔

اور فرمایا :۔

هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ۔ (۴) وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مختلف درجات والے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اَلْإِيمَانُ عُرْيَانٌ وَلِبَاسُهُ التَّقْوَىٰ (۵) ایمان برہنہ ہے اور اس کا لباس تقویٰ ہے۔

اور فرمایا :۔

اَلْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ بَابًا أَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَىٰ عَنِ الطَّرِيقِ (۶) ایمان کے ستر سے زیادہ دروازے ہیں جن میں سے کمتر ین دروازہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے

تو یہ (آیات و احادیث) کمال ایمان کے اعمال کے ساتھ تعلق پر دلالت کرتی ہیں ـــــ ایمان، نفاق اور شرک خفی سے برأت کے ساتھ بھی مربوط ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۷۷

(۲) قرآن مجید سورۂ مجادلہ آیت نمبر ۱۱

(۳) قرآن مجید سورہ حدید آیت نمبر ۱۰

(۴) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۶۳

(۵)

(۶) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۷ کتاب الایمان

اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ فَهُوَ مُنَافِقٌ خَالِصٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُؤْمِنٌ مَنْ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ خَلَفَ وَاِذَا اُوْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ (۱)

جس آدمی میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اگرچہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور کہے کہ میں مومن ہوں جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت اور جب جھگڑے تو گالی گلوچ کرے۔

٭ ٭ ٭

بعض روایات میں ہے۔

"اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ (۲)

جب معاہدہ کرے تو اسے توڑ دے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

اَلْقُلُوْبُ اَرْبَعَةٌ قَلْبٌ اَجْرَدُ فِيْهِ سِرَاجٌ يُزْهِرُ فَذٰلِكَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ وَقَلْبٌ مُصْفَحٌ فِيْهِ اِيْمَانٌ وَنِفَاقٌ فَمَثَلُ الْاِيْمَانِ فِيْهِ كَمَثَلِ الْبَقْلَةِ يَمُدُّهَا الْمَاءُ الْعَذْبُ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ فِيْهِ كَمَثَلِ الْقُرْحَةِ يَمُدُّهَا الْقَيْحُ وَالصَّدِيْدُ فَاَيُّ الْمَادَّتَيْنِ غَلَبَ عَلَيْهِ حُكِمَ لَهٗ بِهَا۔ (۳)

دل چار قسم کے ہیں ایک صاف دل جس میں روشن چراغ ہے یہ مومن کا دل ہے اور دوسرا دو رخ والا ہے اس میں ایمان بھی ہے اور منافقت بھی ایمان کی مثال اس سبزی جیسی ہے جیسے میٹھا پانی بڑھاتا ہے اور منافق کی مثال اس زخم کی ہے جو پیپ کو بڑھا دیتا ہے جو مادہ غالب ہوگا اس کا حکم نافذ ہو جائے گا۔

٭ ٭ ٭

دوسری حدیث میں "غَلَبَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَتْ بِهٖ"

جو بھی اس غالب ہوگا اسے لے جائے گا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَكْثَرُ مُنَافِقِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قُرَّاءُهَا (۴)

اس امت کے اکثر منافق قاری ہیں۔

(ف) یہاں قراء سے مراد وہ عالم ہیں جو اپنی ذات سے تہمت کو دور کرنے کے لیے علم حاصل کرتے ہیں اور جو کچھ سیکھتے ہیں اس پر ان کا عقیدہ نہیں ہوتا جیسے وہابی دیوبندی لوگ قرآن و حدیث سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۵۶ کتاب الایمان

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۸۹

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۷

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۵

سیکھتے ہیں اور پھر انکار کر دیتے ہیں۔ تو ایسے علماء کو منافق کہا گیا ہے ۱۲ (ہزاروی)

ایک حدیث شریف میں ہے:

اَلشِّرْكُ اَخْفٰى فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ عَلَى الصَّفَا۔ (۱) — میری امت میں شرک چونٹی کی صفا پر چلنے سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص کوئی بات کہتا تو وہ مرتے دم تک منافق ہی رہتا تھا اور میں تم سے ایک دن میں، دس بار وہی بات سنتا ہوں (۲)

بعض علماء نے فرمایا منافق کے زیادہ قریب وہ شخص ہے جس کا خیال ہے کہ وہ منافقت سے پاک ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج کل منافق زیادہ ہیں" ان دنوں وہ چھپاتے تھے اور آج کل ظاہر کرتے ہیں تو یہ منافقت ایمان کی سچائی اور کمال کے منافی ہے اور یہ پوشیدہ ہے جو آدمی سے ڈرتا ہے وہ اس سے سب سے زیادہ دور رہنے والا ہے، اور جو سمجھتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں وہ اس کے زیادہ قریب ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ لوگ کہتے ہیں آج کل منافقت نہیں انہوں نے فرمایا اے بھائی! اگر منافق ہلاک ہو گئے تو تمہیں راستوں سے وحشت ہونے لگے انہوں نے ہی یا کسی دوسرے بزرگ نے فرمایا اگر منافقین کے ساتھ دُم لگ جائیں تو ہم اپنے پاؤں کے ساتھ زمین پر نہ چل سکیں۔ (یہ کثرت کی طرف اشارہ ہے)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سنا ایک شخص اشارۃً حجاج پر طعن کر رہا تھا آپ نے فرمایا کیا اگر تو وہاں حاضر ہوتا اور یہ بات سنتا تو اس کے بارے میں گفتگو کرتا اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا ہم عہد رسالت میں اس بات کو منافقت شمار کرتے تھے۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

مَنْ كَانَ ذَا لِسَانَيْنِ فِی الدُّنْيَا جَعَلَهُ اللّٰهُ ذَا لِسَانَيْنِ فِی الْاٰخِرَةِ۔ (۴) — جو شخص اس دنیا میں دو زبانوں والا (منافق) ہوگا اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں بھی دو زبانوں والا بنائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۲۴

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ ص ۵۴

(۳) قوت القلوب جلد ۲ ص ۱۳۰ ذکر الاشتباہ فی الایمان

(۴) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۹۵ باب ذی الوجہین وللسانین

شَرُّ النَّاسِ ذُوالْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَيَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ۔ (۱)

سب سے بُرا شخص وہ ہے جو دو چہروں والا ہے ان کے پاس ایک چہرے کے ساتھ آتا ہے اور اُن کے پاس دوسرے چہرے سے جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں ہم منافقت سے نہیں ڈرتے تو انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو کہ میں منافقت سے پاک ہوں تو بات مجھے سونے سے بھری ہوئی زمین سے زیادہ پسند ہے اور حضرت حسن ہی فرماتے ہیں زبان اور دل، پوشیدہ اور ظاہر نیز داخل و خارج کے درمیان اختلاف، منافقت سے ہے ——

ایک شخص نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں منافق بننے سے خوف زدہ ہوں تو انہوں نے فرمایا اگر تو منافق ہوتا تو منافقت سے نہ ڈرتا کیونکہ منافق، منافقت سے بے خوف ہوتا ہے،

حضرت ابن ابی مُلیکہ فرماتے ہیں میں نے ایک سو تیس اور ایک روایت میں ہے ایک سو پچاس صحابہ کرام سے ملاقات کی وہ سب کے سب منافقت سے ڈرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی ایک جماعت کے درمیان تشریف فرما تھے انہوں نے ایک شخص کا ذکر کیا اور اس کی بہت زیادہ تعریف کی وہ اسی حالت میں تھے کہ ایک شخص آیا اس کے چہرے سے وضو کے پانی کے قطرے گر رہے تھے اس نے اپنا جوتا ہاتھ میں لٹکا رکھا تھا اور اس کی آنکھوں کے درمیان سجدے کا نشان تھا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہی وہ شخص ہے جس کا ہم نے ذکر کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کے چہرے پر سیاہ شیطانی داغ دیکھتا ہوں وہ شخص حاضر ہوا یہاں تک کہ سلام کر کے صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھ گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا جب تو ان لوگوں کے پاس آیا تو تیرے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ ان میں سے کوئی بھی تجھ سے بہتر نہیں؟ اس نے کہا جی ہاں (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا عَلِمْتُ وَلِمَا لَمْ اَعْلَمْ۔ (۳)

اے اللہ! میں تجھ سے اس چیز کی بھی بخشش مانگتا ہوں جسے میں جانتا ہوں اور اس کی بھی جسے میں نہیں جانتا۔

آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! آپ کو بھی خوف ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے کونسی چیز بے خوف کرے گی جبکہ

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۹۶ باب المناقب
(۲) قوت القلوب جلد ۲ ص ۱۳۸ ذکر الاستثناء فی الایمان
(۳) 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں (جیسا اس کے شایانِ شان ہے) کے درمیان ہیں وہ جیسے چاہے بدل دے۔(۱)
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ۔ اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہوا جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا۔ (۲)

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے کچھ اعمال نیکی سمجھ کر کیئے لیکن اس کے ہاں وہ برائیاں تھیں ۔ حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کسی باغ میں داخل ہو جائے جس میں ہر قسم کے درخت ہوں اور ان پر ہر قسم کے پرندے ہوں اور ہر پرندہ اپنی زبان میں اس سے مخاطب ہو اور کہے اے اللہ کے ولی! تجھ پر سلامتی ہو اور اس پر اس کا نفس ٹھہر جائے (یعنی تکبر میں آجائے) تو وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہوگا۔

تو یہ احادیث اور اقوال تجھے بتاتے ہیں کہ منافقت کی باریکیوں اور شرک خفی کی وجہ سے معاملہ خطرناک ہے اور اس سے بے خوف نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اپنے بارے میں پوچھتے تھے اور یہ کہ کیا وہ منافقین میں تو شمار نہیں ہوتے، حضرت ابو سلیمان درانی فرماتے ہیں میں نے بعض امراء سے ایک بات سنی تو انکار کا ارادہ کیا تو مجھے ڈر ہوا کہ کہیں میرے قتل کا حکم نہ دے دیا جائے لیکن مجھے موت کا خوف نہیں تھا۔ البتہ مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں میری روح نکلتے وقت میرے دل کو مخلوق کے لیے مزین نہ کر دیا جائے تو میں اس بات سے رُک گیا۔ تو یہ منافقت حقیقت ایمان، اس کی سچائی، کمال اور صفائی کے خلاف ہے اصل ایمان کے خلاف نہیں۔

اقسام نفاق:

نفاق کی دو قسمیں ہیں:۔

ایک قسم وہ ہے جو دین سے نکال کر کفار سے ملا دیتی ہے اور ہمیشہ جہنم میں رہنے والوں کے راستے پر چلاتی ہے۔
دوسری قسم وہ ہے جو منافق کو ایک خاص مدت تک جہنم میں پہنچاتی ہے۔ یا اعلیٰ درجے کے لوگوں کے درجات کو کم کر دیتی ہے اور انہیں صدیقین کے رتبہ سے گرا دیتی ہے اور یہ مشکوک ہے اسی لیے اس سے استثناء اچھی بات ہے اس منافقت کی اصل یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں تفاوت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر، خود پسندی اور اس قسم کے دوسرے امور سے صرف صدیقین ہی خالی ہوتے ہیں۔

---

(۱) قوت القلوب جلد ۲ ص ۱۳۸ ذکر الاستثناء فی الایمان

(۲) قرآن مجید سورہ زمر آیت ۴۷

چوتھی وجہ:

یہ بھی شک کی طرف منسوب ہوتی ہے اور اس کا تعلق خاتمہ کے خوف سے ہے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ موت کے وقت اس کا ایمان سلامت رہے گا یا نہیں، اگر اس کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے تو تمام سابقہ اعمال ضائع ہو گئے کیوں کہ وہ خاتمے کی سلامتی پر موقوف ہیں اگر کسی شخص سے چاشت کے وقت روزے کے صحیح ہونے کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ کہے گا میں قطعی طور پر روزہ دار ہوں اور اس کے بعد اگر وہ دن کے دوران روزہ توڑ دے تو اس کا جھوٹ واضح ہو جائے گا کیوں کہ روزے کی درستگی کا دارومدار دن کے آخر میں سورج غروب ہونے وقت تک باقی رہنے پر ہے تو جس طرح روزے کے پورے ہونے کا وقت دن ہے اسی طرح ایمان کے صحیح ہونے کی تکمیل کے لیے پوری زندگی کا وقت مقرر ہے اور آخری وقت سے پہلے اسے صحیح قرار دینا استصحاب (پہلی حالت) کی بنیاد پر ہے اور اس میں شک ہے۔ انجام کا خوف باقی ہے اسی لیے اکثر خوف خدا والے اس بنیاد پر روتے تھے کہ گذشتہ کا انجام اور مشیت ازلیہ اسی وقت ظاہر ہو گی جب وہ چیز ظاہر ہو گی جس کی بنیاد پر فیصلہ ہے اور اس پر کسی انسان کو اطلاع نہیں تو خاتمہ کا خوف ازلی فیصلے کے سبقت کرنے کے خوف کی طرح ہے۔ بعض اوقات فی الحال مشیت سابقہ کے خلاف ظاہر ہوتا ہے تو کسے معلوم ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے لیے بھلائی سبقت کر گئی۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی:

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ (۱) اور موت کی بیہوشی حق کے ساتھ آئی۔

تو اس حق سے مراد سبقت کرنے والا ازلی کلمہ ہے جو اس وقت ظاہر ہوتا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا اعمال کے خاتمہ کا وزن کیا جائے گا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھایا کرتے تھے کہ جو شخص بھی ایمان کے چھن جانے سے بے خوف ہو گا اس کا ایمان چھن جائے گا۔

کہا گیا ہے کہ کچھ گناہ ایسے ہیں جن کی سزا برا خاتمہ ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہا گیا ہے کہ یہ گناہ ولایت اور کرامت کا جھوٹا دعویٰ کرنا ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا اگر مجھے مکان کے دروازے پر شہادت ملنا نصیب ہو اور حجرے کے دروازے پر توحید پر موت حاصل ہو تو میں توحید کی حالت میں حجرے کے دروازے پر موت کو اختیار کروں گا کیونکہ مجھے معلوم نہیں حویلی کے دروازے تک میرے دل میں توحید کے بارے میں کیا تبدیلی واقع ہو جائے۔

ان میں سے بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو پچاس سال توحید پر دیکھوں پھر میرے اور اس کے درمیان ایک

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ق آیت ۱۹۔

سنون حائل ہو جائے اور وہ مر جائے تو میں توحید پر اس کی موت کا فیصلہ نہیں کروں گا۔
حدیث شریف میں ہے جو شخص کہے کہ میں مومن ہوں تو وہ کافر ہے اور جو کہے کہ میں عالم ہوں تو وہ جاہل ہے۔ (۱)
ارشاد خداوندی ہے:
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (۲) اور تیرے رب کا کلمہ سچ اور انصاف میں پورا ہو گیا۔
اس آیت کے بارے میں کہا گیا کہ جو ایمان پر فوت ہوا اس کے لیے صدق اور جو شرک پر مرے اس کے لیے انصاف
کا لفظ استعمال ہوا اور ارشاد خداوندی ہے:
وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ (۳) اور انجام کار اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔
تو جب شک اس درجہ کا ہو تو استثناء واجب ہو گی کہ ایمان اس چیز کا نام ہے جو جنت میں فائدہ پہنچائے جیسے
روزہ وہ ہے جو ذمہ داری سے فارغ کر دے اور جو روزہ غروب آفتاب سے پہلے فارغ کر دے وہ بری الذمہ نہیں
کرتا لہذا وہ روزے کی تعریف سے نکل جائے گا ایمان کا بھی یہی معاملہ ہے۔
بلکہ اس بنیاد پر یہ بات بھی نامناسب نہیں کہ اگر گذشتہ روزے کے بارے میں پوچھا جائے جب کہ وہ فارغ ہو چکا
ہو اور کہا جائے کہ کل تم نے روزہ رکھا تھا تو وہ کہے گا ہاں ان شاء اللہ تعالیٰ، کیوں کہ حقیقی روزہ وہی ہے جو مقبول ہو اور مقبول
روزہ اس سے پوشیدہ ہے اس سے صرف اللہ تعالیٰ آگاہ ہے تو اس اعتبار سے تمام اچھے کاموں میں ان شاء اللہ
کہنا بہتر ہے، اور یہ قبولیت میں شک ہوگا کیونکہ عمل کی صحت کی تمام ظاہر شرائط کو پورا کرنے کے بعد خفیہ امور قبولیت کے قول سے
مانع ہیں۔ کیونکہ ان پر وہی ذات مطلع ہے جو سب کا رب ہے، لہذا یہ شک اچھا ہے تو ایمان کے بارے میں جواب دیتے
ہوئے ان شاء اللہ کہنے کی یہ وجوہ ہیں اس کے ساتھ کتاب قواعد عقائد اختتام پذیر ہو گئی۔
اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ باب مکمل ہوا ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور آپ کے صدقے تمام مختار بندوں پر
رحمت نازل ہو۔

---

(۱) المقاصد الحسنہ تحت حرف المیم ص ۴۲۲
(۲) قرآن مجید سورۂ انعام آیت ۱۵
(۳) قرآن مجید سورۂ حج آیت ۴۱

اسرار طہارت کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندوں پر مہربانی فرماتے ہوئے انہیں پاکیزگی کا حکم دیا اور ان کے باطن کو پاک کرنے کے لیے ان کے دلوں پر انوار والطاف (مہربانیوں) کا فیضان جاری کیا اور ان کے ظاہر کو پاک کرنے کے لیے پانی بنایا جو پتلا اور بہنے والا ہے اور رحمت کاملہ نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جنہوں نے نور ہدایت کے ساتھ عالم کے اطراف واکناف کو گھیرا ہوا ہے اور آپ کی پاکیزہ آل پر ایسی رحمت ہو جس کی برکات خوف کے دن ہمیں نجات دلائیں نیز ہمارے اور ہر آفت کے درمیان ڈھال کا کام دیں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ـــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلَی النَّظَافَۃِ (۱) — اسلام کی بنیاد پاکیزگی ہے۔

نیز آپ نے فرمایا:

مِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ الطُّھُوْرُ (۲) — نماز کی چابی پاکیزگی ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ (۳) — اس (مسجد قبا) میں کچھ مرد ہیں جو خوب پاک ہونا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلطُّھُوْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ (۴) — پاکیزگی نصف ایمان ہے۔

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۹۱ حدیث ۲۴۱

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۲۳ مرویات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

(۳) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۱۰۸۔

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۰ مرویات بنی سلیم

اور ارشاد خداوندی ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ۔ (۱)
اللہ تعالیٰ تمہیں کسی حرج میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے۔

توان روایات کے ظاہر سے اہل بصیرت نے معلوم کیا کہ باطن کو پاک کرنا سب سے اہم بات ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی "پاکیزگی نصف ایمان ہے"، سے یہ بات مراد لینا صحیح نہیں کہ ظاہر کو پانی وغیرہ ڈال کر پاک کیا جائے اور باطن کو ویران رکھا جائے اور اس میں خباثتیں اور گندگیاں باقی رہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔

مراتب طہارت:

طہارت کے چار مرتبے ہیں:

۱۔ ظاہر کو ناپاکیوں، نجاستوں اور پاخانے وغیرہ سے پاک کرنا۔

۲۔ اعضاء کو جرائم اور گناہ سے پاک رکھنا۔

۳۔ دل کو اخلاق مذمومہ اور ناپسندہ خصلتوں سے پاک رکھنا۔

۴۔ باطن کو اللہ کے غیر سے پاک رکھنا۔ اور یہ انبیاء کرام اور صدیقین کی طہارت ہے ہر مرتبہ میں طہارت اس عمل کا نصف ہے جس میں وہ پائی جاتی ہے۔

مثلاً باطنی عمل میں انتہائی مقصود یہ ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی جلالت وعظمت منکشف ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے دل اس وقت تک حقیقتاً معمور نہیں ہو سکتا جب تک غیر خدا کوچ نہ کر جائے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ (۲)
آپ فرما دیجئے اللہ ہے پھر ان کو ان کی بیہودگیوں میں کھیلتا ہوا چھوڑ دیں۔

کیونکہ یہ دونوں (اللہ تعالیٰ کی معرفت اور غیر خدا کی طرف توجہ) ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں رکھے۔

وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ (۳)
اور اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں رکھے۔

۱۔ قرآن مجید سورۂ مائدہ آیت ۶

(۲) قرآن مجید سورۂ انعام آیت ۹۱

(۳) قرآن مجید سورۂ احزاب آیت ۴

جہاں تک دل کے عمل کا تعلق ہے تو اس مقصدِ منتہیٰ یہ ہے کہ اسے اچھے اخلاق، اور مشروع عقائد سے آباد کیا جائے اور وہ اس وقت تک ان سے متصف نہیں سکتا جب تک ان کے مخالف امور سے پاکیزگی حاصل نہ کرلے اور وہ بُرے عقائد اور ناپسند خصلتیں ہیں تو اس کا پاک کرنا دو حصوں میں سے ایک کو پاک کرنا ہے اور وہ پہلا حصہ ہے جو دوسرے کے لیے شرط ہے۔ تو اس معنیٰ کے اعتبار سے پاکیزگی ایمان کا نصف ہے اسی طرح اعضاء کو ممنوعات سے پاک رکھنا دو میں سے ایک حصہ ہے اور یہ پہلا حصہ ہے جو دوسرے کے لیے شرط ہے تو اس کی پاکیزگی دو میں سے پہلا حصہ ہے اور عبادات کے ذریعے اعضاء کو معمور رکھنا دوسرا حصہ ہے اور یہ ایمانی مقامات ہیں اور ہر مقام کا ایک طبقہ ہے اور کوئی بندہ بلند طبقہ تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ نچلے طبقہ سے تجاوز نہ کرے پس مذموم صفات سے باطن کو صاف کر کے اچھی عادت کے ساتھ عبادت کرنے تک اس وقت تک رسائی نہیں ہوسکتی جب تک وہ دل کو بُری عادت سے پاک کرنے اور اچھے اخلاق سے آباد کرنے سے فارغ نہ ہوجائے۔ اور جو آدمی اعضاء کو ممنوعات سے پاک کرنے اور عبادت کے ساتھ معمور کرنے سے فارغ نہ ہو وہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ تو جب مطلوب معزز و مشرف ہو تو اس کا راستہ مشکل اور لمبا ہوتا ہے نیز گھاٹیاں زیادہ ہوتی ہیں لہٰذا یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ بات محض آرزو اور آسانی سے حاصل ہو جائے گی۔ ہاں جو شخص ان طبقات کے درمیان تفاوت سے اندھا ہو تو وہ طہارت کے مراتب سے صرف آخری درجہ کو سمجھ سکتا ہے جو مطلوب مغز کی نسبت آخری ظاہری چھلکا ہے تو وہ اس میں بہت غور کرتا ہے اور اس کے طریقوں میں مبالغہ کرتا ہے اس طرح وہ اپنا تمام وقت استنجاء کپڑے دھونے، ظاہر کو پاک کرنے اور بہت بہنے والے پانی کی تلاش میں میں گزار دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے وسوسے اور عقلی خیالات سے یہی سمجھتا ہے کہ طہارت جو شریفاً اور مقصود ہے وہ یہی ہے وہ اسلاف کی سیرت سے ناواقف ہے وہ اپنی تمام فکر اور ہمت کو دل کی پاکیزگی میں لگا دیتے تھے۔ اور ظاہری امور میں اول کی نسبت) اتنی کوشش نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اتنے بڑے منصب کے باوجود ایک عیسائی عورت کے گھڑے سے وضو فرمایا اور حتیٰ کہ وہ چربی اور کھانے کے بعد ہاتھ نہیں دھوتے تھے بلکہ وہ اپنی انگلیوں کو اپنے قدموں کے نچلے حصے سے پونچھ لیتے تھے۔ اور اشنان (ایک بوٹی جو صفائی کے لیے صابن کا کام دیتی ہے) کے ساتھ ہاتھوں کو دھونا بدعت سمجھتے تھے۔ وہ مساجد میں (ننگی) زمین پر نماز پڑھتے تھے اور راستوں میں ننگے پاؤں چلتے تھے اور ان میں سے جو شخص اپنے اور زمین کے درمیان کسی بچھونے کو رکاوٹ نہیں بناتا تھا وہ ان کے اکابر میں شمار ہوتا تھا اور وہ استنجاء کرنے وقت پتھروں پر اکتفا کرتے تھے (پانی استعمال نہیں کرتے تھے) حضرت ابوہریرہ اور دیگر اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا:

كُنَّا نَأْكُلُ الشِّوَاءَ فَتُقَامُ الصَّلٰوةُ فَنُدْخِلُ أَصَابِعَنَا فِي الْحَصٰى ثُمَّ نَفْرُكُهَا

ہم بھنا ہوا گوشت کھاتے پھر نماز کھڑی ہوجاتی تو ہم اپنی انگلیوں کو کنکریوں میں ڈال کر مٹی سے پونچھ لیتے اور

بِالتُّرَابِ وَّ تُكَبِّرُ (۱) تکبیر کہنے۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اُشنان (بوٹی) کو نہیں جانتے تھے اور ہمارے رومال ہمارے پاؤں کے تلوے ہوتے تھے ہم جب چکنائی والی چیز کھاتے تو ان کے ساتھ پونچھ لیتے۔ (۲)

کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (کے وصال) کے بعد سب سے پہلے چار چیزیں ایجاد ہوئیں۔

(۱) چھلنی (۲) اُشنان (۳) دسترخوان اور (۴) پیٹ بھر کر کھانا۔

تو ان لوگوں کی مکمل توجہ باطن کی پاکیزگی کی طرف ہوتی تھی، حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے فرمایا جوتوں میں نماز افضل ہے۔ کیونکہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ کی نعلین مبارک کے ساتھ کچھ لگا ہوا ہے تو آپ نے نعلین مبارک اتار دی تھی۔ اور صحابہ کرام نے بھی اپنے جوتے اتار دیے تو اس وقت آپ نے فرمایا تم نے اپنے جوتے کیوں اتارے؟ (۳)

حضرت امام نخعی جوتیاں اتارنے والوں کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کوئی ضرورت مند آکر ان جوتوں کو لے جائے آپ جوتے اتارنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے تو ان لوگوں نے ان امور میں اس قدر تساہل سے کام لیا وہ راستوں کے کیچڑ میں ننگے پاؤں چلتے اور اس پر بیٹھ جاتے، مساجد میں زمین پر نماز پڑھتے گندم اور جَو کا آٹا کھاتے حالانکہ اسے جانوروں کے ذریعے گاہا جاتا تھا اور وہ اس پر پیشاب کرتے تھے وہ اونٹوں اور گھوڑوں کے پسینے سے نہیں بچتے تھے حالانکہ وہ اکثر نجاستوں میں لوٹ پوٹ ہوتے تھے ان میں سے کسی کے بارے میں منقول ہیں کہ اس نے نجاستوں کی باریکیوں کے بارے میں سوال کیا ہو۔ تو اس سلسلے میں وہ اس طرح بے پرواہ رہتے تھے اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ایک گروہ نے نری جہالت کا نام پاکیزگی رکھ لیا ہے اور کہتے ہیں یہ دین کی بنیاد ہے تو ان کا زیادہ وقت ظاہر کو سنوارنے میں خرچ ہے جیسے کنگھی کرتے عورت والی دلہن کو سنوارتی ہے حالانکہ ان کا باطن ویران ہے تکبر، خود پسندی، جہالت، ریاکاری اور منافقت سے بھرا ہوا ہے، ایسے بُرا نہیں جانتے اور نہ اس پر تعجب کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص صرف پتھر سے استنجاء کرے یا زمین پر ننگے پاؤں چلے یا زمین پر نماز پڑھے یا مصلیٰ بچھائے بغیر مسجد کی چٹائی پر نماز پڑھے یا پاؤں پر چمڑے کا غلاف (جوتا وغیرہ) چڑھائے بغیر فرش پر چلے یا کسی بڑھیا کے برتن یا کسی لاپرواہ آدمی کے برتن سے وضو کرے تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اس پر سخت اعتراض کرتے ہیں اور اسے ناپاک ٹھہراتے ہیں اور اپنی جماعت سے خارج کر دیتے ہیں وہ اس کے ساتھ کھانا کھانے یا میل جول سے نفرت کرتے ہیں تو جو شکستہ حالی ایمان کا حصہ ہے اسے ناپاکی ٹھہراتے ہیں، رعونت (تکبر) کو پاکیزگی قرار

---

(۱)

(۲)

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۰ مرویات ابو سعید خدری

دیتے ہیں تو دیکھ کس طرح منکر، معروف اور معروف منکر ہو گیا اور جس طرح دین کی حقیقت اور علم چلا گیا، اس کی رسم بھی چلی گئی۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر تم کہو کہ کیا ہم صوفیاء کرام کی ان عادات کو جو انہوں نے اپنی شکل و صورت اور پاکیزگی میں پیدا کی ہیں، ممنوعات و منکرات کہہ سکتے ہیں تو میں جواباً کہتا ہوں ہرگز نہیں ہم تفصیل کے بغیر مطلق قول نہیں کرتے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ پاکیزگی کا حصول، تکلف، برتن اور دیگر سامان تیار کرنا، قدموں میں جوتا استعمال کرنا اور گرد و غبار سے بچنے کے لیے اپنے سر اور منہ کو چادر سے ڈھانپنا اور اس کے علاوہ دوسرے اسباب کی ذات کو دیکھا جائے کوئی دوسری بات ملحوظ نہ ہو تو یہ مباح چیزیں ہیں اور بعض اوقات ان کے ساتھ کچھ حالات اور نیتیں شامل ہوتی ہیں جو ان کو کبھی اچھے کاموں سے ملا دیتی ہیں اور کبھی برے امور کے ساتھ ملاتی ہیں۔

جہاں تک ذاتی طور پر ان کے مباح ہونے کا تعلق ہے تو یہ بات پوشیدہ نہیں کہ انسان ان کے ذریعے اپنے مال، بدن اور کپڑوں میں تصرف کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے جب تک اس میں مال کو ضائع کرنا اور فضول خرچی نہ ہو۔ اور ان کا برا ہونا اس طرح ہے کہ انہیں دین کی اصل قرار دیا جائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی تفسیر قرار دیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔

بُنِیَ الدِّیْنُ عَلَی النَّظَافَۃِ۔ (۱)　　　　دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے۔

حتیٰ کہ جو شخص پہلے لوگوں کی طرح کچھ کمی کرے تو یہ اس پر اعتراض کرتا ہے یا اس کا مقصد مخلوق کے لیے ظاہری زیب و زینت ہے اور جہاں ان کی نظر پڑتی ہے اسے حسین بناتا ہے تو یہ ریاکاری ہے جو ممنوع ہے تو ان دو وجہ سے یہ عمل منکر (برا) ہے۔

یہ عمل معروف اس طرح بنتا ہے کہ اس سے بہتری مقصود ہو زیب و زینت نہیں نیز جو شخص اسے چھوڑ دے اس پر اعتراض بھی نہ کرے اور نہ ہی اس کی وجہ سے نماز کو اول وقت سے مؤخر کرے نہ اس کی وجہ سے کسی افضل عمل یا علم وغیرہ سے غافل ہو اگر اس کے ساتھ ان امور میں سے کوئی بات ملی ہوئی نہ ہو تو یہ مباح ہے اور اسے نیت کے ذریعے قرب خداوندی قرار دیا جا سکتا ہے لیکن یہ بات صرف نکمے لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنا وقت نماز میں صرف نہ کریں تو نیند یا لایعنی باتوں پر خرچ کرتے ہیں پس ان کا اس میں مشغول ہونا بہتر ہے کیونکہ طہارتوں میں مشغول ہونا اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ذکر عبادات کو کو تازہ کرتا ہے لہٰذا جب تک برائی یا فضول خرچی کی طرف نہ جائے اس میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن جو علم و عمل والے ہیں انہیں مناسب نہیں کہ وہ اپنے اوقات کو اس پر صرف کریں البتہ ضرورت کے مطابق کر سکتے ہیں ان کے حق میں اس سے زیادہ منکر (برائی) ہے۔ اور وہ عمر جو نہایت قیمتی جوہر ہے اور نفع اٹھانے پر قادر

شخص کے لیے نہایت معزز ہے، اسے ضائع کرتا ہے۔ اور اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ نیک لوگوں کی نیکیاں، مقربین کے گناہ شمار ہوتے ہیں۔

لیکن تم جیسے قسم کے لوگوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ صفائی کے حصول کو چھوڑ دیں اور صوفیا پر اعتراض کریں اور یوں اپنے آپ کو صحابہ کرام کے مشابہ قرار دیں کیونکہ ان کے ساتھ مشابہت کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے اہم کام کے لیے فارغ ہو۔ جیسے حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنی داڑھی کو کنگھی کیوں نہیں کرتے ہیں انہوں نے فرمایا میں اس وقت فارغ ہوں اسی لیے میں (امام غزالی) عالم، متعلم اور عامل کے لیے جائز نہیں سمجھتا کہ وہ دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں کو پہننے سے پرہیز کرے اور یہ خیال کرے کہ اس نے کوتاہی کی ہوگی اور وہ خود کپڑے دھونے میں وقت ضائع کرے۔

پہلے زمانے میں جو باغت دبتے ہوئے (رنگے ہوئے) چمڑے پر نماز پڑھتے تھے لیکن ان سے یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ طہارت و نجاست کے سلسلے میں ان میں سے کسی نے دھلے ہوئے اور رنگے ہوئے میں فرق کیا ہو۔ بلکہ جب وہ نجاست کو آنکھوں سے دیکھتے تو اس سے اجتناب کرتے وہ احتمالات کی گہرائی میں باریک بینی سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ وہ ریاکاری اور ظلم کی باریکیوں میں غور و فکر کرتے حتیٰ کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے ساتھ ایک رفیق سفر تھا جو آپ کے ساتھ جا رہا تھا اس نے ایک مکان کے دروازے کی طرف دیکھا جو بلند تھا تو آپ نے فرمایا تم ایسا کام نہ کرنا اگر لوگ اس مکان کی طرف نہ دیکھتے تو اس کا مالک یہ فضول خرچی نہ کرتا تو اس کی طرف دیکھنے والا اس فضول خرچی پر مددگار ہے۔

تو وہ لوگ اپنے ذہن کو مکمل طور پر اس قسم کی باریکیوں کو جاننے میں لگاتے تھے نجاست کے احتمالات کے لیے نہیں اگر کوئی عالم کسی عام آدمی کو پائے جو اس کے کپڑے احتیاط کے ساتھ دھوئے تو یہ افضل ہے کیونکہ سستی کی نسبت یہ بہتر ہے۔ اور یہ عام آدمی اس دھونے کی وجہ سے نفع حاصل کرتا ہے۔

کیونکہ وہ اپنے نفس کو جو برائیوں کا حکم دیتا ہے، ایک جائز کام میں لگا رہا ہے۔ تو اس حالت میں وہ گناہوں سے رک جاتا ہے کیونکہ اگر نفس کسی کام میں مشغول نہ ہو تو وہ آدمی کو اپنے کام میں مشغول کر دیتا ہے۔ اور اگر اس کا مقصد اس عالم کا قرب حاصل کرنا ہو تو اس کے نزدیک یہ بہترین عبادت ہے۔ کیونکہ عالم کا وقت اس جیسے کاموں میں خرچ ہونے سے افضل ہے تو اس طرح وہ (وقت) محفوظ رہے گا، اور عام آدمی کا بہترین وقت وہ ہے جو ایسے کاموں میں خرچ ہو تو اسے ہر طرف سے وافر بھلائی ملے گی۔ تو اس مثال سے اس قسم کے دوسرے اعمال، ان کے فضائل کی ترتیب اور بعض کی بعض پر تقدیم کو معلوم کرنا چاہیے عمر کی گھڑیوں کو اچھے کاموں میں لگانے کے لیے ان کا حساب کتاب کرنا امور دنیا اور اس کے تمام مال و اسباب میں غور کرنے سے افضل ہے۔

جب تم نے یہ ابتدائی بات سمجھ لی اور تجھے معلوم ہو گیا کہ طہارت کے چار مراتب ہیں تو ہم اس کتاب میں صرف چوتھے مرتبہ یعنی ظاہری طہارت کی گفتگو کریں گے کیونکہ ہم کتاب کے پہلے حصے میں صرف ظاہری طہارت کی بحث چھیڑ رہے ہیں پس ہم

کہتے ہیں کہ ظاہری طہارت کی تین قسمیں ہیں۔
(۱) نجاست سے طہارت (۲) حدث سے طہارت، بدن کے فضلات سے طہارت اور یہ طہارت کاٹنے (مثلاً ناخن کاٹنے) اُسترا یا چُونا استعمال کرنے (زیر ناف بال صاف کرنے) اور ختنہ سے حاصل ہوتی ہے۔

پہلی قسم:

نجاست سے طہارت حاصل کرنا اور یہ دیکھنا کہ کس چیز کو دور کیا جا رہا ہے کس چیز کے ساتھ دور کیا جا رہا ہے اور دور کرنے کی کیفیت کیا ہے۔

طرف اوّل: زائل کی جانے والی نجاست کا بیان

یہ نجاست ہے اور اعیان (اشیاء) تین قسم کی ہیں۔

جمادات، حیوانات اور حیوانات کے اجزاء ——

کتے، خنزیر اور حیوان دونوں یا ایک سے پیدا ہوتا ہے کے علاوہ تمام حیوانات پاک ہیں۔ لیکن جب ان میں سے کوئی مر جائے تو پانچ کے علاوہ باقی سب ناپاک ہو جاتے ہیں۔ آدمی، مچھلی، مکڑی، سیب کا کیڑا اور ہر وہ کھانا جو بدل جائے وہ اسی (کیڑے) کے حکم میں ہے نیز ہر وہ چیز جس میں بہنے والا خون نہ ہو جیسے مکھی اور گبریلا (ایک کیڑا جو گوبر میں ہوتا ہے) تو ان میں سے کسی کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ (۱)

حیوانات کے اجزاء کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جسے کاٹا جاتا ہے اس کا حکم مردہ جانور کی طرح ہے بال کاٹنے اور مر جانے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوتے ہڈی ناپاک ہو جاتی ہے، دوسری قسم وہ رطوبات ہیں جو اندر سے نکلتی ہیں تو جو تبدیل نہیں ہوتیں اور نہ ان کا کوئی ٹھکانہ ہے تو وہ پاک ہیں جیسے آنسو، پسینہ، لعاب، اور رینٹھ —— اور جس کا کوئی ٹھکانہ ہے (یہ پاک ہیں) اور وہ بدل جاتی ہے وہ ناپاک ہے، البتہ جو حیوان کی اصل ہو جیسے منی اور انڈہ یہ پاک ہیں پیپ، خون اور تمام جانوروں کا گوبر اور پیشاب ناپاک ہے۔

ان نجاستوں میں سے پانچ کے علاوہ کسی سے کچھ بھی معاف نہیں تھوڑا ہو یا زیادہ۔

۱۔ پتھروں سے استنجاء کرنے کے بعد نجاست کا اثر جب تک مخرج (نکلنے کی جگہ) سے تجاوز نہ کرے، معاف ہے۔

۲۔ راستوں کا کیچڑ اور لید کی غبار، اس کے باوجود کہ اس کی ناپاکی کا یقین ہو، جتنی مقدار سے بچنا ممکن نہ ہو معاف ہے، اور یہ وہ مقدار ہے کہ اس شخص کے بارے میں یہ نہ کہا جائے کہ اس نے خود اپنے آپ کو کیچڑ سے لتھیڑا ہے یا وہ

---

(۱) یعنی جب اس کے جسم پر نجاست نہ لگی ہو ورنہ پانی ناپاک ہو جائے گا ۱۲ ہزاروی

(۲) احناف کے نزدیک منی ناپاک ہے۔

اس میں گرا ہے۔

۳۔ موزے کے نیچے لگی ہوئی ایسی نجاست کہ اس سے راستہ خالی نہیں ہوتا تو رگڑنے کے بعد جو کچھ ہے وہ ضرورت کے تحت معاف ہے۔

۴۔ پسو کا خون تھوڑا ہو یا زیادہ، معاف ہے البتہ یہ کہ وہ عادت سے بڑھ جائے چاہے وہ تمہارے کپڑے میں لگے یا کسی دوسرے کے کپڑوں میں ہو اور تم انہیں پہن لو۔

۵۔ پھنسیوں کا خون اور جو پیپ وغیرہ ان سے نکلتی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے چہرے پر پھنسی تھی اس سے خون نکل آیا تو آپ نے نماز پڑھی اور اسے نہیں دھویا اور وہ ناسور جو عام طور پر باقی رہتے ہیں ان سے جو کچھ نکلتا ہے اور پر فصد (پچھنہ لگانے) سے جو خون نکلتا ہے وہ بھی اسی کے معنی میں ہے۔ مگر جو پھوڑے کبھی کبھار نکلتے ہیں اور اس کے دوسرے زخم انہیں استحاضہ کے خون کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اور وہ ان پھنسیوں کے حکم میں نہیں ہوں گے جن سے انسان کسی حالت میں بھی خالی نہیں ہوتا۔

ان پانچ قسم کی نجاستوں میں شریعت کی چشم پوشی سے تمہیں معلوم ہو گیا کہ طہارت کا معاملہ آسانی پر ہے، اس میں جو دوسرے وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔(۱)

جس چیز کے ساتھ نجاست زائل کی جاتی ہے

وہ چیز یا جامد ہوگی یا مائع (بہنے والی) جامد، استنجا ر والے پتھر میں وہ پاک بھی کرتے ہیں اور خشک بھی، لیکن شرط یہ ہے کہ سخت پاک، خشک کرنے والے ہوں اور قابل احترام نہ ہوں۔

بہنے والی چیزوں میں سے صرف پانی نجاستوں کو دور کرتا ہے اور ہر پانی نہیں بلکہ وہ پانی جو کسی غیر ضروری چیز کے ملنے سے بہت بدل نہ گیا ہو،

اگر نجاست مل جانے سے پانی کا ذائقہ رنگ یا بُو بدل جائے تو وہ پاک نہیں رہتا۔

اگر یہ چیزیں تبدیل نہ ہوں اور وہ دو سو پچاس پر ہو یعنی عراقی رطل (آدھ سیر) کے ساتھ پانچ سو رطل ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

---

(۱) احناف کے نزدیک جسم سے نکلنے والی پیپ اور خون کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر وہ باہر نکل کر اپنی جگہ سے تجاوز کر جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ لہٰذا پچھنہ وغیرہ سے نکلنے والے خون سے وضو ٹوٹ جائے گا جو نجاست خشک ہو اور جوتے وغیرہ سے لگ جائے وہ چلتے چلتے صاف ہو جاتی ہے یا کہیں بچنا ناممکن ہو تو معاف ہوگا اسے عموم بلویٰ کہتے ہیں ورنہ ناپاک پانی یا ناپاک کیچڑ سے کپڑا یا جسم ناپاک ہو جاتا ہے ۱۲ ہزاروی۔

إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلْ خَبَثًا ۔(۱) جب پانی دو مشکوں کو پہنچ جائے، تو ناپاکی کو نہیں اٹھاتا۔
اور اگر اس سے کم ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ناپاک ہو جاتا ہے اور یہ اس وقت ہے جب پانی ٹھہرا ہوا ہو۔
جہاں تک جاری پانی کا تعلق ہے تو جتنا پانی بدلا ہوا ہے وہ ناپاک ہے اس سے اوپر یا نیچے والا ناپاک نہیں ہے۔
کیونکہ پانی کے جاری ہونے میں انفصال یعنی الگ الگ بہاؤ ہے اسی طرح جب جاری نجاست، پانی کے جاری ہونے کی جگہ سے مل جائے تو پانی کی وہ جگہ ناپاک ہوگی۔ اور اس کا دایاں بایاں اس وقت ناپاک ہو گا جب وہ دو مشکوں سے کم ہو اور اگر پانی کا بہاؤ، نجاست کے بہاؤ سے قوی ہو تو جو کچھ نجاست سے اوپر والی جانب ہے وہ پاک ہے اور جو اس کی نچلی جانب ہے وہ ناپاک ہے اگرچہ دور ہو یا زیادہ ہو۔ البتہ ایک حوض میں دو مشکے پانی جمع ہو۔ اور جب دو مشکے ناپاک پانی اس کے ساتھ جمع ہو جائے تو وہ پاک ہو جائے گا اور پھر جدا ہونے سے ناپاک نہیں ہو گا یہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔(۲)

اور میں (امام غزالی رحمہ اللہ) چاہتا تھا کہ ان کا مذہب، حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی طرح ہوتا یعنی پانی اگرچہ تھوڑا ہو جب تک تبدیل نہ ہو ناپاک نہیں ہوتا کیوں کہ اس کی ضرورت ہوتی ہے اور دو مشکوں کی قید لگانے سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں اسی لیے یہ بات لوگوں پر گراں گزرتی ہے اور مجھے اپنی زندگی کی قسم یہ مشقت کا سبب ہے جو شخص اس کا تجربہ کرتا اور اس میں غور کرتا ہے وہ اس بات کو معلوم کر لیتا ہے۔

اور جس بات میں مجھے شک نہیں وہ یہ ہے کہ اگر یہ شرط ہوتی تو سب سے زیادہ مشکل طہارت مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں ہوتی۔ کیونکہ وہاں نہ تو جاری پانی زیادہ ہوتا ہے اور نہ ٹھہرا ہوا۔ اور زمانۂ رسالت کے آغاز سے عصر صحابہ کے آخر تک طہارت کے سلسلے میں کوئی واقعہ منقول نہیں ہے اور نہ ہی نجاستوں سے پانی کی حفاظت کے بارے کوئی (سوال) نقل کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانیہ کے گھڑے سے وضو فرمایا۔ اور یہ اس بات کی تصریح ہے کہ انہوں نے اس پانی پر اعتماد کیا جس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ حالانکہ عیسائی عورت اور اس کے برتن عام طور پر ناپاک ہوتے ہیں اور معمولی گمان سے معلوم ہو جاتا ہے تو اس صورت میں اس مذہب کے قیام کا مشکل ہونا اور ان زمانوں میں اس کے متعلق سوال کا نہ ہونا پہلی دلیل ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فعل دوسری دلیل ہے۔

---

(۱) سنن دارقطنی کتاب الطہارۃ جلد اول ص ۲۱

(۲) احناف کے نزدیک اگر تالاب سو مربع گز ہو (دس در دس) ہو تو جب تک نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو ناپاک نہیں ہو گا لیکن اس سے کم پانی نجاست کے گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے دو مشکوں والی حدیث سے امام شافعی رح کے استدلال کا جواب حنفی فقہاء نے دیا ہے تفصیل کے لیے شرح معانی الآثار یا ہدایہ کی یہی بحث دیکھئے ۱۲ ہزاروی۔

تیسری دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلی کے لیے برتن کو ٹیڑھا کرنا (۱)
اور اس سے برتنوں کو نہ ڈھانپنا ہے حالانکہ یہ بھی دیکھا کہ وہ چوہا کھاتی ہے اور ان علاقوں میں حوض نہیں تھے جن میں،
بلیاں منہ مارتیں اور کنوؤں میں وہ اترتی نہیں تھیں۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے واضح طور پر فرمایا کہ جس پانی سے نجاست کو دور کیا جائے اگر اس میں تغیر و تبدیل نہ ہو تو وہ پاک ہے اور اگر تبدیلی آجائے تو ناپاک ہے۔ اور اس میں کیا فرق ہے کہ پانی نجاست سے مل جائے یا نجاست پانی میں چلی جائے۔ اور کسی قائل کی اس بات کا کیا مفہوم ہوگا کہ پاک پانی نجاست کو دور کر دیتا ہے جب کہ وہ نجاست کے ملنے کو نہیں روکتا۔ اور اگر اسے حاجت کی طرف لے جائیں تو حاجت بھی اس کی طرف پہنچاتی ہے۔
لہذا کسی ایسے برتن میں پانی ڈالنا جس میں ناپاک کپڑے ہوں یا جس برتن میں پانی ہو اس میں ناپاک کپڑے ڈالنے میں کوئی فرق نہیں کپڑوں اور برتنوں کو دھونے میں یہ سب کچھ معروف ہے۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ وہ تھوڑے جاری پانی کے کنارے پر وضو کیا کرتے تھے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب جاری پانی میں پیشاب واقع ہوا اور اس میں (رنگ، بو، ذائقے کے اعتبار سے) کوئی تبدیلی نہ آئے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے اگرچہ تھوڑا ہو، جاری اور کھڑے پانی میں کیا فرق ہے۔ تو بتایئے عام تغیر کو حوالہ بنانا بہتر ہے یا جاری ہونے کے سبب حاصل ہونے والی پانی کی قوت کو؟ پھر اس قوت کی حد کیا ہے۔ کیا وہ حماموں کی ٹونٹیوں سے جاری ہونے والے پانی پر بھی صادق آئے گی یا نہیں؟ اگر نہیں تو وجہ فرق کیا ہے؟ اور اگر وہاں بھی یہ ضابطہ جاری ہوتا ہے تو جو اس (جاری پانی) میں نجاست گرے اس میں اور جو برتنوں سے جسموں پر جاری ہوتا ہے اس میں کیا فرق ہے حالانکہ یہ بھی جاری ہے۔ پھر جاری پانی میں ملنے کے اعتبار سے جامد (ٹھہری ہوئی) نجاست کے مقابلے میں پیشاب کا حکم زیادہ سخت ہے۔ جب یہ فیصلہ کیا جائے کہ جو کچھ اس کے اوپر جاری ہوتا ہے اگرچہ وہ تبدیل نہ ہو ناپاک ہے یہاں تک کہ وہ کسی جگہ دو مٹکوں کے برابر جمع ہو جائے۔ تو ٹھوس اور مائع نجاست میں کیا فرق ہے حالانکہ پانی ایک ہی ہے اور مل جانے کی نسبت ایک دوسرے میں داخل ہو جانے کا حکم زیادہ سخت ہے۔

چھٹی دلیل یہ ہے کہ جب دو مٹکے پانی میں آدھ سیر پیشاب گر جائے پھر وہ الگ الگ ہو جائیں تو جس لوٹے سے پانی لیں پاک ہوگا جب کہ یہ بات معلوم ہے کہ اس میں پیشاب پھیلا ہوا ہے اور پانی بھی تھوڑا ہے، بتایئے تبدیل نہ کرنے سے اس کا پاک رہنا زیادہ اچھا ہے یا پانی کی کثرت کی قوت کی وجہ سے کہ جب کثرت ختم ہو جائے اور نجاست کے اجزاء اس میں باقی رہیں (یعنی یہ تو پاک ہوا) اور جو نجاست کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوا اسے پاک نہ سمجھا جائے یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے)

---

(۱) سنن دار قطنی باب سؤر الہرۃ جلد اول ص ۶۷

ساتویں دلیل یہ ہے کہ گذشتہ زمانوں میں میلے کچیلے لوگ حماموں سے وضو کرتے اور ان حوضوں میں برتن اور ہاتھ ڈالتے حالانکہ پانی تھوڑا ہوتا تھا اور یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ اس میں ناپاک اور پاک سب ہاتھ داخل ہوتے ہیں۔

تو شدتِ حاجت کے باوجود ان دلائل سے یہ بات دل میں مضبوط ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ پانی کے تبدیل نہ ہونے کو دیکھتے تھے اور حضور علیہ السلام کے اس قول کی طرف پھیرتے تھے۔ آپ نے فرمایا:

خُلِقَ الْمَاءُ طَهُوْرًا لَا يُنَجِّسُهٗ شَيْءٌ اِلَّا مَا غَيَّرَ طَعْمَهٗ اَوْ لَوْنَهٗ اَوْ رِيْحَهٗ (۱) پانی کو پاک پیدا کیا گیا ہے اسے وہی (ناپاک) چیز ناپاک کر سکتی ہے جو اس کے ذائقے رنگ بُو کو بدل دے۔

اور اس میں تحقیق ہے وہ یہ کہ ہر مائع چیز کی طبیعت میں یہ بات داخل ہے کہ جو چیز اس میں گرتی ہے وہ اسے اصفت پر لے آتی ہے اور وہ اس میں مغلوب ہو جاتی ہے جیسے تم کتے کو دیکھتے ہو کہ وہ نمک (کی کان) میں گر کر نمک ہو جاتا ہے اور نمک بن جانے نیز کتا ہونے کا وصف زائل ہو جانے کے سبب اسے پاک قرار دیا جاتا ہے۔

اسی طرح سرکہ اور دودھ پانی میں گر جائیں اور وہ کم ہو تو ان کی صفت باطل ہو جاتی ہے اور اب پانی کی صفت کے ساتھ ان کا تصور ہوتا ہے اور ان میں بھی طبیعت آجاتی ہے البتہ زیادہ ہو اور غالب آجائے تو الگ بات ہے اور اس کا غلبہ، اس کے ذائقے، رنگ یا بُو سے معلوم ہوتا ہے۔

تو شریعت نے تھوڑے پانی کے نجاست کو زائل کرنے کے سلسلے اسی معیار کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی پر اعتماد کرنا چاہیے۔ اس سے حرج دور ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اس کی صفت طہور (پاک کرنے والا ہونا) ظاہر ہوتی ہے کیونکہ وہ اس پر غالب آکر اسے پاک کر دیتا ہے جیسے وہ دو مشکوں سے زائد ہونے کی صورت میں، مستعمل پانی، جاری پانی اور بلی کے لیے برتن کو ٹیڑھا کرنے کی صورت میں پاک رہتا ہے اور تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ معاف ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ استنجاء کے اثر اور پسو کے خون کی طرح ہوتا حتیٰ کہ اس سے ملنے والا پانی بھی ناپاک ہو جاتا لیکن دھونے سے ناپاک نہ ہوتا اور نہ ہی تھوڑے پانی میں بلی کے منہ مارنے سے وہ ناپاک ہوتا۔

جہاں تک حضور علیہ السلام کے اس قول کا تعلق ہے کہ وہ نجاست کو نہیں اٹھاتا تو یہ مبہم ہے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ جب وہ تبدیل ہو جائے (تب نجاست کو نہیں اٹھاتا) اگر کہا جائے کہ جب وہ تبدیل نہ ہو تو ممکن ہے کہا جائے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ وہ عادتاً عام طور پر نجاستوں سے تبدیل نہیں ہوتا۔ پھر دو مشکوں سے کم میں بھی یہی دلیل ہے لیکن اس سے کم میں مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے یہ مفہوم چھوڑنا ممکن ہے۔ اور آپ کے ارشاد گرامی "لا یحمل خبثا" کا ظاہر حمل کی نفی کرتا ہے یعنی اسے اپنی ذاتی صفت کی طرف لوٹاتا ہے جیسے کہا جائے کہ نمک، کتے وغیرہ کو نہیں

---

(۱) سنن دار قطنی کتاب الطہارۃ جلد اول ص ۲۹

اٹھا سکتا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی ممکن بن جاتے ہیں۔ اس لیے کہ لوگ تھوڑے سے پانی اور تالابوں میں استنجاء کرتے ہیں اور اپنے ناپاک برتن ان میں دھوتے ہیں پھر شک میں پڑ جاتے ہیں کہ آیا اس میں کوئی مؤثر تبدیلی آئی ہے یا نہ ؟ تو واضح ہوا کہ جب دو مٹکے پانی ہو تو ان عام نجاستوں سے ناپاک نہیں ہوتا۔

اگر تم کہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ نجاست کو نہیں اٹھاتا" اور جب زیادہ ہوگا تو برداشت کرے گا تو یہ سوال تمہارے خلاف ہوگا کیونکہ جب زیادہ ہوگا تو جس طرح حسی طور پر برداشت کرتا ہے حکمی طور پر بھی برداشت کرے گا۔

لہذا دونوں مذہبوں پر یہ معتاد (عام) نجاستوں کی قید لگانا ضروری ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ میرا رجحان اس بات کی طرف ہے کہ عام نجاستوں کے معاملے میں نرمی اختیار کی جائے پہلے لوگوں کی سیرت یہی ہے اور وسوسوں کو جڑ سے اکھاڑنا ہے۔ تو اس قسم کے مسائل میں اختلاف کی صورت میں، میں نے طہارت کا فتویٰ اسی وجہ سے دیا ہے (۱)

نجاست دور کرنے کا طریقہ

نجاست اگر حکمیہ ہو یعنی وہ نجاست جس کا محسوس جسم نہ ہو تو تمام جگہوں پر پانی بہانا کافی ہے اگر نجاست دکھائی دینے والی ہو تو عین نجاست کو دور کرنا ضروری ہے ذائقے کا باقی رہنا عین کے بقا پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح رنگ کا باقی رہنا بھی، لیکن جو نجاست اس جگہ سے مل جائے تو کھرچنے کے بعد (جو زائل نہ ہو) معاف ہے۔ بو کا باقی رہنا بھی عین نجاست کے بقا پر دلالت کرتا ہے اس سے صرف اسی قدر معاف ہے کہ اس کی بو بہت تیز ہو اور اس کا ازالہ مشکل ہو۔ تو رنگ کی صورت میں کئی بار ملنا اور ہر بار اسے نچوڑنا کھرچنے کے قائم مقام ہوگا۔ وسوسوں کو دور کرنے کے لیے یہ یقین رکھنا ضروری ہوگا کہ اشیاء کو پاک پیدا کیا گیا ہے تو جس پر نجاست نظر نہ آئے اور یقینی طور پر اس کا ناپاک ہونا بھی معلوم نہ ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھے اور محض سوچ کی وجہ سے نجاستوں کو مقدر فرمانے۔

دوسری قسم:

احداث سے طہارت

اس میں وضو، غسل، اور تیمم ہے اور ان سب سے پہلے استنجاء ہے، ہم ان سب کا طریقہ اور سنتیں ترتیب سے بیان کریں گے اور اسباب وضو سے ابتدا کریں گے نیز قضائے حاجت کے آداب بھی بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

(۱) حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے جس دور کی بات فرمائی ہے اب وہ دور نہیں رہا اس وقت اہل عرب کے ہاں پانی کی بھی کمی ہوتی تھی کپڑے بھی کم ہوتے تھے اب حالات بدل گئے ہیں لہذا یہ تو ٹھیک ہے کہ محض وسوسے سے پاک کپڑے کو ناپاک نہیں کہا جائے گا لیکن جب نجاست کا یقین ہو تو اس کے ساتھ نماز نہیں ہوتی۔ ۱۲ ہزاروی۔

قضائے حاجت کے آداب

چاہیئے کہ صحرا میں لوگوں کی نظروں سے دور جائے اور اگر کوئی چیز میسر ہو تو اس کے ساتھ پردہ کرے اور بیٹھنے کی جگہ تک پہنچنے سے پہلے شرمگاہ کو ننگا نہ کرے، سورج اور چاند کی طرف رُخ نہ کرے قبلہ کی طرف نہ چہرہ کرے اور نہ پیٹھ البتہ گھر میں ہو تو کوئی حرج نہیں (۱) اور لوگوں کے اندر بھی دوسری طرف پھرنا اچھا ہے اگر صحرا میں اپنی سواری کے ذریعے پردہ کرے تو بھی جائز ہے اسی طرح دامن کے کپڑے کے ساتھ بھی کرسکتا ہے لوگوں کی مجلس کی جگہ سے بچے، ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے پھل دار درخت کے نیچے بھی پیشاب نہ کرے نہ پتھر پر پیشاب کرے، سخت جگہ سے بچے ہوا کے رُخ پر پیشاب نہ کرے تاکہ اس کے چھینٹوں سے بچے، بیٹھتے ہوئے بائیں پاؤں پر دباؤ ڈالے، اگر پیشاب گاہ کسی عمارت میں ہو تو داخل ہوتے وقت بائیں پاؤں کو پہلے اندر رکھے اور نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں نکالے۔ اور کھڑا ہو کر پیشاب نہ کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں "جو شخص تم سے بیان کرے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب فرماتے تھے تو اس کی تصدیق نہ کرو (۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھڑا ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا "اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو" تو اس کے بعد میں نے کبھی بھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا، (۳) البتہ (ضرورت کے تحت) اس کی اجازت ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر میں وضو کے لیے پانی لایا تو آپ نے وضو فرمایا اور موزوں پر مسح کیا۔ (۴) اور غسل خانے میں پیشاب نہ کرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَامَّةُ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ (۵)   عام وسوسے اس سے پیدا ہوتے ہیں

حضرت ابن مبارک فرماتے ہیں غسل خانے میں پیشاب کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس کے اوپر سے پانی جاری ہو جائے۔

---

(۱) احناف کے نزدیک گھروں میں بھی قبلہ رُخ نہیں ہونا چاہیئے اور نہ اس کی طرف پیٹھ کی جائے اس لیے کہ اگر پہاڑ رکاوٹ نہیں بنتے تو گھروں کی چار دیواری کیسے رکاوٹ بنے گی (۱۲) ہزاروی

(۲) جامع ترمذی باب النہی عن البول قائما جلد اول ص ۲۸

(۳) جامع ترمذی باب النہی عن البول قائما جلد اول ص ۲۸

(۴) صحیح مسلم کتاب الطہارۃ جلد اول ص ۱۳۳

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۵۶ مرویات عبد اللہ بن مغفل

اسے امام ترمذی نے ذکر کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحَمِّهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فِيهِ فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ (۱)

تم میں سے کوئی شخص غسل خانے میں پیشاب نہ کرے پھر وہاں سے وضو کرتا ہے اور عام وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

اپنے ساتھ ایسی چیز نہ لے جائے جس پر اللہ تعالیٰ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہو پیشاب گاہ میں ننگے سر نہ جائے اور داخل ہونے وقت یہ الفاظ پڑھے (یعنی باہر ہی پڑھے)

بِسْمِ اللّٰهِ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الرِّجْسِ النَّجِسِ الْخَبِيثِ الْمُخْبِثِ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔(۲)

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور شیطان ناپاک خبیث سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

یہ کلمات بیت الخلاء سے باہر نکل کر کہے اور بیٹھنے سے پہلے ڈھیلوں کو گن لے قضائے حاجت کی جگہ پانی سے استنجاء کرے (۳) کھانسنے تین بار جھاڑنے اور عضو مخصوص کے نچلے حصے پر ہاتھ پھیرنے کے ذریعے پیشاب نکلنے کا اطمینان کرے اور اس میں زیادہ سوچ بچار نہ کرے اس طرح وسوسے پیدا ہوں گے اور یہ معاملہ باعث مشقت ہو جائے گا۔ اب کوئی رطوبت محسوس ہو تو یوں خیال کرے کہ وہ وضو کا بقیہ پانی ہے اگر اس سے (ذہنی) اذیت محسوس کرتا ہے تو اس جگہ پانی کے چھینٹے مارے تاکہ یہ بات اس کے دل میں پکی ہو جائے اور شیطان وسوسوں کے ذریعے اس پر مسلط نہ ہو جائے۔

حدیث شریف میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کیا تھا یعنی پانی کے چھینٹے مارے (۴)

(گزشتہ زمانے میں) جو شخص استنجاء سے جلدی فارغ ہوتا وہ ان میں زیادہ فقیہ ہوتا تھا تو اس سلسلے میں وسوسہ قلت فقہ پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر بات سکھائی ہے آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ہڈی اور لید سے استنجاء نہ کریں اور ہمیں قبلہ رخ ہونے اور ادھر پیٹھ کرنے سے بھی منع فرمایا (۵)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۵۶ مرویات عبداللہ بن مغفل (۲)

(۳) جب کھیتوں وغیرہ میں قضائے حاجت کے لیے جائے تو جہاں پیشاب کیا وہاں سے ہٹ کر استنجاء کرے لیکن اس وقت جو گھروں میں پیشاب گاہیں بنی ہوئی ہیں ان میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ فلش ہیں۔

(۴) سنن نسائی کتاب الطہارۃ جلد اول ص ۱۹

(۵) سنن ابن ماجہ باب الاستنجاء بالحجارۃ ص ۲۷

ایک عربی شخص نے کسی صحابی سے جھگڑنے کے دوران کہا میرا خیال ہے تمہیں تو پیشاب کرنے کا طریقہ بھی اچھی طرح نہیں آتا۔ انہوں نے جواب دیا کیوں نہیں میں اس میں ماہر ہوں میں بستی سے دور جاتا ہوں اور ڈھیلے گن کر رکھتا ہوں گھاس کے جھنڈ کو سامنے رکھتا ہوں (پردہ کرتا ہوں) اور ہوا کی طرف پیٹھ کرتا ہوں ہرن کی طرح (پنجوں پر زور دے کر) بیٹھتا ہوں اور شتر مرغ کی طرح پچھلا حصہ اوپر کو اٹھاتا ہوں۔

اس بات کی اجازت ہے کہ انسان با پردہ ہو کر کسی ساتھی کے قریب پیشاب کرے کیونکہ حضور علیہ السلام نے باوجود بہت زیادہ حیا کے ایسا کیا تاکہ لوگوں کے لیے یہ مسئلہ بیان کر دیں۔ (۱)

(یعنی کبھی ایسی ضرورت ہو تو باپردہ ہونے کی صورت میں قریب بیٹھ کر قضائے حاجت میں کوئی حرج نہیں)

استنجاء کا طریقہ

پھر اپنی پیشاب گاہ کو تین پتھروں سے صاف کرے (استنجاء کرے) اگر ان سے صاف ہو جائے تو کافی ہے ورنہ چوتھا پتھر بھی استعمال کرے اگر پاک ہو جائے تو پانچواں پتھر بھی استعمال کرے کیونکہ پاک کرنا واجب ہے اور طاق پتھر استعمال کرنا سنت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ (۲) جو شخص پتھروں سے استنجاء کرے تو وہ طاق پتھر استعمال کرے۔

پتھر اپنے بائیں ہاتھ میں لے اور اسے پیشاب گاہ کے اگلے حصے پر نجاست کی جگہ سے کچھ آگے رکھے اور اس سے پونچھتا ہوا پیچھے کی طرف لے جائے اور دوسرا پتھر لے کر اسے اسی طرح پچھلے حصے پر رکھے اور اسے آگے کی طرف لائے، پھر تیسرا پتھر لے کر اسے پیشاب گاہ کے گرد پھیرے اگر پھیرنا مشکل ہو اور اسے آگے کی طرف سے پچھلی طرح پونچھ ڈالے تو بھی کافی ہے پھر اپنے دائیں ہاتھ میں ایک بڑا پتھر (ڈھیلا) لے اور بائیں ہاتھ میں اپنے عضو مخصوص کو پکڑ کر اس پر پتھر کو رگڑے اور بائیں ہاتھ کو حرکت دے کر اسے (عضو مخصوص کو) تین بار ڈھیلے کی تین جگہوں کے ساتھ پونچھے یا دیوار کے تین مقامات سے صاف کرے یہاں تک کہ پونچھنے کی جگہ پر رطوبت نظر نہ آئے اگر دو مرتبہ سے مقصود حاصل ہو جائے تو تین مرتبہ کرے اور اگر ایک ہی پتھر پر اکتفا کرے تو تین جگہ سے صاف کرنا واجب ہے اگر چار بار ایسا کرنے سے مقصود حاصل ہو جائے تو طاق بار پر عمل کرنے کے لیے پانچویں مرتبہ کرنا مستحب ہے۔ پھر یہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ چلا جائے اور پانی کے ساتھ اس طرح استنجاء کرے کہ دائیں ہاتھ سے نجاست کی جگہ پر پانی ڈالے۔ اور بائیں ہاتھ سے ملے حتیٰ کہ ایسا اثر باقی نہ رہے کہ چھونے سے ہتھیلی کو اس کا احساس ہو۔ اور اندر تک پہنچنے کے ذریعے مبالغہ آرائی چھوڑ دے کیونکہ یہ وسوسوں کی جگہ ہے ـــــ اندر (باطن) سے مراد وہ جگہ ہے جہاں تک پانی نہیں پہنچتا اور باطنی فضلات جب تک ظاہر نہ ہوں ان پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جاتا اور جو کچھ

---

(۱) (۲) صحیح بخاری جلد اول ص کتاب الوضوء

ظاہر ہے اور اس کے لیے نجاست کا حکم ثابت ہے تو اس کے ظہور کی حد یہ ہے کہ وہاں تک پانی پہنچ کر اسے زائل کر دے وسوسوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

استنجاء سے فراغت کے بعد ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگے۔

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَحَصِّنْ فَرْجِیْ مِنَ الْفَوَاحِشِ۔

اے اللہ! میرے دل کو منافقت سے پاک کر دے اور میری شرمگاہ کو بے حیائی کے کاموں سے محفوظ فرما۔

پھر اپنے ہاتھ کو زمین یا دیوار پر ملے تاکہ بدبو زائل ہو جائے اگر باقی ہوں آجکل صابن استعمال کرنا چاہیئے، پتھروں اور پانی دونوں سے استنجاء کرنا مستحب ہے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَفِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ۔ (۱)

اور اس (مسجد قبا) میں کچھ لوگ ہیں جو خوب پاک ہونا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا سے پوچھا "وہ کیا طہارت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم پانی اور پتھر کو جمع کرتے ہیں (۲)

(دونوں کو استنجاء کے وقت استعمال کرتے ہیں)

وضو کا طریقہ جب استنجاء سے فارغ ہو جائے تو وضو میں مشغول ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ اسی طرح دیکھا گیا کہ آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر وضو فرماتے تھے۔ (البتہ تعلیم امت کے لیے کبھی آپ نے اس وقت وضو کو چھوڑ بھی دیا ۱۲ ہزاروی) مسواک سے ابتداء کرے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَفْوَاهَكُمْ طُرُقُ الْقُرْاٰنِ فَطَیِّبُوْهَا بِالسِّوَاكِ (۳)

بے شک تمہارے منہ قرآن پاک کے راستے ہیں پس انہیں مسواک کے ساتھ پاک کرو۔

مسواک کرتے وقت نماز میں قرآن پاک کی قرأت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے منہ کو پاک کرنے کی نیت کرنی چاہیئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلٰوةٌ عَلٰی اَثَرِ سِوَاكٍ اَفْضَلُ مِنْ خَمْسٍ وَّسَبْعِیْنَ صَلٰوةً بِغَیْرِ سِوَاكٍ (۴)

مسواک (والے وضو) کے بعد نماز بغیر مسواک والی نماز سے پچھتر درجے افضل ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۱۰۸

(۲) کشف الاستار عن زوائد البزار باب الجمع بین الماء والحجر جلد اول ص ۱۳۱

(۳) حلیۃ الاولیاء جلد ۴ ص ۲۹۶ (۴) التمہید جلد ۷ ص ۲۰۰

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ارشاد پاک ہے۔

لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلَاۃٍ۔ (۱)

اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَالِیْ اَرَاکُمْ تَدْخُلُوْنَ عَلَیَّ قُلْحًا اِسْتَاکُوْا۔ (۲)

کیا وجہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں تو میرے پاس پیلے دانتوں کے ساتھ آتے ہو، مسواک کیا کرو۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بار بار مسواک کیا کرتے تھے (۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مسلسل مسواک کا حکم دیتے رہے حتی کہ ہم نے خیال کیا عنقریب آپ پر اس سلسلے میں کچھ نازل ہوگا (۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلَیْکُمْ بِالسِّوَاکِ فَاِنَّہٗ مَطْھَرَۃٌ لِلْفَمِ وَمَرْضَاۃٌ لِلرَّبِّ (۵)

تم پر مسواک لازم ہے یہ منہ کو پاک کرنے اور رب کی رضا کا ذریعہ ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:۔

مسواک حافظے کو بڑھاتی اور بلغم کو دور کر دیتی ہے۔ اور صحابہ کرام کا طریقہ تھا کہ وہ صبح اس حالت میں نکلتے کہ مسواک ان کے کانوں پر ہوتی۔ (۶)

مسواک کا طریقہ یہ ہے کہ پیلو کی لکڑی یا کسی دوسرے درخت کی سخت لکڑی سے مسواک کرے جو دانتوں کی زردی کو دور کر دے۔ مسواک چوڑائی اور لمبائی دونوں طرح کر سکتا اگر ایک صورت اختیار کرے تو چوڑائی میں ہونی چاہیئے۔

ہر نماز کے وقت اور ہر وضو کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے اگرچہ اس وضو کے بعد نماز نہ پڑھے اور نیند کی وجہ سے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الجمعۃ جلد اول ص ۱۲۲

(۲) مسند امام اعظم کتاب الطہارۃ ص ۲۳

(۳) مجمع الزوائد باب ماجاء فی السواک جلد ۲ ص ۹۹

(۴)

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۰۸ مرویات ابن عمر

۶۔ جامع ترمذی باب ماجاء فی السواک جلد اول ص ۲۰

جب منہ کی بُو بدل جائے تو بھی مسواک کرے، زیادہ دیر تک کچھ نہ کھانے کی وجہ سے ناپسندیدہ بُو والی چیز کھانے سے جو بُو پیدا ہوتی ہے اسے زائل کرنے کے لیے مسواک کرنا بھی مستحب ہے۔

مسواک سے فارغ ہو کر وضو کے لیے قبلہ رُخ بیٹھے اور "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يُسَمِّ اللّٰهَ تَعَالٰى۔ (۱) — جو آدمی بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو (کامل) نہیں۔

اس وقت یہ کلمات پڑھے۔

اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔ (۲) — (یا اللہ!) میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے میرے رب میں ان کے حاضر ہونے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

پھر ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے تین بار دھوئے۔ اور یہ الفاظ کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْئَلُكَ الْيُمْنَ وَالْبَرَكَةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشُّؤْمِ وَالْهَلَكَةِ۔ (۳) — اے اللہ! میں تجھ سے برکت کا سوال کرتا ہوں اور بدبختی و ہلاکت سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

پھر حدث رفع وضو ہونا) کو دور کرنے یا جواز نماز کی نیت کرے اور چہرے کے دھونے تک نیت کو باقی رکھے (یاد رکھے) اگر چہرہ دھوتے وقت بھول گیا تو یہ نیت کافی نہ ہوگی (۴)۔ پھر اپنے منہ کے لیے دائیں ہاتھ سے ایک چلو پانی لے اور اس سے تین بار کلی کرے اور غرغرہ کرے حلق تک پہنچائے (احناف کے نزدیک تین کلیوں کے لیے تین بار پانی لینا سنت ہے ۱۲ ہزاروی) روزہ دار ہو تو پانی حلق تک نہ پہنچائے۔ اور یہ دعا مانگے۔

کلی کرتے وقت کی دعا:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى تِلَاوَةِ كِتَابِكَ وَكَثْرَةِ الذِّكْرِ لَكَ۔ — اے اللہ اپنی کتاب کی تلاوت اور اپنے ذکر کی کثرت پر میری مدد فرما۔

پھر ناک کے لیے ایک چلو پانی لے اور تین مرتبہ پانی چڑھائے (احناف کے نزدیک تین بار پانی لینا ہوگا) سانس لے کر پانی ناک کے نتھنوں تک کھینچے اور پھر اس میں جو کچھ ہے اسے جھاڑ دے اور یہ الفاظ کہے۔

ناک میں پانی چڑھاتے وقت کی دعا:

---

(۱) جامع ترمذی باب التسمیۃ عند الوضوء جلد اول ص ۲۰

(۲)　　(۳)

(۴) احناف کے نزدیک وضو کے لیے نیت ضروری نہیں ۱۲ ہزاروی

اَللّٰهُمَّ اَوْجِدْنِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ۔

اے اللہ! میرے لیے جنت کی خوشبو بتا دے اس حال میں کہ تو مجھ سے راضی ہو۔

ناک جھاڑتے وقت کی دعا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ رَوَائِحِ النَّارِ وَمِنْ سُوْءِ الدَّارِ۔

اے اللہ! میں جہنم کی بوؤں اور برے گھر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

استنشاق پانی پہنچانے اور استنثار ناک جھاڑنے کو کہتے ہیں۔ پھر اپنے چہرے کے لیے چلو بھرے اور پیشانی کی سطح (شروع ہونے کی جگہ) سے ٹھوڑی کے نیچے تک لمبائی میں اور ایک کان کی لو (نرم جگہ) سے دوسرے کان کی لو تک چوڑائی میں دھوئے۔ پیشانیوں کے دونوں کناروں پر بال جھڑنے کی جگہ چہرے میں داخل نہیں وہ سر کا حصہ ہیں۔ اور اس جگہ تک بھی پانی پہنچائے جہاں سے عورتیں بال ہٹاتی رہتی ہیں۔ یہ وہ مقدار ہے کہ اگر کسی دھاگے کا ایک سرا کان کے اوپر رکھیں اور دوسرا پیشانی کے کنارے پر تو یہ حصہ چہرے کی طرف رہ جاتا ہے چار قسم کے بالوں کے اگنے کی جگہ تک پانی پہنچائے وہ ابرو، مونچھیں، رخسار (کانوں کے مقابل چہرے کے بال) اور پلکیں ہیں کیوں کہ عام طور پر یہ کم ہوتے ہیں، پتلی داڑھی کے اگنے کی جگہ میں پانی پہنچانا واجب ہے یعنی اس کے مقابل چہرے تک پہنچائیں گھنی داڑھی میں یہ حکم نہیں ہے نچلے ہونٹ کے نیچے کی جگہ بالوں کے پتلے اور گھنے ہونے میں داڑھی کے حکم میں ہے۔ چہرہ تین مرتبہ اسی طرح کرے یا وہ لٹکی ہوئی داڑھی کے ظاہر پر پانی بہائے آنکھ کے کنارے نیز میل اور سرمہ جمع ہونے کی جگہ میں انگلیاں داخل کرے ان دونوں جگہوں کو صاف کرے روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کیا کرتے تھے (۱)

اس وقت آنکھوں سے گناہوں کے نکلنے کی امید کرے ہر عضو کو دھوتے وقت یہی تصور کرے۔

چہرہ دھوتے وقت دعا:

اور اس وقت یہ دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِيْ بِنُوْرِكَ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ اَوْلِيَاءِكَ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْهِيْ يَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْهُ اَعْدَائِكَ۔

اے اللہ! اپنے نور سے میرے چہرے کو روشن کر دینا جس دن تیرے دوستوں کے چہرے روشن ہوں گے اور جس دن تیرے دشمنوں کے چہرے سیاہ ہوں گے اس دن میرے چہرے کو سیاہ نہ کرنا۔

چہرہ دھوتے وقت گھنی داڑھی کا خلال کرے کیونکہ یہ مستحب ہے پھر ہاتھوں (بازوؤں) کو کہنیوں سمیت تین مرتبہ دھوئے

---

(۱) العلل المتناہیۃ جلد اول ص ۳۴۹

اور انگوٹھی کو حرکت دے اور اعضاء کی چمک کو زیادہ کرتے ہوئے بازوؤں کے اوپر تک لے جائے بے شک یہ اعضاء قیامت کے دن وضو کے نشانات سے چمکتے ہوئے روشن ہوں گے حدیث شریف میں اسی طرح آیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهٗ فَلْيَفْعَلْ۔(۱) جو آدمی اپنی چمک کو زیادہ کر سکتا ہو وہ اسی طرح کرے۔

ایک روایت میں ہے:

اَنَّ الْحِلْيَةَ تَبْلُغُ مَوَاضِعَ الْوُضُوْءِ(۲) بے شک (قیامت کا) زیور، وضو کی جگہوں تک پہنچے گا۔

دایاں بازو دھوتے وقت کی دعا:

دائیں ہاتھ سے شروع کرے اور یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ كِتَابِيْ بِيَمِيْنِيْ وَحَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا

اے اللہ! میرا اعمال نامہ میرے دائیں ہاتھ میں دینا اور میرا حساب آسانی سے لینا۔

بایاں بازو دھوتے وقت کی دعا:

بایاں بازو دھوتے وقت یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ تُعْطِيَنِيْ كِتَابِيْ بِشِمَالِيْ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ۔

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے میرا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ کے پیچھے سے دے۔

پھر پورے سر کو مسح سے گھیرے یعنی ہاتھوں کو تر کر کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے ملائے اور انہیں سر کے اگلے حصے پر رکھے پھر انہیں پچھلے حصہ کی طرف لے جائے پھر اگلے حصہ کی طرف لائے یہ ایک مسح ہے اسی طرح تین مرتبہ کرے (ایک پانی سے تین مرتبہ کر سکتا ہے تینوں مرتبہ جدید پانی لینا صحیح نہیں ۱۲ ہزاروی)

سر کا مسح کرتے وقت کی دعا:

اس وقت یہ دعا مانگے:

اَللّٰهُمَّ اَغْشِنِيْ بِرَحْمَتِكَ وَاَنْزِلْ عَلَيَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ وَاَظِلَّنِيْ تَحْتَ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّكَ۔

اے اللہ! مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ دے مجھ پر اپنی برکتیں نازل فرما اور جس دن صرف تیرا سایہ ہوگا مجھے اپنے عرش کے سائے کے نیچے رکھنا۔

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الوضو جلد اول ص ۲۵

(۲) صحیح مسلم کتاب الطہارۃ جلد اول ص ۱۲۷

پھر نئے پانی سے کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح کرے (احناف کے نزدیک سر کے پانی سے ہی کانوں کا مسح کرے ۱۲ ہزاروی) شہادت کی انگلیوں کو کانوں کے سوراخوں میں ڈال کر انگوٹھوں کو کانوں کے باہر والے حصے پر پھیرے پھر احتیاط کے طور پر ہتھیلی دونوں کانوں پر رکھے اور تین بار اس طرح کرے۔

کانوں کے مسح کے وقت دعا:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اَللّٰھُمَّ اَسْمِعْنِیْ مُنَادِیَ الْجَنَّۃِ مَعَ الْاَبْرَارِ۔

اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دے جو بات کو غور سے سنتے ہیں پھر ان میں سے اچھی بات کی اتباع کرتے ہیں یا اللہ مجھے نیک لوگوں کے ساتھ جنت کے منادی کی آواز سنا دے۔

پھر نئے پانی کے ساتھ گردن کا مسح کرے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَمَسْحُ الرَّقَبَۃِ اَمَانٌ مِنَ الْغِلِّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (۱)

گردن کا مسح قیامت کے دن طوق سے امن کا ضامن ہوگا۔

گردن کا مسح کرنے وقت کی دعا:

مسح کرتے وقت ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگے۔

اَللّٰھُمَّ فُکَّ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ۔

اے اللہ! میری گردن کو آگ سے آزاد کر دے اور میں طوق اور زنجیروں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

پھر دایاں پاؤں دھوئے اور بائیں ہاتھ کے ساتھ دائیں پاؤں کی انگلیوں کا نیچے سے اوپر کی طرف خلال کرے دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے اور یہ کلمات کہے۔

دایاں پاؤں دھوتے وقت کی دعا:

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ فِی النَّارِ۔

اے اللہ! جس دن قدم پھسل کر (لوگ) جہنم میں جائیں گے تو میرے قدم کو قائم رکھنا۔

بایاں پاؤں دھوتے وقت کی دعا:

اَعُوْذُبِکَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَنِ الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْہِ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ۔

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ پل صراط سے میرے قدم پھسلیں جس دن منافقین کے قدم پھسلیں گے۔

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۰۹

(پاؤں دھوتے وقت) پانی نصف پنڈلی تک پہنچا ئے۔
جب وضو سے فارغ ہو جائے تو آسمان کی طرف سر اٹھاتے ہوئے یوں کہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِيْ اَسْتَغْفِرُكَ اللّٰهُمَّ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ فَاغْفِرْ لِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ عَبْدًا صَبُوْرًا شَكُوْرًا وَاجْعَلْنِيْ اَذْكُرُكَ كَثِيْرًا وَاُسَبِّحُكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اے اللہ میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے برے اعمال کئے اور اپنے نفس پر ظلم کیا اے اللہ میں تجھ سے بخشش کا طالب ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوا مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما بے شک تو بہت توبہ کرنے والا مہربان ہے اے اللہ مجھے بہت توبہ کرنے والوں میں سے کر دے اور خوب پاک ہونے والوں میں سے بنا دے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما مجھے صبر و شکر کرنے والا بندہ بنا دے مجھے یوں کر دے کہ میں تیرا بہت زیادہ ذکر کروں اور صبح و شام تیری پاکیزگی بیان کروں"، کہا گیا ہے کہ جو شخص وضو کے بعد یہ کلمات پڑھے تو اس کے وضو پر مہر لگا دی جاتی ہے اور اسے عرش کے نیچے اٹھایا جاتا ہے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتا ہے اور اس کے لئے قیامت تک ثواب لکھا جاتا ہے۔

مکروہاتِ وضو:

وضو میں چند باتیں مکروہ ہیں۔
اعضاء کو تین بار سے زیادہ دھونا جس نے اس پر اضافہ کیا اس نے ظلم کیا ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار اعضاء کو دھویا اور فرمایا جس نے زیادہ کیا اس نے ظلم اور گناہ کیا۔ (۱)
آپ نے یہ بھی فرمایا:

سَيَكُوْنُ قَوْمٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَعْتَدُوْنَ فِي الدُّعَاءِ وَالطُّهُوْرِ۔ (۲)

عنقریب اس امت میں ایک ایسا گروہ ہوگا جو دعا اور وضو میں حد سے بڑھیں گے۔

(۱) سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ ص ۳۴ (۲) مستدرک للحاکم کتاب الطہارۃ جلد اوّل ص ۱۶۲

اور کہا گیا ہے کہ وضو میں زیادہ پانی خرچ کرنا آدمی کے علم میں کمی کی علامت ہے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا کہا جاتا ہے کہ وسوسوں کی ابتداء وضو سے ہوتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں قطعان نامی شیطان وضو کے وقت انسان پر ہنستا ہے ہاتھ جھاڑتے ہوئے پانی کو دور کرنا مکروہ ہے، وضو کے دوران گفتگو کرنا اور چہرے پر زور زور سے پانی مارنا بھی مکروہ ہے کچھ حضرات نے (اعضاء کو) خشک کرنا بھی مکروہ خیال کیا ہے انہوں نے فرمایا وضو کا وزن کیا جائے گا یہ بات حضرت سعید بن مسیب اور حضرت امام زہری نے فرمائی ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ کو کپڑے کے ایک کنارے سے پونچھا (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک تولیہ تھا۔ (۲)

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت پر جرح کی گئی ہے۔ پیتل کے برتن سے وضو کرنا بھی مکروہ ہے اسی طرح دھوپ میں گرم کیے گئے پانی سے بھی مکروہ ہے اور یہ کراہت طبی اعتبار سے ہے۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے پیتل کے برتن کی کراہت مروی ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیتل کے برتن میں پانی تھا تو انہوں نے اس سے وضو کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے اس کی کراہت نقل کی۔

جب وضو سے فارغ ہو کر نماز کی طرف متوجہ ہو تو اس کے دل میں یہ خیال ہونا چاہیے کہ وہ ظاہری طور پر پاک ہو چکا ہے یعنی جہاں لوگوں کی نظر پڑتی ہے تو اب دل کو پاک کیے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات سے حیا کرنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی جگہ ہے۔

اور اسے یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ دل کی طہارت توبہ کرنے اور برے اخلاق کو چھوڑنے سے ہوتی ہے اور اچھے اخلاق کو اپنانا زیادہ بہتر ہے جو آدمی ظاہری طہارت پر اکتفاء کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو بادشاہ کو اپنے گھر بلانے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے نجاستوں سے آلودہ چھوڑ دیتا ہے جب کہ گھر کے باہر والے حصے پر چونا پھیرنے میں مشغول ہو جاتا ہے تو یہ شخص شاہی غصے اور غضب کا کس قدر مستحق ہے ــــ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وضو کی فضیلت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) جامع الترمذی جلد اول ص ۳۴ ابواب الطہارۃ

(۲) جامع الترمذی جلد اول ص ۳۴ ابواب الطہارۃ

مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهٗ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ مِنَ الدُّنْيَا خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهٗ۔ (۱)

جس نے اچھی طرح وضو کر کے دو رکعتیں پڑھیں اور اس دوران کوئی دنیاوی بات دل میں نہ لایا تو وہ گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ان دو رکعتوں میں وہ نہ بھولا تو اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:

اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِمَا يُكَفِّرُ اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَنَقْلُ الْاَقْدَامِ اِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ۔ (۲)

کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ خطاؤں کو مٹاتا اور درجات کو بلند کرتا ہے تکالیف میں مکمل وضو کرنا، پیدل چل کر مساجد کی طرف جانا اور نماز کے بعد نماز کی انتظار کرنا یہ جہاد ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

آخری جملہ تین بار فرمایا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار (اعضاء کو دھو کر) وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس وضو کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں کرتا، دو دو بار (اعضاء کو دھو کر) وضو فرمایا اور فرمایا جس نے وضو میں اعضاء کو دو دو بار دھویا اللہ تعالیٰ اسے دو گنا اجر عطا فرمائے گا اور تین تین بار (اعضاء کو دھو کر) وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا یہ میرا، مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وضو ہے۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ ذَكَرَ اللّٰهَ عِنْدَ وُضُوْئِهٖ طَهَّرَ اللّٰهُ جَسَدَهٗ كُلَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ لَمْ يُطَهِّرْ مِنْهُ اِلَّا مَا اَصَابَ الْمَاءَ۔ (۴)

جو شخص وضو کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تمام جسم کو پاک کر دیتا ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس سے وہی حصہ پاک کرتا ہے جس تک پانی پہنچتا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۸ امروایت عقبہ بن عامر (۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۲۷

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۳۴ باب ما جاء فی الوضوء مرۃ و مرتین۔

(۴) سنن دارقطنی جلد اول ص ۷۴ باب التسمیۃ علی الوضوء۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰی طُهْرٍ کَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ (۱)

جو شخص باوضو ہونے کے باوجود وضو کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

اَلْوُضُوْءُ عَلَی الْوُضُوْءِ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (۲)

وضو پر وضو، نور پر نور ہے۔

یہ تمام روایات نئے وضو کی ترغیب دیتی ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ فَتَمَضْمَضَ خَرَجَتِ الْخَطَایَا مِنْ فِیْهِ فَاِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَایَا مِنْ اَنْفِهٖ فَاِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَتِ الْخَطَایَا مِنْ وَجْهِهٖ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَشْفَارِ عَیْنَیْهِ فَاِذَا غَسَلَ یَدَیْهِ خَرَجَتِ الْخَطَایَا مِنْ یَدَیْهِ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ فَاِذَا مَسَحَ بِرَاْسِهٖ خَرَجَتِ الْخَطَایَا مِنْ رَاْسِهٖ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اُذُنَیْهِ وَاِذَا غَسَلَ رِجْلَیْهِ خَرَجَتِ الْخَطَایَا مِنْ رِجْلَیْهِ حَتّٰی تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ رِجْلَیْهِ ثُمَّ کَانَ مَشْیُهٗ اِلَی الْمَسْجِدِ وَصَلَاتُهٗ نَافِلَةً لَّهٗ (۳)

جب مسلمان بندہ وضو کرتا ہے تو کلی کرتے وقت اس کے منہ سے گناہ نکل جاتے ہیں جب ناک جھاڑتا ہے تو اس کے ناک سے گناہ جھڑ جاتے ہیں جب اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے گناہ اتر جاتے ہیں حتیٰ کہ آنکھوں کی پلکوں سے اتر جاتے ہیں جب اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے گناہ خارج ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتے ہیں جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو سر سے گناہ نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ کانوں کے نیچے سے خارج ہو جاتے ہیں اور جب پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں سے گناہ نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتے ہیں پھر اس کا مسجد کی طرف جانا اور نماز پڑھنا زائد ثواب کا باعث ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے:

اِنَّ الطَّاهِرَ کَالصَّائِمِ (۴)

وضو کرنے والا روزے دار کی طرح ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۹ باب الوضوء علی طہارۃ۔

(۲) الاسرار المرفوعہ ص ۲۵۹ حدیث نمبر ۱۰۲۶

(۳) مستدرک للحاکم جلد اول ص ۱۲۹، ۱۳۰ کتاب الطہارۃ (۴) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۶۳ ۴ حدیث نمبر ۲۹۸۱

مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ رَفَعَ طَرْفَهٗ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فُتِحَتْ لَهٗ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ۔ (۱)

جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کلمہ شہادت پڑھا اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھولے جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "اچھا وضو تجھ سے شیطان کو دُور کر دیتا ہے"، حضرت مجاہد فرماتے ہیں جو شخص طاقت رکھتا ہو کہ وضو، ذکر اور استغفار کے ساتھ رات گزارے تو اسے ایسا کرنا چاہیے کیونکہ جس عمل پر رُوحیں قبض کی جاتی ہیں اسی پہ اٹھائی جائیں گے۔

غسل کا طریقہ

(غسل کرنے والا) برتن کو اپنی دائیں جانب رکھے پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر تین بار ہاتھ دھوئے پھر استنجاء کرے جس کا طریقہ بیان ہو چکا ہے۔ اگر بدن پر نجاست ہو تو اسے دور کر دے پھر نماز کے وضو جیسا وضو کرے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں البتہ پاؤں کا دھونا مؤخر کرے اگر دھو کر پھر انہیں زمین پر رکھے گا تو یہ پانی کو ضائع کرنا ہے، پھر تین بار سر پر پانی ڈالے پھر دائیں پہلو پر تین بار پھر بائیں پہلو پر تین بار ڈالے پھر جسم کو آگے پیچھے سے مَلے، سر اور داڑھی کے بالوں کا خلال کرے اور بال گھنے ہوں یا پتلے ان کے اُگنے کی جگہ تک پانی پہنچائے عورت پر مینڈھیوں کو کھولنا لازم نہیں البتہ جب معلوم ہو کہ بالوں کے درمیان پانی نہیں پہنچے گا (تو کھولنا ضروری ہوگا۔)

جسم کی سلوٹوں کا خاص خیال رکھے (وہاں احتیاط سے پانی پہنچائے) غسل کے دوران عضو مخصوص کو ہاتھ لگانے سے بچے اگر ایسا کرے تو وضو لوٹائے (احناف کے نزدیک عضو مخصوص کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا لہٰذا دوبارہ وضو کی ضرورت نہیں ۱۲ ہزاروی)

اگر غسل سے پہلے وضو کیا ہو تو غسل کے بعد دوبارہ وضو نہ کرے وضو اور غسل کی سنتوں میں سے وہ باتیں جن کا جاننا اور ان پر عمل کرنا آخرت کے راستے پر چلنے والے کے لیے ضروری ہیں ہم نے بیان کر دی ہیں اس کے علاوہ جن مسائل کی مختلف اوقات میں ضرورت پڑتی ہے ان کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کرو۔

جو کچھ ہم نے غسل کے بارے میں لکھا ہے ان میں سے دو باتیں نیت اور پورے بدن کو گھیرنا واجب ہے (احناف کے نزدیک غسل میں تین فرض ہیں کلی کرنا ناک میں پانی چڑھانا اور تمام بدن کو دھونا ۱۲ ہزاروی۔

---

(۱) کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص ۹ حدیث ۲۱

وضو کے فرض یہ ہیں نیت کرنا، چہرے کو دھونا، ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا، جتنے حصے کو سر کہا جا سکتا ہے اتنے حصے کا مسح کرنا، دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا اور ترتیب، مسلسل دھونا واجب نہیں۔

(نوٹ: حنفی فقہ کے مطابق وضو میں صرف چار فرض ہیں چہرے کو دھونا، ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا، سر کے چوتھے حصہ کا مسح کرنا اور پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا ۱۲ ہزاروی)

فرض غسل چار ہیں، (شہوت کے ساتھ) منی کے نکلنے سے، (مرد و عورت کی) شرمگاہوں کے کسی رکاوٹ کے بغیر ملنے سے، حیض اور نفاس (کے ختم ہونے) سے، اس کے علاوہ غسل سنت ہیں۔ جیسے دونوں عیدوں، جمعۃ المبارک، احرام، عرفات اور مزدلفہ میں وقوف اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے غسل کرنا۔ ایک قول کے مطابق ایام تشریق میں اور طواف وداع کے لیے غسل کرنا۔ کافر جب مسلمان ہو اور جنبی نہ ہو، پاگل کو جب افاقہ ہو، جو آدمی میت کو غسل دے ان سب کے لیے غسل مستحب ہے (احناف کے نزدیک میت کو غسل دینا زندہ لوگوں پر واجب ہے ۱۲ ہزاروی)

تیمم کا طریقہ اگر کوئی شخص پانی استعمال کرنے پر قادر نہ ہو اس لیے کہ اسے تلاش کے باوجود نہیں ملا یا وہ کسی درندے یا کسی دوسری رکاوٹ کی وجہ اس تک پہنچ نہیں سکتا یا پانی موجود ہے لیکن اپنی پیاس یا اپنے ساتھی کی پیاس کی وجہ سے پانی کی ضرورت ہے یا وہ کسی دوسرے کی ملکیت ہے اور وہ عام قیمت سے زیادہ پر بیچتا ہے یا اسے کوئی زخم یا بیماری ہے کہ پانی استعمال کرنے سے عضو کے خراب ہونے یا بہت زیادہ کمزوری کا ڈر ہو تو وہ صبر کرے حتی کہ فرض نماز کا وقت داخل ہو جائے پھر وہ پاک مٹی کا ارادہ کرے جس پر باریک نرم مٹی ہو کہ غبار جھڑتی ہو اب اپنی انگلیوں کو ملا کر اس پر دونوں ہاتھوں کو مارے اور ایک مرتبہ پورے چہرے کا مسح کرے اور اس وقت نماز کے جائز ہو جانے کی نیت کرے۔

(نوٹ:۔ مٹی پر غبار شرط نہیں البتہ کسی دوسری چیز پر غبار ہو مثلاً کسی دری یا صندوق پر تو اس سے بھی تیمم کیا جا سکتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

بال گھنے ہوں یا پتلے ان کے نیچے تک پانی پہنچانے کے لیے تکلیف نہ کرے اور کوشش کرے کہ غبار کے ساتھ پورے چہرے کو گھیر لے یہ بات ایک بار ہاتھ مارنے سے حاصل ہو جائے گی۔ کیونکہ چہرے کی چوڑائی ہتھیلیوں کی چوڑائی سے زیادہ نہیں۔ گھیرنے میں غالب گمان کافی ہے پھر انگوٹھی اتار کر دوسری ضرب مارے اور انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھے اس کے بعد دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے ظاہر کو بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے اندر والے حصے سے یوں ملائے کہ ایک طرف سے پوروں کے کنارے دوسرے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے باہر نہ ہو پھر بائیں ہاتھ کو جس طرح رکھا ہے اسی طرح دائیں بازوں کے ظاہر پر پھیرے پھر بائیں ہتھیلی الٹ کر دائیں بازوں کے باطن پر پھیرے اور کلائی تک لے آئے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندر والے حصے کو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ظاہر پر پھیرے پھر بائیں بازو کے ساتھ بھی اسی طرح کرے پھر ہتھیلیوں کا مسح کرکے انگلیوں کے درمیان خلال کرے۔

اس تکلیف کا مقصد یہ ہے کہ ایک ہی ضرب کے ساتھ کہنیوں تک گھیر لیا جائے اگر اس پر یہ عمل مشکل ہو جائے تو دو یا زیادہ ضربوں سے گھیر لے میں کوئی حرج نہیں جب تیمم کے ساتھ فرض نماز پڑھے تو اس سے نفل بھی پڑھ سکتا ہے جیسے چاہے جب دوسری فرض نماز پڑھنا چاہیے تو تیمم لوٹانا چاہیئے اسی طرح ہر فرض نماز کے لیے الگ تیمم کرے احناف کے نزدیک ایک تیمم سے جتنی نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے کیونکہ تیمم وضو کے قائم مقام ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔

تیسری قسم :

ظاہری نجاستوں سے پاکیزگی حاصل کرنا

اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) میل (۲) اجزائے جسم

(۱) سر میں جو میل اور جوئیں جمع ہو جاتی ہیں ان سے پاکیزگی حاصل کرنا دھونے، کنگھی کرنے اور تیل لگانے کے ذریعے، مستحب ہے تاکہ بالوں کا الجھاؤ ختم ہو جائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سرِ انور میں تیل ڈالتے اور کنگھی کرتے تھے (۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا حکم بھی دیتے اور فرماتے۔

اِدَّهِنُوا غِبًّا۔ (۲) کبھی کبھی تیل لگایا کرو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرَةٌ فَلْيُكْرِمْهَا۔ (۳) جس کے بال ہوں تو وہ اس کی عزت کرے۔

مطلب یہ ہے کہ انہیں میل کچیل سے بچائے ــــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اس کے سر کے بال اور داڑھی بکھری ہوئی تھی آپ نے فرمایا کیا اس کے پاس تیل نہیں کہ وہ اس کے ذریعے بالوں کو بٹھا دیتا پھر فرمایا تم میں سے کوئی آتا ہے گویا وہ شیطان ہے (۴)

(۲) کانوں کی سلوٹوں میں جمع ہونے والی میل کچیل، اس سے جو ظاہر ہے وہ مسح کے ذریعے دور ہو جاتی ہے اور جو سوراخ کی گہرائی میں جمع ہوتی ہے تو غسل خانہ سے نکلتے وقت اسے نرمی کے ساتھ صاف کیا جائے کیونکہ بعض اوقات اس کی کثرت سماعت کو نقصان پہنچاتی ہے۔

(۳) ناک کے اندر جمع ہونے والی رطوبتیں جو اس کے کناروں سے ملی ہوتی ہیں انہیں ناک میں پانی چڑھا کر جھاڑنے کے

---

(۱) جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۰۷ ابواب الشمائل

(۲) جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۰۷ ابواب الشمائل

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۱۸ کتاب الترجل۔

(۴) مؤطا امام مالک ص ۲۲۲ کتاب الجامع باب اصلاح الشعر

ذریعے صاف کرے۔

(۴) دانتوں پر اور زبان کے کناروں پر جو میل جمی ہوتی ہے اسے مسواک اور کلی کے ذریعے دور کرے اور ہم ان دونوں کا ذکر کر چکے ہیں۔

(۵) داڑھی کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے اس میں جو میل اور جوئیں جمع ہو جاتی ہیں انہیں دھونے اور کنگھی کرنے کے ذریعے دور کرنا مستحب ہے مشہور حدیث میں ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر و حضر میں کنگھی، سر کو کھجلانے کا آلہ اور شیشہ اپنے پاس ضرور رکھتے تھے۔ (۱)

اور یہ عربوں کا طریقہ ہے ایک حدیث غریب (معروف کے مقابلے میں غریب) میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میں دو بار داڑھی مبارک کو کنگھی کرتے تھے۔ (۲)

اور آپ کی داڑھی مبارک گھنی تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی مبارک بھی اسی طرح تھی۔ جب کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک لمبی اور پتلی تھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک چوڑی تھی جو دو کاندھوں کے درمیان (یعنی سینہ مبارک) کو بھر دیتی تھی۔ (۳)

اس سے بھی غریب حدیث میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کچھ لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپ ان کی طرف تشریف لائے میں نے دیکھا کہ آپ پانی کے مٹکے میں جھانک کر اپنے سر اور داڑھی کو کنگھی کر رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ایسا کر رہے ہیں فرمایا ہاں بے شک اللہ تعالیٰ اس آدمی کو پسند کرتا ہے جو اپنے (مسلمان) بھائیوں کی طرف بن سنور کر نکلتا ہے۔ (۴)

جاہل شخص کبھی خیال کرتا ہے کہ یہ تو لوگوں کے لئے زیب و زینت اختیار کرنا ہے اور وہ اسے دوسروں کی عادات پر قیاس کرتا ہے اور فرشتوں (اعلیٰ درجہ کے لوگوں) کو لوہاروں (نچلے درجے کے لوگوں) سے تشبیہ دیتا ہے۔ کس قدر عقل سے دور خیال ہے۔

حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ اسلام کا حکم تھا اور آپ کی ذمہ داری تھی کہ آپ ان کے دلوں میں اپنی عظمت کو جاگزیں کریں تاکہ ان کے دلوں میں آپ کی عظمت کم نہ ہو اور ان کی نظروں میں اپنی صورت کو عمدہ کریں تاکہ ان کی نگاہوں میں

---

(۱) کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۱ حدیث ۱۸۱۶۱

(۲)

(۳) جامع الترمذی جلد ۲ ص ۵۶۸ ابواب الشمائل۔

(۴)

آپ کی تحقیر نہ ہو اور نفرت پیدا نہ ہو (۱)
اور منافقین لوگوں کے دلوں میں آپ سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔
اور ہر وہ عالم جو لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہے اس پر بھی یہی طریقہ اختیار کرنا لازم ہے۔ اسے چاہیے کہ ظاہر میں ان امور کا خیال رکھے جو لوگوں کے دلوں سے اس سے نفرت پیدا نہ کریں اس قسم کے امور پر اعتقاد کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے اور یہ اعمال ذاتی طور پر مقصود سے اوصاف حاصل کرتے ہیں۔
تو اس نیت سے زینت اختیار کرنا پسندیدہ ہے جب کہ داڑھی کے بالوں کو اس نیت سے پراگندہ چھوڑا جائے کہ لوگ سمجھیں یہ زاہد ہے اور نفس کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہے تو یہ بات ممنوع ہے البتہ اس سے اہم کام میں مشغولیت کی وجہ سے اسے چھوڑنا اچھا ہے اور یہ احوال باطنیہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہیں اور عقلمند اچھی طرح سمجھتا ہے لہذا منافقت کسی حال میں بھی سود مند نہیں۔ (۲)
کتنے ہی جاہل لوگ ہیں جو مخلوق کی خاطر ان باتوں کو اختیار کرتے ہیں حالانکہ خود بھی مغالطہ میں ہیں اور دوسروں کو بھی مغالطہ دیتے ہیں اور وہ سمجھتے کہ ہمارا مقصد اچھا ہے تم علماء کی ایک جماعت کو دیکھو گے وہ قیمتی لباس پہنتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد بدعتیوں اور جھگڑالو لوگوں کا مقابلہ کرنا ہے نیز اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا مقصود ہے۔ اور یہ بات اس دن کھل جائے گی جس دن دلوں کا امتحان ہوگا۔ قبروں میں سے مردوں کو اٹھایا جائے گا۔ اور جو کچھ سینوں میں ہے ظاہر ہو جائے گا اور ڈھالی گئی چاندی اور کھوٹے والی چاندی میں تمیز ہو جائے گی ہم اس بڑی پیشی کے دن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔
(۶) انگلیوں کے ظاہر پر سلوٹوں پر جو میل جمع ہوتی ہے عرب لوگ اسے عام طور پر دھوتے نہیں تھے کیونکہ وہ کھانے کے بعد ہاتھ کو نہیں دھوتے تھے تو ان سلوٹوں میں میل جمع ہو جاتی اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان جگہوں کے دھونے کا حکم فرمایا (۳)
(۷) انگلیوں کے پوروں کی صفائی ـــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو ان کی صفائی کا حکم دیا (۴)

---

(۱) حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں انبیاء کرام علیہم السلام شکل و صورت اور اخلاق کے اعتبار سے ہر عیب سے پاک تھے ۱۲ ہزاروی
الانحاف جلد ۲ ص ۳۹۷
۲۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے باطنی خیالات سے آگاہ ہے لہذا اسے لوگوں کو دکھانے کے لیے ترک زینت اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ ۱۲ ہزاروی۔
۳۔ صحیح مسلم جلد اول ص ۱۲۹ باب خصال الفطرۃ
۴۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۴۲ مرویات ابن عباس

اس سے انگلیوں کے کنارے مراد ہیں جو ناخنوں کے نیچے ہیں کیونکہ ان کے پاس ہر وقت قینچی نہیں ہوتی تھی تو ان میں میل جمع ہو جاتی ـــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ناخنوں کو کاٹنے بغلوں کے بال اکھیڑنے اور زیر ناف بال صاف کرنے کے لیے چالیس دن مقرر فرمائے (۱)

لیکن آپ نے ان کو حکم دیا کہ ناخنوں کے نیچے جگہ کی صفائی کریں۔(۲)

ایک روایت میں ہے ایک دفعہ وحی میں تاخیر ہو گئی جب حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ!) ہم کیسے آپ کے پاس آئیں جب آپ لوگ (امتی مراد ہیں) اپنی انگلیوں کی سلوٹیں اور پورے صاف نہیں کرتے اور مسواک نہ کرنے کی وجہ سے دانتوں پر زردی ہوتی ہے آپ اپنی امت کو اس بات کا حکم دیں۔ (۳)

ناخنوں کے نیچے میل کو "اُف" اور کانوں کی میل کو "تُف" کہا جاتا ہے ارشاد خداوندی۔

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ (۴) ماں باپ کو اُف نہ کہو۔

کی تفسیر یہ ہے کہ ان کو ناخنوں کے نیچے والی میل کے ذریعے اذیت نہ دو اور یہ بھی کہا گیا کہ ان کو اس طرح اذیت نہ پہنچاؤ جس طرح تم ناخنوں کے نیچے والی میل سے تکلیف محسوس کرتے ہو۔

(۸) پسینے اور گرد و غبار کی وجہ سے جو میل تمام جسم پر جمع ہو جاتی ہے اسے غسل سے دُور کیا جاتا ہے حمام میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں صحابہ کرام شام کے حماموں میں جایا کرتے تھے ان میں سے بعض نے فرمایا کہ بہترین گھر حمام ہے یہ بدن کو پاک کرتا اور آگ کی یاد دلاتا ہے یہ بات حضرت ابو درداء اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ بدترین گھر، حمام ہے کہ وہ شرمگاہ کو ننگا کرتا اور حیا کو لے جاتا ہے تو یہ قول اس کی آفت کو ظاہر کرتا ہے جیسے پہلے قول سے اس کا فائدہ معلوم ہوتا ہے لیکن حمام میں داخل ہونے والے پر کچھ ذمہ داریاں ہیں کچھ امور واجب ہیں اور کچھ سنت۔

حمام میں داخل ہونے والے پر کیا واجب ہے

اس پر اپنی شرم گاہ کے حوالے سے دو باتیں واجب ہیں۔ اور دو باتیں دوسروں کی شرمگاہ سے متعلق ہیں اپنی شرمگاہ کے حوالے سے واجب ہے کہ اسے دوسروں کی نظر سے بچائے اور دوسروں کے چھونے سے بھی محفوظ رکھے۔ لہٰذا اس کے میل کو اپنے ہاتھوں سے دُور کرے اور ملنے والے کو رانوں اور ناف سے شرمگاہ تک ہاتھ لگانے سے منع کرے

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۲۹ باب خصال الفطرۃ

(۲) الدر المنثور جلد اول ص ۱۱۲ تحت واذ ابتلی ابراہیم ربہ

(۳)

(۴) قرآن مجید سورۂ اسراء آیت ۲۳

شرمگاہ کے علاوہ دوسری جگہوں کو ہاتھ لگانے میں جواز کا احتمال ہے لیکن زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ حرام ہو کیوں کہ حرمت کے سلسلہ میں شرمگاہوں کو ہاتھ لگانا دیکھنے کے ساتھ ملایا گیا ہے، تو باقی پردے کی جگہ یعنی رانوں کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔
دوسروں کی شرمگاہ کے حوالے سے اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی نگاہ کو اس سے جھکائے رکھے۔ اور اسے ننگا کرنے سے روکے کیوں کہ منکر امور سے روکنا واجب ہے اور اس پر صرف یاد دلانا لازم ہے قبول کروانا اس کے ذمہ نہیں ہے لہذا جب تک اسے کسی کی طرف سے مارنے، گالی گلوچ یا کسی دوسرے حرام کام کا خوف نہ ہو یہ ذمہ داری ساقط نہیں ہوگی تو اس صورت میں اس پر لازم نہیں کہ وہ کسی حرام کام سے روک کر دوسرے شخص کو کسی دیگر حرام کام کا مرتکب بنادے۔
البتہ وہ عذر پیش کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں جانتا ہوں یہ بات اسے فائدہ نہیں دے گی اور نہ ہی وہ اس پر عمل کرے گا، بلکہ اسے چاہیے کہ یاد دلاتا رہے انکار سننے کے تاثر سے دل خالی نہیں ہوتا اور جب گناہوں کا عیب بیان کیا جائے تو ان سے بچنے کا خیال آتا ہے اور یہ بات اس کام کو اس کی نگاہ میں قبیح قرار دیتی ہے اور اسے اس سے نفرت دلاتی ہے لہذا اس (تبلیغ) کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ اسی بنا پر اس دور میں حماموں میں جانا احتیاط کے طور پر چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ شرمگاہوں کو ننگا کرنا ہی پڑتا ہے خصوصاً ناف کے نیچے اور شرمگاہ سے اوپر اوپر۔ کیوں کہ لوگ اس کے علاوہ کو قابل ستر نہیں سمجھتے حالانکہ شریعت نے اسے بھی جائے ستر قرار دیا اور گویا اسے ستر کی حد قرار دیا۔ اس لیے حمام میں اکیلا جانا مستحب ہے (۱)
حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ نے فرمایا میں اس شخص کو ملامت نہیں کرتا جس کے پاس صرف ایک درہم ہو اور وہ حمام والے کو اس لیے دے کہ وہ اس شخص کے لیے حمام کو خالی کردے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حمام میں یوں دیکھا گیا کہ آپ کا چہرہ دیوار کی طرف تھا اور آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ بعض بزرگوں نے فرمایا حمام میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں لیکن دو چادریں ہوں ایک چادر سے ستر کو ڈھانپے اور دوسری چادر کے ساتھ گھونگٹ نکال کر اپنی آنکھوں کی حفاظت کرے۔

حمام میں داخل ہونے والے کے لئے سنت کیا ہے

ایسے شخص کے لیے دس باتیں سنت ہیں ایک یہ کہ نیت کرے یعنی دنیا کے لیے یا خواہشات کی تکمیل کے لیے داخل نہ ہو بلکہ نماز کے لئے جو زینت محبوب ہے اس کے لیے پاکیزگی حاصل کرنے کی نیت کرے پھر نیز اندر جانے سے پہلے حمام والے کو اجرت دے کیونکہ جتنا فائدہ وہ اٹھائے گا وہ مجہول ہے، اور حمام والے کو کتنی دیر انتظار کرنا پڑے اس کا بھی پتہ نہیں لہذا اندر جانے سے پہلے اجرت دینے سے دو عوضوں میں سے ایک کی جہالت بھی ختم ہو جائے گی اور دل بھی مطمئن ہو جائے گا۔ پھر داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر رکھے اور یہ کلمات کہے (یعنی باہر ہی یہ کلمات پڑھے)

---

(۱) در اصل آج کل کے حماموں سے مختلف ہوتے تھے یعنی وہ تالاب کی شکل ہوتے تھے آج کل غسل خانے کی صورت میں ہوتے ہیں ۱۲ ہزاروی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الرِّجْسِ النَّجِسِ الْخَبِیْثِ الْمُخْبِثِ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے جاتا ہوں جو رحمان و رحیم ہے سخت ناپاکی اور نہایت شریر خبیث شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

پھر یہ کہ اس وقت حمام میں جائے جب وہ خالی ہو یا کوشش کر کے اسے خالی کرائے کیونکہ اگر حمام میں دیندار اور محتاط قسم کے لوگ ہوں تو ننگے جسموں کی طرف دیکھنا حیا کی کمی پر دلالت کرتا ہے حالانکہ یہ تو شرمگاہوں کی طرف نہ دیکھنے کی تبلیغ کرنے والا ہے۔ پھر انسان اس بات سے بچ نہیں سکتا کہ حرکت کرنے سے چادر کا پلو ہٹ جائے اور شرمگاہ ننگی ہو جائے اس طرح غیر شعوری طور پر شرمگاہ پر نظر پڑ جائے گی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی لیے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھی تھی۔ حمام میں داخل ہونے کے بعد پہلے دونوں پہلو دھوئے گرم حمام میں داخل ہونے کی جلدی نہ کرے جب تک پہلے پسینہ نہ آ جائے۔ پانی زیادہ نہ ڈالے بلکہ ضرورت کے مطابق ڈالنے حالات کے مطابق اس کی اجازت ہے اور اس پر اضافہ کرنے کی صورت میں اگر حمام والے کو پتہ چل گیا تو وہ ناپسند کرے گا بالخصوص جب گرم پانی ہو کیونکہ اس پر خرچ کرنا پڑتا ہے اور مشقت و تھکاوٹ بھی ہوتی ہے حمام میں جب گرمی محسوس کرے تو اس سے جہنم کی گرمی کو یاد کرے اور یوں سمجھے کہ وہ کچھ دیر کے لیے ایک گرم جگہ پر قید کر دیا گیا ہے اور اسے جہنم پر قیاس کرے کیونکہ یہ جہنم کے ایک گھر کے مشابہ ہے کہ نیچے آگ اور اوپر اندھیرا ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ بلکہ عقلمند آدمی کو آخرت کے ذکر سے پل بھر کے لیے غافل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس نے اُدھر ہی جانا ہے اور وہی اس کا ٹھکانہ ہے لہٰذا پانی آگ اور جو کچھ بھی دیکھے اس کو باعث عبرت و نصیحت سمجھے کیونکہ انسان اپنی ہمت کے مطابق دیکھتا ہے۔

جب کوئی کپڑے کا کاروبار کرنے والا، ترکھان، معمار اور جولاہا کسی آباد مکان میں جاتے ہیں جس میں فرش لگا ہوا ہو تو جب تم انہیں گم پاؤ تو دیکھو گے کہ کپڑے والا اس کے فرش کی طرف دیکھ کر اس کی قیمت میں غور و فکر کر رہا ہے جولاہا کپڑے کو دیکھ کر اس کی بناوٹ پر غور کرتا ہے ترکھان اس (لکڑی کی) چھت کی طرف دیکھ اس کی ترکیب کے طریقوں کو سوچتا ہے۔

جب کہ معمار اس کی دیواروں کو دیکھتا ہے اور ان کی مضبوطی اور سیدھے ہونے میں غور و فکر کرتا ہے۔ اسی طرح آخرت کے راستے پر چلنے والا کسی بھی چیز کو دیکھتا ہے تو وہ اس کے لیے آخرت کی یاد بن جاتی ہے بلکہ وہ جس چیز کو دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے عبرت کا دروازہ کھول دیتا ہے اندھیرے کو دیکھتا ہے تو اسے قبر کا اندھیرا یاد آ جاتا ہے۔ اگر سانپ کو دیکھتا ہے تو اسے جہنم کے سانپ یاد آ جاتے ہیں اور اگر کسی بدصورت شخص کو دیکھتا ہے تو اسے منکر نکیر اور جہنم پر مامور فرشتوں کی یاد آتی ہے اگر کوئی خوفناک آواز سنتا ہے تو اسے صُور کا پھونکنا یاد آ جاتا ہے اگر کسی اچھی چیز کو دیکھتا ہے تو جنت کی نعمتوں کو یاد کرتا ہے اگر بازار یا گھر میں قبولیت یا رد کی بات سنتا ہے تو اس بات کو یاد کرتا ہے، جس کا حساب کتاب کے بعد اسے سامنا کرنا ہو گا وہ رد ہو یا قبول۔ تو عقلمند آدمی کے دل پر اس کا چھایا رہنا زیادہ مناسب ہے کیوں کہ اسے ان امور سے

دنیا کے کاروبار ہی روکتے ہیں۔ اگر وہ دنیا میں ٹھہرنے کی مدت آخرت میں ٹھہرنے کی مدت سے مقابلہ کرے تو اسے حقیر سمجھے
بشرطیکہ وہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جن کے دل غافل اور بصیرت ختم نہ ہو چکی ہے۔
(حمام میں داخل ہونے کی) سنتوں میں سے ہے کہ داخل ہوتے وقت سلام نہ کہے اگر کوئی اسے سلام کرے تو اس پر الفاظ
کے ساتھ سلام کا جواب دینا واجب نہیں بلکہ وہ خاموش رہے اگر کوئی دوسرا سلام کا جواب دے دے اور اگر پسند کرے
یوں کہے اللہ تعالیٰ تجھے عافیت عطا فرمائے۔ اندر داخل ہونے والے سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور کلام کی ابتداء کرتے
ہوئے یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عفو و عافیت عطا فرمائے پھر حمام میں زیادہ گفتگو نہ کرے اور بلند آواز سے قرآن پاک بھی نہ پڑھے
فتنہ شیطان سے ظاہری الفاظ کے ساتھ پناہ مانگ سکتا ہے مغرب و عشاء کے دوران اور مغرب کے قریب حمام میں داخل ہونا
مکروہ ہے کیونکہ یہ شیطانوں کے پھرنے کا وقت ہے۔
کسی دوسرے کے جسم کو ملنے میں کوئی حرج نہیں یہ بات حضرت یوسف بن اسباط سے منقول ہے انہوں نے وصیت فرمائی
کہ انہیں فلاں شخص غسل دے جو ان کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا اور فرمایا کہ اس نے ایک مرتبہ حمام میں میرے جسم کو ملا تھا میں
چاہتا ہوں کہ اس کے عوض اس سے ایسا کام کروں جس پر وہ خوش ہو جائے اور وہ اس تجویز پر خوش ہو گا اس بات کے جواز
پر بعض صحابہ کرام کی یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں ایک مقام پر اترے اور پیٹ کے
بل لیٹ گئے ایک حبشی غلام آپ کی پیٹھ مبارک دبانے لگا (راوی فرماتے ہیں) میں نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آپ نے
فرمایا مجھے اونٹنی نے گرا دیا تھا۔ (۱)
پھر جب حمام سے فارغ ہو جائے تو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہا گیا ہے کہ سردیوں میں گرم پانی نعمتوں میں
سے ہے اور اس کے بارے میں پوچھا جائے گا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا حمام نو پید (جدید) نعمتوں میں سے ہے۔ یہ
(مذکورہ) باتیں شریعت کے اعتبار سے ہیں۔
ڈاکٹری اعتبار سے کہا گیا ہے کہ چونا استعمال کرنے (زیر ناف بال صاف کرنے کے لیے چونا استعمال کرنے) کے بعد حمام میں
جانا جذام (کوڑھ) کی مرض سے حفاظت ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر مہینے میں ایک بار چونا استعمال کرنا صفراء کی گرمی کو ختم کرتا ہے
رنگ کو صاف کرتا ہے اور جماع کی قوت بڑھاتا ہے یہ بھی کہا گیا کہ سردیوں میں حمام میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا دوائی پینے سے زیادہ
نفع دیتا ہے۔ یہ کہا گیا کہ گرمیوں میں حمام کے استعمال کے بعد سو جانا دوائی استعمال کرنے کے برابر ہے، حمام سے نکلنے کے
بعد ٹھنڈے پانی سے پاؤں دھونا نقرس (بیماری) سے محفوظ رکھتا ہے (۲)

---

(۱) مجمع الزوائد ج ۵ ص ۹۶ باب غمز الظہر من الالم
(۲) ایک قسم کا گٹھیا، یا وہ درد جو پاؤں کے انگوٹھے میں ہوتا ہے (فیروز اللغات اردو) ۱۲ ہزاروی۔

باہر نکلتے وقت سر پر ٹھنڈا پانی ڈالنا مکروہ ہے اسی طرح پینا بھی مکروہ ہے، مردوں کے لیے یہ (مذکورہ) حکم ہے عورتوں کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ یُدْخِلَ حَلِیْلَتَہُ الْحَمَّامَ وَفِی الْبَیْتِ الْمُسْتَحَمُّ۔ (۱)

کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو حمام میں لے جائے جب کہ گھر میں غسل خانہ موجود ہو۔

مشہور یہ ہے کہ حمام میں چادر کے بغیر داخل ہونا مردوں پر حرام ہے اسی طرح نفاس والی اور بیمار عورتوں کے علاوہ عورتوں کا حمام میں جانا بھی حرام ہے (۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کسی بیماری کی وجہ سے حمام میں تشریف لے گئی تھیں اگر عورت کسی ضرورت کے تحت جائے تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر جائے (جو سر سے پاؤں تک ڈھانپ لے) مرد کے لئے مکروہ ہے کہ عورت کو حمام کی اجرت دے اس طرح وہ مکروہ کام پر عورت کا معاون ہو جائے گا۔

دوسری نوع بدن میں پیدا ہونے والی چیزیں

بدن کے زائد اجزاء آٹھ ہیں۔

(۱) سر کے بال۔ جو شخص پاکیزگی حاصل کرنا چاہتا ہو اس کے لیے بال منڈوانے میں کوئی حرج نہیں اور جو آدمی تیل لگائے اور کنگھی کرے اس کے لیے بال رکھنے میں کوئی حرج نہیں البتہ جب ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھے (سر پر کہیں بال چھوڑ دینا اور کہیں سے مونڈھ دینا) تو یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ گھٹیا لوگوں کی علامت ہے یا شرفاء کی طرح زلفیں چھوڑ دے کیونکہ یہ اب ان کی علامت ہے اور اگر ایسا کرنے والا اشراف میں سے نہ ہو تو یہ دھوکہ ہوگا۔

(۲) مونچھوں کے بال۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

قُصُّوا الشَّارِبَ (۳)

مونچھوں کو کاٹو۔

دوسری حدیث میں "جُزُّوا الشَّوَارِبَ" کے الفاظ ہیں اور ایک روایت میں ہے " حُفُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللِّحٰی" مونچھوں کو کاٹو اور داڑھی کو بڑھاؤ۔ یعنی مونچھوں کو ہونٹوں کے گرد رکھو کیونکہ کسی چیز کے گرد کو "حفاف الشئ" کہا جاتا ہے اسی سے ہے

وَتَرَی الْمَلٰٓئِکَۃَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ۔ (۴)

اور تم فرشتوں کو عرش کے گرد اسے گھیرے ہوئے دیکھو گے۔

---

(۱) جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۰۳ باب ما جاء فی دخول الحمام

(۲) مستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۲۸۸ کتاب الادب

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۲۹ مرویات ابی ہریرۃ

(۴) قرآن مجید سورۂ زمر آیت ۷۵

ایک جگہ اُحْفُوا کے الفاظ ہیں اور یہ الفاظ جڑ سے اکھیڑنے پر دلالت کرتے ہیں، اور حُفُّوا کا لفظ اس سے کم پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنْ یَّسْئَلْکُمُوْهَا فَیُحْفِکُمْ تَبْخَلُوْا۔ (۱) — اگر وہ تمہیں تم سے طلب کرے اور زیادہ طلب کرے تو تم بخل کرو گے۔

یعنی سوال میں مبالغہ کرے۔ جہاں تک مونڈنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں کوئی روایت نہیں ہے احفاء، مونڈنے کے قریب ہوتا ہے صحابہ کرام سے اسی طرح منقول ہے کسی تابعی نے ایک شخص کو دیکھا جس کی مونچھیں اکھیڑی ہوئی تھیں تو انہوں نے فرمایا تم نے مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یاد دلادی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھا اور میری مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں آپ نے فرمایا ادھر آؤ چنانچہ آپ نے مسواک پر رکھ کر میری مونچھیں کاٹ دیں۔(۲) مونچھوں کے کنارے والے بالوں کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں حضرت عمر فاروق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح کیا ہے کیونکہ یہ حصہ منہ کو نہیں ڈھانپتا اور نہ اس میں کھانے کی چکناہٹ باقی رہتی ہے کیوں کہ وہ وہاں تک نہیں پہنچتی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی " واعفوا اللحی "، کا مطلب یہ ہے کہ داڑھیاں بڑھاؤ۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہودی اپنی مونچھوں کو بڑھاتے اور داڑھیوں کو کاٹتے ہیں پس تم ان کی مخالفت کرو (۳)

بعض علماء نے (مونچھیں) مونڈنے کو مکروہ خیال کیا اور بدعت قرار دیا ہے۔

۳۔ بغلوں کے بال۔ چالیس دن بعد بغلوں کے بالوں کو اکھیڑنا مستحب ہے جو شخص شروع میں اُکھیڑنے کی عادت بنا لے اس کے لیے یہ آسان ہے لیکن جس نے مونڈنے کی عادت بنائی ہو اس کے لیے مونڈنا کافی ہے کیونکہ اکھیڑنے میں اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کرنا ہے مقصود تو پاکیزگی کا حصول ہے اور یہ کہ ان کے درمیان میل جمع نہ ہو جائے یہ مقصد مونڈنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

۴۔ زیرناف بال۔ ان بالوں کو مونڈنا یا چونا لگا کر دور کرنا مستحب ہے لیکن چالیس دن سے تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔

۵۔ ناخنوں کو کاٹنا مستحب ہے کیونکہ بڑھے ہوئے برے لگتے ہیں نیز اس طرح ان میں میل جمع ہو جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

یَا اَبَا هُرَیْرَةَ قَلِّمْ اَظْفَارَكَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ — اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہا اپنے ناخنوں کو کاٹو کیونکہ جب

۱۔ قرآن مجید سورۂ محمد آیت ۳۷

(۲)

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۶۴، ۲۶۵ مرویات ابی امامہ

يَقْعُدُ عَلٰى مَا طَالَ مِنْهَا (۱) یہ بڑھ جانے ہیں تو ان پر شیطان بیٹھتا ہے

اگر ان کے نیچے میل جمع ہو جائے تو وضو کے جواز کو منع نہیں کرتی کیونکہ وہ پانی کے پہنچنے کو نہیں روکتی۔ اور ضرورت کے تحت اس میں ڈھیل دی جاتی ہے بالخصوص مردوں کے ناخنوں میں۔ اسی طرح عربوں اور دیہاتیوں کی انگلیوں کے جوڑوں نیز ہاتھوں اور پاؤں کی پیٹھ پر جو میل جمع ہوتی ہے وہ بھی وضو سے مانع نہیں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناخن کاٹنے کا حکم دیتے تھے اور ناخنوں کے نیچے میل کو بُرا بتاتے تھے لیکن نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیتے تھے۔ اور اگر کبھی حکم دیا بھی تو اس کا دوسرا مقصد ہوتا تھا یعنی اس پر ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کرنا۔

میں (امام غزالی علیہ الرحمہ) نے کتابوں میں ناخن کاٹنے کی ترتیب کے بارے میں کوئی روایت نہیں دیکھی لیکن سنا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کر کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کیا اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے انگوٹھے کی طرف لائے۔ (یعنی دائیں ہاتھ کی چار انگلیوں کے بعد بائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کے ناخن کاٹنے کے بعد آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کاٹے ۱۲ ہزاروی)

اور جب میں نے اس میں غور و فکر کیا تو میرے لیے ایسا معنیٰ واضح ہوا جو اس سلسلے میں روایت کی صحت پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ ابتدائی طور پر اس قسم کی بات نورِ نبوت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور صاحب بصیرت عالم کا کام تو اتنا ہی ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی فعل منقول ہو کر آئے تو اس میں اپنی عقل سے استنباط کرے اور جو کچھ مجھ پر روشن ہوا اور حقیقتِ حال تو خدا ہی جانتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہاتھ اور پاؤں کے ناخن کاٹنا ضروری ہے اور پاؤں کی نسبت ہاتھ معزز ہیں لہٰذا ان سے ابتدا کرے پھر بائیں کے مقابلے میں دایاں اشرف ہے لہٰذا اس سے شروع کرے پھر دائیں ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہیں جن میں سے شہادت کی انگلی اشرف ہے کیونکہ شہادت کے وقت صرف اسی کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ہے پھر مناسب ہے کہ اس کے بعد اس انگلی کی دائیں جانب کی طرف جائے کیوں کہ شریعت میں پاکیزگی وغیرہ دائیں طرف پھیرنا مستحب اگر تم ہتھیلی کی پیٹھ زمین پر رکھو تو انگوٹھا دائیں جانب ہوگا اور ہتھیلی کا اندرونی حصہ رکھو تو درمیان والی انگلی دائیں جانب ہوگی اور ہاتھ کو جب فطری حالت پر چھوڑ دیا جائے تو ہتھیلی زمین کی طرف مائل ہوتی ہے کیونکہ دائیں ہاتھ کی حرکت بائیں طرف ہوتی ہے اور حرکت کو بائیں طرف یوں پورا کیا جا سکتا ہے کہ ہتھیلی کی پیٹھ اُوپر کی طرف ہو۔ لہٰذا جو کچھ فطرت و طبیعت کا تقاضا ہے وہ زیادہ بہتر ہے پھر جب ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھو تو انگلیاں ایک دائرے کی گولائی کی طرح ہوں گی تو دائرے کی ترتیب کا تقاضا ہے کہ انگشت شہادت کی دائیں طرف سے چل کر پھر اسی کی طرف لوٹیں، اس طرح ابتدا بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے ہوگی اور انگوٹھے پر اختتام ہوگا۔ اب دائیں ہاتھ کا انگوٹھا رہ جائے گا تو ناخنوں کا کاٹنا اس پر مکمل ہوگا، ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھنے کو فرض کیا گیا تا کہ انگلیاں ایک حلقے میں بیٹھنے والے لوگوں کی طرح قرار پائیں اور ترتیب

---

(۱) الدر المنثور جلد اول ص ۱۱۴ تحت واذ ابتلی ابراہیم ربہ

ظاہر ہو، ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی کی پیٹھ پر رکھنے سے یہ طریقہ اولیٰ ہے یا ایک ہتھیلی کی پیٹھ دوسری ہتھیلی کی پیٹھ پر رکھی جائے لیکن یہ طبیعت کے تقاضے کے خلاف ہے۔

پاؤں کی انگلیوں کے سلسلے میں اگر کوئی روایت ثابت نہ ہو تو میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ خلال کرنے کی طرح دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے کیونکہ ہاتھوں کے سلسلے میں جو امور ہم نے ذکر کئے ہیں وہ یہاں درست نہیں ہو سکتے کیونکہ پاؤں میں کوئی شہادت کی انگلی نہیں ہوتی، اور یہ انگلیاں ایک صف کی طرح ہی جو زمین سے ثابت ہوتی ہے پس دائیں جانب سے شروع کرے کیونکہ یہاں ایک تلوے کو دوسرے تلوے پر رکھنا سرشت انسانی کے خلاف ہے جب کے ہاتھوں میں یہ بات نہیں۔

ترتیب میں یہ باریکیاں نور نبوت سے ایک لحظہ میں منکشف ہو جاتی ہیں دشواری ہمارے لیے ہے اگر ہم میں سے ابتدا میں اس ترتیب کے بارے میں پوچھا جائے تو بعض اوقات ہمارے خیال میں نہیں آتی اور جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور اس کی ترتیب کا ذکر کرتے ہیں تو بعض اوقات ہمارے لیے اس معنی کا استنباط آسان ہو جاتا ہے جس کا حضور علیہ السلام نے معائنہ فرمایا کیونکہ آپ کے فعل میں حکم پر شہادت اور معنی پر تنبیہ پائی جاتی ہے۔

نہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حرکات وزن، قانون، اور ترتیب سے خارج ہوتی تھیں بلکہ وہ تمام اختیاری امور جن کا ہم نے ذکر کیا کہ ان میں فاعل دو یا زیادہ اقسام کے درمیان متردد ہوتا ہے آپ کسی ایک کو دوسرے معین پر محض اتفاق سے مقدم نہیں کرتے تھے بلکہ اس معنی کی بنیاد پر مقدم کرتے تھے جو تقدیم کو چاہتا تھا کیوں کہ جس طرح اتفاق ہو جائے اسی طرح بے ترتیب چھوڑ دینا جانوروں کی خصلت ہے اور معانی کے ترازو میں حرکت کو تولنا اور ضبط کرنا اولیاء کرام کی عادت ہے تو جب انسان کی حرکتیں اور قلبی اضطراب ضبط کے زیادہ قریب اور مہمل چھوڑنے سے زیادہ بعید ہوں گی تو وہ انبیاء کرام اور اولیاء کے اتنا ہی زیادہ قریب ہوگا۔ اور اس کا اللہ تعالیٰ کے قریب ہونا زیادہ واضح ہے کیونکہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بھی قریب ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے وہ ضرور قریب ہی ہوتا ہے کیونکہ قریبی کا قریبی بھی غیر کی طرف نسبت کرتے ہوئے قریب ہی ہوتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہماری حرکات اور سکون کی لگام خواہشات کے واسطہ سے شیطان کے ہاتھ میں ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو آپ کے سرمہ لگانے پر ہی قیاس کیجیے۔ آپ داہنی آنکھ میں تین بار سرمہ لگاتے اور بائیں آنکھ میں دو بار، اور دائیں آنکھ کی شرافت کی وجہ سے آغاز اسی سے کرتے تھے۔(۱)

دونوں آنکھوں میں فرق اس لیے رکھتے تھے کہ مجموعہ طاق ہو جائے، کیونکہ جفت کے مقابلے میں طاق کو فضیلت حاصل ہے

---

(۱) شرح السنۃ للبغوی ج ۱۲ ص ۱۱۹ حدیث ۳۲۰۵

بے شک اللہ تعالیٰ وتر (ایک) ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے (۱)

لہٰذا بندے کا کوئی فعل اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی وصف کی مناسبت سے خالی نہیں ہونا چاہیئے۔

اسی لیے استنجاء کرتے وقت طاق پتھر استعمال کرنا مستحب ہے۔ (سرمہ لگاتے ہیں) تین بار پر اکتفاء نہیں کیا گیا حالانکہ یہ بھی طاق ہیں کیونکہ اس طرح بائیں آنکھ میں ایک بار سرمہ لگانا پڑتا ہے اور عام طور پر ایک سلائی سے سُرمہ پلکوں کی جڑوں تک نہیں پہنچتا۔ اور دائیں آنکھ میں تین سلائیاں لگانے کی وجہ یہ ہے کہ فضیلت طاق بار میں ہے اور دائیں آنکھ افضل ہونے کی وجہ سے اس کا زیادہ حق رکھتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ دو کا عدد جفت ہے تو بائیں آنکھ میں اسی پر اکتفاء کیوں کیا گیا تو جواب یہ ہے کہ ایسا ضرورت کے تحت کیا گیا ہے کیونکہ ہر آنکھ میں طاق بار لگائے تو ان کا مجموعہ جفت بار ہو جاتا۔ کیوں کہ طاق اور طاق مل کر جفت ہو جاتے ہیں اور فعل کے مجموعہ میں جو ایک فعل کی طرح ہے طاق ہونے کا خیال رکھنا ایک ایک میں خیال رکھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے اس کی ایک اور صورت بھی ہے وہ یہ کہ ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں سرمہ لگائے یعنی وضو پر قیاس کرے یہ صحیح حدیث میں منقول ہے (۱) اور یہی زیادہ بہتر ہے ــــ اگر ہم ان تمام باتوں کی باریکیوں کی تلاش میں لگ جائیں جن کا حضور علیہ السلام نے اپنے افعال میں خیال رکھا ہے تو بات طویل ہو جائے گی تو جو کچھ تم نے سنا ہے اسی پر اسے بھی قیاس کر لو جو نہیں سنا۔

جان لو اکہ کوئی عالم اس وقت تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث نہیں ہو سکتا جب تک شریعت کے تمام معانی پر مطلع نہ ہو جائے یہاں تک کہ اس کے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف ایک درجہ یعنی درجۂ نبوت رہ جائے اور یہی درجہ وارث اور مورث کو الگ الگ کرتا ہے کیونکہ مورث وہ ہوتا ہے جیسے حاصل ہوتا ہے وہ اس کے حاصل کرنے میں مشغول ہوتا ہے اور اس پر قادر ہوتا ہے اور وارث وہ ہوتا ہے جو اس پر قادر نہیں ہوتا لیکن جب وہ مال مورث کو حاصل ہوتا ہے تو اس کے بعد وارث کی طرف منتقل ہوتا ہے اور یہ اسے حاصل کرتا ہے۔

یہ وہ باتیں ہیں کہ گہرائی اور باریک بینی کا خیال کرتے ہوئے باوجود آسان ہونے کے ابتدائی طور پر ان کا ادراک انبیاء کرام علیہم السلام ہی کو ہوتا ہے اور انبیاء کرام کی طرف سے آگاہی کے بعد استنباط و اجتہاد کے ذریعے صرف علماء کرام ہی معلوم کر سکتے ہیں کیونکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔

۶، ۷ ــــ ناف اور قلفہ کا بڑھا ہوا حصہ ــــ ناف تو بچے کے پیدا ہوتے ہی کاٹ دی جاتی ہے اور ختنہ کے ذریعے طہارت حاصل کرنے میں یہودیوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پیدائش کے ساتویں دن کرتے ہیں۔ لیکن ان کی مخالفت کرنا اور

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۴۳ مرویات حضرت علی المرتضیٰ۔

(۲) جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۰۷ باب ماجاء فی کحل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اگلے دانت نکلنے تک تاخیر کرنا زیادہ پسندیدہ اور خطروں سے دور ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اَلْخِتَانُ سُنَّةٌ لِلرِّجَالِ وَمَكْرُمَةٌ لِلنِّسَاءِ۔ (۱)

ختنہ کرنا مردوں کے لئے سنت اور عورتوں کے لیے باعث عزت ہے۔

اور عورتوں کے ختنہ میں مبالغہ کرنا مناسب نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اور وہ ختنہ کیا کرتی تھیں۔

يَا أُمَّ عَطِيَّةَ أَشِمِّي وَلَا تَنْهَكِي فَإِنَّهُ أَسْرَى لِلْوَجْهِ وَأَحْظَى عِنْدَ الزَّوْجِ۔ (۲)

اے ام عطیہ! ذرا سی تو سنگھا دیں اور زیادہ نہ کاٹیں اس سے چہرے کی تازگی زیادہ ہوگی اور خاوند کو زیادہ لذت حاصل ہوگی۔

٭ ٭ ٭

یعنی چہرے کی رونق اور خون زیادہ ہوگا اور جماع میں خاوند زیادہ لطف اندوز ہوتا ہے تو دیکھئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کنایہ کرتے ہوئے عمدہ پیرائے میں بیان فرمایا، اور نور نبوت کو دیکھیں جو اُخروی فوائد کو جو نبوت کے اہم مقاصد سے ہیں کس طرح روشن کر کے دینوی مقاصد تک پہنچایا ہے حتیٰ کہ آپ پر یہ باتیں منکشف ہوگئیں حالانکہ آپ نے کسی سے نہیں پڑھا تھا، اگر یہ واضح نہ ہوتیں تو ان میں غفلت کی وجہ سے نقصان ہوتا تو وہ ذات پاک ہے جس نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا تاکہ آپ کی بعثت کی برکت سے ان لوگوں کے لیے دنیا اور دین کی بھلائیاں جمع ہو جائیں۔

۸۔ داڑھی کے بڑھے ہوئے بال ہم نے اس کا ذکر مؤخر کیا تاکہ اس میں جو باتیں سنت ہیں یا بدعت، ان کو بھی اس کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جائے کیونکہ یہاں ان باتوں کا ذکر زیادہ مناسب ہے۔ داڑھی کا جو حصہ بڑھا ہوا ہے یعنی لمبی داڑھی کے بارے میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ آدمی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر جو اس سے زائد ہو اسے کاٹ دے تو کوئی حرج نہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور تابعین کی ایک جماعت نے ایسا کیا ہے۔ حضرت امام شعبی اور ابن سیرین رحمہما اللہ نے اسے اچھا قرار دیا لیکن حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے اور فرمایا اسے بڑھا ہوا چھوڑنا زیادہ پسندیدہ ہے کیوں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "داڑھیوں کو بڑھاؤ"
اگر داڑھی کے کاٹنے اور کناروں سے گول کرنے کی نوبت نہ آئے تو بڑھی ہوئی داڑھی کو کاٹنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ زیادہ لمبا کرنے سے اصلی شکل بگڑ جاتی ہے اور غیبت کرنے والے اس پر اپنی زبان کھول دیتے ہیں لہٰذا اس

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۷۵
(۲) مستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۵۲۵ کتاب معرفۃ الصحابہ

نیت سے اس سے بچنے میں کوئی حرج نہیں حضرت امام نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے اس عقل مند آدمی پر تعجب ہے جس کی داڑھی لمبی ہے وہ اس سے کیوں نہیں کاٹتا تا کہ وہ داڑھیوں کے درمیان ہو جائے (نہ بہت چھوٹی اور نہ ہی بہت لمبی) کیوں کہ ہر چیز میں اعتدال اچھا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جب داڑھی لمبی ہوتی ہے تو عقل چلی جاتی ہے۔(۱)

داڑھی کے مکروہات

داڑھی میں دس باتیں مکروہ ہیں ان میں سے بعض دوسری بعض کی نسبت زیادہ مکروہ ہیں، خضاب سے سیاہ کرنا، گندھک سے سفید کرنا، اکھیڑنا، اس سے سفید بالوں کو اکھیڑنا، چھوٹی کر دینا بڑھا دینا۔ ریاکاری کے لیے اسے کنگھی کرنا، اپنا زہد دکھانے کے لیے کنگھی کے بغیر بکھرے ہوئے بال چھوڑ دینا، جوانی پر فخر کرتے ہوئے اس کی سیاہی پر خوش ہونا، بڑھاپے پر تکبر کرتے ہوئے اس کی سفیدی کو اچھی نظر سے دیکھنا، سرخ اور زرد رنگ کا خضاب لگانا جب کہ نیک لوگوں کے ساتھ تشبیہ کے طور پر نہ ہو۔

(۱) سیاہ خضاب لگانا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُ شَابِّكُمْ مَنْ تَشَبَّهَ بِشُيُوخِكُمْ وَشَرُّ شُيُوخِكُمْ مَنْ تَشَبَّهَ بِشَبَابِكُمْ۔ (۲)

تمہارے بہترین نوجوان وہ ہیں جو تمہارے بوڑھوں سے مشابہت اختیار کریں اور تم میں سے برے بوڑھے وہ ہیں جو تمہارے نوجوانوں سے مشابہت اختیار کریں۔

٭ ٭ ٭

بوڑھوں کے ساتھ مشابہت سے مراد وقار میں مشابہت ہے بالوں کو سفید کرنے میں نہیں۔ اور آپ نے سیاہ خضاب سے منع فرمایا (۳)

هُوَ خِضَابُ أَهْلِ النَّارِ (۴)

یہ جہنمیوں کا خضاب ہے۔

اور دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ سیاہ رنگ کا خضاب کفار کا خضاب ہے۔(۵)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے نکاح کیا اور وہ سیاہ خضاب لگاتا تھا۔ جب خضاب اترا

---

(۱) ہمارے ہاں عام طور پر غیر مقلد وہابیوں کی داڑھیاں بہت لمبی ہوتی ہیں غالباً اسی وجہ سے وہ فقہ کا انکار کرتے ہیں کیونکہ فقہ، تو عقل و شعور اور دین کی سمجھ کا نام ہے ۱۲ ہزاروی۔

(۲) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۲۷۷ حدیث ۴۱۰۵۸

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۹۹ کتاب اللباس

(۴) سنن بیہقی جلد ۷ ص ۳۱۱ کتاب القسم والنشوز

(۵) مستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۵۲۶ کتاب معرفۃ الصحابہ

تو بڑھاپا ظاہر ہو گیا عورتوں کے گھر والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدمہ لے گئے آپ نے اس کے نکاح کو فسخ کر دیا اور اسے خوب مارا آپ نے فرمایا تم نے ان لوگوں کو جوانی کے ساتھ دھوکہ دیا اور بڑھاپے کو چھپایا ـــــ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے سیاہ خضاب فرعون نے لگایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ يُخَضِّبُونَ بِالسَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَا يَرِيحُونَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔ (۱)

آخری زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہ رنگ کا خضاب لگائیں گے جیسے کبوتر کے پوٹے (سینے پر نیچے) ہوتے ہیں وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھیں گے۔

(۲) سرخ اور زرد رنگ کا خضاب ـــــ جہاد میں کفار کو جوانی دکھانے کے لیے اس رنگ کا خضاب لگانا جائز ہے اگر اس نیت سے نہ ہو بلکہ اہل دین سے مشابہت کے لیے ہو تو مذموم ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلصُّفْرَةُ خِضَابُ الْمُسْلِمِينَ وَالْحُمْرَةُ خِضَابُ الْمُؤْمِنِينَ۔ (۲)

زرد رنگ مسلمان کا خضاب ہے اور سرخ رنگ مومنوں کا خضاب ہے۔

(صحابہ کرام اور بعد والے مسلمان) سرخ رنگ کے لیے مہندی کا اور زرد رنگ کے لیے خلوق اور کتم کا خضاب لگاتے تھے (خلوق ایک قسم کی رنگ دار خوشبو ہے جس میں زعفران ملا ہوتا ہے اور کتم ایک قسم کی بوٹی ہے ۱۲ ہزاروی) بعض علماء نے جہاد کے لیے سیاہ خضاب بھی لگایا ہے جب نیت صحیح ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

البتہ خواہشات کا عمل دخل نہ ہو۔

(۳) گندھک سے داڑھی کو سفید کرنا تاکہ جلدی جلدی زیادہ عمر ظاہر ہو۔ اور لوگ عزت کریں شہادت قبول ہو بزرگوں سے روایت کی تصدیق ہو، جوانی سے اوپر ہو جائیں، کثرت علم کا اظہار مقصود ہو اور یہ خیال کیا جاتے کہ علم کی کثرت فضیلت کا باعث ہے تو دیکھئے عمر کا بڑھنا جاہل کی جہالت کو ہی زیادہ کرتا ہے علم تو عقل کا نتیجہ ہے اور یہ ایک نورانی قوت ہے، اس میں بڑھاپے کا کوئی اثر نہیں ہوتا جس آدمی کی سرشت میں بیوقوفی ہو تو عمر کا زیادہ ہونا اس کی حماقت کو بڑھا دیتا ہے حالانکہ بزرگ حضرات علم کی وجہ سے نوجوانوں کو آگے کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نوجوان ہونے کے باوجود بزرگ صحابہ کرام سے آگے کرتے تھے اور ان کی بجائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی بندے کو علم عطا کرتا ہے تو جوانی ہی میں دیتا ہے اور تمام کی تمام بھلائی

---

(۱) سنن بیہقی جلد ، ص ۳۱۱ کتاب القسم والنشوز۔

(۲) مستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۵۲۶ کتاب معرفۃ الصحابہ۔

جوانی میں ہے۔ پھر انہوں نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔

قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ۔ (۱)

انہوں نے (نمرودیوں نے) کہا ہم نے ایک جوان سے سنا جوان بتوں کا تذکرہ کر رہا تھا اس کا نام ابراہیم (علیہ السلام) ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (۲)

بے شک وہ، کچھ نوجوان ہیں جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت کو بڑھایا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا (۳)

اور ہم نے ان کو (حضرت یحییٰ علیہ السلام کو) بچپن میں فیصلے کی قوت عطا کی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کی داڑھی مبارک اور سر انور میں بیس بال بھی سفید نہ تھے (۴)

ان سے پوچھا گیا اے ابو حمزہ! (حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کنیت) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو عمر رسیدہ ہو چکے تھے تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑھاپے کا عیب نہ لگایا۔ پوچھا گیا کیا یہ عیب ہے؟ انہوں نے فرمایا تم سے ہر ایک اسے ناپسند کرتا ہے کہا جاتا ہے کہ یحییٰ بن اکثم بیس سال کی عمر میں عہدۂ قضاء پر مامور ہوئے، ان کی مجلس میں ایک آدمی نے کہا اور وہ آپ کو کم سنی کی وجہ سے شرمندہ کرنا چاہتا تھا، قاضی صاحب کی عمر کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے انہوں نے فرمایا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا حکمران بنایا تو اس وقت ان کی جتنی عمر تھی۔ (میری عمر بھی اتنی ہی ہے) تو انہوں نے اس شخص کو لاجواب کر دیا۔ (۵)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ داڑھی تمہیں دھوکہ نہ دے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ انبیاء آیت ۶۰

(۲) قرآن مجید سورۂ کہف آیت ۱۳

(۳) قرآن مجید سورہ مریم آیت ۱۲

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۲ باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۵) مختصر ابن عساکر جلد ۲۷ ص ۲۰۵ ترجمہ ۱۰۵

کیوں کہ داڑھی تو بکرے کی بھی ہوتی ہے ــــ حضرت ابو عمرو بن عطاء فرماتے ہیں جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کا قد لمبا، سر چھوٹا اور داڑھی چوڑی ہے تو جان لو کہ یہ بے وقوف ہے۔ اگرچہ وہ امیہ بن عبد شمس ہی ہو۔

حضرت ایوب سختیانی نے فرمایا میں نے ایک اسی سالہ بوڑھے کو دیکھا وہ ایک لڑکے کے پیچھے پیچھے چار ہا تھا اور اس سے سیکھتا تھا۔ حضرت علی بن حسین نے فرمایا جو شخص تجھ سے علم میں سبقت لے گیا وہ تیرا امام ہے اگرچہ وہ عمر میں تجھ سے چھوٹا ہو۔

حضرت ابو عمرو بن علاء سے پوچھا گیا کیا کسی عمر رسیدہ کے لیے بچے سے سیکھنا اچھا ہے؟ انہوں نے فرمایا اگر اس کا جاہل رہنا برا ہے تو سیکھنا اچھا ہے۔

حضرت یحیٰی بن معین نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی خچر کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھ کر پوچھا اے ابو عبداللہ! آپ نے حضرت سفیان کے بلند مقام ہونے کے باوجود ان کی حدیث کو چھوڑ دیا اور اس نوجوان کی خچر کے پیچھے چل رہے ہیں اور اس سے سنتے ہیں حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ان سے فرمایا اگر تمہیں پہچان ہوتی تو تم اس خچر کی دوسری جانب چلتے اگر مجھے حضرت سفیان کا علم ان کی بلندی کی وجہ سے نہ ملا تو نچلے درجے میں آنے سے تو مل گیا اور اگر اس نوجوان کی عقل سے استفادہ نہ کرسکا تو میں بلندی و پستی میں کہیں بھی نہیں پا سکوں گا۔

۴۔ بڑھاپے سے نفرت کرتے ہوئے سفید بالوں کو اکھیڑنا ــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید بال اکھیڑنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا یہ مومن کا نور ہے (۱)

سیاہ خضاب میں بھی یہی بات ہے اور اس کی ناپسندیدگی کی وجہ گزر چکی ہے سفیدی نورِ خداوندی ہے اور اس سے اعراض، اللہ تعالیٰ کے نور سے اعراض کرنا ہے۔

۵۔ بے مقصد اور خواہش کے تحت تمام داڑھی یا اس کے کچھ بال اکھیڑنا۔ یہ مکروہ ہے اور شکل و صورت کو بگاڑنا ہے اور بچی (داڑھی) کی دونوں طرف سے بال اکھیڑنا بدعت ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص گواہی دینے آیا اور وہ داڑھی کے اطراف سے بال توڑتا تھا تو آپ نے اس کی گواہی رد کر دی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور مدینہ طیبہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ نے اس شخص کی گواہی قبول نہ فرمائی جو اپنی داڑھی اکھیڑتا تھا۔ داڑھی اگنے کے ابتدائی وقت امرد (قریب البلوغ) لڑکوں سے مشابہت اختیار کرنے کے لیے داڑھی کو اکھاڑنا، کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ داڑھی مردوں کی زینت ہے اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھاتے ہیں۔

"اس ذات کی قسم جس نے انسانوں کو داڑھی کے ساتھ زینت بخشی" اور یہ تکمیل تخلیق سے ہے اسی سے مرد و عورت

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۱۲ مرویات عبداللہ بن عمرو

کے درمیان تمیز ہوتی ہے غریب التاویل میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی۔

يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ (۱) (اللہ تعالیٰ کی خلقت میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے) سے داڑھی مراد ہے۔

حضرت احنف بن قیس کے شاگرد کہتے تھے ہم چاہتے ہیں کہ حضرت احنف کے لیے داڑھی خریدیں اگرچہ بیس ہزار کی ملے حضرت قاضی شریح فرماتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ میری داڑھی ہو اگرچہ دس ہزار کی ہو، اور داڑھی کو کیسے پسند کیا جائے گا حالانکہ اس میں مرد کی تعظیم ہے اس کی طرف علم و وقار کے ساتھ دیکھا جاتا ہے اور مجالس میں بلند مقام دیا جاتا ہے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور جماعت پر مقدم کیا جاتا ہے اور اس کی عزت محفوظ ہوتی ہے کیونکہ جو شخص گالی دیتا ہے تو اگر اس (جس کو گالی دے رہا ہے) کی داڑھی ہو تو پہلے اسی کا ذکر کرتا ہے اور کہا گیا ہے کہ جنت میں حضرت ہارون علیہ السلام (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی) کے علاوہ سب لوگ داڑھی کے بغیر ہوں گے اور ان (حضرت ہارون علیہ السلام) کی داڑھی ناف تک ہوگی یہ ان کی تخصیص فضیلت کا باعث ہوگی۔

۶۔ عورتوں کے لیے زینت بنانے اور بناوٹ اختیار کرنے کی خاطر داڑھی کو بنہ کاٹنا مکروہ ہے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آخری زمانے میں کچھ لوگ ہوں جن کی داڑھیاں کبوتر کی دُم کی طرح ہوں گی (گول ہوں گی) اور جوتیوں سے درانتیوں کی سی آواز نکالیں گے ان کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں۔

۷۔ داڑھی کو بڑھانا یعنی کنپٹیوں کے بالوں کو برخسار کے بالوں میں شمار کر کے داڑھی کو بڑھانا حالانکہ وہ تو سر کے بال ہیں حتیٰ کہ داڑھی بڑی ہو کر نصف رخسار تک پہنچ جاتی ہے یہ نیک لوگوں کی شکل کے خلاف ہے۔

۸۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے کنگھی کرنا، حضرت بشر رحمہ اللہ فرماتے ہیں داڑھی کے سلسلے میں دو شرک ہیں (۱) لوگوں کو دکھانے کے لیے کنگھی کرنا اور زہد و تقویٰ کے اظہار کے لیے کنگھی کے بغیر چھوڑ دینا،

۹-۱۰۔ داڑھی کی سیاہی اور سفیدی کو تکبر و خود پسندی کی نگاہ سے دیکھنا اور یہ بات بدن کے تمام اجزاء میں مذموم ہے بلکہ تمام عادات و افعال میں ناپسندیدہ ہے جیسے اس کا بیان آئے گا۔

یہ وہ باتیں ہیں جو ہم زینت و پاکیزگی کے حصول کے سلسلے میں ذکر کرنا چاہتے تھے اور تین احادیث سے جسم میں بارہ باتوں کا سنت ہونا معلوم ہوا ہے۔ پانچ باتیں سر سے متعلق ہیں۔

اور وہ یہ ہیں۔ سر کے بالوں کی (درمیان میں سے) مانگ نکالنا، (۲)

---

(۱) قرآن مجید سورۂ فاطر آیت ۱

(۲) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵۰۳ باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، مونچھوں کو کاٹنا اور مسواک کرنا (۱)

تین سنتوں کا تعلق ہاتھوں اور پاؤں سے ہے اور وہ ناخن کاٹنا، انگلیوں کی اوپر کے سلوٹوں اور اندر کے جوڑوں کی صفائی کرنا۔

چار باتیں باقی جسم سے متعلق ہیں۔ یعنی بغلوں کے بال اکھیڑنا، زیر ناف بالوں کے لیے استرا استعمال کرنا، ختنہ کرنا، اور پانی سے استنجاء کرنا۔

ان تمام کے بارے میں روایات آئی ہیں —— اور جب اس باب میں ہماری غرض ظاہری طہارت ہے باطنی نہیں تو ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور یہ بات ثابت ہے کہ باطنی نجاستیں اور میل کچیل جس سے پاکیزگی حاصل کرنا ضروری ہے وہ شمار سے باہر ہے اس کی تفصیل کتاب کے اس حصے میں آئے گی جس میں ہلاک کرنے والے امور کا ذکر ہوگا۔ یہ بھی بتایا جائے گا کہ اس کو دور کرنے کے کیا کیا طریقے ہیں اور دل کی طہارت کیسے حاصل ہوتی ہے ——

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کے شکر کے ساتھ طہارت کے اسرار کا بیان مکمل ہوا اس کے بعد انشاء اللہ نماز کے اسرار کا بیان ہوگا۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو یکتا ہے اور ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر منتخب بندے پر رحمت ہو۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۲۹ باب خصال الفطرۃ۔

نماز کے اسرار و مسائل کا بیان

ہر قسم کی حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے بندوں کو اپنی مہربانیوں (کی چادر) میں ڈھانپ لیا ان کے دلوں کو دین اور اس کے احکام کے انوار سے معمور فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کہ عرش جلال سے آسمانِ دنیا کی طرف درجات رحمت سے اس کی کوئی نہ کوئی مہربانی اترتی رہتی ہے۔ اپنے جلال و کبریائی کے ساتھ ساتھ اس اعتبار سے بھی بادشاہوں سے ممتاز و منفرد ہے کہ وہ بندوں کو سوال و دعا کی ترغیب دیتا ہے۔ فرماتا ہے۔

"کیا کوئی دعا کرنے والا ہے کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں؟ ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں؟"(۲)

بادشاہوں کا اس سے کیا مقابلہ ہے اس نے دروازہ کھول دیا اور پردہ اٹھا دیا بندوں کو نمازوں میں دعاؤں کی اجازت دی ان کی جو بھی حالت ہو جماعت میں ہوں یا الگ الگ، اور صرف اجازت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ترغیب و دعوت کے ذریعے بھی کرم فرمایا جب کہ دنیوی بادشاہ تو کسی کو علیحدگی میں وقت بھی نہیں دیتے جب تک انہیں کوئی ہدیہ یا رشوت پیش نہ کی جائے۔ وہ پاک ہے اس کی شان کس قدر بلند اور اس کی بادشاہی کتنی مضبوط ہے اس کی مہربانی کتنی مکمل اور احسان کس قدر عام ہے۔ اس کے برگزیدہ نبی اور پسندیدہ دوست حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت نازل ہو آپ کے آل و اصحاب پر بھی جو ہدایت کی چابیاں اور اندھیروں میں چراغ ہیں اور بے حد سلام ہو۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد ———— نماز دین کا ستون اور یقین کا وسیلہ ہے تمام عبادات کی اصل اور اعمال صالحہ کی روشنی ہے ہم نے فن فقہ میں بسیط المذہب وسیط المذہب اور جیز المذہب میں اس کے اصول و فروع کو تفصیل سے بیان کیا ہے اب ہم نادر تفریعات اور کم واقع ہونے والے واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ وہ مفتی کے لیے خزانہ بن جائے کہ وہ ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کرے اور اس سے مدد حاصل کرے۔ اب ہم اس باب میں صرف وہ اعمال ظاہرہ اور اسرار باطنہ بیان کریں گے جو ایک سالک کے لیے ضروری ہیں۔ نیز خشوع، اخلاص اور نیت کے وہ باریک معانی واضح کریں گے جو پوشیدہ ہیں اور فن فقہ میں انہیں بیان نہیں کیا جاتا ہے اس بیان کو سات بابوں پر تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا باب۔ فضائل نماز دوسرا باب، نماز کے ظاہری اعمال کی فضیلت، تیسرا باب، نماز کے باطنی اعمال کی فضیلت، چوتھا باب، امامت و پیشوائی پانچواں باب، نماز جمعہ اور اس کے آداب چھٹا باب متفرق مسائل جو عام طور پر پائے جاتے ہیں اور سالک ان سے آگاہی کا محتاج ہے، ساتواں باب، نوافل وغیرہ۔

---

(۲) صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل جلد اول ص ۲۵۸

پہلا باب

نماز، سجدہ، جماعت اور اذان وغیرہ کی فضیلت

اذان کی فضیلت :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ثَلَاثَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى كُثُبٍ مِنْ مِسْكٍ اَسْوَدَ لَا يَهُولُهُمْ حِسَابٌ وَلَا يَنَالُهُمْ فَزَعٌ مِمَّا بَيْنَ النَّاسِ رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَمَّ بِقَوْمٍ وَهُمْ بِهِ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ اَذَّنَ فِي مَسْجِدٍ وَدَعَا اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ اُبْتُلِيَ بِالرِّزْقِ فِي الدُّنْيَا فَلَمْ يَشْغَلْهُ ذَالِكَ مِنْ عَمَلِ الْاٰخِرَةِ۔ (۱)

تین (قسم) کے آدمی قیامت کے دن سیاہ کستوری کے ٹیلے پر ہوں گے انہیں حساب خوفزدہ نہیں کرے گا اور نہ ہی وہ اس پریشانی میں مبتلا ہوں گے جس میں دوسرے لوگ مبتلا ہوں گے ایک وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قرآن پاک پڑھا اور کسی قوم کی امامت کرائی اور وہ لوگ اس پر راضی ہیں دوسرا وہ شخص ہے جس نے مسجد میں اذان دی اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور یہ کام رضائے خداوندی کے لیے کیا اور تیسرا وہ شخص جو حصول رزق میں مبتلا ہوا تو اس عمل نے اسے آخرت کے عمل سے نہ روکا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا يَسْمَعُ نِدَاءَ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا اِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۲)

مؤذن کی اذان جن، انسان اور جو چیز بھی سنتی ہے وہ قیامت کے دن اس کے لیے گواہی دے گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

يَدُ الرَّحْمٰنِ عَلٰى رَاْسِ الْمُؤَذِّنِ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ اَذَانِهٖ (۳)

اللہ تعالیٰ (کی رحمت) کا ہاتھ مؤذن کے سر پر ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اذان سے فارغ ہو جاتے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۵ ص ۳۳۲، حدیث ۴۳۴۳۰۹ (۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۸۶، باب رفع الصوت بالنداء

(۳) الکامل لابن عدی جلد ۵ ص ۶۰، ترجمہ عمر بن حفص

کہا گیا کہ درج ذیل آیت موذنوں کے حق میں نازل ہوئی ہے ارشاد خداوندی ہے،

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ (۱)

اور اس سے بڑھ کر کس کی بات اچھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اور خود (بھی) اچھے کام کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ (۲)

جب تم موذن سے اذان سنو تو اس کی مثل کہو جو موذن کہتا ہے۔

حَیَّ عَلَى الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے علاوہ باقی اذان میں وہی الفاظ کہے البتہ ان دو کلمات کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ (۳) کہے "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ" کے جواب میں کہے "اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (۴) اور "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کے جواب میں "صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وَنَصَحْتَ" (۵) کہے۔

اور اذان کے بعد یوں دعا مانگے،

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ (۶)

اے اس دعوت کامل اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ، فضیلت اور بلند مقام عطا فرما اور آپ کو اس مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا بے شک تو وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جس نے کسی کھلی جگہ میں نماز پڑھی تو اس کی دائیں اور بائیں طرف ایک ایک فرشتہ نماز پڑھتا ہے اگر وہ اذان دے اور اقامت کہہ کر نماز پڑھے تو اس کے پیچھے پہاڑوں کی مثل فرشتے نماز پڑھتے ہیں (یعنی بہت زیادہ)

---

(۱) قرآن مجید سورۂ فصلت آیت ۳۳

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۸۶ باب ما یقول اذا سمع المنادی

(۳) نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے۔

(۴) جب تک آسمان وزمین قائم ہیں اللہ تعالیٰ اس (نماز) کو قائم و دائم رکھے۔

(۵) تو نے سچ کہا، نیکی اور خیر خواہی کی۔

(۶)

فرض نماز کی فضیلت :

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا ۔ (۱)

بے شک نماز، مومنوں پر اپنے اپنے وقت پر فرض ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم:

خَمْسُ صَلَوَاتٍ کَتَبَھُنَّ اللّٰہُ عَلَی الْعِبَادِ فَمَنْ جَاءَ بِھِنَّ وَلَمْ یُضَیِّعْ مِنْھُنَّ شَیْئًا اِسْتِخْفَافًا بِحَقِّھِنَّ کَانَ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ عَھْدٌ اَنْ یُّدْخِلَہُ الْجَنَّۃَ وَمَنْ لَّمْ یَاْتِ بِھِنَّ فَلَیْسَ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ عَھْدٌ اِنْ شَاءَ عَذَّبَہٗ وَاِنْ شَاءَ اَدْخَلَہُ الْجَنَّۃَ ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے بندوں پر پانچ (اوقات کی) نمازیں فرض کی ہیں جو شخص انہیں ادا کرے اور ان کے حق کو معمولی سمجھ کر انہیں ضائع نہ کرے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کے لیے وعدہ ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے اور جو ادا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا اس سے وعدہ نہیں ہے اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو اسے جنت میں داخل کرے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ کَمَثَلِ نَھْرٍ عَذْبٍ غَمْرٍ بِبَابِ اَحَدِکُمْ یَقْتَحِمُ فِیْہِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ فَمَا تَرَوْنَ ذٰلِکَ یُبْقِیْ مِنْ دَرَنِہٖ قَالُوْا لَا شَیْءَ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ تُذْھِبُ الذُّنُوْبَ کَمَا یُذْھِبُ الْمَاءُ الدَّرَنَ (۳، ۴)

پانچ نمازوں کی مثال ایک نہر جیسی ہے جس کا پانی میٹھا اور گہرا ہو اور وہ تم میں سے کسی کے دروازے پر ہو وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غوطہ لگائے تمہارا کیا خیال ہے کیا اس کے جسم پر کوئی میل باقی چھوڑے گی انہوں نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا بے شک پانچ (اوقات کی) نمازیں گناہوں کو اس طرح لے جاتی ہیں جس طرح پانی میل کو دور کر دیتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۱۰۳

(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۰۱ باب فی من لم یوتر

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۳۵ باب المشی الی الصلوٰۃ

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲، مرویات عثمان رضی اللہ عنہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَفَّارَۃٌ لِّمَا بَیْنَہُنَّ مَا اجْتُنِبَتِ الْکَبَائِرَ (۱)

بے شک نماز، (دو نمازوں کے) درمیان والے گناہوں کا کفارہ ہے جب تک کبیرہ گناہوں سے بچا رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْمُنَافِقِیْنَ شُہُوْدُ الْعَتَمَۃِ وَالصُّبْحِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَہُمَا۔(۲)

ہمارے اور منافقین کے درمیان عشاء اور فجر کی نماز میں حاضری کا فرق ہے وہ ان دو نمازوں میں حاضری کی طاقت نہیں رکھتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَقِیَ اللّٰہَ وَھُوَ مُضَیِّعٌ لِلصَّلٰوۃِ لَمْ یَعْبَاءِ اللّٰہُ بِشَیْءٍ مِنْ حَسَنَاتِہٖ (۳)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے یوں ملاقات کرے کہ اس نے نماز ضائع کی ہوئی ہو اللہ تعالیٰ اس کی کسی نیکی کی پرواہ نہیں کرے گا۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ فَمَنْ تَرَکَہَا فَقَدْ ہَدَمَ الدِّیْنَ۔ (۴)

نماز دین کا ستون ہے تو جس نے اسے چھوڑا اس نے دین کو گرا دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا۔ (۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ حَافَظَ عَلَی الْخَمْسِ بِاِکْمَالِ طُہُوْرِہَا وَمَوَاقِیْتِہَا کَانَتْ لَہٗ نُوْرًا وَبُرْہَانًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ ضَیَّعَہَا حُشِرَ مَعَ فِرْعَوْنَ وَہَامَانَ۔ (۶)

جس شخص نے طہارت کاملہ اور اوقات (کے لحاظ) کے ساتھ پانچ نمازوں کی حفاظت کی تو یہ نماز قیامت کے دن اس کے لیے نور اور دلیل ہوگی اور جس نے ان نمازوں کو ضائع کیا اس کا حشر فرعون اور ہامان کے ساتھ ہوگا۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۲۲ باب فضل الوضوء

(۲) موطا امام مالک ص ۱۱۴ باب ما جاء فی والصلوٰۃ عقبہ العتمۃ والصبح

(۳) مجمع الزوائد جلد اول ص ۲۹۱، ۲۹۲ باب فرض الصلوٰۃ

(۴) الدر المنثور جلد اول ص ۲۹۶ تحت آیت حافظوا علی الصلوات۔

(۵) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۹۰ باب فضل الجہاد۔ (۶) شعب الایمان جلد ۳ ص ۶۴ حدیث ۲۸۲۴

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوۃُ (۱)

جنت کی چابی نماز ہے۔

نیز آپ نے فرمایا،

مَا افْتَرَضَ اللّٰہُ عَلٰی خَلْقِہٖ بَعْدَ التَّوْحِیْدِ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الصَّلٰوۃِ وَلَوْ کَانَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْھَا لَتَعَبَّدَ بِہٖ مَلٰٓئِکَتَہٗ فَمِنْھُمْ رَاکِعٌ وَمِنْھُمْ سَاجِدٌ وَمِنْھُمْ قَائِمٌ وَقَاعِدٌ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر توحید کے بعد نماز سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل فرض نہیں کیا اگر اسے اس سے زیادہ کوئی عمل محبوب ہوتا تو اس کے فرشتے بھی اس عبادت کو اپنانے ان میں سے کچھ رکوع کرتے ہیں کچھ سجدے میں ہیں بعض قیام اور بعض قعدے کی حالت میں ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ۔ (۳)

جس نے نماز کو جان بوجھ کر چھوڑا اس نے کفر کیا۔

مطلب یہ ہے کہ دین کی رسی کھل جائے اور اس کا ستون گرنے کی وجہ سے ممکن ہے اس شخص کا ایمان چلا جائے جس طرح کوئی شخص کسی شہر کے قریب چلا جائے تو کہا جاتا ہے وہ اس میں پہنچ گیا اور وہاں داخل ہو گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَرَکَ صَلٰوۃً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَ مِنْ ذِمَّۃِ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ (۴)

جس نے جان بوجھ کر ایک نماز بھی چھوڑی وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ رحمت سے باہر ہو گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر وہ نماز کے ارادے سے باہر گیا تو جب تک اس ارادے پر رہتا ہے نماز میں شمار ہوتا ہے اس کے لیے ایک قدم کے بدلے میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور دوسرے کے ساتھ گناہ مٹ جاتا ہے جب تم میں سے کوئی اقامت سنے تو اسے تاخیر کرنا مناسب نہیں تم میں سے زیادہ اجر والا وہ شخص ہے جس کا گھر (مسجد سے) زیادہ دور ہے، حاضرین نے عرض کیا اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کیوں! فرمایا زیادہ قدم اٹھانے کی وجہ سے ایک حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۴۰ حدیث جابر رضی اللہ عنہ

(۲)

(۳) مجمع الزوائد جلد اول ص ۲۹۵ باب فی تارک الصلوٰۃ

(۴) 〃 〃 〃 〃 〃

بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کو دیکھا جائے گا اگر اسے مکمل پایا گیا تو اسے بھی اور باقی تمام اعمال کو بھی قبول کیا جائے گا۔ اگر اسے ناقص پایا گیا تو نماز اور باقی تمام اعمال بھی رد کر دیئے جائیں گے (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْكَ بِالرِّزْقِ مِنْ حَيْثُ لَا تَحْتَسِبُ (۲)

اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اللہ تعالیٰ تمہارے پاس وہاں سے رزق لائے گا جس کا تمہیں گمان بھی نہ ہو گا۔

بعض علماء کرام نے فرمایا: "نمازی کی مثال اس تاجر کی سی ہے جو اس وقت تک نفع حاصل نہیں کر سکتا جب تک پورا مال خرچ نہ کرے اسی طرح نمازی کی نفل نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک وہ فرض نماز ادا نہ کرے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز کے وقت فرمایا کرتے تھے "اٹھو اس آگ کی طرف جو تم نے جلا رکھی ہے اور اسے بجھا دو۔" (یعنی نماز گناہوں کی آگ کو بجھاتی ہے)

تکمیلِ ارکانِ نماز کی فضیلت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَثَلُ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ كَمَثَلِ الْمِيْزَانِ مَنْ اَوْفٰى اِسْتَوْفٰى۔ (۳)

فرض نماز کی مثال ترازو جیسی ہے جس نے اسے اوپر کیا اسے پورا پورا اجر ملے گا۔

حضرت یزید رقاشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز برابر برابر ہوتی تھی گویا اس کا وزن کیا گیا ہو (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الرَّجُلَيْنِ مِنْ اُمَّتِيْ لَيَقُوْمَانِ اِلَى الصَّلٰوةِ وَرُكُوْعُهُمَا وَسُجُوْدُهُمَا وَاحِدٌ وَاِنَّ مَا بَيْنَ صَلٰوتَيْهِمَا مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (۵)

میری امت سے دو آدمی نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں ان کے رکوع و سجود ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن ان کے نمازوں کے درمیان آسمان و زمین کے درمیان جتنا فاصلہ ہوتا ہے۔

---

(۱) (۲)

(۳) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۳۵۱ فصل فیما یفسد الصوم

(۴) کتاب الزہد والرقائق ص ۴۳ حدیث ۱۰۳

(۵)

جس میں آپ نے خشوع کی طرف اشارہ فرمایا (یعنی خشوع کی وجہ سے ایک کی نماز افضل ہو جاتی ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَی الْعَبْدِ لَا یُقِیْمُ صُلْبَهٗ بَیْنَ رُکُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں کرے گا جو رکوع اور سجدے میں اپنی پیٹھ کو سیدھا نہیں رکھتا۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

اَمَا یَخَافُ الَّذِیْ یُحَوِّلُ وَجْهَهٗ فِی الصَّلٰوةِ اَنْ یُحَوِّلَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ وَجْهَ حِمَارٍ (۲)

جو شخص نماز میں اپنے چہرے کو ادھر ادھر پھیرتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی شکل کو گدھے کی شکل میں بدل دے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَلّٰی صَلٰوةً لِوَقْتِهَا وَاَسْبَغَ وُضُوْءَهَا وَاَتَمَّ رُکُوْعَهَا وَسُجُوْدَهَا وَخُشُوْعَهَا عَرَجَتْ وَهِیَ بَیْضَاءُ مُسْفِرَةٌ تَقُوْلُ حَفِظَكَ اللّٰهُ کَمَا حَفِظْتَنِیْ وَمَنْ صَلّٰی لِغَیْرِ وَقْتِهَا وَلَمْ یُسْبِغْ وُضُوْءَهَا وَلَمْ یُتِمَّ رُکُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا وَلَا خُشُوْعَهَا عَرَجَتْ وَهِیَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ تَقُوْلُ ضَیَّعَكَ اللّٰهُ کَمَا ضَیَّعْتَنِیْ حَتّٰی اِذَا کَانَتْ حَیْثُ شَاءَ اللّٰهُ لُفَّتْ کَمَا یُلَفُّ الثَّوْبُ فَیُضْرَبُ بِهَا وَجْهُهٗ (۳)

جس نے وقت پر نماز ادا کی اس کے لیے مکمل وضو کیا اس کا رکوع، سجدہ اور خشوع بھی پورا کیا تو وہ نماز روشن اور سفید اوپر کو جاتی ہے اور کہتی ہے اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی اور جو شخص اسے وقت پر نہیں پڑھتا نہ اس کے لیے وضو کو مکمل کرتا ہے اور نہ ہی اس کے رکوع، سجود اور خشوع کو پورا کرتا ہے تو وہ نماز سیاہ اور اندھیرے کی شکل میں اوپر جاتی ہے اور کہتی ہے اللہ تعالیٰ تجھے چھوڑ دے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا حتیٰ کہ جب وہاں جاتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اس کو کپڑے کی طرح لپیٹ کر اس کے منہ پر مار دیا جاتا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۲۵ مرویات ابی ہریرہ

(۲) تاریخ ابن عساکر جلد ۲ ص ۱۷۹ ترجمہ ابراہیم بن احمد

(۳) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۲۸۰ الترغیب فی الصلوٰة فی اول الوقت۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَسْوَءُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِیْ یَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِہٖ (۱)

لوگوں میں سے سب سے بڑا چور وہ شخص ہے جو اپنی نماز سے چوری کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نماز ایک (ماپنے کا) پیمانہ ہے جس نے پورا کیا اسے پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اور جو شخص اس میں کمی کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کمی کرنے والوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے (یعنی سورۂ مطففین میں کیا کچھ فرمایا)

فضیلتِ جماعت:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلٰوۃُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَةً (۲)

نماز با جماعت، تنہا نماز سے ستائیس درجات بڑھ کر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں کچھ لوگوں کو غیر حاضر پایا تو فرمایا "میں نے ارادہ کیا کہ کسی کو حکم دوں جو صحابہ کرام کو نماز پڑھائے پھر ان لوگوں کی طرف جاؤں جو جماعت سے پیچھے رہ گئے، اور ان کے گھروں کو جلا دوں۔ (۳)

ایک دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے پھر ان لوگوں کی طرف جاؤں جو جماعت سے پیچھے رہتے ہیں اور ان کے بارے میں حکم دوں کہ ان پر ان کے گھروں کو لکڑیوں کے ساتھ جلا دیا جائے اور ان میں سے کسی ایک کو یہ علم ہوتا کہ وہ گوشت سے پر ہڈی اور بکری کے پائے حاصل کرے گا تو اس نماز (عشاء کی نماز) میں ضرور حاضر ہوتا۔ (۴)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جو شخص عشاء کی نماز میں حاضر ہوتا ہے گویا وہ نصف رات قیام کرتا ہے اور جو شخص صبح کی نماز میں حاضر ہوتا ہے گویا وہ پوری رات قیام کرتا ہے (۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۱۰ مرویات ابی قتادہ

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۳۱ باب فضل صلاۃ الجماعۃ

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۳۲ باب فضل صلاۃ الجماعۃ

(۴) مسند ابی عوانہ جلد ۲ ص ۶ باب ایجاب اتیان الجماعۃ

(۵) جامع ترمذی جلد اول ص ۵۹ باب ما جاء فی فضل العشاء۔

مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً فِیْ جَمَاعَۃٍ فَقَدْ مَلَأَ نَحْرَہٗ عِبَادَۃً۔(۱) | جو شخص ایک نماز با جماعت پڑھتا ہے تو وہ اپنے سینے کو عبادت سے بھر دیتا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”بیس سال سے جب بھی موذن اذان دیتا ہے میں مسجد میں ہوتا ہوں“ حضرت محمد بن واسع فرماتے ہیں مجھے دنیا سے تین چیزوں کا شوق ہے ایک ایسا (مسلمان) بھائی کہ جب میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دے، اور اتنا رزق اور باجماعت نماز جس میں بھول مجھے معاف کر دیا جائے اور اس کی فضیلت میرے لیے لکھ دی جائے“ ـــــ ایک روایت میں ہے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کچھ لوگوں کی امامت کروائی تو سلام پھیرنے کے بعد فرمایا ”ابھی شیطان مسلسل میرے ساتھ رہا حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ میں دوسروں سے افضل ہوں آئندہ میں کبھی امامت نہیں کراؤں گا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”ایسے آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھو جو علماء کے پاس نہیں جاتا“ حضرت نخعی فرماتے ہیں وہ شخص جو علم کے بغیر لوگوں کی امامت کرواتا اس شخص کی طرح ہے جو سمندر میں پانی کو ناپتا ہے اور اس کی زیادتی اور کمی کو نہیں جان سکتا ہے“ حضرت حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھ سے نماز با جماعت رہ گئی تو حضرت ابو اسحاق بخاری نے میرے ہاں اظہار افسوس کیا اور اگر میرا لڑکا مرجاتا تو دس ہزار سے زیادہ لوگ میرے ہاں تعزیت کرتے کیونکہ لوگوں کے نزدیک دنیا کی مصیبت کے مقابلے میں دین کی مصیبت معمولی ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص موذن کی آواز سن کر اس کا جواب نہ دے (نماز با جماعت میں حاضر نہ ہو) اس نے بھلائی کا ارادہ نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کسی انسان کے کان کو پگھلاتے ہوئے سیسے سے بھر دیا جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اذان سن کر نماز کے لئے حاضر نہ ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ مسجد میں آئے تو انہیں بتایا گیا کہ لوگ تو (نماز پڑھ کر) واپس جا چکے ہیں انہوں نے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھا اور فرمایا مجھے اس نماز کی فضیلت، عراق کی حکومت سے بھی زیادہ پسند ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا الصَّلَوٰتِ فِیْ جَمَاعَۃٍ لَا تَفُوْتُہٗ فِیْهَا تَكْبِیْرَۃُ الْاِحْرَامِ | جو شخص چالیس دن نماز با جماعت پڑھے اور اس سے تکبیر تحریمہ نہ چھوٹے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو

(۱)

كَتَبَ اللهُ لَهُ بَرَاءَتَيْنِ بَرَاءَةً مِّنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَةً مِّنَ النَّارِ (۱)

چھٹکارے لکھ دیتا ہے ایک چھٹکارا منافقت سے اور دوسرا (جہنم کی) آگ سے۔

کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن ایک ایسی جماعت کو اٹھایا جائے گا جن کے چہرے چمکتے ہوئے ستارے کی طرح ہوں گے ان سے فرشتے کہیں گے تم کیا عمل کرتے تھے؟ وہ کہیں گے ہم اذان سننے کے بعد طہارت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے اور کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوتے، پھر ایک اور جماعت کو اٹھایا جائے گا ان کے چہرے چاندوں کی طرح ہوں گے وہ پوچھنے پر بتائیں گے کہ ہم وقت سے پہلے وضو کرتے تھے پھر ایک گروہ اٹھایا جائے گا جن کے چہرے سورج کی طرح (چمکتے) ہوں گے وہ کہیں گے ہم مسجد میں اذان سنتے تھے،،

روایت کیا گیا ہے کہ اسلاف علیہم الرحمۃ سے جب تکبیر تحریمہ فوت ہو جاتی تو تین دن تک اپنے اوپر افسوس کرتے اور جب جماعت چھوٹ جاتی تو سات دن اظہار افسوس کرتے۔

فضیلتِ سجدہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ إِلَى اللهِ بِشَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ سُجُودٍ خَفِيٍّ۔ (۲)

بندہ ایک پوشیدہ سجدہ سے بڑھ کر کسی چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کرتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً۔ (۳)

جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کے سبب اس سے ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا "آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے آپ کی شفاعت کا مستحق کر دے اور جنت میں مجھے آپ کی رفاقت عطا فرمائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجدوں کی کثرت کے ساتھ میری مدد کر۔ (۴)

---

(۱) جامع ترمذی جلد اول ص ۲۲ باب فی فضل التکبیرۃ الاولیٰ۔

(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۲۶ حدیث ۵۲۶۹

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۷۶ مرویات حضرت ثوبان۔

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۹۳ باب فضل السجود

کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب بندے کو حالت سجدہ میں حاصل ہوتا ہے (۱)
اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (۲) (سجدہ کر کے قرب خداوندی حاصل کرو) کا مطلب یہی ہے،
ارشاد خداوندی ہے:

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ
السُّجُودِ۔ (۳)

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد زمین کا وہ حصہ ہے جو حالتِ سجدہ میں ان کے چہروں سے ملا ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے نورِ خشوع مراد ہے وہ باطن سے ظاہر پر چمکتا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، بعض نے کہا کہ اس سے وہ چمک مراد ہے جو قیامت کے دن وضو کے اثرات سے ان کے چہروں پر ہوگی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قَرَءَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي وَيَقُولُ يَا وَيْلَاهُ أُمِرَ هٰذَا بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأُمِرْتُ أَنَا بِالسُّجُودِ فَعَصَيْتُ فَلِيَ النَّارُ۔ (۴)

جب انسان آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس! اسے سجدے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا لہٰذا اس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا میں نے نافرمانی کی تو میرے لیے جہنم ہے۔

حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آپ روزانہ ایک ہزار سجدے کرتے تھے اور لوگ آپ کو سجّاد (بہت سجدے کرنے والا) کہتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ مٹی پر ہی سجدہ کرتے تھے، یوسف بن اسباط کہتے تھے اے نوجوانو! بیماری سے پہلے صحت (سے فائدہ اٹھانے) کی جلدی کرو میں صرف اسی شخص پر رشک کرتا ہوں جو اپنے رکوع و سجود کو پورا کرتا ہے جب کہ میرے اور سجدے کے درمیان رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں سجدے کے علاوہ دنیا کی کسی چیز پر افسوس نہیں کرتا ـــــ حضرت عقبہ بن مسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو بندے کی اس خصلت سے زیادہ

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۹۱ باب ما یقال فی الرکوع والسجود
(۲) قرآن مجید سورۃ علق آیت ۱۹
(۳) قرآن مجید سورۂ فتح آیت ۴۸
(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۶۱ کتاب الایمان

کوئی عادت پسند نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات چاہتا ہے اور بندے کو سجدے میں پڑنے کے علاوہ کسی دوسری ساعت میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب نہیں ملتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بندہ سجدے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے لہٰذا اس وقت زیادہ دعا مانگا کرو۔

فضیلتِ خشوع :

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (۱) — اور نماز میری یاد کے لیے قائم کرو۔

اور ارشاد خداوندی ہے :

وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغَافِلِیْنَ (۲) — اور غافلوں میں سے نہ ہو جانا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے :

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ۔ (۳) — حالت نشہ میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہتے ہو۔

کہا گیا کہ زیادہ فکر کی وجہ سے نشہ کی حالت ہو اور کہا گیا کہ دنیا کی محبت سے، اور حضرت وہب فرماتے ہیں کہ اس سے ظاہری معنیٰ مراد ہے اس میں دنیوی نشے پر تنبیہ کی گئی ہے کیونکہ اس کی علت یوں بیان کی "یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہتے ہو"(۴)

اور کتنے ہی نمازی ہیں جو شراب نہیں پیتے لیکن انہیں معلوم نہیں کہ وہ نماز میں کیا کہہ رہے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مَنْ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ لَمْ یُحَدِّثْ نَفْسَہٗ فِیْہِمَا بِشَیْءٍ مِّنَ الدُّنْیَا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (۵) — جس نے دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ ان میں اپنے نفس سے کوئی دنیوی بات نہیں کی تو اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

نیز آپ نے فرمایا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت ۱۴
(۲) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۲۰۵
(۳) قرآن مجید سورہ نساء آیت ۴۳ ۔
(۴) قرآن مجید سورۂ انشقاق آیت ۶
(۵) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸ کتاب الوضوء

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَمَکُّنٌ وَّتَوَاضُعٌ وَّتَضَرُّعٌ وَّتَاَوُّہٌ وَّتَنَادُمٌ وَّتَضَعُ یَدَیْكَ فَتَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَللّٰهُمَّ فَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ فَهِیَ خِدَاجٌ (۱)

بے شک نماز سکون، عاجزی گڑگڑاتے، خوف اور پشیمانی کا نام ہے نیز تو ہاتھ رکھ کر یا اللہ، یا اللہ پکارے اور جو ایسا نہ کرے تو اس کی نماز ناقص ہے۔

پہلی کتابوں میں اللہ تعالیٰ سے منقول ہے فرمایا میں ہر نمازی کی نماز قبول نہیں کرتا میں صرف اسی کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری بڑائی کے سامنے تواضع کرتا ہے اور میرے بندوں پر تکبر نہیں کرتا اور میری رضا کی خاطر بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا فُرِضَتِ الصَّلٰوۃُ وَاُمِرَ بِالْحَجِّ وَالطَّوَافِ وَاُشْعِرَتِ الْمَنَاسِكُ لِاِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (۲)

نماز کی فرضیت، حج اور طواف کے حکم اور مناسک کا تقرر اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر قائم کیا جائے۔

تو جب تمہارے دل میں یہ مذکورہ باتیں نہ ہوں جو مقصود ہیں اور عظمت وہیبت جو مطلوب ہے اس سے تیرا دل خالی ہو تو تیرے ذکر کی کیا قیمت رہ جائے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

اِذَا صَلَّیْتَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ (۳)

جب تم نماز پڑھو تو رخصت کرنے والے کی طرح نماز پڑھو۔

یعنی اس شخص کی طرح جو اپنے نفس کو رخصت کرتا ہے اپنی خواہشات کو الوداع کہتا ہے اور اپنی عمر کو رخصت کرکے اپنے مولا کی طرف جاتا ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ۔ (۴)

اے انسان! تجھے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے پھر اس سے ضرور ملے گا۔

اور فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَیُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (۵)

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ تمہیں سکھاتا ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی جلد اول ص ۲۸ باب ما جاء فی التخشع فی الصلوٰۃ

(۲) سنن دارمی جلد اول ص ۳۷۸

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۱۲ مرویات ابو ایوب انصاری

(۴) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲ (۵) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲

اور ارشاد فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ (۱)

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَّمْ تَنْهَهُ صَلٰوتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا۔ (۲)

جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور برائی سے نہ روکے اسے اللہ تعالیٰ سے دُوری کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

نماز اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا نام ہے تو وہ غفلت کے ساتھ کس طرح ادا ہو گی حضرت بکر بن عبداللہ فرماتے ہیں اے انسان! جب تو اپنے مالک کے پاس کسی اجازت کے بغیر داخل ہونا اور کسی ترجمان کے بغیر کلام کرنا چاہے تو اس کے پاس چلا جا پوچھا گیا وہ کیسے؟ انہوں نے فرمایا مکمل وضو کر کے اس کے محراب میں داخل ہو جا تو جب تو اپنے مالک کی اجازت کے بغیر اس کے پاس حاضر ہو گا تو کسی ترجمان کے بغیر اس کے ساتھ کلام بھی کرے گا۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے اور ہم آپ سے گفتگو کر رہے ہوتے تھے جب نماز کا وقت ہوتا تو گویا نہ آپ ہمیں پہچانتے اور نہ ہم آپ کو پہچانتے، یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت میں اس قدر مشغول ہو جاتے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰى صَلٰوةٍ لَا يَحْضُرُ الرَّجُلُ فِيْهَا قَلْبَهٗ مَعَ بَدَنِهٖ (۳)

اللہ تعالیٰ اس نماز کو قبول نہیں کرتا جس میں آدمی اپنے جسم کے ساتھ اپنے دل کو بھی حاضر نہ کرے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ، علیہ السلام جب نماز میں کھڑے ہوتے تو آپ کے دل کی دھڑکن دو میل کے فاصلے پر سنی جاتی تھی، حضرت سعید تنوخی جب نماز پڑھتے تو آپ کے آنسو مسلسل رخسار سے داڑھی پر گرتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا آپ نے فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔ (۴)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کنکریوں سے کھیل رہا تھا اور کہتا تھا،

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۲۳

(۲) معجم کبیر للطبرانی جلد ۱۱ ص ۴۶ حدیث ۱۱۰۲۵

(۳) الدر المنثور جلد ۵ ص ۴ تحت آیت قد افلح المومنون (۴) تفسیر قرطبی جلد ۱۲ ص ۱۰۳ تحت آیت قد افلح المومنون

یا اللہ! حورعین کے ساتھ میری شادی کرا دے، آپ نے فرمایا تو برا انجام دینے والا ہے حورعین سے شادی کرنا چاہتا ہے اور کنکریوں سے کھیل رہا ہے۔ حضرت خلف بن ایوب سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو نماز میں مکھیاں تکلیف نہیں پہنچاتیں کہ آپ ان کو دور کریں؟ انہوں نے فرمایا میں اپنے نفس کو اس چیز کا عادی نہیں بناتا جو میری نماز کو توڑ دے پوچھا گیا کہ آپ ان کی اذیت پر کیسے صبر کرتے ہیں؟ فرمایا مجھے معلوم ہوا کہ فاسق لوگ بادشاہ کے کوڑے کھا کر صبر کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے فلاں شخص بہت صبر کرنے والا ہے اور میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں تو کیا میں مکھی کی وجہ سے حرکت کروں۔ حضرت مسلم بن یسار رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ نماز کا ارادہ فرماتے تو اپنے گھر والوں سے فرماتے، گفتگو کرو میں تمہاری باتیں نہیں سنتا انہی کے بارے میں مروی ہے کہ ایک دن بصرہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کا ایک کونہ گر گیا لوگ وہاں جمع ہو گئے لیکن آپ کو نماز سے فارغ ہونے تک پتہ نہ چل سکا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو آپ پر کپکپاہٹ طاری ہو جاتی اور چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ پوچھا گیا امیر المومنین! آپ کو کیا ہوا فرمایا اس امانت کا وقت آگیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس کے اٹھانے سے ڈر گئے ——

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ جب آپ وضو کرتے تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا گھر والے پوچھتے آپ کو وضو کے وقت یہ کیا ہو جاتا ہے وہ فرماتے کیا تمہیں معلوم ہے میں کس کے سامنے کھڑا ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی دعا میں یوں عرض کیا یا اللہ! تیرے گھر میں رہتا ہے اور تو کس کی نماز قبول کرتا ہے؛ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی اے داؤد! میری گھر میں وہ رہتا ہے اور میں اس کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری عظمت کے سامنے تواضع کرتا ہے اور اپنا دن میرے ذکر میں گزارتا ہے میرے لیے اپنے نفس کو خواہشات سے روکتا ہے بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے، مسافر کو جگہ دیتا ہے، اور مصیبت زدہ پر مہربانی کرتا ہے یہ وہ شخص ہے کہ اس کا نور آسمانوں میں سورج کی طرح چمکتا ہے اگر وہ مجھے پکارے تو میں اس کی پکار کو سنتا ہوں اگر مجھ سے مانگے تو میں عطا کرتا ہوں اس کے لیے جہالت میں بردباری، غفلت میں ذکر اور اندھیرے میں روشنی کر دیتا ہوں وہ لوگوں میں اس طرح ہے جس طرح تمام جنتوں میں جنت الفردوس ہے اس کی نہریں خشک نہیں ہوتیں اور نہ اس کا پھل خراب ہوتا ہے۔

حضرت حاتم رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے ان سے ان کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا جب نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو میں مکمل وضو کرتا ہوں پھر اس جگہ آ جاتا ہوں جہاں نماز پڑھنے کا ارادہ ہوتا ہے وہاں بیٹھ جاتا ہوں یہاں تک کہ میرے تمام اعضاء مطمئن ہو جاتے ہیں پھر نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں کعبہ شریف کو ابروؤں کی سامنے پل صراط کو قدموں کے نیچے، جنت کو دائیں اور جہنم کو بائیں طرف، اور موت کے فرشتے کو اپنے پیچھے خیال کرتا ہوں

اور اس نماز کو اپنی آخری نماز سمجھتا ہوں پھر امید و خوف کے درمیان جذبات کے ساتھ کھڑا ہوتا ہوں حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان کرتا ہوں قرآن پاک ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہوں رکوع تواضع کے ساتھ اور سجدہ خشوع کے ساتھ کرتا ہوں بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتا ہوں دائیں پاؤں کو انگوٹھے پر کھڑا کرتا ہوں اس کے بعد اخلاص سے کام لیتا ہوں پھر مجھے معلوم نہیں کہ میری نماز قبول ہوتی یا نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "درمیانے انداز کی دو رکعتیں جن میں غور و فکر ہو پوری رات یوں کھڑا ہونے سے بہتر ہیں کہ دل سیاہ ہو۔

مسجد اور جائے نماز کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کی مساجد کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا وَلَوْ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ۔ (۲)

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے بھٹ تیتر (پرندے) کے گھونسلے جتنی مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محل بنائے گا (بھٹ تیتر کبوتر کے برابر ایک ریگستانی پرندہ ہے)

آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَلِفَ الْمَسْجِدَ اَلِفَهُ اللّٰهُ۔ (۳)

جو آدمی مسجد سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَجْلِسَ۔ (۴)

جب تم میں کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۱۸
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۴۱ مرویات ابن عباس
(۳) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۳ باب لزوم المساجد
(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۴۸ باب استحباب المسجد برکعتین۔

لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ (۱) مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے علاوہ نہیں ہوتی۔

اس کا مطلب مسجد میں باجماعت پڑھنے کی ترغیب دینا ہے اگرچہ یہ نماز ادا ہو جاتی ہے البتہ ایسا کرنا گناہ ہے ۱۲ ہزاروی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمَلٰئِکَۃُ تُصَلِّیْ عَلٰی اَحَدِکُمْ مَا دَامَ فِیْ مُصَلَّاہُ الَّذِیْ یُصَلِّیْ فِیْہِ تَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ مَا لَمْ یُحْدِثْ فِیْہِ اَوْ یَخْرُجْ مِنَ الْمَسْجِدِ۔

فرشتے تم میں سے ایک کے لیے رحمت کی دعا مانگتے ہیں جب تک وہ اپنی اس جائے نماز میں ہو جہاں وہ نماز پڑھ رہا ہے وہ کہتے ہیں یا اللہ تو اس پر اپنی رحمت نازل فرما اور اسے بخش دے (یہ دعا اسی وقت تک ہوتی ہے) جب تک وہ وہاں بے وضو نہ ہو جائے یا مسجد سے باہر نہ چلا جائے۔

(۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَاْتِیْ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یَاْتُوْنَ الْمَسَاجِدَ فَیَقْعُدُوْنَ فِیْھَا حِلَقًا حِلَقًا ذِکْرُھُمُ الدُّنْیَا وَحُبُّ الدُّنْیَا لَا تُجَالِسُوْھُمْ فَلَیْسَ لِلّٰہِ بِھِمْ حَاجَۃٌ (۳)

آخری زمانے میں میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں جو مساجد میں آکر حلقوں کی صورت میں بیٹھیں گے وہ دنیا کا ذکر کریں گے اور اسی سے محبت رکھیں گے تم ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھنا اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کی کوئی حاجت نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بعض کتب میں فرمایا ہے۔

اِنَّ بُیُوْتِیْ فِیْ اَرْضِی الْمَسَاجِدُ وَاَنَّ زُوَّارِیْ فِیْھَا عُمَّارُھَا فَطُوْبٰی لِعَبْدٍ تَطَھَّرَ فِیْ بَیْتِہٖ ثُمَّ زَارَنِیْ فِیْ بَیْتِیْ فَحَقٌّ عَلَی الْمَزُوْرِ اَنْ یُّکْرِمَ زَائِرَہٗ (۴)

بے شک میری زمین میں میرے گھر مسجدیں ہیں اور ان میں میری زیارت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو انہیں آباد کرتے ہیں پس اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو میرے گھر میں پاک ہو کر آیا پھر میرے گھر میں میری زیارت کی تو جس کی زیارت کی جائے اس کے ذمہ کرم پر لازم ہے کہ زیارت کرنے والے کو عزت عطا کرے۔

---

(۱) مستدرک للحاکم جلد اول ص ۲۴۶ کتاب الصلوٰۃ

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۹۰ باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ

(۳) مستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۲۳ کتاب الرقاق

(۴) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۰ ص ۱۹۹

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهٗ بِالْاِیْمَانِ۔ (۱)
جب تم کسی شخص کو مسجد میں آتا جاتا دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "جو شخص مسجد میں بیٹھتا ہے وہ اپنے رب کے پاس بیٹھتا ہے تو اسے اچھی بات کے علاوہ کہنے کا کوئی حق نہیں"۔ ایک روایت میں ہے (حدیث ہے یا کسی صحابی کا قول) کہ مسجد میں گفتگو نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح جانور گھاس کو کھا جاتے ہیں۔

حضرت امام نخعی فرماتے ہیں کہ اسلاف، اندھیری رات میں مسجد کی طرف جانے کو جنت میں جانے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جس شخص نے مسجد میں چراغ روشن کیا (یعنی روشنی کا انتظام کیا) تو جب تک اس سے مسجد میں روشنی رہتی ہے عام فرشتے اور عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کے لیے بخشش کی دعا مانگتے رہتے ہیں۔ ——

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب بندہ مر جاتا ہے تو زمین میں اس کی جائے نماز اور آسمان میں اس کے عمل کا ٹھکانہ اس (کی موت) پر روتے ہیں۔

پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ۔ (۲)
تو ان (قوم فرعون) پر آسمان و زمین نہیں روئے اور نہ ان کی انتظار کی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس پر زمین چالیس دن روتی ہے حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں جو شخص زمین کے کسی ٹکڑے پر نماز پڑھتا ہے تو وہ قیامت کے دن اس کی گواہی دے گا اور جس دن یہ مرتا ہے وہ اس پر روتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں زمین کے جس ٹکڑے پر نماز یا ذکر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے وہ اپنے اردگرد کی زمین پر فخر کرتا ہے اور سات زمینوں تک اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سبب خوش ہوتا ہے اور جب کوئی بندہ کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے تو اس کے لیے زمین کو آراستہ کر دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جس جگہ کوئی قوم اترتی ہے تو وہ جگہ ان لوگوں کے لیے رحمت کی دعا کرتی ہے یا ان پر لعنت بھیجتی ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۵۷ باب لزوم المساجد

(۲) قرآن مجید سورہ دخان آیت ۲۹

دوسرا باب

نماز کے ظاہری اعمال، تکبیر سے آغاز اور اس سے پہلے کے امور

جب نمازی وضو اور بدن، جگہ اور کپڑوں کی طہارت سے فارغ ہو جائے ناف سے گھٹنوں تک جسم کو ڈھانپ لے تو قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو جائے قدموں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھے ان کو آپس میں نہ ملائے رمناسب فاصلہ ہو جس طرح آج کل غیر مقلدین ٹانگوں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ رکھتے ہیں اس طرح کھڑا ہونا بہت مکروہ اور ناپسندیدہ انداز ہے ۱۲ ہزاروی) کیونکہ یہ عمل انسان کی سمجھ داری پر دلالت کرتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ایک پاؤں اٹھانے یا دونوں کو ملا کر رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (۱)

لفظ صفن اور صفد استعمال فرمایا صفد کا معنی قدموں کو ملانا اور صفن کا معنیٰ ایک قدم کو اٹھانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (۲) بیڑیوں میں ایک دوسرے سے بندھے ہوں گے

اور ارشاد فرمایا:

اَلصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۔ (۳) تیز رفتار گھوڑے۔

تو اس کے بارے میں ہے جو کھڑا ہوتے وقت اپنے پاؤں کے بارے میں اس بات کا خیال رکھتا ہے گھٹنوں اور کمر کو سیدھا کھڑا کرتے سر کو سیدھا کھڑا رکھے اور اگر چاہے تو جھکا دے بلکہ جھکانا خشوع کے زیادہ قریب ہے۔ اور آنکھوں کو زیادہ پست کرنے والا ہو لیکن اس کی نگاہ صرف اس مصلی پر رہے جس پر نماز پڑھ رہا ہے اگر مصلیٰ نہ ہو تو دیوار کے قریب کھڑا ہو یا کوئی لکیر کھینچ دے اس سے نگاہ آگے نہیں بڑھے گی اور سوچ میں انتشار پیدا نہیں ہوگا آنکھوں کو مصلیٰ کے کناروں اور لکیر کی حدود سے متجاوز نہ ہونے دے رکوع تک اسی طرح کھڑا رہے اور ادھر ادھر توجہ نہ کرے یہ قیام کا ادب ہے۔

ہاتھ اٹھانے کا طریقہ:

---

(۱) النہایہ لابن اثیر جلد ۳ ص ۳۵ و ۳۹ تحت لفظ صفد، صفن۔

(۲) قرآن مجید سورۂ ابراہیم آیت ۴۹

(۳) قرآن مجید سورۂ ص آیت ۳۱

جب اس طریقے پر کھڑا ہو جائے اور قبلہ رُخ ہو کر سر کو جھکالے اور شیطان سے محفوظ رہنے کے لیے تمام لوگوں کے رب کی پناہ طلب کرے (قل اعوذ برب الناس پڑھے) پھر اقامت کہے اور اگر کسی مقتدی کے آنے کی امید ہو تو پہلے اذان بھی کہے، اب نیت کرے اور وہ اس طرح ہے مثلاً ظہر کی نیت کرتے ہوئے دل میں کہے میں ظہر کی نماز اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کرتا ہوں۔ تاکہ لفظ ادا کے ذریعے قضاء سے، فریضہ کے ذریعے نفل سے، ظہر کے ذریعے عصر وغیرہ سے یہ نماز ممتاز ہو جائے۔ ان الفاظ کے معانی اس کے دل میں حاضر ہوں یہی نیت ہے۔ الفاظ تو یاد دلانے والے اور ان معانی کے ظہور کے اسباب ہیں تکبیر کے آخر تک اس نیت کو باقی رکھنے کی کوشش کرے تاکہ غائب نہ ہو جائے جب یہ بات اس کے دل میں حاضر ہو جائے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھائے۔ (۱)

اس سے پہلے وہ لٹکے ہوئے ہوں ہاتھوں کو اس قدر اٹھائے کہ ہتھیلیوں کو کاندھوں کے برابر کر دے اور انگوٹھوں کو کانوں کی نرم جگہ تک اور انگلیوں کے کناروں کو کانوں کے آخر تک لے جائے۔ تاکہ اس سلسلے میں وارد تمام احادیث پر عمل ہو جائے (غیر مقلدین وہابیوں کی طرح صرف کاندھوں تک نہ اٹھائے یہ طریقہ عورتوں کے لیے ہے ۱۲ ہزاروی) ہتھیلیاں اور انگوٹھے قبلہ رُخ ہوں اور انگلیوں کو کھلا رکھے بند نہ کرے البتہ کھلا رکھنے پابند کرنے میں تکلیف نہ کرے بلکہ ان کو فطری طریقے پر چھوڑ دے کیونکہ احادیث میں کھلا چھوڑنا اور ملانا دونوں طریقے آئے ہیں اور یہ درمیانہ طریقہ زیادہ بہتر ہے۔

تکبیر تحریمہ

جب دونوں ہاتھ اپنی جگہ پر پہنچ جائیں تو ان کو نیچے چھوڑتے ہوئے اور نیت حاضر رکھتے ہوئے تکبیر کہے پھر دونوں ہاتھوں کو ناف سے (ذرا) اوپر اور سینے سے نیچے رکھے (۲)

دائیں ہاتھ کے اعزاز کے پیش نظر اسے بائیں ہاتھ کے اوپر اس طرح رکھے کہ وہ اٹھا ہوا ہو دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کھلی رکھتے ہوئے بازو کی لمبائی پر پھیلا دے جب کہ انگوٹھے اور چھوٹی انگلی نیز اس کے ساتھ والی انگلی کے ساتھ بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑے۔

ایک روایت میں ہے،

أَنَّ التَّكْبِيْرَ مَعَ رَفْعِ الْيَدَيْنِ وَمَعَ اسْتِقْرَارِهِمَا وَمَعَ الْإِرْسَالِ (۳)

تکبیر ہاتھوں کو اٹھانے ان کے ٹھہرنے اور چھوڑنے کے ساتھ ہے۔

اور کسی طریقے میں حرج نہیں لیکن ہاتھوں کو (کانوں کے ساتھ لگانے کے بعد) چھوڑتے وقت تکبیر کہنا زیادہ مناسب ہے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الاذان جلد اوّل ص ۱۰۲

(۲) حدیث شریف میں ہاتھوں کو ناف سے نیچے باندھنے کا ذکر ہے دیکھئے سنن ابی داؤد

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۰۲ کتاب الاذان صحیح مسلم جلد اوّل ص ۱۶۸، سنن ابی داؤد جلد اول، ص ۱۱۴

کیونکہ کلمہ "عقد" ہے اور ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھنا بھی عقد کی صورت میں ہوتا ہے جس کی ابتداء چھوڑنا اور انتہا رکھنا ہے۔ تکبیر کی ابتدار الف اور انتہاء راء پر ہوتی ہے تو فعل اور عقد میں مطابقت کی رعایت مناسب ہے ہاتھوں کو اٹھانا اس آغاز کے لیے مقدمہ کے طور پر ہے یہ بھی مناسب نہیں کہ ہاتھوں کو اٹھاتے وقت آگے یا کاندھوں کے پیچھے کی طرف لے جائے تکبیر سے فراغت کے بعد دائیں بائیں جھاڑنا بھی نہیں چاہیئے بلکہ نہایت آہستگی کے ساتھ ان کو چھوڑ دے اور دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ لے، بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو ہاتھ چھوڑ دیتے اور جب قرأت کرنا چاہتے تو دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ دیتے (۱)

اگر یہ حدیث صحیح ہو تو ہمارے بیان کردہ طریقے سے اولیٰ ہے، تکبیر کہتے ہوئے اسم جلالت "اللہ" کو "اکبر" کے الف سے کچھ ملایا جائے الف اور ہاء کے درمیان واؤ کی آواز پیدا نہ ہو۔ اور یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ان دونوں حرفوں کو مبالغہ کے ساتھ ملایا جاتا ہے لفظ اکبر کی باء اور راء کے درمیان بھی الف نہیں ہونا چاہیئے گویا وہ "اکبار" پڑھ رہا ہے اللہ اکبر کی راء کو جزم کے ساتھ پڑھے پیش کے ساتھ "اکبرُ" نہ پڑھے یہ تکبیر وغیرہ کا طریقہ ہے۔

قرأت :

اس کے بعد ثناء پڑھے (نفل نماز ہو تو) اچھا ہے کہ اللہ اکبر کے بعد یوں پڑھے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا۔ اور	اللہ سب سے بڑا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے بے شمار حمد ہے اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں
اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (۲)	میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا خالص اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

پھر یوں پڑھے۔

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَجَلَّ ثَنَاءُکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ (۳)	اے اللہ ہم تیری تعریف کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں تیرا نام برکت والا ہے، تیری شان بلند اور تیری ثناء برتر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

ان الفاظ کو پڑھنے سے وہ اس سلسلے میں وارد متفرق احادیث کو جمع کرنے والا ہو گا۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۰۲ باب رفع الیدین فی الصلوٰۃ
(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۱۰، ۱۱۱ کتاب الصلوٰۃ
(۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۱۳ کتاب الصلوٰۃ

اگر امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو اور قراءت سے زیادہ دیر نہ رکے تو اسی ثناء پر اکتفا کرے۔ پھر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھے اور پھر سورۃ فاتحہ پڑھے جس کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کرے۔ (اگر امام کے پیچھے ہو تو قراءت اعوذ باللہ اور بسم اللہ نہ پڑھے ۱۲ ہزاروی) سورۂ فاتحہ میں حروف اور شدّوں کو پورا کرے اور ضاد اور ظاء کے درمیان فرق کی کوشش کرے[1]

سورۂ فاتحہ کے آخر میں آمین کہے اور اچھی طرح مد سے پڑھے آمین کو ولا الضالین کے ساتھ پوری طرح ملا نہ دے صبح، مغرب اور عشاء کی نماز میں بلند آواز سے قراءت کرے اگر مقتدی نہ ہو (یاد رہے احناف کے نزدیک مقتدی قراءت نہیں کرتا کیوں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کی قراءت ہی اس کی قراءت ہے ۱۲ ہزاروی) پھر بلند آواز سے آمین کہے (یہ بھی امام غزالی رحمہ اللہ کا مسلک ہے احناف کے نزدیک آہستہ آمین کہنی چاہیئے جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے ۱۲ ہزاروی) پھر کوئی سورت یا تین آیات یا اس سے زائد قرآن پاک سے پڑھے سورت کے آخر کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ نہ ملائے بلکہ سبحان اللہ کی مقدار وقفہ کرے صبح کی نماز میں طوال مفصل (سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک) مغرب میں قصار (لم یکن الذین سے آخر قرآن تک) اور ظہر، عصر اور عشاء میں والسماء ذات البروج یا اس جیسی سورتیں پڑھے۔

(احناف کے نزدیک صبح اور ظہر میں طوال مفصل، عصر اور عشاء میں اوساط مفصل سورۃ بروج سے لم یکن الذین تک اور مغرب میں قصار مفصل میں سے پڑھنا مستحب ہے ۱۲ ہزاروی)

سفر میں (جب وقت کم ہو تو) قل یا ایہا الکفرون اور قل ہو اللہ احد پڑھے اسی طرح صبح کی سنتوں، طواف کی نماز اور تحیۃ المسجد (اور تحیۃ الوضو) میں بھی یہی سورتیں پڑھے اس تمام وقت میں وہ کھڑا رہے اور ہاتھوں کو اسی طرح رکھے جس طرح ہم نے نماز کے آغاز میں بیان کیا۔

رکوع اور اس کے متعلقات

پھر رکوع کرے اور اس میں کچھ امور کا خیال رکھے وہ امور یہ ہیں رکوع کے لیے تکبیر کہے اور رکوع کی تکبیر کے ساتھ ہاتھوں کو بلند کرے۔

(نوٹ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں رکوع کے وقت رفع یدین سے منع فرما دیا تھا لہذا حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف تکبیر تحریمہ یا دعائے قنوت کی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائیں گے رکوع میں جاتے یا اٹھتے وقت ہاتھ نہیں اٹھائے ۱۲ ہزاروی۔

تکبیر کو رکوع میں پہنچنے تک کھینچ کر کہے رکوع میں اپنی ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر یوں رکھے کہ انگلیاں کھلی ہوں اور پنڈلی کی لمبائی پر قبلہ رخ ہوں گھٹنوں کو کھڑا کرے اور ٹھہرا نہ کرے پیٹھ کو سیدھا کرتے ہوئے کھینچ کر رکھے گردن اور سر دونوں پیٹھ

---

(۱) ضاد کو ظاء پڑھنا ناجائز ہے اور معنیٰ بدلنے کی وجہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے لہذا کوشش کی جائے کہ اسے اپنے مخرج سے ادا کیا جائے ۱۲ ہزاروی۔

کے ساتھ اس طرح برابر ہوں جیسے ایک سطح ہوتی ہے سر نہ تو زیادہ جھکا ہوا ہو اور نہ زیادہ بلند ہو کہنیوں کو پہلوؤں سے جدا رکھے البتہ عورت اپنی کہنیوں کو پہلوؤں سے ملا کر رکھے اور تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم" (میرا رب پاک ہے عظمت والا ہے) کہے سات یا دس مرتبہ تک کہنا اچھا ہے بشرطیکہ امام نہ ہو پھر رکوع سے قیام کی طرف اٹھے اور ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے "سمع اللہ لمن حمدہ" (اللہ تعالیٰ اس کی بات سن لی جس نے اس کی تعریف کی) کہے (احناف کے نزدیک رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ نہیں اٹھائیں گے ۱۲ ہزاروی) اطمینان کے ساتھ کھڑا ہو کر یہ کلمات پڑھے۔

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ — اے ہمارے رب! تیرے لیے تعریف ہے آسمان اور زمین

وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ۔ — بھری ہوئی اور اس کے بعد جو کچھ تو چاہے بھرا ہوا،

(نوٹ: یہ کلمات نوافل وغیرہ میں پڑھے فرائض اور سنتوں میں صرف "ربنا لک الحمد" کہے ۱۲ ہزاروی)

اور رکوع کے بعد صلوٰۃ تسبیح، نماز کسوف اور صبح کے علاوہ کسی نماز میں زیادہ دیر تک کھڑا نہ ہو اور صبح کی دوسری رکعت میں سجدے سے پہلے احادیث میں منقول الفاظ کے ساتھ قنوت پڑھے (دعا مانگے۔)

(نوٹ) حنفی فقہ کے مطابق دعائے قنوت صرف وتر نماز میں ہے حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھی لیکن بعد میں منع کر دیا گیا۔ ۱۲ ہزاروی)

سجدہ:-

پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدے کے لیے جائے گھٹنوں کو زمین پر رکھے نیز پیشانی اور ناک کو بھی رکھے انگلیوں کو یوں رکھے کہ وہ کھلی ہوئی ہوں، سجدے کے لیے نیچے جاتے ہوئے بھی تکبیر کہے لیکن رکوع کے علاوہ ہاتھ نہ اٹھائے (وضاحت ہو چکی ہے) زمین پر سب سے پہلے گھٹنے لگانا مناسب ہے اس کے بعد ہاتھوں کو اور پھر چہرے (پیشانی) کو رکھے پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر رکھے اور کہنیوں کو پہلوؤں سے جدا رکھے۔ لیکن عورت ایسا نہ کرے دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ رکھے لیکن عورت ایسا نہ کرے سجدے میں پیٹ رانوں سے الگ ہو اور دونوں گھٹنوں کے درمیان فاصلہ ہو لیکن عورت اس طرح نہ کرے ہاتھوں کو کاندھوں کے مقابل رکھے انگلیوں کے درمیان کشادگی نہ رکھے بلکہ ان کو ملائے اور انگوٹھے کو بھی ساتھ ملائے اور اگر نہ ملا سکے تو کوئی حرج نہیں بازوؤں کو زمین پر کتے کی طرح نہ بچھائے اس سے منع کیا گیا ہے (۱) سجدے میں) تین بار سبحان ربی الاعلیٰ (میں اپنے بلند و بالا رب کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں) پڑھے زیادہ بار پڑھنا اچھا ہے بشرطیکہ امام نہ ہو۔

پھر سجدے سے اٹھتے ہوئے مطمئن ہو کر اعتدال کے ساتھ بیٹھ جائے سر اٹھاتے وقت تکبیر کہے بائیں پاؤں (کو) بچھاتے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۴۱ مرویات حضرت انس رضی اللہ عنہ

ہوئے اسں) پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے ہاتھوں کو رانوں پر رکھے انگلیاں کھلی ہوں لیکن ملانے یا کھلی رکھنے میں تکلیف نہ کرے اور (اپنی حالت پر چھوڑے اور اگر نفل پڑھ رہا ہو تو) یوں کہے ۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَعَافِنِيْ وَاعْفُ عَنِّيْ ۔

اے میرے رب مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما مجھے رزق عطا کر مجھے ہدایت دے میری پریشانی کو دور کر دے مجھے عافیت عطا کر اور معاف کر دے ۔

ٹ ٹ ٹ

صلوٰۃ تسبیح کے علاوہ اس جلسہ کو طویل نہ کرے دوسرا سجدہ بھی اسی طرح کرے اور اس کے بعد سیدھا ہو کر تھوڑی دیر استراحت کے لیے بیٹھے ایسا ہر ایسی رکعت میں کرے جس میں تشہد نہیں (احناف کے نزدیک جلسۂ استراحت جائز نہیں کیوں کہ پہلی اور تیسری رکعت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قدموں کے اگلے حصے پر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے دیکھئے جامع ترمذی باب کیف النہوض من السجود جلد اول ۲۰۲ اردو فرید بک سٹال لاہور ۱۲ ہزاروی) پھر زمین پر ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھے اور اٹھتے وقت کسی ایک پاؤں کو آگے کی طرف نہ بڑھائے (۱)

اور تکبیر کہتے ہوئے مد کرے تاکہ بیٹھنے کی حالت سے اٹھنے اور قیام دونوں کے درمیان ہو جائے یعنی بیٹھے ہوئے اسم جلالت (اللہ) کی ہا کھڑا ہونے کے لیے ہاتھ کے سہارے کے وقت لفظ اکبر کا کاف اور اٹھتے ہوئے ۔ درمیان میں پہنچتے وقت لفظ را استعمال ہو ۔ اٹھنے کے وسط میں تکبیر شروع کرے تاکہ قیام کی طرف انتقال کے درمیان میں تکبیر واقع ہو ۔ اور صرف دونوں کنارے اس سے خالی ہوں عموم کے زیادہ قریب یہی صورت ہے اب دوسری رکعت کو پہلی کی طرح پڑھے اور ابتدا کی طرح یہاں بھی اعوذ باللہ سے شروع کرے (احناف کے نزدیک بسم اللہ سے شروع کرے گا ۱۲ ہزاروی)

تشہد :

دوسری رکعت کے بعد پہلا تشہد (پہلی مرتبہ کا تشہد) پڑھے پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے (یاد رہے حنفی فقہ کے مطابق پہلے قعدہ میں درود شریف پڑھنا جائز نہیں البتہ سنت غیر مؤکدہ اور نوافل میں پڑھیں گے ۱۲ ہزاروی) اور (اشارہ کرتے وقت) دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بند کر کے صرف انگشت شہادت سے اشارہ کرے انگوٹھے کو کھلا چھوڑنے میں بھی کوئی حرج نہیں شہادت کی انگلی سے الا اللہ کے وقت اشارہ کرے لا الہ کے وقت نہیں (مطلب یہ ہے کہ لا الہ پر انگلی کو کھڑا

---

(۱) جن ائمہ کرام نے جلسہ استراحت یا ہاتھ کی ٹیک سے اٹھنے کا قول کیا ہے انہوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے وقت کے عمل سے استدلال کیا جب آپ نے کمزوری کی وجہ سے ایسا کیا آپ کا معمول نہ تھا لہٰذا سجدے سے سیدھا کھڑا ہونا چاہیئے اور ہاتھ زمین پر نہ لگائے جائیں ۱۲ ہزاروی ۔

کرے اور الا اللہ پر چھوڑ دے) اس تشہد میں بائیں پاؤں پر بیٹھے جیسے دو سجدوں کے درمیان بیٹھتے ہیں اور آخری تشہد میں درود شریف (اور اس) کے بعد وہ دعا پڑھے جو روایات سے ثابت ہے (۱)

اس میں وہی امور سنت ہیں جو پہلے تشہد میں ہیں (البتہ پہلے مقدمے میں درود شریف اور دعا نہیں ماسوائے نفل اور سنت غیر مؤکدہ کے) لیکن وہ دوسرے مقدے میں بائیں سرین پر بیٹھے کیونکہ اب وہ اٹھنے کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ وہ قرار پکڑنے والا ہے اور بائیں پاؤں کو بچھاتے ہوئے اس (سرین) کے نیچے سے نکال دے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے انگوٹھے کے کنارے کو قبلہ رخ کرے اگر دقت پیش نہ آئے۔

(احناف کے نزدیک دونوں قعدوں میں بیٹھنے کا طریقہ ایک جیسا ہے ۱۲ ہزاروی) پھر (آخر میں) السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے دائیں طرف اس طرف رخ پھیرے کہ اس کی دائیں طرف جو شخص پیچھے بیٹھا ہوا ہے وہ اس کے رخسار کو دیکھ سکے بائیں طرف بھی اسی طرح متوجہ ہو کر دوسرا سلام پھیرے اور اسلام کے ساتھ نماز سے باہر آنے کا ارادہ کرے پہلے سلام میں دائیں طرف کے فرشتوں اور مسلمانوں کا ارادہ کرے اور دوسری طرف بھی یہی نیت کرے لفظ سلام میں تخفیف کرے زیادہ نہ کھینچے۔ یہی سنت طریقہ ہے (۲)

یہ (جو کچھ بیان ہوا) اکیلے آدمی کی نماز کا طریقہ ہے، وہ تکبیروں میں آواز کو صرف اسی قدر بلند کرے کہ خود سن سکے۔ امام، امامت کی نیت بھی کرے تاکہ فضیلت حاصل ہو اگر نیت نہ بھی کرے تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہو جائے گی جب کہ وہ اقتداء کی نیت کریں۔ اور وہ جماعت کی فضیلت حاصل کریں گے۔ تنہا آدمی کی طرح امام بھی ثناء اور اعوذ باللہ (اور بسم اللہ) آہستہ پڑھے پھر صبح کی دونوں رکعتوں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت بلند آواز سے پڑھے، تنہا بھی اس طرح کر سکتا ہے (لیکن اس پر بلند آواز سے پڑھنا واجب نہیں) جہری نمازوں میں آمین بلند آواز سے کہے (احناف کے نزدیک تمام نمازوں میں آمین آہستہ آواز سے کہے ۱۲ ہزاروی) اسی طرح مقتدی بھی (آمین کہے) مقتدی امام کی آمین کے ساتھ ملا کر کہے اس کے بعد نہ کہے۔ امام سورۂ فاتحہ کے بعد معمولی سا توقف کرے تاکہ اس کا سانس لوٹ آئے اور مقتدی جہری نمازوں میں اس وقفہ کے دوران سورۂ فاتحہ پڑھے تاکہ قرأت کے وقت امام سے سننا ممکن ہو اور مقتدی جہری نمازوں میں سورت نہ پڑھے مگر جب امام کی آواز نہ سنتا ہو۔

(ف: فقہ حنفی کے مطابق مقتدی امام کے پیچھے بالکل قرأت نہیں کرے گا نہ سورۂ فاتحہ کی اور نہ کسی دوسری سورت کی، کیونکہ حضور علیہ وسلام کے ارشاد گرامی کے مطابق امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت بھی ہے ۱۲ ہزاروی)

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۱۷، باب استحباب التعوذ

(۲) جامع ترمذی جلد اول ص ۳۹ باب ما جاء ان حذف السلام سنۃ

رکوع سے سر اُٹھاتے وقت امام اور مقتدی دونوں سمع اللہ لمن حمدہ کہیں (احناف کے نزدیک امام سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے گا ہزاروی)، امام رکوع اور سجدے کی تسبیحات تین تین بار سے زیادہ نہ پڑھے، اور پہلی تشہد میں اللہم صل علی محمد و علی آل محمد کے بعد کچھ نہ پڑھے (حنفی فقہ کے مطابق پہلے قعدے میں امام اور مقتدی دونوں صرف تشہد پڑھیں گے درود شریف اور دعا نہیں پڑھیں گے ۲) امام پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے نہ تو قوم کو زیادہ لمبی نماز پڑھائے اور نہ ہی دوسرے قعدے میں تشہد اور درود شریف کی مقدار سے زیادہ دعا مانگے۔ سلام پھیرتے وقت مقتدیوں اور فرشتوں پر سلام کی نیت کرے اور مقتدی اپنے سلام میں اس کے جواب کی نیت بھی کریں امام کچھ دیر توقف کرے یہاں تک کہ مقتدی سلام سے فارغ ہو جائیں۔ پھر وہ ان کی طرف رُخ کرے اور اگر مردوں کے پیچھے عورتیں بھی ہوں تو اتنی دیر ٹھہرے کہ وہ چلی جائیں۔ اور جب تک امام کھڑا نہ ہو کوئی مقتدی کھڑا نہ ہو امام جس طرف چاہے رُخ پھیر سکتا ہے دائیں طرف یا بائیں طرف لیکن دائیں طرف پھرنا زیادہ اچھا ہے صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے ہوئے (احناف کے نزدیک نہیں) امام دعا کے ساتھ اپنے آپ کو خاص نہ کرے بلکہ (سب کو شامل کرتے ہوئے کہے) اللہم اھدنا الخ۔ وہ بلند آواز سے دعا مانگے اور لوگ آمین کہیں، وہ اپنے ہاتھوں کو سینے کے مقابل تک اٹھائیں اور دعا کے اختتام پر ہاتھوں کو چہرے پر ملیں اس سلسلے میں حدیث منقول ہے ورنہ قیاس کا تقاضا ہے کہ تشہد کے بعد والی دعا کی طرح یہاں بھی ہاتھ نہ اُٹھائے۔

ممنوعات نماز:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں پاؤں کو ملا کر کھڑا ہونے نیز ایک پاؤں کو اٹھانے سے منع فرمایا اور ہم یہ بات ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے مندرجہ ذیل دس باتوں سے بھی منع فرمایا (۱)

۱۔ اقعاء:۔ اہل لغت کے نزدیک اقعاء یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی سرین پر بیٹھے گھٹنوں کو کھڑا کرے اور ہاتھ کو زمین پر رکھے جیسے کتا کرتا ہے اور محدثین کے نزدیک اقعاء یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی پنڈلیوں پر یوں بیٹھے کہ زمین پر پاؤں کی انگلیوں کے سرے اور زانو لگے ہوئے ہوں،

۲۔ سدل:۔ اس میں محدثین کا مذہب یہ ہے کہ اپنے اوپر کپڑا لپیٹ کر ہاتھوں کو اندر داخل کرے اور اسی طرح رکوع اور سجدہ کرے یہودی اپنی نماز میں اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس سے منع کیا گیا قمیص بھی اسی حکم میں ہے لہٰذا اس طرح رکوع اور سجدہ کرنا مناسب نہیں کہ ہاتھ قمیص کے اندر ہوں، بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ چادر کا درمیان والا حصہ سر پر رکھے اور اس کے دونوں کناروں کو دائیں بائیں لٹکا دے اور انہیں

---

(۱) حوالہ جات کے لیے دیکھیے سنن ابن ماجہ ص ۳۰۶ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۹۵، صحیح بخاری جلد اول ص ۱۱۳، صحیح مسلم جلد اول ۲۰۶، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۰۶، صحیح بخاری جلد اول ص ۱۱۳، سنن ابن ماجہ ص ۸۴ اور ص ۶۹۔

اپنے کاندھوں پر نہ کرے (اسی طرح گلے میں کوئی کپڑا لٹکانا بھی سدل ہے) پہلا معنیٰ زیادہ مناسب ہے۔

۳۔ کف (لپیٹنا): یعنی سجدے میں جاتے ہوئے آگے یا پیچھے سے کپڑا اٹھا لینا بعض اوقات سر کے بالوں کو بھی لپیٹا جاتا ہے تو اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے سر کے بال بندھے ہوئے ہوں یہ ممانعت مردوں کے لیے ہے حدیث شریف میں ہے۔

أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَىٰ سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ وَلَا أَكُفَّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا (۱)

مجھے سات اعضاء پر سجدے کا حکم دیا گیا نیز یہ کہ میں بالوں اور کپڑے کو نہ لپیٹوں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ نماز میں قمیص کے اوپر چادر باندھے وہ اسے کف (لپیٹنے) میں شمار کرتے ہیں۔

۴۔ اختصار: اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہاتھوں کو اپنے کولہوں پر رکھے۔

۵۔ صلب: قیام کی حالت میں ہاتھوں کو کولہوں پر رکھتے ہوئے بازوؤں کو جسم سے دور رکھنا۔

۶۔ مواصلت (ملانا): یہ پانچ طریقوں پر ہے دو کا تعلق امام کے ساتھ ہے یعنی وہ قرأت کو تکبیر تحریمہ کے ساتھ نہ ملائے، اور نہ ہی رکوع کو قرأت کے ساتھ ملائے دو کا تعلق مقتدی سے ہے ایک یہ کہ وہ تکبیر تحریمہ کو امام کی تکبیر کے ساتھ نہ ملائے اور اپنے سلام کو بھی اس کے سلام کے ساتھ نہ ملائے (یعنی اس کی تکبیر اور سلام کے بعد تکبیر و سلام کہے) ایک بات امام اور مقتدی دونوں کے درمیان ہے یعنی (امام ہو یا مقتدی) فرض نماز کے پہلے سلام کو دوسرے سلام کے ساتھ نہ ملائے۔

۷، ۸، ۹۔ حاقن: جسے پیشاب آیا ہوا ہو حاقب قضائے حاجت کی شدت ہو حاذق۔ تنگ موزے پہنے ہوئے ہو۔ یہ تمام باتیں خشوع کے منافی ہیں بھوک اور پیاس کی شدت کا بھی یہی حکم ہے۔ بھوک کی شدت میں نماز کی ممانعت اس حدیث سے مفہوم ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ (۲)

جب کھانا حاضر ہو اور نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو پہلے کھانا کھاؤ۔

البتہ اگر وقت تنگ ہو یا دل مطمئن ہو (بھوک کی شدت نہ ہو) تو پہلے نماز پڑھے حدیث شریف میں ہے۔

لَا يَدْخُلَنَّ أَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ وَهُوَ

جب تم میں سے حالت اضطراب میں ہو تو نماز شروع

---

(۱) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۱۹۳ باب اعضاء السجود۔

(۲) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۲۰۸ باب کراہۃ الصلوٰۃ بحضرۃ الطعام

مُقَطِّبٌ وَلَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدُكُمْ وَهُوَ غَضْبَانُ (۱) نہ کرے اور غصے کی حالت میں بھی نماز نہ پڑھے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "جس نماز میں دل حاضر نہ ہو اس کی سزا جلدی ملتی ہے"

اور حدیث شریف میں ہے :۔

سَبْعَةُ اَشْيَاءَ فِي الصَّلٰوةِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرُّعَافُ وَالنُّعَاسُ وَالْوَسْوَسَةُ وَالتَّثَاؤُبُ وَالْحِكَاكُ وَالْاِلْتِفَاتُ وَالْعَبَثُ بِالشَّيْءِ (۲)

نماز میں سات باتیں شیطان کی طرف سے ہیں، نکسیر، اونگھ، وسوسہ، جمائی کھجلی، ادھر اُدھر توجہ اور کسی چیز سے کھیلنا۔

بعض راویوں نے بھول اور شک کا بھی اضافہ کیا ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا نماز میں چار باتیں ظلم سے ہیں ادھر ادھر دیکھنا، چہرے پر ہاتھ پھیرنا، کنکریوں کو برابر کرنا ایسے راستے میں نماز پڑھنا جہاں سامنے سے کسی کے گزرنے کا خدشہ ہو، انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے سے بھی منع فرمایا انگلیوں کے چٹخارے لینا، یا چہرہ ڈھانپنا، یا رکوع میں ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھ کر رانوں کے درمیان داخل کرنا یہ بھی ممنوع ہے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں ہم ایسا کرتے تھے تو ہمیں اس سے روک دیا گیا۔ (۳)

سجدے کے وقت زمین کو صاف کرنے کے لیے پھونک مارنا بھی مکروہ ہے اسی طرح ہاتھ سے کنکریوں کو ٹھیک کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ ان کاموں کی ضرورت نہیں۔ ایک پاؤں کو اُٹھا کر ران پر نہ رکھے اور نہ قیام کی حالت میں دیوار سے ٹیک لگائے اور اگر اس طرح سہارا لیا کہ اگر دیوار کو کھینچ لیا جائے تو وہ گر جائے تو اس صورت میں زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ نماز باطل ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

سنن و فرائض کے درمیان امتیاز کرنا

یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یہ فرائض، سنتوں، مستحبات نماز پر مشتمل ہے اور جو شخص آخرت کے راستے پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہو اسے ان تمام کا خیال رکھنا چاہیے۔

فرائضِ نماز :

ان تمام میں سے بارہ باتیں فرض ہیں۔

(۱) نیت (۲) تکبیر تحریمہ (۳) قیام (۴) فاتحہ (۵) رکوع میں اتنا جھکنا کہ ہتھیلیاں گھٹنوں تک پہنچ جائیں (۶) اطمینان سے رکوع

---

(۱) قوت القلوب جلد ۲ ص ۹۷ کتاب الصلوٰۃ

(۲) 〃 〃 〃 〃 〃

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۲، سنن ابن ماجہ ص ۶۹ اور صحیح بخاری جلد اول ص ۱۰۹

(۷) رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا (۸) اطمینان سے سجدہ کرنا، ہاتھوں کا رکھنا واجب نہیں۔ (۹) سجدے کے بعد اطمینان سے اٹھ جانا (۱۰)، آخری قعدہ (۱۱) آخری قعدہ میں تشہد اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہ درود شریف پڑھنا (۱۲) پہلا سلام۔ (۱)
نماز سے باہر آنے اس علاوہ جو باتیں ہیں وہ سنت اور مستحب ہیں۔

نماز کی سنتیں:

فعلی سنتیں چار ہیں تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا، رکوع کے لیے جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھانا احناف کے نزدیک صرف تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا ممنوع ہے ۱۲ ہزاروی) پہلی بار تشہد کے لیے بیٹھنا اور یہ پہلا قعدہ ہے اور احناف کے نزدیک واجب ہے ۱۲ ہزاروی) اور جو کچھ ہم نے انگلیوں کو کھلا رکھنے اور ان کو اٹھانے کی حد کے ضمن میں ذکر کیا ہے یہ مستحب ہے اور سنت کے تابع ہے (عورت کا) زمین پہ پاؤں کو بچھانا اور سرین پہ بیٹھنا یہ مستحبات ہیں جو جلسہ کے تابع ہیں سر کو جھکانا اور اِدھر اُدھر نہ دیکھنا قیام کے مستحبات ہیں اور اچھی طرح کھڑا ہونا ہے جلسہ استراحت کو ہم بنیادی سنتوں میں شمار نہیں کرتے کیونکہ یہ سجدے سے قیام کی طرف اٹھنے کی صورت میں حسن پیدا کرنے کی طرح ہے کیونکہ یہ ذاتی طور پر مقصود نہیں۔ اسی لیے اس کا الگ ذکر نہیں کیا گیا۔

قولی سنتیں ثناء ہے اعوذ باللہ پڑھنا (بسم اللہ پڑھنا) آمین کہنا یہ سنت مؤکدہ ہے پھر سورت کا پڑھنا (یہ واجب ہے) پھر اوپر نیچے جانے کی تکبیریں رکوع اور سجدے کی تسبیحات، رکوع اور سجدے سے سیدھا اٹھ جانا پھر پہلا تشہد (احناف کے نزدیک واجب ہے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا آخری قعدہ میں دعا مانگنا اور دوسرا سلام، ان تمام باتوں کو اگرچہ ہم نے سنت کے نام سے اکٹھا کیا ہے لیکن ان کے درجات مختلف ہیں کیونکہ ان میں سے چار کا نقصان سجدہ سہو سے پورا ہوتا ہے (یعنی واجب ہیں لیکن احناف کے نزدیک صرف دو باتیں یعنی سورت کے ملانے اور پہلے تشہد کے چھوڑنے سے سجدہ لازم آتا ہے ۱۲ ہزاروی) افعال میں سے صرف ایک یعنی پہلے قعدہ کے چھوڑنے سے سجدہ سہو لازم آتا ہے کیونکہ یہ قعدہ ناظرین کے لیے ترتیب نماز میں مؤثر ہے حتی کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چار رکعتیں ہیں یا نہیں؟ بخلاف ہاتھ اٹھانے کے کیوں کہ وہ نماز کی ترتیب پر اثر انداز نہیں ہوتا اسی لیے اسے جزء سے تعبیر کیا گیا اور کہا گیا ہے کہ ان میں سے چار یا بعض ہیں ان کا نقصان بھی سجدہ سہو سے پورا کیا جاتا ہے۔

اذکار میں سے صرف تین، سجدہ سہو کا تقاضا کرتے ہیں دعائے قنوت پہلا تشہد اور اس میں درود شریف ترک کر دینا

---

(۱) احناف کے نزدیک نماز کے فرائض یہ ہیں۔
نیت، تکبیر تحریمہ، قرأت (مطلقاً) رکوع، سجدہ، آخری قعدہ، اپنے کسی عمل کے ساتھ نماز سے باہر آنا۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے واجب اور فرض کو اکٹھا کر دیا ہے۔

(احناف کے نزدیک پہلے قعدے ہی درود شریف پڑھنے سے سجدہ سہو لازم آئے گا۔ ۱۲ ہزاروی) بخلاف انتقالی تکبیرات رکوع سجود کی تسبیحات اور رکوع و سجود سے سیدھا اُٹھنے کے، کیونکہ رکوع اور سجدہ کی صورت عام عادت کے خلاف ہے اور ان میں ذکر سے خاموشی یا انتقالی تکبیرات کو چھوڑ دینے سے بھی عبادت کا معنیٰ حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا ان اذکار نہ ہونے سے عبادت کی صورت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

جہاں تک پہلے قعدے کا تعلق ہے تو وہ ایک عادت ہے (یعنی عام طور پر آدمی اس طرح بیٹھتا ہے) لہٰذا تشہد کے لیے اس کا اضافہ کیا گیا۔ اس لیے اسے چھوڑنا مؤثر ہے ثنا اور سورت کا ترک نماز کی تبدیلی میں مؤثر نہیں جب کہ قیام کی حالت میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور وہ عبادت کو عادت سے ممتاز کر دیتی ہے، اسی طرح آخری قعدہ میں دعا اور قنوت کے نقصان کو بھی سجدہ سہو سے پورا کرنے کی ضرورت نہیں لیکن فجر کی نماز میں قنوت کے لیے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا مشروع ہے تو یہ جلسۂ استراحت کے بڑھانے کی طرح ہے کیونکہ یہ تشہد کے ساتھ بڑھانے کے ذریعے تشہد کے لیے قعدہ قرار پایا تو اسی طرح یہ قیام ہے جسے بڑھایا گیا اور عادتاً بھی ایسا ہوتا ہے لیکن اس میں ذکر واجب نہیں۔ بڑھانے کی قید سے صبح کے علاوہ نمازوں کے قیام کو خارج کر دیا اور اسے ذکر واجب سے خالی قرار دے کر نماز میں عام قیام سے الگ کر دیا۔

سوال :۔

اگر تم کہو کہ فرائض سے سنتوں کو الگ کرنا سمجھ میں آتا ہے کیونکہ فرض کے رہ جانے سے نماز نہیں ہوتی لیکن سنت کے فوت ہونے سے نماز ہو جاتی ہے اور فرض کو چھوڑنے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے سنت کے ترک کی وجہ سے نہیں، لیکن سنت کو سنت سے الگ کرنے کا کیا مطلب ہے حالانکہ ان تمام (سنتوں) کا بطور استحباب حکم دیا گیا ہے لہٰذا ان سب کے چھوڑنے پر بھی عذاب نہیں البتہ ان کے کرنے پر ثواب ہوتا ہے۔

جواب :

تو جان لو کہ ثواب و عذاب اور استحباب میں ان دونوں قسم کی سنتوں کا اشتراک ان کے درمیان تفاوت کو ختم نہیں کرتا ہم اسے ایک مثال کے ذریعے آپ کے سامنے واضح کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ انسان باطنی معنی اور ظاہری اعضاء کے بغیر کامل موجود انسانی نہیں ہوتا باطنی معنیٰ، حیات اور روح ہے اور ظاہر میں اعضاء کے جسم ہیں پھر ان میں سے بعض اعضاء کے باقی نہ رہنے سے انسان بھی معدوم ہو جاتا ہے جیسے دل، جگر، دماغ اور ہر وہ عضو جس کے فوت ہونے سے زندگی ختم ہو جاتی ہے اور بعض اعضاء کے باقی نہ رہنے سے زندگی ختم نہیں ہوتی لیکن زندگی کے مقاصد فوت ہو جاتے ہیں مثلاً آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور زبان ـــــ اور بعض اعضاء کے ختم ہو جانے سے نہ زندگی ختم ہوتی ہے اور نہ مقاصد حیات بلکہ اس سے حسن میں فرق پڑتا ہے جیسے ابرو، داڑھی، پلکیں اور اچھا رنگ ـــــ اور بعض سے حسن و جمال ختم نہیں ہوتا لیکن حسن کامل نہیں رہتا جیسے ابروؤں کا ٹیڑھا ہونا داڑھی اور پلکوں کے بالوں کی سیاہی، اعضاء کی خلقت میں تناسب اور رنگ میں سرخی اور سفیدی

کا امتزاج ــــ تو یہ مختلف درجات ہیں اسی طرح عبادت بھی ایک صورت و شکل ہے جو شریعت نے متعین کی ہے۔ اور ہم اس کے ذریعے تعمیل حکم خداوندی کرتے ہیں۔ اس کی رُوح اور باطنی زندگی خشوع، نیت، دل کی حاضری اور اخلاص ہے جیسا آگے آئے گا، اس وقت ظاہری اجزاء کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں تو رکوع، سجدہ، قیام اور تمام ارکانِ نماز، دل، سر اور جگر کی طرح ہیں کیونکہ ان کے فوت ہونے سے نماز کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور جن سنتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی ہاتھوں کو اٹھانا، ثناء پڑھنا، تشہد اول یہ ہاتھوں آنکھوں اور پاؤں کی طرح ہیں ان کے فوت ہونے سے نماز کی صحت ختم نہیں ہوتی (تشہد اوّل بھی احناف کے نزدیک واجب ہے) جیسے ان اعضاء کے ختم ہو جانے سے زندگی ختم نہیں ہوتی لیکن ان کے فوت ہو جانے سے انسان بدنما ہو جاتا ہے اور اس میں رغبت نہیں رہتی۔ اسی طرح جو آدمی نماز میں کم از کم بات پر اکتفا کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جو کسی بادشاہ کی خدمت میں ایک زندہ غلام تحفہ کے طور پر پیش کرے لیکن اس کے اعضا کٹے ہوئے ہوں۔

جہاں تک مستحبات کا تعلق ہے تو وہ سنتوں کے علاوہ ہیں اور اسبابِ حُسن مثلاً ابروؤں داڑھی، پلکوں اور اچھے رنگ کی طرح ہیں۔ نماز کی سنتوں میں جواذ کار ہیں وہ حُسنِ صلوٰۃ کی تکمیل کا باعث ہیں جیسے پلکوں کا گول ہونا اور داڑھی کی گولائی وغیرہ۔

پس نماز تیرے پاس اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے اور ایسا تحفہ ہے جس کے سبب تو تمام بادشاہوں کے بادشاہ کی بارگاہ میں قرب حاصل کرتا ہے جیسے کوئی شخص جو بادشاہوں کا قرب حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے وہ ان کی خدمت میں کوئی غلام پیش کرتا ہے اور یہ تحفہ (نماز) تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے پھر بہت بڑی پیشی کے دن تیری طرف لوٹا دیا جائے گا اب تجھے اختیار ہے اس کو اچھی شکل میں پیش کرے یا بُری شکل میں۔ اگر تو اچھی صورت میں پیش کرے گا تو تیرا فائدہ ہوگا اور بُری صورت میں ہوگا تو تیرا ہی نقصان ہوگا۔ تیرے لئے مناسب نہیں کہ تو فقہ سے صرف اتنا حصہ حاصل کرے کہ تیرے لیے سنت اور فرض کے درمیان امتیاز قائم ہو جائے اور سنت کے اوصاف میں سے تو صرف اتنی بات سمجھے کہ اس کا چھوڑنا جائز ہے چنانچہ تو اسے چھوڑ دے یہ تو طبیب کے اس قول کے مشابہ ہوگا کہ آنکھ پھوڑ دینے سے آدمی کا وجود باطل نہیں ہوتا لیکن وہ اس بات سے خارج ہو جاتا ہے کہ اگر اسے کسی بادشاہ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا جائے تو وہ اسے قبول کرے گا تو اسی طرح سنن و مستحبات کے مراتب کو بھی سمجھنا چاہیئے انسان جس نماز کا رکوع اور سجدہ مکمل نہیں کرتا وہی نماز اس سے جھگڑا کرے گی اور کہے گی اللہ تعالیٰ تجھے ضائع کرے جیسے تُو نے مجھے ضائع کیا۔

پس تم ان روایات کا مطالعہ کرو جو ہم نے ارکان نماز کو مکمل کرنے کے سلسلے میں ذکر کی ہیں تاکہ تمہارے لیے ان کی وقعت ظاہر ہو جائے۔

ــــ ٥ ــــ

تیسرا باب

نماز کی باطنی شرائط یعنی قلبی اعمال

ہم اس باب میں نماز کے ساتھ خشوع اور حضور قلب کے تعلق کا ذکر کریں گے پھر باطنی معانی، ان کی حدود، اسباب اور علاج کا ذکر کریں گے اور اس کے بعد ان امور کی تفصیل بیان کریں گے جن کا نماز کے ہر رکن میں پایا جانا ضروری ہے تاکہ یہ نماز زاد آخرت کے قابل ہو جائے۔

خشوع اور حضور قلب کی شرط

جان لو کہ اس کے دلائل بہت زیادہ ہیں ان میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي (۱) میری یاد کے لیے نماز کو قائم کرو۔

ظاہری طور پر امر وجوب کے لیے آتا ہے اور غفلت، ذکر کی ضد ہے۔

لہٰذا جو شخص پوری نماز میں غافل رہا وہ کیسے ذکر خداوندی کے لیے نماز کو قائم کرنے والا ہو گا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ (۲) اور غافل لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

یہ نہی ہے اور ظاہراً نہی کسی چیز کو حرام کرنے کے لیے آتی ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (۳) یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو۔

نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی علت بیان کی گئی اور یہ علت اس شخص کو بھی شامل ہے جو غافل ہے نیز وسوسوں اور دنیوی افکار میں ڈوبا ہوا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت ۱۴

(۲) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۲۰۵

(۳) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۴۳

إِنَّمَا الصَّلٰوةُ تَمَسْكُنٌ وَتَوَاضُعٌ (۱) بے شک نماز سکون و تواضع کا نام ہے۔

الف لام حصر کا معنیٰ دیتا ہے اور "انما" کا کلمہ تحقیق و تاکید کے لیے ہے اور فقہاء کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد سے حصر، اثبات اور نفی کا مفہوم معلوم کیا ہے،

آپ نے فرمایا:۔

إِنَّمَا الشُّفْعَةُ فِيْمَا لَمْ يُقْسَمْ (۲) بے شک شفعہ ان چیزوں میں ہے جو تقسیم نہ ہوں۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَمْ تَنْهَهُ صَلٰوتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا بُعْدًا۔ (۳) جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور برائی سے نہ روکے وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور ہو جاتا ہے۔

اور غافل آدمی کی نماز بے حیائی اور برائی سے نہیں روکتی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَمْ مِنْ قَائِمٍ حَظُّهُ مِنْ صَلٰوتِهِ التَّعَبُ وَالنَّصَبُ۔ (۴) کتنے ہی لوگ (نماز میں) کھڑے ہوتے ہیں لیکن انہیں نماز سے تھکاوٹ اور مشقت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اس سے آپ کی مراد غافل نمازی ہیں؛

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ لِلْعَبْدِ مِنْ صَلٰوتِهِ إِلَّا مَا عَقَلَ مِنْهَا۔ (۵) بندے کے لیے نماز سے وہی کچھ ہوتا ہے جسے وہ سمجھ کر ادا کرتا ہے۔

اس کی تحقیق یہ ہے کہ نمازی اپنے رب عزوجل سے مناجات کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا۔(۲) اور غفلت کی حالت میں گفتگو کرنا کسی صورت میں مناجات نہیں ہوتی، اس کا بیان یہ ہے کہ اگر انسان زکوٰۃ سے غافل ہو تو وہ (زکوٰۃ) ذاتی طور پر خواہشات کے خلاف اور نفس پر گراں ہوتی ہے اسی طرح روزہ اعضاء کو کمزور کرنے والا اور خواہشات جو اللہ تعالیٰ کے دشمن شیطان کا

---

(۱)

(۲) سنن البیہقی جلد ۶ ص ۱۰۲ کتاب الشفعۃ۔

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۱ ص ۵۴ حدیث ۱۱۰۲۵

(۴) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۲ ص ۳۸۲ حدیث ۱۳۴۱۳

(۵) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۵ ص ۱۹۵ حدیث ۷۹۳۵

آلہ ہیں، کو توڑنے والا ہے لہٰذا غفلت کے باوجود ان سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح حج کے اعمال نہایت سخت اور باعثِ مشقت ہیں اور اس میں ایسا مجاہدہ ہے جس سے تکلیف اور درد محسوس ہوتا ہے دل حاضر ہو یا نہ ——

لیکن نماز میں تو ذکر، قرأت، رکوع، سجدہ اور قیام اور قعدہ ہے جہاں تک ذکر کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاکرہ و مناجات ہے اب یا تو اس کا مقصد اللہ تعالیٰ سے مذاکرہ کرنا اور اسے خطاب کرنا ہے یا حروف اور آوازیں مقصود ہیں تاکہ عمل کے ساتھ زبان کی آزمائش کی جائے جس طرح روزے میں کھانے پینے سے رکنے کے ذریعے معدے اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے اور جس طرح حج کی مشقتوں کے ذریعے بدن کی آزمائش ہوئی ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی اور محبوب مال دینے کی تکلیف کے ذریعے دل کا امتحان ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ (نماز میں) اس قسم کا تصور باطل ہے کیونکہ غافل آدمی پر بیہودہ گفتگو کے ذریعے زبان کو حرکت دینا نہایت آسان ہوتا ہے پس اس میں عمل کے ذریعے آزمائش نہیں بلکہ مقصود حروف ہیں لیکن بولنے کے اعتبار سے ہے اور بولتے وقت ما فی الضمیر کو ظاہر کرنا ہوتا ہے اور ما فی الضمیر کا اظہار دل کی حاضری کے بغیر نہیں ہوتا۔

تو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ (اے اللہ! تو ہمیں سیدھے راستے پر چلا)

میں کیا سوال ہوگا جب اس کا دل غافل ہوگا اور جب اس کا مقصد گڑگڑانا اور دعا مانگنا نہ ہوگا تو زبان کو حرکت دینے میں کیا مشقت ہے جب کہ وہ غافل ہو بالخصوص جب آدمی کو بولنے کی عادت ہو، تو یہ ذکر کے اعتبار سے وضاحت ہے۔

بلکہ میں (حضرت امام غزالی رحمہ اللہ) کہتا ہوں اگر کوئی شخص قسم کھائے اور کہے کہ میں فلاں آدمی کا شکر یہ ضرور ادا کروں گا اس کی تعریف کروں گا اور اس سے کسی حاجت کا سوال کروں گا پھر حالتِ نیند میں اس کی زبان پر ایسے الفاظ جاری ہو جائیں جو اس مفہوم پر دلالت کرتے ہوں تو اس کی قسم پوری نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر اندھیرے میں وہ یہ کلمات کہتا ہے اور وہ دوسرا شخص بھی موجود ہے لیکن اسے اس کی موجودگی کا علم نہیں اور نہ ہی یہ اسے دیکھ رہا ہے تو بھی قسم سے بری الذمہ نہ ہوگا کیوں کہ جب وہ اسے دل میں حاضر نہ سمجھے، اس کا کلام اس کو خطاب اور اس کے ساتھ گفتگو قرار نہیں پائے گا۔ اسی طرح اگر یہ شخص دن کی روشنی میں اپنی زبان پر یہ کلمات لاتا ہے لیکن اس کا دل حاضر نہیں بلکہ وہ غافل ہے اور کسی سوچ میں پڑا ہوا ہے اور گفتگو کرتے وقت اس کو خطاب کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا تو بھی قسم پوری نہ ہوگی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ قرأت اور اذکار سے مقصود اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اس کی بارگاہ میں عاجزی کا اظہار اور دعا کرنا ہے اور اس کا مخاطب اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا دل غفلت کے پردے میں اس سے چھپا ہوا ہے لہٰذا یہ اسے دیکھ نہیں سکتا بلکہ وہ مخاطب ذات سے بھی غافل ہے اور اس کی زبان عادتاً حرکت کر رہی ہے تو نماز کے مقصد سے یہ بات کس قدر دور ہے کیونکہ نماز کا مقصد دل کو صاف کرنا، اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تجدید اور اس پر ایمان کو مضبوط کرنا ہے، تو یہ قرأت اور ذکر کا حکم ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ بولنے میں اس کا خاصیت کے

نکار اور اسے فعل سے جدا کرنے کا کوئی راستہ نہیں — جہاں تک رکوع اور سجدے کا تعلق ہے تو ان سے قطعی مقصود تعظیم ہے اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ وہ غفلت کی حالت میں اپنے فعل سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کر رہا ہے تو جائز ہوگا کہ وہ کسی بت کی تعظیم کر رہا ہے جو اس کے سامنے ہے اور وہ اس سے غافل ہے یا کسی دیوار کی تعظیم کرتا ہے وہ اس کے سامنے ہے اور یہ اس سے غافل ہے تو جب یہ (رکوع وسجدہ) تعظیم کے درجے سے نکل گئے تو صرف پیٹھ اور سر کی حرکت باقی رہ گئی اور اس میں ایسی مشقت نہیں جس کے ذریعے امتحان کا مقصد کیا جائے پھر اسے دین کا ستون قرار دے کر کفر اور اسلام کے درمیان فرق قرار دیا جائے اور اسے حج اور دیگر تمام عبادات پر مقدم کیا جائے نیز خاص طور پر اس کے ترک پر قتل کو واجب قرار دیا جائے۔

میرے خیال میں نماز کی یہ تمام عظمت اس کے اعمال ظاہرہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی طرف مناجات کے مقصود کی اضافت کی وجہ سے ہے اسی وجہ سے نماز کو روزے، زکوٰۃ اور حج وغیرہ پر مقدم کیا گیا بلکہ قربانیوں پر بھی مقدم ہے جو مال میں کمی کرنے کے ذریعے مجاہدہ نفس قرار باقی ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوۡمُہَا وَلَا دِمَآؤُہَا وَلٰکِنۡ یَّنَالُہُ التَّقۡوٰی مِنۡکُمۡ (۱) — اللہ تعالیٰ کو ہرگز ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔

تقویٰ سے مراد وہ صفت ہے جو دل پر غالب ہوحتیٰ کہ اسے احکام خداوندی کی بجا آوری پر مجبور کر دے جو مطلوب ہے تو نماز کا کیا معاملہ ہوگا کیونکہ اس کے افعال تو مطلوب نہیں ہیں تو معنوی اعتبار سے یہ آیات اور روایات نماز میں قلبی حاضری کی شرط پر دلالت کرتی ہیں۔

سوال:

اگر آپ نماز کے باطل ہونے کا فیصلہ کریں اور دل کی حاضری کو اس کے صحیح ہونے کے لیے شرط قرار دیں تو اس طرح آپ اجماع فقہاء کے مخالف قرار پائیں گے کیونکہ انہوں نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت دل کی حاضری کو شرط قرار دیا ہے۔

جواب:

علم کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے کہ فقہاء کرام کا تصرف باطن میں نہیں ہوتا نہ وہ دلوں کو چیرتے ہیں اور نہ وہ آخرت کے راستے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بلکہ وہ دین کے ظاہری احکام کو اعضاء کے ظاہری اعمال پر نافذ کرتے ہیں اور قتل کے سقوط نیز بادشاہ کی تعزیر سے بچنے کے لیے ظاہری اعمال کافی ہیں جہاں تک آخری نفع کا تعلق ہے تو وہ فقہ کی حدود سے متعلق نہیں ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ حج آیت ۳۷

علاوہ ازیں اجماع کا دعویٰ بھی ممکن نہیں حضرت بشر بن حارث سے منقول ہے ابوطالب مکی نے حضرت سفیان ثوری رحمہم اللہ سے روایت کیا کہ انہوں نے (حضرت بشر بن حارث نے) فرمایا "جو شخص نماز میں خشوع نہیں کرتا اس کی نماز فاسد ہے" حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا "جس نماز میں دل حاضر نہ ہو اس کی سزا جلدی ملتی ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو شخص نماز کی حالت میں قصد و ارادہ سے جان لے کہ اس کے دائیں بائیں کون ہے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔

ایک مسند روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوۃَ لَا یُکْتَبُ لَہٗ سُدُسُھَا وَلَا عُشْرُھَا وَاِنَّمَا یُکْتَبُ لِلْعَبْدِ مِنْ صَلٰوتِہٖ مَا عَقَلَ مِنْھَا۔ (۱)

بے شک بندہ نماز پڑھتا ہے لیکن اس کے لیے اس کا چھٹا حصہ بلکہ دسواں حصہ بھی (ثواب) نہیں لکھا جاتا بندے کے لیے اس کی نماز سے وہی لکھا جاتا ہے جسے وہ سمجھتا ہے۔

اگر یہ بات کسی اور سے نقل کی جاتی ہے تو مذہب قرار پائی تو اس سے کس طرح استدلال نہیں کیا جائے گا ــــــ
حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ نے فرمایا علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ بندے کے لیے اس کی نماز سے وہی کچھ ہے جسے وہ سمجھ لیتا ہے تو انہوں نے اس کو اجماع قرار دیا۔

اس قسم کی باتیں متقی فقہاء کرام اور علماء کرام سے اس قدر مروی ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں ہو سکتا۔

حق بات یہ ہے کہ شرعی دلائل کی طرف رجوع کیا جائے اس شرط کے بارے میں اور بات و آثار ظاہر ہیں لیکن فتویٰ کا مقام ظاہری احکام میں بندوں کی کوتاہی کے اعتبار سے ہوتا ہے لہٰذا یہ بات ممکن نہیں کہ لوگوں پر تمام نماز میں دل کی حاضری کو شرط قرار دیا جائے کیونکہ چند افراد کے علاوہ باقی سب لوگ اس سے عاجز ہیں اور جب ضرورت کے تحت تمام نماز کو (اس شرط کے ساتھ) "پھیرنا ممکن نہیں تو اب کوئی چارہ نہیں کہ اس کو اسی قدر شرط قرار دیا جائے کہ اس کا نام صادق آجائے اگرچہ ایک لحظہ ہی کے لیے ہو اور سب سے بہتر لحظہ تکبیر تحریمہ کا وقت ہے۔

پس ہم نے اسی موقعہ پر حضور قلب کا مکلف قرار دیا۔

اور اس کے باوجود ہمیں امید ہے کہ تمام نماز میں غافل کی حالت بالکل چھوڑنے والے کی حالت جیسی نہ ہوگی کیوں کہ وہ کبھی ظاہر فعل کا اقدام کرتا ہے اور کسی وقت دل کو حاضر رکھتا ہے۔ اور یہ کیسے نہیں ہوگا جب کہ بھول کر بے وضو ہونے کی حالت میں نماز پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوتی ہے لیکن اس کے فعل اور کوتاہی و عذر کے حساب

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۲۱ مرویات عمار بن یاسر

سے ابھرتا ہے لیکن اس امید کے ساتھ ساتھ یہ خوف بھی رہتا ہے کہ اس کی حالت، حضورِ قلب کے تارک کی حالت سے بھی زیادہ خراب ہو اور ایسا کس طرح نہیں ہوگا جب کہ خدمت کے لیے حاضر ہونے والا شخص سستی کرتا ہے اور حقیر جاننے والے غافل شخص کی طرح کلام کرتا ہے اس کا حال اس سے برا ہوتا ہے جو خدمت سے منہ موڑ لیتا ہے اب جب کہ خوف اور امید کے اسباب میں تعارض ہو گیا اور فی نفسہ یہ معاملہ اہم ہے تو اب تمہاری مرضی ہے اس کے بعد احتیاط یا سستی کا راستہ اختیار کرو۔

اور اس کے باوجود فقہاء کرام نے غفلت کے باوجود نماز کی صحت کا جو فتویٰ دیا ہے اس کی مخالفت نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ فتویٰ کی ضرورت سے ہے جیسا کہ اس پر پہلے آگاہی ہو چکی ہے اور جو شخص نماز کے فلسفہ کو جان لیتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ غفلت اس کی ضد ہے۔ لیکن ہم نے قواعد عقائد کے بیان میں علم باطن اور علم ظاہر کے درمیان فرق کے باب میں ذکر کیا ہے کہ مخلوق کی سمجھ میں کوتاہی بھی اس بات سے مانع ہے کہ شریعت کے جو اسرار منکشف ہوتے ہیں انہیں واضح طور پر بیان کیا جائے تو ہم اسی قدر بحث پر اکتفاء کرتے ہیں جو شخص آخرت کے راستے کا طالب اور اس کا ارادہ کرنے والا ہے اس کے لیے اس میں قناعت ہے جہاں تک جھگڑالو اور شور کرنے والوں کا تعلق ہے تو اس وقت ہم ان سے خطاب کا قصد نہیں کرتے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دل کی حاضری نماز کی روح ہے اور کم از کم جس کے ساتھ روح کی رمق باقی رہتی ہے وہ تکبیر تحریمہ کے وقت دل کی حاضری ہے اس میں کوتاہی ہلاکت ہے اور جس قدر یہ حاضری زیادہ ہوگی نماز کے اجزاء میں روح پھیلتی جائے گی اور کتنے ہی زندہ لوگ ہیں جو حرکت نہیں کر سکتے تو وہ مردہ کی طرح ہیں پس تکبیر کے علاوہ غافل کی باقی نماز اس زندہ شخص کی طرح ہے جس میں کوئی حرکت نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اچھی مدد کے طلب گار ہیں۔

باطنی امور جن سے حیاتِ نماز مکمل ہوتی ہے

جان لو! ان معانی کے لیے زیادہ عبارت کی ضرورت ہے لیکن چھ جملوں میں ان کو جمع کیا جا سکتا ہے اور وہ دل کی حاضری، نماز کو سمجھنا، تعظیم، خوف، امید اور حیاء ہے۔ ہم ان کی تفصیل، اسباب اور علاج کا ذکر کریں گے۔ تو تفصیل اس طرح ہے۔

دل کی حاضری

دل کی حاضری سے مراد یہ ہے کہ نمازی نے جس سے تعلق قائم کر رکھا ہے اور اس سے ہمکلام ہے اس کے غیر سے دل کو فارغ کر دے یعنی دل کو قول و فعل دونوں کا علم ہو اور ان دو باتوں کے علاوہ کی طرف اس کی فکر نہ دوڑے۔ اور جب اس عمل کے غیر سے فکر ہٹ جائے گی اور اس عمل کی یاد ہی باقی ہوگی اور اس عمل کی کسی بات سے غفلت نہ ہوگی تو دل کی حاضری حاصل ہو جائے گی

لیکن کلام کے معنی کو سمجھنا الگ بات ہے جو حضورِ قلب کے بعد ہوتا ہے چنانچہ بعض اوقات دل، الفاظ کے ساتھ حاضر ہوتا ہے لیکن لفظ کے معنی کے ساتھ حاضر نہیں ہوتا پس تفہیم دل میں لفظ کے معنی کا پایا جاتا ہے۔ اور یہی ہماری

مراد ہے۔ اس مقام پر لوگوں کے درمیان تفاوت ہے۔ کیونکہ قرآن پاک اور تسبیحات کے معانی کو سمجھنے کے سلسلے میں لوگ مشترک نہیں ہیں کتنے ہی باریک معانی ہیں جنہیں نمازی، نماز کے دوران سمجھ لیتا ہے لیکن اس سے پہلے اس کے دل میں ان کا خیال نہیں گزرا ہوتا۔ اسی بنیاد پر نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ یعنی نماز ایسی باتیں بتاتی ہے جو لازماً بے حیائی سے روکتی ہیں۔

جہاں تک تعظیم کا تعلق ہے تو یہ حضورِ قلب اور معانی کو سمجھنے کے بعد ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات آدمی اپنے غلام کو مخاطب کرتا ہے تو اس کا دل بھی حاضر ہوتا ہے اور وہ اس کی بات کو سمجھتا بھی ہے لیکن وہ اس کی تعظیم نہیں کرتا لہذا تعظیم ان دونوں سے زائد چیز ہے۔

ہیبت، تعظیم سے بھی زائد ہے بلکہ یہ ایک ایسا خوف ہے جس کا منبع تعظیم ہے کیونکہ جو آدمی خوف نہیں رکھتا اسے ہیبت والا نہیں کہا جاتا ہے بچھو سے، کسی انسان کے برے اخلاق یا اس قسم کی دوسری باتوں سے ڈرنا جو خسیس قسم کے اسباب ہیں، ہیبت نہیں ہے بلکہ سلطان معظم سے ڈرنا ہیبت ہے گویا ہیبت وہ خوف ہے جس کی بنیاد کسی کو بڑا سمجھنا ہے۔

امید بھی یقیناً ایک زائد بات ہے کتنے ہی لوگ کسی بادشاہ سے ڈرتے ہوئے یا اس کے اقتدار کے خوف سے اس کی تعظیم کرتے ہیں لیکن اس سے اجر کی امید نہیں رکھتے تو بندے کو چاہیے کہ وہ اپنی نماز سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کی امید رکھے۔ جس طرح نماز میں کوتاہی کے باعث وہ اس کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

حیاء ان تمام امور سے زائد ہوتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد اپنی کوتاہی کا شعور، اور گناہ کا وہم ہوتا ہے جب کہ تعظیم، خوف اور امید کا تصور حیاء کے بغیر بھی ہوتا ہے جب کہ کوتاہی کا وہم یا ارتکاب گناہ نہ ہو۔

ان چھ باطنی صفات کے اسباب کے بارے میں تمہیں جاننا چاہیے کہ دل کی حاضری کا سبب فکر ہے کیونکہ تیرا دل فکر کے تابع ہے پس وہ اسی جگہ حاضر ہوگا جہاں تیری فکر ہوگی بعض اوقات تمہیں کسی ایک معاملہ کی فکر ہوتی ہے جس میں دل کو حاضر ہونا پڑتا ہے وہ چاہے یا نہ کیونکہ وہ اس پر مجبور ہے اور مسخر ہے۔

جب نماز میں دل حاضر نہ ہو تو وہ بیکار نہیں ہوتا بلکہ وہ اس دنیوی کام کی طرف دوڑتا ہے جس میں انسانی فکر مصروف ہوتی ہے پس دل کو حاضر کرنے کے لیے کوئی حیلہ یا علاج کارگر نہیں ہو سکتا البتہ یہ کہ اپنی سوچ کو نماز کی طرف پھیر دیا جائے اور ہمت و فکر اس طرف اس وقت تک نہیں پھرتی جب تک یہ بات واضح نہ ہو کہ نماز کی غرض جو مطلوب ہے اس کا دارومدار اسی پر ہے یعنی اس بات کا یقین ہو کہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے اور نماز اس تک پہنچنے کا وسیلہ ہے جب اس بات کی حقیقتِ علم کی طرف اضافت کی جائے اور دنیا اور اس کی سوچ کو حقیر سمجھا جائے تو ان کے مجموعے سے نماز میں دل کی حضوری ہوگی جب تم کسی بڑی شخصیت کے پاس جاتے ہو تو اسی سوچ کے تحت دل حاضر ہوتا ہے حالانکہ

وہ شخص تمہیں نقصان یا نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہوتا پس جب تمام بادشاہوں کے بادشاہ جس کے قبضے میں دنیا اور آسمان کی بادشاہی اور نفع ونقصان ہے، سے مناجات کے وقت دل حاضر نہ ہو تو تمہیں ایمان کی کمزوری کے سوا کسی دوسرے سبب کا خیال نہیں کرنا چاہیے اب تم ایمان کی مضبوطی کی کوشش کرو اور اس کا طریقہ دوسرے مقام پر بیان ہوگا۔

جہاں تک سمجھنے کا تعلق ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ حضور قلب کے بعد فکر اور ذہن کو معنیٰ کے سمجھنے کی طرف لگا دیا جائے اور اس کا علاج وہی ہے جو دل کی حاضری کا علاج ہے یعنی قلبی خیالات کو دور کرنے کی فکر کی جائے اور خیالات کو یوں دور کیا جاسکتا ہے کہ ان کا مواد ختم کیا جائے۔ یعنی وہ اسباب ختم کر دیئے جائیں جن کی طرف خیالات قلبی مائل ہوتے ہیں جب تک یہ مواد ختم نہیں ہوگا ان سے قلبی خیالات نہیں پھریں گے۔ پس جو شخص کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو وہ اس سے محبت کرتا ہے لہٰذا محبوب کا ذکر لازماً دل پر ہجوم کرتا اور اثر انداز ہوتا ہے اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ جو آدمی غیر خدا سے محبت کرتا ہے اس کی نماز وسوسوں اور خیالات سے خالی نہیں ہوتی۔

تعظیم قلبی حالت ہے جو دو معرفتوں سے پیدا ہوتی ہے ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کی معرفت ہے اور وہ اصول ایمان سے ہے کیونکہ جو شخص اس کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتا اس کا نفس تعظیم کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ دوسری معرفت نفس کے حقیر اور خسیس ہونے کو پہچاننا ہے نیز یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند اور مسخر ہے حتیٰ کہ ان دونوں معرفتوں سے انکسار، مسکینی اور خشوع پیدا ہوتا ہے اور یہی تعظیم ہے۔ جب تک نفس کی حقارت کی معرفت اللہ تعالیٰ کے جلال کی معرفت کے ساتھ نہ ملے خشوع اور تعظیم کی حالت پیدا نہیں ہوتی کیوں کہ جو شخص دوسرے سے بے نیاز اور اپنے نفس پر اعتماد رکھنے والا ہو، تو ممکن ہے وہ دوسروں سے عظمت کی صفات معلوم کرے لیکن اس کی حالت خشوع اور تعظیم والی نہ ہوگی کیوں کہ دوسرا قرینہ یعنی حقارت نفس کی پہچان اس کے ساتھ ملی ہوئی نہیں ہے۔

ہیبت وخوف نفس کی حالت ہے جو اس بات کی معرفت سے پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اور دبدبے والا ہے، اسی کی مشیت نافذ ہوتی ہے اور اسے کسی بات کی زیادہ پرواہ نہیں ہوتی اگر وہ پہلوں اور پچھلوں کو ہلاک کر دے تو اس کی حکومت سے ایک ذرہ بھی کم نہ ہوگا۔ اور یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اس بات کا مطالعہ کیا جائے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام پر طرح طرح کے مصائب نازل ہوتے ہیں حالانکہ وہ انہیں دور کرنے پر قادر ہوتے ہیں جب کہ دنیوی بادشاہوں کے سلسلے میں اس کے خلاف مشاہدہ ہوتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم بڑھتا ہے خشیت وہیبت میں اضافہ ہوتا ہے اس کے اسباب کا ذکر نجات دینے والے امور کے بیان میں کتاب خوف کے تحت آئے گا۔

جہاں تک امید کا تعلق ہے تو اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی مہربانی، کرم عمومی انعامات اس کی صنعتوں کی لطافت اور اس بات کی پہچان ہے کہ نماز کے بدلے میں جنت کا وعدہ سچا ہے جب اس کے وعدے پر یقین ہوگا اور اس بات

کی معرفت ہوگی کہ وہ مہربان ہے تو ان دونوں کے مجموعے سے یقیناً امید پیدا ہوگی۔

حیاء کا سبب یہ ہے کہ اسے عبادت کے سلسلے میں کوتاہی کا شعور ہو اور جانتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے حق کو قائم کرنے سے عاجز ہے اور یہ بات اس وقت مضبوط ہوتی ہے جب اسے اپنے نفس کے عیبوں اور ان کی آفات کا علم ہوتا ہے نیز وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس اخلاص کم ہے، باطن میں خباثت ہے اور تمام افعال میں فوری فائدے کی طرف توجہ ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جلال بہت بڑی بات کا تقاضا کرتا ہے اور اسے اس بات کا بھی علم ہے کہ وہ پوشیدہ باتوں اور دل کے وسوسوں پر مطلع ہے اگرچہ وہ کتنے ہی باریک اور چھوٹے ہوں اس سے یقینی طور پر ان امور کی معرفت حاصل ہوگی تو اس سے لازماً ایک ایسی حالت پیدا ہوگی جس کو حیاء کہتے ہیں۔

ان صفات کے یہ اسباب ہیں تو ان میں سے جس کو حاصل کرنا مطلوب ہو اس کا علاج اس کے سبب کو حاضر کرنا ہے کیونکہ معرفت سبب میں علاج کی معرفت ہے۔ اور ان تمام اسباب کو ایمان و یقین باہم ملاتے ہیں یعنی وہ معارف جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور ان کے یقینی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شک دور ہو جائے اور یہ دل پر غلبہ حاصل کرلیں جیسے کتاب العلم میں یقین کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے۔ اور جتنا یقین ہوتا ہے اتنا ہی دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے اور ہم آپ سے گفتگو کر رہے ہوتے جب نماز کا وقت آجاتا تو گویا نہ آپ ہمیں پہچانتے ہیں اور نہ ہم آپ کو۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی (اور فرمایا) "اے موسیٰ علیہ السلام جب تمہیں میری یاد آئے تو مجھے یوں یاد کرو کہ اپنے اعضاء کو جھاڑ دو اور میرے ذکر کے وقت خشوع کرنے والے اور مطمئن ہو جاؤ جب میرا ذکر کرو تو اپنی زبان کو دل کے پیچھے کر لو۔ اور جب میرے سامنے کھڑے ہو تو اس طرح کھڑے ہو جس طرح کوئی ادنیٰ غلام کھڑا ہوتا ہے اور مجھ سے ڈرنے والے دل اور سچی زبان سے گفتگو کریں۔

ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی امت کے نافرمان لوگوں سے فرمائیں کہ وہ میرا ذکر نہ کریں کیونکہ میں نے اپنے نفس پر قسم کھائی ہے کہ جو شخص میرا ذکر کرے گا اس کو یاد کروں گا پس جب وہ میرا ذکر کریں گے تو میں لعنت کے ساتھ ان کا ذکر کروں گا۔

یہ بات تو اس نافرمان کے بارے میں ہے جو اس کے ذکر سے غافل نہیں تو کیا حال ہوگا جب غفلت اور نافرمانی جمع ہو جائیں جن معانی کا ہم نے ذکر کیا اور ان کا تعلق دل سے ہے ان میں اختلاف کی وجہ سے لوگ تقسیم ہو جاتے ہیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو غافل ہیں نماز کو مکمل کرتے ہیں لیکن ان کا دل ایک لحظہ کے لئے بھی حاضر نہیں ہوتا اور وہ لوگ بھی ہیں جو نماز کو مکمل طور پر پڑھتے ہیں اور ایک لحظہ کے لیے بھی ان کا دل غائب نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو ان کی سوچ اور فکر نماز کو اس طرح پھر لیتی ہے کہ ان کے سامنے جو کچھ ہوتا ہے انہیں اس کا بھی احساس نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ

ب مسجد میں ستون گر گیا اور لوگ وہاں جمع ہوئے تو حضرت مسلم بن یسار کو اس بات کا علم نہ ہو سکا۔ اور ان میں سے بعض لوگ ہیں جو ایک مدت تک جماعت میں حاضر ہوتے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے دائیں بائیں کون ہے؟

حضرت ابراہیم کے جوشِ قلب کی آواز دو میلوں سے سنی جاتی تھی اور ایک گروہ ایسا تھا کہ (حالت نماز میں) ان کے چہرے زرد ہو جاتے اور ان کے کاندھے تھرتھرانے لگتے اور یہ ساری باتیں سمجھ سے باہر نہیں ہیں کیونکہ دنیا داروں کی شوح اور بادشاہوں سے ان کے خوف میں اس سے دوگنا کا مشاہدہ ہوتا ہے حالانکہ یہ بادشاہ عاجز اور کمزور ہیں اور جو کچھ ان سے حاصل ہوتا ہے وہ نہایت حقیر ہوتا ہے۔

حتیٰ کہ کوئی شخص کسی بادشاہ یا وزیر کے پاس جاتا ہے اور اس کے سامنے اپنا مقصد بیان کرتا ہے پھر باہر نکلتا ہے اب اگر اس سے پوچھا جائے کہ بادشاہ کے گرد کون کون لوگ تھے یا بادشاہ کے کپڑے کیسے تھے تو وہ بتانے پر قادر نہیں ہوتا کیونکہ اس کی سوچ نے اسے کپڑوں اور درباریوں کی طرف توجہ سے پھیر رکھا تھا۔

ہر ایک کے عمل کے درجات ہیں لہٰذا ہر شخص کو اس کی نماز سے اس کے خوف خشوع اور تعظیم کے مطابق حصہ ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر کا محل دل ہے ظاہر حرکات نہیں اسی لیے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو ان کی نماز والی صورت پر اٹھایا جائے گا۔ یعنی اسے نماز میں جس قدر سکون و اطمینان اور لذت حاصل ہوتی تھی اسی انداز سے پر اس کا حشر ہوگا انہوں نے سچ فرمایا کیونکہ ہر شخص اس طریقے پر اٹھایا جائے گا جس پر اس کا انتقال ہوا۔ اور ہر آدمی اس طریقے پر مرتا ہے جس پر وہ زندگی گزارتا ہے اور اس سلسلے میں اس کے دل کی حالت کو دیکھا جاتا ہے ظاہری جسم کو نہیں۔ اور دلوں کی صفات ہی کو آخرت میں صورتوں میں ڈھالا جائے گا۔ اور وہی شخص نجات پائے گا جو محفوظ دل کے ساتھ آئے گا ہم اللہ تعالیٰ کی لطف و کرم سے حسن توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

حضورِ قلب کے لئے نافع دوا

جان لو! مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے والا، اس سے ڈرنے والا، امید رکھنے والا اور اپنی کوتاہی پر حیاء کرنے والا ہو ایمان کے بعد یہ حالتیں جدا نہیں ہونی چاہئیں اگرچہ ان کی قوت یقین کی قوت کے برابر ہو۔ اگر نماز میں یہ باتیں جدا ہوتی ہیں تو اس کی وجہ انتشارِ فکر اور سوچ کا بٹ جانا، مناجات سے دل کا غائب ہونا اور نماز سے غافل ہونا ہے نماز سے وہی خیالات توجہ ہٹاتے ہیں جو دوسری طرف مشغول رکھتے ہیں لہٰذا دل کو حاضر کرنے کا علاج ان خیالات کو دور کرنا ہے اور کسی چیز کو اسی وقت دور کیا جا سکتا ہے جب اس کے سبب کو دور کیا جائے لہٰذا تمہیں اس کے اسباب کا علم ہونا چاہیے۔

قلبی خیالات کا سبب یا تو خارجی بات ہوگی یا ایسی بات ہوگی جو دل کے اندر پائی جاتی ہے خارجی بات وہ ہے جو کانوں کو کھٹکھٹاتی اور آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتی ہے یہ چیز فکر کو اُچک لیتی ہے یہاں تک کہ فکر ان باتوں کے پیچھے چلی جاتی ہے اور ان میں تصرف کرتی ہے۔

پھر وہ ان امور سے دوسرے امور کی طرف چلی جاتی ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ بڑھتا ہے کہ سب سے پہلے نظر اس سوچ کا سبب بنتی ہے پھر بعض افکار دوسرے بعض کے لیے سبب بنتے ہیں لہٰذا جس شخص کی نیت مضبوط اور اس کی ہمت بلند ہو اس کے حواس پر جاری ہونے والی کوئی بات اسے غافل نہیں کر سکتی البتہ کمزور آدمی کی توجہ ہٹ جاتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ ان اسباب کو ختم کر دے مثلاً آنکھیں بند کر دے یا اندھیرے کمرے میں نماز پڑھے یا اپنے سامنے کوئی ایسی چیز نہ چھوڑے جو اس کی حس کو اُدھر مشغول کر دے نماز کے وقت دیوار کے قریب کھڑا ہو تا کہ اس کی آنکھ دور تک نہ دیکھ سکے۔ راستوں پہ نماز پڑھنے سے بچے اسی طرح جہاں نقش و نگار ہوں یا رنگدار فرش ہو اس سے بھی احتراز کرے اسی لیے عبادت گزار لوگ چھوٹے سے تاریک گھر میں نماز پڑھتے ہیں جس میں سجدہ ہو سکے تا کہ ان کی ہمت و سوچ مجتمع رہے۔

البتہ ان میں سے جو لوگ (ایمان کے اعتبار سے) مضبوط تھے وہ مساجد میں جاتے تھے اور آنکھوں کو بند رکھتے تھے سجدے کی جگہ سے ان کی نظر تجاوز نہیں کرتی تھی۔ اور وہ اس بات کو نماز کی تکمیل کا سبب جانتے تھے کہ وہ اپنے دائیں بائیں والوں کو بھی پہچان نہ سکیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز پڑھنے کی جگہ قرآن پاک اور تلوار وغیرہ کو نہیں چھوڑتے تھے بلکہ وہاں سے ہٹا دیتے اور اگر کچھ لکھا ہوتا تو اسے مٹا دیتے۔

جہاں تک باطنی اسباب کا تعلق ہے تو وہ زیادہ سخت ہیں کیونکہ جس شخص کی فکر دنیا کی وادیوں میں بکھری ہوئی ہو اس کی سوچ ایک فن میں بند نہیں ہوتی بلکہ وہ مسلسل ایک طرف سے دوسری طرف اُڑتی رہتی ہے۔ اور آنکھوں کا بند کرنا اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا کیوں کہ جو کچھ پہلے سے دل میں آچکا ہے وہ اسے مشغول رکھنے کے لیے کافی ہے تو باطنی وسوسوں کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو زبردستی اپنی قرأت کے سمجھنے کی طرف متوجہ کرے اور اس کے غیر سے پھیر دے اور اگر وہ نیت کرنے سے پہلے تہیہ کر لے اور وہ نفس کو آخرت کی یاد دلانے کی تجدید کرے گا اسے مناجات کے لیے کھڑے ہونے کے مقام اور خداوند تعالیٰ کے سامنے حاضری کے خطرات اور موت کے بعد والے حالات سے اپنے نفس کو آگاہ کرے گا تو اس سوچ سے بھی اسے حضور قلب پر مدد ملے گی۔ نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے اپنے دل کو دوسرے خیالات سے فارغ کرنا چاہیے اور اپنے نفس کے لیے ایسی مشغولیت نہ چھوڑے جس کی طرف اس کا دل متوجہ ہو جائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"میں تمہیں یہ بات کہنا بھول گیا کہ گھر میں جو ہنڈیا ہے اسے ڈھانپ دینا کیونکہ یہ بات مناسب نہیں کہ گھر میں کوئی ایسی چیز ہو جو لوگوں کی توجہ نماز سے ہٹا دے (۱)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۶۸ مرویات عثمان بن طلحہ

تو تفکرات کو ختم کرنے کا یہ طریقہ ہے پھر بھی اگر سکون پہنچانے والی اس دوا سے اس کی سوچ کا جوش ختم نہ ہو تو وہ دوا نجات دے گی جو اسہال پیدا کرتی ہے یعنی رگوں کے اندر سے بیماری کے مادہ کو ختم کر دیتی ہے۔ وہ یہ کہ ان امور کو دیکھے جو دل کی حاضری کو پھیرنے والے اور دوسری طرف مشغول رکھنے والے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امور اس کے افکار کی طرف لوٹتے ہیں اور یہ تمام سوچ بھی خواہشات کی جہت سے ہوتی ہے پس وہ ان خواہشات کو ختم کرنے اور ان خرابیوں کو دور کرنے کے ذریعے اپنے نفس کو سزا دے جو چیز نماز سے غافل کرتی ہے وہ اس کے دین کی ضد ہے اور اس کے دشمن ابلیس کا لشکر ہے لہٰذا اس کو نکالنے کی بجائے باقی رکھنا زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے اس لیے اس کو نکال کر چھٹکارا حاصل کرے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جبہ پہنا جو حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہ نے آپ کو پیش کیا تھا اور اس پر بیل بوٹے تھے آپ نے اس میں نماز پڑھی اور پھر اتار کر فرمایا اسے ابو جہم کے پاس لے جاؤ اس نے ابھی نماز میں میری توجہ کو پھیر دیا تھا۔ اور ابو جہم کی سادہ چادر لاکر مجھے دو۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین مبارک میں نئے تسمے لگانے کا حکم دیا پھر نئے ہونے کی وجہ سے نماز میں ان پر نظر پڑ گئی تو آپ نے ان کو نکالنے اور پرانے تسمے ڈالنے کا حکم دیا۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ جوتوں کا نیا جوڑا پہنا تو وہ آپ کو اچھا معلوم ہوا آپ نے سجدہ کیا اور فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل کے لیے تواضع کی تاکہ وہ مجھ پر غضبناک نہ ہو۔ پھر آپ باہر تشریف لے گئے تو سب سے پہلے جو سائل ملا اس کو عطا فرما دیا۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کے لیے دو جوتے خریدیں جو پرانے نرم چمڑے کے ہوں۔ چنانچہ آپ نے انہیں پہنا (۳)

اور سونا حرام ہونے سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی مبارک میں سونے کی انگوٹھی تھی آپ منبر پہ تشریف فرما تھے کہ اسے پھینک دیا اور فرمایا اس نے مجھے مصروف کر دیا میں ایک نظر اس کی طرف کرتا اور دوسری نظر تمہاری طرف (۴)

ایک روایت میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باغ میں نماز پڑھی اس میں ایک درخت تھا تو ایک بھورے رنگ کا پرندہ آپ کو اچھا لگا جو اڑ کر اس درخت پر اڑتے ہوئے راستہ تلاش کر رہا تھا ایک گھڑی آپ اس کو دیکھتے رہے اور معلوم نہ ہو سکا کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس واقعہ کا ذکر کیا اور پھر عرض کیا

---

(۱) مشکوٰۃ شریف ص ۷۲ باب الستر فصل اول

(۲)

(۳)

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۲۲ مرویات ابن عباس

یارسول اللہ! یہ باغ صدقہ ہے جہاں چاہیں خرچ فرمائیں۔

ایک اور شخص کے بارے میں ہے کہ اس نے اپنے باغ میں نماز پڑھی کھجور کے درخت پھلوں کی وجہ سے جھکے ہوئے تھے اس نے دیکھا تو اسے پسند کیا اور معلوم نہ ہو سکا کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں اس شخص نے یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا اور کہا کہ یہ صدقہ ہے اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیں۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے پچاس ہزار میں بیچا۔ وہ لوگ فکر کی اصل کو ختم کرنے کے لیے ایسا کیا کرتے تھے نیز اسے نماز میں ہونے والے نقصان کا کفارہ قرار دیتے اور حقیقت میں بیماری کی جڑ کو اکھیڑنے کا یہی علاج اس کے علاوہ کوئی چیز فائدہ نہیں دیتی جو کچھ ہم نے ذکر کیا کہ تفکرات کو نرمی کے ساتھ ٹھنڈا کر دے اور ذکر کو سمجھنے کی طرف رجوع کرے تو یہ عمل کمزور خواہشات اور ان خیالات میں مفید ہے جو دل کے اطراف کو مشغول رکھتے ہیں لیکن مضبوط اور زوردار خواہشات کو ساکن نہیں کیا جا سکتا بلکہ مسلسل تو ان کو اور وہ تجھے کھینچتی رہیں گی حتیٰ کہ وہ تجھ پر غالب آ جائیں گی اور تمام نماز اس کھینچا تانی کی نذر ہو جائے گی اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص درخت کے نیچے اپنی فکر کو صاف رکھنا چاہتا ہو لیکن چڑیوں کی آواز سے اسے تشویش پیدا ہو تو وہ لکڑی لے کر مسلسل ان کو اڑاتا ہے اور اپنی سوچ کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن چڑیاں پھر لوٹ آتی ہیں وہ دوبارہ لکڑی لے کر ان کو اڑاتا ہے تو اسے کہا جائے گا کہ یہ اونٹنی کی چال ہے اس طرح یہ کبھی ختم نہ ہو گی اگر تم اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہو تو درخت کو کاٹ دو اسی طرح شہوتوں کا درخت جب پھیل جائے اور اس کی ٹہنیاں اِدھر اُدھر بکھر جائیں تو وہ افکار کو اپنی طرف کھینچتی ہیں جس طرح چڑیوں کو درخت کی طرف اور مکھیوں کو گندگی کی طرف کشش ہوتی ہے کیونکہ مکھی کو جب بھگایا جائے تو پھر آتی ہے اسی لیے اسی ذباب کہا جاتا ہے (جسے زیادہ بھگایا جائے) وسوسوں اور خیالات کا بھی یہی حال ہے۔

یہ خواہشات بہت زیادہ ہیں اور انسان ان سے بہت کم خالی ہوتا ہے لیکن ان تمام کو ایک چیز جمع کرتی ہے اور وہ دنیا کی محبت ہے، اسی طرح ہر گناہ کی بنیاد ہر نقصان کی اصل اور ہر فساد کی جڑ دنیا سے محبت ہے، اور جس آدمی کا دل دنیا کی محبت پر مشتمل ہو یہاں تک کہ وہ اس میں سے کسی چیز کی طرف مائل ہو جائے لیکن اس لیے نہیں کہ وہ اسے آخرت کا توشہ بناتا ہے اور نہ کہ وہ اس سے آخرت پر مدد لیتا تو اس کو نماز میں مناجات کی لذت صاف طور پر حاصل ہونے کی امید نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ جو آدمی دنیا پہ خوش ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مناجات کو پسند نہیں فرماتا اور انسان کی ہمت اور ارادہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک دنیا سے حاصل ہو تو لامحالہ اس کی ہمت اسی طرف پھرے گی لیکن اس کے باوجود اسے چاہیے کہ نہ تو مجاہدہ کو ترک کرے اور نہ دل کی نماز کی طرف توجہ کو چھوڑے نیز مشغول کرنے والے اسباب کو کم کر دے یہ کڑوی دوا ہے اسی کڑواہٹ کی وجہ سے طبیعتیں اسے بدمزہ سمجھتی ہیں اور مرض پرانا ہوتا جاتا ہے اور لاعلاج بھی۔ حتیٰ کہ بعض اکابر نے کوشش کی کہ وہ دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ ان میں دنیوی امور کے بارے میں کوئی بات پیدا نہ ہو لیکن وہ اس سے عاجز آگئے تو اب ہمارے

جیسے لوگوں کے لیے کیا امید باقی رہ گئی ؟ کاش ہماری نماز سے نصف یا تیسرا حصہ ہی وسوسوں سے محفوظ ہو جاتا یا کم از کم ہم ان لوگوں میں سے ہو جاتے جنہوں نے نیک اعمل کو بُرے اعمال سے ملالیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی ہمت اور آخرت کا ارادہ دل میں اس پانی کی طرح ہے جو سرکہ سے بھرے ہوئے پیالے میں ڈالا جائے تو جس قدر پانی اس میں جائے گا اسی مقدار میں سرکہ باہر آئے گا اور یہ دونوں جمع نہیں ہوں گے۔

نماز میں دل کی حاضری کی تفصیل :

پس ہم کہتے ہیں کہ اگر تم آخرت کا ارادہ کرتے ہو تو نماز کی شرائط اور ارکان کے بارے میں جو تنبیہات ہیں ان سے غافل نہ ہو۔

نماز کی شرائط نماز سے پہلے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہیں اذان، طہارت، جسم کو ڈھانپنا، قبلہ رُخ ہونا، سیدھا کھڑا ہونا اور نیت کرنا اذان ـــــ جب تم مؤذن کی اذان سنو تو دل میں اس پکار کی دہشت کو حاضر کرو جو قیامت کے دن ہوگی اور اپنے ظاہر و باطن کو قبولیت اور نماز کی طرف جلدی کرنے پر تیار کرو۔

کیوں کہ جو لوگ اس پکار (اذان) کی طرف جلدی کرتے ہیں وہ بڑی پیشی کے دن (قیامت کے دن) لطف و کرم کے ساتھ پکارے جائیں گے۔ پس تم اپنے دل کو اس اذان کی طرف متوجہ کرو، اگر تم اسے یوں پاؤ کہ وہ خوشی اور خوشخبری سے بھرپور ہے اور اس کی طرف جلدی کرنے کی رغبت پیدا کر رہی ہے تو جان لو کہ قیامت کے دن تمہیں خوشخبری اور کامیابی کی آواز کے ساتھ پکارا جائے گا۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَرِحْنَا یَا بِلَالُ (۱) اے بلال ہمیں آرام پہنچاؤ۔

یعنی اے بلال ہمیں نماز اور اس کی طرف پکارنے کے ذریعے سکون پہنچاؤ کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں تھی۔

طہارت ـــــ جب تم نماز کی جگہ کو پاک کرتے ہو حالانکہ وہ تم سے دور ہے پھر اپنے کپڑوں کو پاک کرتے ہو جو تمہارے جسم سے متصل ہیں اور زیادہ قریب ہیں پھر اپنے جسم کو پاک کرتے ہو جو تمہارا چمڑا ہے اور تمہارے بہت قریب ہے تو اپنے مغز یعنی ذات سے غافل نہ ہو اور تمہارا دل ہے۔

لہٰذا تم اسے توبہ اور ندامت کے ذریعے کوتاہیوں سے پاک کر دو۔ اور پختہ ارادہ کرو کہ مستقبل میں ان باتوں کو چھوڑ

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۶ ص ۲۷۷ حدیث ۶۲۱۵

دو گے پس اپنے باطن کو پاک کر دیکھو، تمہارا معبود اسی کو دیکھتا ہے۔

جسم کو ڈھانپنا ـــــ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا مطلب ہے جسم کے ان حصوں کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپانا جن کی طرف نظر کرنا بری بات ہے تو باطنی پردے اور ان برائیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن پر صرف تیرا رب مطلع ہوتا ہے لہذا اپنے دل میں ان خرابیوں کو حاضر کر کے اپنے نفس سے ان کو ڈھانپنے کا مطالبہ کر اور یہ بات ثابت ہے کہ کوئی بھی پردہ اللہ تعالیٰ کی نظر سے چھپا نہیں سکتا بلکہ ان چیزوں کو ندامت، حیا اور خوف ہی مٹا سکتا ہے تو تیرے دل میں ان برائیوں کے حاضر ہونے کا فائدہ یہ ہوگا کہ خوف وحیا کے لشکر اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس طرح تمہارا نفس جھک جائے گا اور شرمندگی کے نیچے تمہارا دل دب جائے گا۔ اور تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوگا جیسے کوئی مجرم بھاگا ہوا غلام، نادم ہو کر واپس آتا ہے اور حیاء اور خوف کی وجہ سے اپنے مالک کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہوتا ہے۔

قبلہ رخ ہونا ـــــ اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ چہرے کو تمام اطراف سے موڑ کر کعبہ شریف کی طرف کر دیا جائے تو تمہارا خیال ہے دل کو تمام امور سے پھیر کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کر دینا مقصود نہ ہوگا۔ سوچیے، اس کے سوا اور کیا بات مطلوب ہے، یہ ظاہری افعال در حقیقت باطنی امور کو حرکت دیتے ہیں، اعضاء کو کنٹرول کرتے ہیں اور انہیں ایک جہت پر رکھ کر انہیں ساکن کر دیتے ہیں تاکہ وہ دل کے خلاف بغاوت نہ کریں کیونکہ جب وہ اپنی حرکات اور دوسری طرف توجہ کی صورت میں بغاوت وزیادتی کرتے ہیں تو دل ان کے پیچھے جاتا ہے اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں رہتا لہذا تیرے دل کی توجہ، بدن کی توجہ کے ساتھ رہنی چاہیئے تو جان لو کہ جس طرح قبلہ رخ اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک تمام اطراف سے پھر نہ جائیں اسی طرح دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف اس وقت تک نہیں پھر سکتے جب تک اس کے غیر سے اسے فارغ نہ کر دیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

إِذَا قَامَ الْعَبْدُ إِلَى صَلَاتِهِ فَكَانَ هَوَاهُ وَوَجْهُهُ وَقَلْبُهُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ انْصَرَفَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ (۱)

جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس کی خواہش، چہرہ اور دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو وہ یوں لوٹتا ہے جیسے آج ہی وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

سیدھا کھڑا ہونا ـــــ یعنی جسم اور دل کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونا تو سر جو تمام اعضاء سے اونچا اور بلند ہے وہ جھکا ہوا ہونا چاہیے اور سر کا یہ جھکنا اس بات کی تنبیہ بن جائے کہ دل میں ہمیشہ عاجزی رہے اور وہ تکبر وغرور

---

(۱) کنز العمال جلد ۷ ص ۲۰۱۵ حدیث ۱۸۹۸۸

سے پاک رہنے اس وقت تمہارے سامنے وہ منظر ہونا چاہیے جب تم سوال کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوگے تو یہ کتنا خطرناک مقام ہوگا۔ اس وقت تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو اور وہ تم پر مطلع ہے اگر تم سے اس کے جلال کی پہچان حاصل نہیں کر سکتے تو اس طرح کھڑے ہو جاؤ جس طرح آدمی دنیوی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے بلکہ نماز میں کھڑا ہوتے وقت یوں خیال کیا جائے کہ تم اپنے گھر والوں میں سے کسی نیک آدمی کی نظر میں ہو اور وہ تمہاری حفاظت کر رہا ہے یا وہ شخص جسے تمہاری اصلاح میں رغبت ہے اس وقت تمہارا جسم ساکن اور اعضاء ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور تمہارے تمام اجزائے بدن میں سکون پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ نہیں ڈر ہوتا ہے کہ کہیں یہ عاجز شخص تمہیں خشوع کی کمی کا طعنہ نہ دے تو جب تم ایک عاجز آدمی کے دیکھتے وقت یہ بات محسوس کرو تو اپنے نفس کو جھڑکو اور کہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو اس بات پر جرات کرتے ہوئے تمہیں حیا نہیں آتی اور پھر تم اس کے بندوں میں سے کسی ایک کی تعظیم کرتے ہو یا لوگوں سے ڈرتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے حالانکہ اس سے ڈرنے کا زیادہ حق ہے۔ اسی لیے جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ سے کس طرح حیا کیا جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تَسْتَحْيِيْ مِنْهُ كَمَا تَسْتَحْيِيْ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ مِنْ قَوْمِكَ (۱)

اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنی قوم کے کسی نیک آدمی سے ڈرتے ہو۔

بعض روایات میں "من قومك" کی جگہ "من اهلك" کے الفاظ آئے ہیں۔

نیت: تم اس بات کا پکا ارادہ کرو کہ اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے اسے پورا کرنے اس کو توڑنے والی چیزوں سے رک جانے اور ان سب امور میں صرف اپنے رضا جوئی کا حکم دیا ہے میں نے اس کو تسلیم کیا۔ اس کے ثواب کی امید اور عذاب کے خوف نیز اس کی قربت کی طلب کا ارادہ کیا جائے۔ اور اس کے احسان کو گلے کا ہار بناؤ کہ باوجود ہمارے بے ادب اور گنہگار ہونے کے اس نے اپنے ساتھ گفتگو کا اعزاز بخشا۔ اپنے دل میں اس کے ساتھ مناجات کی عظمت کا تصور کرو اور غور کرو کہ کس کے ساتھ مناجات کر رہے ہو، اور کس کلام کے ذریعے مناجات کر رہے ہے اس وقت شرمندگی کی وجہ سے تمہاری پیشانی پر پسینہ آنا چاہیے، مصیبت کی وجہ سے تمہارے کاندھے تھرا جائیں اور خوف کی وجہ سے چہرہ زرد ہو جائے۔

تکبیر: جب تم زبان سے تکبیر کہو تو تمہیں چاہیئے کہ اپنے دل کے ساتھ اس کو نہ جھٹلاؤ اگر تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ سے بھی بڑی چیز کا تصور ہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے جھوٹ پر گواہ ہے اگرچہ تمہارا کلام سچ ہو (یعنی اللہ اکبر کہنا صحیح اور سچ ہے) جس طرح منافقین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

---

(۱) شعب الایمان للبیہقی جلد ۶ ص ۱۴۲ حدیث ۷۷۳۰

منافق آپ کو رسول کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی گواہی دیتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں لیکن منافق جھوٹے ہیں) اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی نسبت تمہاری خواہشات تم پر غالب ہوں تو تم اللہ تعالیٰ کی نسبت ان کی زیادہ اطاعت کرتے ہو گویا تم نے ان خواہشات کو اپنا معبود بنالیا اور ان کی بڑائی بیان کی تو قریب ہے کہ تمہارا "اللہ اکبر" کہنا محض زبانی قول ہو اور دل میں اس کی تائید و موافقت نہ ہو۔ اگر توبہ استغفار اور اللہ تعالیٰ کے کرم و عفو در گذر کے بارے میں اچھا گمان نہ ہو تو اس سے بڑا خطرہ کیا ہوگا۔

دعائے آغاز: آغاز میں تم یہ کلمات کہو۔

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (میں نے اپنے آپ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا) اور اس سے مراد محض چہرے کا ادھر متوجہ کرنا ہے کیوں کہ تم قبلہ رُخ ہو چکے ہو اور اللہ تعالیٰ جہات سے پاک ہے کہ تم اُدھر متوجہ ہو جادھر اس کا بدن ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ دل کی توجہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے کی طرف ہو، تو تمہیں دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنی خواہشات اور گھر یا بازار کی طرف متوجہ ہے اور خواہشات کے پیچھے چل رہا ہے یا آسمانوں کو پیدا کرنے والے کی طرف ہے تمہیں اس بات سے بچنا چاہیئے کہ نماز کا آغاز ہی جھوٹ اور بناوٹ پر مبنی ہو۔ اور جب تک تم اپنے دل کو دوسروں سے نہیں ہٹاؤ گے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اگر تم مسلسل ایسا نہیں کر سکتے تو اس وقت اسے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرو۔ تاکہ فی الحال تو تمہاری بات سچ قرار پائے اور جب تم "حنیفا مسلما" (خالص اسی کا فرمانبردار) کے الفاظ کہو تو تمہارے دل میں یہ خیال ہونا چاہیے کہ مسلمان تو وہ ہی ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اگر یہ صورت نہ ہو تو تم جھوٹے ہو نگے۔ لہٰذا تمہیں گذشتہ پر ندامت اور مستقبل کے بارے میں پختہ ارادے کا اظہار کرنا چاہیئے اور جب تم کہو "وما انا من المشرکین" (میں مشرکین میں سے نہیں ہوں) تو تمہارے دل میں شرک خفی کا تصور آنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (۱)

تو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کرنے کی امید رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ اچھے عمل کرے اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنی عبادت سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور لوگوں کی طرف سے تعریفی کلمات چاہتے ہیں تمہیں اس شرک سے ڈرنا اور بچنا چاہیے اور اگر تم اس قسم کے شرک سے محفوظ نہ ہونے کے باوجود

(۱) قرآن مجید سورۂ کہف آیت ۱۱۰

اپنے آپ کو مشرکین میں سے نہیں سمجھتے تو تمہیں دل سے شرمندگی محسوس کرنی چاہیئے۔ کیونکہ شرک کا لفظ قلیل و کثیر پر بولا جاتا ہے اور جب تم کہو "مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ"، میری زندگی اور موت تو جان لو کہ یہ اس غلام کی حالت ہوتی ہے جو اپنے نفس کو گم کر کے اپنے مالک کے لیے موجود ہوتا ہے، اور اگر یہ کلمات اس شخص سے صادر ہوں جس کی رضا، غصہ، کھڑا ہونا اور بیٹھنا، دنیا میں رغبت اور موت سے خوف دنیوی امور کے لیے ہوں تو یہ کلمات اس کی حالت کے مناسب نہیں ہے اور جب تم اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ کہو تو تم جان لو کہ وہی تمہارا دشمن اور تمہارے دل کو اللہ تعالےٰ سے پھرنے کی کوشش کرنے والا ہے وہ اس بات پر حسد کرتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہے ہو اور اس کے لیے سجدہ کرتے ہو جب کہ وہ ایک سجدہ کرنے اور اس کے توفیق نہ دیئے جانے کے باعث لعنت کا مستحق ہوا۔ لہذا جب تم شیطان سے اللہ تعالےٰ کی پناہ میں آنا چاہتے ہو تو تمہیں اس چیز کو چھوڑنا ہوگا جسے شیطان پسند کرتا ہے اور اسے اختیار کرنا ہوگا جو اللہ تعالےٰ کو پسند ہے محض زبانی کلمات نہیں۔ کیوں کہ جب کوئی درندہ یا دشمن کسی شخص کے پیچھے لگ جاتا ہے تاکہ وہ ڈرائے یا ہلاک کردے اور یہ شخص اپنی جگہ کھڑا رہے اور کہے میں اس مضبوط قلعے میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں تو یہ بات اسے فائدہ نہیں دے گی بلکہ اسے تو جگہ تبدیل کرنے سے فائدہ ہوگا۔

اسی طرح جو شخص خواہشات کی پیروی کرتا ہے جو شیطان کو پسند اور رحمٰن کو ناپسند ہیں تو اسے بھی محض قول فائدہ نہ دے گا بلکہ اسے شیطان کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے قلعے میں پناہ لینے کا عزم کرنا چاہیے اور اس کا قلعہ "لا الٰہ الا محمد رسول اللہ" ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا اِلٰهَ حِصْنِيْ فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِيْ اٰمِنَ مِنْ عَذَابِيْ (۱) کلمہ طیبہ میرا قلعہ ہے اور جو شخص میرے قلعے میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

اور وہی شخص اس قلعے میں پناہ لے سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہ مانتا ہو لیکن جو شخص اپنی خواہش کو معبود بنا لیتا ہے وہ شیطان کے میدان میں ہے اللہ تعالیٰ کے قلعے میں نہیں۔

تمہیں جاننا چاہیے کہ شیطان کا فریب یہ ہے کہ وہ تمہیں نماز میں ذکر آخرت اور اچھے کاموں کی تدبیر سے دوسری طرف پھیر دے تاکہ وہ کہیں تمہاری قرأت کے سمجھنے سے روک دے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جو چیز تمہیں قرأت کے معانی سمجھنے سے دور رکھے وہ وسوسے ہیں۔ کیوں کہ مقصود زبان کو حرکت دینا نہیں بلکہ اس کے معانی مراد ہے۔

---

(۱) تاریخ ابن عساکر جلد ۲ ص ۸۲ ترجمہ احمد بن محمد بن ہارون

قرأت: جہاں تک قرأت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں لوگ تین قسم کے ہیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کی زبان حرکت کرتی ہے اور دل غافل ہے دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کی زبان حرکت کرتی ہے اور دل اس کی اتباع کرتا ہے اور وہ کلام کے مفہوم کو اسی طرح سمجھتا اور سنتا ہے جس طرح کسی دوسرے سے سنتا ہے یہ دائیں طرف والوں (اصحاب یمین) کے درجات ہیں اور ایک وہ شخص کہ اس کا دل پہلے معانی کی طرف جاتا ہے پھر زبان، دل کی خدمت کرتی ہے اور اس کی ترجمان بنتی ہے پس زبان کے دل کا ترجمان بننے اور دل کا معلم بننے میں فرق ہے جو لوگ مقربین خدا ہیں ان کی زبان ترجمان ہے جو دل کے پیچھے چلتی ہے اور دل اس کے پیچھے نہیں جاتا۔

معانی کی ترجمانی کی تفصیل یوں ہے کہ جب تم "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھو تو اس سے کلام الٰہی کی قرأت کے سبب برکت کی نیت کرو اور اس کا مطلب یوں سمجھو کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع ہوتے ہیں اور یہاں اسم سے مسمٰی مراد ہے اور جب تمام امور اللہ تعالیٰ کے نام اور مدد کے ساتھ ہیں تو یقیناً ہر تعریف کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے مطلب یہ ہے کہ جب تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو شکر بھی اسی کا ادا کرنا چاہیے اور جو آدمی کسی نعمت کو غیر خدا کی طرف سے دیکھتا ہے یا اس کا شکریہ اس انداز میں ادا کرتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور نہیں جانتا (بلکہ مستقل بالذات سمجھتا ہے) تو اس کے الحمد للہ کہنے میں اتنا نقصان ہے جس قدر وہ غیر خدا کی طرف متوجہ ہو گا۔

جب تم "الرحمٰن الرحیم" کہو تو اپنے دل میں اس کی ہر قسم کی مہربانی کا تصور کرو تاکہ اس کی رحمت تمہارے سامنے واضح ہو جائے اور اس سے تمہاری امید بر آئے۔

پھر "مالک یوم الدین" کے الفاظ سے تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور خوف پیدا ہونا چاہیے عظمت اس لیے کہ بادشاہی تو صرف اسی کی ہے۔ اور خوف اس وجہ سے کہ جزا اور حساب کا ڈر سامنے ہو کیونکہ اس کا مالک بھی تو وہی ہے پھر "ایاک نعبد" کے الفاظ سے خلوص نیت کی تجدید کرو اور "ایاک نستعین" کے ذریعے اپنی عاجزی اور محتاجی نیز اپنی قوت سے برأت کو تازہ کرو۔ اور یہ عقیدہ رکھو کہ اس کی مدد کے بغیر عبادت نہیں ہو سکتی اور اس کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائی اپنی عبادت میں مصروف کیا اور اپنے ساتھ مناجات کا اہل بنایا۔ اور اگر وہ تمہیں اس توفیق سے محروم کر دیتا تو تم شیطان لعین کے ساتھ راندۂ درگاہ ہوتے۔

پھر جب تم اعوذ باللہ، بسم اللہ اور الحمد للہ سے نیز اللہ تعالیٰ کی مدد کی احتیاج کے اظہار سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے سوال کو متعین کرو اور وہی چیز طلب کرو جو سب سے اہم ہو۔ اور یوں کہو "اھدنا الصراط المستقیم" ہمیں سیدھے راستے پر چلا جو تیرے قریب پہنچا دے اور تیری رضا تک لے جائے اور اس کی شرح و تفصیل اور زیادہ تاکید کو ان لوگوں کی معیت کے ساتھ زیادہ کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی نعمت عطا فرمائی اور وہ انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ وہ لوگ نہیں جن پر غضب ہوا یعنی کفار (مشرک)، یہود و نصاریٰ اور ستارہ پرستوں میں سے وہ لوگ جن کے دل ٹیڑھے ہیں پھر دعا کی قبولیت

طلب کرتے ہوئے لفظ آمین کہو۔

پھر جب سورۂ فاتحہ پڑھو گے تو تعجب نہیں کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا کہ وہ فرماتا ہے۔

قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ نِصْفُهَا لِيْ وَنِصْفُهَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ يَقُوْلُ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَاَثْنٰى عَلَيَّ (۱)

میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا اس کا نصف میرے لیے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد و ثناء کی ہے۔

"سمع اللہ لمن حمدہ" (اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کی بات کو سنا جس نے اس کی تعریف کی) کا مطلب بھی یہی ہے —— اور اگر تمہیں نماز سے صرف اتنا حصہ ہی مل جائے کہ اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت کا ذکر کر لو تو یہ غنیمت بھی کافی ہے تو جو کچھ اس کے ثواب اور فضل کی امید ہے اس کا کیا کہنا۔

اسی طرح تمہیں ان سورتوں کو بھی سمجھنا چاہیے جو تم پڑھتے ہو جیسا کہ تلاوت قرآن کے بیان میں آئے گا۔ لہٰذا تمہیں اس کے امر، نہی، وعدہ، وعید، وعظ انبیاء کرام کی خبروں اور اللہ تعالیٰ کے احسان کے ذکر سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور ان میں سے ہر بات کا ایک حق ہے مثلاً وعدہ کا حق امید ہے وعید کا حق خوف، امر و نہی کا حق ان کی تعمیل کا عزم، وعظ کا حق نصیحت حاصل کرنا، احسان کا حق شکر ادا کرنا اور انبیاء کرام کی خبروں کا حق عبرت پکڑنا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ (تلاوت کرتے ہوئے)

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ۔ (۲) — اور جب صور پھونکا جائے گا۔

پر پہنچے تو انتقال کر گئے اور گر پڑے اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ جب یہ آیت سنتے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (۳) — جب آسمان پھٹ جائے گا۔

تو پریشان ہو جاتے حتیٰ کہ ان کا جوڑ جوڑ تھرتھرانے لگتا۔

---

(۱) سنن بیہقی جلد ۲ ص ۳۹ باب تعیین القرآن بفاتحۃ الکتاب

(۲) قرآن مجید سورۂ مدثر آیت ۸

(۳) قرآن مجید سورۂ انشقاق آیت ۱

حضرت عبداللہ بن واقد فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپ حالتِ اضطراب میں ہوتے اور انسان کے لائق یہی بات ہے کہ آقا کے وعدے اور وعید پر اس کا دل جل جائے کیونکہ وہ جبار غالب بادشاہ کے سامنے ایک گناہ گار اور ذلیل غلام کی طرح ہے۔ اور یہ معانی، سمجھ کے درجات کے مطابق ہوتے ہیں اور فہم وفراست، علم کی زیادتی اور دل کی صفائی کے مطابق ہوتی ہے اور یہ درجات کسی حد کے پابند نہیں ہیں نماز، دلوں کی چابی ہے اس میں کلمات کے اسرار منکشف ہوتے ہیں یہ قرأت کا حق ہے اور دیگر اذکار و تسبیحات کا حق بھی یہی ہے۔

پھر قرأت میں ہیبت کی رعایت بھی کرے اور ترتیل سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھے جلدی نہ کرے کیونکہ غور وفکر کے لیے یہ طریقہ آسان ہے نیز آیات اور عذاب کی آیات وعدے اور وعید کی آیات اور تحمید و تعظیم اور تمجید (بزرگی کے اظہار) کی آیات کو جدا جدا لہجوں میں پڑھے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ جب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد جیسے مقامات کو پڑھتے تو اپنی آواز کو پست کر دیتے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ (۱) اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار نہیں کی اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے۔

آپ اس طرح آواز پست کرتے جیسے کوئی شخص ایسی بات کو ذکر کرنے سے حیا کر رہا ہو جو بیان کے لائق نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ (قیامت کے دن) قرآن پاک کے قاری سے کہا جائے گا۔

اِقْرَاْ وَارْقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا (۲) (قرآن پاک) پڑھتے جاؤ اور ترقی کی منازل طے کرتے جاؤ اور اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھو جس طرح دنیا میں پڑھتے تھے۔

❊ ❊ ❊

دوام قیام ــــــ نماز میں مسلسل کھڑا رہنا اس بات پر تنبیہ ہے کہ انسان کا دل بارگاہ خداوندی میں ایک ہی طریقے پر حاضر ہے اور کھڑا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مُقْبِلٌ عَلَى الْمُصَلِّي مَا لَمْ يَلْتَفِتْ (۳) بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نماز کی طرف متوجہ رہتی ہے جب تک وہ ادھر اُدھر نہ دیکھے۔

---

(۱) سورۂ مومنون آیت نمبر ۹۱

(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۰۶ باب کیف یستحب الترتیل فی القرآن"

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۷۲ مرویات ابوذر

توجس طرح ادھر اُدھر دیکھنے سے سر اور آنکھوں کو محفوظ رکھنا ضروری ہے اسی طرح اپنے دل کو بھی نماز کے علاوہ کسی بات کی طرف متوجہ ہونے سے بچانا ضروری ہے جب تمہارا دل دوسری طرف متوجہ ہونے لگے تو اسے یاد دلاؤ کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور مناجات کرنے والا جب اس ذات سے غافل ہو جس سے مناجات کر رہا ہے تو دوبارہ اس کے پاس جانا بہت برا ہوتا ہے لہٰذا تم دل پر خشوع کو لازم کر لو۔ کیونکہ خشوع کے نتیجے میں ہی آدمی ظاہری اور باطنی توجہ سے بچ سکتا ہے اور جب باطن میں خشوع پیدا ہوگا تو ظاہری طور پر بھی خشوع آئے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نمازی کو داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

اَمَّا هٰذَا لَوْ خَشَعَ قَلْبُهٗ لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ۔ (۱)

اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع پیدا ہوتا۔

کیونکہ رعایا تو حکمران کے حکم پر چلتی ہے اسی لیے حدیث شریف میں یہ دعا آئی ہے

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحِ الرَّاعِيَ وَالرَّعِيَّةَ۔ (۲)

اے اللہ حاکم اور اس کی رعایا دونوں کو درست کر دے۔

حاکم سے مراد دل اور رعایا سے مراد جسمانی اعضاء ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز میں میخ کی طرح کھڑے رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما یوں ہوتے جیسے لکڑی ہوں ان میں سے بعض حضرات اپنے رکوع میں یوں سکون سے رہتے کہ ان پر چڑیاں بیٹھ جاتیں گویا کہ وہ جمادات میں سے ہیں یہ تمام امور وہ ہیں کہ انسانی طبیعت کے مطابق دنیا داروں کے سامنے بجا لائے جاتے ہیں تو جو شخص بادشاہوں کے بادشاہ کی پہچان رکھتا ہے اس ذات کے سامنے ان امور کا تقاضا کیوں نہ ہوگا۔ جو شخص غیر خدا کے سامنے مطمئن کھڑا رہتا ہے اور خشوع کا اظہار کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پریشان اور مضطرب کھڑا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے خالی ہے اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے باطن اور ضمیر پر مطلع ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ درج ذیل آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے بندے کا قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ مراد ہے۔

ارشاد خداوندی ہے،

اَلَّذِيْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ (۳)

وہ ذات جو تجھے حالتِ قیام اور سجدہ کرنے والوں میں اور پر نیچے ہوتا دیکھتی ہے

---

(۱) نوادر الاصول ص ۱۸۳ الاصل الخامس والاربعون والمائۃ

(۲) الاسرار المرفوعۃ ص ۶۷ حدیث ۲۳۵

(۳) قرآن مجید سورہ شعراء آیت ۲۱۸

رکوع اور سجدہ :- رکوع اور سجدے میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا دوبارہ ذکر کرے ہاتھ بلند کر کے نئی نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ عذاب سے اس کے عفو و درگزر میں پناہ لے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرے پھر رکوع کے ذریعے نئے سرے سے اس کے سامنے تواضع کا اظہار کرے دل کو نرم کرنے اور تجدید خشوع کے لیے خوب کوشش کرو۔ اپنی ذلت اور اپنے مولا کی عزت کا اور مقام کی بلندی کو سمجھنے کی کوشش کر اور زبان کی مدد سے اس کو دل میں پکا کرو۔ اپنے رب کی پاکیزگی بیان کرو اور اس کے لیے عظمت کی گواہی دو یہ کہ وہ تمام بڑوں سے بڑا ہے اور اس بات کو بار بار دل میں ڈالو تاکہ تکرار کے ذریعے یہ بات پکی ہو جائے۔

پھر اس امید کے ساتھ رکوع سے سر اٹھاؤ کہ وہ تجھ پر رحم فرمائے گا اور اپنے دل میں امید کو ان الفاظ کے ساتھ ساتھ مضبوط کرو "سمع اللہ لمن حمدہ" یعنی اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کی بات سنتا اور قبول کرتا ہے۔

پھر مزید نعمت کے لیے دوبارہ شکر ادا کرتے ہوئے "ربنا لک الحمد" کہو اور ان الفاظ کے ساتھ شکر میں اضافہ کرو "مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ" یعنی آسمان اور زمین شکر سے بھرے ہوئے۔ پھر سجدے کے لیے جھک جاؤ اور عاجزی کے اظہار کا یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے پس تو اپنے اعضاء میں سے سب سے معزز عضو یعنی چہرے کو سب سے ہلکی چیز یعنی مٹی پر رکھ دے اگر دونوں کے درمیان کسی چیز کو حائل کرنے سے بچنا ممکن ہو اور تم زمین پر سجدہ کر سکو تو ایسا کرو کیونکہ یہ زیادہ خشوع کا موجب ہے۔ اور عجز پر زیادہ دلالت کرتا ہے جب تم اپنے آپ کو ذلت و رسوائی کی جگہ رکھ دو گے تو جان لو کہ تم نے اسے اصل مقام پر رکھا ہے اور فرع کو اصل کی طرف لوٹا دیا ہے۔ کیونکہ تو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اسی کی طرف لوٹے گا اس وقت نئے سرے سے اپنے دل میں عظمت خدا کو اجاگر کرتے ہوئے "سبحان ربی الاعلیٰ" کہو اور تکرار کے ساتھ اس کو پکا کرو کیونکہ ایک بار کہنا کمزوری ہے اب جب تمہارا دل نرم ہو جائے اور یہ بات تم پر واضح ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی پختہ امید رکھو کیونکہ اس کی رحمت کمزوری اور عاجزی کی طرف جلدی جاتی ہے تکبر اور غرور کی طرف نہیں جاتی اب تکبیر کہتے ہوئے سر کو اٹھاؤ اور یوں دعا مانگو۔ (۱)

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ — اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما نیز میرے جو گناہ تیرے علم میں ہیں ان سے درگزر فرما۔

باوجود دعا دل چاہے مانگو پھر تکرار کے ذریعے تواضع کو مضبوط کرو اور اسی طرح دوسرے سجدے کی طرف لوٹ جاؤ۔ جب تم (تشہد کے لیے) بیٹھو تو باادب ہو کر بیٹھو اور اس بات کو واضح طور پر ذکر کرو کہ وہ تمام امور جو باعث قرب خداوندی ہیں وہ بدنی عبادات ہوں یا مالی یا اچھے اخلاق سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اسی طرح بادشاہی

---

(۱) نوافل میں یہ دعا مانگ سکتے ہیں فرائض، واجبات اور سنتوں میں نہیں۔

بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے التحیات کا یہی مفہوم ہے اور اپنے دل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ذات گرامی کو حاضر سمجھو اور اب کہو "السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں اور تمہارا پختہ یقین ہونا چاہیئے کہ یہ سلام آپ تک پہنچتا ہے اور آپ اس سے زیادہ کامل جواب مرحمت فرماتے ہیں۔[1]

پھر اپنے اوپر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام بھیجو اور اس بات کی امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی تعداد کے مطابق تم پر سلام و رحمت فرمائے گا پھر اس کی وحدانیت اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی گواہی دو یعنی کلمہ شہادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے گئے وعدے کی تجدید کرو اور نئے سرے سے اس کلمہ کے قلعے میں محفوظ ہو جاؤ۔ پھر آخر میں وہ دعا مانگو جو احادیث سے ثابت ہے اس میں خشوع، تواضع، گڑگڑانے اور لجاجت سے کام لو اور قبولیت دعا کی سچی امید رکھو، اپنی دعا میں اپنے والدین اور تمام مومنوں کو شریک کرو۔ اور سلام پھیرتے وقت فرشتوں اور حاضرین پر سلام کی نیت کرو اور اس کے ساتھ نماز کے اختتام کی نیت کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اسے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور یوں خیال کرو کہ یہ تمہاری آخری نماز ہے اور آئندہ اس قسم کی نماز کے لئے زندہ نہیں رہو گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔ رخصت ہونے والے کی طرح نماز پڑھو"، پھر نماز میں کوتاہی پر اپنے دل میں خوف اور حیا محسوس کرو اور عدم قبولیت سے ڈرو اور اس بات سے ڈرو کہ کسی ظاہری یا پوشیدہ گناہ کی وجہ سے نماز تمہارے منہ پر نہ ماردی جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی امید رکھو کہ وہ اپنے کرم اور فضل سے اسے قبول فرمائے گا۔ حضرت یحییٰ بن وثاب رحمہ اللہ جب نماز پڑھتے تو ہم کچھ دیر ٹھہرے جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا ان پر نماز کی تھکاوٹ محسوس ہوتی اور حضرت ابراہیم نخعی نماز کے بعد ایک گھنٹہ ٹھہرتے گویا کہ وہ بیمار ہوں۔

یہ ان لوگوں کی نماز کی تفصیل ہے جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں، جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں، جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں اور جس قدر ممکن ہو عبادت میں اپنے رب سے مناجات کرتے ہیں تو آدمی اپنے نفس کو اس نماز پر پیش کرے اور اس میں سے جس قدر حاصل ہوا اس پر خوشی کا اظہار کرنے اور جو کچھ نقصان ہوا اس پر افسوس کا اظہار کرے اور اس کے مداوا کے لیے بھرپور کوشش کرنے۔ غافل لوگوں کی نماز خطرہ کے مقام پر ہے ہاں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ڈھانپ لے تو الگ بات ہے رحمت وسیع ہے

---

(۱) جس طرح حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا تمام اکابر امت کا یہی عقیدہ ہے کہ نماز میں بارگاہ رسالت میں سلام بطور انشاء پیش کیا جائے یعنی یہ عقیدہ اور تصور ہونا چاہیے کہ میں سلام پیش کرتا ہوں اور آپ سنتے ہیں اور جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں اسی عقیدے کے ساتھ آپ کو ندا بھی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ آپ کو "یا رسول اللہ" کے الفاظ سے پکارنا جائز ہے۔

(۱۲ ہزاروی)

اور کرم کا فیض جاری ہے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی رحمت کی چادر سے ڈھانپ لے اور اپنی مغفرت سے ہماری پردہ پوشی کرتے کیونکہ اس کی اطاعت گزاری سے عاجز ہونے کا اعتراف ہی ہمارے پردہ پوشی کرنے کیونکہ اس کی اطاعت گزاری سے عاجز ہونے کا اعتراف ہی ہمارے لیے وسیلہ ہے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ نماز کو آفات سے محفوظ رکھنا اور خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نماز ادا کرنا نیز اس کی باطنی شرائط جن کا ہم نے ذکر کیا یعنی خشوع تعظیم اور حیاء کے ساتھ ادائیگی سے دل پر انوار کی بارش ہوتی ہے۔ اور یہ انوار علوم مکاشفہ کی چابیاں ہیں۔ اولیاء کرام جنہیں آسمانوں اور زمین اور اسرار ربوبیت کا کشف ہوتا ہے انہیں یہ کشف نماز کے اندر ہوتا ہے، بالخصوص حالت سجدہ میں ایسا ہوتا ہے کیونکہ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب کے قریب ہوتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (۱) اور سجدہ کر کے قرب حاصل کرو۔

نمازی کو جس قدر دنیا کی خرابیوں سے صفائی حاصل ہوتی ہے اسی کے مطابق اسے مکاشفہ ہوتا ہے۔ اور اختلاف مکاشفہ، قوت وضعف، قلت و کثرت اور ظہور و خفاء کے اعتبار سے ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض کے لیے کوئی چیز بعینہ ظاہر ہو جاتی ہے کچھ لوگوں کے لیے اس کی مثال ظاہر ہوتی ہے جس طرح بعض بزرگوں کو دنیا، مردار کی شکل میں دکھائی جاتی ہے اور شیطان کتے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے جو اپنی چھاتی زمین پر لگائے ہوئے اسے اپنی طرف بلاتا ہے مکاشفہ کا اختلاف کشف کی چیزوں میں بھی ہوتا ہے۔ بعض حضرات کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات اور جلال منکشف ہوتا ہے بعض کے لیے اس کے کچھ افعال اور کچھ حضرات کے لیے علوم معاملہ کی باریکیاں منکشف ہوتی ہیں تمام اوقات میں ان معانی کے یقین کے لیے بے شمار خفیہ اسباب ہیں ان میں سے سب سے سخت اس کی طرف قلبی فکر کی مناسبت ہے۔ کیونکہ جب یہ فکر کسی معین چیز کی طرف پھیری جائے تو وہ انکشاف کے لیے اولیٰ ہوتی ہے اور چونکہ یہ امور اس شیشے میں دکھائی دیتے ہیں جو (زنگ سے) صیقل شدہ ہو اور شیشہ پورے کا پورا زنگ آلود ہے اس لیے ہدایت اس سے پردے میں رہتی ہے یہ بات نہیں کہ ذاتِ منعم کی طرف سے ہدایت میں بخل ہوتا ہے بلکہ ہدایت کے مقام پر میل کی تہہ جم جانے کی وجہ سے زبانیں اس قسم کی باتوں کا انکار کرنے میں جلدی کرتی ہیں۔ کیونکہ جو چیز حاضر نہ ہو اس کا انکار کرنا انسانی فطرت میں داخل ہے۔ اگر بالفرض پیٹ کے اندر بچے میں عقل ہوتی تو وہ کھلی فضاء میں انسانی موجود کا انکار کرتا اور اگر بچے میں کچھ سوجھ بوجھ ہوتی تو وہ آسمان و زمین کے ان ادراکات کا انکار کرتا جو عقل مند آدمی کو معلوم ہوتے ہیں انسان کا یہی طریقہ ہے کہ وہ بعد والی بات کا انکار کرتا ہے تو جو شخص حالت ولایت کا انکار کرتا ہے اس پر لازم آئے گا کہ وہ حالتِ نبوت کا بھی انکار کرے اللہ تعالیٰ نے کئی درجات بنائے ہیں تو یہ بات مناسب

(۱) قرآن مجید سورۃ علق آیت ۱۹

نہیں کہ آدمی اپنے (درجے) سے اوپر والے درجے کا انکار کرے ہاں چوں کہ ان لوگوں نے اس چیز کو مناظرہ اور منتشر مباحثہ کے ذریعے تلاش کیا غیر خدا سے دل کو صاف کرنے کے ذریعے تلاش نہیں کیا تو اس سے محروم رہنے کے باعث انکار کر دیا۔

اور جو آدمی اہلِ مکاشفہ میں سے نہ ہو تو کم از کم غیب پر تو ایمان رکھے اور اس کی تصدیق کرے یہاں تک کہ تجربہ سے خود مشاہدہ کرے حدیث شریف میں ہے۔

جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اور بندے کے درمیان سے پردہ اٹھا دیتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے فرشتے اس کے کاندھے سے ہوا تک کھڑے ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ نماز پڑھتے اور اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ آسمان سے لے کر نمازی کے سر کے درمیان تک نیکی برستی ہے ایک منادی اعلان کرتا ہے کہ اگر یہ مناجات کرنے والا جانتا کہ کس سے ہمکلام ہے تو اِدھر اُدھر متوجہ نہ ہوتا۔ اور بے شک نمازیوں کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اپنے نمازی بندے پر فخر فرماتا ہے (۱)

آسمان کے دروازوں کا کھلنا اور اللہ تعالیٰ کا ذاتی طور پر اس کی طرف متوجہ ہونا اس کشف سے کنایہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ تورات میں لکھا ہوا ہے۔ "اے انسان! میرے سامنے نماز پڑھتے ہوئے اور روتے ہوئے کھڑا ہونے سے عاجز نہ ہو جا میں وہ اللہ ہوں جو تیرے دل کے قریب ہوا اور غیب سے تو نے میرے نور کو دیکھا، راوی کہتے ہیں ہمارا یہی خیال تھا کہ یہ رقت، رونا اور وہ کشادگی جسے نمازی اپنے دل میں پاتا ہے اور جب یہ قرب، قربِ مکانی کے طور پر نہیں ہے تو اس سے ہدایت اور رحمت اور پردے کے اٹھ جانے کے طور پر قرب مراد ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ جب بندہ دو رکعتیں پڑھتا ہے تو اس پر فرشتوں کی دس صفیں تعجب کرتی ہیں ہر صف میں دس ہزار فرشتے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایک لاکھ فرشتوں کے سامنے اس شخص پر فخر کا اظہار فرماتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بندے کی نماز میں قیام، قعدہ، رکوع اور سجدہ جمع ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسے چالیس ہزار فرشتوں پر تقسیم کیا ہے جو فرشتے قیام کرتے ہیں وہ قیامت تک رکوع میں نہیں جائیں گے سجدہ کرنے والے قیامت تک سر نہیں اٹھائیں گے اسی طرح رکوع اور قعدہ کرنے والوں کا حال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنے قرب اور رتبہ سے جو اعزاز عطا کیا ہے وہ دائمی ہے ان کو لازم ہے اور وہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتے ہیں اس میں کمی، زیادتی نہیں ہوتی۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یوں خبر دی ہے کہ وہ کہتے ہیں۔

وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (۲) ہم میں سے ہر ایک کے لیے مقام معلوم ہے۔

---

(۱)

(۲) قرآن مجید سورۂ صافات آیت ۱۶۴

انسانی ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف ترقی کے اعتبار سے فرشتوں سے جدا ہو گیا کیونکہ وہ مسلسل قرب خداوندی حاصل کرتا رہتا ہے اور اس کے قرب میں اضافہ ہوتا ہے لیکن فرشتوں پر اس اضافے کا دروازہ بند ہے اور ہر ایک کے لیے وہی مرتبہ ہی جس پر وہ کھڑا ہے اور وہی عبادت ہے جس میں وہ مشغول ہے وہ اس کے غیر کی طرف منتقل نہیں ہوتا اور نہ وہ اس میں کوتاہی کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ۔ (۱)

وہ (فرشتے) اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور کوتاہی نہیں کرتے۔

درجات میں اضافہ کی چابی نماز ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ هُمْ فِي صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُونَ (۲)

بے شک ان لوگوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے بعد مخصوص نماز جو خشوع سے ملی ہوتی ہے، کے ساتھ ان کی تعریف فرمائی۔ پھر فلاح پانے والوں کے اوصاف کا اختتام بھی نماز کے ذکر سے کیا فرمان خداوندی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُونَ (۳)

اور وہ لوگ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔

پھر ان صفات کے نتیجے میں فرمایا:

اُولٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِيْنَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ (۴)

یہی لوگ وارث ہیں یعنی جنت الفردوس کے وارث ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

تو پہلے انہیں فلاح کے ساتھ اور پھر جنت الفردوس کی وراثت کے ساتھ موصوف کیا اور میں نہیں سمجھتا کہ زبان کی یہ تیز رفتاری، دل کی غفلت کے باوجود اس درجہ تک پہنچا دے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابل کے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

---

(۱) قرآن مجید سورۂ انبیاء آیت نمبر ۱۹، ۲۰

(۲) قرآن مجید سورۂ مومنون آیت نمبر ۲

(۳) قرآن مجید سورۂ مومنون آیت نمبر ۹

(۴) قرآن مجید سورۂ مومنون آیت نمبر ۱۰، ۱۱

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (۱) اے جہنمیو! تم کس وجہ سے جہنم میں چلے گئے تو وہ کہیں گے ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔

تو نمازی ہی جنت الفردوس کے وارث ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کے نور کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس بات کا اعزاز حاصل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے قریب ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں سے کر دے اور ہمیں ان لوگوں کے عذاب سے بچائے جن کی باتیں اچھی اور عمل بُرے ہیں وہی اللہ کریم احسان فرمانے والا ہے اور اس کا احسان قدیم ہے اللہ تعالیٰ کے ہر منتخب بندے پر رحمت ہو۔

خشوع کرنے والوں کی نماز کے بارے میں کچھ واقعات

ہمیں جاننا چاہیئے کہ خشوع ایمان اور یقین کا نتیجہ و ثمرہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے جلال سے حاصل ہوتا ہے جیسے اس میں سے حصہ ملا وہ نماز میں اور نماز کے باہر بھی خشوع سے کام لیتا ہے بلکہ علیحدگی میں بھی اور قضائے حاجت کے وقت بھی ـــــ کیونکہ خشوع کا سبب اس بات کی معرفت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر مطلع ہے نیز اسے اللہ تعالیٰ کے جلال اور اپنی کوتاہیوں کی بھی معرفت ہو۔ ان معارف سے خشوع پیدا ہوتا ہے اور یہ نماز کے ساتھ خاص نہیں اسی لیے بعض اکابر کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے اور خشوع کے تحت چالیس سال تک اپنا سر آسمان کی طرف نہیں اٹھایا۔

اور حضرت ربیع بن خثیم اپنی آنکھوں اور سر کو اس قدر جھکائے رکھتے کہ لوگ سمجھتے یہ نابینا ہیں۔ آپ بیس سال تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوتے رہے تو جب بھی ان کی لونڈی انہیں دیکھتی تو کہتی آپ کے نابینا دوست تشریف لائے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس لونڈی کی بات پر مسکرا دیتے۔ وہ جب دروازہ کھٹکھٹاتے تو لونڈی باہر آتی اور ان کو سر جھکائے اور آنکھوں کو نیچے کیا ہوا دیکھتی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب ان کو دیکھتے تو پڑھتے۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ (۲) اور تواضع کرنے والوں کو خوشخبری سنائیں۔

(فرمایا) اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو دیکھتے تو خوش ہوتے۔ اور دوسرے الفاظ میں یوں ہے کہ آپ سے محبت کرتے۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ کو دیکھ کر مسکرا پڑتے تھے۔ ایک دن حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوہاروں کے پاس گئے جب بھٹیوں کو دیکھا کہ انہیں دھونکا جا رہا ہے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز کے وقت تک ان

---

(۱) قرآن مجید سورۂ مدثر آیت ۴۲، ۴۳

(۲) قرآن مجید سورۂ حج آیت ۳۴

کے سرہانے بیٹھے رہے لیکن انہیں افاقہ نہ ہوا چنانچہ انہوں نے ان کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا اور گھر لے گئے وہ اس وقت تک بیہوش رہے جس وقت (پہلے دن) بیہوش ہوئے تھے۔ اس طرح ان سے پانچ نمازیں رہ گئیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے کہتے رہے اللہ کی قسم! یہ وہی خوف ہے حضرت ربیع فرمایا کرتے تھے میں جب بھی نماز میں داخل ہوا تو مجھے صرف یہی فکر رہی کہ کیا کہتا ہوں اور مجھے کیا جواب ملے گا۔

حضرت عامر بن عبداللہ خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے تھے۔ آپ جب نماز پڑھتے تو بعض اوقات آپ کی صاحبزادی دف بجاتی اور ان عورتوں سے باتیں کرتی جو گھر میں آتیں لیکن آپ نہ تو سنتے اور نہ سمجھ پاتے ایک دن ان سے پوچھا گیا کیا آپ نماز میں اپنے نفس سے کوئی بات کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا ہاں یہ بات کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں اور دو گھروں میں سے ایک (آخرت) کی طرف لوٹ کر جاؤں گا۔ پوچھا گیا کیا آپ بھی ہماری طرح نماز میں امور دنیا میں سے کچھ پاتے ہیں؟ فرمایا نہیں۔ کیونکہ میں نماز میں خیالات کے پیدا ہونے کی نسبت مختلف برچھیوں کے ذریعے اپنے اوپر حملے کو ترجیح دیتا ہوں اور وہ فرمایا کرتے تھے اگر پردہ اٹھ جائے تو میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہوگا۔

حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے اور ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے انہیں مسجد کا ستون گرنے کی خبر نہ ہوئی۔

کسی بزرگ کے جسم کا ایک حصہ گل سڑ گیا اور اسے کاٹنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور یہ ممکن نہ تھا تو کہا گیا کہ انہیں نماز میں کسی بات کا احساس نہیں ہوتا چنانچہ جب وہ نماز میں تھے تو ان کا عضو کاٹ دیا گیا۔

بعض بزرگوں نے فرمایا "نماز آخرت سے ہے پس جب تم نماز میں داخل ہو تو دنیا سے نکل جاؤ" ایک دوسرے بزرگ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نماز میں اپنے نفس سے کوئی بات کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا نماز میں اور نہ اس سے باہر ——
ایک اور بزرگ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو نماز میں کوئی بات یاد آتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کیا مجھے نماز سے بڑھ کر بھی کوئی چیز پسند ہوگی کہ میں اسے یاد کروں گا۔ ——

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ انسان کی سمجھداری یہ ہے کہ وہ نماز شروع کرنے سے پہلے اپنی حاجت کو پورا کرے تاکہ فارغ دل کے ساتھ نماز شروع کرے اور بعض بزرگ وسوسوں کے خوف سے مختصر نماز پڑھتے تھے۔ ——

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے مختصر نماز پڑھی پوچھا گیا اے ابوالیقظان! آپ نے ہلکی پھلکی نماز پڑھی ہے؟ فرمایا کیا تم نے مجھے نماز کی حدود میں کمی کرتے دیکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، فرمایا میں نے شیطان کے بھلانے سے بچنے کے لیے جلدی کی ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الْعَبْدَ لَيُصَلِّي الصَّلٰوةَ لَا يُكْتَبُ — بے شک آدمی نماز پڑھتا ہے لیکن اس کے لیے اس

لَهٗ نِصْفُهَا وَلَا ثُلُثُهَا وَلَا رُبُعُهَا وَلَا خُمُسُهَا وَلَا سُدُسُهَا وَلَا عُشْرُهَا۔(۱) کا نصف تہائی چوتھا، پانچواں، چھٹا اور دسواں حصہ کچھ بھی (ثواب) نہیں لکھا جاتا۔

آپ فرماتے تھے بندے کے لیے نماز سے وہی کچھ لوگ لکھا جاتا ہے جسے وہ سمجھ کر ادا کرتا ہے اور کہا گیا ہے کہ حضرت حضرت زبیر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ تمام لوگوں کی نسبت ہلکی پھلکی نماز پڑھتے تھے وہ فرماتے تھے کہ ہم شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لیے جلدی کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا۔

اسلام کی حالت میں انسان کے رخساروں پر سفیدی آجاتی ہے (داڑھی سفید ہو جاتی ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے لیے نماز کو مکمل نہیں کرتا پوچھا گیا وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا وہ اس کے خشوع اور تواضع کو پورا نہیں کرتا اور نہ ہی نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوالعالیہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا۔

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (۲) وہ لوگ جو اپنی نماز سے غافل ہوتے ہیں۔

تو انہوں نے فرمایا وہ آدمی جو نماز میں بھول جاتا ہے اور اسے معلوم نہیں ہوتا کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں جفت رکعات، پڑھی ہیں یا طاق؟

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جو نماز کے وقت غافل رہتا ہے حتیٰ کہ وقت نکل جاتا ہے۔

ان میں سے بعض بزرگوں نے فرمایا یہ وہ شخص ہے کہ جو اول وقت میں نماز پڑھنے پر خوش نہیں ہوتا اور قضا ہو جانے پر غمگین نہیں ہوتا نہ وہ جلدی کرنے کو نیکی سمجھتا ہے اور نہ تاخیر کو گناہ خیال کرتا ہے۔

جان لو! نماز کا کچھ حصہ شمار ہوتا ہے اور لکھا جاتا ہے اور بعض نہیں لکھا جاتا جیسے روایات میں آیا ہے اگرچہ فقیہ کے نزدیک نماز کی صحت تقسیم نہیں ہوتی لیکن اس کا ایک اور مفہوم ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اور اس معنی پر احادیث دلالت کرتی ہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ

جُبِرَ نُقْصَانُ الْفَرَائِضِ بِالنَّوَافِلِ (۳) فرائض کے نقصان کو نوافل کے ذریعے پورا کیا جاتا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۲۱ مرویات عمار بن یاسر

(۲) قرآن مجید سورۂ ماعون آیت ۵

(۳) سنن بیہقی جلد ۲ ص ۳۸۶ باب ما روی فی اتمام الفریضۃ

ایک حدیث میں ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
"میرے بندے نے فرائض کے ذریعے مجھ سے (میرے عذاب سے) نجات پائی اور نوافل کے ذریعے بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے" (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا یَنْجُوْ مِنِّی عَبْدِیْ اِلَّا بِاَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُہٗ عَلَیْہِ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرا بندہ میرے عذاب سے نجات حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس چیز کو ادا نہ کرے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔

٭ ٭ ٭

ایک روایت میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھتی تو ایک آیت کی قرأت چھوڑ دی۔ سلام پھیرنے کے بعد فرمایا میں نے کیا پڑھا ہے؟ صحابہ کرام خاموش رہے، آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا آپ نے فلاں فلاں سورت پڑھی ہے اور فلاں آیت چھوڑ دی ہیں معلوم نہیں آیا وہ آیت منسوخ ہو گئی یا اٹھالی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اسے اُبَی! تو اس کے لیے ہے (یعنی یہ بات یاد رکھنا تیرے شایانِ شان ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے انہیں سب سے بڑا قاری قرار دیا تھا) پھر دوسرے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنی نماز میں حاضر ہوتے ہیں اور اپنی صفوں کو پورا کرتے ہیں ان کا نبی ان کے آگے ہوتا ہے لیکن انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ان کے رب کی کتاب سے کیا پڑھ رہا ہے۔ سنو! بنی اسرائیل نے اسی طرح کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے فرما دیں تم اپنے بدنوں کے ساتھ حاضر ہوتے ہو اور اپنی زبانیں مجھے دیتے ہو لیکن دلوں کے ساتھ مجھ سے غائب ہوتے ہو تم جس طرح متوجہ ہوتے ہو وہ باطل ہے" (۳)

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ امام کی قرأت کو سننا اور سمجھنا خود قرأت کرنے کی طرح ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ایک شخص سجدہ کرتا ہے اس کا خیال ہوتا ہے کہ اس نے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیا حالانکہ اس نے سجدے میں جو گناہ کیے ہیں اگر انہیں اہل مدینہ پر تقسیم کیا جائے تو وہ ہلاک ہو جائیں، پوچھا گیا وہ کیسے؟ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سجدہ کر رہا ہوتا ہے اور اس کا دل خواہشات کی طرف جھکا ہوتا ہے، باطل کا مشاہدہ

---

(۱) قوت القلوب ج ۲ ص ۱۰۳ کتاب الصلوٰۃ

(۲) قوت القلوب ج ۲ ص ۱۰۳ کتاب الصلوٰۃ

(۳)

ر رہا ہوتا ہے جو اس پر غالب ہوتا ہے ــــ (یہ جو کچھ بیان کیا گیا) یہ خشوع کرنے والوں کی صفات ہیں گذشتہ
ر زیر کے ساتھ ساتھ یہ واقعات اور روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز میں اصل بات خشوع اور دل کی حاضری
ہے اور حالتِ غفلت میں محض اوپر نیچے ہونا آخرت میں بہت کم نفع دے گا واللہ اعلم بالصواب ہم اللہ تعالیٰ سے حُسنِ
توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

باب ۴

چوتھا باب

امامت کا بیان

امام پر نماز سے پہلے، قرأت اور ارکان میں نیز سلام کے بعد کیا کیا باتیں لازم ہیں

نماز سے پہلے چھ امور لازم ہیں:

۱۔ جو لوگ اس کی امامت کو پسند نہ کرتے ہوں ان کا امام نہ بنے اگر ان کے درمیان اختلاف ہو تو اکثریت کی رائے کو دیکھیں اور کم ہوں لیکن دین دار اور نیک ہوں تو ان کی رائے زیادہ معتبر ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے۔

ثَلَاثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ رُؤُسَهُمْ اَلْعَبْدُ الْاٰبِقُ وَامْرَاَةٌ زَوْجُهَا سَاخِطٌ عَلَيْهَا وَاِمَامٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ (۱)

تین قسم کے آدمی ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے سروں سے آگے نہیں بڑھتی بھاگا ہوا غلام، ایسی عورت جس کا خاوند اس سے ناراض ہو اور وہ امام جو لوگوں کی امامت کرواتا ہے حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہیں۔

جس طرح لوگوں کی ناپسندیدگی کی صورت میں آگے بڑھنا منع ہے اسی طرح اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ جب پیچھے کوئی زیادہ علم والا ہو تو آدمی آگے بڑھ کر امامت کروائے البتہ اس سے بہتر شخص آگے بڑھنے سے خود رک جائے تو یہ آگے ہو سکتا ہے اگر ان باتوں میں سے کوئی نہ ہو تو جب اسے آگے کیا جائے اور وہ اپنے آپ میں شرائط امامت بھی پاتا ہو تو آگے بڑھ جائے۔

اس وقت ایک دوسرے کو آگے کرنا یعنی امامت کو دوسروں پر ٹال دینا مکروہ ہے کہا گیا ہے کہ ایک جماعت نے اقامت کے بعد ایک دوسرے کو آگے کرنا شروع کیا تو انہیں زمین میں دھنسا دیا گیا۔ صحابہ کرام کے بارے میں جو مروی ہے کہ وہ دوسروں کو آگے کرتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جس کو اولیٰ سمجھتے اسے ترجیح دیتے یا انہیں بھول لگنے اور دوسروں کی نماز کا ضامن بننے سے ڈر محسوس ہوتا تھا۔ کیونکہ امام مقتدیوں کی نماز کے ضامن ہوتے ہیں اور ان میں سے جو امامت کا عادی نہ ہوتا تو بعض اوقات مقتدیوں سے حیا کرتے ہوئے اس کا دل دوسری طرف متوجہ ہو

---

(۱) سنن بیہقی جلد ۳ ص ۱۲۸ کتاب الصلوٰۃ

جاتا اور نماز میں اخلاص باقی نہ رہتا۔ بالخصوص جہری نمازوں میں ایسا ہو جاتا اس لیے جن صحابہ کرام نے نماز پڑھانے سے احتراز کیا تو اس کی یہ وجہ تھی۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اذان اور امامت کے درمیان اختیار دیا جائے تو وہ امامت کو اختیار کرے کیوں کہ دونوں میں فضیلت ہے لیکن دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے بلکہ امام، موذن کے علاوہ ہونا چاہیے اور جب متعذر ہے تو امامت اولی ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ اذان دینا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ ہم نے اس کی فضیلت ذکر کی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ۔ (۱)

امام ضامن ہوتا ہے اور موذن امانتدار۔

تو انہوں نے فرمایا کہ اس (امامت) میں ضمانت کا خطرہ پایا جاتا ہے

ایک حدیث شریف میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْاِمَامُ اَمِیْنٌ فَاِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا (۲)

امام، امین ہے پس جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

اور ایک حدیث شریف میں ہے:۔

فَاِنْ اَتَمَّ فَلَهٗ وَاِنْ نَقَصَ فَعَلَيْهِ لَا عَلَيْهِمْ (۳)

اگر وہ نماز کو پورا کرے تو اسی کا فائدہ ہے اور کمی کرے تو اسی پر گناہ ہے مقتدیوں پر نہیں۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِيْنَ۔ (۴)

یا اللہ! اماموں کی راہنمائی فرما اور موذنوں کو بخش دے۔

اور طلب میں مغفرت اولی ہے کیونکہ ہدایت کا ارادہ مغفرت کے لیے کیا جاتا ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ اَمَّ فِیْ مَسْجِدٍ سَبْعَ سِنِیْنَ وَجَبَتْ

جو شخص کسی مسجد میں سات سال نماز پڑھائے اس

---

(۱) جامع ترمذی جلد اول ص ۵۰ باب ماجاء ان الامام ضامن

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۹۵ باب انما جعل الامام لیوتم بہ

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۹۶ باب انما جعل الامام لیوتم بہ

(۴) جامع ترمذی جلد اول ص ۵۰ باب ماجاء ان الامام ضامن

لَهُ الْجَنَّةُ بِلَا حِسَابٍ وَمَنْ اَذَّنَ اَرْبَعِيْنَ عَامًا دَخَلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (۱)

کے لیے حساب کے بغیر جنت واجب ہوگئی اور جس نے چالیس سال اذان دی وہ حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا۔

اسی لیے صحابہ کرام (ایثار کے طور پر) دوسروں کو آگے کرتے تھے۔

صحیح بات یہ ہے کہ امامت افضل ہے کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق اور بعد والے ائمہ رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ امامت کروائی ہے ہاں اس میں ضمانت کا خطرہ ہے اور فضیلت خطرے کے ساتھ ہے جس طرح حکمرانی اور خلافت کا رتبہ افضل ہے کیوں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

يَوْمٌ مِنْ سُلْطَانٍ عَادِلٍ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةً (۲)

عادل بادشاہ کا ایک دن ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔

لیکن اس میں خطرات ہیں اسی لیے افضل اور زیادہ سمجھدار آدمی کو آگے کرنا افضل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَئِمَّتُكُمْ شُفَعَاؤُكُمْ (۳)

تمہارے امام تمہارے سفارشی ہوں گے۔

آپ نے فرمایا:

"وَفْدُكُمْ اِلَى اللّٰهِ"

وہ تمہارے نمائندے ہوں گے۔

لہٰذا جب تم اپنی نمازوں کو پاک کرنا چاہتے ہو تو اچھے لوگوں کو امام بناؤ۔ بعض بزرگوں نے فرمایا انبیاء کرام کے بعد علماء سے افضل کوئی شخص نہیں اور علماء کے بعد نماز پڑھانے والے امام سے کوئی شخص افضل نہیں کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان کھڑے ہوتے ہیں انبیاء کرام کو یہ اعزاز نبوت سے، علماء کو علم سے اور امام کو نماز سے حاصل ہوتا ہے جو دین کا ستون ہے۔

اور اسی دلیل کی بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے آگے کرنے پر استدلال کیا جب انہوں نے فرمایا:

ہم نے دیکھا کہ نماز دین کا ستون ہے تو ہم نے اپنی دنیا کے لیے اس شخص کو چنا جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) مستدرک للحاکم جلد اول ص ۲۰۵ کتاب الصلوٰۃ قوت القلوب جلد ۲ ص ۲۱۲ الفصل الثالث

(۲) نصب الرایۃ جلد ۴ ص ۶۷ کتاب المناسک

(۳) مستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۲۲۲ کتاب معرفۃ الصحابہ

ے ہمارے دین (امامت نماز) کے لیے پسند فرمایا تھا۔ (۱)
اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام اسی لیے مقدم کرتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان کے لیے

پسند فرمایا (۲)
ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتائیے جس کے ذریعے میں جنت میں داخل
جاؤں آپ نے فرمایا مؤذن بن جا، عرض کیا مجھے اس کی طاقت نہیں آپ نے فرمایا "امام بن جا" اس نے عرض کیا مجھے اس
بھی طاقت نہیں ہے آپ نے فرمایا امام کے پیچھے نماز پڑھ (۳) شاید آپ نے یہ خیال فرمایا ہو کہ یہ امامت پر راضی نہ ہوگا کیونکہ
اذان تو اس کے اختیار میں ہے اور امامت دوسروں کے اختیار میں (یعنی لوگ اس کو آگے کریں گے تو امام بنے گا) پھر
آپ نے خیال فرمایا کہ شاید یہ امامت پر قادر ہے۔
۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ امام کو نماز کے اوقات کا خیال رکھنا چاہیئے یس اول (مستحب) وقت میں نماز پڑھائے تاکہ
اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکے۔
حدیث شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح منقول ہے کہ شروع وقت میں نماز کو آخر وقت پر اس طرح
فضیلت حاصل ہے جس طرح آخرت کو دنیا پر فضیلت ہے (۴)
اور ایک دوسری حدیث میں ہے،

اِنَّ الْعَبْدَ لَيُصَلِّي الصَّلٰوةَ فِي اٰخِرِ وَقْتِهَا	بندہ آخر وقت میں نماز پڑھتا ہے تو اگرچہ یہ نماز اس سے
وَلَمْ تَفُتْهُ وَلَمَا فَاتَهٗ مِنْ اَوَّلِ وَقْتِهَا	فوت نہیں ہوتی لیکن جو شروع وقت سے رہ گئی ہے
خَيْرٌ لَّهٗ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا (۵)	تو وہ وقت اس کے لیے دنیا اور مافیہا سے بہتر تھا۔

جماعت کی کثرت کے انتظار میں نماز کو (مستحب وقت سے) مؤخر نہ کرے بلکہ لوگوں چاہیے کہ وہ پہلے وقت کی فضیلت حاصل
کرنے کے لیے جلدی کریں ایسا کرنا جماعت کی کثرت سے زیادہ فضیلت کا باعث ہے سورت کے لمبا کرنے سے بھی افضل ہے۔
کہا گیا کہ صحابہ کرام (یا بزرگان دین) جب دو اکٹھے ہوتے تو تیسرے کی انتظار نہیں کرتے تھے۔ اور جب جنازے میں

---

(۱) قوت القلوب جلد ۲ ص ۲۰۸ الفصل الثالث والاربعون
(۲)
(۳) مجمع الزوائد جلد اول ص ۲۲۷ باب فضل الاذان
(۴) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۲۵۶ الترغیب فی الصلوٰۃ فی اول وقتہا
(۵) سنن دارقطنی جلد اول ص ۲۴۸ باب النہی عن الصلوٰۃ بعد صلاۃ الفجر

چار آدمی جمع ہو جائیں تو پانچویں کا انتظار نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حالت سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طہارت کی وجہ سے فجر کی نماز میں تاخیر ہو گئی تو انتظار کی بجائے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے کر دیا گیا تو انہوں نے نماز پڑھائی حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک رکعت رہ گئی اور آپ نے اسے کھڑے ہو کر پڑھا۔ راوی فرماتے ہیں۔

اس پر ہم خوف زدہ ہو گئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اچھا کیا اسی طرح کیا کرو (۱)

(ایک مرتبہ) آپ کو نماز ظہر میں تاخیر ہو گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آگے کر دیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وہ نماز پڑھا رہے تھے چنانچہ آپ ان کے پاس کھڑے ہو گئے (۲)

امام پر مؤذن کی انتظار لازم نہیں البتہ مؤذن پر اقامت کے لیے امام کی انتظار لازم ہے اور جب امام آجائے تو پھر کسی کی انتظار نہ کرے۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے امامت کروائے اور طہارت اور باقی شرائط میں اللہ تعالیٰ کی امانت کو ادا کرنے والا ہو۔

اخلاص یہ ہے کہ اس پر اجرت نہ لے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

اِتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلَى الْأَذَانِ أَجْرًا (۳) ایک مؤذن رکھو جو اذان پر اجرت نہ لے۔

اذان نماز کا وسیلہ ہے تو امامت پر اجرت نہ لینا زیادہ مناسب ہے اگر مسجد کی آمدنی امام کے لیے وقف ہو اور وہ اس سے لے یا بادشاہ کی طرف سے یا لوگوں کی طرف سے انفرادی طور پر کچھ دیا جائے تو یہ حرام نہ ہو گا لیکن مکروہ ہے۔ اور تراویح پر اجرت کی نسبت فرض نمازوں پر اجرت لینا زیادہ مکروہ ہے۔ اور یہ اجرت وہاں حاضری کی پابندی اور جماعت قائم کرنے کے سلسلے میں مسجد کے معاملات کی نگرانی کے سلسلے میں ہو گی نفس نماز پر نہیں (آج کے زمانے میں اگر امام کو تنخواہ وغیرہ نہ دی جائے تو وقت کی پابندی نہ ہو سکے گی اور تمام نظام خراب ہو جائے گا اس لیے وقت کی پابندی کی تنخواہ دی جاتی ہے ۱۲ ہزاروی)

جہاں تک امانت کا تعلق ہے تو وہ باطنی طور پر فسق، گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ پر اصرار سے پاک ہونا ہے جو شخص امامت کی ذمہ داری اٹھانا چاہتا ہے وہ پوری کوشش کے ساتھ ان کاموں سے بچے کیونکہ وہ قوم کے لیے ترجمان اور سفارشی کی طرح ہے

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۸۰ باب تقدیم الجماعۃ من یصلی بہم

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۸۰ باب تقدیم الجماعۃ من یصلی بہم

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۱ مرویات عثمان بن ابی العاص

لہذا وہ قوم میں سے اچھا آدمی ہونا چاہیئے اسی طرح ظاہری طور پر حدث اور نجاست سے بھی پاک ہونا ضروری ہے کیوں کہ اس پر صرف وہی مطلع ہوتا ہے اگر نماز کے دوران یاد آجائے کہ وہ بے وضو تھا یا اس کی ہوا خارج ہوتی ہے تو شرم کرنا مناسب نہیں بلکہ جو شخص قریب ہو اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خلیفہ بنائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے دوران جنابت یاد آئی تو آپ نے خلیفہ بنا کر غسل فرمایا پھر واپس آکر نماز میں شامل ہوئے (۱)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہو لیکن عادی شرابی، ظاہری فاسق، والدین کے نافرمان، بدعتی[2] اور بھاگے ہوئے غلام کے پیچھے نہ پڑھو"

۵۔ پانچویں بات یہ ہے کہ جب تک صفیں سیدھی نہ ہو جائیں تکبیر نہ کہے دائیں بائیں دیکھے اگر کوئی خلل دیکھے تو صفیں برابر کرنے کا حکم دے کہا گیا ہے کہ صحابہ کرام کاندھوں کو برابر رکھتے اور ایڑیوں کو ملاتے۔ اور جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے امام تکبیر نہ کہے اور مؤذن، اقامت کو اذان سے اتنا مؤخر کرے کہ لوگ نماز کے لیے تیاری کر لیں حدیث شریف میں ہے۔

مؤذن، اذان اور اقامت کے درمیان اتنی دیر ٹھہرے کہ کھانا کھانے والا اپنے کھانے سے اور پیشاب کرنے والے اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے (۳) کیونکہ پیشاب اور قضائے حاجت دور کی شدت والے کو نماز سے منع کیا گیا (۴) اور آپ نے نماز عشاء سے کھانا مقدم کرنے کا حکم دیا تاکہ دل فارغ ہو جائے (۵)

۶۔ چھٹی بات یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ اور باقی تکبیرات میں بھی اپنی آواز بلند کرے اور مقتدی صرف اتنی بلند کرے کہ خود سن لے امام، امامت کی نیت بھی کرے تاکہ فضیلت حاصل کرے۔ مقتدی اپنی تکبیر کو امام کی تکبیر سے مؤخر کرے اور اس کے فارغ ہونے پر شروع کرے۔ واللہ اعلم۔

قرأتِ قرآن:

قرأت کی ذمہ داریاں تین ہیں۔

۱۔ اکیلے آدمی کی طرح ثناء اور اعوذ باللہ (نیز بسم اللہ) آہستہ پڑھے جب کہ صبح کی پوری نماز، اور مغرب و عشاء کی

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۱ مرویات ابوبکرہ۔

(۲) بدعت وہ نیا عمل ہے جس کی وجہ سے کوئی سنت اٹھ جائے یا شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو ۱۲ ہزاروی۔

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۴۳ مرویات ابی بن کعب

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۸ باب کراہتہ الصلوٰۃ الطعام

(۵) " " " " "

پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت بلند آواز سے پڑھے جہری نماز میں آمین بلند آواز سے کہے احناف کے نزدیک تمام نمازوں میں آمین آہستہ کہی جائے ۱۲ ہزاروی) اسی طرح مقتدی بھی آمین کہے مقتدی امام کی آمین کے ساتھ آمین کہے اس کے بعد نہ کہے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھے اس میں روایات ایک دوسرے کے خلاف ہیں (۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ نے بلند آواز کو پسند فرمایا (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کے مطابق بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے)

(ب) امام کے لیے قیام میں تین سکتے ہیں حضرت سمرہ بن جندب اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ہدایت کیا ہے ان میں سے پہلا سکتہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہے اور یہ سب سے طویل ہے یہ اتنی مقدار ہے کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں اور یہ اس وقت ہے جب وہ ثنا پڑھتا ہے کیوں کہ اگر وہ خاموش نہیں رہے گا تو مقتدی سے استماع (غور سے سننا) فوت ہو جائے گا یہ ان ائمہ کے نزدیک ہے جن کے مسلک کے مطابق مقتدی بھی فاتحہ پڑھتے ہیں احناف کے نزدیک یہ سکتہ نہیں ہوگا کیوں کہ امام کے پیچھے مقتدی قرأت نہیں کر سکتا ۱۲ ہزاروی اور ان کی نماز کے نقصان کا وہ ذمہ دار ہوگا اور اگر وہ اس کے سکوت کے درمیان وہ فاتحہ نہ پڑھیں بلکہ کسی دوسری طرف مشغول ہوں تو یہ ان کا قصور ہوگا امام کا نہیں، (۲)

دوسرا سکتہ اس وقت ہے جب امام فاتحہ سے فارغ ہو تاکہ وہ شخص جو پہلے سکتہ میں فاتحہ پڑھتا ہے، فاتحہ کو پورا کر سکے اور یہ پہلے سکتہ کا نصف ہوگا۔

تیسرا سکتہ اس وقت ہے جب سورت سے فارغ ہو یہ رکوع سے پہلے ہے اور یہ سب سے کم ہے اور یہ اتنا ہی ہے کہ قرأت کو تکبیر سے جدا کر دے، کیونکہ ان کو ملانے سے منع کیا گیا ہے اور امام کے پیچھے مقتدی صرف سورت فاتحہ پڑھے (ہماری فقہ حنفی کے مطابق امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا بھی جائز نہیں ۱۲ ہزاروی) اور اگر امام خاموش نہ ہو (سکتہ نہ کرے) تو اس کے ساتھ ساتھ پڑھے کوتاہی کرنے والا امام ہوگا۔ اور اگر مقتدی بلند آواز والی نماز میں دور ہونے کی وجہ سے قرأت نہ سن سکے یا سری نماز ہو تو سورت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں (احناف کے نزدیک نہیں پڑھے گا)

(ج) تیسری ذمہ داری ہے کہ صبح کی نماز میں دو لمبی ایسی صورتیں پڑھے جن کی آیات سو آیات سے کم ہوں کیونکہ فجر کی قرأت کو طویل کرنا اور اسے اندھیرے میں پڑھنا سنت ہے اور روشنی سے فارغ ہوتے ہیں کوئی حرج نہیں (بلکہ مستحب ہے کیونکہ کیوں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا صبح کو روشن کرو ۱۲ ہزاروی) دوسری رکعت میں سورتوں کے آخر سے تیس یا بیس آیات پڑھنے میں کوئی حرج نہیں یہاں تک کہ سورت کو ختم کرے کیوں کہ یہ عام طور پر نہیں پڑھی جاتیں لہٰذا وعظ میں زیادہ پہنچنے والی ہیں اور

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۰۹ باب فی بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۵ مرویات سمرہ بن جندب

غور و فکر کو زیادہ دعوت دیتی ہیں۔ بعض علماء نے سورتوں کے آغاز سے کچھ پڑھنے اور باقی کو چھوڑ دینے کو مکروہ قرار دیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے آپ نے سورۂ یونس کا کچھ حصہ پڑھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے ذکر پہنچے تو رکوع میں چلے گئے۔ (۱)

اور یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فجر میں سورۂ بقرہ کی ایک آیت

قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا (۲) (کہو ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر جو کچھ ہماری طرف اتارا گیا۔)

پڑھی اور دوسری رکعت میں۔

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ (۳) (اے ہمارے رب ہم اس چیز پر ایمان لائے جو تو نے اتاری ہے)

پڑھی اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنا کہ وہ کہیں کہیں سے پڑھتے تو آپ نے اس کے بارے میں پوچھا انہوں نے عرض کیا میں طیب کو طیب سے ملاتا ہوں تو آپ نے فرمایا تم نے اچھا کیا۔ (۴)

اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل (سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک) میں سے تیس آیات پڑھے عصر میں اس کا نصف اور مغرب میں مفصل کے آخر سے (یعنی سورہ لم یکن الذین سے آخر تک سورتوں میں سے) پڑھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری نماز، مغرب کی نماز پڑھی اور اس میں سورۂ مرسلات کی تلاوت کی اور اس کے بعد آپ نے انتقال فرمانے تک کوئی نماز نہیں پڑھی۔ (۵)

خلاصہ یہ ہے کہ نماز میں تخفیف بہتر ہے بالخصوص جب لوگ زیادہ ہوں۔

اس رخصت کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَذَا الْحَاجَةِ۔ (۶) (جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پھلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان میں کمزور، بوڑھے اور کام کاج والے بھی ہوتے ہیں۔)

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۵۹ باب القراۃ فی صلاۃ الفجر

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۳۶

(۳) سورۂ آل عمران آیت ۵۳

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۷۱ کتاب الصلوٰۃ

(۵) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۱۷ باب قدر القراۃ فی المغرب

(۶) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۸۸ باب امر الائمۃ بتخفیف الصلوٰۃ

البتہ جب اکیلا نماز پڑھے تو جس قدر دل چاہے لمبا کرے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے ہوئے سورۂ بقرہ پڑھتے ایک شخص نے نماز توڑ کر الگ مکمل کی دوسرے حضرات نے کہا یہ شخص منافق ہو گیا ہے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی تو آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا اے معاذ! لوگوں کو فتنے میں ڈالتے ہو۔

"سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى، وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا" پڑھا کرو۔(۱)

ارکان نماز کے سلسلے میں امام کی تین ذمہ داریاں ہے۔

(۱) رکوع اور سجدہ میں تخفیف سے کام لے تین تسبیحات سے زیادہ نہ پڑھے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے بڑھ کر کسی کی نماز کو مکمل اور ہلکا پھلکا نہیں دیکھا (۲)

ہاں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے امیر مدینہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو فرمایا میں نے کسی شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھی کہ اس کی نماز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ ہو سوائے اس نوجوان کے ——— انہوں نے فرمایا ہم ان (حضرت عمر بن عبد العزیز) کے پیچھے دس دس بار تسبیح پڑھتے تھے (۳)

اور ایک مجمل روایت میں ہے فرماتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رکوع اور سجدے میں دس دس بار تسبیحات پڑھتے تھے۔(۴)

یہ اچھا ہے لیکن جب اجتماع زیادہ ہو تو تین تسبیحات پڑھنا زیادہ بہتر ہے جب مقتدی صرف وہ لوگ ہوں جنہوں نے اپنے آپ کو دین کے لیے وقف کر رکھا ہو تو دس تسبیحات پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ان اور بات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے نیز امام کو رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنا چاہیئے۔

(۲) دوسری ذمہ داری مقتدی سے متعلق ہے وہ یہ کہ وہ رکوع اور سجدے میں امام سے برابری اختیار نہ کرے بلکہ اس سے تاخیر کرے پس سجدے کی طرف اس وقت جھکے جب امام کی پیشانی سجدہ گاہ سے مل جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اسی طرح کیا کرتے تھے اور جب تک امام رکوع میں چلا نہ جائے یہ رکوع کے لیے نہ جھکے (۵)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۹۹ مرویات جابر بن عبد اللہ

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۴۹ باب من تطوع فی سفر

(۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۲۹ باب الدعا فی الصلوٰۃ

(۴) قوت القلوب جلد ۲ ص ۱۳۴ کتاب الصلوٰۃ

(۵) صحیح بخاری جلد اول ص ۹۶ باب متی یسجد من خلف الامام

کہا گیا ہے کہ نماز کے سلسلے میں لوگ تین صورتوں میں آئیں گے ایک گروہ پچیس نمازوں کے ثواب کے ساتھ آئے گا۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو امام کے بعد رکوع کرتے ہیں ایک جماعت ایک نماز کے ساتھ آئے گی یہ وہ ہیں جو امام کے ساتھ برابری کرتے ہیں اور کچھ لوگ نماز کے بغیر آئیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو امام سے سبقت کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا امام کو رکوع میں لوگوں کے شامل ہونے کا انتظار کرنا چاہیئے تاکہ اسے جماعت کی فضیلت حاصل ہو اور انہیں یہ رکعت مل جائے شاید بہتر یہ ہے کہ اخلاص کی صورت میں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ حاضرین کوئی ظاہر فرق نہ پڑے کیونکہ نماز کو طویل نہ کرتے ہیں ان کے حق کی رعایت ہے۔

(۳) تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ نماز کو طوالت سے بچانے کے لیے مقدار تشہد پر دعائے تشہد میں اضافہ کرے اور دعا میں اپنی تخصیص نہ کرے بلکہ جمع کا صیغہ لاتے ہوئے یوں کہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا (یا اللہ ہمیں بخش دے) اِغْفِرْ لِیْ (مجھے بخش دے) نہ کہے امام کے لیے اپنے آپ کو مخصوص کرنا مکروہ ہے۔

تشہد میں یہ کلمات جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

نَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاِذَا اَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَۃً فَاقْبِضْنَا اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنِیْنَ فِیْہِ۔ (۱)	اے اللہ! ہم جہنم کے عذاب اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتے ہیں زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتے ہیں اور جب تو کسی قوم کو آزمائش میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو ہمیں فتنہ سے محفوظ رکھتے ہوئے اٹھا لینا۔

کہا گیا ہے کہ دجال کو مسیح یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بہت زیادہ فاصلہ طے کرے گا اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کی ایک آنکھ میں روشنی نہیں ہوگی۔

نماز سے باہر آنے کے موقعہ پر تین ذمہ داریاں ہیں۔

پہلی یہ کہ دونوں سلاموں میں نمازیوں اور فرشتوں پر سلام بھیجنے کی نیت کرے۔

دوسری یہ کہ سلام پھیرنے کے بعد وہیں ٹھہرے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے کیا (۲) پھر نفل دوسری جگہ پڑھے اور اگر اس کے پیچھے عورتیں ہوں تو ان کے واپس جانے تک نہ اٹھے۔ ایک مشہور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (سلام پھیرنے کے بعد) اس دعا کا اندازہ ٹھہرتے تھے۔

---

(۱)

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۱۷ باب مکث الامام

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (۱) اے اللہ تو سلامتی عطا کرنے والا ہے اور سلامتی تیری طرف سے ہی ہے اے جلال اور عزت والے تو برکت والا ہے۔

تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ سلام کے بعد جب پھرے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو اور امام کے پھرنے سے پہلے مقتدی کے لیے اٹھنا مکروہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی جب سلام پھیرا تو ان دونوں نے امام سے کہا کہ آپ کی نماز بہت اچھی اور مکمل تھی البتہ ایک بات صحیح نہیں ہوئی جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ نہیں ہوئے پھر ان دونوں صحابہ کرام نے نمازیوں سے فرمایا تمہاری نماز بھی بہت اچھی تھی لیکن تم امام کے پھرنے سے پہلے پھر گئے۔

اس کے بعد امام دائیں طرف پھرے یا بائیں طرف اسے اختیار ہے البتہ دائیں طرف زیادہ اچھا ہے۔ یہ تمام نمازوں کے وظائف (ضروری مسائل) ہیں لیکن فجر کی نماز میں قنوت کا اضافہ کرے (احناف کے نزدیک قنوت صرف وتر نماز میں ہے ۱۲ ہزاروی) امام یوں کہے۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ آخر تک مقتدی آمین کہے جب وہ ان الفاظ پر پہنچے اِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ بے شک تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا) تو آپ آمین نہ کہے کیوں کہ یہ تو ثنا ہے لہٰذا اس کے ساتھ ہی الفاظ پڑھے یا یوں کہے بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ (ہاں اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں) یا کہے صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ (تو نے سچ کہا اور اچھا کیا) یا اس کے مشابہ الفاظ کہے قنوت میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں حدیث مروی ہے (۲)

جب حدیث صحیح ہو تو ہاتھ اٹھانا مستحب ہوگا اگرچہ یہ تشہد کے آخر میں مانگی جانے والی دعاؤں کے خلاف ہے کیونکہ ان کے سبب سے ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے بلکہ رکھنے پر اعتماد ہے اور ان دونوں صورتوں میں فرق ہے کیونکہ تشہد میں ہاتھوں کا طریقہ انہیں مخصوص طریقے پر رانوں پر رکھنا ہے اور یہاں اس کے لیے کوئی صورت مقرر نہیں تو بعید نہیں کہ قنوت میں اس کے لیے یہی طریقہ مقرر ہو۔ کیونکہ یہ دعا کے لائق ہے واللہ اعلم۔

یہ تمام امور امامت کے آداب سے متعلق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۱۸ باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ ص ۲۱۱ باب رفع الیدین فی القنوت

پانچواں باب

جمعۃ المبارک کی فضیلت، آداب، سنن اور شرائط

فضیلت جمعہ جان لو! یہ عظیم دن ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عظمت عطا فرمائی اور اسے مسلمانوں کے ساتھ خاص کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ (۱)

جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

تو اللہ تعالیٰ نے دنیوی امور میں مشغول ہونے کو حرام ٹھہرایا اور ہر اس کام کو حرام ٹھہرایا جو جمعہ کی طرف سعی سے دور رکھتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فَرَضَ عَلَیْکُمُ الْجُمُعَۃَ فِیْ یَوْمِیْ ھٰذَا فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس دن اور اس مقام پر جمعہ فرض فرمایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَرَکَ الْجُمُعَۃَ ثَلَاثًا مِنْ غَیْرِ عُذْرٍ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قَلْبِہٖ (۳)

جو شخص نے تین بار جمعہ (کی نماز) کو بلا عذر چھوڑتا ہے اس کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

فَقَدْ نَبَذَ الْاِسْلَامَ وَرَآءَ ظَھْرِہٖ (۴)

ایسے شخص نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔

ایک شخص، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس اس شخص کے بارے میں پوچھنے گیا جو جمعۃ المبارک اور باجماعت میں حاضر نہیں ہوتا تھا اور اب مر گیا تو انہوں نے فرمایا وہ جہنم میں جائے گا۔ وہ ایک مہینے تک یہی سوال کرتا رہا آپ نے بار بار

---

(۱) قرآن مجید سورۂ جمعہ آیت ۹

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۷۷، باب فرض جمعہ

(۳) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۲۹۲ کتاب الجمعۃ

(۴) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۵۱۱ الترغیب عن ترک الجمعہ

بار فرمایا وہ جہنم میں جائے گا۔ (۱)

ایک حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اَھْلَ الْکِتَابَیْنِ اُعْطُوْا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاخْتَلَفُوْا فِیْہِ فَصُرِفُوْا عَنْہُ وَھَدَانَا اللّٰہُ تَعَالٰی لَہٗ وَاَخَّرَہٗ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَجَعَلَہٗ عِیْدًا لَھُمْ فَھُمْ اَوْلَی النَّاسِ بِہٖ سَبْقًا وَاَھْلُ الْکِتَابَیْنِ لَھُمْ تَبَعٌ۔ (۲)

بے شک دو کتابوں (تورات وانجیل) والے لوگوں کو جمعہ کا دن دیا گیا تو انہوں نے اختلاف کیا اور اس سے منہ موڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس امت کے لیے مؤخر کیا اور ان کے لیے اسے عید قرار دیا پس یہ امت سب لوگوں سے مقدم ہے اور تورات وانجیل والے ان کے تابع ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ کَفِّہٖ مِرْآۃٌ بَیْضَاءُ، وَقَالَ ھٰذِہِ الْجُمُعَۃُ یَفْرِضُھَا عَلَیْکَ رَبُّکَ لِتَکُوْنَ لَکَ عِیْدًا وَلِاُمَّتِکَ مِنْ بَعْدِکَ قُلْتُ فَمَا لَنَا فِیْھَا؟ قَالَ: لَکُمْ فِیْھَا خَیْرُ سَاعَۃٍ مَنْ دَعَا فِیْھَا بِخَیْرٍ قُسِمَ لَہٗ اَعْطَاہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اِیَّاہُ اَوْ لَیْسَ لَہٗ قَسْمٌ ذُخِرَ لَہٗ مَا ھُوَ اَعْظَمُ مِنْہُ اَوْ تَعَوَّذَ مِنْ شَرٍّ ھُوَ مَکْتُوْبٌ عَلَیْہِ اِلَّا اَعَاذَہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ اَعْظَمَ مِنْہُ وَھُوَ سَیِّدُ الْاَیَّامِ عِنْدَنَا وَنَحْنُ نَدْعُوْہُ فِی الْاٰخِرَۃِ یَوْمَ الْمَزِیْدِ، قُلْتُ: وَلِمَ؟ قَالَ: اِنَّ رَبَّکَ عَزَّوَجَلَّ اتَّخَذَ فِی الْجَنَّۃِ وَادِیًا اَفْیَحَ مِنَ الْمِسْکِ،

میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور ان کے ہاتھ میں چمکتا ہوا شیشہ تھا انہوں نے فرمایا کہ یہ جمعہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے آپ پر فرض کیا ہے تاکہ آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی امت کے لیے یہ عید ہو جائے میں نے پوچھا اس سلسلے میں ہمارے لیے کیا ہوگا؟ انہوں نے فرمایا اس میں ایک بہترین گھڑی ہے جو شخص اس میں اس بھلائی کی دعا مانگے گا جو اس کی قسمت میں ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمائے گا یا اس کی قسمت میں نہیں تو اس سے بڑی چیز اس کے لیے جمع کی جائیں گی یا وہ ایسے برائی سے پناہ مانگتا ہے جو اس پر لکھ دی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑے شر سے اس کو پناہ دیتا ہے اور ہمارے نزدیک یہ تمام دنوں کا سردار ہے اور ہم آخرت میں اسے "یوم مزید"

(۱) یعنی اگر اس نے انکار بھی کیا ہے تو اب کا فر ہونے کی وجہ سے جہنم میں جائے گا اگر اس کی فرضیت کا انکار نہیں کیا تو ابتدائی طور پر جہنم میں جائے گا اور آپ نے بطور تنبیہ یہ بات فرمائی تاکہ لوگ کوتاہی نہ کریں ۱۲ ہزاروی۔

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۲۰ کتاب الجمعہ

اَبْيَضَ، فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ نَزَلَ تَعَالٰى مِنْ عِلِّيِّيْنَ عَلٰى كُرْسِيِّهٖ فَيَتَجَلّٰى لَهُمْ حَتّٰى يَنْظُرُوْا اِلٰى وَجْهِهِ الْكَرِيْمِ۔ (۱)

ازیادہ ثواب کے دن) کے نام سے پکاریں گے (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میں نے پوچھا ایسا کیوں ہے؟ تو حضرت جبریل نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک وادی بنائی ہے جو کستوری سے زیادہ خوشبودار اور سفید ہے جب جمعہ کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ علیین سے اپنی کرسی سے اتر کر ان لوگوں کے لیے اپنی تجلی کو ظاہر فرمائے گا حتیٰ کہ وہ اس کی ذات کریم کی زیارت کریں گے (اللہ تعالیٰ کی توجہ خاص مراد ہے ورنہ وہ کرسی پر بیٹھنے یا اس سے اترنے سے پاک ہے ۱۲ ہزاروی)

خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ: فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ، وَفِيْهِ اُهْبِطَ اِلَى الْاَرْضِ، وَفِيْهِ تِيْبَ عَلَيْهِ، وَفِيْهِ مَاتَ، وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ، وَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمُ الْمَزِيْدِ، كَذٰلِكَ تُسَمِّيْهِ الْمَلٰٓئِكَةُ فِي السَّمَآءِ، وَهُوَ يَوْمُ النَّظَرِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فِي الْجَنَّةِ۔ (۲)

بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا، اسی روز ان کو زمین کی طرف اتارا گیا اسی دن ان کی توبہ قبول کی گئی اور اسی دن ان کا وصال ہوا، اسی دن قیامت قائم ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں "یوم مزید" (زیادہ ثواب کا دن) ہے آسمان میں فرشتے اسے اسی نام سے پکارتے ہیں اور قیامت کے دن دیدار خداوندی کا دن یہی ہوگا۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ سِتَّمِائَةِ اَلْفِ عَتِيْقٍ مِنَ النَّارِ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کے دن چھ لاکھ آدمیوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا سَلِمَتِ الْجُمُعَةُ سَلِمَتِ الْاَيَّامُ (۴)

جب جمعہ کا دن سلامتی سے گزرا تو باقی دن بھی سلامتی کے ساتھ گزرتے ہیں۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۶۳، ۱۶۴ باب الجمعۃ وفضلہا

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۸۲ کتاب الجمعۃ

(۳) العلل المتناہیہ جلد اول ص ۴۶۵ حدیث ۷۹۰

(۴) شعب الایمان جلد ۳ ص ۴۴۰ حدیث ۳۷۰۸

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْجَحِيْمَ تُسَعَّرُ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَبْلَ الزَّوَالِ عِنْدَ اِسْتِوَاءِ الشَّمْسِ فِيْ كَبِدِ السَّمَاءِ فَلَا تُصَلُّوْا فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ اِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ صَلٰوةٌ كُلُّهٗ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَا تُسَعَّرُ فِيْهِ (۱)

بے شک ہر دن زوال سے پہلے سورج کے آسمان پر ٹھہرنے کے وقت جہنم کو جھونکا جاتا ہے لہٰذا اس وقت نماز نہ پڑھو البتہ جمعہ کے دن پڑھ سکتے ہو کیونکہ یہ تمام وقت نماز کا وقت ہے اور اس دن جہنم کو جھونکا نہیں جاتا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے شہروں میں سے مکہ مکرمہ کو، مہینوں میں سے رمضان المبارک کو، دنوں میں سے جمعہ کو اور راتوں میں سے لیلۃ القدر کی فضیلت عطا فرمائی ہے اور کہا جاتا ہے کہ پرندے اور کیڑے مکوڑے جمعہ کے دن ایک دوسرے سے ملاقات کرتے اور کہتے ہیں سلام سلام ہوا اچھا دن ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْلَيْلَةِ الْجُمُعَةِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ شَهِيْدٍ وَوُقِيَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ۔ (۲)

جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں انتقال کر جائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک شہید کا اجر لکھتا ہے اور اس کو قبر کے فتنہ سے بچایا جاتا ہے۔

شرائط جمعہ کا بیان:

جمعۃ المبارک تمام شرائط میں باقی نمازوں کے ساتھ شریک ہے البتہ چھ شرطوں میں وہ ان سے ممتاز ہے۔

(۱) وقت:۔ اگر امام کا سلام عصر کے وقت میں واقع ہو تو جمعہ کی نماز فوت ہو گئی اور اس پر ظہر کی چار رکعات کو پورا کرنا ضروری ہے اور مسبوق کی جب دوسری رکعت وقت سے باہر نکل جائے تو اس میں اختلاف ہے (۳)

(۲) جگہ:۔ صحراؤں، میدانوں اور خیموں کے درمیان جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی بلکہ ایک جامع جگہ ضروری ہے جہاں کی بستی غیر منقولہ ہو اور کم از کم ایسے چالیس آدمیوں پر مشتمل ہو جن پر جمعہ فرض ہوتا ہو اس میں دیہات شہر کی طرح ہیں بادشاہ یا اس کی اجازت شرط نہیں لیکن اس سے اجازت لینا اچھا ہے۔ (۴)

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۵ ص ترجمہ ۳۱۶

(۲) حلیۃ الاولیاء جلد ۳ ص ۱۵۵ ترجمہ ۲۳۰

(۳) احناف کے نزدیک اسے ظہر کی نماز قضا کرنا ہوگی۔

(۴) احناف کے نزدیک جمعہ کے قیام کیلئے مصر (بڑا شہر) ہونا شرط ہے یا اس کے قریب چھوٹی بستی ہو جو مضافات کہلاتی ہے۔

۳۔ تعداد۔ چالیس آدمیوں سے کم کے ساتھ جمعہ منعقد نہیں ہوتا اوران کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ سب مرد، مکلّف، آزاد اور مقیم ہوں اور گرمی سردی میں یہاں سے دوسری جگہ منتقل نہ ہونے ہوں اگر کم ہو کر خطبہ یا نماز میں تعداد گھٹ جائے تو جمعہ صحیح نہ ہوگا بلکہ شروع سے آخر تک اتنی تعداد کا ہونا لازمی ہے (۱)

(۴) جماعت :۔ اگر یہ چالیس آدمی کسی گاؤں یا شہر میں متفرق طور پر جمعہ پڑھیں تو جمعہ صحیح نہیں ہوگا لیکن مسبوق جب دوسری رکعت کو پائے تو اس کے لیے ایک رکعت الگ پڑھنا جائز ہے اور اگر وہ دوسری رکعت کے رکوع کو نہ پائے تو اقتدار کرتے ہوئے ظہر کی نیت کرے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد ظہر کی چار رکعات پوری کرے۔ (۲)

(۵) :۔ اس شہر میں اس سے پہلے جمعہ کی نماز نہ پڑھی گئی ہو اور اگر وہ ان سب لوگوں کا ایک جامع مسجد میں جمعہ ہونا مشکل ہو تو دو، تین اور چار مسجدوں میں یعنی جس قدر ضرورت ہو، پڑھ سکتے ہیں۔ اور اگر ضرورت نہ ہو تو وہی نماز جمعہ صحیح ہوگی جو سب سے پہلے پڑھی گئی اور اگر حاجت ہو تو جو سب سے بہتر امام ہے اس کے پیچھے پڑھے اگر دونوں برابر ہوں تو جو مسجد قدیم ہے اس میں پڑھے اور اگر برابر ہوں تو جو زیادہ قریب ہے اور نمازیوں کی کثرت کا بھی لحاظ ہے۔

نوٹ: احناف کے نزدیک ایسی کوئی شرط نہیں ایک شہر میں کئی جگہ جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے البتہ بہتر یہی ہے کہ بلاضرورت ایسا نہ کیا جائے اور مسلمان جمعہ کے اجتماع میں زیادہ سے زیادہ اکٹھے ہوں ہر جگہ جمعہ کی نماز شروع نہ کی جائے ۱۲ ہزاروی۔

۶۔ دو خطبے اور یہ فرض (واجب) ہیں ان میں کھڑا ہونا اور دونوں کے درمیان بیٹھنا لازمی ہے پہلے خطبہ کے چار فرض ہیں "تحمید" اور وہ کم از کم الحمدللہ پڑھنا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرنا، قرآن پاک سے کچھ نہ کچھ پڑھنا اسی طرح دوسرے خطبہ کے فرائض چار ہیں البتہ اس میں قرأت کی جگہ دعا ہے اور چالیس آدمیوں پر دونوں خطبوں کا سننا واجب ہے (احناف کے نزدیک جمعہ کا خطبہ سننا سنت ہے)۔

جمعہ کی سنتیں جب سورج ڈھل جائے اور موذن اذان دے دے نیز امام منبر پر بیٹھ جائے تو اب تحیۃ المسجد کے علاوہ نماز نہیں پڑھ سکتے اور خطبہ شروع ہونے تک گفتگو منع نہیں ہے خطیب جب لوگوں کی طرف متوجہ ہو تو سلام کہے اور وہ سلام کا جواب دیں پھر جب موذن فارغ ہو جائے تو خطیب لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو دائیں بائیں توجہ نہ کرے اور اپنے ہاتھوں کو تلوار یا نیزے اور منبر پر رکھے تاکہ ان کے ساتھ کوئی لغو کام نہ کرے (یعنی ہاتھوں کو مشغول رکھے) یا ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھے دو خطبے دے اور ان کے درمیان تھوڑی دیر کے لیے بیٹھے، اور خطبوں

---

(۱) احناف کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا شرط ہے ۱۲ ہزاروی

(۲) زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ جمعہ کی نیت کرے تاکہ امام کی موافقت ہو اور دو رکعتوں پر سلام پھیرے ۱۲ ہزاروی

ہیں اجنبی الفاظ استعمال نہ کرے نہ الفاظ کو زیادہ لمبا کرے اور نہ ہی گانے کے طریقے پر پڑھے خطبہ مختصر بلاغت سے بھرپور اور جامع ہونا چاہیئے دوسرے خطبہ میں بھی کوئی نہ کوئی آیت پڑھنا مستحب ہے خطبہ کے دوران آنے والا سلام نہ کرے اگر سلام کرے گا تو جواب کا مستحق نہ ہوگا البتہ اشارے کے ساتھ جواب دینا اچھا ہے چھینکنے والوں کو "یرحمک اللہ" کے ساتھ جواب نہ دیا جائے یہ تمام باتیں خطبہ کے صحیح ہونے کی شرائط ہیں۔

وجوب جمعہ کی شرائط

جمعہ کی نماز مرد، بالغ، عاقل مسلمان آزاد اور ایسے شہر میں مقیم پر واجب ہے جس میں ایسے چالیس آدمی رہتے ہوں جو ان شرائط کے جامع ہوں احناف کے نزدیک بڑا شہر شرط ہے یا شہر کے مضافات کی بستی ہو جہاں اذان کی آواز اس جانب سے پہنچتی ہو جب کہ لوگ خاموش ہوں اور مؤذن کی آواز بلند ہو۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ۔ (۱)	جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

البتہ ان لوگوں کو بارش، کیچڑ، بیماری اور بیمار کی عیادت کی وجہ سے جمعہ چھوڑنے کی اجازت ہے بشرطیکہ بیمار کی تیمارداری کے لیئے کوئی دوسرا آدمی نہ ہو۔ پھر ان لوگوں پر لازم ہے کہ ظہر کو مؤخر کریں یہاں تک کہ لوگ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو جائیں اگر جمعہ کی نماز کے لیے بیمار یا مسافر یا غلام یا عورت حاضر ہو جائیں تو ان کی نماز جمعہ صحیح ہوگی اور ظہر کی جگہ کفایت کرے گی واللہ اعلم بالصواب۔

عادت کی ترتیب پر آداب جمعہ

یہ دس باتیں ہیں۔

(۱) جمعہ کا عزم کرتے ہوئے اور اس کی فضیلت کے استقبال کی طور پر جمعرات کے دن اس کے لئے تیاری کرے لہذا جمعرات کے دن نماز عصر کے بعد دعا، استغفار اور تسبیح میں مشغول ہو جائے کیونکہ یہ وہ گھڑی ہے جو جمعہ کے دن کی اس گھڑی کے مقابل ہے جو قبولیت کا وقت ہے اور پوشیدہ ہے بندوں کے رزق کے علاوہ اللہ تعالیٰ مزید فضل عطا فرماتا ہے اور یہ فضل ان لوگوں کے لیے ہے جو لوگ جمعرات کی شام اور جمعہ کے دن سوال کرتے ہیں اس دن اپنے کپڑوں کو دھوئے اور سفید کرے اور اگر خوشبو موجود نہ ہو تو حاصل کرے نیز جمعہ کی نماز کے لیے جلدی جانے سے جو امور مانع ہیں ان سے اپنے دل کو فارغ کرے اور اس دن جمعہ کے روزے کی نیت کرے کیوں کہ اس کی فضیلت ہے لیکن اس کے ساتھ جمعرات یا ہفتہ کے دن کا روزہ ملایا جائے کیونکہ صرف جمعہ کا روزہ مکروہ ہے نماز، اور ختم قرآن کے

---

(۱) قرآن مجید سورۃ جمعہ آیت ۹

ذریعے اس رات کو زندہ رکھے۔ کیونکہ اس کی بہت زیادہ فضیلت ہے اور اس پر جمعہ کے دن کی فضیلت کا اضافہ نورٌ علیٰ نور ہے اس رات یا جمعہ کے دن اپنی بیوی سے ہمبستری کرے یہ مستحب ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد سے بعض حضرات نے یہی عمل مراد لیا ہے آپ نے فرمایا۔

رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ بَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَغَسَّلَ وَاغْتَسَلَ (۱)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اول وقت میں آئے اور جلدی کرے تیز نہلائے اور خود غسل کرے۔

غسل دینے کا مطلب ہے کہ اپنی بیوی کے لیے غسل کا سبب پیدا کرے (یعنی جماع کرے) کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب کپڑے دھونا ہے اس طرح یہ تخفیف کے ساتھ (تشدید کے بغیر) مروی ہے اور اپنے جسم کو دھوئے یعنی غسل کرے۔

اس کے ساتھ استقبال جمعہ کے آداب مکمل ہو جاتے ہیں اور وہ ان غافلین سے خارج ہو جاتا ہے جو جمعہ کی صبح کہتے ہیں یہ کونسا دن ہے؟ بعض بزرگوں نے فرمایا جمعہ کے دن زیادہ مکمل حصے والا آدمی وہ ہے جو پہلے دن اس کی انتظار کرتا اور رعایت کرتا ہے اور سب سے کم حصہ اس شخص کا ہے جو اس کی صبح کو کہتا ہے یہ کونسا دن ہے؟ اور بعض حضرات تو اس کے لیے شب جمعہ مسجد میں گزارتے تھے۔

۲۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ طلوعِ فجر کے بعد غسل کرے اگر اس وقت مسجد میں نہ جائے تو بھی اس کے قریب قریب جانا زیادہ اچھا ہے تاکہ پاکیزگی حاصل کرنے کے وقت اس میں قرب ہو۔ غسل بہت زیادہ پسندیدہ ہے بلکہ بعض علماء نے تو اسے واجب قرار دیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

غُسْلُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ (۲)

غسل جمعہ ہر بالغ پر واجب ہے۔

حضرت نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور یہ مشہور روایت ہے۔

مَنْ اَتَى الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ۔ (۳)

جو شخص جمعہ کے لیے آئے تو اسے غسل کرنا چاہیئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ شَهِدَ الْجُمُعَةَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَلْيَغْتَسِلْ (۴)

جو مرد و عورت جمعہ کے لیے حاضر ہو اسے غسل کرنا چاہیئے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۷۷، ۸، باب ما جاء فی الغسل فی یوم الجمعۃ

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۸۰ کتاب الجمعۃ

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۷۸، باب ما جاء فی الغسل یوم الجمعہ

(۴) سنن بیہقی جلد ۳ ص ۱۸۸، باب السنۃ لمن اراد الجمعۃ

اور اہل مدینہ جب ایک دوسرے کو گالی دیتے تو ان میں سے ایک دوسرے کو کہتا کہ تم اس شخص سے بھی برے ہو جو جمعہ کے دن غسل نہیں کرتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہوں نے فرمایا کیا یہ آنے کا وقت ہے؛ یعنی جلدی کیوں نہیں آئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اذان سننے کے بعد میں نے صرف وضو کیا اور چلا آیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا صرف وضو؛ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔(۱)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ترک غسل سے معلوم ہوا کہ صرف وضو کرنا بھی جائز ہے نیز اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔آپ نے فرمایا:۔

مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ (۲)

جو آدمی جمعہ کے دن وضو کرے تو بھی ٹھیک ہے اور اچھا ہے اور جو غسل کرے تو غسل افضل ہے۔

اور جو آدمی غسل جنابت کرے تو اپنے جسم پر مزید ایک بار پانی غسل جمعہ کی نیت سے ڈالے اور اگر ایک ہی غسل پر اکتفاء کرے تو بھی کافی ہے اور اسے فضیلت حاصل ہو جائے گی جب کہ دونوں کی نیت کرے اور غسل جمعہ جنابت کے غسل میں داخل ہو جائے گا۔

ایک صحابی اپنے صاحبزادے کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے غسل کر رکھا تھا پوچھا کیا یہ جمعہ کے لیے ہے؛ عرض کیا نہیں بلکہ جنابت کے لیے ہے انہوں نے فرمایا دوبارہ غسل کرو۔اور جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل لازم (سنت) ہونے سے متعلق حدیث بیان فرمائی انہوں نے دوبارہ غسل کا حکم اس لیے دیا تھا کہ ان کے صاحبزادے نے جمعہ کی نیت نہیں کی تھی۔اور یہ بات کہنا بھی بعید نہیں کہ مقصود پاکیزگی ہے اور وہ نیت کے بغیر بھی حاصل ہو گئی۔لیکن یہ بات وضو پر اعتراض کا باعث بنے گی شریعت نے اسے ثواب کا کام قرار دیا ہے لہٰذا اس کی فضیلت طلب کرنا ضروری ہے اور جو آدمی غسل کرنے کے بعد بے وضو ہو جائے تو وہ وضو کرے اس کا غسل باطل نہیں ہوگا۔لیکن اس سے بچنا زیادہ اچھا ہے۔

۳۔تیسری بات زینت اختیار کرنا ہے اور یہ اس دن مستحب ہے زینت تین باتیں ہیں لباس، پاکیزگی کا حصول اور اچھی خوشبو لگانا، پاکیزگی کا حصول مسواک کرنے حجامت بنوانے ناخن اور مونچھیں کٹوانے اور ان تمام باتوں کے ذریعے ہوتا ہے جو کتاب الطہارۃ میں ذکر کر دی گئی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جو شخص جمعہ کے دن اپنے ناخن کاٹتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بیماری کو نکال

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۲۰ کتاب الجمعۃ

(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۵۱ کتاب الطہارۃ

کروہاں شفا داخل کر دیتا ہے اگر جمعرات یا بدھ کے دن حمام میں جائے تو بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ پس اس دن اچھی خوشبو لگائے جو اس کے پاس ہو تا کہ یہ ناپسندیدہ بُو پر غالب آجائے اور اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے حاضرین کے دماغ میں خوشبو اور آرام پہنچے اور مردوں کی بہترین خوشبو وہ ہے جس کی بُو ظاہر اور رنگ چھپا ہوا ہو جب کہ عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر اور بُو پوشیدہ ہو اس سلسلے میں روایت مروی ہے۔ (۱)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جو آدمی کپڑے پاک رکھتا ہے اس کے غم کم ہو جاتے ہیں اور جو آدمی اچھی خوشبو لگاتا ہے اس کی عقل میں اضافہ ہوتا ہے جہاں تک کپڑوں کا تعلق ہے تو سفید کپڑے زیادہ پسندیدہ ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند سفید کپڑے ہیں شہرت کے کپڑے نہ پہنے سیاہ کپڑے پہننا سنت نہیں ہے اور نہ ان میں فضیلت ہے بلکہ ایک جماعت نے ایسے لباس کی طرف دیکھنا بھی ناپسند فرمایا ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ بدعت ظاہر ہوئی۔ اس دن دستار باندھنا مستحب ہے۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى أَصْحَابِ الْعَمَائِمِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھنے والوں کیلئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔

اور اگر اسے گرمی ستائے تو نماز سے پہلے یا بعد اسے اتارنے میں کوئی حرج نہیں لیکن گھر سے جمعہ کے لیے جاتے وقت، نماز کے وقت امام کے منبر پر جانے کے وقت اور خطبہ کے وقت نہ اتارے۔

۴۔ چوتھی بات جامع مسجد کی طرف جلدی جانا ہے اور مستحب ہے کہ ایسی مسجد کا قصد کرے جو دو یا تین فرسخ ہو (ایک فرسخ تقریباً آٹھ کلو میٹر ہوتا ہے) اور صبح سویرے جائے یعنی صبح صادق کے بعد فوراً جائے اور اس کی بہت زیادہ فضیلت ہے جمعہ کی طرف جاتے ہوئے خشوع اور تواضع کی حالت اپنائے اور نماز کے وقت تک مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہے اور یہ ارادہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جمعہ کی طرف حاضری کی جو ندا آئی ہے اس کے جواب میں جلدی کر رہا ہے نیز یہ اس کی مغفرت اور رضا کی طرف جلدی کرنا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَاحَ إِلَى الْجُمُعَةِ فِي السَّاعَةِ الْأُولَى فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ

جو شخص جمعہ کے لیے پہلی گھڑی میں جائے گویا اس نے اونٹ کی قربانی کی جو دوسری ساعت میں گیا گویا اس نے

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۰ باب الترجل فصل ثانی

(۲) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۷۶ باب اللباس للجمعہ

الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا أَهْدَى دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا أَهْدَى بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طُوِيَتِ الصُّحُفُ وَرُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَاجْتَمَعَتِ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ، فَمَنْ جَاءَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَإِنَّمَا جَاءَ لِحَقِّ الصَّلَاةِ لَيْسَ لَهُ مِنَ الْفَضْلِ شَيْءٌ۔

گائے کی قربانی دی جو تیسری ساعت میں گیا گویا اس نے سینگوں والا مینڈھا قربان کیا جو آدمی چوتھی ساعت میں گیا گویا اس نے مرغی پیش کی، جو پانچویں ساعت میں گیا گویا اس نے انڈا پیش کیا۔ اور جب امام (خطبہ کے لیے منبر کی طرف) نکل آئے تو رجسٹر لپیٹ دیئے جاتے ہیں اور قلمیں اٹھا دی جاتی ہیں اور فرشتے منبر کے پاس جمع ہو کر خطبہ سننے میں مصروف ہو جاتے ہیں اب اس کے بعد جو شخص آتا ہے وہ صرف حق نماز کے لیے آیا اس کے لیے مزید کوئی فضیلت نہیں۔ (۱)

پہلی ساعت سے مراد طلوع آفتاب تک کا وقت ہے، دوسری ساعت اس کے بلند ہونے کی ہے، تیسری ساعت اس وقت تک رہتی ہے جب سورج کی روشنی پھیل جائے اور پاؤں جلنے لگیں، چوتھی اور پانچویں ساعت بڑی چاشت سے زوال تک ہے اور ان دونوں کی فضیلت بہت کم ہے زوال کا وقت نماز کے حق کا وقت ہے اور اس میں کوئی فضیلت نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثٌ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِيهِنَّ لَرَكَضُوا رَكْضَ الْإِبِلِ فِي طَلَبِهِنَّ الْأَذَانُ وَالصَّفُّ الْأَوَّلُ وَالْغُدُوُّ إِلَى الْجُمُعَةِ (۲)

تین کام ایسے ہیں کہ اگر لوگوں کو ان کی فضیلت کا علم ہو جائے تو ان کی طلب میں اونٹوں کی طرح دوڑیں اذان، پہلی صف اور جمعہ کے لیے صبح کے وقت جانا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان تین باتوں میں سے افضل صبح کے وقت جمعہ کے لیے جانا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے۔

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَعَدَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلَى أَبْوَابِ الْمَسَاجِدِ بِأَيْدِيهِمْ صُحُفٌ مِنْ فِضَّةٍ وَأَقْلَامٌ مِنْ ذَهَبٍ يَكْتُبُونَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ عَلَى مَرَاتِبِهِمْ (۳)

جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجدوں کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں ان کے ہاتھوں میں چاندی کے رجسٹر اور سونے کی قلمیں ہوتی ہیں وہ پہلے آنے والوں کا نام لکھتے ہیں پھر حسب مراتب ترتیب سے لکھتے ہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۲۱/۱۲۷ باب فضل الجمعہ و باب الاستماع الی الخطبۃ

(۲) الکامل لابن عدی جلد ۷، ص ۲۵۸۶ ترجمۃ ہارون (۳) سنن النسائی جلد اوّل ص ۲۰۶ کتاب الجمعۃ

اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے:

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ يَتَفَقَّدُونَ الرَّجُلَ إِذَا تَأَخَّرَ عَنْ وَقْتِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَيَسْأَلُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا عَنْهُ مَا فَعَلَ فُلَانٌ وَمَا الَّذِي أَخَّرَهُ عَنْ وَقْتِهِ فَيَقُولُونَ اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ أَخَّرَهُ فَقْرٌ فَأَغْنِهِ وَإِنْ كَانَ أَخَّرَهُ مَرَضٌ فَاشْفِهِ وَإِنْ كَانَ أَخَّرَهُ شُغُلٌ فَفَرِّغْهُ لِعِبَادَتِكَ وَإِنْ كَانَ أَخَّرَهُ لَهْوٌ فَأَقْبِلْ بِقَلْبِهِ إِلَى طَاعَتِكَ۔ (۱)

بے شک فرشتے ایک شخص کو نہیں پاتے جب وہ جمعہ کے دن اپنے وقت سے رہ جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے اس کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ فلاں نے کیا کیا؟ اور کس وجہ سے اسے دیر ہو گئی پھر وہ کہتے ہیں یا اللہ! اگر محتاجی کی وجہ سے اسے تاخیر ہوئی ہے تو اسے غنی کر دے اگر بیماری کی وجہ سے تاخیر ہوئی ہے تو اسے شفا عطا فرما اگر کوئی مشغولیت ہے تو اسے اپنی عبادت کے لیے فارغ کر دے اور محض کھیل کود کی وجہ سے ہے تو اس کے دل کو اپنی اطاعت کی طرف متوجہ کر دے۔

پہلی صدی میں سحری کے وقت اور فجر کے بعد راستوں کو لوگوں سے بھرا ہوا دیکھا جاتا تھا وہ چراغ لیے ہوئے جامع مسجد کی طرف جاتے گویا عید کے دن ہوں، حتیٰ کہ یہ سلسلہ ختم ہو گیا پس کہا گیا کہ اسلام میں جو پہلی بدعت ظاہر ہوئی وہ جامع مسجد کی طرف جلدی جانے کو چھوڑنا ہے اور مسلمانوں کو کس طرح یہودیوں سے حیا نہیں آتا کہ وہ اپنی عبادت گاہوں کی طرف ہفتے اور اتوار کے دن صبح سویرے جاتے ہیں اور دنیا کے طالب لوگ کس طرح سویرے سویرے خرید و فروخت اور حصول نفع کے لیے بازاروں کی طرف جاتے ہیں تو آخرت کو طلب کرنے والے ان سے مقابلہ کیوں نہیں کرتے۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے وقت سب سے زیادہ قرب ان لوگوں کو ہوگا جو سویرے سویرے جمعہ کی نماز کے لیے جاتے ہیں پھر ان کے بعد والے، پھر اسی ترتیب سے قرب ہوگا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح سویرے جامع مسجد میں داخل ہوئے تو تین آدمیوں کو دیکھا جو جلدی جانے میں ان سے سبقت کر گئے تھے تو وہ اس وجہ سے غمگین ہو گئے اور اپنے آپ کو جھڑکتے ہوئے دل میں کہنے لگے۔ "چار میں سے چوتھا" حالانکہ چوتھا آدمی جلدی کرنے میں تاخیر کرنے والا نہیں۔

۵۔ پانچویں بات داخل ہونے کا طریقہ ہے تو مناسب یہ ہے کہ لوگوں کی گردنوں کو نہ پھلانگے اور نہ ان کے سامنے سے گزرے اور جلدی جانا اس بات کو آسان کر دیتا ہے گردنوں کو روندنے کے سلسلے میں سزا سے شدت کے ساتھ ڈرایا گیا ہے وہ یہ کہ قیامت کے دن ایسے شخص کو پل بنایا جائے گا اور لوگ اسے روندیں گے (۲)

---

(۱) سنن بیہقی جلد ۳ ص ۲۲۶، ۲۲۷ کتاب الجمعۃ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۴۴۱ کتاب الصلوٰۃ

حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص کو گردنیں پھلانگتے دیکھا حتیٰ کہ وہ آگے آ کر بیٹھ گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو اس شخص کے سامنے تشریف لائے اور ملاقات کے بعد فرمایا اے فلاں! تجھے کس چیز نے منع کیا کہ آج تو ہمارے ساتھ جمع ہوتا؟ اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میں آپ کے ساتھ ہی تو تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں نے نہیں دیکھا کہ تو لوگوں کی گردنیں پھلانگ رہا تھا" آپ نے اعمال کے ضائع ہونے کی طرف اشارہ فرمایا؛

ایک مسند حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ "تجھے ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس بات نے منع کیا؛ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے مجھے نہیں دیکھا؛ آپ نے فرمایا میں نے تجھے دیکھا تو دیر سے آیا اور تو نے حاضرین کو تکلیف پہنچائی (۱)

اور بعض اوقات پہلی صف خالی ہوتی ہے تو اس کے لیے آگے گزرنا جائز ہوتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے اپنے حق کو ضائع کر دیا اور فضیلت کی جگہ کو چھوڑ دیا حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "ان لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے جاؤ جو جامع مسجد کے دروازے پر بیٹھے ہیں ان لوگوں کی کوئی عزت نہیں ہے"، اور اگر مسجد میں تمام لوگ نماز میں مصروف ہوں تو سلام نہیں کرنا چاہیئے کیوں کہ یہ غیر محل میں جواب کی تکلیف دینا ہے۔

۶- چھٹی بات یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے سے نہ گزرے بلکہ ستون یا دیوار کے پاس بیٹھ جائے تاکہ دوسرے بھی اس کے سامنے سے نہ گزریں مقصد یہ ہے کہ نمازی کے آگے سے نہ گزریں۔ کیوں کہ آگے سے گزرنا اگرچہ نماز کو نہیں توڑتا لیکن اس سے منع کیا گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

لَاَنْ یَّقِفَ اَرْبَعِیْنَ عَامًا خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّمُرَّ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ (۲)

کسی شخص کا چالیس سال کھڑا رہنا اس بات سے بہتر ہے کہ وہ نمازی کے آگے سے گزرے۔

اور آپ نے فرمایا؛

لَاَنْ یَّکُوْنَ الرَّجُلُ رَمَادًا رِمْدِیْدًا تَذْرُوْہُ الرِّیَاحُ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّمُرَّ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ۔ (۳)

اگر آدمی باطل راکھ ہو جائے اور ہوا اسے ادھر ادھر پھینک دے یہ اس بات سے بہتر ہے کہ وہ کسی نمازی کے آگے سے گزرے۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۱۴۴ کتاب الصلوات

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۱۶، ۱۱۷ مرویات زید بن خالد

(۳)

ایک دوسری حدیث میں گزرنے والے اور اس نمازی کے بارے میں جو راستے میں نماز پڑھتا ہے یا دور کرنے میں کوتاہی کرتا ہے یوں آیا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي وَالْمُصَلِّي مَا عَلَيْهِمَا فِي ذٰلِكَ الْمَكَانِ لَكَانَ اَنْ يَقِفَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً خَيْرٌ لَهُ مِنْ اَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ (۱)

اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا اور اس جگہ نماز پڑھنے والا جانتا کہ ان دونوں پر کیا عذاب ہوگا تو اس کے لیے گزرنے کی بجائے چالیس سال ٹھہرنا بہتر ہوتا۔

ستون، دیوار اور بچھا ہوا مصلّٰی، نمازی کے لیے حد ہے جو آدمی اس سے تجاوز کرے (یعنی اندر آجائے) اسے دور کرنا چاہیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَدْفَعُهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ فَاِنَّهُ شَيْطَانٌ (۲)

چاہیے کہ اسے دور کرے اگر وہ نہ مانے تو اس سے لڑے کیونکہ وہ شیطان ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آگے سے گزرنے والے کو دور کرتے حتیٰ کہ اسے گرا دیتے بلکہ بعض اوقات تو وہ شخص آپ سے لپٹ جاتا اور مروان کے پاس آپ کی شکایت کرتا۔ تو وہ مروان کو بتاتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا ہے۔ اور اگر ستون نہ ہو تو اپنے سامنے کوئی چیز کھڑی کرے جس کی لمبائی ایک شرعی گز (دو فٹ) ہو تاکہ وہ اس کی حد کی علامت بن جائے۔

۷۔ ساتویں بات یہ ہے کہ پہلی صف کی طلب کرے کیوں کہ اس کی فضیلت زیادہ ہے جیسا کہ ہم نے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے غسل کیا اور غسل کروایا (بیوی سے جماع کی طرف اشارہ ہے) اور صبح صبح گیا امام کے قریب ہوا اور غور سے سنا تو یہ دو جمعوں کے درمیان والے دنوں اور مزید تین دنوں کے لیے کفارہ ہے۔(۳)

دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں "اللہ تعالیٰ اسے دوسرے جمعہ تک کے لیے بخش دیتا ہے" (۴)

---

(۱) کنز العمال جلد ۷ ص ۳۵۵ حدیث ۱۹۲۵۰

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۹۶ باب منع المار بین یدی المصلی۔

(۳) مستدرک للحاکم جلد اول ص ۲۸۲ کتاب الجمعۃ۔

(۴) مستدرک للحاکم جلد اول ص ۲۸۲ کتاب الجمعۃ

اور بعض روایت میں یہ شرط رکھی ہے کہ وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے۔
صفِ اول میں تین باتوں سے غافل نہ رہے۔

۱۔ جب خطیب میں ایسی چیز دیکھے جو بُری ہو لیکن یہ اسے بدل نہیں سکتا مثلاً اس نے یا کسی دوسرے آدمی نے ریشم وغیرہ پہنا ہوا ہو یا ایسے ہتھیار میں نماز پڑھے جو زیادہ ہیں، بھاری ہیں اور نماز سے توجہ کو پھیرنے والے ہیں یا سنہری ہتھیار وغیرہ ایسی چیزیں ہوں جن پر اعتراض کرنا اس شخص پر واجب ہو تو اس کے لئے پیچھے رہنے زیادہ حفاظت اور سوچ کو بٹنے سے بچانے کا باعث ہے۔ علماء کرام کی ایک جماعت نے سلامتی کی طلب میں ایسا کیا ہے۔

حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ہم دیکھتے ہیں آپ سویرے سویرے آتے ہیں لیکن آخری صفوں میں نماز پڑھتے ہیں انہوں نے فرمایا دلوں کا قرب مطلوب ہے جسموں کا نہیں انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ عمل دل کو زیادہ محفوظ رکھتا ہے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے حضرت شعیب بن حرب کو منبر کے پاس دیکھا کہ وہ ابو جعفر منصور کا خطبہ غور سے سن رہے تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تمہارا اس شخص کے قریب ہونا میرے دل کی مشغولیت کا کا باعث بنا کیا اس بات سے بے خوف ہیں کہ کوئی ایسی بات سنیں جس کا انکار آپ پر واجب ہو لیکن آپ اسے بجا نہ لا سکیں۔

پھر انہوں نے ان لوگوں (حکمرانوں) کی بدعت کا ذکر کیا کہ انہوں نے سیاہ کپڑے پہنا شروع کئے ہیں حضرت شعیب بن حرب نے فرمایا کیا حدیث شریف میں نہیں آیا کہ قریب ہو کر غور سے سنو (۱)

انہوں نے فرمایا تمہیں خرابی ہو یہ تو خلفاء راشدین کے بارے میں ہے جو ہدایت یافتہ لوگ تھے جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے تو تم ان سے جس قدر دور ہوں گے اور ان کو نہیں دیکھو گے اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی زیادہ قرب حاصل ہوگا۔

حضرت سعید بن عامر فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو درداء رضی عنہ کے پہلو میں نماز پڑھی تو وہ پچھلی صفوں میں آنے لگے حتیٰ کہ ہم آخری صف میں چلے گئے نماز پڑھنے کے بعد میں نے ان سے پوچھا کیا یہ نہیں کہا گیا کہ سب سے بہتر صف، پہلی صف ہے؟

انہوں نے فرمایا ہاں لیکن یہ امت تمام امتوں میں سے مرحومہ ہے اللہ تعالیٰ جب نماز میں کسی بندے کو دیکھتا ہے تو اسے بھی اور اس کے پیچھے جتنے لوگ ہیں سب کو بخش دیتا ہے تو میں اس امید پر پیچھے ہو گیا کہ ان میں سے کسی کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے دیکھے تو مجھے بھی بخش دے (۲)

کسی راوی نے روایت کیا فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے یہ بات فرمائی ہے تو

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۲۳۸ کتاب الجمعۃ

(۲) کنز العمال جلد ۱۲ ص ۱۵۹ حدیث ۳۲۴۳۴

جو شخص اس نیت سے ایثار کے طور پر اور اچھے اخلاق کو ظاہر کرتے ہوئے پہلی صفوں میں رہے تو کوئی حرج نہیں ایسے موقعہ کے لیے کہا جاتا ہے اعمال (کے ثواب) کا دار و مدار نیت پر ہے۔

۵۔ اگر خطیب کے پاس کوئی جگہ مسجد سے الگ، بادشاہوں کے لیے مختص نہ ہو تو پہلی صف پسندیدہ ہے ورنہ اس مخصوص جگہ میں داخل ہونے کو بعض علماء نے مکروہ قرار دیا ہے حضرت حسن بصری اور حضرت بکر مزنی رحمہما اللہ مقصورہ (مخصوص جگہ) میں نماز نہیں پڑھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ حکمرانوں کے لیے مخصوص ہے اور یہ بدعت ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مساجد میں نکالی گئی مسجد تو سب لوگوں کے لیے برابر ہے اور یہ اس کے خلاف الگ حصہ بنا دیا گیا حضرت انس بن مالک اور عمران بن حصین نے مقصورہ میں نماز پڑھی ہے اور قرب کے سبب اس کو مکروہ خیال نہیں کیا شاید کراہت تخصیص اور دوسرے لوگوں کو منع کرنے کی وجہ سے ہو کیونکہ جب تک ممانعت نہ ہو محض مقصورہ میں کوئی کراہت نہیں۔

۶۔ منبر بعض صفوں کو کاٹتا ہو تو پہلی صف میں ایک صف ہے جو متصل ہے اور منبر کے بعد ہے جو کچھ اس منبر کے دائیں بائیں ہے وہ غیر متصل ہے۔ (پہلی صف نہیں کہلائے گی کیونکہ اس میں اتصال نہیں رہا) حضرت سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ پہلی صف وہ ہے جو منبر کے اگلے حصے سے خارج ہو اور سامنے ہو یہ بات صحیح ہے کیونکہ وہ متصل ہے نیز اس پر بیٹھنے والا خطیب کے بالمقابل ہوتا ہے اور اس سے سنتا ہے اور یہ بات کہنا بھی بعید نہیں کہ قبلہ کے جو زیادہ قریب ہے وہ پہلی صف ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس معنی کی رعایت نہ کی جائے۔ بازاروں، اور مسجد سے خارج چوکوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے بعض صحابہ کرام اس پر سزا دیتے اور انہیں چوکوں سے اٹھا دیتے تھے۔

۸۔ آداب جمعہ میں سے آٹھواں ادب یہ ہے کہ امام جب منبر کی طرف نکلے تو نماز پڑھنا اور کلام کرنا چھوڑ دے اور مؤذن کی اذان کا جواب دینے اور پھر اچھی طرح خطبہ سننے میں مشغول ہو جائے بعض لوگوں کی عادت ہے کہ جب مؤذن اذان کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہیں حالانکہ کسی حدیث اور روایت میں اس کی اصل ثابت نہیں البتہ اگر اس وقت سجدہ تلاوت لازم ہو تو دعا کو لمبا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ وقت فضیلت ہے لیکن اس سجدے کو حرام نہ کہا جائے کیونکہ اس کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ان دونوں نے فرمایا جس نے غور سے سنا اور خاموش رہا اس کے لئے دو اجر ہیں۔ اور جس نے غور سے نہ سنا لیکن خاموش رہا اس کے لیے ایک اجر ہے اور جس نے سنا لیکن لغو کاموں میں لگا رہا اس پر دو گناہ ہیں اور جس نے نہیں سنا اور فضول کاموں سے مصروف رہا اس پر ایک گناہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَالَ لِصَاحِبِهٖ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ — امام کے خطبہ کے دوران جس نے اپنے ساتھی سے

اَلْصِتْ اَوْ لَمَہٗ فَقَدْ لَغَا وَمَنْ لَغَا وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلَا جُمُعَۃَ لَہٗ (۱)

کہا خاموش رہو ٹھہر جاؤ تو اس نے لغو کام کیا اور جس نے امام کے خطبہ کے دوران لغو کام کیا اس کو جمعہ کا ثواب نہیں ملے گا۔

☆ ☆ ☆

اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ خاموش کرانے کے لیے اشارہ کرے یا کوئی کنکری مارنی چاہیئے زبان سے نہ ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ انہوں نے (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے) حضرت اُبّی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ فلاں سورت کب نازل ہوتی ہے تو انہوں نے اشارے سے خاموش ہونے کو کہا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے تو حضرت ابی بن کعب نے حضرت ابوذر سے فرمایا آپ جائیے آپ کا جمعہ نہیں ہوا۔ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا حضرت اُبّی نے سچ کہا ہے (۲)

اور اگر امام سے دور ہو تو بھی مناسب نہیں کہ علم یا کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرے بلکہ خاموش رہنا چاہیئے کیونکہ ان سب میں تسلسل ہوتا ہے اور بھنبھناہٹ پیدا ہوتی ہے جو ان لوگوں تک پہنچ جاتی ہے جو غور سے سن رہے ہوتے ہیں۔ اور گفتگو کرنے والوں کے حلقہ میں بھی نہیں بیٹھنا چاہیئے تو جو آدمی دور ہونے کی وجہ سے سننے سے عاجز ہو وہ خاموش رہے یہ مستحب ہے جب خطبہ امام کے دوران نماز پڑھنا مکروہ ہے تو کلام کرنا بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہوگا، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں چار اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے فجر کے بعد، عصر کے بعد دوپہر کے وقت اور جب امام خطبہ دے رہا ہو۔

۹۔ نواں ادب یہ ہے کہ جمعہ کی اقتدا میں ان امور کا خیال رکھے جو ہم نے غیر جمعہ کے بارے میں بیان کئے ہیں اور جب امام کی قرأت سنے تو سورۂ فاتحہ کے علاوہ نہ پڑھے (احناف کے نزدیک اس وقت بالکل قرأت نہ کرے) اور جب جمعہ سے فارغ ہو جائے تو کلام کرنے سے پہلے سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھے سات مرتبہ سورۂ اخلاص (قل ہو اللہ احد) اور سات سات مرتبہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھے بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ جو آدمی یہ عمل کرتا ہے وہ جمعہ سے جمعہ تک محفوظ ہو جاتا ہے اور یہ اس کے لیے شیطان سے حفاظت کا باعث ہے۔

جمعہ کے بعد یہ کلمات پڑھنا مستحب ہے۔

اَللّٰھُمَّ یَا غَنِیُّ یَا حَمِیْدُ یَا مُبْدِئُ یَا

اے اللہ! اے غنی اے تعریف والے اے ابتداءً

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۵۰۱ کتاب الجمعۃ

(۲) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۱۲۶

مُعِيْدُ يَارَحِيْمُ يَاوَدُوْدُ اَغْنِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

پیدا کرنے والے ہے (قیامت کے دن) لوٹانے والے اے رحمت والے اے محبت کرنے والے اپنے حلال کے ساتھ حرام سے اور اپنے فضل کے ساتھ ما سوا سے بے نیاز کر دے۔

کہا جاتا ہے کہ جو شخص یہ دعا ہمیشہ مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنی مخلوق سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا پھر جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ چار رکعات پڑھتے تھے (۲)

حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے چھ رکعتوں کے بارے میں مروی ہے (۳)

مختلف حالات میں یہ تمام صحیح ہیں اور افضل یہ ہے کہ زیادہ مکمل پڑھے (یعنی چھ رکعات پڑھے)

۱۰۔ دسواں ادب یہ ہے کہ عصر کی نماز پڑھنے تک مسجد میں ہی رہے اور اگر نماز مغرب تک ٹھہرے تو افضل ہے، کہا جاتا ہے کہ جس نے عصر کی نماز جامع مسجد میں پڑھی اس کے لیے حج کا ثواب ہے اور جس نے مغرب کی نماز بھی پڑھی اس کے لیے حج اور عمرے کا ثواب ہے اور اگر اسے اس بات کا ڈر نہ ہو کہ اس سے بناوٹ کا اظہار ہو گا یا لوگوں کے اس کے اعتکاف کو دیکھنے سے کوئی مصیبت آئے گی یا بے مقصد گفتگو میں مشغول ہو جائے گا تو ٹھیک ہے ورنہ اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اس کی نعمتوں میں غور کرے اور اس کی توفیق پر شکر ادا کرے اپنی کوتاہیوں پر خوف زدہ ہو دل اور زبان کی حفاظت کرے سورج کے غروب ہونے تک اسی طرح رہے تاکہ اس سے فضیلت والی گھڑی نکل نہ جائے۔ جامع مسجد یا دوسری مساجد میں دنیوی گفتگو نہ کرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِيْ مَسَاجِدِهِمْ اَمْرُ دُنْيَاهُمْ لَيْسَ لِلّٰهِ تَعَالٰى فِيْهِمْ حَاجَةٌ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ (۴)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کے دنیوی معاملات کے بارے میں گفتگو مساجد میں ہو گی اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں پس ان کے پاس نہ بیٹھو۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۸۸ کتاب الجمعۃ

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۸۸ کتاب الجمعۃ

(۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۶۰ باب الصلوٰۃ بعد الجمعۃ

(۴) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۲۰۵ حدیث ۲۹۰۸۶

بعض دیگر سنن وآداب ترتیب سابق سے الگ سنن وآداب جو تمام دن سے متعلق ہیں اور وہ سات باتیں ہیں۔

۱۔ صبح یا عصر کے بعد مجالس علم میں حاضر ہو لیکن قصہ گو لوگوں (جیسے آج کل کے واعظین ہیں) کی مجلسوں میں نہ جائے اور ان کے کلام میں کوئی بھلائی نہیں۔ اور سالک (تصوف کی راہ پر چلنے والے) کو چاہیے کہ وہ جمعہ کا پورا دن اچھے کاموں اور دعاؤں میں مشغول رہے تاکہ اسے وہ فضیلت والی گھڑی مل جائے جو بہتر ہے نماز سے پہلے منعقد ہونے والے حلقوں میں نہ جائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ التَّحَلُّقِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن نماز سے پہلے حلقے بنانے سے منع فرمایا۔

مگر یہ کہ کوئی شخص عالم باللہ ہو، اللہ تعالیٰ کے انعامات اور عذاب کے دنوں کا ذکر کرتا ہو دین کی سمجھ رکھتا ہو صبح کے وقت جامع مسجد میں درس دیتا ہو تو اس کے پاس بیٹھے اس طرح وہ جلدی آنے اور غور سے سننے کو جمع کرتے گا۔ آخرت میں نفع دینے والے علم (کی باتوں) کو غور سے سننا نوافل میں مشغول ہونے سے بہتر ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجلس علم میں حاضری ایک ہزار رکعات سے افضل ہے (۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ارشاد خداوندی۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (۳)

جب نماز ادا ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔

کے بارے میں فرمایا کہ دنیا طلب کرنا نہیں بلکہ مریض کی عیادت اور جنازے میں حاضری ہے نیز تعلیم و تعلم اور دینی بھائی سے ملاقات کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر علم کو اپنا فضل قرار دیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (۴)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ جانتے نہیں تھے اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

---

(۱) سنن نسائی جلد اول ص ۱۱۷ کتاب المساجد۔

(۲) الاسرار المرفوعۃ ص ۱۱۳ حدیث ۴۲۷

(۳) قرآن مجید سورۂ جمعہ آیت ۱۰

(۴) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۱۱۳

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا (۱) اور بے شک ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو فضل عطا کیا۔
اس سے علم مراد ہے لہٰذا اس دن (جمعہ کے دن) تعلیم و تعلم سب سے افضل عبادت ہے اور واعظین کی مجلس سے نماز افضل ہے کیونکہ بزرگوں نے اسے بدعت قرار دیا اور وہ جامع مسجد سے قصہ گو واعظین کو نکالتے تھے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صبح صبح جامع مسجد میں اپنی مجلس کی طرف تشریف لے گئے تو وہاں ان کی جگہ پہ ایک قصہ گو قصے بیان کر رہا تھا انہوں نے فرمایا میری جگہ سے اٹھو اس نے کہا میں نہیں اٹھوں گا میں آپ سے پہلے آ کر یہاں بیٹھا ہوں چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک پولیس والے کو بلا کر اسے اٹھایا اگر یہ عمل سنت سے ہوتا تو اسے اٹھانا جائز نہ ہوتا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لَا یُقِیْمَنَّ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ مِنْ مَجْلِسِہٖ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیْہِ وَلٰکِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا۔ (۲) تم میں کوئی اپنے بھائی کو اس کی مجلس سے اٹھا کر خود وہاں نہ بیٹھے بلکہ (دوسرے کے لیے) گنجائش بناؤ۔
اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھتا تو وہاں نہ بیٹھتے حتیٰ کہ وہ وہاں لوٹ آتا یہاں کہا گیا ہے کہ ایک قصہ گو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے باہر کھلی جگہ میں بیٹھا تھا تو انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پیغام بھیجا کہ اس نے اپنی قصہ گوئی سے مجھے اذیت پہنچائی اور مجھے تسبیح سے روک دیا ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے مارا حتیٰ کہ آپ کی لاٹھی اس کی پیٹھ پہ ٹوٹ گئی پھر آپ نے اسے پھینک دیا۔
۴۔ بہترین ساعت کی اچھی طرح نگرانی کرے اور تاک میں رہے ایک مشہور روایت میں ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اِنَّ فِی الْجُمُعَۃِ سَاعَۃً لَا یُوَافِقُھَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ یَسْاَلُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ (۳) بے شک جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت ہے کہ جس شخص کو حاصل ہو جائے اور وہ اس میں اللہ تعالیٰ سے کچھ سوال کرے تو وہ اسے عطا فرماتا ہے۔
ایک دوسری روایت میں ہے:
لَا یُصَادِفُھَا عَبْدٌ یُصَلِّیْ (۴) وہ کسی بندے کو موافق ہو جائے اور وہ اس میں نماز پڑھے۔

---

(۱) قرآن مجید سورہ سبا آیت ۱۰
(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۲۳۲ کتاب الجمعۃ
(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۸۱ کتاب الجمعہ
(۴) الکامل للعدی جلد اول ص ۴۲ ترجمہ عبد اللہ بن سلام / مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۸۶ مرویات ابو ہریرہ

اس میں اختلاف ہے (کہ وہ کونسی ساعت ہے) کہا گیا کہ طلوع آفتاب کے وقت ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ زوال کے وقت ہے ایک قول یہ ہے کہ اذان کے ساتھ ہے بعض نے کہا کہ جب امام منبر پر چلا جائے اور خطبہ شروع کر دے کہا گیا ہے کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑا ہو جائے بعض نے کہا کہ عصر کا آخری مستحب وقت ہے کسی نے کہا سورج غروب ہونے سے پہلے ہے۔

حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اس وقت کا خیال رکھا کرتی تھیں اور اپنی خادمہ کو حکم دیتیں کہ وہ سورج کی طرف دیکھے اور اس کے جھکنے کی اطلاع کرے چنانچہ اس وقت وہ دعا اور استغفار میں مبتلا ہو جاتیں حتی کہ سورج غروب ہو جاتا اور بتاتیں کہ یہ وہ گھڑی ہے جس کی انتظار کی جاتی ہے اور اسے اپنے ابا جان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتیں۔ (۱)

بعض علماء نے فرمایا یہ لیلۃ القدر کی طرح پوشیدہ ہے اور پورے دن میں ہے تاکہ اس کی حفاظت کی طلب زیادہ ہو بعض نے فرمایا کہ یہ لیلۃ القدر کی طرح جمعہ کی مختلف ساعتوں میں بدلتی رہتی ہے یہ مفہوم زیادہ مناسب ہے اور اس میں ایک راز ہے جس کا ذکر علم معاملہ کے مناسب نہیں ہے لیکن جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی تصدیق ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا:

اِنَّ لِرَبِّكُمْ فِيْ اَيَّامِ دَهْرِكُمْ لَنَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا (۲)

بے شک تمہارے اس زمانے کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشبودار جھونکے ہیں سنو! ان کو حاصل کرو۔

اور ہر جمعہ کا دن بھی انہی ایام میں سے ہے لہٰذا بندے کو چاہیے کہ پورا دن دل کی حاضری کے ساتھ اس کے درپے رہے ذکر کو لازم پکڑے اور دنیا کے وسوسوں سے الگ تھلگ رہے ہو سکتا ہے ان خوشبودار جھونکوں میں سے کوئی جھونکا اسے حاصل ہو جائے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جمعہ کے دن آخری گھڑی ہے۔ اور یہ غروب کے وقت ہوتی ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ گھڑی کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ وہ ایسے بندے کے موافق ہوتی ہے جو نماز پڑھتا ہے اور یہ نماز کا وقت نہیں حضرت کعب نے فرمایا کیا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا:

مَنْ قَعَدَ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ فَهُوَ فِيْ

جو شخص نماز کی انتظار میں بیٹھتا ہے وہ نماز میں (شمار

---

(۱) شعب الایمان جلد ۳ ص ۹۴ فضل الجمعۃ حدیث۔

(۲) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۳۱ باب التعرض لنفحات رحمۃ اللہ

الصلوٰۃ (۱) ہوتا ہے۔

انہوں نے فرمایا ہاں یہ تو فرمایا ہے تو حضرت کعب نے فرمایا تو یہ نماز ہی ہے۔ اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ اس بات کی طرف مائل تھے کہ یہ اس دن کا حق پورا کرنے والوں کے لیے رحمت ہے اور اس کو بھیجنے کا وقت وہ جب آدمی عمل سے مکمل طور پر فارغ ہو جاتا ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ باعث فضیلت وقت ہے اور جب امام منبر پہ جاتا ہے لہٰذا ان دونوں وقتوں میں زیادہ سے زیادہ دعا مانگی جائے۔

۲۔ اس دن زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ ثَمَانِيْنَ مَرَّةً غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَ ثَمَانِيْنَ سَنَةً قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكَ؟ قَالَ تَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَتَعْقُدُ وَاحِدًا، وَاِنْ قُلْتَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضَاءً وَّلِحَقِّهٖ اَدَاءً وَّاَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ وَاجْزِهٖ اَفْضَلَ مَا جَازَيْتَ نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ، وَصَلِّ عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصَّالِحِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ (۲)

جس نے جمعہ کے دن مجھ پر اسی مرتبہ درود شریف پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے اسی سال کے گناہ بخش دے گا عرض کیا گیا یارسول اللہ! آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں آپ نے فرمایا یوں پڑھو اللھم صل علی محمد (آخر تک) اے اللہ حضرت محمد مصطفیٰ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما ایسی رحمت جو تیری رضا کا باعث اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی ادائیگی ہو اور آپ کو وہ مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا اور آپ کو ہماری طرف سے وہ جزا عطا فرما جو آپ کے شایانِ شان ہے اور اس سے افضل بدلہ عطا فرما جو تو نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے عطا آپ پر اور آپ کے تمام بھائیوں یعنی انبیاء کرام اور صالحین پر رحمت فرما اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔

سات بار پڑھے کہا گیا کہ جو شخص سات جمعوں میں اس طرح پڑھے کہ ہر جمعہ میں سات بار پڑھے اس کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت واجب ہو گی اور اگر اس میں اضافہ کرنا چاہے تو احادیث میں مروی یہ درود شریف پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فَضَائِلَ صَلَوَاتِكَ وَنَوَامِيَ — اے اللہ اپنا بزرگ ترین درود (رحمت) پڑھنے والی برکتیں

(۱) شعب الایمان جلد ۳ ص ۹۲ باب فضل الجمعۃ

(۲)

بَرَكَاتِكَ وَشَرَائِفَ زَكَوَاتِكَ وَرَأْفَتَكَ وَرَحْمَتَكَ
وَتَحِيَّاتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ
وَإِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَ
رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَائِدِ الْخَيْرِ وَفَاتِحِ الْبِرِّ
وَنَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَسَيِّدِ الْأُمَّةِ اَللّٰهُمَّ
ابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا تُزْلِفُ بِهٖ قُرْبَهٗ عَيْنَهٗ
يَغْبِطُهٗ بِهِ الْأَوَّلُوْنَ وَالْآخِرُوْنَ اَللّٰهُمَّ
أَعْطِهِ الْفَضْلَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالشَّرَفَ
وَالْوَسِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَالْمَنْزِلَةَ
الشَّامِخَةَ الْمُنِيْفَةَ، اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُحَمَّدًا
سُؤْلَهٗ وَبَلِّغْهُ مَأْمُوْلَهٗ وَاجْعَلْهُ أَوَّلَ شَافِعٍ
وَأَوَّلَ مُشَفَّعٍ، اَللّٰهُمَّ عَظِّمْ بُرْهَانَهٗ وَثَقِّلْ
مِيْزَانَهٗ وَأَبْلِغْ حُجَّتَهٗ وَارْفَعْ فِيْ أَعْلَى
الْمُقَرَّبِيْنَ دَرَجَتَهٗ، اَللّٰهُمَّ احْشُرْنَا فِيْ
زُمْرَتِهٖ وَاجْعَلْنَا مِنْ أَهْلِ شَفَاعَتِهٖ
وَأَحْيِنَا عَلٰى سُنَّتِهٖ وَتَوَفَّنَا عَلٰى مِلَّتِهٖ
وَأَوْرِدْنَا حَوْضَهٗ وَاسْقِنَا بِكَأْسِهٖ غَيْرَ
خَزَايَا وَلَا نَادِمِيْنَ وَلَا شَاكِّيْنَ وَلَا مُبَدِّلِيْنَ
وَلَا فَاتِنِيْنَ وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ، آمِيْنَ
يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ "

بہترین خوبی، اپنی بخشش اپنی رحمت اور اپنا سلام حضرت
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما جو تمام رسولوں
کے سردار، پرہیزگاروں کے امام، آخری نبی اور تمام
جہانوں کے سب کے رسول ہیں بھلائی کی طرف لے جانے
والے نیکی کے دروازے کو کھولنے والے، نبی رحمت
اور امت کے سردار ہیں یا اللہ ان کو مقام محمود پر فائز فرما
جس کے سبب ان کے قرب کو اور قریب کر دے اس کے
سبب ان کی آنکھوں کو ٹھنڈی کر دے کہ ان پر پہلے اور پچھلے
رشک کریں یا اللہ! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فضل،
فضیلت، بزرگی، وسیلہ بلند درجہ، بلند مرتبہ عطا فرما حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کو پورا فرما ان کی امید ان
تک پہنچا انہیں پہلا شفاعت کرنے والا اور مقبول شفاعت
بنا دے یا اللہ ان کی دلیل کو بزرگی عطا فرما ان کے ترازو
کو بھاری کر دے ان کی دلیل کو پہنچنے والی بنا دے بلند
تر مقربین میں ان کا مرتبہ بلند فرما یا اللہ! ہمیں ان کے زمرہ
(جماعت) میں اٹھانا ان کی شفاعت کے مستحقین میں سے
کر دے آپ کی سنت پر زندہ رکھ اور آپ کی ملت پر موت
دے ہمیں آپ کے حوض پر اتار دے آپ کے پیالہ سے
سیراب کر اس حال میں کہ ہم رسوا نہ ہوں نہ نادم ہوں اور نہ
شک کرنے والے نہ تبدیلی کرنے والے اور نہ بدلنے والے
نہ گمراہ کرنے والے اور نہ گمراہ کیے گئے اے تمام جہانوں
کے رب ہماری دعا کو قبول فرما۔"

(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ درود شریف کے جو الفاظ بھی پڑھے چاہے وہ الفاظ ہوں جو تشہد میں مشہور ہیں (درود ابراہیمی) وہ

(۱)

درود شریف پڑھنے والا ہوگا اور مناسب ہے کہ اس کے ساتھ استغفار بھی ملائے کیوں کہ یہ بھی اس دن مستحب ہے۔

۴- اس دن قرآن پاک کثرت سے پڑھے بالخصوص سورۂ کہف کی تلاوت کرے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے۔

اَنَّ مَنْ قَرَاَ سُوْرَۃَ الْکَہْفِ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ اَوْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اُعْطِیَ نُوْرًا مِنْ حَیْثُ یَقْرَؤُھَا اِلٰی یَوْمِ الْجُمُعَۃِ الْاُخْرٰی وَفَضْلَ ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ وَصَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یُصْبِحَ وَعُوْفِیَ مِنَ الدَّاءِ وَالدُّبَیْلَۃِ وَذَاتِ الْجَنْبِ وَالْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَفِتْنَۃِ الدَّجَّالِ - (۱)

جو شخص جمعہ کی رات یا دن میں سورۂ کہف پڑھے اسے وہاں سے لے کر جہاں وہ پڑھتا ہے مکہ مکرمہ تک روشنی عطا کی جاتی ہے اور آئندہ جمعہ تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں بلکہ تین دن زائد کے گناہ بھی۔ اس کے لیے صبح تک ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں وہ بیماری سے، پیٹ کے پھوڑے پہلو کے درد، برص اور کوڑھ کے مرض سے نیز دجّال کے فتنہ سے بچایا جاتا ہے۔"

اگر ممکن ہو تو جمعہ کے دن اور رات میں قرآن مجید مکمل ختم کرے اور اگر رات کو پڑھے تو مناسب ہے کہ ختم قرآن صبح کی دو رکعتوں میں ہو، یا مغرب کی دو رکعتوں میں یا جمعہ کی اذان اور اقامت کے درمیان ہو، اس کی بہت زیادہ فضیلت ہے عبادت گزار لوگ جمعہ کے دن ایک ہزار مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھنا پسند کرتے ہیں، اور کہا گیا کہ جو شخص دس یا بیس رکعات میں اسے پڑھے تو یہ پورے ختم سے افضل ہے اور وہ لوگ ہزار بار بارگاہ نبوی میں درود شریف کا نذرانہ بھیجتے تھے اور ایک ہزار مرتبہ "سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" پڑھتے تھے اور اگر جمعہ کے دن، رات میں وہ چھ سورتیں پڑھے جن کے شروع میں تسبیح ہے(۲) تو یہ اچھا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات مروی نہیں ہے کہ آپ جمعہ کے علاوہ کوئی معین سورت پڑھتے ہوں جمعہ کی رات مغرب کی نماز میں سورۂ الکافرون اور سورۂ اخلاص پڑھتے اور عشاء کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورہ منافقین پڑھتے تھے(۳)

ایک روایت میں ہے کہ آپ جمعہ کی دونوں رکعتوں میں یہ سورتیں پڑھتے تھے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں "سورۂ سجدہ لقمان اور ھل اتٰی علی الانسان" پڑھتے (۴)

---

(۱) تفسیر قرطبی جلد ۴ ص ۲۰۹ تحت سورۃ الکہف

(۲) وہ سورتیں یہ ہیں سورۂ حدید، سورۂ حشر، سورۂ صف، سورۂ جمعہ سورۂ تغابن سورۂ الاعلیٰ۔

(۳) شرح السنۃ جلد ۳ ص ۸۱ القرآن فی الصبح

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۸۸ کتاب الجمعہ۔

۵۔ جب جامع مسجد میں داخل ہو تو چار رکعات پڑھنا مستحب ہے اور ان میں دو سو مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھے یعنی ہر رکعت میں پچاس بار پڑھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص اس طرح کرے گا وہ مرنے سے پہلے جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لے گا۔ یا اسے دکھا دیا جائے گا۔ (۱)

تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑے اگرچہ امام خطبہ دے رہا ہو لیکن مختصر پڑھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے (۲) (احناف کے نزدیک خطبہ کے دوران کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ۱۲ ہزاروی) ایک غریب (غیر مشہور) حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں آنے والے کے لیے (خطبہ سے) خاموش ہو گئے حتیٰ کہ اس نے دو رکعتیں ادا کیں (۳) تو کوئی حضرات کہتے ہیں اگر امام خاموش ہو تو پڑھ سکتا ہے۔

اس دن یا رات میں چار رکعات ان چار سورتوں کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے، سورۂ انعام سورۂ کہف، سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسین اگر اچھی طرح نہ پڑھ سکے تو سورۂ یٰسین، سورۂ سجدہ لقمان سورۂ دخان اور سورۂ ملک پڑھے۔ جمعہ کی رات میں ان چار سورتوں کو پڑھنا نہ چھوڑے کیونکہ ان کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ اور جو آدمی پورا قرآن صحیح طور پر نہ پڑھ سکے تو جس قدر اچھی طرح پڑھ سکے پڑھے اس کے لیے یہی ختم قرآن ہے۔ البتہ سورۂ اخلاص کثرت سے پڑھے اور صلوٰۃ تسبیح پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ نوافل کے باب میں اس کا طریقہ بیان ہوگا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اسے ہر جمعہ کے دن پڑھیں (۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن زوال کے بعد اس نماز کو پڑھنا نہیں چھوڑتے تھے اور اس کی بہت بڑی فضیلت کی خبر دیتے تھے اور مناسب ہے کہ زوال تک کا وقت نماز کے لیے اور جمعہ کے بعد عصر تک علم کی باتیں سننے کے لیے اور عصر سے مغرب تک تسبیح اور استغفار کے لیے مقرر کرے۔

۶۔ مستحب صدقہ۔ اس دن خصوصی طور پر نفلی صدقہ مستحب ہے اس کا دگنا ثواب ملتا ہے بشرطیکہ آدمی خطبۂ امام کے درمیان سوال کرنے والا نہ ہو۔ امام کے خطبہ کے دوران کلام مکروہ ہے۔ حضرت صالح بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک مسکین نے جمعہ کے دن سوال کیا اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا تھا۔ اور وہ شخص میرے والد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا تو ایک شخص نے میرے باپ کو ایک ٹکڑا دیا تاکہ وہ اسے دے دیں تو میرے والد نے اسے نہیں پکڑا۔

---

(۱) تفسیر قرطبی جلد ۲۰ ص ۲۴۹، ۲۵۰ تحت تفسیر سورۃ الاخلاص۔
(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۸۷ کتاب الجمعۃ
(۳) سنن دار قطنی جلد ۲ ص ۱۵ اول کتاب الجمعۃ۔
(۴) سنن ابن ماجہ ص ۱۰۰ باجاو فی صلوٰۃ التسبیح۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص مسجد میں سوال کرے تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے نہ دیا جائے۔ اور اگر وہ قرآن کے نام پر مانگے تو بھی اسے نہ دو۔ بعض علماء نے جامع مسجد میں اس طرح سوال کرنے پر صدقہ دینے کو مکروہ لکھا ہے کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگی جائیں البتہ وہ شخص جو اپنی جگہ کھڑا یا بیٹھا ہوا سوال کرے گردنیں نہ پھلانگے تو دینا جائز ہے۔

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں جو شخص جمعہ کے لیے حاضر ہو پھر واپس ہوتے ہوتے دو مختلف چیزیں صدقہ کے طور پر دے پھر واپس آکر دو رکعتیں پڑھے ان میں رکوع اور سجدہ نیز خشوع کو مکمل کرے اور اس کے بعد یہ دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَبِاسْمِكَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔	اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں اللہ تعالٰی کے نام سے جو بخشنے والا مہربان ہے اور تیرے نام سے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں وہ ذات جو خود زندہ دوسروں کو قائم رکھنے والی ہے اسے اونگھ اور نیند نہیں آتی۔

وہ شخص اللہ تعالٰی سے جو کچھ مانگے اللہ تعالٰی اسے عطا فرمائے گا۔ بعض بزرگوں نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن کسی مسکین کو کھانا کھلاتا ہے پھر صبح صبح جمعہ کے لیے جائے اور کسی کو اذیت نہ پہنچائے پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ کلمات پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ اَسْئَلُكَ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَتُعَافِیَنِیْ مِنَ النَّارِ۔	اللہ تعالٰی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو زندہ قائم رکھنے والا ہے اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما اور مجھے آگ سے بچا۔

پھر جو دعا مانگے گا قبول ہوگی۔

۷۔ جمعہ کے دن کو آخرت کے لیے مقرر کر دے اور اس میں دنیاوی امور سے رک جائے بلکہ اوراد و وظائف زیادہ پڑھے اور اس میں سفر کا آغاز نہ کرے ایک روایت میں ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ سَافَرَ فِیْ لَیْلَةِ الْجُمُعَةِ دَعَا عَلَیْهِ مَلَكَاهُ (۱)	جو شخص جمعہ کی رات سفر کرے اس کے ساتھ والے فرشتے اس پر بددعا کرتے ہیں۔

اور طلوع فجر کے بعد یہ سفر حرام ہے البتہ رفقائے سفر کے نکلنے کا خطرہ ہو تو ٹھیک ہے بعض اکابر نے فرمایا کہ مسجد کی ٹینکی سے پانی خریدنا تاکہ اسے پیئے یا دوسروں کو پلائے، مکروہ ہے۔ اس طرح یہ مسجد میں خرید و فروخت ہو جائے گی اور یہ مکروہ ہے بعض نے فرمایا کہ اگر شخص مسجد کے باہر قیمت ادا کرے پھر پیئے یا مسجد میں پلائے تو کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) التلخیص الحبیر جلد ۲ ص ۹۶ حدیث ۶۵۳

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جمعہ کے دن اپنے وظائف اور مختلف قسم کے نیک اعمال میں اضافہ کرے اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو فضیلت والے اوقات میں اسے اچھے کاموں پر لگا دیتا ہے اور جب اس سے ناراض ہوتا ہے تو اسے باعث فضیلت اوقات میں برے اعمال کی طرف متوجہ کر دیتا ہے تاکہ اس کا عذاب اور ناراضگی زیادہ ہو کیونکہ اس طرح وہ شخص وقت کی برکت سے محروم ہو جاتا ہے اور وقت کی عزت کو توڑتا ہے جمعہ کے دن دعائیں مانگنا مستحب ہے اور ان کا ذکر ان شاء اللہ دعاؤں کے بیان میں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت پر پسندیدہ بندے پر ہو۔

چھٹا باب

متفرق مسائل

جن میں عام لوگ مبتلا ہیں اور راہ آخرت کا سالک ان کو جاننے کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور جو مسائل نادر ہیں انہیں ہم نے فقہ کی کتب میں لکھا ہے۔

مسئلہ:

عمل قلیل اگرچہ نماز کو باطل نہیں کرتا لیکن بلا ضرورت مکروہ ہے اور ضرورت یہ ہے کہ آگے سے گزرنے والے کو دور کرنا بچھو سے ڈر تو اس کو مار دینا بشرطیکہ ایک یا دو ضربوں کے ساتھ مارنا ممکن ہو تین ضربیں ہوں تو یہ عمل کثیر ہے اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اسی طرح بعض اوقات جوئیں اور پسو تکلیف پہنچاتے ہیں تو انہیں دور کرنا بھی جائز ہے اسی طرح کھجلانے کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ نہ کھجلانے سے خشوع میں خلل پیدا ہوتا ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز میں جوں اور پسو کو پکڑتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے دوران جوں کو مار دیتے حتیٰ کہ ان کے ہاتھ پر خون نظر آتا۔ حضرت امام نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جوں کو پکڑ کر اسے سست کر دے اور اگر مار بھی دے تو کوئی حرج نہیں حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے پکڑ کر مسل کر پھینک دے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے نزدیک زیادہ بہتر یہ بات ہے کہ اگر وہ اذیت نہیں پہنچاتی تو اسے چھوڑ دے اگر نماز میں خلل ڈالتی ہے تو اس قدر مسل دے کہ وہ اذیت نہ دے پھر اسے پھینک دے یہ رخصت ہے ورنہ کمال تو یہ ہے کہ نماز میں ہر عمل سے بچے اگرچہ وہ قلیل ہو اسی لیے بعض حضرات مکھی کو بھی نہیں اڑاتے تھے اور فرماتے ہیں اپنے نفس کو اس کا عادی نہیں بناتا ورنہ میری نماز خراب ہو جائے گی اور میں نے سنا ہے کہ ساق لوگ بادشاہوں کے سامنے بہت زیادہ اذیت پر صبر کرتے ہیں اور حرکت نہیں کرتے۔ اور بعض اوقات جمائی آتی ہے تو اپنے منہ پہ ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ اولیٰ ہے۔ اگر چھینک آئے تو دل میں الحمد للہ کہے اور زبان کو حرکت نہ دے اور اگر ڈکار آئے تو سر کو آسمان کی طرف نہ اٹھائے اگر چادر گر جائے تو اسے اٹھا کر برابر نہ کرے اسی طرح دستار کے کناروں کا حکم ہے یہ تمام امور ضرورت کے بغیر مکروہ ہیں۔

مسئلہ:

جوتے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ ان کا نکالنا آسان ہے لیکن موزوں میں یہ رخصت نہیں کیوں کہ ان کا نکالنا

مشکل ہے بلکہ یہ نجاست اس لیے معاف ہے اور یہی حال کا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نعلین مبارک میں نماز پڑھی پھر انہیں اتار دیا تو صحابہ کرام نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے، آپ نے پوچھا تم نے اپنے جوتے کیوں اتارے؟

انہوں نے عرض کیا کہ آپ کو نعلین مبارک اتارتے دیکھ کر ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے بتایا کہ ان جوتوں کے ساتھ کچھ لگا ہوا ہے پس تم میں سے جو شخص مسجد میں آنے کا ارادہ کرے تو جوتوں کو الٹ کر دیکھے اگر ان میں کوئی نجاست ہو تو اسے زمین پر ملے اور ان میں نماز پڑھے۔ (۱)

بعض حضرات نے فرمایا کہ نعلین میں نماز پڑھنا افضل ہے کیوں کہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم نے اپنے جوتے کیوں اتارے۔ اور یہ مبالغہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس لیے پوچھا تاکہ آپ ان کو جوتے اتارنے کی وجہ بتادیں کیوں کہ آپ کو معلوم تھا کہ صحابہ کرام نے آپ کی اتباع میں اتارے ہیں حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین مبارک اتارے (۲) تو گویا آپ نے دونوں طرح عمل کیا ہے۔ (۳)

جو آدمی جوتا اتارے تو اسے چاہیے کہ اپنی دائیں یا بائیں جانب نہ رکھے اس طرح جگہ تنگ ہو جائے گی اور صف ٹوٹ جائیگی بلکہ اپنے سامنے رکھے اپنے پیچھے بھی نہ چھوڑے اس طرح اس کا دل اُدھر متوجہ ہوگا ممکن ہے کہ جن لوگوں نے جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا قول کیا ہے انہوں نے اسی معنیٰ کا لحاظ کیا ہو یعنی دل کا اس طرف متوجہ ہونا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالے عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلْیَجْعَلْ نَعْلَیْہِ بَیْنَ رِجْلَیْہِ (۴)

جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے جوتوں کو پاؤں کے درمیان رکھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی دوسرے آدمی سے فرمایا کہ جوتوں کو پاؤں کے درمیان رکھو اور ان کے باعث کسی مسلمان کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کراتے وقت اپنے نعلین مبارک بائیں طرف رکھے (۵)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۹۵ کتاب الصلوٰۃ

(۲) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۵۵ باب الصلوٰۃ فی النعلین۔

(۳) آج کے دور میں جوتوں میں نماز پڑھنا مشکل ہے کیونکہ راستے ناپاک ہوتے ہیں سڑکیں پکی ہیں ریت نہیں ہے اور مساجد میں دریاں، قالین اور صفیں ہوتی ہیں البتہ نئے جوتے میں نماز پڑھ سکتے ہیں ۱۲ ہزاروی۔

(۴) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۹۶ کتاب الصلوٰۃ

(۵) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۹۵ کتاب الصلوٰۃ

لہذا امام کو اسی طرح کرنا چاہیے کیونکہ اس کی بائیں جانب کوئی شخص کھڑا نہیں ہوتا البتہ اپنے سامنے نہ رکھے اس طرح اس کی توجہ بٹ جائیں گی ہاں قدموں کے آگے رکھ سکتا ہے شاید حدیث سے یہی مراد ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جوتوں کو قدموں کے درمیان رکھنا بدعت ہے۔

مسئلہ ۲:

نماز میں تھوکنے سے نماز نہیں ٹوٹتی کیوں کہ یہ عمل قلیل ہے اور جس چیز سے آواز حاصل نہ ہو وہ کلام شمار نہیں ہوتا اور کلام کے حروف کی شکل پر تھوکنا بھی کلام نہیں البتہ یہ مکروہ ہے لہذا اس سے بچنا چاہیے البتہ وہ طریقہ اختیار کرے جس کی اجازت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے بعض صحابہ کرام سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف تھوک دیکھا تو سخت غصہ میں آ گئے پھر ایک ٹہنی سے کھرچ دیا جو آپ کے ہاتھ میں تھی اور فرمایا خوشبو لاؤ چنانچہ آپ نے اس نشان پر زعفران لگا دی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم میں سے کون چاہتا ہے کہ اس کے چہرے پر تھوکا جائے؟ ہم نے عرض کیا کوئی بھی نہیں چاہتا فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز میں داخل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔(۱)

اور دوسرے الفاظ میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے پس تم میں سے کوئی بھی اپنے سامنے اور دائیں طرف نہ تھوکے بلکہ بائیں طرف یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے (۲)

اور کوئی ہنگامی صورت ہو تو اپنے کپڑے میں تھوکے اور اس طرح (عمل کر کے بتایا) اسے ایک دوسرے کے ساتھ رگڑ دے (۳)

مسئلہ ۳:

مقتدی کے کھڑا ہونے کے لیے سنت بھی ہے اور فرض بھی، سنت یہ ہے کہ ایک مقتدی ہو تو امام کی دائیں جانب تھوڑا سا پیچھے کھڑا ہو اور ایک عورت امام کے پیچھے کھڑی ہو اگر امام کے پہلو میں کھڑی ہو جائے تو بھی حرج نہیں لیکن سنت کے خلاف ہے۔(۴)

اگر عورت کے ساتھ مرد بھی ہو تو وہ امام کی دائیں جانب اور عورت پیچھے کھڑی ہو۔ اور تنہا آدمی صف کے پیچھے کھڑا

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۷ کتاب المساجد

(۲) اس وقت مسجد کا فرش نہ تھا نیچے ریت تھی تھوکا جا سکتا تھا آج کل کی مساجد میں ایسا نہیں ہو سکتا ۱۲ ہزاروی

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۷ کتاب المساجد

(۴) عورت امام کے ساتھ مل کر کھڑی نہیں ہو سکتی اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے ۱۲ ہزاروی

نہ ہو بلکہ صف میں داخل ہو یا صف میں سے کسی کو اپنی طرف کھینچے اور اگر اکیلا ہی کھڑا ہو گیا تو نماز ہو جائے گی لیکن مکروہ ہو گی۔ فرض یہ ہے کہ صف متصل ہو یعنی مقتدی اور امام کے درمیان جامع رابطہ ہو کیونکہ وہ دونوں جماعت میں ہیں اور اگر وہ مسجد میں ہوں تو اجتماعیت کے لیے یہی کافی ہے کیوں کہ یہ اسی مقصد کے لیے بنائی گئی ہے لہٰذا صف کے اتصال کی ضرورت نہیں بلکہ اتنی بات ضروری ہے کہ امام کے افعال کا علم ہو تا رہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مسجد کی چھت پر امام کے ساتھ نماز پڑھی اگر مقتدی مسجد سے باہر راستے یا صحرا میں ہو لیکن ان دونوں (مسجد اور صحرا) کے درمیان کوئی عمارت نہ ہو تو تیر کے نشانے کی مقدار کافی ہے اور یہ رابطہ کافی ہے کیونکہ ایک کا فعل دوسرے کے فعل سے ملا ہوا ہے اور اگر مسجد کی دائیں یا بائیں جانب والے مکان کے صحن میں ہو اور اس کا دروازہ مسجد سے ملا ہوا ہو تو اب شرط یہ ہے کہ مسجد کی صف ڈیوڑھی میں سے ہوں کسی انقطاع کے بغیر صحن میں جائے اس طرح جو لوگ اس صف میں اور اس سے پیچھے ہوں گے ان کی نماز صحیح ہو گی اور جو اس سے آگے ہوں گے ان کی نماز صحیح نہیں ہو گی مختلف عمارتوں کا یہی حکم ہے اگر ایک عمارت یا وسیع میدان ہو تو وہ صحرا کی طرح ہے۔

مسئلہ :

مسبوق جب امام کی نماز کا آخری حصہ پائے تو وہ نماز کے پہلے حصے کی طرح ہے وہ امام کی موافقت کرے اور باقی نماز کی اس پر بنا کرے اور صبح کی نماز کے آخر میں تنہا قنوت پڑھے اگرچہ امام کے ساتھ قنوت پڑھ چکا ہوں احناف کے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا صحیح نہیں ۱۲ ہزاروی) اگر امام کے ساتھ قیام کا کچھ حصہ پائے تو دعا میں مشغول نہ ہو بلکہ سورۂ فاتحہ پڑھے اور وہ بھی تخفیف کے ساتھ (احناف کے نزدیک مقتدی قرأت نہیں کرے گا لہٰذا وہ فاتحہ بھی نہیں پڑھ سکتا بلکہ خاموش رہے ۱۲ ہزاروی)

اگر امام رکوع میں چلا جائے اور یہ اس کو رکوع کی حالت میں مل سکتا ہو تو فاتحہ کو مکمل کرے اگر نہ ہو سکے تو امام کی موافقت کرے اور رکوع میں چلا جائے بعض فاتحہ پوری فاتحہ کے حکم میں ہے لہٰذا یہ اس سے نکل جانے کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر وہ سورت پڑھ رہا ہو (احناف کے نزدیک نہیں) اور امام رکوع میں چلا جائے تو اسے چھوڑ دے اگر امام کو سجدے یا تشہد میں پائے تو تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد بیٹھ جائے اور تکبیر نہ کہے بخلاف اس کے کہ جب اسے رکوع میں پائے تو جھکنے کے لیے دوبارہ تکبیر کہے کیوں کہ یہ منتقلی اس کے لیے شمار ہو گی یعنی رکعت مل جائے گی اور تکبیرات نماز میں اصلی امور کے لیے ہوتی ہیں عارضی کے لیے نہیں کیونکہ وہ امام کے پیچھے ہے۔ اور اگر امام کے ساتھ رکوع میں اطمینان و اعتدال کے طریقہ پر نہ ملا تو اس رکعت کو پانے والا نہ ہو گا یعنی ابھی امام رکوع میں ہو تو یہ بھی رکوع کرے اور اگر امام رکوع کرنے والوں کی تعریف سے نکل جائے تو اب اسے یہ رکعت حاصل نہیں ہو گی۔

مسئلہ :

جو شخص ظہر کی نماز نہ پڑھ سکا اور عصر کا وقت ہو گیا تو پہلے ظہر کی نماز پڑھے اور پھر عصر کی نماز ادا کرے اور اگر پہلے عصر کی نماز پڑھ لی تب بھی جائز ہے (۱)

لیکن ترک اولیٰ ہے اور وہ اختلاف کے شعبہ میں داخل ہو گیا اگر امام کو پائے تو عصر کی نماز پڑھ کر اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھے کیونکہ جماعت کے ساتھ ادائگی بہتر ہے (۲)

اور اگر پہلے وقت میں تنہا نماز پڑھ لی پھر جماعت کو پایا تو جماعت کے ساتھ پڑھے اور وقتی نماز کی نیت کرے اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا قبول فرمائے گا اور اگر فوت شدہ نماز یا نفل کی نیت کرے تب بھی جائز ہے۔ (۳)

اور اگر جماعت کے ساتھ پڑھ چکا ہو پھر دوسری جماعت کو پائے تو فوت شدہ نماز یا نفل کی نیت کرے کیونکہ جماعت کے ساتھ ادا کی گئی نماز کو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں پہلی صورت میں جماعت کی فضیلت کا احتمال تھا۔

مسئلہ:

جس آدمی نے نماز پڑھنے کے بعد کپڑے پر نجاست دیکھی تو قضاء کرنا بہتر ہے لیکن لازم نہیں اور اگر نماز کے دوران دیکھے تو کپڑے کو اتار کر نماز مکمل کرے لیکن بہتر یہی ہے کہ نئے سرے سے پڑھے اس کی اصل نعلین مبارک اتارنے والا واقع ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ نعلین مبارک کے ساتھ کچھ لگا ہوا ہے تو آپ نے نئے سرے سے نماز شروع نہیں فرمائی (۴)

جو شخص پہلا تشہد یا قنوت چھوڑ دے یا پہلے تشہد میں درود شریف نہ پڑھے یا بھول کر کوئی عمل کرے اور وہ ایسا عمل ہے کہ اگر جان بوجھ کر کرتا تو نماز ٹوٹ جاتی یا اسے شک ہوا کہ معلوم کتنی رکعات پڑھی ہیں تین یا چار؟ تو یقین پر عمل کرے اور سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے اور اگر بھول جائے تو سلام کے بعد فوری طور پر جب یاد آئے تو سجدہ سہو کر لے اور اگر سلام کے بعد بات کی یا بے وضو ہونے کے بعد سجدہ سہو کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ (۵)

---

(۱) احناف کے نزدیک عصر کی نماز اسی صورت میں جائز ہو گی جب اسے ظہر کی نماز یاد نہ رہی یا وہ صاحب ترتیب نہ ہو یعنی اس وقت اس کے ذمہ پانچ سے زیادہ نمازیں ہوں ورنہ عصر کی نماز نہ ہو گی ۱۲ ہزاروی

(۲) احناف کے نزدیک صاحب ترتیب جماعت میں شامل ہونے کی بجائے پہلے ظہر پڑھے ۱۲ ہزاروی

(۳) فرض نماز دوبارہ پڑھنا جائز نہیں لہذا جب الگ نماز پڑھی تو اب امام کے ساتھ نفل پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ عصر مغرب اور فجر کا وقت نہ ہو ۱۲ ہزاروی

(۴) نماز کے لیے طہارت لباس شرط ہے اس لیے نئے سرے سے نماز پڑھنا ہو گی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک کے ساتھ نجاست نہ تھی۔

(۵) پہلے قعدے میں درود شریف نہیں پڑھا جاتا اگر پڑھے تو سجدہ سہو ہو گا نیز احناف کے نزدیک سجدہ سہو سلام کے بعد ہوتا ہے ۱۲ ہزاروی

کیوں کہ سلام کے بعد جب وہ سجدہ کرے گا تو گویا اس نے بھول کر سلام کو دوسری جگہ میں داخل کر دیا لہذا اس کے ساتھ نماز سے باہر نہیں آیا اور وہ دوبارہ نماز میں مشغول ہو گیا اسی لیے وہ سجدے کے بعد دوبارہ سلام پھیرتا ہے اور اگر مسجد سے نکلنے کے بعد یا زیادہ دیر ٹھہرنے کے بعد سجدہ سہو یاد آیا تو اب سجدہ فوت ہو گیا (نئے سرے سے نماز پڑھے)۔

مسئلہ:

نماز کی نیت میں وسوسہ کا سبب عقل کی خرابی یا شریعت سے جہالت ہے کیونکہ ارادے اور نیت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل دوسروں کے حکم کی تعمیل جیسی ہے اور اس کی تعظیم دوسروں کی تعظیم کی طرح ہے جب آدمی کے پاس کوئی عالم آئے اور وہ اس کے لیے کھڑا ہو جائے اور اس وقت کہے میں نے ذی فاضل عالم کے آنے پر اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونے کی نیت کرتا ہوں اور یہ نیت اس کے آنے ہی کرے اور کہے کہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تو یہ آدمی بے وقوف ہے بلکہ اسے چاہیئے کہ جونہی اس عالم کو دیکھے اور اس کی فضیلت کا علم ہو تو تعظیم کا سبب فوری پایا جائے اور اسے کھڑا کر دے تو یہ تعظیم کرنے والا ہو گا البتہ اگر وہ کسی دوسرے کام کے لیے کھڑا ہو یا غفلت میں تھا تو یہ تعظیم کے خلاف نہیں ہے۔

یہ شرط کہ ظہر کی نماز ادا کرنے والا ہو اسی طرح ہے کہ اس شخص کا کھڑا ہونا اس عالم کے آنے کے ساتھ ملا ہوا ہو اور یہ اسی کی طرف متوجہ ہو اور کوئی دوسرا سبب نہ ہو اور یہ تعظیم کی نیت بھی کرے تاکہ یہ عمل تعظیم قرار پائے اور اگر وہ پیٹھ پھیر کر کھڑا ہو یا کچھ دیر ٹھہر کر کھڑا ہو تو یہ تعظیم نہیں ہے۔ پھر ضروری ہے کہ یہ صفات معلوم ہوں اور مقصود بھی ہوں پھر ان کا دل میں حاضر ہونا ایک لحظہ سے زیادہ نہیں ہوتا البتہ اس پر دلالت کرنے والے الفاظ کی ترتیب میں وقت لگتا ہے یا تو وہ زبان سے بولتا ہے یا دل میں سوچتا ہے اور جس آدمی کو نیت کے بارے میں اس انداز کا علم نہ ہو گویا وہ نیت کو سمجھا ہی نہیں کیونکہ نیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جب تمہیں وقت پر نماز ادا کرنے کے لیے بلایا گیا تو تم تعمیل حکم کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

تو وسوسہ محض جہالت ہے کیونکہ یہ مقصود اور یہ ان باتوں کا علم دل میں ایک ہی حالت میں جمع ہوتے ہیں ایک ایک کر کے ذہن میں نہیں آتے کہ دل ان کو دیکھ کر سوچ بچار کرے دل میں کسی چیز کے حاضر ہونے اور سوچنے میں اس کی تفصیل کے درمیان فرق ہے حضور و غفلت میں تضاد ہے اگرچہ تفصیلی طور پر نہ ہو جو شخص کسی حادث چیز کا علم رکھتا ہے وہ ایک ہی علم سے ایک ہی حالت میں اس کو جان لیتا ہے اور یہ علم، علوم حاضرہ کو متضمن ہوتا ہے اگرچہ مفصل نہیں ہوتا کیونکہ جو آدمی حادث کا علم رکھتا ہے اسے موجود و معدوم، تقدم و تاخر اور وقت کا علم ہو جاتا ہے کیونکہ عدم، مقدم اور وجود مؤخر ہوتا ہے تو یہ علوم حادث کے علم میں پائے جاتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ حادث کا علم رکھنے والا اگر کسی دوسری بات کا علم نہ رکھتا ہو اور اسے کہا جائے کہ کیا تم فقط تقدیم یا تاخیر یا عدم کو جانتے ہو یا تمہیں عدم کے مقدم اور وجود کے مؤخر ہونے کا علم ہے یا اس زمانے کو جانتے ہو جو مقدم اور مؤخر میں تقسیم ہوتا ہے اور وہ کہے کہ میں بالکل نہیں جانتا تو وہ جھوٹا ہو گا اور اس کا یہ قول، اس کے اس قول کے منافی ہو گا کہ میں حادث کا علم رکھتا ہوں۔ اس باریکی سے جہالت کے باعث وسوسے پیدا ہوتے ہیں وسوسے

والا شخص اپنے نفس کو اس بات کی تکلیف دیتا ہے کہ وہ اپنے دل میں اس کے ظہر کی نماز ہونے، ادا ہونے اور فرض ہونے کو ایک ہی حالت میں الفاظ کے ساتھ مفصل طور پر حاضر کرے اور اس بات کو سامنے رکھے۔ اور یہ محال ہے اور اگر وہ کسی عالم کے لئے کھڑا ہوتے وقت ان تمام باتوں کا نفس کو مکلف بنائے تو اس کے لیے مشکل ہو جائے گا۔ تو اس معرفت کے ذریعے وسوسے ختم ہو جاتے ہیں یعنی وہ صرف اس بات کو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور اس کے غیر کا حکم بجا لانا نیت میں برابر ہیں۔

پھر آسانی اور رخصت دینے کے طور پر میں اس میں کچھ اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ اگر وسوسوں میں مبتلا ہونے والا شخص ان امور کی تفصیل کو ہی نیت خیال کرتا ہے اور تعمیل حکم کا تصور اس کے ذہن میں ایک ہی بار نہیں آتا بلکہ وہ ان سب باتوں کو تکبیر کے دوران اول سے آخر تک حاضر کرتا ہے یعنی تکبیر سے فراغت پانے ہی اسے نیت حاصل ہو جاتی ہے تو یہ بات بھی اسے کافی ہے ہم اسے اس بات کا مکلف نہیں سمجھتے کہ وہ ان تمام باتوں کو تکبیر کے اول سے آخر تک جمع کرے کیوں کہ یہ بہت زیادہ تکلیف ہے۔ اگر وہ اس بات کا مکلف ہوتا تو پہلے لوگوں سے اس بات کا سوال ہوتا اور صحابہ کرام میں سے بھی کوئی وسوسہ کرتا لیکن اس بات کا واقع نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس معاملے میں تخفیف ہے وسوسہ کرنے والے کو جس طرح نیت کا اتفاق ہو جائے نیت کرے حتیٰ کہ اس کی عادت بن جائے اور اس سے وسوسے دور ہو جائیں اور اس کا نفس اس کی تحقیق کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ تحقیق وسوسوں کو بڑھاتی ہے ہم نے فتاویٰ میں علم کی تحقیق کے بیان میں تحقیق کی کچھ وجوہ بیان کی ہیں نیز یہ کہ نیت سے کیا مقصود ہے علماء کو اس کی معرفت کی حاجت ہے لیکن جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو بعض اوقات اس بات کی سماعت انہیں نقصان دیتی ہے اور وسوسے پیدا کرتی ہے اس لیے ہم نے اسے چھوڑ دیا۔

مسئلہ:

مقتدی کو چاہیے کہ وہ رکوع اور سجدے میں امام سے آگے نہ بڑھے اور نہ ہی اس کے برابر ہو بلکہ اس کے پیچھے پیچھے رہے، کیونکہ اقتدا کا یہی مطلب ہے اگر جان بوجھ کر ایسا کرے گا تو نماز باطل ہو جائے گی جس طرح بالکل امام کے ساتھ کھڑا ہونے اور پیچھے نہ ہونے سے ہوتا ہے اور اگر وہ امام سے آگے بڑھے تو نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے لیکن یہ بات بعید نہیں کہ باطل ہونے کا فیصلہ کیا جائے جس طرح کھڑا ہوتے ہیں امام سے آگے ہو تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہاں باطل ہونا ہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ جماعت فعل میں اقتداء کا نام ہے کھڑا ہوتے میں نہیں لہٰذا فعل میں امام کی اتباع زیادہ ضروری ہے کھڑا ہونے میں امام سے پیچھے ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ فعل میں اتباع آسان ہو جائے اور اتباع کی صورت حاصل ہو جائے کیونکہ امام کے لائق یہی ہے کہ وہ آگے ہو لہٰذا عمل میں اس سے آگے بڑھنے کی کوئی وجہ نہیں ہاں بھول کر ہو جائے تو الگ بات ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بڑی سختی سے انکار فرمایا۔

آپ نے فرمایا:

اَمَا یَخْشٰی الَّذِیْ یَرْفَعُ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ یُّحَوِّلَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ رَاْسَ حِمَارٍ۔ (۱)

جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے کیا اس کو اس بات کا ڈر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر کی طرح کر دے۔

اگرچہ امام سے ایک رکن میں پیچھے رہنے سے نماز باطل نہیں ہو مثلاً امام رکوع سے سیدھا کھڑا ہو گیا اور وہ ابھی تک رکوع میں ہے لیکن اس حد تک پیچھے رہنا مکروہ ہے اگر امام اپنی پیشانی زمین پر رکھ دے اور وہ ابھی تک رکوع کی حد تک بھی نہ پہنچا ہو تو نماز باطل ہو جائے گی اسی طرح اگر امام نے دوسرے سجدے کے لیے سر رکھ دیا اور اس نے ابھی تک پہلا سجدہ نہیں کیا۔ (۲)

مسئلہ:

جو شخص نماز کے لیے جائے تو اس پر لازم ہے کہ اگر دوسرے شخص کو نماز میں غلطی کرتا دیکھے تو اس کو بتائے اور اس سے تبدیلی کروائے اگر یہ عمل کسی جاہل سے صادر ہو تو نرمی کے ساتھ بتائے مثلاً صفوں کو برابر کرنے کے لیے کہنا صف سے الگ تنہا کھڑے ہونے والے کو روکنا، امام سے پہلے سر اٹھانے والے کو روکنا اور اس کے علاوہ دیگر امور ـــــــ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَیْلٌ لِلْعَالِمِ مِنَ الْجَاهِلِ حَیْثُ لَا یُعَلِّمُهٗ۔ (۳)

جاہل کی وجہ سے اس عالم کے لیے خرابی ہے جو اس (جاہل) کو سکھاتا نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جس نے کسی کو نماز میں غلطی کرتے دیکھا اور اسے نہ روکا تو وہ گناہ میں اس کا شریک ہے" حضرت بلال بن سعد سے مروی ہے انہوں نے فرمایا گناہ پوشیدہ ہو تو صرف گناہ کرنے والے کو نقصان دیتا ہے اور جب ظاہر ہو اور اسے بدلا نہ جائے تو اس کا نقصان سب کو ہوتا ہے ایک حدیث میں ہے "حضرت بلال رضی اللہ عنہ صفیں درست کیا کرتے اور ان کے ٹخنوں پر درے مارتے (۴)

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۸۱ کتاب الصلوٰۃ

(۲) ان تمام صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اگر وہ امام کے ساتھ رکوع یا سجدے میں مل جائے تو نماز درست ہوگی ورنہ باطل ہوگی۔

(۳) مسند الفردوس جلد ۴ ص ۷۵ ۳ حدیث ۷۱۴۱

(۴) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۹۰ باب الصف فی الصلوٰۃ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا نماز میں اپنے بھائیوں کو دیکھو اگر نہ پاؤ تو معلوم کرو بیمار ہوں تو بیمار پرسی کرو اگر تندرست ہوں تو ان کو جھڑکو، جھڑکنے کا مطلب یہ ہے کہ جماعت چھوڑنے پر انہیں تنبیہ کرو اس سلسلے میں سستی نہیں کرنی چاہیے پہلے لوگ اس معاملے میں مبالغہ کرتے تھے حتیٰ کہ ان میں سے بعض حضرات جنازہ اٹھا کر اس آدمی کے دروازے پر لے جاتے جو جماعت سے پیچھے رہ جاتا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا تھا کہ جماعت سے فوت شدہ ہی پیچھے رہتا ہے زندہ نہیں۔

جو آدمی مسجد میں داخل ہو تو اس کو صف کی دائیں طرف بیٹھنے کا ارادہ کرنا چاہیے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کا اس طرف ہجوم ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ بائیں جانب کو چھوڑ دیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا جس نے مسجد کی بائیں جانب کو آباد کیا اس کے لیے دوگنا اجر ہے (۱)

بعض اوقات صف میں کوئی بچہ ہوتا ہے اور یہ شخص اپنے لیے جگہ نہیں پاتا تو اس کے لیے جائز ہے کہ بچے کو پیچھے کر کے خود وہاں داخل ہو جائے (مطلب یہ ہے کہ جب وہ بچہ بالغ نہ ہو)۔

ہم نے ان مسائل کے بیان کا ارادہ کیا جن میں لوگ عام طور پر مبتلا ہیں نماز کے متفرق احکام وظائف کے بیان میں آئیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۷۱، ابواب اقامۃ الصلوٰۃ

ساتواں باب

نوافل کا بیان

جان لو! کہ فرائض کے علاوہ نماز کی تین قسمیں ہیں (۱) سنت (۲) مستحب (۳) نوافل سنت سے مراد وہ نماز ہے جس پر حضور علیہ السلام نے مواظبت فرمائی (ہمیشہ کیا) جیسے نمازوں کے بعد سنت موکدہ، چاشت کی نماز، وتر، تہجد وغیرہ (۱) کیونکہ سنت سے مراد وہ راستہ ہے جس پر چلنا چاہیے۔ مستحبات سے مراد وہ نوافل ہیں جن کی فضیلت کے بارے میں احادیث آئی ہیں لیکن ان پر مواظبت منقول نہیں جیسے ہم ہفتہ بھر شب و روز پڑھی جانے والی نماز کے سلسلے میں ذکر کریں گے، اور جیسے گھر سے نکلتے اور داخل ہوتے وقت نفل پڑھنا وغیرہ۔

نوافل (تطوع) سے مراد وہ (نفلی) نماز ہے جو اس کے علاوہ ہے ان کے بارے میں کوئی حدیث نہیں لیکن لوگ اپنی طرف سے پڑھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کے لیے نماز کی ترغیب شریعت میں بیان ہوئی ہے۔ گویا وہ اپنی طرف سے نوافل پڑھ رہا ہے کیونکہ یہ نماز معین طریقے پر مستحب نہیں اگرچہ مطلقاً نماز مستحب ہے۔ تطوع، تبرع کو کہتے ہیں (یعنی اپنی طرف سے کوئی عبادت کرنا) ان تینوں اقسام کو نفل اس لیے کہتے ہیں کہ نفل کا معنی زائد ہے اور یہ تمام قسمیں فرائض سے زائد ہیں ہم نے ان مقاصد کو ظاہر کرنے کے لیے نفل، سنت اور مستحب کی اصطلاح بنائی ہے۔ اگر کوئی اس اصطلاح کو بدل دے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ مقاصد کو سمجھنے کے بعد الفاظ کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ ان اقسام کے درجات فضیلت کے اعتبار سے مختلف ہیں اور اس سلسلے میں احادیث اور آثار مروی ہیں یا جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ مواظبت فرمائی یا یہ کہ روایات کی صحت اور زیادہ مشہور ہونا فضیلت کا باعث ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جماعت کی سنتیں تنہا پڑھی جانے والی سنتوں سے افضل ہیں، با جماعت سنتوں میں سے عید کی نماز سب سے افضل ہے پھر سورج گرہن کی، پھر بارش کی نماز ہے، اور تنہا پڑھی جانے والی سنتوں میں سب سے اہم وتر ہیں پھر صبح کی دو رکعتیں اس کے باقی سنت مؤکدہ اپنے اپنے مراتب کے حساب سے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ نوافل اپنے متعلقات کے اعتبار سے دو قسم پر ہیں ایک وہ جو اسباب سے متعلق ہیں جیسے سورج گرہن اور نماز استسقاء اور دوسرے وہ جو اوقات سے متعلق ہیں پھر جو اوقات سے متعلق ہیں وہ دن اور رات کے تکرار سے بار بار آتے ہیں یا ہفتے کے بدلنے سے یا سال کے تکرار سے ان میں تکرار آتا ہے اس طرح یہ چار قسمیں ہوگئیں۔

---

(۱) احناف کے نزدیک وتر سنت نہیں بلکہ واجب ہیں۔

پہلی قسم:

وہ نوافل جو رات دن کے بدلنے سے بار بار آتے ہیں اور یہ آٹھ ہیں پانچ سنت مؤکدہ ہیں جو پانچ نمازوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور تین ان کے علاوہ ہیں چاشت کے نوافل، مغرب و عشاء کے درمیان وقت کو عبادت کے ساتھ زندہ رکھنا اور تہجد۔

۱۔ فجر کی سنتیں:۔ یہ دو رکعتیں ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح کی دو رکعتیں دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے بہتر ہیں۔ (۱)

ان کا وقت فجر صادق کے طلوع سے شروع ہوتا ہے اور فجر صادق کناروں میں پھیلنے والی روشنی ہوتی ہے لمبائی میں نہیں ہوتی شروع شروع میں مشاہدے کے ساتھ اس کا ادراک مشکل ہوتا ہے مگر یہ کہ چاند کی منازل کا علم ہو یا یہ کہ جب فلاں ستارہ نظر آئے گا تو یہ اس سے متصل ہوگی۔ اس طرح ستاروں کے ذریعے اس پر راہنمائی ہوتی ہے مہینے کی دو راتوں میں چاند کے ذریعے یہ وقت معلوم ہوتا ہے کیونکہ چھبیسویں رات کو چاند فجر کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اور بارہویں رات کو چاند فجر کے وقت غروب ہوتا ہے اکثر اس طرح ہوتا ہے اور بعض برجوں میں فرق بھی پڑ جاتا ہے اس کی تشریح کافی طویل ہے طالب آخرت کے لیے چاند کی منازل کا علم نہایت اہم ہے تاکہ وہ رات اور دن کے اوقات کی مقدار پر مطلع ہو سکے۔ اور فجر کی فرض نماز کا وقت نکل جانے سے یہ سنتیں رہ جاتی ہیں اور یہ طلوع آفتاب کا وقت ہے لیکن سنت طریقہ یہ ہے کہ انہیں فرض نماز سے پہلے ادا کیا جائے۔ اگر کوئی شخص مسجد میں آئے اور نماز کھڑی ہو چکی ہو تو فرض نماز میں مشغول ہو کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃُ۔ (۲)

جب نماز کھڑی ہو جائے تو اب فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔

پھر جب فرض نماز سے فارغ ہو جائے تو اٹھ کر سنتیں پڑھ لے اور صحیح یہ ہے کہ اگر سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھے تو ادا ہی ہوگی کیونکہ وقت میں یہ فرض کے تابع ہیں اور تقدیم و تاخیر کے اعتبار سے ان میں ترتیب اس وقت سنت ہے جب جماعت نہ ہو رہی ہو اور جب جماعت ہو رہی ہو تو اب ترتیب بدل جائے گی البتہ ادائیگی باقی رہ جائے گی (۳)

مستحب یہ ہے کہ سنتیں گھر میں مختصر طریقے پر پڑھے پھر مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھے اور بیٹھ جائے اور

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۵۱ باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر۔

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۴۷ کتاب صلاۃ المسافرین۔

(۳) احناف کے نزدیک صبح کی سنتوں کی تاکید کی وجہ سے حکم یہ ہے کہ اگر آدمی سمجھے کہ سنتیں پڑھ کر جماعت کی ایک رکعت پالے گا تو پہلے سنتیں پڑھے ورنہ جماعت میں شامل ہو اور جب سنتیں رہ جائیں تو فرضوں کے بعد نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس وقت نوافل جائز نہیں لہذا سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھ سکتا ہے ۱۲ ہزاروی

فرض نماز تک کوئی نماز نہ پڑھے (فرض کے بعد بھی نفل نہیں پڑھ سکتا) اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ صبح کے بعد طلوعِ آفتاب تک ذکر و فکر اور فجر کی دو سنتوں اور فرضوں میں مشغول رہے۔

۲۔ ظہر کی سنتیں: یہ چھ رکعات ہیں دو رکعتیں فرضوں کے بعد اور یہ بھی سنت مؤکدہ ہیں، اور چار رکعتیں پہلے ہیں یہ بھی سنت ہیں لیکن دو کے مقابلے میں کم درجہ ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

بَعْدَ اَزْوَالِ الشَّمْسِ يُحْسِنُ قِرَا تَهِنَّ وَرُكُوْعِهِنَّ وَسُجُوْدِهِنَّ صَلَّى مَعَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهٗ حَتَّى اللَّيْلِ ۔ (۱)

جو شخص زوالِ شمس کے بعد چار رکعات پڑھے ان میں قرائت رکوع اور سجدہ اچھی طرح کرے تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور وہ اس کے لئے رات تک بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد چار رکعتوں کو نہیں چھوڑتے تھے انہیں نہایت طویل پڑھتے اور فرماتے اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میرا عمل اوپر کو اٹھایا جائے (۲)

اس حدیث کو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا اور وہ اس میں تنہا ہیں۔ اس بات پر حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى كُلَّ يَوْمٍ اثْنَتَیْ عَشَرَۃَ رَكْعَۃً غَيْرَ الْمَكْتُوْبَةِ بُنِیَ لَهٗ بَيْتٌ فِی الْجَنَّةِ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَاَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْعَصْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ۔ (۳)

جس نے ہر دن فرائض کے علاوہ بارہ رکعات پڑھیں اس کے لیے جنت میں مکان بنایا جاتا ہے فجر سے پہلے دو، ظہر سے پہلے چار اور بعد میں دو، عصر سے پہلے دو اور مغرب کے دو رکعتیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دس رکعات کے بارے میں یاد ہے چنانچہ انہوں نے فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ باقی وہی کچھ ذکر کیا جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مذکور ہے یہ وہ وقت تھا کہ اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی نہ جاتا لیکن میری ہمشیرہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں دو رکعتیں پڑھتے پھر مسجد کی طرف تشریف لے جاتے ایک حدیث

---

(۱) قوت القلوب جلد اول ص ۲۷ الفصل الحادی والعشرون۔

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۲۰ مرویات ابوایوب انصاری

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۲۰۴ کتاب الصلوٰۃ

میں فرمایا ظہر سے پہلے دو رکعتیں، اور عشاء کے بعد دو رکعتیں لہذا ظہر سے پہلے چار ہیں دو کی زیادہ تاکید ہوئی اور اس نماز کا وقت زوال سے شروع ہو جاتا ہے۔ (۱)

زوال کی پہچان اس طرح ہوگی کہ کوئی شخص سیدھا کھڑا ہو اور اس کا سایہ مشرق کی جانب جھکتے ہوئے زیادہ ہو جائے۔ کیونکہ طلوع کے وقت سایہ مغرب کی جانب ہوتا ہے اور لمبا ہوتا ہے جوں جوں سورج بلند ہوتا ہے یہ کم ہوتا جاتا ہے اور مغرب کی جہت سے ہٹتا جاتا ہے حتیٰ کہ سورج بلندی میں اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور وہ نصف النہار کی قوس ہے سایہ کا کم ہونا یہاں رک جاتا ہے اور جب اس مقام سے سورج ڈھل جاتا ہے تو سایہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور جب یہ اضافہ محسوس ہونے لگے تو ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں زوال اس سے پہلے واقع ہو چکا ہے لیکن انسان کو اسی وقت مکلف بنایا جاتا ہے جب کوئی بات محسوس ہو۔ سائے کی وہ باقی مقدار جس سے اضافہ شروع ہوتا ہے وہ سردیوں میں لمبی ہوتی ہے اور گرمیوں میں چھوٹی اور اس کی طوالت کی حد یہ ہے کہ سورج برجِ جدی کے آغاز میں پہنچ جائے اور چھوٹا ہونے کی انتہا یہ ہے کہ سرطان کے شروع میں پہنچ جاتے اور یہ بات قدموں اور اوزان سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

تحقیق کا قریب ترین طریقہ اور بہترین صورت جس کا لحاظ کیا جائے یہ ہے کہ رات کے وقت قطب شمالی کو دیکھ کر ایک مربع تختہ زمین پر سیدھا رکھ دے اس طرح کہ اس کا ایک ضلع قطب کی طرف ہو وہ یوں کہ اگر قطب سے زمین کی طرف ایک پتھر گرنے کا تصور کیا جائے پھر پتھر کے گرنے کی جگہ سے ایک لکیر اس ضلع کی طرف تصور کی جائے جو تختی سے ملا ہوا ہے تو وہ خط ضلع پر دو قائمہ زاویے بنائے یعنی لکیر کسی ایک ضلع کی طرف مائل نہ ہو پھر اس تختی پر دو خطوں کے ملنے کی جگہ پر ایک سیدھی لکڑی کھڑی کی جائے اور یہ قطب کے مقابل ہے دن کے شروع میں سایہ تختی پر پڑے گا اور مغرب کی جانب مائل ہوگا پھر وہ مسلسل سکڑتا جائے گا حتیٰ کہ دوسری جانب چلا جائے اس طرح کہ اگر اس کے کنارے کو کھینچا جائے تو پتھر گرنے کی جگہ تک پہنچ جائے کہ شرقی اور غربی ضلع کے مقابل ہوگا لیکن ان میں کسی ایک کی طرف بھی مائل نہ ہوگا جب مغربی جانب کی طرف میلان باطل ہو جائے اس وقت سورج انتہائی بلندی پر ہوگا جب تختی پر کھینچی گئی لکیر سے سایہ مشرق کی جانب جھک جائے تو یہ زوالِ شمس ہے اس وقت اس بات کو حقیقتاً محسوس کیا جا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں اول زوال کے قریب ہے پھر زوال کے وقت سائے کے سرے پر ایک علامت رکھی جائے جب سایہ اس لکڑی کی ایک مثل ہو جائے تو عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے (حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دو مثل پر عصر کا وقت داخل ہوتا ہے ۱۲ ہزاروی) زوال کا علم حاصل کرنے کے لئے اتنی بات کا جاننا ضروری ہے۔ نقشہ

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵۷ باب التہجد

مشرق

لکڑی رکھنے کی جگہ

نمازی

مغرب

۳۔ عصر کی سنتیں :۔ عصر سے پہلے چار رکعات (سنت غیر موکدہ) ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتا ہے۔ (۱)

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں داخل ہونے کی امید پر یہ نماز پڑھنا نہایت موکد مستحب ہے۔ کیونکہ آپ کی دعا یقیناً قبول ہوتی ہے لیکن جس طرح آپ ظہر سے پہلے کی دو رکعتوں (چار رکعتوں) کو ہمیشہ پڑھتے تھے اتنی پابندی عصر کی سنتوں کے لیے نہیں فرمائی۔

۴۔ مغرب کی سنتیں :۔ یہ دو رکعتیں فرضوں کے بعد ہیں ان کے بارے میں روایات مختلف نہیں ہیں البتہ مغرب سے پہلے یعنی موذن کی اذان اور اقامت کے دوران دو رکعتیں جلدی جلدی پڑھنے کے بارے میں صحابہ کرام کی ایک جماعت مثلاً حضرت اُبی بن کعب، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوذر حضرت زید بن ثابت اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ حضرت ابو عبادہ یا کوئی دوسرے صحابی فرماتے ہیں۔

"جب موذن مغرب کی اذان پڑھتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرم ستونوں کی طرف جلدی جلدی جاتے اور دو دو رکعتیں پڑھتے (۲)

ان میں سے بعض حضرات فرماتے ہیں "ہم مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے حتی کہ آنے والا آتا اور سمجھتا کہ ہم نماز پڑھ چکے ہیں اور وہ پوچھتا کیا تم نے مغرب کی نماز پڑھ لی ہے؟ (۳)

---

(۱) جامع ترمذی جلد اول ص ۸۹ باب ماجاء فی الاربع قبل العصر۔

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۸۷ کتاب الاذان

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۷۸ کتاب صلاۃ المسافرین

یہ نماز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے عموم میں داخل ہے کہ دو اذانوں (اذان اور اقامت) کے درمیان نماز ہے جو چاہے (پڑھے) (۱)

(احناف کے نزدیک مغرب کے فرائض سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے ۱۲ ہزاروی) حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پڑھا کرتے تھے تو لوگوں نے اعتراض کیا چنانچہ انہوں نے چھوڑ دیا ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا میں نے دیکھا کہ لوگ نہیں پڑھتے تو میں نے چھوڑ دیا اور فرمایا اگر کوئی شخص یہ دو رکعتیں گھر میں یا جہاں لوگ نہ دیکھتے ہوں، پڑھے تو اچھا ہے۔

ان مقامات پر جہاں زمین ہموار ہے اور اس کے گرد پہاڑ نہیں مغرب کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جائے اگر مغرب کی طرف پہاڑ ہوں تو توقف کرے یہاں تک کہ مغرب کی طرف سے اندھیرا مشرق کی طرف آتا ہوا دیکھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ (۲)

جب رات ادھر (مغرب کی طرف) سے آجائے اور ادھر سے دن چلا جائے تو روزہ دار روزہ افطار کرلے۔

مغرب کی نماز میں خاص طور پر جلدی کرنا چاہیے (اسی لیے احناف کے نزدیک مغرب سے پہلے نوافل مکروہ ہیں ۱۲ ہزاروی) اور اگر اسے مؤخر کر کے شفق غائب ہونے سے پہلے پڑھ لے تو ادا ہی ہوگی لیکن مکروہ ہوگی (احناف کے نزدیک مغرب کا کوئی حصہ مکروہ نہیں) ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مغرب کی نماز میں تاخیر ہوگئی حتی کہ ستارے طلوع ہوگئے تو انہوں نے (کفارے کے طور پر) ایک غلام آزاد کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مؤخر ہوئی حتی کہ دو ستارے ظاہر ہوئے تو انہوں نے دو غلام آزاد کئے۔

۵۔ عشاء کی سنتیں: عشاء کی سنتیں چار رکعات ہیں جو فرائض کے بعد ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء کے بعد چار رکعات پڑھتے پھر آرام فرما ہو جاتے (۳)

بعض علماء نے احادیث کو جمع کرنے کے بعد فرض رکعات کی تعداد کے مطابق سترہ سنتوں کو پسند فرمایا یعنی فجر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر سے پہلے چار اور بعد میں دو، عصر سے پہلے چار، مغرب کے بعد دو، عشاء کے بعد تین وتر (واجب) (۴)

جب تم اس سلسلے میں وارد احادیث کی معرفت حاصل کر لو گے تو تعداد مقرر کرنے کا کوئی مطلب نہیں رہ جائے گا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۷۸ کتاب صلاۃ المسافرین۔
(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۶۲ کتاب الصوم
(۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۸۵ باب الصلاۃ بعد العشاء
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۹۸ مرویات علی رضی اللہ عنہ

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرُ مَوْضُوْعٍ فَمَنْ شَاءَ اَکْثَرَ وَمَنْ شَاءَ اَقَلَّ (۱) نماز بہترین چیز ہے جو مقرر کی گئی پس جو چاہے زیادہ پڑھے اور جس کا دل چاہے کم پڑھے۔

اب ہر وہ شخص جو راہ آخرت کا مالک ہے اسے اختیار ہے کہ جس قدر بھلائی کی رغبت رکھتا ہے ان نمازوں میں سے اختیار کرے البتہ ہماری گذشتہ تقریر سے ظاہر ہوا کہ ان میں سے بعض کی زیادہ تاکید ہے اور موکد عمل کو چھوڑنا عقل سے بعید ہے خصوصاً یہ کہ نوافل کے ذریعے فرائض کی تکمیل ہوتی ہے لہٰذا جو آدمی زیادہ نہیں پڑھے گا تو ممکن ہے کہ اس کے فرض نقصان سے سلامت نہ رہیں اور اس کا تدارک بھی نہ ہوا۔

۶۔ وتر :۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد تین رکعات پڑھتے پہلی رکعت میں " سبح اسم ربك الاعلی " دوسری میں " قل یا ایہا الکفرون " اور تیسری میں " قل ھو اللہ احد " پڑھتے تھے۔ (۲)

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے اور کچھ حصہ چوکڑی مار کر بیٹھتے (ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے) (۳)

بعض روایات میں ہے کہ آپ جب بستر پر تشریف لے جانے کا ارادہ فرماتے تو گھٹنوں کے بل اس کی طرف بڑھتے اور سونے سے پہلے وہیں دو رکعتیں پڑھتے تھے ان میں سورۂ زلزال اور سورۂ تکاثر پڑھتے تھے ایک روایت میں سورۂ کافرون کا ذکر ہے (۴)

وتر ایک سلام کے ساتھ (موصولا) اور دو سلاموں کے ساتھ (مفصولا) پڑھنا بھی جائز ہے (احناف کے نزدیک ایک ہی سلام سے پڑھیں گے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایک رکعت سے منع فرمایا ۱۲ ہزاروی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت تین، پانچ اور اسی طرح طاق رکعات کے ساتھ نماز کو وتر بنائے حتی کہ گیارہ رکعات پڑھتے۔ تیرہ رکعات کے بارے میں روایت میں اضطراب ہے۔ ایک غیر معروف حدیث میں سترہ رکعتوں کا ذکر ہے (۵)

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۴۹ باب فضل الصلوٰۃ

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۸۳ باب ما جاء فیما یقرء فی القراۃ

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۴۵ باب صلوٰۃ اللیل

(۴) السنن الکبری للبیہقی جلد ۳ ص ۳۳ کتاب الصلوٰۃ

(۵) یہ روایات صحیح مسلم جلد اول کتاب صلوٰۃ المسافرین ص ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۵۴، ۲۵۶، مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۸۹ مرویات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور کتاب الزہد والرقائق ص ۱۵۱ حدیث ۴۳۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور یہ رکعات جن کو ہم نے وتر کہا یہ حضور علیہ السلام کی رات کی نماز تھی اور یہ تہجد ہیں رات کو تہجد پڑھنا سنت موکدہ ہے۔ اس کی تفصیل وظائف کے بیان میں آئے گی۔(۱)

فضیلت میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ ایک رکعت کے ساتھ وتر پڑھنا افضل ہے کیونکہ حضور علیہ السلام سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ ایک رکعت کے ساتھ نماز کو وتر بناتے بعض نے کہا کہ ملا کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ یہ اختلاف کے شبہ سے نکلنا ہے ۔۔۔ خصوصاً جب امام پڑھا رہا ہو تو اس کے پیچھے وہ آدمی بھی پڑھے گا جو صرف ایک رکعت کا قائل نہیں (مثلاً کوئی حنفی مقتدی ہو)

اگر تین رکعتیں اکٹھی پڑھے تو ان تمام کے ساتھ وتروں کی نیت کرے اور اگر عشاء کی دو سنتوں یا فرضوں کے بعد ایک رکعت پڑھے تو بھی وتر کی نیت کرے اور یہ صحیح ہے کیونکہ وتر نماز کی شرط یہ ہے کہ وہ طاق رکعتیں ہوں اور غیر کو بھی طاق بنا دے جیسے پہلے گزر گیا اس نماز نے فرض نماز کو وتر بنا دیا (احناف کے نزدیک ایک رکعت نماز نہیں ہوتی اس لیے وتر تین رکعات ہیں نیز پانچ یا سات بھی نہیں ہیں ۱۲ ہزاروی)

اور اگر عشاء کی نماز سے پہلے وتر پڑھے گا تو صحیح نہ ہوگا یعنی فضیلت نہیں پائے گا جو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے (۲)

ورنہ ایک رکعت جب بھی پڑھے صحیح ہے (احناف کے نزدیک صحیح نہیں) عشاء سے پہلے اس لیے صحیح نہیں کہ لوگوں کے عملی اجماع کے خلاف ہے نیز اس سے پہلے کوئی نماز نہیں جو اس کے ساتھ وتر بن سکے اور اگر تین وتروں کو الگ الگ کر کے پڑھے تو دو رکعتوں کی نیت میں تامل ہے ان سے تہجد یا عشاء کی سنتوں کی نیت نہ کرے تو وہ وتر نہیں ہوں گے اور اگر وتروں کی نیت کرے تو وہ ذاتی طور پر وتر نہیں وتر تو اس کے بعد (ایک رکعت) ہے لیکن زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ وتروں کی نیت کرے جس طرح اکٹھی پڑھی جاتی والی تین رکعتوں میں کرتا ہے لیکن وتر کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ وہ ذاتی طور پر وتر ہو دوسرا یہ کہ اسے بعد والی نماز سے ملا کر طاق کر لیا جائے اس طرح تین کا مجموعہ بھی وتر ہوگا اور ان میں سے دو رکعتیں بھی وتر ہوں گی البتہ ان کا وتر ہونا تیسری رکعت پر موقوف ہے اگر اس کا پختہ ارادہ ہو کہ وہ ان دو رکعتوں کو تیسری رکعت کے ذریعے وتر بنائے گا تو اسے ان دو میں بھی وتروں کی نیت کرنی چاہیے جب کہ تیسری رکعت ذاتی طور پر طاق (وتر) ہے اور غیر میں بھی موثر ہے جب کہ دو رکعتیں نہ تو دوسری نماز کو وتر بناتی ہیں اور نہ خود ذاتی طور پر وتر ہیں بلکہ وہ دوسری نماز کے ذریعے وتر بنتی ہیں وتر، نماز کے

---

(۱) حضور علیہ السلام دو، چار، چھ نوافل پڑھتے اور آخر میں تین وتر پڑھتے تو اس سے رات کی نماز کی طاق رکعات ہو جاتیں صرف ایک رکعت پڑھنا مراد نہیں ہے ۱۲ ہزاروی۔

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۸۳ باب ماجاء فی الوتر

آخر میں پڑھنے چاہیں لہذا یہ تہجد کے بعد ہوں گے تہجد کی فضیلت اور ان کے درمیان ترتیب وظائف کی ترتیب کے بیان میں آئے گی۔

۷۔ چاشت کی نماز : نماز چاشت اور اس پر دوام اختیار کرنا نہایت اچھا اور باعث فضیلت عمل ہے اس کی رکعات کی تعداد زیادہ سے زیادہ آٹھ ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی نماز آٹھ رکعات پڑھی ، انہیں نہایت طویل اور عمدہ کر کے پڑھا (۱)
یہ مقدار کسی دوسرے صحابی سے مروی نہیں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سلسلے میں یوں ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت چار رکعات پڑھتے تھے اور جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا اضافہ فرماتے (۲)
انہوں نے زائد رکعات کی تعداد نہیں بتائی ۔ یعنی آپ چار رکعات ہمیشہ پڑھتے اور ان میں کمی نہیں کرتے تھے اور کبھی اضافہ بھی فرماتے ایک اور حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز چھ رکعات پڑھتے تھے (۳)
اس کے وقت کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو وقتوں میں چھ رکعتیں پڑھتے تھے جب سورج روشن ہو جاتا اور بلند ہوتا تو آپ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھتے ۔ (۴)
اور یہ دن کے وظائف میں سے دوسرے وظیفہ کا آغاز ہے جیسا کہ آگے آئے گا ۔ دوسرا یہ کہ جب سورج مشرق کی جانب آسمان کے چوتھے حصے میں پھیل جاتا تو آپ چار رکعات پڑھتے تھے تو پہلی نماز (دو رکعتیں) اس وقت پڑھتے جب سورج نصف نیزے کے قریب بلند ہوتا اور دوسری نماز (چار رکعات) اس وقت پڑھتے جب دن کا چوتھا حصہ گزر جاتا یعنی عصر کی نماز کے مقابلے میں ہوتا کیونکہ عصر کا وقت وہ ہے جب دن کا چوتھا حصہ باقی رہ جائے ظہر کا وقت نصف دن سے شروع ہوتا ہے چاشت کا وقت طلوع آفتاب اور زوال کے نصف میں ہوتا ہے جیسا کہ عصر کا وقت زوال اور غروب کے نصف میں ہوتا ہے یہ افضل وقت ہے ورنہ سورج کے بلند ہونے سے زوال سے پہلے تک چاشت کا ہی وقت ہے ۔
۸۔ مغرب وعشاء کے درمیان کی نماز : یہ سنت مؤکدہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی چھ رکعات منقول ہیں (۵) اور اس کی بہت زیادہ فضیلت ہے ۔ اور کہا کہ قرآن پاک کی آیت کریمہ ۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵۷ کتاب التہجد

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۴۹ کتاب صلوٰۃ المسافرین

(۳) کنز العمال جلد ۷ ص ۶۸ حدیث ۱۷۹۹۶

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۴۰۸ کتاب الصلوٰۃ

(۵) سنن ابن ماجہ ص ۹۳ باب اقامۃ الصلوٰۃ

يَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (۱) ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔

سے یہی مراد ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فَاِنَّهَا مِنْ صَلٰوةِ الْاَوَّابِيْنَ۔ (۲)

جو آدمی مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھے تو یہ اوابین (اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں) کی نماز ہے۔

نیز آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ عَكَفَ نَفْسَهٗ فِيْمَا بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِيْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ اِلَّا بِصَلٰوةٍ اَوْ بِقُرْاٰنٍ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّبْنِيَ لَهٗ قَصْرَيْنِ فِي الْجَنَّةِ مَسِيْرَةُ كُلِّ قَصْرَةٍ مِنْهُمَا مِائَةُ عَامٍ وَيَغْرِسُ لَهٗ بَيْنَهُمَا غِرَاسًا لَوْطَافَهٗ اَهْلُ الْاَرْضِ لَوَسِعَهُمْ۔ (۳)

جو شخص اپنے آپ کو مغرب اور عشاء کے درمیان مسجد جماعت میں روکے رکھے نماز اور قرآن پاک (کی تلاوت) کے علاوہ کوئی گفتگو نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم یہ ہے کہ اس کے لیے دو محل بنائے کہ ان میں سے ہر محل ایک سو سال کی مسافت کا ہو اور اس کے لیے ان دونوں کے درمیان درخت لگا دے کہ اگر زمین والے اس میں گھومیں تو سب کے لیے گنجائش ہو۔

باقی فضائل وظائف کے بیان میں آئیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

دوسری قسم:

وہ نوافل جو ہفتے کے دن رات بدلنے سے بار بار آتے ہیں دنوں کے سلسلے میں ہم اتوار کے دن سے آغاز کرتے ہیں۔

اتوار کا دن: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى يَوْمَ الْاَحَدِ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَقْرَاُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَاٰمَنَ الرَّسُوْلُ مَرَّةً كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِعَدَدِ كُلِّ نَصْرَانِيٍّ وَنَصْرَانِيَّةٍ حَسَنَاتٍ وَاَعْطَاهُ اللّٰهُ ثَوَابَ نَبِيٍّ وَكَتَبَ لَهٗ

جو آدمی اتوار کے دن چار رکعات پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کا آخری رکوع جو آمن الرسول سے شروع ہوتا ہے ایک بار پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے تمام عیسائی مردوں اور عورتوں کی تعداد کے مطابق نیکی لکھ دیتا ہے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ سجدہ آیت ۱۶

(۲) کتاب الزہد والرقائق ص ۴۴۵ آیت ۱۲۵۹

(۳) قوت القلوب جلد اول ص ۳۰ الفصل الحادی عشر

حَجَّةً وَعُمْرَةً وَكَتَبَ لَهُ بِكُلِّ رَكْعَةٍ اَلْفَ صَلَاةٍ وَاَعْطَاهُ اللّٰهُ فِي الْجَنَّةِ بِكُلِّ حَرْفٍ مَدِيْنَةً مِنْ مِسْكٍ اَذْفَرَ،

اور اسے ایک نبی کے ثواب کے برابر ثواب عطا کرتا ہے اس کے لیے ایک حج اور عمرے کا ثواب لکھتا ہے ہر رکعت کے بدلے ایک ہزار رکعت لکھ دیتا ہے اور اسے جنت میں ہر حرف کے بدلے خالص مشک کا ایک شہر عطا کرے گا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

وَحِّدُوا اللّٰهَ بِكَثْرَةِ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْاَحَدِ فَاِنَّهُ سُبْحَانَهُ وَاحِدٌ لَا شَرِيْكَ لَهُ فَمَنْ صَلّٰى يَوْمَ الْاَحَدِ بَعْدَ صَلَاةِ الظُّهْرِ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ وَالسُّنَّةِ يَقْرَأُ فِي الْاُوْلٰى فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَتَنْزِيْلَ السَّجْدَةِ وَفِي الثَّانِيَةِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَتَبَارَكَ الْمُلْكُ ثُمَّ تَشَهَّدَ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اُخْرَيَيْنِ يَقْرَأُ فِيْهِمَا فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةَ الْجُمُعَةِ وَسَاَلَ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ حَاجَتَهُ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَقْضِيَ حَاجَتَهُ۔ (۲)

اتوار کے دن زیادہ نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی توحید کو ظاہر کرو بے شک وہ پاک ذات ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور جو آدمی اتوار کے دن ظہر کے بعد فرضوں اور سنتوں کے بعد چار رکعات پڑھے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور تنزیل سجدہ پڑھے دوسری میں سورۂ فاتحہ اور سورہ ملک پڑھے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے پھر کھڑا ہو اور دوسری دو رکعتیں پڑھے دونوں میں سورۂ فاتحہ اور سورہ جمعہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس کی حاجت کو پورا کرے۔

سوموار کا دن:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ عِنْدَ ارْتِفَاعِ النَّهَارِ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ مَرَّةً وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ مَرَّةً وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ مَرَّةً مَرَّةً فَاِذَا سَلَّمَ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ

جو شخص سوموار کے دن سورج بلند ہوتے وقت دو رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار، آیت الکرسی ایک بار قل ہو اللہ احد اور سورۂ فلق اور سورۂ والناس ایک ایک بار پڑھے سلام پھیرنے کے بعد دس بار استغفار پڑھے

(۱) قوت القلوب جلد اول ص ۲۷ الفصل الحادی عشر

(۲)

عَشْرَ مَرَّاتٍ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُ ذُنُوبَهُ كُلَّهَا۔

اور دس مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجے اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے"۔ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مَنْ صَلَّى يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ مَرَّةً فَاِذَا فَرَغَ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ مَرَّةً وَاسْتَغْفَرَ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ مَرَّةً يُنَادِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَيْنَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ لِيَقُمْ فَلْيَأْخُذْ ثَوَابَهُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَاَوَّلُ مَا يُعْطَى مِنَ الثَّوَابِ اَلْفُ حُلَّةٍ وَيُتَوَّجُ وَيُقَالُ لَهُ اُدْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَسْتَقْبِلُهُ مِائَةُ اَلْفِ مَلَكٍ مَعَ كُلِّ مَلَكٍ هَدِيَّةٌ يُشَيِّعُونَهُ حَتّٰى يَدُورَ عَلٰى اَلْفِ قَصْرٍ مِنْ نُورٍ يَتَلَأْلَأُ۔ (۲)

جو شخص سوموار کے دن بارہ رکعات یوں ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی ایک بار پڑھے فارغ ہونے کے بعد بارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور بارہ مرتبہ استغفار کرے تو قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ فلاں بن فلاں کہاں ہے وہ اٹھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنا ثواب حاصل کرے اسے سب سے پہلا ثواب ہزار جوڑوں کی صورت میں ملے گا اور اسے تاج پہنایا جائے گا اور کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ ایک لاکھ فرشتے اس کا استقبال کریں گے ہر فرشتے کے پاس ایک تحفہ ہو گا جو اسے پیش کریں گے حتی کہ وہ ایک ہزار محلات پر جائے گا جو نور سے بنے ہوں گے اور چمک رہے ہوں گے۔

منگل کا دن :

حضرت یزید رقاشی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلَّى يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ عَشْرَ رَكَعَاتٍ عِنْدَ اِنْتِصَافِ النَّهَارِ۔ وفی حديث آخر: عِنْدَ اِرْتِفَاعِ النَّهَارِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ مَرَّةً وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ثَلَاثَ

جو شخص منگل کے دن دوپہر کے بعد دس رکعات پڑھے دوسری حدیث میں ہے کہ سورج کے بلند ہوتے وقت پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی ایک ایک بار اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھے تو ستر دن تک اس کا گناہ نہیں لکھا

---

(۱) قوت القلوب جلد اول ص ۲۷ الفصل الحادی عشر

(۲) قوت القلوب جلد اول ص ۲۷ الفصل الحادی عشر

مَرَّاتٍ لَمْ تُكْتَبْ عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ إِلَى سَبْعِيْنَ يَوْمًا فَإِنْ مَاتَ إِلَى سَبْعِيْنَ يَوْمًا مَاتَ شَهِيْدًا وَغُفِرَ لَهُ ذُنُوْبُ سَبْعِيْنَ سَنَةً۔ (۱)

جاتا اور اگر وہ ستر دن سے پہلے پہلے مر جائے تو شہادت کا اعزاز حاصل کرے گا اور اس کے ستر سالوں کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

بدھ کا دن :۔

حضرت ابو ادریس خولانی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً عِنْدَ ارْتِفَاعِ النَّهَارِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ مَرَّةً وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ نَادَى مُنَادٍ عِنْدَ الْعَرْشِ، يَا عَبْدَ اللّٰهِ اسْتَأْنِفِ الْعَمَلَ فَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَرَفَعَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْكَ عَذَابَ الْقَبْرِ وَضِيْقَهُ وَرَفَعَ عَنْكَ شَدَائِدَ الْقِيَامَةِ وَرَفَعَ لَهُ مِنْ يَوْمِهِ عَمَلَ نَبِيٍّ۔ (۲)

جو شخص بدھ کے دن سورج کے بلند ہوتے وقت بارہ رکعات پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی ایک ایک بار جب کہ سورۂ اخلاص سورۂ فلق اور سورۂ والناس تین تین بار پڑھے تو عرش کے پاس سے ایک منادی آواز دیتا ہے اے اللہ کے بندے از سر نو عمل کر تیرے سابقہ گناہ بخش دیئے گئے اللہ تعالیٰ نے تجھ سے عذاب قبر، قبر کی تنگی اور اس کا اندھیرا اٹھا لیا نیز تجھ سے قیامت کی سختیوں کو بھی اٹھا لیا اور اس دن اس کے لیے ایک نبی کے عمل کے برابر (عمل) اوپر کو جائے گا۔

جمعرات کا دن :

حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى يَوْمَ الْخَمِيْسِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِي الْأُوْلَى فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ مِائَةَ مَرَّةٍ وَفِي الثَّانِيَةِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ مِائَةَ مَرَّةٍ وَيُصَلِّي عَلَى مُحَمَّدٍ مِائَةَ مَرَّةٍ أَعْطَاهُ

جو شخص جمعرات کے دن ظہر اور عصر کے درمیان دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی ایک سو مرتبہ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص ایک سو مرتبہ پڑھے سو مرتبہ بارگاہ رسالت میں ہدیہ درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اسے رجب، شعبان اور رمضان

---

(۱) قوت القلوب جلد اوّل ص ۷۰ الفصل الحادی عشر

(۲) قوت القلوب جلد اوّل ص ۲۸ الفصل الحادی عشر

اللّٰہُ ثَوَابَ مَنْ صَامَ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَ رَمَضَانَ وَكَانَ لَهُ مِنَ الثَّوَابِ مِثْلُ حَاجِّ الْبَيْتِ وَكَتَبَ لَهُ بِعَدَدِ كُلِّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَوَكَّلَ عَلَيْهِ حَسَنَةً ۔ (۱)

کے روزوں کا ثواب عطا فرماتا ہے اور اس کے لیے بیت اللہ شریف کا حج کرنے والے جیسا ثواب ہوتا ہے اور جس قدر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انہوں نے اسی پر بھروسہ کیا ان کی تعداد کے مطابق اسے نیکیاں ملتی ہیں۔

جمعۃ المبارک کا دن :

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

يَوْمُ الْجُمُعَةِ صَلَاةٌ كُلُّهُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ قَامَ إِذَا اسْتَقَلَّتِ الشَّمْسُ وَارْتَفَعَتْ قَدْرَ رُمْحٍ أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ أَسْبَغَ الْوُضُوْءَ فَصَلّٰى سُبْحَةَ الضُّحٰى رَكْعَتَيْنِ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ مِائَتَيْ حَسَنَةٍ وَمَحَا عَنْهُ مِائَتَيْ سَيِّئَةٍ وَمَنْ صَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ رَفَعَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعَمِائَةِ دَرَجَةٍ وَمَنْ صَلّٰى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ رَفَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُ فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِمِائَةِ دَرَجَةٍ وَغَفَرَ لَهُ ذُنُوْبَهُ كُلَّهَا وَمَنْ صَلّٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَلْفَيْنِ وَمِائَتَيْ حَسَنَةٍ وَمَحَا عَنْهُ أَلْفَيْنِ وَمِائَتَيْ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهُ فِي الْجَنَّةِ أَلْفَيْنِ وَمِائَتَيْ دَرَجَةٍ ۔ (۲)

جمعہ کا دن مکمل طور پر نماز کے لیے ہے جب سورج کے ایک نیزہ یا اس سے زیادہ بلند ہونے کے وقت کوئی مومن اٹھ کر وضو کرے اور کامل وضو کرے پھر چاشت کی دو رکعتیں ایمان اور ثواب کی نیت سے پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو سو نیکیاں لکھتا ہے اور ایک سو گناہ مٹاتا ہے اور جو شخص چار رکعات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں چار سو درجات بلند کرتا ہے اور جو آدمی آٹھ رکعات پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں آٹھ سو درجات بلند کرتا ہے اور اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے اور جو شخص بارہ رکعات پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو ہزار دو سو نیکیاں لکھتا ہے اور اس سے دو ہزار دو سو گناہ مٹاتا ہے اور اس کے لیے جنت میں دو ہزار دو سو درجات بلند کرتا ہے۔

حضرت نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

مَنْ دَخَلَ الْجَامِعَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَصَلّٰى

جو شخص جمعہ کے دن جامع مسجد میں داخل ہو کر چار رکعات

---

(۱) قوت القلوب جلد اول ص ۲۸ الفصل الحادی عشر

(۲) 〃 〃

أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَبْلَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ خَمْسِيْنَ مَرَّةً لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ أَوْ يُرٰى لَهُ۔ (۱)

جمعہ کی نماز سے پہلے پڑھے ہر رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ اور پچاس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے وہ مرنے سے پہلے جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھے گا یا اسے دکھایا جائے گا۔

ہفتہ کا دن:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔
آپ نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ صَلّٰى يَوْمَ السَّبْتِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ مَرَّةً وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَإِذَا فَرَغَ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ حَرْفٍ حَجَّةً وَعُمْرَةً وَرَفَعَ لَهُ بِكُلِّ حَرْفٍ أَجْرَ سَنَةٍ صِيَامِ نَهَارِهَا وَقِيَامِ لَيْلِهَا وَأَعْطَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِكُلِّ حَرْفٍ ثَوَابَ شَهِيْدٍ وَكَانَ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِ اللّٰهِ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالشُّهَدَاءِ۔ (۲)

جو شخص ہفتے کے دن چار رکعات پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ اور سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھے فارغ ہونے کے بعد آیت الکرسی پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر حرف کے بدلے ایک حج اور عمرے کا ثواب لکھ دیتا ہے اور اس کے لیے ہر حرف کے بدلے ایک سال کے روزوں اور قیام لیل کا ثواب لکھتا ہے اور اسے ہر حرف کے بدلے ایک شہید کا ثواب عطا فرماتا ہے اور وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے انبیاء کرام اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

راتیں

اتوار کی رات:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ اتوار کی رات کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى لَيْلَةَ الْأَحَدِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ

جو شخص اتوار کی رات بیس رکعات پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ (ایک بار) اور سورۂ اخلاص پچاس مرتبہ اور سورۂ فلق و

---

(۱) کتاب الموضوعات جلد ۲ ص ۱۹ الصلاۃ یوم الجمعۃ

(۲) قوت القلوب جلد اول ص ۲۸ الفصل الحادی عشر

أَحَدٌ خَمْسِيْنَ مَرَّةً وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ مَرَّةً مَرَّةً وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ مِائَةَ مَرَّةٍ وَاسْتَغْفَرَ لِنَفْسِهٖ وَلِوَالِدَيْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً وَتَبَرَّأَ مِنْ حَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ وَالْتَجَأَ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ آدَمَ صَفْوَةُ اللّٰهِ وَفِطْرَتُهٗ وَإِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَمُوْسٰى كَلِيْمُ اللّٰهِ وَعِيْسٰى رُوْحُ اللّٰهِ وَمُحَمَّدًا حَبِيْبُ اللّٰهِ كَانَ لَهٗ مِنَ الثَّوَابِ بِعَدَدِ مَنْ دَعَا لِلّٰهِ وَلَدًا وَمَنْ لَّمْ يَدْعُ لِلّٰهِ وَلَدًا وَبَعَثَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الْاٰمِنِيْنَ وَكَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ۔ (۱)

سورہ والناس ایک ایک بار پڑھے ایک سو مرتبہ اللہ تعالےٰ سے استغفار کرے اپنے لیے اور اپنے ماں باپ کے لیے ایک سو مرتبہ بخشش مانگے ایک سو مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجے اپنی قوت سے برأت کا اعلان کرکے اللہ تعالیٰ کے ہاں پناہ لے پھر کہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک حضرت آدم علیہ وسلام اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے اور اس بنائے ہوئے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام رُوح اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اس کے لیے ان لوگوں کی تعداد کے برابر ثواب ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا مانگتے اور جو اللہ تعالیٰ سے اولاد نہیں مانگتے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے امن والے لوگوں کے ساتھ اٹھائے گا، اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ جنت میں داخل کرے۔

سوموار کی رات:

حضرت اعمش، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى لَيْلَةَ الْاِثْنَيْنِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلَى الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ عِشْرِيْنَ مَرَّةً وَفِي الثَّالِثَةِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ثَلَاثِيْنَ مَرَّةً وَفِي الرَّابِعَةِ

جو آدمی سوموار کی رات چار رکعتیں پڑھے پہلی رکعت میں (ایک بار) الحمد للہ اور دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے دوسری رکعت میں الحمد للہ اور اس کے ساتھ سورۂ اخلاص بیس مرتبہ پڑھے تیسری رکعت میں الحمد للہ اور پھر سورۂ اخلاص تیس مرتبہ پڑھے چوتھی رکعت میں الحمد للہ اور پھر سورۂ اخلاص چالیس مرتبہ پڑھے پھر سلام پھیرنے کے بعد پچھتر مرتبہ

---

(۱) کتاب الموضوعات جلد ۲ ص ۱۱۵ صلاۃ یوم السبت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَرْبَعِیْنَ مَرَّۃً ثُمَّ یُسَلِّمُ وَیَقْرَأُ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ خَمْسًا وَسَبْعِیْنَ مَرَّۃً وَاسْتَغْفَرَ اللّٰہَ لِنَفْسِہٖ وَلِوَالِدَیْہِ خَمْسًا وَسَبْعِیْنَ مَرَّۃً ثُمَّ سَأَلَ اللّٰہَ حَاجَتَہٗ کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُعْطِیَہٗ سُؤَالَہٗ مَا سَأَلَ، وھی تسمی صلاۃ الحاجۃ لیلۃ الثلاثا،

قل ہو اللہ احد پڑھے اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے پچہتر مرتبہ بخشش طلب کرے پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے کہ وہ اس کے ہر سوال کے مطابق عطا فرمائے اس نماز کو صلوٰۃ حاجت کہتے ہیں۔

(۱)

منگل کی رات:

حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ یَقْرَأُ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ وَقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَیْنِ خَمْسَ عَشْرَۃَ مَرَّۃً وَیَقْرَأُ بَعْدَ التَّسْلِیْمِ خَمْسَ عَشْرَۃَ مَرَّۃً آیَۃَ الْکُرْسِیِّ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰہَ تَعَالٰی خَمْسَ عَشْرَۃَ مَرَّۃً کَانَ لَہٗ ثَوَابٌ عَظِیْمٌ وَاَجْرٌ جَسِیْمٌ۔

جو شخص (اس رات) دو رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص نیز سورۂ فلق اور سورہ الناس پندرہ پندرہ بار پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد پندرہ مرتبہ آیت الکرسی پڑھے پندرہ بار اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے اس کے لیے بہت بڑا ثواب اور عظیم اجر ہے۔

(۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی لَیْلَۃَ الثُّلَاثَاءِ رَکْعَتَیْنِ یَقْرَأُ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ مَرَّۃً وَاِنَّا اَنْزَلْنَاہُ وَقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَعْتَقَ اللّٰہُ رَقَبَتَہٗ مِنَ النَّارِ وَیَکُوْنُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ قَائِدَہٗ وَدَلِیْلَہٗ اِلَی الْجَنَّۃِ،

جو آدمی منگل کی رات دو رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار جب کہ سورۂ القدر اور سورۂ اخلاص سات سات بار پڑھے اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے آزاد کرے گا اور یہ نماز قیامت کے دن جنت کی طرف اس کی قائد اور راہنما ہو گی۔

بدھ کی رات:

---

(۱) کتاب الموضوعات جلد ۲ ص ۱۱۷، صلاۃ یوم الاثنین

(۲) قوت القلوب جلد اول ص ۲۸، ۲۹ الفصل الحادی عشر

(۳) 〃 〃 〃 〃

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں آپ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی لَیْلَۃَ الْاَرْبِعَاءِ رَکْعَتَیْنِ یَقْرَاُ فِی الْاُوْلٰی فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ عَشْرَ مَرَّاتٍ وَفِی الثَّانِیَۃِ بَعْدَ الْفَاتِحَۃِ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ عَشْرَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اِذَا سَلَّمَ اِسْتَغْفَرَ اللّٰہَ عَشْرَ مَرَّاتٍ ثُمَّ یُصَلِّیْ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرَ مَرَّاتٍ نَزَلَ مِنْ کُلِّ سَمَاءٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ یَکْتُبُوْنَ ثَوَابَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔

جو آدمی بدھ کی رات دو رکعتیں پڑھے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ فلق دس مرتبہ پڑھے دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ والناس دس بار پڑھے سلام پھیرنے کے بعد دس مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں ہدیۂ درود شریف دس مرتبہ پیش کرے تو آسمان سے ستر فرشتے نازل ہوتے ہیں جو قیامت تک اس کے لیے ثواب لکھتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے:

سِتَّ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً یَقْرَاُ بَعْدَ الْفَاتِحَۃِ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَیَقْرَاُ فِیْ آخِرِ الرَّکْعَتَیْنِ آیَۃَ الْکُرْسِیِّ ثَلَاثِیْنَ مَرَّۃً وَفِی الْاُوْلَیَیْنِ ثَلَاثِیْنَ مَرَّۃً قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ یُشَفَّعُ فِیْ عَشْرَۃٍ مِنْ اَھْلِ بَیْتِہٖ کُلُّھُمْ وَجَبَتْ عَلَیْھِمُ النَّارُ، روت فاطمۃ رضی اللہ —

سولہ رکعات ہیں سورۂ فاتحہ کے بعد جو دل چاہے پڑھے ہر دو رکعتوں کے بعد تیس مرتبہ آیت الکرسی پڑھے اور پہلی دو رکعتوں میں تیس مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھے اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی سفارش قبول ہوگی جن کے لیے جہنم واجب ہوگئی تھی۔

حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی لَیْلَۃَ الْاَرْبِعَاءِ سِتَّ رَکْعَاتٍ قَرَاَ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ بَعْدَ الْفَاتِحَۃِ قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ اِلٰی آخِرِ الْآیَۃِ فَاِذَا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِہٖ یَقُوْلُ: جَزَی اللّٰہُ مُحَمَّدًا عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ غُفِرَ لَہٗ ذُنُوْبُ سَبْعِیْنَ سَنَۃً وَکُتِبَ لَہٗ بَرَاءَۃٌ مِنَ النَّارِ۔

جو آدمی بدھ کی رات چھ رکعات پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۱) (اے محبوب! یوں عرض کریں اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی عطا کرے

(۱) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۲۶ (۲)

اور جس سے چاہے لے لے تو جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے رسوا کرے بھلائی تیرے ہی قبضہ میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے)

نماز سے فارغ ہونے کے بعد یوں کہے" اللہ تعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے وہ جزا عطا فرمائے جس کے آپ اہل ہیں، تو ایسے شخص کے ستر سال کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اس کے لیے جہنم سے برات لکھی جاتی ہے۔

جمعرات کی رات:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی لَیْلَۃَ الْخَمِیْسِ مَابَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ رَکْعَتَیْنِ یَقْرَأُ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ وَآیَۃَ الْکُرْسِیِّ خَمْسَ مَرَّاتٍ وَقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ خَمْسَ مَرَّاتٍ وَالْمُعَوِّذَتَیْنِ خَمْسَ مَرَّاتٍ فَاِذَا فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ اِسْتَغْفَرَ اللّٰہَ تَعَالٰی خَمْسَ عَشْرَۃَ مَرَّۃً وَجَعَلَ ثَوَابَہٗ لِوَالِدَیْہِ فَقَدْ اَدّٰی حَقَّ وَالِدَیْہِ عَلَیْہِ وَاِنْ کَانَ عَاقًّا لَھُمَا وَاَعْطَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مَا یُعْطِی الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءَ۔

جو آدمی جمعرات کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان دو رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی پانچ مرتبہ نیز سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ الناس پانچ پانچ مرتبہ پڑھے پھر نماز سے فراغت کے بعد پندرہ مرتبہ استغفر اللہ پڑھے اور اس کا ثواب اپنے ماں باپ کو پہنچائے تو اس نے والدین کا حق ادا کر دیا اگرچہ وہ ان کا نافرمان تھا اور اللہ تعالیٰ اسے وہ کچھ عطا کرے گا جو صدیقین اور شہداء کو عطا فرمائے گا۔

جمعۃ المبارک کی رات:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ اثْنَتَیْ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً یَقْرَأُ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ مَرَّۃً وَقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اِحْدٰی عَشْرَۃَ مَرَّۃً فَکَاَنَّمَا عَبَدَ اللّٰہَ تَعَالٰی اثْنَتَیْ عَشْرَۃَ سَنَۃً صِیَامَ نَھَارِھَا وَقِیَامَ لَیْلِھَا۔ (۲)

جو شخص جمعہ کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان بارہ رکعات پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھے گویا اس نے بارہ سال اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کی کہ دن کو روزہ رکھا اور رات کو نوافل کے ساتھ قیام کیا۔

(۱) قوت القلوب جلد اول ص ۲۹ الفصل الحادی عشر (۲) قوت القلوب جلد اول ص ۲۹ الفصل الحادی عشر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی لَیْلَةَ الْجُمُعَةِ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فِیْ جَمَاعَةٍ وَصَلّٰی رَكْعَتَیِ السُّنَّةِ ثُمَّ صَلّٰی بَعْدَهُمَا عَشْرَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَیْنِ مَرَّةً مَرَّةً ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ وَنَامَ عَلٰی جَنْبِهِ الْاَیْمَنِ وَوَجْهُهٗ اِلَی الْقِبْلَةِ فَكَاَنَّمَا اَحْیَا لَیْلَةَ الْقَدْرِ۔

جو شخص جمعہ کی رات عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے پھر دو سنتیں پڑھ کر دس رکعات اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، سورۂ الفلق اور سورۂ والناس ایک ایک بار پڑھے پھر تین رکعات وتر پڑھ کر دائیں پہلو پر قبلہ رُخ ہو کر سو جائے تو گویا اس نے لیلۃ القدر عبادت میں گزاری۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَیَّ فِیْ لَیْلَةِ الْغَرَّاءِ وَالْیَوْمِ الْاَزْهَرِ لَیْلَةِ الْجُمُعَةِ وَیَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (۲)

روشن رات اور چمکتے ہوئے دن میں مجھ پر کثرت سے درود شریف بھیجو یعنی جمعۃ المبارک کی رات اور جمعہ کے دن۔

ہفتہ کی رات:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی لَیْلَةَ السَّبْتِ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِیَ لَهٗ قَصْرٌ فِی الْجَنَّةِ وَكَاَنَّمَا تَصَدَّقَ عَلٰی كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ وَتَبَرَّاَ مِنَ الْیَهُوْدِ وَكَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ اَنْ یَّغْفِرَ لَهٗ۔ (۳)

جو آدمی ہفتہ کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان بارہ رکعتیں پڑھے اس کے لیے جنت میں ایک محل بنایا جاتا ہے اور گویا اس نے ہر مومن مرد و عورت پر صدقہ کیا اور وہ یہودیوں سے بیزار ہوا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اسے بخش دے۔

---

(۱) قوت القلوب جلد اول ص ۷۹ الفصل الحادی عشر

(۲) قوت القلوب جلد اول ص ۷۹ الفصل الحادی عشر

(۳) کتاب الموضوعات جلد ۲ ص ۱۱۳، ۱۱۴ صلاۃ یوم السبت

تیسری قسم:

سال کے بدلنے سے بدل جانے والی عبادات

یہ چار نمازیں ہیں دو عیدوں کی نماز، تراویح، رجب اور شعبان کی نماز۔

عیدین کی نماز:

عیدوں کی نماز سنت مؤکدہ ہے (یعنی واجب ہے) یہ نماز دین کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اس میں سات امور کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

۱۔ تین بار تکبیر کہنا ہے اور وہ اس طرح ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔

اللہ سب سے بڑا ہے (تین بار) وہ بہت بڑا ہے صبح و شام اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے اگرچہ کافروں کو ناپسند ہو۔

عیدالفطر کی رات تکبیر شروع کرکے نماز عید تک پڑھے اور دوسری عید (عیدالاضحیٰ) میں نویں تاریخ کی صبح سے تیرہ تاریخ کی عصر تک پڑھے یہ سب سے زیادہ کمل قول ہے۔ (۱)

فرض نمازوں کے بعد اور نوافل کے بعد تکبیرات پڑھے فرائض کے بعد زیادہ تاکید ہے (۲)

۲۔ عید کے دن صبح ہونے پر غسل کرے اور زینت اختیار کرے اور خوشبو لگائے جیسا کہ ہم نے جمعہ کے باب میں ذکر کیا ہے۔ مردوں کے لیے چادر اور دستار افضل ہے بچے ریشمی کپڑوں سے بچیں اور بوڑھی عورتیں عید کے لیے جاتے وقت زینت سے پرہیز کریں (نوجوان عورتیں عید کی نماز کے لیے نہ جائیں)

۳۔ ایک راستے سے جائے اور دوسرے راستے سے واپس آئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا (۳)

اور آپ جوان عورتوں اور پردہ دار خواتین کو بھی نکلنے کی اجازت دیتے تھے (۴)

---

(۱) فقہ حنفی میں تکبیرات تشریق صرف عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہوتی ہیں ۱۲ ہزاروی

(۲) احناف کے نزدیک صرف فرائض کے بعد پڑھنا لازم ہے ۱۲ ہزاروی

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۹۳ باب ما جاء فی الخروج یوم العید (۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۹۰ صلوٰۃ العیدین

(آجکل کے حالات میں جوان عورتوں کا مردوں کے اجتماعات میں جانا نقصان دہ ہے ۱۲ ہزاروی)

۴۔ مکہ مکرمہ اور بیت المقدس کے علاوہ (عید کی نماز کے لیے) صحرا (میدان) میں جانا مستحب ہے اگر بارش ہو تو مسجد میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں آسمان پر بادل ہوں تو امام کسی کو حکم دے کہ وہ کمزور لوگوں کو مسجد میں نماز پڑھائے اور خود قوی لوگوں کے ساتھ باہر جاتے اور وہ تکبیر کہتے ہوئے جائیں۔

۵۔ وقت کا خیال رکھے عید کی نماز کا وقت طلوع آفتاب سے زوال تک ہے اور جانوروں کی قربانی کا وقت جب دو خطبوں اور دو رکعتوں کا اندازہ سورج بلند ہو جائے اس وقت سے لے کر تیرہ تاریخ کے آخر تک ہے قربانی کی وجہ سے عید الاضحیٰ میں جلدی کرنا مستحب ہے اور عید الفطر میں تاخیر مستحب ہے تاکہ پہلے صدقہ فطر تقسیم ہو جائے یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (۱)

۶۔ نماز کا طریقہ:۔ لوگ تکبیر کہتے ہوئے جائیں اور جب امام عید گاہ میں پہنچے تو نہ بیٹھے اور نہ نفل پڑھے اور لوگ بھی نفل نہ پڑھیں پھر ایک منادی اعلان کرے کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے امام ان کو دو رکعتیں پڑھائے پہلی رکعت میں امام تکبیر تحریمہ کے علاوہ سات تکبیریں کہے (حنفی فقہ کے مطابق تین تکبیریں ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہیں ۱۲ ہزاروی۔

ہر دو تکبیروں کے درمیان "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پڑھے اور تکبیر تحریمہ کے بعد وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا) پڑھے اور آٹھویں تکبیر تک اعوذ باللہ نہ پڑھے نیز پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ "ق" اور دوسری میں "اقتربت الساعۃ" پڑھے۔ دوسری رکعت میں زائد تکبیریں پانچ ہیں۔ یہ قیام اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ ہیں ہر دو تکبیروں کے درمیان وہ کلمات پڑھے جن کا ہم نے ذکر کیا پھر دو خطبے پڑھے اور ان کے درمیان بیٹھے اور جس سے نماز عید فوت ہو جائے وہ قضا کرے۔ (۲)

۷۔ ایک مینڈھے کی قربانی کی جائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دو مینڈھوں کی قربانی اپنے ہاتھوں سے کی جو چت کبرے تھے (سفید اور سیاہ رنگ کے تھے) اور آپ نے پڑھا۔

---

(۱)

(۲) احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء سبحانک اللھم پڑھے پھر تین تکبیر کہے اور تکبیروں کے درمیان کچھ نہ پڑھے تیسری تکبیر کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر باقی قرأت کرے دوسری رکعت میں پہلے قرأت اور آخر میں تین تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر رکوع کرنے کے لیے کہے نماز عید کی قضا نہیں ہاں اگر تمام لوگ کسی وجہ سے نہ پڑھ سکیں تو عید الفطر دوسرے دن اور عید الاضحیٰ تیسرے دن تک پڑھ سکتے ہیں ۱۲ ہزاروی

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ هٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کے نام سے اللہ سب سے بڑا ہے یہ (قربانی) میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے جو قربانی نہیں کر سکتے۔

٭ ٭ ٭

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَاٰی هِلَالَ ذِی الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَنْ یُّضَحِّیَ فَلَا یَاْخُذْ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ شَیْئًا (۲)

جو شخص ذوالحجہ کا چاند دیکھے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بالوں اور ناخنوں سے کچھ نہ کاٹے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ زمانہ رسالت میں ایک شخص اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتا وہ خود بھی کھاتا اور دوسروں کو بھی کھلاتا تھا۔ (۳)

نوٹ:۔ گھر والوں کی طرف سے قربانی کا یہ مفہوم نہیں کہ تمام گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی ہو سکتی ہے مطلب یہ ہے کہ ایک ہی شخص جس پر قربانی واجب ہوتی وہ اپنی طرف سے قربانی کرتا اور پھر تمام گھر والے اس گوشت سے خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے ۱۲ ہزاروی۔

قربانی کا گوشت تین دن بلکہ اس کے بعد بھی کھا سکتے ہیں شروع شروع میں اس سے ممانعت تھی پھر اجازت دے دی گئی۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں عید الفطر کے بعد بارہ رکعات اور عید الاضحیٰ کے بعد چھ رکعات پڑھنا سنت ہے (حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز سے پہلے اور بعد نفل نہیں پڑھتے تھے اس لیے عید کی نماز سے پہلے نوافل گھر اور عید گاہ دونوں جگہ منع ہیں البتہ نماز کے بعد گھر میں پڑھ سکتا ہے ۱۲ ہزاروی)

تراویح:

تراویح کی بیس رکعات ہیں اور ان کا طریقہ مشہور ہے، یہ سنت مؤکدہ ہیں اگرچہ عیدین سے کم درجہ ہے (کیونکہ عیدین کی نماز واجب ہے ۱۲ ہزاروی) اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ تراویح کی جماعت افضل ہے یا الگ الگ پڑھنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو راتیں نماز تراویح کیلئے تشریف لائے پھر نہیں آئے اور فرمایا مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے (۴)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۲ کتاب الضحایا۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۶۰ کتاب الاضحی

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۳۴ ابواب الاضاحی

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۵۹ باب الترغیب فی قیام رمضان

اور پھر جب وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اب ان کے واجب ہونے کا خطرہ باقی نہ رہا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو جماعت میں جمع کیا۔

لہذا کہا گیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمل کی وجہ سے جماعت افضل ہے نیز اجتماع میں برکت اور فضیلت ہوتی ہے کیوں کہ فرض نماز کی بھی جماعت ہوتی ہے نیز بعض اوقات تنہا پڑھنے کی صورت میں سستی ہو جاتی ہے اور جماعت کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے بعض نے کہا کہ الگ الگ پڑھنا افضل ہے کیونکہ یہ سنت ہے لیکن عیدین کی نماز کی طرح اسلامی شعائر میں سے نہیں ہے پس اسے نمازِ چاشت سے ملا دیا گیا حالانکہ تحیۃ المسجد کی زیادہ فضیلت ہے لیکن اس میں جماعت جائز نہیں عادتاً لوگ مسجد میں اکٹھے داخل ہوتے ہیں لیکن تحیۃ المسجد جماعت کی صورت میں نہیں پڑھتے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

فَضْلُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ فِي بَيْتِهِ عَلَى صَلَاتِهِ فِي الْمَسْجِدِ كَفَضْلِ صَلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ فِي الْمَسْجِدِ عَلَى صَلَاتِهِ فِي الْبَيْتِ (۱)

نفل نماز مسجد کی بجائے گھر میں پڑھنے کی فضیلت اسی طرح ہے جس طرح فرض نماز کو مسجد میں پڑھنا گھر میں پڑھنے سے افضل ہے۔

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا اَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ صَلَاةٍ فِي غَيْرِهِ مِنَ الْمَسَاجِدِ وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلَاةٍ فِي مَسْجِدِي وَاَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ رَجُلٌ يُصَلِّي فِي زَاوِيَةِ بَيْتِهِ رَكْعَتَيْنِ لَا يَعْلَمُهُمَا اِلَّا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ۔

میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز، دوسری مساجد کی سو نمازوں سے افضل ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز میری اس مسجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے اور ان سب سے افضل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر کے کونے میں دو رکعتیں پڑھے اور اس بات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہو۔ (۲)

اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات جماعت کی وجہ سے ریاکاری اور بناوٹ پیدا ہو جاتی ہے جب کہ تنہا آدمی کی نماز اس سے محفوظ ہوتی ہے اس سلسلے میں یہ بات کہی گئی ہے لیکن مختار بات یہی ہے کہ یہ (تراویح کی) جماعت افضل ہے۔ جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے بہتر سمجھا، کیوں کہ بعض نوافل کے لیے جماعت جائز ہے اور اس نماز کا دینی شعائر (نشانیوں) میں سے ہونا زیادہ لائق ہے جسے ظاہر کیا جائے جماعت کی صورت میں ریا کی طرف

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۴۹ کتاب الصلوٰۃ

(۲) کنز العمال جلد ۱۲ ص ۲۵۸ حدیث ۳۴۹۳۲ / الترغیب والترہیب جلد اول ص ۴۳۰ الترغیب فی قیام اللیل۔

اور علیحدگی پڑھنے میں سستی کی طرف نظر کرنا جماعت کی فضیلت جو بحیثیت جماعت کے حاصل ہوتی ہے کے مقصود سے پھر جاتا ہے۔ اور کوئی قائل کہتا ہے کہ سستی کی وجہ سے چھوڑنے کی نسبت نماز بہتر ہے اور اخلاص ریا سے بہتر ہے، تو ہم مسئلے کو یوں فرض کرتے ہیں کہ جس آدمی کو اپنے اوپر اعتماد ہے وہ تنہا پڑھنے کی صورت میں سستی نہیں کرے گا اور جماعت میں حاضر ہو تو دکھاوے سے کام نہیں لے گا۔ تو اس کے لیے ان میں کونسا طریقہ افضل ہے؟ تو نظر جمع کی برکت اور تنہا پڑھنے کی صورت میں فوت اخلاص اور حضور قلب کے درمیان پھرتی ہے پس ممکن ہے ایک کو دوسری صورت پر ترجیح دینے میں تردد ہو اور رمضان شریف کے نصف اخیر میں وتر نماز میں قنوت پڑھنا مستحب ہے (احناف کے نزدیک پورے سال میں وتروں میں قنوت پڑھنا واجب ہے ۱۲ ہزاروی۔)

ماہ رجب کی نماز:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسنداً مروی ہے آپ نے فرمایا:

مَا مِنْ اَحَدٍ يَصُوْمُ اَوَّلَ خَمِيْسٍ مِنْ رَجَبٍ ثُمَّ يُصَلِّي فِيْمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ اِثْنَتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيْمَةٍ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ مَرَّةً وَاِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِثْنَتَيْ عَشَرَةَ مَرَّةً فَاِذَا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهٖ صَلّٰى عَلَيَّ سَبْعِيْنَ مَرَّةً يَقُوْلُ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقُوْلُ فِي سُجُوْدِهٖ سَبْعِيْنَ مَرَّةً سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ، ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَيَقُوْلُ سَبْعِيْنَ مَرَّةً: رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَةً اُخْرٰى وَيَقُوْلُ فِيْهَا مِثْلَ مَا قَالَ فِي السَّجْدَةِ الْاُوْلٰى ثُمَّ يَسْاَلُ حَاجَتَهٗ فِي سُجُوْدِهٖ فَاِنَّهَا تُقْضٰى۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

جو آدمی رجب کی پہلی جمعرات کو روزہ رکھے پھر مغرب اور عشاء کے درمیان دس رکعات پڑھے ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرے ہر رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار "اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (سورت) اور اس بار سورۂ اخلاص پڑھے نماز سے فارغ ہونے کے بعد مجھ پر (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر) ستر مرتبہ درود شریف پڑھے یوں کہے "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ" (اے اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نبی ہیں اور کسی سے پڑھے ہوئے نہیں ہیں رحمت نازل فرما) پھر سجدہ کرے اور سجدہ میں ستر مرتبہ یہ کلمات پڑھے "سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ" (ملائکہ اور حضرت جبریل علیہ السلام کا رب پاک ہے) پھر سر اٹھا کر ستر مرتبہ یہ کلمات پڑھے "رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ" (اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما اور جو کچھ تو جانتا ہے اس سے در گزر فرما بے شک تو بہت عزت و بزرگی والا ہے) پھر دوسرا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَا يُصَلِّيْ اَحَدٌ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ جَمِيْعَ ذُنُوْبِهٖ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ وَعَدَدِ الرَّمْلِ وَوَزْنِ الْجِبَالِ وَوَرَقِ الْاَشْجَارِ وَيُشَفَّعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ سَبْعِمِائَةٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ مِمَّنْ قَدِ اسْتَوْجَبَ النَّارَ۔ (۱)

سجدہ کرے اور اس میں پہلے سجدے والے کلمات پڑھے پھر سجدے میں اپنی حاجت کا سوال کرے بے شک وہ پوری ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے اگرچہ سمندر کی جھاگ ریت کی تعداد پہاڑوں کے وزن اور درختوں کے پتوں جتنے ہوں اور قیامت کے دن اس کے گھر والوں میں سے ستر آدمیوں کے بارے میں اس کی سفارش قبول ہوگی اور یہ وہ لوگ ہوں گے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔ یہ نماز مستحب ہے۔

* * * * *

ہم نے اسی قسم کے تحت اس لیے بیان کیا کہ یہ بھی سال کے بدلنے سے دوبارہ آتی ہے اگرچہ اس کا مقام، نماز عید اور تراویح تک نہیں پہنچا کیونکہ یہ نماز خبر واحد سے ثابت ہے لیکن میں نے (امام غزالی رحمہ اللہ نے) اہل قدس کو دیکھا کہ وہ سب اس نماز کو پابندی سے پڑھتے ہیں اور اسے نہیں چھوڑتے اس لئے میں نے اسے یہاں بیان کرنا مناسب سمجھا۔

ماہ شعبان کی نماز:

شعبان کی پندرہویں رات میں ایک سو رکعات پڑھے اور ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور چاہے تو دس رکعتیں پڑھے اور ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور سو مرتبہ "قل ہو اللہ احد" پڑھے یہ بھی باقی (نوافل) نمازوں میں مروی ہے۔ ہمارے اسلاف یہ نماز پڑھتے تھے اور اس کو صلاۃ الخیر کہا کرتے تھے وہ اس کے لیے جمع ہوتے اور بعض اوقات جماعت کے ساتھ بھی پڑھتے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں مجھ سے تیس صحابہ کرام نے بیان کیا کہ "جو آدمی اس رات یہ نماز پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی طرف ستر بار نظر رحمت فرماتا ہے اور ہر نظر کے ساتھ اس کی ستر حاجات کو پورا فرماتا ہے جن میں سے سب سے چھوٹی حاجت اس کی مغفرت ہے (۲)

چوتھی قسم:

وہ نوافل جن کے اسباب عارضی ہیں وہ کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں۔

یہ نو ہیں سورج گرہن کی نماز، چاند گرہن کی نماز، نماز استسقاء (بارش کے لئے نماز) تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء، اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعتیں، گھر سے نکلتے اور داخل ہوتے وقت کی دو رکعتیں اور اس کی مثل نوافل اس وقت ہم ان

---

(۱) کتاب الموضوعات جلد ۲ ص ۱۲۵ صلاۃ الرغائب

(۲) کتاب الموضوعات جلد ۲ ص ۱۲۷ صلوٰۃ لیلۃ النصف من شعبان

نوافل کا ذکر کریں گے جو ہمارے ذہن میں حاضر ہیں۔

چاند گرہن کی نماز : سورج گرہن کی نماز :

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَا یَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِہٖ فَاِذَا رَاَیْتُمْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃِ۔ (۱)

بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں انہیں کسی کی موت یا زندگی کے باعث گرہن نہیں ہوتا پس جب تم اس بات (گرہن) کو دیکھو تو اللہ کے ذکر اور نماز کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

آپ نے یہ بات اس وقت فرمائی جب جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور ادھر سورج گرہن بھی ہو گیا تو صحابہ کرام نے فرمایا کہ یہ آپ کے صاحبزادے کی وفات کی وجہ سے ہوا ہے۔

نماز گہن کا طریقہ اور وقت :

اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب سورج گرہن اس وقت ہو جب نماز پڑھنا مکروہ ہو یا مکروہ نہ ہو تو آواز دی جائے "نماز کھڑی ہونے والی ہے" اور امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے ہر رکعت میں دو رکوع کرے ان میں سے پہلی رکعت کو دوسری کی نسبت لمبا کرے اور قرأت بلند آواز سے نہ کرے پہلی رکعت کے پہلے قیام میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ پڑھے جب کہ دوسرے قیام میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ آل عمران پڑھے تیسرے قیام یعنی دوسری رکعت کے پہلے قیام میں) سورۂ فاتحہ اور سورۂ نساء اور دوسرے قیام میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ مائدہ پڑھے یا اس کی مقدار قرآن پاک سے جہاں سے چاہے پڑھے اور اگر ہر قیام میں سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرے تب بھی کفایت کرتا ہے یا کوئی چھوٹی سورت پڑھے پھر بھی ٹھیک ہے مقصد صرف یہ ہے کہ سورج کے روشن ہونے تک نماز کو لمبا کرے پہلے رکوع میں ایک سو آیت کی مقدار میں تسبیحات پڑھے دوسری میں اسی آیات تیسرے میں ستر آیات اور چوتھے میں پچاس آیات کا اندازہ تسبیح پڑھے اور ہر رکعت میں سجدوں کی مقدار رکوع جتنی ہونی چاہیے پھر نماز کے بعد دو خطبے دے اور ان دونوں کے درمیان بیٹھے لوگوں کو صدقہ کرنے غلام آزاد کرنے اور توبہ کرنے کا حکم دے چاند گرہن میں بھی اسی طرح کرے البتہ اس میں بلند آواز سے قرأت کرے کیوں کہ یہ رات کی نماز ہے اس نماز کا وقت کسوف سے شروع ہو کر اس کے روشن ہونے تک ہے سورج کے غروب ہونے پر اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور سورج کی ٹکیہ ظاہر ہوتے پر چاند گرہن کی نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے کیونکہ رات کا غلبہ ختم ہو گیا اگر چاند گرہن کی صورت میں چھپ جائے تو وقت ختم نہیں ہو گا کیونکہ پوری رات چاند کا غلبہ ہوتا ہے اگر نماز کے دوران گرہن ختم ہو جائے تو مختصر کر کے ختم کر دے، اور جو آدمی امام کے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۴۳ ابواب الکسوف

ساتھ دوسرے رکوع کو پائے اس سے پہلی رکعت فوت ہو گئی کیونکہ اصل پہلا رکوع ہے۔ (۱)

بارش کی نماز :

جب نہروں کا پانی اندر چلا جائے بارش بند ہو جائے اور نالیاں سوکھ جائیں تو امام کے لیے مستحب ہے کہ لوگوں کو پہلے تین دن روزہ رکھنے کا حکم دے اور جس قدر وہ صدقہ دے سکیں، دوسروں کے حقوق ادا کریں، گناہوں سے توبہ کریں پھر چوتھے دن ان کو لے کر جائے بوڑھی عورتوں اور بچوں کو بھی لے جائیں پاک صاف ہوں لیکن پھٹے پرانے کپڑوں میں جائیں جس سے ان کی عاجزی اور مسکینی معلوم ہو، البتہ یہ بات عید میں نہیں بعض نے کہا ہے کہ جانوروں کو ساتھ لے جانا بھی مستحب ہے کیونکہ حاجت میں یہ مشترک ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْلَا صِبْيَانٌ رُضَّعٌ وَمَشَايِخُ رُكَّعٌ وَبَهَائِمُ رُتَّعٌ لَصُبَّ عَلَيْكُمُ الْعَذَابُ صَبًّا (۲)

اگر دودھ پیتے بچے، رکوع کرنے والے بوڑھے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے تو تم پر عذاب ڈالا جاتا۔

اور اگر ذمی (مسلمانوں کے ملک میں رہنے والے اہل کتاب یہود و نصاریٰ) الگ ہو کر نکلیں تو نہ روکا جائے۔ پھر جب لوگ کشادہ صحرا میں جمع ہو جائیں تو آواز دی جائے کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے امام ان کو عید کی نماز کی طرح تکبیر (اقامت) کے بغیر دو رکعتیں پڑھائے پھر دو خطبہ دے اور ان کے درمیان تھوڑا سا بیٹھے دونوں خطبوں میں زیادہ تر استغفار ہونا چاہیے اور دوسرے خطبہ کے درمیان میں ہونا چاہیے، پھر لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے قبلہ رخ بیٹھے اور اس وقت چادر کو الٹے یہ حالت کے بدلنے کے لیے نیک خالی کے طور پر ہے۔ (۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا۔ (۴)

---

(۱) احناف کے نزدیک سورج گرہن کی نماز عام نماز کی طرح دو رکعات میں ہر رکعت میں ایک رکوع ہے کیونکہ مرد صحابہ کرام کی روایت سے ایک رکوع ثابت ہے اور یہی اصل ہے دو رکوع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ معاملہ مردوں پر زیادہ واضح ہوتا ہے اس لیے اس میں صحابہ کرام کی روایت کو ترجیح ہے نماز میں قرأت کو لمبا کرے یا بعد میں دعا زیادہ مانگے اصل مقصد یہ ہے کہ یہ تمام وقت مصروف رہے، چاند گرہن کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ رات کو اجتماع ناممکن ہوتا ہے نیز نماز کسوف میں خطبہ بھی نہیں کیونکہ مشہور روایات میں منقول نہیں ہے ۱۲ ہزاروی۔

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۳۴۵ کتاب صلاۃ الاستسقاء۔

(۳) چادر بدلنے کا طریقہ یہ ہے کہ نچلی طرف کا دایاں کنارہ بائیں کاندھے کے اوپر آجائے اور بائیں طرف کا نچلا کنارہ دائیں کاندھے کے اوپر آجائے۔ احناف کے نزدیک چادر الٹانے کی ضرورت نہیں ۱۲ ہزاروی۔

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۳۷ ابواب الاستسقاء

پس اس کے اوپر والے حصے کو نیچے اور دائیں طرف والے کو بائیں طرف کر دے لوگ بھی اسی طرح کریں اس وقت دل میں دعا مانگیں پھر ان کی طرف رُخ کرے امام خطبہ کو ختم کرے چادریں اسی طرح الٹائی ہوئی رہنے دی حتیٰ کہ جب کپڑے اتاریں تو چادریں بھی اتار دیں۔ دعائیں یوں کہیں۔ "اے اللہ! تو نے ہمیں دعا کا حکم دیا اور قبولیت کا وعدہ فرمایا ہم نے تیرے حکم کے مطابق دعا مانگی تو اپنے وعدۂ کرم کے مطابق قبول فرما۔ یا اللہ! ہم پر احسان فرما کہ ہمارے گناہ بخش دے، ہمیں بارش عطا فرما اور ہمارے لیے رزق کو کشادہ کر دے۔

میدان میں جانے سے پہلے تین دن نمازوں کے بعد دعا مانگنے میں بھی کوئی حرج نہیں اس دعا کے لیے کچھ باطنی آداب و شرائط ہیں وہ یہ کہ توبہ کریں، اور دوسروں کے حقوق وغیرہ ادا کر دیں۔ یہ باتیں دعاؤں کے بیان میں ذکر ہوں گی۔

نمازِ جنازہ:

نمازِ جنازہ کا طریقہ مشہور ہے جامع دعا جو حضرت بن مالک رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر مروی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو میں نے آپ کی دعا سے یوں یاد کیا۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَہٗ وَاغْسِلْہُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّہٖ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْہُ دَارًا خَیْرًا مِّنْ دَارِہٖ وَاَھْلًا خَیْرًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَزَوْجًا خَیْرًا مِّنْ زَوْجِہٖ وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَاَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔ (۱)

"یا اللہ! اسے بخش دے اس پر رحم فرما اسے عافیت دے اسے معاف کرے اس کی اچھی طرح مہمانی فرما اس کی قبر کو کشادہ کر دے اسے پانی، برف اور اولوں سے دھو دے اسے خطاؤں سے اس طرح صاف کر دے جیسے تو سفید کپڑے کو میل سے صاف کرتا ہے اس کو اس کے گھر سے اچھا گھر، گھر والوں سے اچھے گھر والے اور اس کی بیوی سے بہتر بیوی عطا فرما۔ اسے جنت میں داخل کر دے اسے عذاب قبر اور عذاب جہنم سے بچا لے۔"

حتیٰ کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے تمنا کی کہ کاش وہ میت میں ہوتا۔ جو شخص دوسری تکبیر پائے تو اسے چاہیے کہ دل میں نماز کی ترتیب کا خیال رکھے اور امام کے ساتھ تکبیر کہے جب امام سلام پھیرے تو فوت شدہ تکبیر کہے جس طرح مسبوق (بعد میں آکر ملنے والا نمازی) کرتا ہے اگر وہ تکبیرات میں جلدی کرے گا تو اس نماز میں اقتداء کا کیا مطلب رہ جائے گا تکبیرات نمازِ جنازہ کے ظاہری ارکان ہیں اور انہیں باقی نمازوں کی رکعات کے قائم مقام قرار دینا زیادہ مناسب ہے میرے نزدیک یہ بات زیادہ مناسب ہے اگرچہ دوسری توجیہ کا بھی احتمال ہے نماز جنازہ اور جنازے کے ساتھ جانے کی

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۱۱ کتاب الجنائز

فضیلت میں وارد احادیث مشہور ہیں ہم انہیں ذکر کر کے بات کو طویل نہیں کرتے کس طرح اس نماز کی فضیلت نہیں ہوگی جب کہ یہ فرض کفایہ سے ہے اور دوسروں کے حاضر ہونے کی وجہ سے جس کا جانا مقرر نہ ہوا اس کے لیے نفل قرار پاتی ہے لیکن اس کے باوجود فرض کفایہ کا ثواب ملتا ہے کیونکہ انہوں نے فرض کفایہ کی ادائیگی کر کے دوسروں سے حرج کو دور کیا لہٰذا یہ نفل کی طرح نہ ہوگی جس کے ذریعے کسی دوسرے کا فرض ساقط نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی تلاش مستحب ہے کیوں کہ زیادہ ہمتوں اور دعاؤں کی کثرت باعث برکت ہے اور ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔

حضرت کُریب، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا ایک بیٹا فوت ہو گیا تو انہوں نے فرمایا اے کریب دیکھو کتنے لوگ جمع ہوئے ہیں؛ وہ فرماتے ہیں میں باہر گیا تو (دیکھا) لوگ جمع ہو گئے تھے میں نے خبر دی تو انہوں نے فرمایا تم کیا کہتے ہو چالیس آدمی ہوں گے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں تو فرمانے لگے جنازہ نکالو وہ فرماتے تھے۔

جو مسلمان فوت ہو جائے اور اس کے جنازہ پر چالیس آدمی کھڑے ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے بارے میں ان کی سفارش کو قبول کرتا ہے (۱)

جب جنازے کے ساتھ جائے اور قبرستان میں پہنچ کر یا وہاں داخل ہو کر یوں کہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ هٰذِهِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ (۲)	اے اس بستی والے مومنو! اور مسلمانو! تم پر سلام ہو اللہ ہم میں آگے جانے والوں اور پیچھے رہنے والوں پر رحم فرمائے اور بے شک۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم تمہارے ساتھ ملیں گے۔

بہتر یہ ہے کہ میت کو دفن کرنے سے پہلے واپس نہ آئے اور جب میت پر قبر برابر کی جائے تو وہاں کھڑا رہے اور کہے۔

اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ رُدَّ اِلَيْكَ فَارْاَفْ بِهٖ وَارْحَمْهُ اَللّٰهُمَّ جَافِ الْاَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهِ وَافْتَحْ اَبْوَابَ السَّمَاءِ لِرُوْحِهٖ وَتَقَبَّلْهُ مِنْكَ بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَضَاعِفْ لَهٗ فِيْ اِحْسَانِهٖ وَاِنْ كَانَ مُسِيْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ (۳)	اے اللہ! تیرا بندہ تیری طرف لوٹایا گیا اس پر مہربانی اور رحمت فرما اس کے دونوں پہلوؤں سے زمین کو دور کر دے اس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھول دے اور اسے اچھی طرح قبول فرما اے اللہ اگر یہ نیک تھا تو اس کی نیکیوں کا ثواب دوگنا عطا فرما اور اگر گناہگار تھا تو اس سے درگزر فرما۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۰۸ کتاب الجنائز

(۲)

(۳)

تحیۃ المسجد :

دو یا اس سے زیادہ رکعات سنت مؤکدہ ہیں اگرچہ امام جمعہ کے دن خطبہ دے رہا حالانکہ خطیب کی طرف کان لگانا ضروری ہے اور اگر وہ (نمازی) فرض یا قضا نماز میں مشغول ہو جائے تو اس سے تحیۃ المسجد کے نوافل ادا ہو جاتے ہیں اور فضیلت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کی ابتدا اس عبادت سے خالی نہ ہو جو مسجد کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ مسجد کا حق ہے ۔ اسی لیے وضو کے بغیر مسجد میں داخل ہونا مکروہ ہے اور اگر وہاں سے گزرنے یا بیٹھنے کے لیے داخل ہو تو چار مرتبہ کہے " سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ "، کہا گیا کہ یہ کلمات فضیلت کے اعتبار سے دو رکعتوں کے برابر ہیں ۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق مکروہ اوقات میں تحیۃ المسجد مکروہ نہیں اور یہ عصر کے بعد اور صبح کے بعد کا وقت ہے نیز زوال آفتاب، اور سورج کے طلوع غروب کا وقت ہے ۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا ؟ آپ نے فرمایا یہ دو رکعتیں ظہر کے بعد پڑھا کرتا تھا تو ایک وفد کی وجہ سے میں مشغول رہا ۔ (۱)

اس حدیث سے دو فائدے حاصل ہوئے ،

ا کراہت صرف اس نماز کے لیے ہے جس کا کوئی سبب نہ ہو اور سب سے کمزور سبب نوافل کی قضا ہے، کیونکہ علماء کا نوافل کی قضا میں اختلاف ہے اور جب وہ ایسا عمل کرے جیسا فوت ہوا تو کیا یہ قضا ہوگی ؟ تو جب کمزور ترین سبب کی وجہ سے کراہت کی نفی ہوگئی تو مسجد میں داخل ہونے سے اس کی نفی زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ قوی سبب ہے اسی لیے جب جنازہ حاضر ہو جائے تو نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں اسی طرح سورج گرہن اور بارش کی نماز بھی ان اوقات میں مکروہ نہیں کیونکہ ان (نمازوں) کے لیے اسباب ہیں ۔

۲۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ نوافل کی بھی قضا ہوتی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے قضا فرمائی اور ہمارے لیے آپ کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے ۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نیند کا غلبہ ہوتا یا آپ علیل ہوتے اور رات کو نہ اٹھ سکتے تو دن کے شروع میں بارہ رکعات پڑھتے ۔ (۲)

علماء کرام نے فرمایا کہ جو آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور مؤذن کو جواب نہ دے سکے تو سلام کے بعد بطور قضا اذان کا جواب دے

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۷۷ کتاب صلاۃ المسافرین

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۵۶ کتاب صلاۃ المسافرین

اگرچہ موذن خاموش ہوگیا ہو۔ اس صورت میں اس شخص کے قول کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا ہے جو کہتا ہے کہ یہ پہلے کی مثل ہے اور قضا نہیں کیونکہ اگر اس طرح ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کراہت کے وقت نہ پڑھتے ہاں اگر کسی شخص کا وظیفہ ہو اور کسی عذر کی وجہ سے وقت پر نہ پڑھ سکے تو اسے چاہیے کہ اس کے چھوڑنے میں اپنے نفس کو رخصت نہ دے بلکہ دوسرے وقت میں اس کا تدارک کرے یہاں تک کہ اس کا نفس آسائش و آرام کی طرف مائل نہ ہو اور نفس کے مجاہدہ کے طور پر اس کا تدارک اچھا ہے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے اچھا عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ قلیل ہے۔

تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ دوام عمل میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا۔

مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ بِعِبَادَةٍ ثُمَّ تَرَكَهَا مَلَالَةً مَقَتَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ۔ (۲)

جو آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو پھر تھک کر اسے چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔

تو اس وعید کا مصداق نہیں بننا چاہیے اس حدیث کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اس لیے ناراض ہوتا ہے کہ اس نے تھک ہار کر اسے چھوڑ دیا اگر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نہ ہوتی تو اسے ملال نہ ہوتا۔ (۳)

تحیۃ الوضوء:

وضو کے بعد دو رکعتیں پڑھنا مستحب ہے کیونکہ وضو ایک عبادت ہے اور اس کا مقصد نماز ہے یعنے وضو ہونا ایک پیش آنے والا معاملہ ہے اور بعض اوقات نماز سے پہلے حدث ہو جاتا ہے اور وضو ٹوٹ جاتا ہے اور محنت ضائع ہو جاتی ہے پس دو رکعتوں کی طرف جلدی کرنا وضو کے فوت ہونے سے پہلے مقصود کو پورا کرنا ہے اور یہ عمل حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں جنت میں داخل ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۶۶ کتاب صلاۃ المسافرین

(۲)

(۳) تحیۃ المسجد کے بارے میں احادیث کی روشنی میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر مکروہات اوقات میں مسجد میں آئے تو نماز نہ پڑھے جب وہ فرض نماز ادا کرے تو یہ اسی کے ضمن میں ادا ہو جائے گی اسی طرح جب امام خطبہ دے رہا ہو تو اس وقت بھی نہ پڑھے کیوں کہ حضور علیہ السلام نے اسی وقت نماز اور گفتگو سے منع فرمایا ۱۲ ہزاروی۔

میں دیکھا میں نے حضرت بلال سے پوچھا تم کس طرح مجھ سے پہلے جنت میں آ گئے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے کچھ معلوم نہیں البتہ یہ کہ میں جب بھی وضو کرتا ہوں اس کے بعد دو رکعتیں پڑھتا ہوں۔(۱)

گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت کی نماز

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا خَرَجْتَ مِنْ مَنْزِلِكَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ يَمْنَعَانِكَ مَخْرَجَ السُّوْءِ وَاِذَا دَخَلْتَ اِلٰى مَنْزِلِكَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ يَمْنَعَانِكَ مَدْخَلَ السُّوْءِ۔(۲)

جب تم گھر سے نکلا تو دو رکعتیں پڑھو وہ تمہیں برے نکلنے سے بچائیں گی اور جب گھر میں داخل ہو تو دو رکعتیں پڑھو وہ تمہیں برے داخلے سے محفوظ رکھیں گی۔

ہر ایسا عمل جس کی کوئی وقعت ہو اس کے شروع کرنے کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے آتا ہے کہ "احرام کے وقت دو رکعتیں، ابتدائے سفر کے وقت دو رکعتیں، اور سفر سے واپسی پر گھر جانے سے پہلے مسجد دو رکعتیں ہیں(۲)

یہ تمام باتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں:

بعض بزرگ کھانے کھاتے وقت بھی دو رکعتیں پڑھتے پانی پیتے وقت بھی دو رکعتیں پڑھتے اسی طرح ہر اس کام کے وقت جو انہیں پیش آتا تھا۔

ہر کام کو شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے برکت حاصل کرنی چاہیے، اور اس کے تین مرتبے ہیں۔

(۱) بعض کام کئی بار کیے جاتے ہیں مثلاً کھانا اور پینا تو اس میں اللہ تعالیٰ کے نام سے ابتدا کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يُبْدَاُ فِيْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَهُوَ اَبْتَرُ(۳)

ہر اچھا کام جسے بسم اللہ سے نہ شروع کیا وہ ناقص ہوتا ہے۔

(ب) وہ عمل جو تکرار کے ذریعے زیادہ نہیں ہوتا لیکن وہ اہم کام ہوتا ہے جیسے عقد نکاح، نصیحت و مشورہ کی ابتدا تو اس صورت میں مستحب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ شروع کرے لہٰذا نکاح کرانے والا یوں کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵۴ باب التہجد۔

(۲) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۳۹۸ حدیث ۴۱۵۴۰

(۳) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۸۳ باب الصلوٰۃ اذا اراد سفرا۔

(۴) کنز العمال جلد اول ص ۵۵۸ حدیث ۲۵۱۱

عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ زَوَّجْتُکَ اِبْنَتِیْ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول پر رحمت ہو میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تجھ سے کیا۔ دوسرا آدمی یوں کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ قَبِلْتُ النِّکَاحَ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول پر رحمت ہو میں نے نکاح کو قبول کیا صحابہ کرام کی عادت تھی کہ کوئی پیغام بھیجتے یا نصیحت و مشورہ کرتے تو شروع میں الحمد للہ کہتے۔

ج۔ جو عمل زیادہ تکرار کے ساتھ نہیں آتا لیکن جب واقع ہوتا ہے تو دیرپا ہوتا ہے اور وہ وقعت والا ہے جیسے سفر کرنا نیا مکان خریدنا احرام باندھنا یا اس جیسے دوسرے اعمال تو ان سے پہلے دو رکعات پڑھنا مستحب ہے اور ان میں سے کم درجے کا عمل گھر سے نکلنا اور داخل ہونا ہے یہ تقریباً سفر کی ایک قسم ہے۔

نمازِ استخارہ:

جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے لیکن اسے اس کے انجام کا علم نہ ہو نہ یہ معلوم ہو کہ اس کے چھوڑنے میں بہتری ہے یا اس کے کرنے میں، تو ایسے شخص کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ دو رکعتیں پڑھے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ الکافرون اور دوسری میں فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھے جب نماز سے فارغ ہو تو دعا مانگے اور یوں کہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ، اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ وَعَاجِلِہٖ وَاٰجِلِہٖ فَاقْدُرْہُ لِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْہِ ثُمَّ یَسِّرْہُ لِیْ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ وَعَاجِلِہٖ وَاٰجِلِہٖ فَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ اَیْنَمَا کَانَ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

یا اللہ! میں تیرے علم کے ساتھ طلب خیر کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ساتھ طاقت چاہتا ہوں تیرے بہت بڑے فضل کا سوال کرتا ہوں بے شک تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا تو غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے یا اللہ! اگر تیرے علم کے مطابق یہ کام میرے دین، میری دنیا اور عاقبت، اس جہاں میں اور اس جہاں میں، میرے لیے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر کر دے مجھے اس میں برکت عطا فرما اور پھر اسے میرے لیے آسان کر دے۔ اور اگر تیرے علم کے مطابق یہ کام میرے دین، میری دنیا میری عاقبت اس جہاں اور اُس جہاں میں میرے لیے بُرا ہے تو اسے مجھ سے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لیے بھلائی مقدر فرما دے جہاں بھی ہو بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵۵ باب التہجد۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کیا اور فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر بات میں استخارہ سکھاتے جس طرح ہمیں قرآن پاک کی کوئی سورت سکھاتے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو کوئی بات پیش آئے تو وہ دو رکعتیں پڑھے (۱)

پھر بسم پڑھ کر وہ دعا مانگے جو ہم نے ذکر کی بعض دانا لوگوں نے فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں عطا کی گئیں وہ چار چیزوں سے محروم نہیں ہوگا۔ جس کو شکر کی توفیق دی گئی وہ مزید انعامات سے محروم نہ ہوگا، جسے توبہ کی توفیق عطا ہوئی وہ قبولیت سے محروم نہ ہوگا جس کو استخارہ کی توفیق عطا کی گئی ہے وہ بھلائی سے محروم نہیں کیا جائے گا اور جس کو مشورہ کرنے کی توفیق ملی وہ اچھے فیصلے سے محروم نہ ہوگا۔

نماز حاجت:

جس شخص پر کوئی تنگی آجائے اور اسے دین یا دنیا کے معاملے میں کسی ایسے معاملے کی حاجت ہو جو اس پر مشکل ہو جائے تو وہ یہ نماز پڑھے حضرت وہیب بن ورد سے مروی ہے فرماتے ہیں۔ وہ دعا جو رد نہیں ہوتی یہ ہے کہ آدمی بارہ رکعات پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی اور قل ہو اللہ احد پڑھے فارغ ہونے پر سجدے میں گر جائے اور یوں کہے۔

سبحان الذی لبس العز وقال به، سبحان الذی تعطف بالمجد وتکرم به، سبحان الذی احصی کل شیء بعلمه، سبحان الذی لا ینبغی التسبیح الا له، سبحان ذی المن والفضل، سبحان ذی العز والکرم، سبحان ذی الطول، اسالك بمعاقد العز من عرشك ومنتهی الرحمة من کتابك، وباسمك الاعظم وجدك الاعلی وکلماتك التامات العامات التی لا یجاوزهن بر ولا فاجر، ان تصلی علی محمد وعلی آل محمد۔ (۲)

پاک ہے وہ ذات جس نے عزت کو لباس بنایا اور اسے پسند کیا وہ ذات پاک ہے جس نے بزرگی کو چادر بنایا اور اسے اپنایا وہ ذات پاک ہے جس کے احاطۂ علم میں ہر چیز ہے وہ ذات پاک ہے جس کے سوا کسی کی تسبیح جائز نہیں احسان وفضل والی ذات پاک ہے عزت وکرم والی ذات پاک ہے نعمت والی ذات پاک ہے میں تجھ سے عزت کی ان خصلتوں کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جن کا تعلق تیرے عرش سے ہے اور تیری کتاب سے جو رحمت کی انتہا ہے تیرے عظیم نام اور بزرگ شان اور کامل وعام کلمات کے ذریعے سوال کرتا ہوں وہ کلمات جن سے کوئی نیک اور برا تجاوز نہیں کر سکتا کہ تو

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵۵ باب التہجد۔

(۲)

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما۔
پھر اس حاجت کا سوال کرے جو گناہ نہ ہو ان شاء اللہ یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ حضرت وہیب فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ کہا جاتا تھا یہ دعا ناسمجھ لوگوں کو نہ سکھاؤ ورنہ وہ اس کے ذریعے گناہ پر مدد حاصل کریں گے۔

نمازِ تسبیح :

یہ نماز حدیث شریف سے ثابت ہے اور کسی وقت یا سبب کے ساتھ خاص نہیں مستحب یہ ہے کہ اسے ہفتہ میں ایک بار یا مہینے میں ایک بار پڑھا جائے، حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔
"کیا میں آپ کو ایک (عمل) عطا نہ کروں کیا آپ کو عطیہ نہ دوں کہ جب آپ اس پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے، پرانے نئے، غلطی سے کئے گئے یا جان بوجھ کر، پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہ معاف فرما دے آپ چار رکعات اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھیں جب قرأت سے فارغ ہو جائیں تو حالتِ قیام میں یہ کلمات پندرہ بار پڑھیں "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ"، پھر رکوع میں دس بار، رکوع سے کھڑے ہو کر دس بار، پھر سجدے میں دس بار جلسہ میں دس بار دوسرے سجدے میں دس بار پھر دوسرے سجدے سے اٹھ کر دس بار پڑھیں یہ پچھتر بار ہوں گے چاروں رکعات میں اسی طرح کریں اگر روزانہ پڑھ سکیں تو ٹھیک ہے ورنہ ہر ہفتہ میں ایک بار پڑھیں یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینے میں ایک بار، اور اگر اس طرح بھی نہ ہو سکے تو سال میں ایک بار پڑھیں (۱)
ایک دوسری روایت میں ہے کہ سبحانک اللھم آخر تک پڑھنے کے بعد پندرہ بار تسبیح پڑھیں یعنی قرأت سے پہلے، پھر قرأت کے بعد دس بار پڑھیں باقی اسی طرح دس دس بار جس طرح پہلے بیان ہوا۔ دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر تسبیح نہ پڑھیں احناف کے نزدیک اس دوسرے طریقے پر عمل ہوتا ہے (۱۲ ہزاروی) یہ زیادہ اچھا طریقہ ہے۔
حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا بہر حال دونوں روایتوں کے مطابق تسبیحات کا مجموعہ تین سو ہے اگر دن میں پڑھے تو ایک سلام کے ساتھ چاروں رکعات اور رات کو پڑھے تو دو سلاموں کے ساتھ مستحب ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ صَلٰوةَ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى (۲) بے شک رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔

اور اگر تسبیح کے بعد لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھے تو اچھا ہے کیوں کہ بعض روایات میں اس

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۸۱، ۱۸۲ باب صلوٰۃ التسبیح۔
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۰ مرویات عبد اللہ بن عمر

طرح وارد ہے۔

تو یہ نمازیں روایات سے ثابت ہیں ان میں سے کوئی بھی نماز مکروہ اوقات میں پڑھنا اچھا (بلکہ جائز) نہیں سوائے تحیۃ المسجد کے (احناف کے نزدیک اس وقت تحیۃ المسجد بھی نہ پڑھیں) وضو کے بعد جن دو رکعتوں کا ذکر ہوا اسی طرح سفر کی نماز، گھر سے نکلتے وقت کی نماز اور استخارہ کی نماز مکروہ اوقات میں جائز نہیں کیونکہ نہی موکد ہے اور اسباب ضعیف ہیں لہذا یہ نوافل نماز کسوف، خسوف اور تحیۃ المسجد اور استسقاء کے درجے کو نہیں پہنچتے۔ میں نے بعض خود ساختہ صوفیوں کو مکروہ اوقات میں وضو کرتے ہوئے دیکھا حالانکہ یہ نا جائز ہے کیوں کہ وضو، نماز کا سبب نہیں بلکہ نماز وضو کا سبب ہے لہذا نماز پڑھنے کے لیے وضو کیا جائے یہ نہ کرے کہ چونکہ اس نے وضو کیا ہے لہذا وہ نماز پڑھے اور ہر بے وضو آدمی جو مکروہ وقت میں نماز پڑھنا چاہتا ہے تو وہ وضو کے بغیر نہیں پڑھ سکتا تو اب کراہیت کا کوئی معنی نہ ہوگا اسے چاہیے کہ وضو کی دو رکعتوں کی نیت نہ کرے جیسے تحیۃ المسجد کی نماز کی نیت کرتا ہے بلکہ جب وضو کرے تو دو نفل پڑھے تاکہ وضو بے کار نہ ہو جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کرتے تھے اور یہ محض نفل ہیں جو وضو کے بعد پڑھے جاتے ہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ وضو خسوف اور تحیۃ المسجد کی طرح سبب ہے کہ وہ وضو کی نیت کرے بلکہ وہ نماز کے لیے وضو کی نیت کرے (احناف کے نزدیک وضو کی نیت فرض نہیں) اور یہ کیسے صحیح ہوگا کہ وضو کرنے وقت کہے کہ میں نماز پڑھنے کے لیے وضو کرتا ہوں اور نماز میں کہے کہ میں وضو کرنے کی وجہ سے نماز پڑھ رہا ہوں بلکہ جو شخص مکروہ وقت میں اپنے وضو کو بے کار ہونے سے بچانا چاہتا ہو وہ قضا کی نیت کرے کیونکہ ہو سکتا ہے اس کے ذمہ کوئی ایسی نماز ہو جس میں کسی وجہ سے خلل آیا ہو اور مکروہ اوقات میں قضا نماز پڑھنا مکروہ نہیں لیکن نفل نیت کی کوئی وجہ نہیں (۱)

مکروہ اوقات میں نماز کی ممانعت کا فلسفہ

مکروہ اوقات میں نماز کی ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔
(۱) سورج کی پوجا کرنے والوں کی مشابہت سے بچنا (۲) شیطانوں کے پھیلنے سے بچنا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الشَّمْسَ لَتَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَإِذَا طَلَعَتْ قَارَنَهَا وَإِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا

سورج جب طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے جب وہ طلوع ہوتا ہے تو یہ اس کے

---

(۱) مکروہ اوقات میں کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں اس لیے قضاء بھی نہیں پڑھ سکتا اور پھر جو نماز ایک مرتبہ پڑھ لے گئی اسے صرف اس شک کی بنیاد پر کیسے قضا کریں گے کہ شاید اس میں کوئی خرابی ہو ایک وضو کے لیے اتنے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت ہے لہذا اگر کوئی شخص مکروہ وقت میں وضو کرے تو اس وقت تحیۃ الوضو کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے جس طرح مکروہ وقت میں مسجد میں جائے تو نفل نہ پڑھے بلکہ تسبیحات پڑھے ۱۲ ہزاروی۔

فَاِنِ اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَاِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا فَاِذَا تَضَيَّفَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا فَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا۔ (۱)

ساتھ مل جاتا ہے جب سورج بلند ہوتا ہے تو یہ جدا ہو جاتا ہے جب دوپہر کو ٹھہرتا ہے تو مل جاتا ہے جب وہ ڈھل جاتا ہے تو الگ ہو جاتا جب سورج غروب ہونے کے لیے جھکتا ہے تو یہ مل جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو الگ ہو جاتا ہے۔

تو اس خرابی پر تنبیہ کرتے ہوئے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

۲۔ آخرت کے راستے پر چلنے والے تمام اوقات میں نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ایک ہی طریقہ پر مسلسل نماز پڑھنا تھکاوٹ پیدا کرتا ہے اور جب ایک ساعت کے لیے اسے روکا جائے تو اسے زیادہ شوق اور عبادت کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور انسان اس چیز کی حرص کرتا ہے جس سے اسے روکا جائے تو ان اوقات میں رکاوٹ زیادہ حرص کا باعث بنتی ہے اور اسے وقت کے ختم ہونے کی انتظار رہتی ہے لہٰذا یہ اوقات تسبیح و استغفار کے لیے خاص کیے گئے تاکہ تسلسل سے نماز کے باعث طبیعت اکتا نہ جائے نیز ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف انتقال سے خوش ہو۔ کیونکہ جدت میں لذت ہوتی ہے۔ اور ایک ہی بات پر مستقل چلنا بوجھ اور اکتاہٹ کا باعث ہوتا ہے اسی لیے نماز کو صرف سجدہ یا صرف رکوع اور صرف قیام کی صورت میں نہیں رکھا گیا، بلکہ مختلف اعمال اور مختلف اذکار سے ترتیب دیا گیا کیوں کہ دل میں ہر عمل کے ذریعے ایک نئی لذت پیدا ہوتی ہے جب وہ اس کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اگر آدمی ایک ہی کام کرتا رہے تو جلدی اکتا جاتا ہے جب مکروہ اوقات میں نماز سے ممانعت کے سلسلے میں یہ (مذکورہ بالا) امور اہم ہیں اور اس کے علاوہ کچھ دیگر اسرار بھی ہیں جن پر اطلاع، انسانی طاقت کے بس میں نہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں تو ایسی اہم وجوہ کو صرف اسی بنیاد پر چھوڑا جا سکتا ہے کہ شرعی طور پر اہم اسباب پائے جاتے ہیں مثلاً نماز کی قضا، نماز استسقاء، نماز کسوف اور تحیۃ المسجد لیکن جو اسباب ضعیف ہوں تو نہی کا مقصود ان کے متصادم نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے نزدیک یہ بات زیادہ مناسب ہے، واللہ اعلم۔

احیائے علوم دین سے نماز کے اسرار کا بیان مکمل ہوا اس کے بعد ان شاء اللہ زکوٰۃ کے اسرار کا بیان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اسی کی مدد اور حسنِ توفیق سے یہ مکمل ہوا اسی کے لیے تعریف ہے وہ ایک ہے اور اس کی مخلوق میں سے بہترین ذات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آل اور صحابہ کرام پر رحمت اور بہت زیادہ سلام ہو۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی کتاب الصلوٰۃ جلد ۲ ص ۵۴۴

اسرارِ زکوٰۃ کا بیان

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس کے قبضہ میں سعادت و بدبختی ہے وہی مارتا اور زندہ رکھتا ہے وہی ہنساتا اور رلاتا ہے، وہی پیدا کرتا اور فنا کرتا ہے، محتاج و غنی بنانے والا وہی ہے، نقصان اور نفع کا مالک وہی ہے اس نے حیوان کو رحموں میں پہنچنے والے مادہ منویہ سے پیدا کیا وہ صفت غنا میں مخلوق سے ممتاز ہے پھر بعض بندوں کو نیکی کے ساتھ مختص کیا اس نے انہیں اپنی نعمتوں سے نوازا اور جسے چاہا غنی کردیا اور حصول رزق میں ناکام ہونے والوں کو ان بندوں کا محتاج بنایا یہ سب کچھ لوگوں کی آزمائش اور امتحان کی خاطر کیا پھر زکوٰۃ کو دین کی بنیاد بنایا اور اس نے بیان کیا کہ اس کے بندوں میں سے جس نے پاک ہونا چاہا وہ اس کے فضل کے ساتھ پاک ہوا اور جسے مال دار کیا اگر اس نے اپنے مال کی زکوٰۃ دی تو اسے پاک کردیا اور حضرت محمد مصطفیٰ مخلوق کے سردار اور ہدایت کے سورج نیز آپ کے آل و اصحاب بالخصوص علم و تقویٰ کے ساتھ مخصوص لوگوں پر رحمت ہو۔

زکوٰۃ کی فرضیت

حمد و صلوٰۃ کے بعد اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو اسلام کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد قرار دیا اور اور نماز جو ایک بہت بڑی علامتِ دین ہے اس کے بعد زکوٰۃ ہی کا ذکر کیا ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (۱)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَہَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ۔ (۲)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان شریف کے روزے رکھنا اور جسے طاقت ہے بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والوں کو سخت وعید فرماتی ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ (۳)

اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے پس ان کو دردناک عذاب کی خبر دیجیے۔

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۴۳ پ ۱ (۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۶ کتاب الایمان (۳) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۳۴

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا مطلب حق زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔
حضرت احنف بن قیس فرماتے ہیں کہ میں قریش کے کچھ لوگوں کے درمیان تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے انہوں نے فرمایا مال جمع کرنے والوں کو بتا دو کہ ان کی پیٹھوں میں داغ لگایا جائے گا جو ان کے پہلوؤں سے نکلے گا ان کی گردن کے پچھلے حصے میں لگایا جائے گا جو ان کی پیشانیوں پر ظاہر ہو گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے پستانوں کے اوپر رکھا جائے گا تو کندھوں کی نرم جگہ سے نکلے گا اور کندھوں پر لگایا جائے گا تو پستان کے اوپر سے تھر تھراتا ہوا نکلے گا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا آپ کعبہ شریف کے سایہ میں تشریف فرما تھے جب مجھے دیکھا تو فرمایا "خدا کی قسم! وہی زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں میں نے پوچھا کون لوگ؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ جو زیادہ مال والے ہیں البتہ وہ لوگ (مستثنیٰ ہیں) جو اپنے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں اس طرح خرچ کریں، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ جو شخص اونٹوں کا مالک ہو یا گائے یا بکریوں کا مالک ہو اور ان کی زکوٰۃ نہ دے تو قیامت کے دن وہ جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے آئیں گے وہ اسے اپنے سینگوں سے ماریں گے اور پاؤں سے روندیں گے جب آخری گزر جائے گا تو پہلا دوبارہ آئے گا حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ (۱)

جب صحیح بخاری و مسلم میں اس قدر وعید مذکور ہے تو زکوٰۃ کے اسرار، اس کی ظاہری و پوشیدہ شرائط اور ظاہری و باطنی معانی کو اس طرح بیان کرنا جو مسائل ادا کرنے والے اور لینے والے کے لیے ضروری ہیں ان پہ اکتفا کیا جائے، ضروری ہے۔

ہم ان باتوں کو چار فصلوں میں بیان کریں گے۔
پہلی فصل :۔ زکوٰۃ کی اقسام اور اس کے وجوب کے اسباب۔
دوسری فصل : اس کے آداب اور ظاہری و باطنی شرائط۔
تیسری فصل :۔ زکوٰۃ لینے والے کے لیے شرائط استحقاق کیا ہیں اور وصولی کا طریقہ کیا ہے۔
چوتھی فصل : نفلی صدقہ اور اس کی فضیلت،

پہلی فصل :۔

زکوٰۃ کی اقسام اور اسباب وجوب

اپنے متعلقات کے اعتبار سے زکوٰۃ کی چھ قسمیں ہیں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۵۲ مرویات ابوذر۔

جانوروں کی زکوٰۃ، سونے چاندی کی زکوٰۃ، مال تجارت کی زکوٰۃ، خزانے اور معدنیات کی زکوٰۃ، زمین کی فصل کی زکوٰۃ اور صدقہ فطر۔

پہلی قسم:

جانوروں کی زکوٰۃ

یہ زکوٰۃ اور اس کے علاوہ دوسری قسم کی زکوٰۃ آزاد مسلمان پر واجب ہوتی ہے بالغ ہونا شرط نہیں بلکہ بچے اور پاگل کے مال میں بھی واجب ہوتی ہے یہ تو اس شخص کے لیے شرائط ہیں جو زکوٰۃ ادا کرتا ہے ـــــ جہاں تک مال کا تعلق ہے تو اس میں پانچ شرائط ہیں (۱) جانور ہو (۲) چرنے والا ہو (۳) سال تک باقی رہنے والا ہو (۴) نصاب کامل ہو اور (۵) مکمل طور پر اس کا مملوک ہو۔

پہلی شرط ـــــ اس کا جانور ہونا تو اونٹ، گائے اور بکری کے علاوہ جانوروں میں زکوٰۃ فرض نہیں گھوڑوں، خچروں، گدھوں، ہرن اور بکری کے ملاپ سے پیدا ہونے والے جانور میں زکوٰۃ نہیں۔

دوسری شرط: چرنے والا ہو لہٰذا جس کو چارہ دیا گیا اس پر زکوٰۃ نہیں اور اگر کبھی چرایا جاتا ہو اور کبھی چارہ دیا جاتا ہو لیکن اس میں خرچ ظاہر ہو تو زکوٰۃ نہ ہوگی۔ احناف کے نزدیک سال کا زیادہ وقت چارے دیا تو زکوٰۃ نہیں اگر زیادہ چرنے پر گزارا کیا تو زکوٰۃ فرض ہے۔

تیسری شرط:۔ سال کا گزرنا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا زَكٰوةَ فِيْ مَالٍ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ۔(۱) جب تک مال پر سال نہ گزر جائے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔

جانوروں کے پیدا ہونے والے بچے اس (شرط) سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان پر مال کا حکم صادق آتا ہے اور ان کے اصول پر سال گزرنے کی وجہ سے ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی بعض اوقات آدمی سال کے درمیان مال بیچ دیتا ہے یا کسی کو ہبہ کر دیتا ہے تو اس طرح سال کا انقطاع ہو جاتا ہے۔

چوتھی شرط: ملک اور تصرف کا کامل ہونا ہے لہٰذا جو جانور کسی کے پاس رہن رکھے ہوں ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی کیونکہ یہ مال اس نے اپنے لیے روک رکھا ہے گمشدہ اور غصب کئے گئے جانور میں زکوٰۃ فرض نہ ہوگی البتہ جب وہ اپنے پورے منافع کے ساتھ واپس آجائے اب واپسی پر گذشتہ (سالوں) کی زکوٰۃ بھی دینا ہوگی۔ اگر اس پر اتنا قرض

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۲۹ ابواب الزکوٰۃ

ہو جو اس کے تمام مال کو گھیر لے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہو گی کیوں کہ وہ اس کے باعث غنی شمار نہیں ہوتا اس لیے کہ مالداری
اس مال کے ساتھ ہوتی ہے جو حاجت سے بچ جائے۔

پانچویں شرط:۔ نصاب کا کامل ہونا ہے۔ (تو نصاب یوں ہے)

اونٹوں کی زکوٰۃ:

اونٹ جب تک پانچ نہ ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہوتی پانچ اونٹوں میں ایک سالہ بھیڑ ہو گی (جذعہ جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں داخل ہو جائے) یا بکری جو تیسرے سال میں داخل ہو، دس اونٹوں میں دو بکریاں ہوں گی پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں ہوں گی پچیس اونٹوں میں اونٹ کا وہ مادہ بچہ لازم ہو گا جو دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو اگر ایسا بچہ نہ ہو تو ابن لبون (وہ نر جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو) اگرچہ بنت مخاض (جو دوسرے سال میں داخل ہے) کو خرید سکتا ہے۔ چھتیس میں ایک بنت لبون (دو سالہ مادہ) پھر جب چھیالیس کو پہنچ جائے تو اس میں ایک حقہ ہے (جو چوتھے سال میں داخل ہو) جب اکسٹھ ہو جائیں تو ان میں ایک جذعہ ہو گا یعنی وہ جو پانچویں سال میں داخل ہو گیا، جب چھہتر ہوں تو ان میں دو بنت لبون ہوں گے۔ جب اکانوے ہو جائیں تو ان میں دو حقے ہوں گے جب ایک سو اکیس ہو جائیں تو ان میں تین بنت لبون ہوں گے جب ایک سو تیس ہو جائیں تو حساب ٹھہر جائے گا اب ہر پچاس پر ایک حصہ ہو گا اور ہر چالیس پر ایک بنت لبون لازم ہے۔

گایوں کی زکوٰۃ:

تیس سے کم گایوں میں کچھ نہیں جب تیس ہو جائیں تو ان میں ایک تبیع ہو گا یعنی وہ بچہ جو دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو پھر چالیس میں ایک مسنہ ہے یعنی جو تیسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو پھر ساٹھ میں دو تبیع اس کے بعد حساب ٹھہر جائے گا یس ہر چالیس پہ ایک مسنہ اور ہر تیس پر ایک تبیع (لازم ہوتا جائے گا)

بکریوں کی زکوٰۃ:

بکریاں جب تک چالیس کی تعداد کو نہ پہنچیں ان میں زکوٰۃ نہیں ہوتی چالیس ہوں تو ان میں بھیڑ کا ایک جذعہ یا بکری کا ثنیہ ہو گا پھر ایک سو بیس تک کچھ بھی لازم نہ ہو ان میں دو بکریاں ہوں گی پھر دو سو ایک میں تین بکریاں ہوں گی چار سو میں چار بکریاں ہوں گی اور پھر حساب رک جائے گا اور اب ہر ایک سو میں ایک بکری ہو گی۔

دو آدمی شریک ہوں تو اس کی زکوٰۃ اسی طرح ہے جس طرح ایک مالک نصاب کے مال میں زکوٰۃ ہوتی ہے اگر چالیس بکریاں دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہوں تو ان میں ایک بکری ہو گی اگر تین آدمیوں کے درمیان ایک سو بیس بکریاں مشترک ہوں تو ان سب پر ایک ہی بکری ہو گی۔ پڑوس کی شرکت حصوں کی شرکت کی طرح ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دونوں کا باڑہ ایک ہو، گھاٹ (پانی پلانے کا چشمہ) ایک ہو، ایک ساتھ دودھ دوہیں، چراگاہ ایک ہو نر کا مادہ کو جفتی کرتا ایک ہو اور وہ دونوں اہل زکوٰۃ سے ہوں۔ اگر ذمی یا مکاتب کے ساتھ شرکت ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں بعض اوقات واجب

اونٹ عمر میں کچھ کم ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ نیت مخلص سے کم نہ ہو۔ اور وہ نقصان اس طرح پورا کیا جائے کہ ایک سال کی کمی کے لیے دو بکریاں یا بیس درھم، دو سال کی کمی کے لیے چار بکریاں یا چالیس درھم دیئے جائیں عمر میں زیادہ بھی دے سکتے ہیں لیکن اس کی عمر جذعہ سے نہ بڑھے اور جو زیادہ دیا اس کا عوض بیت المال کے کارندوں سے لیا جائے زکوٰۃ میں بیمار جانور نہ لیا جائے اگر مال کا کچھ حصہ صحیح ہو اگرچہ ایک ہی ہو، اور اچھے مال میں سے اچھا لیا جائے اور خراب میں سے خراب، لیکن زکوٰۃ میں کھانے کے لیے تیار کیا ہوا جانور بچے جننے والا جانور، دودھ دینے والا، سانڈھ اور قیمتی مال نہ لیا جائے (بلکہ درمیانے قسم کا لیا جائے)

دوسری قسم:

زمین کی فصل کی زکوٰۃ

ہر وہ اگنے والی چیز جسے بطور غذا استعمال کرتے ہیں جب بیس من ہو تو اس میں عشر واجب ہے اس سے کم میں نہیں پھلوں اور روئی میں عشر نہیں البتہ وہ غلہ جسے بطور غذا استعمال رکھتے ہیں اس میں عشر ہے خشک کھجور (چھوہاروں) اور کشمش میں زکوٰۃ واجب ہے اور یہ بیس من ہو۔ تر کھجور یا انگور نہ ہو۔ خشک ہونے کے بعد ادائیگی کی جائے دو شریکوں کے مال کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پورا کیا جائے جب کہ حصوں کے اعتبار سے شراکت ہو جیسا کہ کسی شخص کے ورثا کے درمیان ایک باغ مشترک ہو اس میں من کشمش ہو تو ہر ایک پر دو من کشمش واجب ہوگی یہ ان کے حصوں کے حساب سے ہے اس میں پڑوس کی شرکت معتبر نہیں (یعنی ایک جگہ درخت ہوں ان کے مالک الگ الگ ہوں تو اب نصاب بنانے کے لیے ان کو جمع نہیں کیا جائے گا)

گندم کا نصاب جو سے پورا نہیں کیا جائے گا البتہ جو کا نصاب سلت (چھلکے کے بغیر جو جن کو پیغمبری جو کہتے ہیں) سے پورا کیا جائے گا کیونکہ وہ بھی جو کی قسم ہے یہ وجوب اس صورت میں ہے جب جاری پانی یا نالی کے ذریعے پانی پہنچتا ہو(۱) اور اگر اونٹ کے ذریعے پانی لایا جائے یا کنویں سے ڈولوں کے ذریعے سیراب کیا جائے تو بیسواں حصہ ہوگا۔ اور دونوں طریقے جمع ہو جائیں (بارش اور کنویں وغیرہ کا پانی) تو زیادہ غالب کا اعتبار ہوگا۔

واجب کی صورت یہ ہے کہ کھجور، کشمش خشک اور خشک غلہ سے بھوسہ وغیرہ دور کرنے کے بعد لیا جائے انگور اور تر کھجوروں سے نہ لی جائے البتہ درختوں میں کوئی آفت آجائے اور پھل پکنے سے پہلے درختوں کو کاٹنا ضروری ہو تو تر کھجوروں سے بھی زکوٰۃ لی جائے ماپ کر کے تو حصے مالک کو اور ایک حصہ فقیر کو دیں اور اس تقسیم سے ہمارا یہ

---

(۱) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک زمین سے تھوڑی فصل پیدا ہو یا زیادہ اس میں دسواں حصہ (عشر) واجب ہے) بیس من کی شرط نہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کچھ زمین سے نکلے اس میں عشر ہے"، نیز امام صاحب کے نزدیک پھلوں اور سبزیوں میں بھی عشر واجب ہے البتہ گھاس وغیرہ یا خودرو پودوں میں عشر نہیں خود پیدا کئے ہوں تو عشر ہوگا ۱۲ ہزاروی

قول رکاوٹ نہیں بنتا کہ تقسیم توزیع میں داخل ہے (یعنی جب اس کچے پھل کی خرید و فروخت جائز نہیں تو تقسیم کس طرح جائز ہو گی) بلکہ حاجت کے تحت اس کی اجازت دی گئی ہے۔

زکوٰۃ کے وجوب کا وقت وہ ہے جب پھلوں میں صلاحیت ظاہر ہو جائے اور دانا سخت ہو جائے اور ادائیگی خشک ہونے کے بعد ہو گی۔

تیسری قسم: سونے چاندی کی زکوٰۃ

جب (مکہ مکرمہ کے وزن سے) دو سو درھموں پر سال پورا ہو جائے اور خالص چاندی ہو تو اس میں پانچ درھم ہوں گے اور یہ چالیسواں حصہ ہے اور زائد میں اس کے حساب سے ہو گا اگرچہ ایک درھم ہو سونے کا نصاب بیس مثقال خالص سونا ہے اور یہ بھی مکہ مکرمہ کے وزن سے ہے اس میں بھی چالیسواں حصہ ہے اور جو زیادہ ہو اس میں اس کے حساب سے ہے اور اگر نصاب سے ایک دانہ بھی کم ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔ جس کے پاس ایسے دراہم ہوں جن میں کھوٹ ملی ہوئی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے جب اس میں خالص، چاندی بھی نصاب کی مقدار میں ہو۔ سونے کی ڈلی اور ممنوعات زیور مثلاً سونے چاندی کے برتن مردوں کے لیے کاٹھیاں وغیرہ جائز زیورات میں واجب نہیں (احناف کے نزدیک عورتوں کے زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے اگر نصاب کو پہنچ جائیں) اگر ایسے آدمی کے ذمہ قرض ہو جو ادائیگی میں تاخیر کرتا ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے لیکن اس وقت واجب ہو گی جب وصول کر لے اور جب وقت مقرر ہو تو وقت گزرنے تک واجب نہیں ہو گی۔

چوتھی قسم: مال تجارت میں زکوٰۃ

یہ سونے چاندی کی زکوٰۃ کی طرح ہے اگر نقد (رقم) نصاب کے برابر ہو تو سال کا آغاز اس وقت سے ہو گا جب وہ اس رقم کا مالک ہوا جس سے سامان خریدا ہے۔ اور اگر وہ کم ہو یا سامان کے بدلے میں تجارت کی نیت سے کوئی چیز خریدے تو خریدنے کے وقت سے سال کا اعتبار ہو گا، زکوٰۃ کی ادائیگی اپنے ملکی سکہ سے کرے اور اسی کے ساتھ قیمت لگائی جائے۔ اور اگر کسی سکے کے ساتھ سامان خریدا اور وہ بھی نصاب کامل ہے تو اپنے شہر کے سکہ کی نسبت اس سے قیمت لگانا زیادہ بہتر ہے۔

اور اگر اپنے ذاتی مال سے تجارت کی نیت کرے تو محض نیت سے سال کا آغاز نہ ہو گا جب تک اس کے ساتھ کچھ خریدنے اور سال ختم ہونے سے پہلے تجارت کی نیت ختم ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی لیکن اس سال کی زکوٰۃ دینا بہتر ہے اور سال کے آخر میں جو نفع حاصل ہوا اس میں اس وقت زکوٰۃ واجب ہو جائے گی جب اصل مال پر سال مکمل ہو جائے۔ اور اس پر الگ سال شروع نہ کرے جیسے جانوروں کے بچوں میں نہیں کرتے اور صرافوں کے مال میں باہمی تبادلے سے جو ان کے درمیان جاری ہوتا ہے، سال منقطع نہیں ہو گا جس طرح باقی تجارتوں میں نہیں ہوتا۔

مال مضاربت کے نفع میں مضارب پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگرچہ ابھی تقسیم نہ ہوا ہو قیاس کا تقاضا یہی ہے۔

پانچویں قسم: دفینے اور معدنیات رکاز اس مال کو کہتے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں کہیں دفن کیا گیا اور ایسی زمین سے ملا جس پر اسلام میں ملک جاری نہیں ہوئی۔

اس خزانے کو پانے والے پر سونے اور چاندی کی صورت میں پانچواں حصہ لازم ہوگا۔ اور سال کا اعتبار نہ ہوگا۔ اولیٰ یہ ہے کہ نصاب کا بھی اعتبار نہ ہو کیوں کہ خمس (پانچویں حصہ) کے وجوب سے مالِ غنیمت کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اور اس (نصاب) کا اعتبار کرنا بھی کوئی بعید از قیاس بات نہیں کیونکہ اس کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے اسی لیے صحیح قول کے مطابق دفینہ سونے چاندی کے ساتھ خاص ہے (کسی اور چیز کا نہیں ہوتا) کانوں (معدنیات نکلنے کی جگہ) میں سے جو کچھ نکلے تو سونے اور چاندی کے علاوہ کسی چیز میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(احناف کے نزدیک اگر کان سے لوہا، سیسہ، تانبا، پیتل وغیرہ نکلیں تو ان میں بھی خُمس ہے البتہ فیروزہ، یاقوت، زمرد اور دیگر جواہر نیز سرمہ، ٹھیکری، چونا، قومی اور نمک میں خُمس نہیں تفصیل کے لیے دیکھئے بہارِ شریعت حصہ پنجم ص۳۲)

سونے اور چاندی کو بھٹی میں سے گزارنے اور خالص کرنے کے بعد ان میں سے چالیسواں حصہ لیا جائے گا۔ دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے اس بنیاد پر نصاب معتبر ہوگا۔ سال گزرنے کے بارے میں دو قول ہیں نیز ایک قول کے مطابق خُمس واجب ہے اس بنیاد پر نصاب کا اعتبار نہ ہوگا، نصاب کے بارے میں بھی دو قول ہیں زیادہ مناسب قول یہ ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مقدارِ واجب میں مال تجارت کی زکوٰۃ سے ملا دیں کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کی کمائی ہے اور سال کے اعتبار سے عشری چیزوں کے ساتھ ملا دیں اس طرح سال کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ یہ اس پانے والے کے ساتھ نرمی کا سلوک ہے البتہ عشری چیزوں کی طرح نصاب کا اعتبار ہوگا لیکن احتیاط کا تقاضا ہے کہ تھوڑا ہو یا بہت پانچواں حصہ نکالا جائے نیز اختلاف کے شبہ سے بچتے ہوئے سونے اور چاندی کے عین میں سے نکالیں کیونکہ یہ گمان تعارض کے قریب ہیں اور تعارضِ اشتباہ کی وجہ سے ایک بات پر فتویٰ دینا ممکن نہیں۔

چھٹی قسم: صدقہ فطر صدقہ فطر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہر اس مسلمان پر واجب ہے جس کے پاس اپنے اور اپنے زیر کفالت لوگوں کے لیے عید الفطر اور اس کی رات کے کھانے سے ایک صاع زائد ان چیزوں میں سے ہو جن کو بطور غذا استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا اندازہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع سے ہوگا۔(۱) اور یہ دو سیر اور ایک سیر کا تہائی حصہ ہے اسی چیز کی جنس سے ہو جو وہ کھاتا ہے یا اس سے افضل ہو۔ اگر گندم کھاتے ہوں تو جَو سے صحیح نہیں اور اگر مختلف غلے کھاتے ہوں تو بہتر کو اختیار

---

(۱) جلد اول ص ۲۰۴ باب فرض صدقۃ الفطر۔

کرے بہرحال جس سے بھی دے جائز ہے اور اسے اس طرح تقسیم کرے جس طرح زکوٰۃ کا مال تقسیم کیا جاتا ہے لہذا تمام مصارف زکوٰۃ (جن کو زکوٰۃ دی جاتی ہے) کو گھیرنا ضروری ہے (۱)
آٹا یا ستو دینا جائز نہیں (احناف کے نزدیک جائز ہے)
مرد پر اس کی بیوی، غلاموں، اولاد اور ہر وہ قریبی رشتہ دار جو اس کی کفالت میں ہے ان کا صدقہ فطر واجب ہے یعنی اس کے ماں باپ اور اولاد میں سے جن لوگوں کا نفقہ اس پر لازم ہے ان کی طرف سے صدقہ فطر دے گا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَدُّوْا صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَمَّنْ تَمُوْنُوْنَ۔ (۲)
ان لوگوں کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو جو تمہاری کفالت میں ہیں۔

(احناف کے نزدیک اگرچہ بیوی اور بالغ اولاد کا صدقہ فطر اس کے ذمہ نہیں لیکن اگر ادا کر دے تو ادا ہو جائے گا بشرطیکہ اس کی کفالت میں ہوں ورنہ اجازت ضروری ہو گی ۱۲ ہزاروی)
جو غلام دو آدمیوں میں شریک ہو تو دونوں پر صدقہ فطر ہو گا (احناف کے نزدیک کسی پر نہیں ہے) کافر غلام کا صدقہ فطر واجب نہیں اگر عورت خود اپنی طرف سے ادا کر دے تو کفایت کرے گا لیکن خاوند اس کی اجازت کے بغیر ادا کر دے تب بھی جائز ہے اور اگر کوئی شخص بعض افراد کا صدقہ ادا کر سکتا ہو تو بعض کا ادا کر دے اور ان میں سے اولیٰ وہ ہیں جن کا نفقہ زیادہ لازم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے نفقہ کو بیوی کے نفقہ پر اور بیوی کے نفقہ کو خادم کے نفقہ پر مقدم فرمایا۔ (۳)
یہ فقہی احکام ہیں مال دار آدمی کے لیے ان کا جاننا ضروری ہے اور بعض اوقات نئے واقعات رونما ہوتے ہیں جو ان مسائل سے باہر ہوتے ہیں تو اس وقت علماء کرام سے پوچھنے پر اکتفاء کرے لیکن یہ مسائل یاد ہونے چاہئیں۔

دوسری فصل:

ادائیگی اور اس کی ظاہری و باطنی شرائط

جاننا چاہیے کہ زکوٰۃ دینے والے پر پانچ باتوں کا لحاظ رکھنا لازمی ہے۔

---

(۱) احناف کے نزدیک عید سے پہلے جب چاہیں صدقہ فطر دے سکتے ہیں نیز گندم نصف صاع (دو کلو) ہے اگر جو یا کھجوریں دیں تو ایک کلو دیں نیز مصارف میں سے کسی ایک کو دے دیں تب بھی جائز ہے ۱۲ ہزاروی۔
(۲) سنن دار قطنی جلد ۲ ص ۱۳۹ کتاب زکوٰۃ الفطر
(۳) سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۲۲۸ کتاب الزکوٰۃ

۱۔ نیت کرنا یعنی دل سے فرض زکوٰۃ کی نیت کرے مال کی تعیین سنت ہے اور اگر مال غائب ہو تو یوں کہے کہ یہ میرے غائب مال کی زکوٰۃ ہے اگر وہ صحیح محفوظ ہے ورنہ نفلی صدقہ ہو جائے تو یہ کہنا جائز ہے کیونکہ تصریح نہ کرنے کی صورت میں جب مطلقاً کہتا تو بھی اسی طرح ہوتا۔ مجنون اور بچے کی طرف سے ولی کی نیت قائم مقام ہو جاتی ہے۔

اور جو شخص (مالک) زکوٰۃ دینے سے گریز کرتا ہے تو بادشاہ کی نیت اس کی نیت کے قائم مقام ہو جاتی ہے لیکن یہ ظاہری طور پر دنیوی حکم کے حوالے سے ہے کہ اب اس سے مطالبہ نہ ہو آخرت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری باقی رہے گی یہاں تک کہ وہ نئے سرے سے زکوٰۃ ادا کرے، اگر وہ ادائیگی کے لیے کسی کو وکیل بنائے اور وکیل بناتے وقت نیت کرے یا وکیل کو نیت کا بھی وکیل بنا دے تو یہ بھی کافی ہے۔ کیوں کہ نیت کا وکیل بنانا بھی نیت ہے۔

۲۔ سال گزرنے کے بعد ادائیگی میں جلدی کرنی چاہیے اور صدقہ فطر کو عید کے دن سے مؤخر نہیں کرنا چاہیے اور اس کے وجوب کا وقت رمضان المبارک کے آخری دن غروب آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے اور جلدی دینے کا وقت رمضان المبارک کا پورا مہینہ ہے اور جو آدمی قادر ہونے کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرے تو وہ گناہ گار ہوگا لیکن زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگی اگرچہ مال ہلاک ہو جائے اور قادر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے مستحق زکوٰۃ مل جائے۔ اور اگر مستحق نہ ملنے کی وجہ سے تاخیر کرے اور مال ہلاک ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ نصاب کے مکمل ہونے اور سال پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی میں جلدی کرنا جائز ہے (بلکہ ضروری ہے) دو سالوں کی زکوٰۃ پیشگی ادا کرنا بھی جائز ہے اور جب جلدی کرے اور سال گزرنے سے پہلے مسکین مر جائے یا وہ مالک مر جائے تو جو کچھ دیا وہ زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ اب واپس لینا ناممکن ہے البتہ دیتے وقت واپسی کی شرط رکھے تو لے سکتا ہے تو جلدی دینے والے کو امور آخرت اور آخرت کی سلامتی پیش نظر رکھنی چاہیے۔ (۱)

۳۔ اس مال کے عوض قیمت نہ دے بلکہ جس کے بارے میں حکم ہے وہی دے پس سونے کی جگہ چاندی اور چاندی کی جگہ سونا دینا جائز نہیں اگرچہ قیمت میں بہ زیادہ ہو۔ (احناف کے نزدیک قیمت دی جا سکتی ہے) اور شاید بعض لوگ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی غرض کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس بارے میں سستی سے کام لیں اور یوں سمجھیں کہ مقصد محتاجی کو دور کرنا ہے اور یہ بات علم سے بہت دور ہے کیونکہ حاجت کو پورا کرنا ضرور مقصود ہے لیکن تمام کا تمام مقصد یہی نہیں بلکہ شریعت کے واجبات کی تین قسمیں ہیں ایک یہ کہ وہ محض عبادت و اطاعت ہے ان میں کسی قسم کی غرض کا دخل نہیں ہوتا جس طرح جمرات

---

(۱) چوں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سال پورا ہونے سے پہلے بھی جائز ہے بشرطیکہ صاحب نصاب ہو لہذا جب اس نے زکوٰۃ ادا کی تو ادائیگی ہو جائے گی بعد میں پیدا ہونے والے ان عوارض سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ۱۲ ہزاروی

(منیٰ میں ستونوں) کو کنکریاں مارنا کیونکہ جمرہ تک کنکری کے پہنچنے سے کوئی غرض نہیں اس سے شریعت کا مقصود صرف اتنا ہے کہ بندے کی اس کام میں آزمائش کی جائے جو بظاہر عقل کے خلاف ہے کیونکہ عقل میں آنے والی بات کی طرف انسانی طبیعت مدد کرتی اور دعوت دیتی ہے لہٰذا غلامی اور بندگی کا خلوص ظاہر نہ ہوگا کیوں کہ بندگی اس صورت میں ظاہر ہوتی ہے جب صرف معبود کے حق حکم کی ادائیگی پیش نظر ہو۔ کوئی اور مقصد نہ ہو، حج کے اکثر اعمال کی یہی صورت ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احرام کے دوران فرمایا۔

لَبَّیْکَ بِحَجَّۃٍ حَقًّا تَعَبُّدًا وَرِقًّا۔ میں اس حج کے ساتھ حاضر ہوں جو محض اطاعت اور غلامی کے طور پر ثابت ہے۔ (۱)

یہ اس بات پر آگاہی ہے کہ یہ محض امر خداوندی کی تعمیل کے ذریعے بندگی کا اظہار ہے عقل کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کہ وہ اسی کی طرف مائل ہو اور اس کی ترغیب دے دوسری قسم میں وہ واجبات شرعیہ داخل ہیں جن سے کچھ حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے محض اطاعت ہی نہیں ہوتی جیسے لوگوں کے قرض واپس کرنا اور کوئی چیز غضب کی ہے تو اسے لوٹانا۔ لہٰذا یہاں اس کا فعل یا نیت معتبر نہیں کیونکہ بعض اوقات مستحق تک اس کا حق پہنچ جاتا ہے یا اس کا بدل پہنچتا ہے اور وہ اس پر راضی بھی ہوتا ہے تو اس طرح وجوب کی ادائیگی بھی ہو جاتی ہے اور شریعت کا خطاب (ادا کرو) بھی ساقط ہو جاتا ہے تو یہ دو وہ قسمیں ہیں جن میں کوئی ترکیب نہیں (دونوں الگ الگ ہیں) ان کو جاننے میں تمام لوگ مشترک ہیں۔ (۲)

تیسری قسم وہ مرکب ہے جس سے دو باتیں بیک وقت مقصود ہوتی ہیں یعنی بندوں کا حصہ اور مکلف کی عبادت کے ساتھ آزمائش، پس اس میں جمرات کو کنکریاں مارنے جیسی عبادت اور حقوق کی واپسی دونوں کا اجتماع ہوتا ہے یہ قسم ذاتی طور پر معقول ہے اور اگر شریعت کا حکم بھی آجائے تو دونوں معنوں کو جمع کرنا واجب ہوگا۔

لہٰذا ان کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے جو معنیٰ نہایت باریک ہے اسے بھول جانا مناسب نہیں۔ ممکن ہے جو زیادہ دقیق ہو وہی زیادہ اہم ہو۔ اور زکوٰۃ بھی اسی قسم سے ہے اور اس سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے علاوہ کسی نے خبردار نہیں کیا۔ محتاجی کو ختم کرنے کے سلسلے میں محتاج کا حق مقصود ہے اور یہ بات واضح اور ظاہر ہے اسے ذہن قبول کرتے

---

(۱)

(۲) زکوٰۃ کی ادائیگی کو کنکریاں مارنے پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ کنکریاں ایک غیر معقول عمل ہے محض حکم خداوندی کی تعمیل ہوتی ہے جس طرح قربانی وغیرہ لیکن زکوٰۃ میں فقیر کی حاجت کو پورا کرنا ایک معقول بات ہے اگر کسی کو زکوٰۃ میں بکری دی جائے تو وہ اسے کہاں سنبھالے کہاں یہ شکایت ہیں لیکن جب پیسے دیں گے تو وہ اپنی ضرورت کی ہر چیز خرید سکتا ہے فقہ حنفی میں انہی باتوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ (۱۲ ہزاروی)

ہیں اور تفصیل کی اتباع میں عبادت کا حق شریعت کا مقصود ہے اس اعتبار سے زکوٰۃ حج اور نماز کے ہم پلہ ہے کیوں کہ یہ اسلام کی بنیاد ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مکلف جب اپنے مال کی مختلف جنسوں کو الگ الگ کرکے اس کی ہر نوع جنس اور صفت سے حصہ نکالتا ہے پھر اسے آٹھ مصارف پر تقسیم کرتا ہے جیسا کہ آگے آئے گا تو اسے مشقت اٹھانا پڑتی ہے اب اس میں غفلت فقیر کے حصے کو نقصان نہیں پہنچاتی لیکن عبادت میں کوتاہی کا سبب ہے انواع مال کی تعیین سے عبادت مقصود ہے اس بات پر کچھ امور دلالت کرتے ہیں جنہیں ہم نے فقہیات میں اختلاف سے متعلق کتب میں ذکر کیا ہے ان میں سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ شریعت نے پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب کی ہے تو اونٹوں سے بکری کی طرف رجوع کیا نہ تو سونے چاندی کی طرف متوجہ کی گئی اور نہ قیمت کی طرف۔ اگر یہ بات فرض کی جائے کہ عربوں کے پاس نقدی کی کمی ہوتی تھی تو یہ بات باطل ہو جائے گی کہ نقصان کی صورت میں دو بکریوں کے ساتھ بیس درھم دیئے جائیں تو نقصان کی صورت میں نقصان کا اندازہ قیمت کے ساتھ کیوں نہیں لگایا۔ اور بیس درھم اور دو بکریوں کے ساتھ کیوں اندازہ لگایا گیا۔ اگرچہ کپڑے اور دیگر سامان سب کچھ اس کے معنیٰ میں ہے۔ تو یہ اور اس قسم کی دوسری تخصیصات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ زکوٰۃ کو عبادت کے مفہوم سے خالی نہیں چھوڑا جیسا کہ حج میں یہی مفہوم ہے بلکہ دونوں معنوں کو جمع فرمایا اور کمزور ذہن مرکبات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس سلسلے میں غلطی کا باعث یہی بات ہے۔

۴۔ زکوٰۃ دوسرے شہر کی طرف منتقل نہ کرے کیونکہ ہر شہر کے مساکین اس شہر کے مالوں پر نگاہ رکھتے ہیں اور اور دوسری طرف منتقل کرنے سے بدظنی پیدا ہوگی۔ اور اگر ایسا کیا تو ایک قول کے مطابق جائز ہے۔ لیکن اختلاف کے شبہ سے نکلنا زیادہ بہتر ہے لہٰذا پورے مال کی زکوٰۃ اسی شہر میں نکالے اور اس شہر کے تمام غرباء پر تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۵۔ اس شہر میں مصارف زکوٰۃ کی تعداد کے مطابق مال کو تقسیم کرے کیوں کہ مصارف کی تمام اقسام کو گھیرنا واجب ہے۔ (احناف کے نزدیک یہ ضروری نہیں) اس پر یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۤءِ وَالْمَسٰكِيْنِ (۱) بے شک صدقات فقراء اور مساکین کے لیے ہیں۔ (۲)

یہ بیمار کے اس قول کی طرح ہے کہ میرے مال کا تہائی حصہ فقراء اور مساکین کے لیے ہے اور یہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مالک بنانے میں ان سب کو شریک کیا جائے اور عبادات میں ظاہر مفہوم مراد لینے سے بچنا چاہیے اگر شہر ان

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۶۰

(۲) اس آیت میں صرف استحقاق بیان ہوا کہ فلاں فلاں لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں یہ نہیں کہ سب کو دینا ضروری ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔

ہیں دو قسم کے مستحق نہیں پائے جاتے ایک وہ جن کو اسلام کے لیے تالیف قلوب کی خاطر زکوٰۃ دی جاتی تھی دوسرے زکوٰۃ کے لیے کام کرنے والے۔ شہروں میں چار اقسام باقی جاتی ہیں۔ فقراء، مساکین، قرضدار اور مسافر یعنی ابن سبیل دو قسمیں بعض شہروں میں پائی جاتی ہیں اور بعض جگہ نہیں۔ وہ جہاد کرنے والے اور مکاتب لوگ ہیں۔ (مکاتب وہ غلام جس کو مالک نے کہا کہ اتنی رقم ادا کرے آزاد ہو جاؤ اب مکاتب نہیں کیوں کہ غلامی کا سلسلہ ختم ہو گیا ۱۲ ہزاروی)

اگر پانچ قسموں کے لوگ مل جائیں تو ان کے درمیان اپنے مال کی زکوٰۃ تقسیم کر دیں برابر ہوں یا قریب ہوں ہر ایک کے لیے ایک حصہ مقرر کرے پھر ہر قسم کو تین قسموں میں تقسیم کرے یا زیادہ حصے کرے وہ باہم برابر ہوں یا تھوڑا بہت فرق ہو۔ ایک قسم کے تحت سب کو برابر برابر دینا واجب نہیں۔ اس کے لیے جائز ہے کہ دس یا بیس پر تقسیم کرے پس ہر ایک کا حصہ کم ہو گا لیکن اقسام مصارف زیادتی اور کمی کو قبول نہیں کرتیں لہٰذا ہر قسم میں تین سے کم نہ کرے اگر وہ پائے جاتے ہوں۔ پھر اگر صدقہ فطر کا ایک ہی صاع واجب ہوتا ہو اور پانچ قسم کے مصارف پائے جائیں تو اسے چاہیے کہ پندرہ آدمیوں کو دے اور اگر امکان کے باوجود ایک کو نہ پہنچے تو اس ایک کے حصے کا تاوان بھرے اور واجب کے کم ہونے کی وجہ سے یہ مشکل ہو تو ایک جماعت کو جن پر زکوٰۃ واجب ہے اپنے ساتھ شریک کرے اور اپنے مال کو ان کے مال کے ساتھ ملائے پھر مستحقین کو جمع کرے اور ان کے سپرد کر دے تاکہ وہ آپس میں تقسیم کر دیں کیوں کہ یہ عمل ضروری ہے۔(۱)

باطنی آداب کی باریکیاں

جان لو کہ آخرت کے راستے کا ارادہ کرنے والے پر زکوٰۃ کے سلسلے میں کچھ ذمہ داریاں ہیں۔

پہلی ذمہ داری۔ وجوب زکوٰۃ اور اس کے معنی کو سمجھنا اس کے ذریعے آزمائش کی وجہ کیا ہے اسے اسلام کے بنیادی ارکان میں سے کیوں قرار دیا گیا حالانکہ یہ مالی تصرف ہے اور بدنی عبادات میں سے نہیں ہے اس میں تین معانی ہیں۔

۱۔ کلمہ شہادت کا تلفظ توحید کو اختیار کرنے کی خاطر ہے نیز یہ کہ معبود ایک ہے اور وفاداری کی تکمیل کے لیے شرط ہے کہ موحد کے لیے اس ذات واحد کے سوا کوئی محبوب نہ رہے کیونکہ محبت، شرکت کو قبول نہیں کرتی اور زبان کے ساتھ توحید میں کوئی خاص آزمائش نہیں محب کے مقام کا امتحان محبوب کی مفارقت کے ذریعے ہوتا ہے اور مال، مخلوق کے

---

(۱) یہ عمل ناممکن ہے اب ایک صاع (چار کلو) پندرہ آدمیوں پر تقسیم کریں تو ایک ایک کے حصے میں کیا آئے گا اور مختلف زکوٰۃ دہندگان کو جمع کرنا بھی مشکل ہے اس لیے احناف کا طریقہ آسان ہے یعنی ضروری نہیں کہ تمام اقسام کے مصارف کو دیں کسی ایک قسم کے لوگوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اور کسی ایک کو بھی دے سکتے ہیں بشرطیکہ نصاب کا مالک نہ بنائیں لہٰذا احناف کے طریقے پر عمل کرنے میں آسانی ہے ۱۲ ہزاروی۔

نزدیک محبوب ہیں کیونکہ دنیا میں ان کے نفع کا آلہ یہی ہیں اور ان کے ذریعے وہ اس جہان سے محبت کرتے اور موت سے نفرت کرتے ہیں حالانکہ اسی (موت) کے ذریعے محبوب کی ملاقات ہوتی ہے لہٰذا ان کے دعویٰ کی تصدیق کے لیے محبوب چیزیں ان کی آزمائش کی جاتی ہے اور ان سے اس مال کا مطالبہ کیا گیا جو ان کی منظورِ نظر ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے کہ اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔

اور یہ بات جہاد سے حاصل ہوتی ہے اور وہ شوق خداوندی میں جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے اور مال کے ساتھ چشم پوشی کرنا آسان ہے جب مال خرچ کرنے کے سلسلے میں یہ معنی سمجھ آ گیا تو اب لوگوں کی تین قسمیں بن گئیں۔

ایک قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے توحید کی تصدیق کی اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے تمام مال کو چھوڑ دیا انہوں نے کوئی دینار اور درہم جمع نہ کیا وہ وجوب زکوٰۃ کے درپے نہ ہوئے حتیٰ کہ ان میں سے بعض سے پوچھا گیا کہ دو سو درھموں میں کتنی زکوٰۃ واجب ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا شریعت کے مطابق عوام پر پانچ درھم واجب ہیں لیکن ہم پر سب کچھ واجب ہے اسی لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال خرچ کر دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نصف مال خرچ کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا تو انہوں نے عرض کیا جتنا لایا ہوں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ تو انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے آپ نے فرمایا تمہارے درمیان وہی فرق ہے جتنا تم دونوں کے کلمات میں ہے (۲) تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صدق کو پورا فرمایا اور اپنے پاس محبوب یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کا درجہ ان سے کم ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال روک کر رکھتے ہیں حاجات اور خیرات کے موسموں کے منتظر رہتے ہیں تو مال جمع کرنے سے ان کا مقصد حاجت کے مطابق خرچ کرنا ہے عیاشی مقصود نہیں وہ حاجت سے زائد مال کو نیکی کے مقامات پر خرچ کرتے ہیں جب ضرورت پڑے یہ لوگ زکوٰۃ کی مقدار پر اکتفا نہیں کرتے تابعین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں جیسے حضرت نخعی، حضرت شعبی حضرت عطاء اور حضرت مجاہد رحمہم اللہ۔ حضرت شعبی سے پوچھا گیا کہ کیا مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی حق ہے!

---

(۱) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۱۱۱

(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۳۶ کتاب الزکوٰۃ

انہوں نے فرمایا ہاں کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی (۱) اور وہ اس کی محبت میں (مال) رشتہ داروں کو دیتا ہے۔

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ارشادِ خداوندی ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (۲) اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ (۳) اور ہم نے جو کچھ تمہیں دیا اس سے خرچ کرو۔

ان حضرات کا خیال ہے کہ یہ حکم آیت زکوٰۃ سے منسوخ نہیں ہوا بلکہ مسلمان کے مسلمان پر حق میں داخل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خوشحال آدمی جب کسی محتاج کو پائے تو اس پر واجب ہے کہ مال زکوٰۃ سے زائد مال کے ذریعے اس کی حاجت کو پورا کرے۔

اس بات میں فقہ سے جو بات صحیح ہے وہ یہ ہے کہ جب اسے حاجت تنگ کرے تو دوسروں پر فرض کفایہ ہے کہ وہ اس کا ازالہ کریں کیونکہ کسی مسلمان کو ضائع کرنا جائز نہیں لیکن یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مال دار آدمی اسے اتنا قرض دے جس سے اس کی حاجت پوری ہو جائے اور جب اپنے مال کی زکوٰۃ دے دے تو اب مزید کچھ خرچ کرنا لازمی نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اس وقت اس پر خرچ کرنے اور فقیر کو قرض لینے کی تکلیف ڈالنا جائز نہیں۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے قرض لینا عوام کے درجات میں سے آخری درجہ کی طرف اترنا ہے اور یہی تیسری قسم ہے یعنی اس قسم کے لوگ واجب کی ادائیگی پر اکتفا کرتے ہیں نہ اس میں اضافہ کرتے ہیں اور نہ کمی۔ اور یہ سب سے کم مرتبہ ہے۔

تمام عوام اسی پر اکتفا کرتے ہیں کیوں کہ وہ مال میں بخل سے کام لیتے ہیں اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور آخرت سے محبت میں کمزور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنْ یَّسْئَلْکُمُوْھَا فَیُحْفِکُمْ تَبْخَلُوْا۔ (۴) اگر وہ تم سے مال مانگے اور اس میں مبالغہ کرے تو تم بخل کرو گے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۱۷۷

(۲) قرآن مجید سورۂ الانفال آیت ۳

(۳) قرآن مجید سورۂ منافقون آیت ۱۰

(۴) قرآن مجید سورۂ محمد آیت ۳۷

تو ان دونوں بندوں میں کتنا فرق ہے کہ ایک سے اس کا مال اور جان جنت کے بدلے میں خریدتے اور دوسرا وہ ہے کہ اس کے بخل کی وجہ سے اس پہ زور نہیں ڈالا جاتا۔ تو بندوں کو مال خرچ کرنے کے بارے میں اللہ تعالٰی کے حکم کی ایک وجہ یہ ہے۔

دوسرا معنیٰ۔ بخل کی صفت سے پاک کرنا ہے کیوں کہ یہ ہلاک کرنے والے امور میں سے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ شُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ۔ (۲)

تین باتیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں وہ بخل جس کی پیروی کی جائے خواہشات جن کی اتباع کی جائے اور آدمی کا خود پسندی میں مبتلا ہونا۔

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (۳)

اور جو لوگ اپنے نفس کو لالچ سے بچاتے ہیں وہی فلاح پانے والے ہیں۔

مہلکات کے بیان میں آئے گا کہ یہ چیزیں باعث ہلاکت کیوں ہیں اور ان سے نجات کی صورت کیا ہے۔ بخل اس طرح دور ہوتا ہے کہ انسان مال خرچ کرنے کا عادی ہو جائے کیوں کہ کسی چیز کی محبت اسی صورت میں ختم ہو سکتی ہے جب وہ اس کے چھوڑنے پر نفس کو مجبور کرے حتیٰ کہ وہ اس کی عادت بن جائے اس معنیٰ کے اعتبار سے زکوٰۃ پاک کرنے والی ہے یعنی مال والے کو ہلاک کرنے والے بخل سے پاک کر دیتی ہے اور پاکیزگی اسی اندازے سے ہوگی جس قدر وہ خرچ کرے گا اور زکوٰۃ دیتے وقت جس قدر خوش ہوگا۔

تیسرا معنیٰ نعمت کا شکر ادا کرنا ہے کیوں کہ اللہ تعالٰی نے انسان پر اس کی جان اور مال کے اعتبار سے انعام فرمایا تو بدنی عبادات نعمتِ بدن کا شکر ہے اور مالی عبادت نعمتِ مال پر شکر ادا کرنا ہے وہ شخص کتنا گھٹیا ہے کہ جو دیکھتا ہے کہ فقیر کو رزق کی تنگی ہے اور وہ اس کا محتاج ہے پھر وہ اللہ تعالٰی کا شکر ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا کہ اس نے اسے سوال سے بے نیاز کر دیا۔ اور مال کے چالیسویں یا دسویں کے لیے دوسروں کو اس کا محتاج کیا۔

دوسری ذمہ داری۔ ادائیگی کے وقت سے متعلق ہے تو دین دار لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ وجوب کے وقت سے پہلے ادا کریں کیونکہ یہ حکم خداوندی کو پورا کرنے میں رغبت کا اظہار ہے کہ وہ فقراء کے دلوں کو خوش کر رہا ہے اور یہ کہ

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۵۰ حدیث ۴۳۸۶۶

(۲) قرآن مجید، سورۂ تغابن آیت ۱۶

رہتا ہے کہ رکاوٹوں سے محفوظ ہوتا ہے کہ کہیں وہ نیکیوں سے روک نہ دیں اور جانتا ہے کہ تاخیر میں نقصانات ہیں اور وقت وجوب سے مؤخر کرنے کے باعث گناہ میں مبتلا ہو جائے گا بعض اوقات اندر سے نیکی کی آواز آتی ہے تو اسے غنیمت سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ فرشتے کی طرف سے القاء ہوتا ہے اور بندے کا دل اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے اور وہ بہت جلد بدل جاتا ہے جب کہ شیطان محتاجی سے ڈراتا اور بے حیائی و منکرات کا حکم دیتا ہے اور یہ فرشتے کی طرف سے القاء کے بعد ہوتا ہے لہٰذا فرصت کو غنیمت سمجھے اگر زکوٰۃ اکٹھی دینا چاہتا ہو تو اس کے لیے ایک مہینہ مقرر کر دے اور کوشش کرے کہ وہ سب سے اچھا وقت ہو تاکہ یہ قربت کے اضافے اور زکوٰۃ کے بڑھنے کا سبب بنے اور یہ محرم جیسا مہینہ ہے کیوں کہ یہ سال کا پہلا مہینہ ہے اور عزت والے مہینوں میں سے ہے یا رمضان المبارک کا مہینہ مقرر کرے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے اور رمضان شریف میں آندھی کی طرح ہوتے اور اس میں کوئی چیز باقی نہیں چھوڑتے تھے۔(۱) رمضان المبارک کو لیلۃ القدر کی فضیلت بھی حاصل ہے اور اسی میں قرآن پاک نازل ہوا۔ حضرت مجاہد فرماتے کہ "رمضان" نہ کہو کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے بلکہ "ماہ رمضان" کہو۔ ذوالحجہ بھی مشہور مہینہ ہے اور اس کی فضیلت زیادہ ہے کیونکہ یہ بھی عزت والا مہینہ ہے اور اس میں حج اکبر ہوتا (۲) اور اس میں (ایام معلومات) معلوم دن ہیں اور وہ پہلے دس دن ہیں اور ایام معدودات (گنے ہوئے دن) ہیں اور یہ ایام تشریق ہیں ماہ رمضان المبارک کے بہترین دن، آخری عشرہ ہے اور ذوالحجہ کے افضل دن، پہلے دس دن ہیں۔

تیسری ذمہ داری: پوشیدہ طور پر دینا کیونکہ یہ ریاکاری اور ستانے سے زیادہ بعید ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ جُھْدُ الْمُقِلِّ اِلٰی فَقِیْرٍ سِرًّا۔ (۳)

بہترین صدقہ کم مایہ انسان کا محنت مشقت کر کے کسی فقیر کو پوشیدہ طور پر دینا ہے۔

اور بعض علماء کرام نے فرمایا:

ثَلَاثٌ مِنْ کُنُوْزِ الْبِرِّ مِنْھَا اِخْفَاءُ الصَّدَقَۃِ۔ (۴)

تین چیزیں نیکی کے خزانوں سے ہیں۔ ان میں سے ایک پوشیدہ طور پر صدقہ دینا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۳ باب المناقب

(۲) عمرے کے مقابلے میں حج کو حج اکبر کہا جاتا یعنی عمرہ حج اصغر اور حج، حج اکبر ہے ۱۲ ہزاروی

(۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۴۰ کتاب الصلوٰۃ

(۴) کنز العمال جلد ۵ ص ۱۲، حدیث ۲۳۲۲۷

یہ مسئلہ حدیث کے طور پر بھی مروی ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلًا فِي السِّرِّ فَيَكْتُبُهُ اللهُ لَهُ سِرًّا وَإِنْ أَظْهَرَهُ نُقِلَ مِنَ السِّرِّ وَكُتِبَ فِي الْعَلَانِيَةِ فَإِنْ تَحَدَّثَ بِهِ نُقِلَ مِنَ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَكُتِبَ رِيَاءً۔ (۱)

بے شک بندہ کوئی عمل پوشیدہ طور پر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے پوشیدہ طریقے پر ثواب لکھتا ہے اور اگر اسے ظاہر کرے تو وہ پوشیدگی سے ظاہر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اگر اسے بیان کرے تو پوشیدگی اور ظاہر دونوں سے منتقل ہو جاتا ہے اور ریاکاری لکھی جاتی ہے۔

اور مشہور حدیث میں ہے:۔

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ أَحَدُهُمْ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَلَمْ تَعْلَمْ شِمَالُهُ بِمَا أَعْطَتْ يَمِينُهُ۔ (۲)

سات قسم کے آدمی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن سایہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو صدقہ کرتا ہے تو بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں ہوتا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

اور ایک دوسری حدیث شریف میں ہے:

صَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ (۳)

پوشیدہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (۴)

اور اگر تم صدقہ چھپا کر فقراء کو دو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

پوشیدہ صدقہ کا فائدہ یہ ہے کہ دکھاوے اور سنانے کی مصیبتوں سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱)

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۹۱ کتاب الزکوٰۃ

(۳) مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۱۱۵ باب صدقۃ السر

(۴) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۷۱

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْ مُسْمِعٍ وَلَا مُرَاءٍ وَلَا مَنَّانٍ (۱)
اللہ تعالیٰ (دوسروں کو) سنانے والے، دکھانے والے اور احسان جتلانے والے سے قبول نہیں کرتا۔

جو آدمی اپنے صدقہ کا تذکرہ کرتا ہے وہ سنانا چاہتا ہے اور لوگوں کے اجتماع میں صدقہ دینے والا ریاکاری کا متلاشی ہے البتہ پوشیدہ طور پر دینا اور خاموشی اختیار کرنا باعثِ نجات ہے۔

ایک جماعت نے پوشیدگی کی فضیلت میں مبالغہ کیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے کوشش کی کہ صدقہ لینے والا دینے والے کو پہچان نہ سکے۔

ان میں سے بعض حضرات نابینا آدمی کے ہاتھ میں دیتے اور فقیر کے راستے میں ڈال دیتے اور وہاں رکھ دیتے جہاں وہ بیٹھا ہوتا وہ مال کو دیکھ لیتا لیکن دینے والا نظر نہ آتا۔ اور بعض حضرات سوئے ہوئے فقیر کے کپڑے میں باندھ دیتے اور کچھ حضرات دوسروں کے ذریعے فقیر تک پہنچا دیتے کہ وہ دینے والے کو نہ جانتا اور وہ اس وکیل سے کہہ دیتا کہ اس کے بارے میں نہ بتائے اور وہ اس کو پوشیدہ رکھتا۔ یہ تمام طریقے اس لئے استعمال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی آگ کو بجھا دیں نیز ریاکاری اور سنانے سے بچ جائیں اور اگر ایک شخص کو پہچانے بغیر دینا ممکن نہ ہو تو وکیل کو دے تاکہ وہ اس کے حوالے کردے اور یہ مسکین کو نہ پہچان سکے کیونکہ مسکین کے پہچان لینے میں ریاکاری بھی ہوگی اور احسان بھی — اور وکیل کی پہچان سے صرف ریاکاری ہوگی۔ اور جب شہرت مقصود ہو تو عمل ضائع ہوجاتا ہے کیوں کہ زکوٰۃ بخل کو زائل کرنے اور مال کی محبت کو کمزور کرنے کا سبب ہے اور محبت مال کی نسبت محبت جاہ و مرتبہ نفس پر زیادہ غالب آتی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک آخرت میں ہلاک کرنے والی ہے لیکن بخل قبر میں کاٹنے والے بچھو کی شکل میں آتا ہے اور ریاکاری قبر میں گنجے سانپ کی مثل بن کر آتی ہے اور انسان کو حکم ہے کہ وہ ان دونوں کی اذیت کو دور کرنے یا کم کرنے کے لیے ان کو کمزور کرے یا قتل کردے۔ اور جب وہ دکھاوے اور سنانے کا قصد کرے گا تو گویا وہ بچھو کے بعض اعضاء کو سانپ کی غذا بنا دے گا اس طرح بچھو جس قدر کمزور ہوگا سانپ کی قوت زیادہ ہوگی اور اگر معاملے کو جوں کا توں چھوڑ دے تو اس پر کام آسان ہوگا۔ ان صفات کے تقاضے کے مطابق کام کرے تو انہیں قوت حاصل ہوتی ہے اور ان کے تقاضے کے خلاف کرے تو یہ کمزور ہوتی ہیں تو بخل کو چاہنے والے امور کی مخالفت اور ریاکاری کے داعی امور کو مان لینے کا کیا فائدہ ہے اس طرح ادنیٰ کمزور ہوجاتا ہے اور جو زیادہ قوی ہے وہ مزید مضبوط ہوتا ہے ان معانی کے اسرار، مہلکات کے بیان میں آئیں گے۔

چوتھی ذمہ داری - جہاں لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے علانیہ صدقہ دینا مناسب خیال کرے وہ ظاہری طور پر دے

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۴۲ حدیث ۴۳۸۱۲

اور اپنے باطن کو ریا کاری کے طریقے سے اس طرح بچائے جو طریقہ ہم ریا کے بیان میں ریا کے علاج کے سلسلے میں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ (۱) اگر تم علانیہ صدقہ دو تو یہ کیا ہی اچھا ہے۔

اور یہ اس جگہ ہے جہاں حال علانیہ دینے کا تقاضا کرے یا تو دوسروں کو اس راستے پر لانے کے لیے یا اس لیے کہ مانگنے والے نے لوگوں کی موجودگی میں مانگا۔ لہٰذا علانیہ دینے کی وجہ سے ریا کے خوف کے باعث ترک صدقہ مناسب نہیں بلکہ صدقہ دے کر اپنے باطن کو حتی الامکان ریا کاری سے بچائے یہ اس لیے کہ علانیہ دینے میں احسان اور ریا کاری کے علاوہ ایک تیسری بات ممنوع ہے اور وہ فقیر کا پردہ کھولنا ہے کیونکہ بعض اوقات فقیر کی صورت میں دیکھا جانا اس کے لیے اذیت کا باعث ہوتا ہے تو جس نے سوال کیا اس نے اپنا پردہ خود ہی کھول دیا لیکن علانیہ دینے میں یہ تیسری خرابی ممنوع نہ رہے گی۔ جس طرح ایک شخص پوشیدہ طور پر گناہ کرتا ہے تو اسے ظاہر کرنا ممنوع ہے لیکن اس کی ٹوہ لگانا اور اس کے ذکر کی عادت بنا لینا بھی منع ہے۔ لیکن جو آدمی علانیہ فسق کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر حد قائم کرنا ظاہر کرنا ہی تو ہے۔ لیکن اس کا سبب وہ تو دہے اسی سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے آپ نے فرمایا:

مَنْ اَلْقٰی جِلْبَابَ الْحَیَاءِ فَلَا غِیْبَۃَ لَہٗ۔ (۲) جو آدمی حیا کی چادر کو اتار ڈالے اس کی غیبت نہیں ہوتی۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً (۳) اور انہوں نے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کیا۔

تو علانیہ دینا بھی مستحب ہے کیوں کہ اس میں ترغیب کا فائدہ ہے تو انسان کو وقت نظر سے اس فائدے کے وزن کا اس ممنوع سے تقابل کرنا چاہیے جو اس سلسلے میں وارد ہے کیونکہ یہ بات حالات اور شخصیات کے حوالے سے مختلف ہوتی رہتی ہے بعض حالات میں علانیہ دینا بعض لوگوں کے لیے افضل ہوتا ہے اور جو شخص فوائد اور خرابیوں کو خواہش کی نگاہ سے ہٹ کر دیکھتا ہے اس پر اس کی حالت کے لائق اور اولیٰ بات سامنے آجاتی ہے۔

(۱) قرآن مجید، سورۃ البقرہ آیت ۲۷۱

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۲۱۰ کتاب الشہادات۔

(۳) قرآن مجید، سورۃ فاطر آیت ۲۹

پانچویں ذمہ داری :- احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر اپنے صدقہ کو فاسد نہ کرے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى۔ (۱) اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر باطل نہ کرو۔

احسان اور اذیت کی حقیقت میں اختلاف ہے کہا گیا کہ احسان جتانے سے مراد اس کا ذکر کرنا ہے اور اسے ظاہر کرنا اذیت پہنچانا ہے۔

حضرت سفیان فرماتے ہیں۔ "جو آدمی احسان جتاتا ہے اس کا صدقہ فاسد ہو جاتا ہے پوچھا گیا احسان جتانے کی کیا صورت ہے؟ فرمایا اسے ذکر کرنا اور بیان کرنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عطیہ دے کر خدمت لینا بھی احسان جتانا ہے۔ اور اسے محتاجی کی عار دلانا اذیت پہنچانا ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ اپنے عطیہ کی وجہ سے اس پر تکبر کرے تو یہ احسان جتانا ہے اور مانگنے پر جھڑکنا اور توبیخ کرنا اذیت پہنچانا ہے۔

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَدَقَةَ مَنَّانٍ (۲) اللہ تعالیٰ احسان جتانے والے کا صدقہ قبول نہیں کرتا۔

اور میرے نزدیک احسان جتانے کی ایک اصل اور جڑ ہے اور وہ دل کی احوال اور صفات سے متعلق ہے پھر اس سے ظاہری حالات زبان اور اعضاء پر متفرع ہوتے ہیں تو اس کی اصل یہ ہے کہ وہ سمجھے ہیں نے اس پر احسان و انعام کیا ہے حالانکہ حق تو یہ ہے کہ فقیر کا احسان مند ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا حق قبول کیا جو اس کے لیے طہارت اور جہنم سے نجات کا باعث ہے اگر وہ قبول نہ کرتا تو یہ اس کی وجہ سے گروی رہتا تو حقیقت یہ ہے کہ وہ فقیر کا احسان مانے کہ اس نے حق خداوندی قبول کرنے کے لیے اپنی ہتھیلی کو اللہ تعالیٰ کا نائب بنایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِنَّ الصَّدَقَةَ تَقَعُ بِيَدِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَبْلَ أَنْ تَقَعَ فِي يَدِ السَّائِلِ۔ (۳) بے شک صدقہ مانگنے والے کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتا ہے۔

تو اسے یہ یقین کرنا چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق اس کے سپرد کر رہا ہے اور فقیر اللہ تعالیٰ سے اپنا رزق وصول کر رہا ہے کیونکہ اب وہ اس کے پاس پہنچ چکا ہے اگر اس شخص پر کسی کا قرض ہو اور قرض خواہ کہہ دے کہ یہ رقم اس قرض خواہ کے غلام یا خادم کو دے جو اس (قرض خواہ) کے زیر کفالت ہے تو اب قرض ادا کرنے والے کا یہ تصور کرنا کہ جن لوگوں کو اس

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ ۲۶۴

(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۲۲ حدیث ۱۲ ۱۸ ۴۳ (۳)

نے جو رقم دی ہے ان پر اس نے احسان کیا ہے یہ بیوقوفی اور جہالت ہے کیوں کہ احسان کرنے والا وہ ہے جو اس کے رزق کا کفیل ہے اس نے سو وہ چیز ادا کی ہے جو اپنی پسندیدہ چیز خریدنے کی وجہ اس پر لازم ہوتی تھی تو وہ اپنے ذاتی حق میں کوشش کر رہا ہے دوسروں پر اس کا کیا احسان ہے۔

اور جب وہ ان تین معانی کو سمجھ لے جو ہم نے وجوب زکوٰۃ کو سمجھنے کے سلسلے میں ذکر کئے ہیں یا ایک ہی کو سمجھ لے تو وہ صرف اپنی ذات پر احسان خیال کرے گا یعنی مال کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں خرچ کر رہا ہے یا اپنے آپ کو بخل کی برائی سے پاک کر رہا ہے یا مزید حاصل کرنے کے لیے مالی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے بہر حال جو بھی صورت ہو وہ اس کو فقیر پر احسان نہیں قرار دے سکتا کیوں کہ یہ اس کا اور فقیر کا معاملہ نہیں ہے بعض اوقات یہ جہالت یوں ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اسے اسی پر احسان قرار دیتا ہے تو اس سے عمل ظاہر ہوتا ہے جو احسان جتانے کے معنیٰ میں ذکر کیا گیا یعنی وہ اسے بیان کرتا ہے اور اس کا اظہار کرتا ہے اور اس سے بدلہ طلب کرتا ہے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے اس سے دعا، خدمت، عزت افزائی، تعظیم، اس کے حقوق کی ادائیگی، مجالس میں مقدم کرنا ہر بات میں اس کی پیروی کرنا وغیرہ امور کی خواہش رکھتا ہے اور یہ تمام باتیں احسان جتانے کا نتیجہ ہیں۔ اور احسان جتانے کا باطنی معنیٰ وہ ہے۔

جہاں تک اذیت پہنچانے کا تعلق ہے تو ظاہری طور پر اس کا مطلب جھڑکنا، سخت کلام کرنا، ترش روئی سے پیش آنا اسے ظاہر کر کے پردہ فاش کرنا ہے اور اس فقیر کو حقیر سمجھنے کے طریقے اختیار کرنا ہے باطنی اذیت کا مرکز دو باتیں ہیں ایک مال سے ہاتھ اٹھا لینا اور اسے نفس پر گراں سمجھنا کیوں کہ یہ بات مخلوق کے لیے یقیناً تنگی کا باعث ہوتی ہے۔ دوسرا اپنے آپ کو فقیر سے اچھا سمجھنا اور یہ کہ فقیر اپنی حاجت کے سبب اس سے خسیس ہے اور ان دونوں باتوں کی بنیاد جہالت ہے کسی کو مال دینے کے عمل کو ناپسند کرنا تو نری بیوقوفی ہے کیوں کہ جو ایک ہزار کے برابر چیز پر ایک درہم خرچ کرنے کو ناپسند کرتا ہے وہ بہت زیادہ بیوقوف ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ (زکوٰۃ دینے والا) اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور دار آخرت میں ثواب حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتا ہے اور یہ اس مال سے بہتر ہے جسے وہ اپنے نفس کو بخل کی رذالت سے پاک کرنے یا طلب زائد کے لیے شکر کرنے کی خاطر خرچ کرتا ہے یا کرے گا۔ اور یہ بات کیسے فرض کی جائے جب کہ ناپسند کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

اور دوسری بات بھی جہالت ہے کیوں کہ اگر وہ غنا کے مقابلے میں فقر کی فضیلت کو جانتا اور اسے معلوم ہوتا کہ مالدار لوگوں کے لیے کتنا خطرہ ہے تو فقیر کو حقیر نہ سمجھتا بلکہ وہ اس کے ذریعے برکت حاصل کرتا اور اس کے درجے پر پہنچنے کی تمنا کرتا کیوں کہ نیک مالدار لوگ فقراء سے پانچ سو سال بعد جنت میں جائیں گے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ — رب کعبہ کی قسم! وہ زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں!

اَبُوْ ذَرٍّ مَنْ هُمْ ؟ قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالًا (۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون آپ نے فرمایا جن کے پاس مال زیادہ ہے (اور وہ راہ حق میں خرچ نہیں کرتے)

پھر یہ شخص کس طرح فقیر کو حقیر خیال کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے لئے منڈی بنایا کیوں کہ یہ اپنی محنت سے کماتا اور مال میں اضافہ کرتا ہے اور حاجت کی مقدار مال کی حفاظت کرتا ہے اور اس پر لازم کیا گیا کہ وہ فقیر کی ضرورت کے مطابق اسے دے اور جو زائد ہے اور اس کے لیے نقصان دہ ہے اس کو روک لے گویا فقیر کے رزق کے سلسلے میں مالدار اس کا خادم ہے پھر یہ لوگوں کے حقوق اپنے ذمہ لینے، مشقت برداشت کرنے اور زوائد کی حفاظت کرنے میں وہ فقیر اس سے جدا ہے یہاں تک کہ یہ مر جاتا ہے تو اس کا مال دشمن کھاتے ہیں تو اس صورت میں جب کراہت خوشی اور سرور میں بدل جاتی ہے کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے واجب کی ادائیگی کرتا ہے اور اسے فقیر کے قبضہ میں دیتا ہے حتیٰ کہ وہ فقیر اسے قبول کر کے اس شخص کو ذمہ داری سے عہدہ برآ کرتا ہے تو اب اذیت پہنچانا جھڑکنا اور ترش روئی وغیرہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور یہ باتیں خوشی، تعریف اور احسان قبول کرنے میں بدل جاتی ہیں تو احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے کا منشاء یہ ہے۔

سوال :۔

اگر تم ہو کہ اپنے آپ کو محسن خیال کرنا ایک باریک بات ہے تو کیا کوئی ایسی علامت ہے جس کے ساتھ دل کا امتحان ہو اور معلوم ہو سکے کہ وہ اپنے آپ کو احسان جتانے والا خیال نہیں کرتا۔

جواب :۔

تم جان لو کہ اس کی ایک باریک لیکن واضح علامت ہے وہ یہ کہ فرض کر لے اگر فقیر اس کا کوئی نقصان کر دے یا اس کے کسی دشمن کی مدد کرے تو کیا اس کی نفرت اور اس سے دوری جواب پیدا ہوئی کیا زکوٰۃ دینے سے پہلے کی نفرت سے یہ زیادہ ہے؟ اگر زیادہ ہے تو اس کا صدقہ احسان جتلانے کے شائبہ سے خالی نہیں کیوں کہ اسے اب اس بات کی توقع ہے جو صدقہ دینے سے پہلے نہ تھی۔

علاج :

اگر تم کہو کہ یہ بھی ایک باریک بات ہے اور کسی شخص کا دل اس سے خالی نہیں ہو سکتا تو اس کا علاج کیا ہے؟ تو جان لو کہ اس کا ایک علاج باطنی ہے اور ایک ظاہری، باطنی علاج ان حقائق کی معرفت حاصل کرنا ہے جو ہم نے

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۲۰ کتاب الزکوٰۃ

وجوب کو سمجھنے کے سلسلے میں ذکر کئے ہیں۔ اور فقیر ہی اس پر احسان کرتا ہے کیوں کہ وہ زکوٰۃ قبول کر کے اس کے مال کی طہارت کا ذریعہ بنتا ہے۔

ظاہری علاج یہ ہے کہ وہ ایسے اعمال کرے جو ممنون آدمی کرتا ہے کیوں کہ انسان کے ظاہری اخلاق و اعمال کا دل پر رنگ چڑھتا ہے جیسے کتاب کے نصف آخر میں ذکر ہوگا یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات فقیر کے سامنے صدقہ رکھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور اس سے قبولیت کی درخواست کرتے حتیٰ کہ وہ مانگنے والوں کی شکل میں ہو جاتے اور اس کے باوجود انہیں مرد کرنے کا خوف رہتا اور بعض بزرگ تو اپنی ہتھیلی آگے پھیلا دیتے تاکہ فقیر ان کی ہتھیلی سے پکڑ لے اور فقیر کا ہاتھ بلند رہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما جب فقیر کی طرف خیرات بھیجیں تو لے جانے والے کو حکم دیتیں کہ اس کے دعائیہ کلمات کو یاد رکھنا پھر اس جیسے الفاظ کے ساتھ دعا کا جواب دیتیں اور فرماتی تھیں کہ دعا کے بدلے دعا اس لیے دی ہے کہ ہمارا صدقہ بچا رہے۔ اور وہ لوگ دعا کی توقع بھی نہیں رکھتے تھے کیوں کہ یہ بدلے کے مشابہ ہے۔ اور وہ دعا کے بدلے میں اسی طرح کی دعا دیتے تھے۔ حضرت عمر فاروق اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کیا اور دل والے لوگ اسی طرح اپنے دلوں کا علاج کرتے تھے اور ظاہری طور پر اس کا علاج صرف یہی اعمال ہیں جو عاجزی تواضع اور احسان قبول کرنے پر دلالت کرتے ہیں اور باطنی اعتبار سے وہ معارف ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا۔ یہ عمل کے اعتبار سے ہے اور وہ علم کے حوالے سے اور دل کا علاج علم و عمل کے مرکب سے ہوتا ہے اور زکوٰۃ کی یہ شرائط نماز کے خشوع و خضوع کی طرح ہیں اور یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ثابت ہے آپ نے فرمایا۔

لَيْسَ لِلْمَرْءِ مِنْ صَلَاتِهِ اِلَّا مَا عَقَلَ مِنْهَا (۱)

انسان کے لیے اس کی نماز سے وہی کچھ ہے جسے وہ سمجھ کر ادا کرتا ہے۔

اور یہ آپ کے اس ارشاد گرامی کی طرح ہے

لَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ صَدَقَةَ مَنَّانٍ (۲)

اللہ تعالیٰ احسان جتانے والے کا صدقہ قبول نہیں کرتا۔

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (۳)

اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر باطل نہ کرو۔

---

(۱)

(۲) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۳۲ حدیث ۴۳۸۱۲ (۳) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۶۴۔

البتہ فقیہ کا فتویٰ کہ زکوٰۃ اپنے مقام پر پہنچ گئی، یہ شخص اس سے عہدہ برآ ہو گیا، اس میں یہ شرط نہیں اور یہ ایک الگ بات ہے اور ہم نے نماز کے بیان میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

چھٹی ذمہ داری :- اپنے عطیہ کو معمولی سمجھے کیوں کہ اسے بڑا سمجھے گا تو خود پسندی میں مبتلا ہو جائے گا اور خود پسندی ہلاک کرنے والی ہے۔ اور اس سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا۔

اور (ہم نے) حنین کے دن (تمہاری مدد کی) جب تمہیں تمہاری کثرت نے خود پسندی میں ڈال دیا پس اس نے تمہیں فائدہ نہ دیا۔ (۱)

کہا جاتا ہے کہ جب عبادت کو کم سمجھا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت والی ہوتی ہے اور برائی کو بڑا سمجھا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں چھوٹی ہوتی ہے اور کہا گیا ہے کہ تین امور کے بغیر نیکی مکمل نہیں ہوتی۔

(۱) اسے چھوٹا سمجھنا (۲) اس میں جلدی کرنا اور (۳) اسے پوشیدہ رکھنا لیکن بڑا سمجھنا احسان اور اذیت کے ضمن میں نہیں آتا کیوں کہ اگر کوئی شخص اپنا مال مسجد یا سرائے کی تعمیر میں خرچ کرے تو اس میں بڑا خیال کرنے کا امکان ہے لیکن احسان اور اذیت کا امکان نہیں بلکہ خود پسندی اور بڑا سمجھنا تو تمام عبادات میں جاری ہوتا ہے۔ اور اس کا علاج علم و عمل ہے علم کا مطلب یہ ہے کہ دسواں یا چالیسواں حصہ کثیر میں سے قلیل ہے اور اس نے خرچ کرنے کے سب سے ہلکے درجہ پر قناعت کی ہے جیسا کہ ہم نے فہم وجوب کے ضمن میں ذکر کیا ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس پر قناعت کرنے میں حیا کرے تو پھر کیسے اس کو بڑا خیال کرتا ہے اگرچہ وہ بلند درجے تک پہنچ جائے۔

یعنی اپنا کل مال یا اکثر خرچ کر دے تو اسے سوچنا چاہیئے کہ اس کے پاس مال کہاں سے آیا اور وہ کس پر خرچ کر رہا ہے تو مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس نے اس پر احسان فرمایا کہ اسے عطا فرما کر خرچ کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ تو اللہ تعالیٰ کے حق میں اس چیز کو بڑا نہ سمجھے جو خود اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس کے مقام کا تقاضا ہے کہ آخرت کی طرف نظر کرے اور ثواب کے لیے دے اور جس کے خرچ کرنے سے کئی گنا ملے گا اسے کیوں بڑا جانتا ہے۔ اور عملی طور پر یوں ہے کہ وہ دیتے وقت شرمندگی ظاہر کرے کہ اس نے بخل سے کام لیتے ہوئے اپنا باقی مال اللہ تعالیٰ سے روک کر رکھا۔ تو انکساری اور حیا کی کیفیت ہونی چاہیے جیسے کوئی شخص امانت واپس کرتے ہوئے بعض حصہ روک لیتا ہے اور کچھ واپس کر دیتا ہے کیوں کہ مال تو پورے کا پورا اللہ تعالیٰ کا ہے اور پورا مال خرچ کرنا ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے لیکن بندے کو اس بات کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ (طبعی) بخل کے باعث اس کے لیے یہ بات باعث مشقت ہو گی۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۲۵

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيَبْخَلُوا۔ (۱)

اور اگر وہ مبالغہ کرے (اور سارے مال کا مطالبہ کرے) تو تم بخل کرو گے۔

ساتویں ذمہ داری :- اپنے مال میں سے جو زیادہ عمدہ ہو اور اسے کو زیادہ پسند ہو اور نہایت پاک ہو وہ مال دے کیوں کہ اللہ تعالیٰ طیب ہے اور وہ طیب (پاک) کے علاوہ کو قبول نہیں کرتا اور اگر وہ شبہ کے طور پر حاصل ہوا ہے تو ممکن ہے وہ مطلقاً اس کی ملک نہ ہو۔ لہٰذا اپنے موقع پر نہ ہوگا۔ حضرت ابان، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔

طُوْبٰى لِعَبْدٍ اَنْفَقَ مِنْ مَّالٍ اِكْتَسَبَهٗ مِنْ غَيْرِ مَعْصِيَةٍ۔ (۲)

اس بندے کے لیے خوشخبری ہے جو اس مال سے خرچ کرتا ہے جسے اس نے کسی گناہ کے بغیر کمایا۔

اگر اچھے مال سے زکوٰۃ نہیں نکالے گا تو یہ بے ادبی ہے کہ اپنے لیے اپنے غلام اور گھر والوں کے لیے عمدہ مال رکھتا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر اس کے غیر کو ترجیح دی۔ اگر وہ اپنے مہمان کے ساتھ ایسا سلوک کرے اور اپنے گھر اسے کے سامنے سب سے معمولی کھانا رکھے تو اس کا دل دشمنی سے بھر جائے یہ تو اس صورت میں ہے جب اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اگر اس کے پیش نظر اپنی ذات اور آخرت کا ثواب ہے تو وہ شخص عقلمند نہیں جو غیر کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے (کیونکہ) اس کا مال تو وہی ہے جو اس نے صدقہ کیا اور وہ باقی رہے گا یا کھا کر فنا کر دیا اور جو کچھ وہ کھاتا ہے وہ تو وقتی ضرورت کو پورا کرتا ہے اور یہ بات بھی عقل کے مطابق نہیں کہ آدمی فوری ضرورت پر نظر کرے اور جمع کرنا چھوڑ دے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ۔ (۳)

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جنہیں تم نے کمایا اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا، اس میں سے ناپاک کا ارادہ نہ کرو کہ تم اسے خرچ کرو حالانکہ تم خود اسے نہیں لیتے البتہ یہ کہ اس میں چشم پوشی کرو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ محمد آیت ۳۷

(۲) مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۲۹۲ باب جامع فی المواعظ۔ (۳) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۶۷

یعنی تم ناپسند کرتے ہوئے اور حیا کرتے ہوئے لے لیتے ہو۔ اور چشم پوشی کا یہی مطلب ہے تو اپنے رب کے لیے ایسی بات کو ترجیح نہ دو حدیث شریف میں ہے۔

سَبَقَ دِرْهَمٌ مِائَةَ اَلْفِ دِرْهَمٍ (۱) ایک درہم ، ایک ہزار درہموں سے سبقت لے گیا

اس کی صورت یہ ہے کہ انسان اپنے حلال اور عمدہ مال میں سے خرچ کرے اور یہ اس کی خوشی اور رضا مندی سے ادا ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات ایک لاکھ درہم خرچ کرتا ہے لیکن یہ اس مال سے ہوتا ہے جس کو وہ خود پسند نہیں کرتا تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ وہ جس چیز کو پسند کرتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ترجیح نہیں دیتا۔
اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت فرمائی جو ناپسندیدہ مال اللہ تعالیٰ کے لیے منتخب کرتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى (۲)

اور وہ لوگ جس مال کو خود پسند نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کرتے ہیں اور ان کی زبانوں سے جھوٹ نکلتا ہے کہ ان کے لیے بھلائی (جنت) ہے ایسا ہرگز نہیں۔

بعض قراء حضرات نے نفی "لا" پر وقف کیا اور اس طرح ان کو جھٹلایا، پھر ابتدا کرتے ہوئے یوں پڑھا۔

جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ (۳) انہوں نے یہ کسب کیا تو ان کے لیے جہنم ہے۔

(جرم کا معنی کسب ہے یعنی اس عمل کی وجہ سے وہ جہنمی ہوئے اور عام قرأت "لَا جَرَمَ" کے ساتھ ہے یعنی یقیناً ان کے لیے جہنم کی آگ ہے)

آٹھویں ذمہ داری: اپنے صدقہ کے لیے ایسے لوگوں کو تلاش کرے جن کے ذریعے صدقہ کو پاکیزگی حاصل ہو جائے آٹھ مصارف کے عام لوگوں پر اکتفا نہ کرے ان کے عموم میں خاص صفات ہوتی ہیں لہٰذا ان صفات کا خیال رکھے اور وہ چھ ہیں۔

پہلی صفت: متقی لوگوں کو تلاش کرے جو دنیا سے اعراض کرتے ہوں اور انہوں نے اپنے آپ کو آخرت کی تجارت کے لیے خاص کر لیا ہو۔

---

(۱) مستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۱۶ کتاب الزکوٰۃ
(۲) قرآن مجید سورۂ نحل آیت ۶۲
(۳) قرآن مجید سورۂ نحل آیت ۶۲

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَاكُلْ اِلَّا طَعَامَ تَقِيٍّ وَلَا يَاكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ (۱) تو صرف متقی آدمی کا کھانا کھا اور تیرا کھانا بھی وہی کھائے جو متقی ہے۔

اس لیے کہ متقی آدمی اس کھانے کے ذریعے تقویٰ پر مدد حاصل کرتا ہے تو اس طرح یہ شخص اس کی مدد کر کے اس کے ساتھ عبادت میں شریک ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَطْعِمُوْا طَعَامَكُمُ الْاَتْقِيَاءَ وَاَوْلُوْا مَعْرُوْفَكُمْ۔ (۲) اپنا کھانا پرہیزگار لوگوں اور نیکی کرنے والے مومنوں کو کھلایا کرو۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

اَضِفْ بِطَعَامِكَ مَنْ تُحِبُّهُ فِي اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (۳) اپنے کھانے کے ساتھ اس شخص کی مہمان نوازی کرو جسے تم اللہ تعالیٰ کے لیے پسند کرتے ہو۔

اور بعض علماء کرام اپنے کھانے کے ساتھ صوفیا کرام کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے کہا گیا کہ اگر آپ تمام فقراء کے ساتھ عمومی طور پر نیکی کریں تو افضل ہے انہوں نے فرمایا نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ہمت و ارادہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رکھا ہے اور جب ان کو فاقہ پیش آتا ہے تو اس کی توجہ اللہ تعالیٰ سے ہٹ جاتی ہے تو اگر میں ایک شخص کی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول کر دوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں ایسے ہزار آدمیوں کو دوں جن کا مقصد دنیا ہے حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں یہ بات عرض کی گئی تو انہوں نے اسے عمدہ قرار دیا۔ اور فرمایا یہ شخص اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام میں سے ایک ولی ہے نیز فرمایا کہ میں نے ایک زمانے سے ایسا عمدہ کلام نہیں سنا پھر پتہ چلا کہ اس شخص کی حالت میں خلل آ گیا تو انہوں نے دوکان چھوڑنے کا ارادہ کیا تو حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے ان کے پاس مال بھیجا اور فرمایا اسے خرچ کرو اور دوکان نہ چھوڑو کیونکہ آپ جیسے لوگوں کو تجارت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی یہ شخص ایک سبزی فروش تھے اور وہ فقراء سے اس چیز کی قیمت نہیں لیتے تھے جو کچھ وہ ان سے خریدتے۔

دوسری صفت: (جس کو زکوٰۃ دیں) وہ خاص اہل علم سے ہو کیونکہ یہ علم پر اس کی مدد ہے اور علم سب سے

---

(۱) مستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۲۸ کتاب الاطعمہ

(۲)

(۳) کتاب الزہد والرقاق ص ۱۲۶ حدیث ۳۶۶۔

معزز عبادت ہے جب کہ اس کی نیت صحیح ہو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اپنا صدقہ اہل علم کو دیا کرتے تھے ان سے عرض کیا گیا اگر عمومی طور پر دیں تو کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا میں مقام نبوت کے بعد علماء سے بڑھ کر کسی کے مقام کو افضل نہیں سمجھتا اور جب کسی شخص کا دل کسی کام میں لگ جائے تو وہ علم کے لیے فارغ نہیں ہوگا۔ اور وہ سیکھنے کے عمل کو قبول نہیں کرے گا لہذا ان لوگوں کو علم کے لیے فارغ کر دینا افضل ہے۔

تیسری صفت:۔ (جس کو زکوٰۃ دی جارہی ہے) وہ اپنے تقویٰ اور توحید کے علم میں سچا ہو اس کی توحید یہ ہے کہ جب وہ عطیہ وصول کرے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور اس کا شکر بجا لائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ یہ نعمت اسی ذات والا صفات کی طرف سے حاصل ہوئی ہے درمیانے واسطہ کی طرف نہ دیکھے یہ شخص اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ شکر گزار بندہ ہے یعنی اس کا نظریہ یہ ہے کہ تمام نعمت اسی کی طرف سے ہے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو وصیت کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی کو انعام دینے والا نہ سمجھنا اور دوسرے کی طرف سے ملنے والی نعمت کو اپنے اوپر قرض سمجھنا اور جس نے (خدا کی بجائے) غیر خدا کا شکریہ ادا کیا گویا اس نے انعام دینے والے کو نہیں پہچانا اور اسے اس بات کا یقین نہیں کہ جو واسطہ ہوتا ہے وہ مغلوب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسخر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عمل کی طرف دعوت دینے والے امور اس پر مسلط کئے اور اس کے لیے اسباب کو آسان کر دیا لہذا وہ اس صورت میں دے رہا ہے کہ وہ بارگاہ خداوندی میں مغلوب ہے اور اگر وہ اس فعل کو چھوڑنا چاہے تو ایسا نہیں کر سکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ اس عمل میں اس کی دینی و دنیوی بھلائی ہے پس جب بھی اس پر پراگندہ کرنے والی بات مضبوط ہوگی تو اس سے ارادہ پختہ ہوگا اور طاقت ابھرے گی۔ اور بندہ ترغیب دینے والی اس بات کی مخالفت نہیں کر سکتا جو مضبوط ہے اور اس میں کوئی تردد نہیں ہے۔

ان امور ترغیبیہ کو پیدا کرنے اور انہیں حرکت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے وہی ان سے کمزوری اور تردد کو دور کرتا ہے اور ان امور کے تقاضے کے مطابق قدرت کو مسخر کرتا ہے، پس جس آدمی کو یقین حاصل ہو تو اس کی نظر مسبب الاسباب کی طرف ہوتی ہے اور اس قسم کے بندے کا یقین دوسروں کی طرف سے تعریف اور شکریہ سے زیادہ مفید ہے کیونکہ وہ تو محض زبان کی حرکت ہے جس کا نفع عام طور پر کم ہوتا ہے اور اس قسم کے موحد بندے کی مدد ضائع نہیں ہوتی اور وہ آدمی جو زکوٰۃ ملنے پر تعریف کرتا ہے اور بھلائی کی دعا مانگتا ہے تو نہ دینے پر وہ مذمت بھی کرے گا اور جب ایذا پہنچے گی تو بد دعا کرے گا۔ اور اس کے حالات مختلف ہیں۔

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض فقراء کے پاس صدقہ بھیجا اور قاصد سے فرمایا۔ جو الفاظ وہ شخص استعمال کرے انہیں یاد رکھنا جب اس نے صدقہ وصول کیا تو کہا اس ذات کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو اپنے ذکر کرنے والوں کو بھلاتا نہیں اور اپنے شکر گزار کو ضائع نہیں کرتا پھر کہا اے اللہ! تو نے فلاں (اپنے بارے میں کہا)

کو نہیں بھلایا تو اسے (یعنی مجھے) یوں بتا دے کہ وہ تجھے نہ بھلائے ـــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی گئی تو آپ خوش ہوئے اور فرمایا میں جانتا تھا کہ وہ یہی الفاظ کہے گا (۱) ـــــ تو دیکھو کہ اس نے کس طرح اپنی توجہ صرف اللہ تعالیٰ تک محدود رکھی نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا "توبہ" کرو اس نے کہا میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتا ہوں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توبہ نہیں کرتا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے حق والے کے حق کو پہنچانا۔ (۲)

جب واقعۂ افک کے سلسلے میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا حکم نازل ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اٹھو اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر انور کو بوسہ دو، انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی حمد بھی نہیں کروں گی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! انہیں چھوڑ دیجئے (۳) اور دوسری روایت میں ہے ام المومنین نے فرمایا میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گی۔ آپ کی اور آپ کے ساتھی (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمد نہیں کروں گی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا حالانکہ ان تک (برأت کی) خبر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پہنچی تھی اور چیزوں کو غیر خدا کی طرف سے دیکھنا کافروں کا طریقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ۔ (۴)

جب صرف اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا کسی اور کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسی وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں۔

اور جس شخص نے اپنے دل میں وسائل کو محض وسائل نہ سمجھا (یعنی مسبب سمجھا)، تو اس کا دل شرک خفی سے پاک نہیں تو اسے چاہیئے کہ شرک کی بنیاد اور اس کے شبہوں سے پاک رکھے۔

چوتھی صفت:۔ (زکوٰۃ وصول کرنے والا) اپنی حاجت کو چھپانے والا ہو نہ تو اس کو زیادہ پھیلائے اور نہ ہی شکوہ

---

(۱) قوت القلوب جلد ۲ ص ۱۱۰ کتاب الزکوٰۃ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۵ مرویات اسود بن سریع

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۶ کتاب المغازی

(۴) قرآن مجید سورۂ زمر آیت ۴۵

کرے یا وہ مروت والوں میں سے ہو جس کی نعمت چلی گئی لیکن عادت باقی رہ گئی وہ حسن رخولی کی چادر اوڑھتا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔ (۱)

ان (فقراء) کو جاہل لوگ، مالدار سمجھتے ہیں کیونکہ وہ مانگنے سے بچتے ہیں (لیکن تم انہیں ان کی پیشانیوں سے پہچان لو گے وہ لوگوں سے چمٹ کر نہیں مانگتے۔

یعنی وہ مانگنے میں مبالغہ نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنے یقین کے باعث غنی ہیں اور اپنے کی وجہ سے معزز ہیں تو ہر محلے میں اس کے دیندار لوگوں کو تلاش کیا جائے اور نیکو کار لوگوں کے اندرونی حالات کو معلوم کرنے کی کوشش کرے تو ان کو صدقہ دینے کا ثواب ان لوگوں کو دینے کی نسبت کئی گنا زیادہ ہے جو ظاہراً مانگتے ہیں۔

پانچویں صفت :۔ وہ شخص عیال دار ہو یا بیماری کی وجہ سے مجبور ہو یا کسی اور وجہ سے وہ کمانے سے رُکا ہوا ہو اس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (۲)

یہ (زکوٰۃ) ان فقراء کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں روکے گئے۔

یعنی کسی بیماری، معیشت کی تنگی یا قلبی اصلاح کی وجہ سے وہ زمین میں جانے کی طاقت نہیں رکھتے تو اس طرح یہ لوگ آخرت کے راستے میں روکے گئے ہیں کیونکہ ان لوگوں کے پَر کٹے ہوئے ہیں اور ان کے پاؤں رُکے ہوئے ہیں۔ انہی اسباب کی بنیاد پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اہل بیت کو بکریوں کا ایک ریوڑ دیتے جس میں دس یا زائد بکریاں ہوتی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو اس کے اہل و عیال کے حساب سے مال عطا فرماتے تھے (۳)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "جہد البلاء" (ابتلائے مشقت) کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ عیال کی کثرت اور مال کی قلت۔

چھٹی صفت :۔ جس کو زکوٰۃ دے اس کے اقارب اور رشتہ داروں میں سے ہو تو یہ صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ اور صلہ رحمی کا ثواب شمار سے باہر ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بیس درہم خرچ کرنے سے زیادہ پسند اپنے کسی بھائی پر ایک درہم خرچ کرنا ہے اور اگر میں بیس درہموں کے ذریعے اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں تو

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۷۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۷۳

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۸ ص ۵۴ حدیث ۸۰

مجھے یہ بات ایک سو درہم خرچ کرنے سے زیادہ پسند ہے ایک سو درہم خرچ کرکے صلہ رحمی کرنا، ایک غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے دوست اور دینی بھائی بھی صدقات کے سلسلے میں دوسروں سے مقدم ہیں جس طرح اجنبی لوگوں کی نسبت رشتہ دار مقدم ہیں تو ان باریک باتوں کی رعایت کی جائے یہی صفات مطلوب ہیں اور ہر صفت کے تحت کئی درجے ہیں لہٰذا ان میں سے بلند درجہ کی طلب ہونی چاہیئے پس اگر یہ تمام صفات مجموعی طور پر حاصل ہو جائیں تو یہ بہت بڑا ذخیرہ اور بہت بڑی غنیمت ہے، اور جب اس سلسلے میں کوشش کرے اور صحیح نتیجے تک پہنچے تو اس کے لیے دو اجر ہوں گے۔ اگر خطا ہو جائے تو ایک اجر ہوگا ان دو اجروں میں سے ایک فی الحال ملتا ہے یعنی اس کا نفس بخل سے پاک ہو جاتا ہے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور عبادت میں کوشش مضبوط ہو جاتی ہے انہی صفات اس کے دل کا تقویٰ ہیں جو اسے ملاقات خداوندی کا شوق دلاتی ہیں دوسرا اجر زکوٰۃ لینے والے کی دعا اور توجہ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے بے شک نیک لوگوں کے دلوں کے لیے فی الحال اور مستقبل کی علامات ہوتی ہیں اگر صحیح نتیجہ نکلے تو دو اجر حاصل ہوں گے اور اگر غلطی ہو جائے تو پہلا فائدہ حاصل ہوگا دوسرا نہیں اسی لیے صحیح اجتہاد کرنے والے کو دوگنا ثواب ملتا ہے اس صورت میں بھی اور دوسرے مقامات پر بھی۔

تیسری فصل :-

زکوٰۃ وصول کرنے والا، اسبابِ استحقاق اور قبضہ کے وظائف

اسبابِ استحقاق جان لو کہ زکوٰۃ کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو آزاد ہو، مسلمان ہو نہ وہ ہاشمی ہو نہ مطّلبی، اور ان آٹھ صفات میں سے کسی ایک سے موصوف ہو جو قرآن پاک میں مصارفِ زکوٰۃ کے سلسلے میں ذکر کی گئی ہیں۔

کافر کو زکوٰۃ نہ دی جائے اسی طرح غلام، ہاشمی، مطّلبی کو بھی زکوٰۃ نہ دی جائے بچے اور پاگل پر خرچ کرنا جائز ہے جب کہ ان کا ولی قبضہ کرے مصارفِ زکوٰۃ کی آٹھ قسموں کو ہم ذکر کریں گے۔

پہلی قسم فقراء :-

فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس نہ مال ہو نہ وہ کمانے پر قادر ہو، اگر اس کے پاس ایک دن کا رزق اور فی الحال پہننے کے کپڑے ہوں تو وہ فقیر نہیں بلکہ مسکین ہے اگر اس کے پاس نصف دن کی روزی ہو تو وہ فقیر ہے اگر اس کے پاس قمیص ہو لیکن نہ اس کے پاس رومال ہو نہ موزہ اور نہ شلوار ہو، اور قمیص کی اتنی قیمت نہیں جو فقراء کے حال کے مطابق ان تمام چیزوں کی قیمت کو پہنچ سکے تو وہ فقیر ہے کیونکہ فی الحال اس کے پاس وہ تمام اشیاء نہیں ہیں جن کا وہ محتاج ہے اور ان سے عاجز ہے پس فقیر میں یہ شرط رکھنا کہ اس کے پاس ستر ڈھانپنے کے علاوہ لباس ہو مناسب نہیں کیونکہ یہ زیادتی ہے

اور عام طور پر ایسا آدمی نایاب ہوتا ہے اگر اسے مانگنے کی عادت ہو تو اس سے وہ فقراء کے زمرہ سے خارج نہیں ہوگا اور مانگنے کو کسب قرار نہیں دیا جائے گا۔ البتہ وہ کمانے پر قادر ہو تو اس سے وہ فقیر نہیں رہے گا اور اگر کسی آلہ کے ذریعے کمانے پر قادر ہو تو وہ فقیر ہے اور اس کے لیے اوزار خریدنا جائز ہے اور اگر وہ ایسے کسب پر قادر ہو جو اس کی شان کے موافق نہیں تو بھی وہ فقیر سمجھا جائے گا اور اگر کوئی شخص فقیہ (عالم) ہو اور کسی کام میں مشغول ہونے سے فقہ حاصل کرنے سے اسے رکاوٹ ہوتی ہو تو وہ فقیر ہے اور اس کی قدرت معتبر نہیں ہوگی اور اگر وہ عابد ہے اور کوئی پیشہ اختیار کرنے سے عبادت کے وظائف اور معمول کے اوراد میں خلل آتا ہے تو محنت مزدوری کرے کیونکہ اس سے کمائی کرنا اولیٰ ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ۔ (۱) حلال مال کمانا، فرائض کے بعد فرض ہے۔

اور اس سے مراد کمانے کے سلسلے میں کوشش کرنا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا شبہ کے ساتھ کمانا مانگنے سے بہتر ہے اور اگر اس کے پاس اس قدر مال ہو جو اپنے باپ یا دیگر زیر کفالت لوگوں کو کفایت ہو تو یہ کمانے سے آسان ہے پس یہ شخص فقیر نہیں ہے۔

دوسری قسم۔ مساکین:۔ مسکین وہ شخص ہے کہ اس کی آمدنی سے خرچ پورا نہ ہوتا ہو تو ہو سکتا ہے وہ ہزار درہم کا مالک ہونے کے باوجود مسکین ہو، اور بعض اوقات وہ ایک کلہاڑی اور رسی کا مالک ہوتا ہے لیکن مالدار کہلاتا ہے چھوٹا سا مکان جس میں وہ رہتا ہے اور وہ کپڑا جس کے ساتھ وہ حسب حال ستر ڈھانپتا ہے، اس سے مسکین کا نام سلب نہیں کرتا یعنی وہ مسکین ہی رہتا ہے گھر کے سامان کا بھی یہی حکم ہے اس سے مراد وہ سامان ہے جس کا وہ محتاج ہو اور یہ وہ سامان ہے جو اس کی حالت کے لائق ہے، اسی طرح کتب فقہ اس کو مسکین ہونے سے خارج نہیں کرتیں اور جب وہ صرف کتب کا مالک ہو تو صدقہ فطر لازم نہیں ہوگا، اور کتابوں کا حکم، کپڑوں اور گھریلو سامان کی طرح ہے کیوں ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اسے چاہیے کہ کتاب کی حاجت ختم ہونے کے سلسلے میں محتاط رہے تین مقاصد کے لیے کتاب کی ضرورت رہتی ہے۔ (۱) تعلیم (۲) استفادہ اور (۳) مطالعہ کے ذریعے سرور حاصل کرنا۔ جہاں تک محض خوشی اور سرور کے حصول کا تعلق ہے تو اس کا اعتبار نہیں جس طرح اشعار کی کتب اور تاریخی کتابیں اور اس طرح کی دوسری کتب جو آخرت میں نفع نہیں دیتیں، اور دنیا میں بھی محض خوشی اور دلچسپی پیدا ہوتی ہے اس قسم کی کتابوں کو کفاروں اور صدقہ کی ادائیگی کے لیے بیچا جائے اور ایسا شخص مسکین نہیں کہلا سکتا۔ جہاں تک تعلیمی حاجت کا تعلق ہے تو اگر یہ تعلیم کمائی کے طور پر ہے جیسے ادب سکھانے والے اور مدرس وغیرہ تنخواہ پر کام کرتے ہیں تو یہ کتب آلہ ہیں لہٰذا ان کو فطرانہ وغیرہ کے لیے نہ بیچا جائے جیسے درزی اور دوسرے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۰ ص ۱۰ حدیث ۹۹۹۳

پیشوں کے لوگوں کے اوزار ہوتے ہیں اور اگر وہ فرض کفایہ کے طور پر پڑھاتا ہے تو اس کی کتابیں نہ بیچی جائیں اور اس وجہ سے وہ مسکین کی تعریف سے خارج بھی نہیں ہوتا کیونکہ یہ اہم حاجت ہے اور کتاب سے استفادہ کرنا یا ان کا دیکھنا جیسے طب کی کتابیں جمع کرنا تاکہ ان کے ذریعے اپنا علاج کرے یا وعظ کی کتابیں کہ ان کا مطالعہ کر کے وعظ کرے پس اگر شہر میں طبیب اور واعظ ہو تو اس کو ان کتب کی ضرورت نہیں اور اگر نہ ہو تو اسے حاجت ہے پھر بعض اوقات کسی کتاب کے مطالعہ کی ضرورت ایک مدت کے بعد پڑتی ہے تو اسے مدت حاجت کو دیکھنا چاہیے زیادہ قریب بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ سال بھر تک جس کتاب کی ضرورت نہیں پڑتی تو یہ ضرورت میں شامل نہیں جس شخص کے پاس ایک دن کے رزق سے زائد ہو تو اس پر صدقۂ فطر لازم ہوتا ہے تو جب ہم نے رزق کے سلسلے میں ایک دن کا اندازہ مقرر کیا تو گھر کے سامان اور بدن کے کپڑوں کی حاجت کے سلسلے ایک سال کا اندازہ ہونا چاہیے گرمیوں کے کپڑے، سردیوں میں نہیں بیچے جاتے اور کتابیں، کپڑوں اور گھریلو سامان کے زیادہ مشابہ ہیں اور بعض اوقات آدمی کے پاس ایک کتاب کے دو نسخے ہوتے ہیں تو ان میں سے ایک کی حاجت نہیں ہوتی اور اگر وہ کہے کہ ایک نسخہ زیادہ صحیح اور دوسرا زیادہ عمدہ ہے اور میں دونوں کا محتاج ہوں تو ہم کہیں گے کہ اصح پر اکتفا کرو اور احسن کو بیچ دو اور عیاشی کو ترک کر دو اور اگر ایک ہی علم سے متعلق دو نسخے ہیں جن میں سے ایک بڑی اور دوسری مختصر ہو تو اگر اس کا مقصد استفادہ ہو تو وہ بڑی کتاب پر اکتفا کرے اور اگر پڑھانے کا ارادہ ہے تو دونوں کا محتاج ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں جو فائدہ ہے وہ دوسری میں نہیں۔ اور اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں اور فن فقہ میں ان کو نہیں چھیڑا گیا ہم نے اسے بیان کرنے کا ارادہ اس لیے کیا کہ اس میں عام طور پر لوگ مبتلا ہیں نیز اس بات کا لحاظ دوسری چیزوں میں بھی کریں کیونکہ ان سب صورتوں کا ذکر کرنا ممکن نہیں کیوں کہ اس قسم کی نظر گھر کے سامان میں اس کی مقدار، تعداد اور اقسام کے اعتبار سے متعدی ہوتی ہے بدن کے کپڑوں اور مکان میں اس کی وسعت اور تنگی کو دیکھا جاتا ہے اور ان امور کے لیے کوئی حدود مقرر نہیں ہیں۔ لیکن مجتہد اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہے اور جو مناسب سمجھتا ہے حد بندی کرتا ہے اور شبہات کے خطرے میں داخل ہوتا ہے جب کہ پرہیزگار آدمی احتیاط سے کام لیتا ہے اور شک والی بات کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کرتا ہے اور جو درجات درمیان میں ہیں اور دونوں طرف کے ظاہری امور کے درمیان ہیں وہ غیر واضح اور بہت زیادہ ہیں اور ان سے نجات کا طریقہ یہی ہے کہ احتیاط سے کام لیا جائے۔

تیسری قسم:- زکوٰۃ وصول کرنے والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو محنت کر کے زکوٰۃ وصول کرتے ہیں خلیفہ اور قاضی ان میں شامل نہیں ہیں۔ ان میں نگران (چھوٹا رئیس)، کاتب، وصول کرنے والا، حفاظت کرنے والا اور نقل کرنے والا شامل ہیں ان میں سے کسی کو بھی عام مزدوری سے زیادہ نہیں دینی چاہیے اور اگر آٹھویں حصے میں تمام اجرت سے کچھ بچ جائے تو دوسرے مصارف کو دیں اور اگر کم ہو جائے تو دیگر ضرورتوں کے مال سے مکمل کیا جائے۔

چوتھی قسم :- وہ لوگ جن کے دلوں کو اسلام کے لیے نرم کیا جائے (مولفۃ القلوب) یہ معزز لوگ ہوتے تھے جو اسلام قبول کرتے اور قوم ان کی اطاعت کرتی تھی تو ان کو دینے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسلام پر برقرار رہیں اور ان جیسے دوسرے لوگوں نیز ان کی اتباع کرنے والوں کو بھی ترغیب ہو۔ (اب یہ مصرف ساقط ہے)

پانچویں قسم :- مکاتب ہیں۔ مکاتب کا حصہ اس کے سردار کو دیا جائے اور اگر مکاتب کو بھی دیا تو جائز ہے سید کو اور اپنے مکاتب کو زکوٰۃ نہ دی جائے کیوں کہ یہ اپنا غلام شمار ہوتا ہے۔

چھٹی قسم :- قرض دار۔ غارم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی عبادت یا کسی جائز کام کے لیے قرض لیتا ہے اور یہ فقیر ہے اور اگر گناہ کے کام کے لیے قرض لے تو جب تک توبہ نہ کرے اسے زکوٰۃ نہ دی جائے اور اگر قرض کسی امیر کے ذمہ ہو تو اس کا قرض ادا نہ کیا جائے البتہ یہ کہ اس نے کسی مصلحت یا کسی فتنے کو ختم کرنے کے لیے قرض لیا ہو۔

ساتویں :- وہ مجاہدین ہیں جن کا وظیفہ، وظیفہ خوروں کے رجسٹر میں نہ ہو تو انہیں ایک حصہ دیا جائے اگرچہ وہ مالدار ہوں کیونکہ یہ جہاد پر مدد کرنا ہے۔

آٹھویں قسم :- مسافر ہیں یعنی وہ شخص جو اپنے شہر سے سفر کی نیت سے نکلا اور یہ سفر گناہ کے لیے نہ ہو یا وہ زکوٰۃ دینے والے کے شہر سے گزرا تو اگر وہ فقیر ہے تو اسے زکوٰۃ دی جائے اور اگر اس کا مال دوسرے شہر میں ہے تو اتنا دیا جائے کہ وہ وہاں تک پہنچ سکے۔

اگر تم کہو کہ یہ صفات کس طرح معلوم ہوں گی تو ہم کہتے ہیں فقر اور مسکنت تو لینے والے کے قول سے معلوم ہوگی۔ اور اس پر گواہوں کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ اور نہ قسم دی جائے بلکہ اس کی بات پر اعتماد کیا جائے جب کہ اس کا جھوٹ معلوم نہ ہو جہاد اور سفر مستقبل کا معاملہ ہے تو اس کے کہنے پر کہ وہ غازی ہے دے دیا جائے اور اگر وہ اپنے قول کو پورا نہ کرے تو واپس لے لیا جائے اور جہاں تک دوسری اقسام کے لوگوں کا تعلق ہے تو اس میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ تو یہ استحقاق کی شرائط ہیں اور ایک ایک کو کتنا دینا چاہیے تو اس کا بیان عنقریب آرہا ہے۔

لینے والے کے آداب :

یہ پانچ آداب ہیں :

پہلا ادب :- اسے یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسروں پر اس کے لیے زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے تاکہ اس کے تفکرات ختم ہو کر صرف ایک باقی رہ جائے اللہ تعالیٰ نے بندوں پر لازم کیا کہ ان کے تمام فکر ایک فکر میں جمع ہو جائیں اور وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کی فکر ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا بھی یہی مطلب ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۱) اور میں نے جنوں اور انسان کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ذاریات آیت ۵۶

لیکن جب حکمت کا تقاضا ہے کہ بندوں پر خواہشات اور حاجات مسلط کی جائیں اور یہ ان کی سوچ کا بکھرنا ہے تو اس کے کرم کا تقاضا ہے کہ نعمت کا ایسا فیضان ہو جو حاجات کو کافی ہے۔ تو اس نے مال کو بہت زیادہ کیا اور بندوں کے ہاتھوں میں دے دیا تاکہ یہ مال ان کی حاجات کو پورا کرنے کا آلہ اور عبادات کے لیے فراغت کا وسیلہ بن جائے تو ان میں سے کئی لوگوں کے لیے مال کی کثرت فتنے اور آزمائش کا باعث بن گئی تو وہ خطرے میں پڑ گئے اور ان میں سے بعض کو محبوب بنایا تو انہیں دنیا سے بچا لیا جیسے کوئی شفیق شخص اپنے مریض کی حفاظت کرتا ہے یعنی ان سے زائد مال کو دور رکھا اور حاجت کی مقدار، مالدار لوگوں کے ذریعے ان تک پہنچائی تاکہ کمانے نیز جمع کرنے اور حفاظت کرنے کی مشقت ان پر آسان ہو اور اس کا فائدہ فقراء کو پہنچتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور موت کے بعد کی تیاری کے لیے فارغ ہو جاتے ہیں ان کو دنیا کا زائد مال اس عبادت سے نہیں پھیرتا اور اس تیاری سے فاقہ رکاوٹ نہیں بنتا۔ اور یہ نعمت کی انتہا ہے تو فقیر پر لازم ہے کہ فقر کی نعمت کی قدر کو پہچانے۔ اور اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اس چیز کے مقابلے میں جو عطا فرمائی ہے اس میں زیادہ ہے جسے مجھ سے دور رکھا ہے۔ فقر کے بیان میں اس کی تحقیق آئے گی ان شاء اللہ تو وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتا ہے اسے عبادت پر رزق اور مدد بنائے، اور اس کی نیت یہ ہونی چاہیے کہ وہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر قوت حاصل کرے اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا اس پر خرچ کرے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مدد حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا ہوگا، رحمتِ خداوندی سے دور ہی اور اس کی ناراضگی کا مستحق ہوگا۔

دوسرا ادب:- دینے والے کا شکریہ ادا کرے اس کے لیے دعا مانگے اور اس کی تعریف کرے لیکن اس شکریہ اور دعا کے ذریعے اس کو واسطہ ہونے سے نہ نکالے (یعنی اصل معطی نہ بنا لے) بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور راستہ سمجھے۔ اور راستے کا بھی حق ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے راستہ اور واسطہ بنایا اور یہ اللہ کی طرف سے نعمت کے ملنے (کے عقیدے) کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ (۱)

جو آدمی، لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔

٭ ٭ ٭ ٭

بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال کے باعث ان کی تعریف فرمائی۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۵۸ مرویات ابی ہریرہ

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ۔ (۱) — وہ (حضرت ایوب علیہ السلام) اچھا بندہ ہے بے شک وہ ہماری طرف رجوع کرنے والا ہے۔

اور اس کے علاوہ آیات میں تو زکوٰۃ وصول کرنے والا اپنی دعا میں یوں کہے۔

"اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو نیکو کار لوگوں کے دل کے ساتھ پاک کرے نیک لوگوں کے عمل کے ساتھ تیرے عمل کو پاک کرے اور ارواحِ شہداء کے ساتھ تیری روح پر رحمت نازل فرمائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَسْدٰی اِلَیْکُمْ مَعْرُوْفًا فَکَافِئُوْهُ فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِیْعُوْا فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰی تَعْلَمُوْا اِنَّکُمْ قَدْ کَافَاْتُمُوْهُ۔ (۲) — جو شخص تم سے نیکی کرے تو اس کا اچھا بدلہ دو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اس کے لیے دعا مانگو حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم نے بدلہ دے دیا۔

مکمل شکر کا تقاضا ہے کہ اگر عطیہ میں عیب ہو تو اسے چھپائے نہ اسے حقیر جانے نہ اس کی برائی بیان کرے اور اگر وہ شخص نہ دے تو اس منع پر اسے شرم نہ دلائے۔ نیز (دینے کی صورت میں) اس کے عمل کو اپنے نزدیک اور لوگوں کے سامنے بھی بڑا قرار دے دینے والے کی ذمہ داری ہے کہ اسے (دینے کو) حقیر جانے اور لینے والے کا فرض ہے کہ اس کا احسان مند ہو اور اسے بڑا خیال کرے ہر بندے پر لازم ہے کہ اپنے حق پر قائم رہے اور اس مسئلے میں کوئی تضاد نہیں کیوں کہ چھوٹا اور بڑا ماننے کے اسباب مختلف ہیں پس دینے والے کے لیے چھوٹائی کے اسباب کا لحاظ نفع بخش ہے اور اس کے خلاف نقصان دہ ہے اور لینے والے کا معاملہ اس کے الٹ ہے اور دونوں صورتوں میں نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاننے میں کوئی تناقض نہیں کیونکہ جو شخص واسطہ کو واسطہ نہیں جانتا وہ جاہل ہے اور منکر وہ ہے جو واسطہ کو اصل سمجھتا ہے۔

تیسرا ادب:۔ یہ ہے کہ جو چیز لے رہا ہے اسے دیکھے اگر وہ حلال نہ ہو تو پرہیز کرے ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ (۳) — اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستے بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق عطا کرتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

حرام سے بچنے والا حلال کے ملنے سے محروم نہیں ہوتا۔ لہٰذا ترکوں (سرکاری لوگوں) لشکریوں اور بادشاہوں سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طلاق آیت ۲،۳

(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۶۴۶ حدیث ۱۷۰۶۵

(۳) قرآن مجید، سورۂ طلاق آیت ۲،۳

نیز ان لوگوں سے جن کی زیادہ کمائی حرام سے ہوتی ہے، نہ لے البتہ یہ کہ معاملہ تنگ ہو جائے اور اسے جو مال دیا جا رہا ہے اس کا معین مالک معلوم نہ ہو تو حاجت کے مطابق لے سکتا ہے اس قسم کی صورت میں شرعی فتویٰ یہ ہے کہ اسے خیرات کر دے جیسا کہ حلال و حرام کے بیان میں آئے گا اور یہ اس صورت میں ہے جب حلال سے عاجز ہو جائے اور جب لے گا تو زکوٰۃ لینے والا نہیں ہوگا کیونکہ حرام مال سے دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

چوتھا ادب:۔ جو کچھ وہ لے رہا ہے اس کی مقدار کے سلسلے میں شک اور شبہ سے بچے اور اتنی مقدار لے جو اس کے لیے جائز ہے اور اس وقت لے جب ثابت ہو جائے کہ وہ استحقاق کی صفت سے موصوف ہے اور اگر مکاتب یا قرض کے باعث لیتا ہے تو قرض کی مقدار سے زیادہ نہ لے اور اگر عمل (زکوٰۃ کی وصولی) کی وجہ سے لیتا ہے تو عام اجرت سے زیادہ نہ لے اگر اسے زیادہ دیا جائے تو انکار کر دے کیوں کہ مال دینے والے کا نہیں کہ وہ اپنی طرف سے زیادہ دے اگر وہ مسافر ہے تو زادِ راہ اور منزل تک سواری کے کرایہ سے زیادہ نہ لے اور اگر غازی ہو تو اسی قدر لے جس کے لیے وہ گھوڑے، اسلحہ اور نفقے کا محتاج ہے۔

اس کا اندازہ غور و فکر سے ہوتا ہے کوئی حد مقرر نہیں۔ اسی طرح زادِ سفر کا معاملہ ہے تقویٰ یہ ہے کہ شک والی بات کو چھوڑ کر شک سے پاک کی طرف جائے اگر وہ مسکین ہونے کی وجہ سے لے رہا ہے تو پہلے اپنے گھر کے سامان کپڑوں اور کتابوں کو دیکھے کہ کیا ان میں کوئی ایسی چیز ہے جو ذاتی طور پر اس کی ضرورت سے باہر ہے یا اس کی عمدگی کی ضرورت نہیں لہٰذا ممکن ہے کہ اسے بدل کر وہ حاصل کرے جو اسے کفایت کرے اور اس کی قیمت میں سے کچھ رقم بچ بھی جائے یہ تمام امور انسان کی سوچ سے متعلق ہیں اس کا ایک ظاہری پہلو ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مستحق ہے اور اس کے مقابلے میں ایک دوسرا پہلو ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مستحق نہیں ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں اور جو آدمی (سرکاری) چراگاہ کے گرد چرتا ہے قریب ہے کہ وہ (جانور) اندر چلا جائے۔ اور اس سلسلے میں زکوٰۃ لینے والے کے ظاہری قول پر اعتماد ہو گا۔

محتاج کے لیے تنگی اور وسعت کے اعتبار سے حاجات کا اندازہ لگاتے ہوئے کئی مقامات ہیں اور یہ مراتب محدود نہیں ہیں تقویٰ کا میلان تنگی کی طرف ہوتا ہے جب کہ سستی کرنے والے کا جھکاؤ توسیع کی طرف ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے نفس کو کئی ضرورتوں کے لیے محتاج سمجھتا ہے اور یہ بات شریعت میں بری ہے۔

پھر جب حاجت ثابت ہو جائے تو بہت مال نہ لے بلکہ اس قدر لے جو اس وقت سے ایک سال گزرنے تک اسے کافی ہو رخصت کی آخری حد یہی (ایک سال) ہے کیونکہ سال گزرنے کے بعد آمدنی کے ذرائع بھی دوبارہ سامنے آتے ہیں نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کا رزق جمع فرماتے تھے (۱) فقیر اور مسکین کے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۵، کتاب التفسیر

لیے یہ حد بندی زیادہ مناسب ہے اور اگر صرف ایک مہینے یا ایک دن کی حاجت پوری کرنے پر اکتفا کرے تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ زکوٰۃ اور صدقہ میں کس قدر لیا جائے؟ اس سلسلے میں علماء کے مختلف مذاہب ہیں۔ بعض نے کمی میں مبالغہ کیا یہاں تک ایک دن اور رات کی روزی پر اکتفا کو واجب قرار دیا اور حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالداری کی صورت میں مانگنے سے منع فرمایا آپ سے مالداری (غنا) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا صبح اور شام کا کھانا (مالداری ہے) (۱)

دوسرے حضرات نے فرمایا غنا کی حد تک لے سکتا ہے اور وہ نصاب زکوٰۃ ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اغنیاء پر ہی لازم کی ہے انہوں نے زکوٰۃ لینے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے لیے اور اپنے اہل وعیال میں سے ہر ایک کے لیے نصاب زکوٰۃ لے سکتا ہے کچھ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ غنا کی حد پچاس درہم یا اتنی قیمت کا سونا ہے۔ کیوں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَأَلَ وَلَهُ مَالٌ يُغْنِيهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِي وَجْهِهِ خُمُوشٌ۔ (۲)

جو شخص مانگتا ہے حالانکہ اس کے پاس اتنا مال ہے جو اسے غنی کردے تو وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی۔

پوچھا گیا کہ غنا کیا ہے آپ نے فرمایا پچاس درہم یا ان کی قیمت کا سونا۔ کہا گیا کہ اس حدیث کا راوی مضبوط نہیں ہے ایک قوم نے کہا چالیس درہم کیوں کہ حضرت عطا بن یسار رضی اللہ عنہ سے ایک منقطع حدیث میں مروی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَأَلَ وَلَهُ أُوقِيَّةٌ فَقَدْ أَلْحَفَ فِي السُّؤَالِ (۳)

جو آدمی سوال کرے اور اس کے پاس ایک اوقیہ (چالیس درہم) ہو تو اس نے سوال میں مبالغہ کیا۔

کچھ دوسرے حضرات نے توسیع میں مبالغہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اتنی مقدار لے جس کے ساتھ سامان خرید کر عمر بھر کے لیے بے نیاز ہو جائے۔ یا سامان تیار کر کے تجارت کرے اور زندگی بھر کے لیے مالدار ہو جائے کیونکہ غنا تو یہی ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اتنا دو کہ وہ لوگ غنی ہو جائیں، حتی کہ ایک جماعت

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۳۰ کتاب الزکوٰۃ

(۲) مستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۰۷ کتاب الزکوٰۃ

(۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۳۱ کتاب الزکوٰۃ

اس طرف گئی ہے کہ جو شخص محتاج ہو وہ اس قدر لے سکتا ہے کہ پہلی حالت کی طرف لوٹ جائے اگرچہ دس ہزار درہم ہوں۔ البتہ حد اعتدال سے نہیں نکلنا چاہیے۔ اور جب اپنے باغ کی وجہ سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی توجہ نماز سے ہٹ گئی تو انہوں نے فرمایا میں نے اسے صدقہ کر دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اپنے رشتہ داروں کو دے دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے (۱) تو انہوں نے حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہما کو دے دیا۔ تو کھجوروں کا ایک باغ دو آدمیوں کے لیے کثیر ہے اور غنی بنانے والا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک اعرابی کو اونٹنی اور اس کے ساتھ دودھ پیتا بچہ عنایت فرمایا اس سلسلے میں یہ کچھ منقول ہے۔

جہاں تک ایک دن کے رزق کی صورت میں یا ایک اوقیہ دینے کی صورت میں قلت کا تعلق ہے تو یہ سوال کی کراہیت اور دروازوں پر جانے کی کراہیت کے بارے میں ہے اور یہ بات ناپسندیدہ ہے اور اس کا حکم الگ ہے بلکہ یہ تجویز کہ وہ سامان خرید کر اس سے غنی ہو جائے یہ احتمال زیادہ قریب ہے لیکن یہ بھی فضول خرچی کی طرف مائل ہے۔

اعتدال کے زیادہ قریب یہ ہے کہ ایک سال کے لیے کفایت کرے اس سے جو کچھ زائد ہے اس میں خطرہ ہے اور کم میں تنگی ہے۔ ان امور میں جہاں کوئی انداز مقرر نہیں کیا جا سکتا وہاں اس طریقے پر عمل کیا گیا جو توفیقی ہے (یعنی احادیث سے معلوم ہوا) کیونکہ مجتہد کے لیے حکم ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے۔

پھر پرہیز گار سے کہا جائے گا کہ تم اپنے دل سے فتویٰ لو اگرچہ لوگ تمہیں کچھ فتویٰ دیں اگرچہ لوگ تمہیں فتویٰ دیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (۲)

کیوں کہ گناہ دلوں کی چبھن ہیں اور جب زکوٰۃ لینے والا اپنے دل میں اس مال کی طرف سے کوئی بات محسوس کرے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور علماء کے ظاہر کے فتویٰ کو علت بنا کر رخصت تلاش نہ کرے کیونکہ ان کے فتویٰ میں کچھ قیود ہوتی ہیں اور وہ ضرورتوں سے مطلق بھی ہوتے ہیں ان میں تخمینے اور شبہات پائے جاتے ہیں اور شبہات سے بچنا دین داروں کے طریقے اور آخرت کے راستے پر چلنے والوں کی عادات سے ہے۔

پانچواں ادب:۔ وہ صاحب مال سے پوچھے کہ اس پر کتنی زکوٰۃ واجب ہے اور اگر وہ مال جو اسے دیا ہے آٹھویں حصے سے زیادہ ہو تو اس سے نہ لے (یہ پابندی احناف کے ہاں نہیں ہے) کیونکہ وہ اپنے شریک کے ساتھ صرف آٹھویں حصے کا مستحق ہے تو آٹھویں حصے سے بھی اتنا کم کرے جو اس کے دو ساتھیوں کو مل سکے۔ اکثر لوگوں پر یہ بات

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۶۲ مرویات حضرت انس رضی اللہ عنہ

(۲) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۲۵۰ حدیث ۲۹۳۰۹

پوچھنا واجب ہے کیوں کہ وہ جہالت یا سستی کی وجہ سے اس تقسیم کی پرواہ نہیں کرتے البتہ جب حرمت کا غالب گمان نہ ہو تو سوال نہ کرنا جائز ہے سوال کے مواقع اور احتمال کے درجے کا بیان حلال و حرام کے ضمن میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (۱)

چوتھی فصل:

نفلی صدقہ اور لینے دینے کے آداب

صدقہ کی فضیلت:

اس سلسلے احادیث مبارکہ اس طرح ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَصَدَّقُوْا وَلَوْ بِتَمْرَةٍ فَإِنَّهَا تَسُدُّ مِنَ الْجَائِعِ وَتُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ۔ (۲)

صدقہ کرو اگرچہ ایک کھجور ہو یہ بھوکے کی بھوک کو ختم کرتا ہے اور گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ۔ (۳)

جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے ہو اگر نہ پاؤ تو اچھے کلمہ کے ذریعے بچو۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يَتَصَدَّقُ بِصَدَقَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا طَيِّبًا اِلَّا كَانَ اللّٰهُ آخِذُهَا بِيَمِيْنِهٖ فَيُرَبِّيْهَا كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فَصِيْلَهٗ حَتّٰى تَبْلُغَ

جو مسلمان بندہ حلال کمائی سے کچھ صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ حلال سے ہی قبول کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ (جیسے اس کے شایان شان ہے) سے پکڑتا ہے اور اسے بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک

---

(۱) چونکہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مصارف زکوٰۃ جو آٹھ ہیں ان میں سے ہر مصرف کے کم از کم تین آدمیوں کو زکوٰۃ دینا لازمی ہے لہٰذا ایک مصرف کا آٹھواں حصہ ہو جو تین آدمیوں میں تقسیم ہوگا احناف کے ہاں یہ پابندی نہیں ہے ایک ہی مصرف کے ایک آدمی کو بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں بشرطیکہ نصاب سے زیادہ نہ دیں ۱۲ ہزاروی۔

(۲) کتاب الزہد والرقائق ص ۲۲۹ حدیث ۶۵۱

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۸۰ کتاب الصوم

اَلتَّمْرَةُ مِثْلَ اُحُدٍ۔ (۱)

اونٹ کے بچے کو پالتا ہے حتیٰ کہ ایک کھجور (ثواب میں) اُحد پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَاَكْثِرْ مَاءَهَا ثُمَّ اُنْظُرْ اِلٰى اَهْلِ بَيْتٍ مِنْ جِيْرَانِكَ فَاَصِبْهُمْ مِنْهُ بِمَعْرُوْفٍ۔ (۲)

جب تم شوربہ پکاؤ تو اس میں زیادہ پانی ڈالو پھر اپنے پڑوسیوں کو دیکھو اور ان کو دے کر حسن سلوک کا مظاہرہ کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا اَحْسَنَ عَبْدٌ الصَّدَقَةَ اِلَّا اَحْسَنَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْخِلَافَةَ عَلٰى تَرِكَتِهِ (۳)

جو بندہ اچھا صدقہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے متروکہ مال میں برکت دیتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ امْرِئٍ فِيْ ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ (۴)

ہر شخص اپنے صدقہ کے سائے میں ہوگا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّدَقَةُ تَسُدُّ سَبْعِيْنَ بَابًا مِنَ الشَّرِّ (۵)

صدقہ برائی کے ستر دروازوں کو بند کرتا ہے۔

آپ نے ہی ارشاد فرمایا:

صَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ عَزَّوَجَلَّ۔ (۶)

پوشیدہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب (کی آگ) کو بجھا دیتا ہے۔

نیز آپ نے ارشاد فرمایا:۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ

(۲) مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۱ باب افضل الصدقہ

(۳) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۶۳ حدیث ۱۶۰۷۱

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۸ مرویات عقبہ بن عامر

(۵) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۷۱ حدیث ۱۶۱۱۰

(۶)

مَا الَّذِیْ اَعْطٰی مِنْ سِعَۃٍ بِاَفْضَلَ اَجْرًا مِنَ الَّذِیْ یَقْبَلُ مِنْ حَاجَۃٍ ۔ (۱)

کشادگی کی حالت میں جو صدقہ دیا جاتا ہے وہ حاجت کی وجہ سے لینے سے زیادہ اجر کا باعث ہے۔

شاید اس سے مراد یہ ہے کہ وہ حاجت جو دین کے لیے فراغت حاصل کرنے کی خاطر پوری کی جاتی ہے اس طرح یہ (لینے والا) اس دینے والے کے برابر ہوگا جو اپنے دین کی تعمیر کے لیے دیتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا:

اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَاْمُلُ الْبَقَاءَ وَتَخْشَی الْفَاقَۃَ وَلَا تُمْہِلْ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ کَذَا وَلِفُلَانٍ کَذَا وَقَدْ کَانَ لِفُلَانٍ (۲)

تم اس حال میں صدقہ کرو کہ تندرست ہو مال کی حرص رکھنے والے ہو زندگی کی امید رکھتے ہو اور فاقے سے ڈرتے ہو تاخیر نہ کرو یہاں تک کہ جب موت حلق تک پہنچ جائے تو اب کہو فلاں کے لیے اتنا ہے فلاں کے لیے اتنا ہے حالانکہ وہ تو فلاں کے لیے ہو چکا۔

ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا صدقہ کرو، ایک صحابی نے عرض کیا "میرے پاس ایک دینار ہے" آپ نے فرمایا "اسے اپنی ذات پر خرچ کرو" اس نے کہا ایک اور بھی ہے فرمایا "اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو" اس نے عرض کیا "اور بھی ہے" آپ نے فرمایا "اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو" اس نے عرض کیا "اس کے علاوہ بھی ہے" آپ نے ارشاد فرمایا "اسے اپنے خادم پر خرچ کرو" اس نے عرض کیا "اور بھی ہے" فرمایا تم زیادہ بہتر جانتے" (۳) (یعنی جہاں مناسب سمجھو خرچ کرو)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا تَحِلُّ الصَّدَقَۃُ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ اِنَّمَا ھِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ (۴)

آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہم) کے لیے صدقہ جائز نہیں کیونکہ یہ لوگوں کی میل ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

رُدُّوْا مَذَمَّۃَ السَّائِلِ وَلَوْ بِمِثْلِ رَاْسِ

سائل کے حق کی ادائیگی کرو اگرچہ پرندے کے سر کے

(۱) مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۱۰۱ کتاب الزکوٰۃ

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۳۲ کتاب الزکوٰۃ

(۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۳۸ کتاب الزکوٰۃ

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴۴ کتاب الزکوٰۃ

الطَّائِرِ مِنَ الطَّعَامِ (۱) — برابر کھانا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَوصَدَقَ السَّائِلُ مَا اَفْلَحَ مَنْ رَدَّهُ (۲) — اگر مانگنے والا سچا ہو تو اسے رد کرنے والا فلاح نہیں پا سکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، جو شخص اپنے گھر سے سائل کو خالی ہاتھ واپس کرتا ہے تو سات دن تک اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو کاموں کو دوسروں کے سپرد نہیں کرتے تھے۔ رات کے وقت وضو کے لیے پانی خود رکھتے اور اسے ڈھانپ کر رکھتے اور مسکین کو صدقہ اپنے ہاتھوں سے دیتے تھے (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَاللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ اِنَّمَا الْمِسْكِيْنُ الْمُتَعَفِّفُ اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (۴) — مسکین وہ نہیں جو ایک یا دو کھجوریں یا ایک دو لقمے لے کر واپس ہو جاتا ہے مسکین وہ ہے جو مانگنے سے بچتا ہے اور اگر تم چاہو تو پڑھو کہ وہ لوگوں سے چمٹ کر (مبالغہ کے ساتھ) نہیں مانگتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَكْسُوْ مُسْلِمًا اِلَّا كَانَ فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مَا دَامَتْ عَلَيْهِ مِنْهُ رُقْعَةٌ (۵) — جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو لباس پہناتا ہے تو جب تک اس پر کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی ہے وہ (دینے والا) اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتا ہے۔

اقوالِ صحابہ تابعین:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پچاس ہزار درہم صدقہ کئے اور آپ کی قمیص پر پیوند لگے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی۔

---

(۱) العلل المتناہیۃ جلد ۲ ص ۳ | حدیث ۸۲۱

(۲) التمہید جلد ۵ ص ۲۹۷

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ ص ۲۰۶ کتاب الزکوٰۃ

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۳۴ کتاب الزکوٰۃ

(۵) مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۹ باب فضل الصدقۃ

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا۔ (۱) اور وہ کھانے کی محبت با وجود مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔

کی تفسیر میں حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ کھانے کی خواہش کے با وجود کھلاتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں دعا کیا کرتے تھے۔

اے اللہ! ہمارے اچھے لوگوں کو دولت عطا فرما کہ وہ اس کے ذریعے ہمارے حاجت مندوں کی خبر گیری کریں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے تھے "نماز تمہیں راستے کے درمیان تک پہنچاتی ہے روزہ تمہیں بادشاہ کے دروازے تک پہنچاتا ہے اور صدقہ تجھے اس کے پاس داخل کر دیتا ہے۔

حضرت ابن ابی جعد فرماتے ہیں "صدقہ برائی کے ستر دروازوں کو دور کرتا ہے۔ اور ظاہراً دینے نسبت پوشیدہ دینے کی فضیلت ستر گنا ہے اور صدقہ ستر شیطانوں کے جبڑے چیر دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے ستر سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر بے حیائی کا ارتکاب کیا تو اس کا عمل ضائع ہو گیا پھر ایک مسکین کے پاس سے گزرا تو اس پر ایک روٹی کا صدقہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا گناہ بخش دیا اور ستر سال کے اعمال واپس کر دیئے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ جب تم سے کوئی غلطی ہو جائے تو صدقہ دو۔ حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں میں صدقہ کے دانے کے علاوہ کسی دانے کو نہیں جانتا جو دنیا کے پہاڑوں کے برابر ہو۔

حضرت عبداللہ بن ابی رواد فرماتے ہیں کہا جاتا تھا کہ تین باتیں جنت کے خزانوں سے ہیں (۱) بیماری کو چھپانا (۲) صدقہ چھپا کر دینا اور (۳) مصائب کو چھپانا ــــ یہ روایت مسند بھی آئی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اعمال نے ایک دوسرے پر فخر کیا تو صدقہ نے کہا میں تم سب سے افضل ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خیرات میں شکر دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے میں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا وہ فرماتا ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (۱) تم ہرگز نیکی نہیں پاؤ گے یہاں تک اپنی پسندیدہ چیز خرچ کرو۔

اور (فرماتے تھے) اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مجھے شکر پسند ہے۔

حضرت امام نخعی رحمہ اللہ فرماتے تھے جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اس میں عیب ہو۔ حضرت عبید بن عمیر فرماتے ہیں قیامت کے دن لوگ اس قدر بھوکے اٹھائے جائیں گے کہ کبھی اتنے نہ ہوتے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ دھر آیت ۸

(۲) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۹۲

ہوں گے اتنے پیاسے کہ کبھی نہ ہوں گے اور ایسے ننگے کہ کبھی ایسے ننگے نہ ہوتے ہوں گے تو جیسے اللہ تعالیٰ کے لیے کھانا کھلایا اسے اللہ تعالیٰ پیٹ بھر کر کھلائے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کو پانی پلایا اسے اللہ تعالیٰ سیراب کرے گا اور جس نے کسی کو کپڑے پہنائے ہوں گے اللہ تعالیٰ اسے لباس پہنائے گا۔

حضرت حسن فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو مالدار کر دیتا تم میں کوئی فقیر نہ ہوتا لیکن تم میں سے بعض کو ذریعے آزمایا گیا۔ حضرت شعبی فرماتے ہیں جو شخص اپنے آپ کو ثواب کا اس سے زیادہ محتاج نہ سمجھے جتنا فقیر صدقے کا محتاج ہوتا ہے تو اس نے اپنے صدقہ کو باطل کر دیا اور اسے اپنے چہرے پر مار دیا۔

حضرت مالک فرماتے تھے خوش حال آدمی صدقے کے پانی سے اور جو مسجد میں پلایا جاتا ہے۔ اس سے پئے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کیوں کہ وہ پیاسوں کے لیے ہے جو بھی پیاسا ہو اس سے صرف حاجتمند اور مسکین لوگوں کو پلانا مقصود نہیں ہوتا کہا جاتا ہے کہ ایک دلال ایک لونڈی کے ساتھ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے دلال سے فرمایا کیا تم اس کی قیمت ایک یا دو درھم پر راضی ہو؟ اس نے کہا نہیں انہوں نے فرمایا جاؤ اللہ تعالیٰ جنتی حور ایک پیسے اور ایک لقمہ کے بدلے میں دینے پر راضی ہوتا ہے

صدقہ چھپا کر یا ظاہری طور پر دینا

اس سلسلے میں اخلاص کے متلاشی لوگوں کا راستہ مختلف ہے ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ پوشیدہ دینا افضل ہے اور دوسری جماعت کے نزدیک ظاہراً دینا بہتر ہے ہم ان دونوں میں پوشیدہ معانی اور آفات کی طرف اشارہ کرتے ہیں پھر حق بات سے پردہ اٹھائیں گے۔

پوشیدگی میں پانچ معانی ہیں:

۱۔ اس طرح لینے والے کا پردہ رہ جاتا ہے کیوں کہ ظاہری طور پر لینے سے اس کی عزت و وقار کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔ حاجت سامنے آجاتی ہے اور اس عفت کی صورت سے خارج ہو جاتا ہے جو پسندیدہ ہے اور اس سے متعفف شخص کو جاہل لوگ مالدار سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ وہ مانگنے سے پرہیز کرتا ہے۔

۲۔ اس طرح لوگوں کے دل اور زبانیں زیادہ محفوظ رہتی ہیں کیونکہ وہ بعض اوقات حسد کرتے ہیں یا اس کے لینے پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کے خیال میں وہ بلا ضرورت لے رہا ہے یا زیادہ لینے کی طرف نسبت کرتے ہیں اور حسد، بدگمانی اور غیبت کبیرہ گناہوں سے ہیں اور ان جرائم سے ان کا بچنا بہتر ہے حضرت ابوایوب سختیانی فرماتے ہیں۔ میں نئے کپڑے نہیں پہنتا تاکہ میرا پڑوسی حسد نہ کرے ایک عبادت گزار نے فرمایا کہ میں نے کئی مرتبہ اپنے بھائیوں کی وجہ سے کسی چیز کے استعمال کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ کہتے ہیں اس کے پاس یہ کہاں سے آئی ہے۔

حضرت ابراہیم تیمی فرماتے ہیں کہ ان پر ایک نئی قمیص دیکھی گئی تو ان کے بعض بھائیوں نے کہا یہ آپ کے پاس

کہاں سے آئی ہے۔ انہوں نے فرمایا مجھے یہ حضرت خیثمہ نے پہنائی ہے اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ان کے گھر والوں کو معلوم ہو جائے گا تو میں اسے قبول نہ کرتا۔

۳۔ اس طرح دینے والے کے عمل کو پوشیدہ رکھنے میں اس کی مدد کرنا ہے کیونکہ ظاہراً دینے کی نسبت چھپا کر دینے کی زیادہ فضیلت ہے اور نیکی کو پورا کرنے پر مدد کرنا بھی نیکی ہے اور کسی چیز کو چھپانا دو آدمیوں کے ذریعے ممکن ہے جب ظاہر ہو گیا تو دینے والے کا معاملہ کھل گیا۔

ایک شخص نے کسی عالم کو کوئی چیز کھلم کھلا دی تو انہوں نے واپس کر دی دوبارہ پوشیدہ طور پر دی تو انہوں نے قبول کر لی ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس شخص نے اپنا صدقہ چھپا کر دینے میں ادب سے کام لیا تو میں نے قبول کر لیا اور اس نے اپنے عمل میں بے ادبی سے کام لیا تو میں نے واپس کر دیا کسی شخص نے ایک صوفی کو مجلس میں ایک چیز دی تو انہوں نے واپس کر دی اس نے کہا آپ نے اللہ تعالیٰ کا عطیہ کیوں واپس کر دیا تو انہوں نے جواب دیا تو نے اس چیز میں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تھی اس کے غیر کو شریک کیا اور اللہ تعالیٰ پر قناعت نہ کی تو میں نے تیرا شرک واپس کر دیا۔

ایک بزرگ نے پوشیدگی میں وہی چیز قبول کر لی جو علانیہ ملنے پر رد کر دی تھی۔ اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا تم نے علانیہ دے کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو میں گناہ پر تمہارا مددگار نہیں ہو سکتا۔ اور خفیہ طور پر دیتے ہوئے تم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تو میں نے تیری نیکی پر مدد کی۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مجھے معلوم ہو کہ ان میں سے کوئی ایک اپنے صدقے کا ذکر نہیں کرے گا اور نہ کسی سے بیان کرے گا تو میں اس کا صدقہ قبول کر لیتا۔

۴۔ ظاہری طور پر لینے میں رسوائی اور توہین ہے اور مومن اپنے نفس کو رسوا نہیں کرتا ایک عالم پوشیدہ طور پر لے لیتے اور ظاہراً نہ لیتے اور فرماتے کہ ظاہری طور پر لینے میں علم کی رسوائی اور اہل علم کی توہین ہے تو میں علم کو توہین سے دو چار کر کے اور اہل علم کو رسوا کر کے کسی دنیوی چیز کو بلندی نہیں دے سکتا۔

۵۔ شرکت کے شبہ سے بچاؤ ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ أُهْدِيَ لَهُ هَدِيَّةٌ وَعِنْدَهُ قَوْمٌ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِيهَا۔ (۱)

جس آدمی کو کوئی تحفہ دیا گیا اور اس کے پاس کچھ دوسرے لوگ بھی ہوں۔

وہ اگر چاندی یا سونا بھی ہو تو ہدیہ ہی رہے گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَفْضَلُ مَا يُهْدِي الرَّجُلُ إِلَى أَخِيهِ وَرِقًا

کسی شخص کا اپنے بھائی کے لیے افضل صدقہ چاندی

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۶ ص ۱۸۳ کتاب الہبات۔

وَیُطْعِمُهُ خُبْزًا - (۱)

ہے یا اسے روٹی کھلاتا ہے۔
آپ نے صرف چاندی کو بھی ہدیہ قرار دیا تو مجلس میں سب کی رضا کے بغیر کسی ایک کو دینا مکروہ ہے اور شبہ سے خالی نہیں ہے جب وہ علیحدگی میں دے گا تو اس شبہ سے بچ جائے گا۔

علانیہ صدقہ دینا

علانیہ صدقہ دینے اور اسے بیان کرنے میں چار معانی ہیں۔

(۱) اخلاص ہے یعنی اپنے مال کو لوگوں کے دھوکے سے بچانا اور ریا کاری سے محفوظ رہنا۔

(۲) جاہ و مرتبہ کو دور کر دینا، بندگی اور مسکینیت کو ظاہر کرنا بڑائی اور استغناء کے دعویٰ سے بری ہونا اور لوگوں کی نگاہوں سے نفس کو گرانا (۲)

ایک خدا رسیدہ شخص نے اپنے شاگرد سے کہا اگر تم صدقہ لو تو ہر حالت میں ظاہر کر کے لو کیونکہ تم دو میں سے ایک شخص سے خالی نہ ہو گے، ایک وہ شخص کہ جب تم ایسا کرو گے تو اس کے دل سے گر جاؤ گے اور یہی مقصود ہے کیونکہ اس میں تمہارے دین کی سلامتی زیادہ اور نفس کی آفات کم ہیں یا سچ کو ظاہر کرنے کی وجہ سے کچھ لوگوں کے دلوں میں تمہاری عظمت بڑھے گی اور تمہارا بھائی بھی تو یہی بات چاہتا ہے کیونکہ وہ تم سے جس قدر زیادہ محبت کرے گا اس کا ثواب زیادہ ہو گا، اور وہ تیری تنظیم کرے گا تو چونکہ تو اس کے لیے ثواب کے اضافے کا باعث بنا لہٰذا تجھے اجر ملے گا۔

(۳) عارف کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے اور اس کے حق میں پوشیدہ اور علانیہ برابر ہے تو حال کا اختلاف توحید میں شرک ہے کسی عارف نے فرمایا ہم اس شخص کی دعا کا اعتبار نہیں کرتے جو پوشیدہ طور لے لے اور علانیہ کو رد کر دے لوگ موجود ہوں یا غائب ان کی طرف توجہ کرنا یعنی پیش نظر رکھنا فوری نقصان کا باعث ہے بلکہ انسان کی نظر صرف ذات واحد پر لگی رہے، کہا گیا کہ ایک بزرگ اپنے ایک مرید کی طرف سب سے زیادہ توجہ کرتے تھے، دوسروں کو یہ بات ناگوار گزرتی تھی چنانچہ اس بزرگ نے ان پر اس مرید کی فضیلت کو ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تو ان میں سے ہر ایک کو ایک مرغی دے دی اور فرمایا تم میں سے ہر ایک اسے لے جائے اور وہاں ذبح کرے جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو وہ تمام لے گئے اور ذبح کر دیا البتہ وہ مرید مرغی کو واپس لے آیا۔

ان تمام سے پوچھا تو انہوں نے کہا ہم نے اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل کی ہے شیخ نے اس مرید خاص سے پوچھا تم نے دوسرے ساتھیوں کی طرح مرغی کیوں ذبح نہیں کی؟ اس مرید نے جواب دیا مجھے ایسی جگہ نہیں مل سکی جس میں مجھے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۷۲ مرویات نعمان بن بشیر

(۲) مقصد یہ ہے کہ ظاہری طور پر دینے سے لوگوں کو دھوکہ نہیں دیا جاتا کہ شاید یہ شخص اندر سے کتنا مالدار یا کتنا بڑا صدقہ دیتا ہوگا وہ سب کچھ سامنے لا کر دھوکہ دینے سے محفوظ رہتا ہے ۱۲ ہزاروی

کوئی نہ دیکھتا ہو اللہ تعالیٰ مجھے ہر جگہ دیکھ رہا ہے۔ تو وہ بزرگ فرمانے لگے ہیں اسی لیے اس کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہوں کہ یہ غیر خدا کی طرف توجہ نہیں رکھتا۔

۴۔ ظاہری طور پر دینے میں سنتِ شکر کو قائم کرنا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔(۱) اور اپنے رب کی نعمت کا ذکر کیا کرو۔

خفیہ رکھنا نعمت کی ناشکری ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا کیا ہے اس کو پوشیدہ رکھنے پر اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی اور ایسے شخص کو بخیل کا ساتھی قرار دیا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۔(۲)

وہ لوگ جو بخل سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو فضل عطا فرمایا اسے چھپاتے ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلٰى عَبْدٍ نِعْمَةً اَحَبَّ اَنْ تُرٰى نِعْمَتُهٗ عَلَيْهِ۔ (۳)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نعمت عطا کرتا ہے تو وہ پسند فرماتا ہے کہ وہ نعمت اس پر دکھائی دے۔

ایک شخص نے کسی عارف کو کوئی چیز چھپا کر دی تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا یہ دنیا سے ہے اور اسے ظاہر کرنا افضل ہے جب کہ امورِ آخرت کو پوشیدہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اسی لیے ان میں سے بعض حضرات نے فرمایا جب تمہیں علانیہ دیا جائے تو لے لو اور پھر پوشیدگی کے ساتھ واپس کر دو اور اس پر شکریہ ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ (۴)

جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔

اور شکریہ ادا کرنا بدلہ دینے کے قائم مقام ہے حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَسْدٰى اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ فَاِنْ

جو آدمی تم سے نیکی کا برتاؤ کرے تو اسے بدلہ دو اگر

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ والضحیٰ آیت ۱۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۳۷

(۳) التمہید جلد ۳ ص ۲۵۴

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۸ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

لَمْ تَسْتَطِيْعُوْا فَاثْنُوْا عَلَيْهِ خَيْرًا وَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰى تَعْلَمُوْا اَنَّكُمْ قَدْ كَافَاتُمُوْهُ ۔ (۱)

اس کی طاقت نہ ہو تو اس کے بارے میں اچھے کلمات کہو اور اس کے لیے دعا کرو حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم نے اس کا بدلہ دے دیا ہے۔

جب مہاجرین صحابہ کرام نے (انصار کے) شکریہ کے سلسلے میں عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم ان لوگوں سے بہتر کسی کو نہیں دیکھتے جن کے پاس ہم آئے تو انہوں نے ہمارے لیے اپنے مال بھی تقسیم کر دیئے حتیٰ کہ ہمیں ڈر ہوا کہ وہ پورا اجر لے جائیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " تم جو کچھ ان کا شکریہ ادا کر دیا ان کی تعریف میں کلمات کہو تو یہ اس کا بدلہ ہے (۲)

اب جب تم نے ان معانی کو سمجھ لیا تو جان لو کہ اس میں اختلاف (اصل) مسئلہ میں اختلاف نہیں بلکہ حالت میں اختلاف ہے تو اس کی حقیقت اس طرح واضح ہوگی کہ ہم قطعی فیصلہ نہیں دے سکتے کہ پوشیدہ طور پر دینا بہر حال میں افضل ہے یا علانیہ دینا؛ بلکہ نیتوں کے بدلنے سے حکم بدلتا ہے اور نیتوں کی تبدیلی احوال و اشخاص کی تبدیلی سے ہوتی ہے لہٰذا مخلص آدمی کو اپنے نفس کی حفاظت کرنی چاہیے حتیٰ کہ وہ دھوکے کی رسی میں لٹک نہ جائے طبیعت کے دھوکے اور شیطان کے فریب میں نہ آئے، نیز علانیہ دینے کی نسبت پوشیدگی میں دھوکہ اور فریب زیادہ ہے اس کے باوجود دونوں صورتوں میں اس کا عمل دخل ہے۔

پوشیدگی میں دھوکے کا دخل یوں ہے کہ طبیعت کا اس طرف میلان ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں لوگوں کے ہاں جاہ و مرتبہ کی حفاظت ہوتی ہے لوگوں کی نگاہوں سے اپنی قدر و منزلت کو گرنے سے بچاتا ہے اس سے بھی محفوظ رہتا ہے کہ لوگ اسے توہین آمیز نگاہوں سے دیکھیں اور دینے والے کو منعم اور محسن سمجھیں یہ لاعلاج بیماری ہے اور نفس میں جڑ پکڑتی ہے۔

اور شیطان اس کے ذریعے اچھے معانی کو ظاہر کرتا ہے حتیٰ کہ وہ ان پانچوں مذکورہ معانی کو علت بنا کر پیش کرتا ہے۔ (یعنی اس کو دھوکہ دیتا ہے کہ یہ کام اچھا ہے) ان تمام باتوں کا معیار ایک ہی بات ہے وہ یہ کہ اسے اپنے صدقہ لینے کا حال کھل جانے کا اتنا ہی دکھ ہو جتنا اس کے دوسرے احباب کے صدقہ کے ظہور سے دکھ ہوتا ہے۔ اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ غیبت، حسد، اور بدظنی سے بچ جائیں یا پردہ کھل جانے سے بچنا مقصود ہو یا دینے والے کو پوشیدہ دینے پہ مدد دینا یا علم کو ذلت سے بچانا مقصد ہو تو یہ تمام باتیں دوسرے بھائی کے صدقہ کا حال کھلنے سے بھی ہوں گی

---

(۱) کنز العمال جلد ۶ ص ۶۹۴ حدیث ۱۷۰۲۵

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۶ ص ۱۸۳ کتاب الہبات۔

اگر دوسروں کا حال کھلنے کے مقابلے میں اپنے حال کا ظاہر ہونا زیادہ بوجھل محسوس ہو تو اس وقت خفیہ لینے کے ان فوائد کا بہانہ بنانا محض مغالطہ اور جھوٹ ہے جو شیطان کے مکر و فریب سے ہے کیوں کہ علم کو رسوا کرنا اس کے محض علم ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے نہیں کہ وہ زید کا علم ہے یا عمرو کا۔ اور غیبت اس لیے منع ہے کہ وہ کسی محفوظ عزت کے درپے ہوتا ہے اس لیے نہیں کہ وہ خاص فرید کی عزت ہے۔ اور جو آدمی اس بات کا اچھی طرح لحاظ کرتا ہے تو بعض اوقات شیطان اس سے عاجز ہو جاتا ہے ورنہ وہ ہمیشہ عمل زیادہ کرتا اور حصہ کم پاتا ہے جہاں تک ظاہر کا مسئلہ ہے تو اس کی طرف طبیعت اس لیے مائل ہوتی ہے کہ اس سے دینے والے کے دل کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور اسے ایسے کاموں پر ترغیب دیتا ہے اور دوسروں کے سامنے ذکر کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ شکریہ ادا کرنے والوں میں سے ہے تاکہ وہ اس کی عزت کریں اور اس پر مال خرچ کریں اور یہ ایک باطنی لاعلاج مرض ہے۔ اور دین دار آدمی پر شیطان اسی صورت میں قادر ہوتا ہے کہ وہ اس خباثت کو اس کے سامنے سنت بنا کر پیش کرے اور اسے کہے کہ شکریہ ادا کرنا سنت سے ہے اور پوشیدہ رکھنا ریاکاری ہے اور اس کے سامنے ان فوائد کا ذکر کرے جو ہم نے بیان کئے ہیں تاکہ وہ اسے ظاہر کرنے پر ابھارے حالانکہ اس کا باطنی مقصد وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

اس کا معیار یہ ہے کہ شکر کی طرف نفس کے میلان کی حفاظت کرے حتیٰ کہ اس کی خبر دینے والے کو بھی نہ پہنچے اور نہ ان لوگوں تک پہنچے جو اسے دینے کی رغبت رکھتے ہیں اور ایسی جماعت تک پہنچے جو ظاہر کر کے عطیہ دینے کو مکروہ جانتے ہیں اور اس کو پوشیدہ رکھنے میں رغبت رکھتے ہیں ان کی عادت یہ ہے کہ وہ اسی کو دیتے ہیں جو پوشیدہ رکھتا ہے اور شکریہ بھی ادا نہیں کرتا اور اگر اس کے نزدیک یہ حالات برابر ہوں تو جان لے کہ اس کا مقصد شکریہ ادا کرنے میں سنت کو قائم کرنا اور نعمت کا اظہار کرنا ہے ورنہ یہ دھوکہ ہے۔

پھر جب وہ جان لے کہ اس کا سبب شکریہ ادا کرنے میں سنت کو اپناتا ہے تو دینے والے کا حق پورا کرنے سے غافل نہ ہو۔ لہٰذا دیکھے اگر وہ ایسا شخص ہے جو شکریہ ادا کرے اور اس کے ظاہر ہونے کو پسند کرتا ہے تو چاہیے کہ پوشیدہ رکھے اور شکریہ ادا نہ کرے۔ کیوں کہ اس کے حق کی ادائیگی یہ ہے کہ ظلم پر اس کی مدد نہ کرے اور جس کو صدقہ دیا) اس سے شکریہ کا مطالبہ (ریاخواہش) ظلم ہے اور جب معلوم ہو کہ وہ شکریہ ادا کرنے کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا قصد کرتا ہے تو اس وقت اس کا شکریہ ادا کرے اور اس کے صدقہ کو ظاہر کرے یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کی تعریف کی گئی تو آپ نے فرمایا تم نے اس کی گردن ماردی اگر وہ سنے گا تو کامیابی نہیں پائے گا (۱)

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۶۷ کتاب الشہادت

حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود لوگوں کے منہ پر ان کی تعریف کیا کرتے تھے کیونکہ آپ کو ان کے یقین پر اعتماد تھا اور آپ جانتے تھے کہ یہ تعریف ان کو نقصان نہیں پہنچائے گی بلکہ نیکی میں ان کی رغبت کو زیادہ کرے گی آپ نے ایک شخص کے بارے میں فرمایا کہ یہ جنگل والوں کا سردار ہے (۱) اور دوسرے کے بارے میں فرمایا جب تمہارے پاس قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کرو۔ (۲)

آپ نے ایک شخص کا کلام سن کر پسند فرمایا تو ارشاد فرمایا،

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا (۳)

بے شک بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِذَا عَلِمَ اَحَدُکُمْ مِنْ اَخِیْهِ خَیْرًا فَلْیُخْبِرْهُ فَاِنَّهٗ یَزْدَادُ رَغْبَةً فِی الْخَیْرِ (۴)

جب تم میں سے کسی کو اس کے (مسلمان) بھائی کے بارے میں بھلائی کی اطلاع ہو تو اسے بتا دے کیونکہ اس سے نیکی میں رغبت ہوتی ہے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

اِذَا مُدِحَ الْمُؤْمِنُ رَبَا الْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِهٖ۔ (۵)

جب کسی مومن کی تعریف کی جائے تو اس کے دل میں ایمان بڑھ جاتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

"جو شخص اپنے آپ کو پہچان لے اسے لوگوں کی تعریف کوئی نقصان نہیں دیتی ہے" انہوں نے یوسف بن اسباط سے فرمایا جب میں تمہارے ساتھ کوئی حسن سلوک کروں اور اس پر تجھ سے زیادہ خوش ہو جاؤں اور اسے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت شمار کروں تو تم میرا شکریہ ادا کرو ورنہ میرا شکریہ ادا نہ کرو۔ جو شخص اپنے دل کی خبر گیری رکھتا ہے اسے ان معانی کا لحاظ کرنا چاہیے کیونکہ ان مقاصد سے غفلت کے باوجود اعضاء کو عمل میں لگا دینا شیطان کی ہنسی اور خوشی ہے کیونکہ اس میں تھکاوٹ زیادہ اور نفع کم ہے۔ اور اس قسم کے علم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۱۱۶ کتاب معرفۃ الصحابۃ۔

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۲ ص ۳۰۴ حدیث ۲۲۶۶

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۵۸ کتاب الطب

(۴)

(۵) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۱۹ باب جاء فی المدح

مسئلہ معلوم کرنا ایک سال کی عبادت سے افضل ہے کیوں کہ اس علم کے ذریعے عمر بھر کی عبادت زندہ رہتی ہے اور اس سے جہالت کی وجہ سے عمر بھر کی عبادت مرجاتی ہے اور معطل ہوجاتی ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ مجلس میں لینا اور علیحدگی میں دس کردینا تمام راستوں سے اچھا اور محفوظ راستہ ہے۔ اسے چکنی چپڑی باتوں سے دور نہیں کرنا چاہیے البتہ معرفت کی کامل ہوجائے یعنی پوشیدہ و ظاہر برابر ہوجائے تو الگ بات ہے لیکن ایسا شخص عنقا ہے جس کا ذکر ہوتا ہے لیکن دکھائی نہیں دیتا۔ ہم اللہ کریم سے اچھی مدد اور توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

زکوٰۃ اور صدقات میں سے کیا لینا افضل ہے

حضرت ابراہیم خواص حضرت جنید اور ایک جماعت رحمہم اللہ کے خیال میں صدقہ کے مال میں سے لینا افضل ہے کیوں کہ زکوٰۃ میں سے لینے کی صورت میں مساکین کی مزاحمت اور ان پر تنگی کرنا ہے اور بعض اوقات زکوٰۃ لینے میں صفتِ استحقاق کی تکمیل نہیں ہوتی جیسے قرآن پاک میں اوصاف کا ذکر ہے لیکن صدقہ کے معاملے میں زیادہ وسعت ہے اور کچھ کہنے والوں نے کہا کہ زکوٰۃ لینی چاہیے صدقہ نہیں کیونکہ یہ واجب کی ادائیگی پر مدد کرنا ہے اور اگر تمام مساکین زکوٰۃ لینا چھوڑ دیں تو گناہ گار ہوں گے۔ نیز زکوٰۃ میں کوئی احسان بھی نہیں کیونکہ یہ وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے اور محتاج بندوں کا رزق ہے نیز یہ حاجت کے باعث لی جاتی ہے اور انسان اپنی ذاتی حاجت کو قطعی طور پر جانتا ہے اور صدقہ دین کے بدلے میں لینا ہے کیونکہ غالب یہی ہے کہ صدقہ دینے والا اسی کو دیتا ہے جس میں کوئی بھلائی دیکھتا ہے۔ نیز مساکین کا رفیق بننا ذلت اور مسکینی میں زیادہ داخل کرتا ہے اور تکبر سے دور رکھتا ہے کیوں کہ انسان بعض اوقات صدقہ ہدیہ کی جگہ پر لیتا ہے اور دل میں فرق نہیں رہتا اور زکوٰۃ میں لینے والے اور اس کی حاجت کی رسوائی ہے۔

اس میں حق بات یہ ہے کہ یہ بات شخصیات کے بدلنے سے مختلف ہوتی ہے کہ اس پر کیا غالب ہے اور اس کی نیت کیا ہے۔ اگر اسے صفتِ استحقاق میں شبہ ہو تو زکوٰۃ نہیں لینی چاہیے اور جب معلوم ہو کہ وہ قطعی طور پر مستحق ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ اور صدقہ کے درمیان اختیار ہے۔ پس جب صدقہ دینے والے کی یہ صورت ہو کہ اگر یہ آدمی نہ لیتا تو وہ صدقہ نہ دیتا تو صدقہ لے لے تاکہ زکوٰۃ دینے والا اسے اس کے مستحق تک پہنچا دے۔ اس میں بھلائی کو بڑھانا اور مساکین کے لیے وسعت پیدا کرنا ہے اور اگر مال صدقہ کے لیے رکھا ہو اور صدقہ لینے کی صورت میں مساکین پر کچھ تنگی بھی نہ آئی ہو تو اب اسے اختیار ہے اور ان دونوں صورتوں میں معاملہ مختلف ہے لیکن زکوٰۃ نفس کی سرکشی کو توڑنے اور اسے عام حالات میں رسوا کرنے میں زیادہ مؤثر ہے۔ واللہ اعلم اللہ تعالیٰ کی حمد، مدد اور حسنِ توفیق سے اسرار زکوٰۃ کا بیان مکمل ہوا اس کے بعد روزوں کے اسرار کا بیان ہوگا۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ اور تمام انبیاء و مرسلین (علیہم السلام) پر ہو۔ نیز ملائکہ اور آسمانوں اور زمین کے مقربین پر نیز آپ کے

آپ کے آل و صحابہ کرام پر رحمت نازل ہو اور بہت بہت سلام ہو جو قیامت تک رہنے والا ہو۔
تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو ایک ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

روزے کے اسرار کا بیان

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ ان سے شیطان کے مکر و فریب کو دور کیا اس کی امید کو رد اور اس کے گمان کو نامراد کیا اس طرح کہ روزے کو اپنے دوستوں کے لیے قلعہ اور ڈھال بنایا ان کے لیے جنت کے دروازوں کو کھولا اور انہیں بتایا کہ ان کے دلوں تک شیطان کے پہنچنے کا وسیلہ وہ خواہشات ہیں جو وہاں جاگزین ہیں اور ان خواہشات کے ختم کرنے سے نفس مطمئنہ دشمن کو ختم کر کے غالب اور بہت قوی ہوتا ہے مخلوق کے قائد اور صراط مستقیم پر چلانے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے آل و اصحاب پر رحمت ہو جو روشن نگاہوں اور ترجیح یافتہ عقلوں والے ہیں اور بہت زیادہ سلام ہو۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد۔ بے شک روزہ ایمان کا چوتھا حصہ ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ (۱) — ایمان، صبر کا نصف ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ (۲) — صبر، ایمان کا نصف ہے۔

پھر روزے کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ دوسرے ارکان کی نسبت اسے اللہ تعالیٰ سے خصوصی نسبت حاصل ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے حکایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتا ہے۔

كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ اِلَّا الصِّيَامُ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ (۳) — ہر نیکی کا ثواب دس مثل سے لے کر سات سو گنا تک ہے سوائے روزے کے، بے شک وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ — بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر حساب کے بغیر ملے گا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۰
(۲) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۲۷۷ الترغیب فی الصبر
(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۶۳ کتاب الصیام

اور روزہ نصف صبر ہے اور اس کا ثواب تقدیر و حساب سے متجاوز ہے اور اس کی فضیلت کی پہچان میں تمہارے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِنَّمَا يَذَرُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ مِنْ أَجْلِيْ فَالصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ۔ (۱)

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے البتہ روزے دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنی خواہش کھانے اور پینے کو میری وجہ سے چھوڑتا ہے تو روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لِلْجَنَّةِ بَابٌ يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ لَا يَدْخُلُهٗ إِلَّا الصَّائِمُوْنَ۔ (۲)

جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو ریان (سیرابی کا دروازہ) کہا جاتا ہے اس سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے۔

روزے کی جزا کے طور پر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا وعدہ دیا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ إِفْطَارِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ (۳)

روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِكُلِّ شَيْءٍ بَابٌ وَبَابُ الْعِبَادَةِ الصَّوْمُ۔ (۴)

ہر چیز کا ایک دروازہ ہے اور عبادت کا دروازہ روزہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۴ کتاب الصوم
(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۴ کتاب الصوم
(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۵ کتاب الصوم
(۴) کنز العمال جلد ۸ ص ۴۴۸ حدیث ۲۳۵۹۱

نَوْمُ الصَّائِمِ عِبَادَةٌ (۱)

روزے دار کا سونا (بھی) عبادت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَنَادَىٰ مُنَادٍ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ هَلُمَّ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ (۲)

جب رمضان المبارک کا مہینہ داخل ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں شیطانوں کو بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے اے خیر کے متلاشی آگے بڑھ اور برائی ڈھونڈنے والے رک جا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ (۳)

جو کچھ تم نے گذشتہ دنوں میں آگے بھیجا تو اس کے بدلے میں کھاؤ پیؤ اور مزے اڑاؤ۔

حضرت وکیع فرماتے ہیں ان سے روزوں کے دن مراد ہیں کیونکہ انہوں نے ان دنوں میں کھانا پینا ترک کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں زہد اختیار کرنے اور روزے رکھنے کے رتبہ پر فخر کو جمع فرمایا اور فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَىٰ يُبَاهِي مَلَائِكَتَهُ بِالشَّابِّ الْعَابِدِ فَيَقُولُ أَيُّهَا الشَّابُّ التَّارِكُ شَهْوَتَهُ لِأَجْلِي الْمُبْذِلُ شَبَابَهُ لِي أَنْتَ عِنْدِي كَبَعْضِ مَلَائِكَتِي (۴)

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے عابد نوجوان پر فخر فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا اے نوجوان میرے لیے خواہشات کو چھوڑنے والے اپنی جوانی کو میری رضا کی خاطر خرچ کرنے والے تو میرے نزدیک میرے بعض فرشتوں کی طرح ہے۔

روزہ دار کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أُنْظُرُوا يَا مَلَائِكَتِي إِلَىٰ عَبْدِي تَرَكَ شَهْوَتَهُ وَلَذَّتَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ مِنْ أَجْلِي (۵)

اے میرے فرشتو میرے بندے کی طرف دیکھو اس نے اپنی شہوت کھانے اور پینے کو میری رضا کی خاطر چھوڑ دیا۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۸ ص ۳۴۴ حدیث ۳۵۶۲

(۲) جامع الترمذی جلد اول ص ۱۳۲ ابواب الصوم (۳) قرآن مجید، سورۃ الحاقۃ آیت ۲۴

(۴) البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۲۵ ترجمہ شریح بن حارث

(۵) کنز العمال جلد ۵ ص ۷۷۶ حدیث ۴۰۵۷

اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کی تفسیر میں فرمایا گیا کہ ان کا عمل روزہ تھا۔

ارشاد خداوندی یہ ہے :

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱)

کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا رکھی گئی ہے یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔ (۲)

بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر حساب کے بغیر دیا جائے گا۔

تو روزے دار کو اس کی جزا انڈیل دی جائے گی اور بے حساب دی جائے گی وہ کسی حساب اور پیمانے کے تحت نہیں ہوگی۔ اور ایسا ہونا ہی مناسب ہے کیونکہ روزہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اسی کی طرف نسبت سے مشرف ہے اگرچہ تمام عبادات اسی کے لیے ہیں جس طرح اس نے بیت اللہ شریف کو اپنی طرف منسوب کیا حالانکہ تمام زمین اسی کی ہے اس کی دو وجہ ہیں۔

ایک یہ کہ روزہ عمل کو چھوڑنے اور اس سے رُکنے کا نام ہے اور وہ ذاتی طور پہ پوشیدگی ہے اس میں عمل دکھائی نہیں دیتا جب کہ دوسرے تمام اعمال لوگوں کے سامنے ہوتے ہیں اور دکھائی دیتے ہیں جب کہ روزے کو صرف اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور وہ محض صبر کے ذریعے ایک باطنی عمل ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دشمن خدا پر قہر اور غلبہ کا ذریعہ ہے کیونکہ شیطان ملعون کا ذریعہ خواہشات ہیں اور شہوات کھانے پینے سے زیادہ ہوتی ہیں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَجْرِيْ مِنَ ابْنِ اٰدَمَ مَجْرَى الدَّمِ فَضَيِّقُوْا مَجَارِيَهُ بِالْجُوْعِ ۔ (۳)

بے شک شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے پس بھوک کے ذریعے اس کے راستوں کو تنگ کردو۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا :

دَاوِمِيْ قَرْعَ بَابِ الْجَنَّةِ ۔

جنت کا دروازہ ہمیشہ کھٹکھٹاتی رہو۔

انہوں نے عرض کیا کس کے ساتھ ؟ آپ نے فرمایا بھوک کے ساتھ (۴) بھوک کی فضیلت کا بیان ہلاک کرنے والے

(۱) قرآن مجید سورۂ سجدہ آیت ۱۷
(۲) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۱۰
(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۳ باب اعتکاف العشر الاخیر
(۴) الاسرار المرفوعہ ص ۱۳۱ حدیث ۴۶۶

امور کے بیان میں کھانے کی خرابی اور اس کے علاج کے ضمن میں آئے گا۔

تو جب روزہ خاص طور پر شیطان کی جڑ کاٹنے والا اور اس کے راستوں کو بند اور تنگ کرنے والا ہے تو روزہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی نسبت کا مستحق ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیخ کنی اللہ تعالیٰ کی مدد ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد اس بات پر موقوف ہے کہ بندہ اس کے دین کی مدد کرے ارشاد خداوندی ہے۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔ (۱) اگر تم اللہ تعالیٰ (کے دین) کی مدد کرو تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

تو محنت کے ساتھ ابتدا بندے کی طرف سے اور ہدایت کے ساتھ بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (۲) اور وہ لوگ جو ہمارے راستے میں مجاہدہ (محنت) کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستے دکھاتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (۳) بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود نہ بدل دیں۔

تو یہ تبدیلی شہوات کی کثرت سے ہوئی ہے کیونکہ یہ خواہشات شیطان کی چراگاہیں ہیں تو جب تک یہ سرسبز و شاداب رہتی ہیں شیطانوں کی آمد و رفت بند نہیں ہوتی اور جب تک وہ آتے جاتے رہیں بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کا جلال منکشف نہیں ہوتا اور وہ اس کی ملاقات سے پردے میں رہتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْلَا اَنَّ الشَّيَاطِيْنَ يَحُوْمُوْنَ عَلٰى قُلُوْبِ بَنِيْ اٰدَمَ لَنَظَرُوْا اِلٰى مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ (۴) اگر انسانوں کے دلوں پر شیطانوں کی آمد و رفت نہ ہو تو وہ آسمانوں کی بادشاہی دیکھ لیں۔

اسی وجہ سے روزہ، عبادت کا دروازہ اور ڈھال بن گیا۔ جب اس کی اس قدر فضیلت ہے تو اس کی ظاہری اور باطنی شرائط کو ذکر کیا جائے اور ہم اسے تین فصلوں میں بیان کریں گے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ محمد آیت ۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ عنکبوت آیت ۶۹

(۳) قرآن مجید، سورۂ رعد آیت ۱۱

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳ مرویات ابی ہریرہ

فصل اول:

ظاہری واجبات اور سنتیں نیز توڑنے والے امور

روزے کے ظاہری واجبات چھ ہیں۔

ظاہری واجبات

۱۔ رمضان المبارک کے آغاز کا خیال رکھنا اور یہ چاند کے دیکھنے سے ہوتا ہے اگر چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کرنا ہوں گے دیکھنے سے ہماری مراد (چاند کے طلوع ہونے کا) علم ہے۔ اور یہ ایک عادل شخص کے قول سے حاصل ہو جاتا ہے لیکن شوال کا چاند دو عادل آدمیوں کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ عبادت میں احتیاط کا یہی تقاضا ہے۔

جس آدمی نے کسی عادل سے سنا اس کے قول پر یقین کیا اور اس کے غالب گمان کے مطابق وہ آدمی سچا ہے تو اس پر روزہ لازم ہے اگرچہ قاضی اس کا فیصلہ نہ کرے تو ہر انسان اپنی عبادت کے سلسلے میں اپنے گمان کے مطابق چلے اور اگر کسی ایک شہر میں چاند دکھائی دے اور دوسرے شہر میں چاند دکھائی دے اور دوسرے شہر میں دکھائی نہ دے اور ان کے درمیان دو مرحلوں (جو مسافت دو دن میں طے کی جائے) سے کم فاصلہ ہو تو سب پر روزہ واجب ہے اور اگر زیادہ ہو تو ہر شہر کے لیے الگ حکم ہوگا اور وجوب متعدی نہیں ہوگا۔(۱)

۲۔ نیت ہر رات (ہر روزے) کے لئے رنگ نیت رات کو کرنا اور اسے متعین کرنا ضروری ہے اور اگر پورے رمضان شریف کی ایک مرتبہ ہی نیت کرلی تو کافی نہ ہوگی ہم نے جو ہر رات کا لفظ بولا ہے اس کا یہی مطلب ہے اور اگر دن کو نیت کی تو نہ تو رمضان شریف کا روزہ ہوگا نہ کوئی دوسرا روزہ ہوگا بلکہ نفلی روزہ ہوگا ہم نے جو کہا کہ رات کے وقت نیت ہو اس کا یہی مطلب ہے اور اگر مطلقاً روزے یا مطلق فرض روزے کی نیت کی تو صحیح نہ ہوگی جب تک یہ نیت نہ کرے کہ یہ رمضان المبارک کا فرض روزہ ہے۔(۲) اور اگر شک کی رات میں یوں نیت کرے کہ اگر صبح رمضان المبارک کا دن ہوا تو روزہ رکھوں گا تو نیت صحیح نہیں ہوگی کیونکہ یہ قطعی یقینی نہیں ہے البتہ یہ کہ وہ اپنی نیت کسی عادل شاہد کے

---

(۱) اگر ایک جگہ چاند ہوا تو وہ صرف وہیں کے لیے نہیں بلکہ تمام جہان کے لیے ہے بشرطیکہ شرعی طور پر ثابت ہو (بہار شریعت)

(۲) احناف کے نزدیک رمضان المبارک کے روزے خاص دن کی نذر کے روزے اور نفلی روزے کی نیت غروب آفتاب سے لے کر زوال سے پہلے تک ہو سکتی ہے رات کو ضروری نہیں اسی طرح مطلق روزے سے بھی رمضان المبارک کا روزہ رکھ سکتا ہے۔ (بہار شریعت حصہ ۵ ص ۷۰)

قول کی طرف نسبت کرے (یعنی اس کے کہنے پر کر رہا ہے) اور اس عادل کے قول میں غلطی کا احتمال یقین کو نہیں بدلتا یا موجودہ حالت کی طرف منسوب کرے جیسے رمضان المبارک کی آخری رات شک پڑ جاتا ہے اور وہ یقین کو نہیں بدلتا یا اپنے اجتہاد کی طرف منسوب کرے جیسے کوئی شخص کسی تہہ خانے میں قید ہو اور اجتہاد بنیاد پر پھر اس کو ظن غالب حاصل ہو جائے کہ رمضان شریف داخل ہو چکا ہے۔ تو اس کا شک اسے نیت سے نہیں روکے گا اور جب شک کی رات میں شک لاحق ہو گا تو زبان سے نیت کا پکا کرنا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔

کیونکہ نیت کا محل تو دل ہے۔ اور دل میں شک کے ساتھ ارادہ کی پختگی کا تصور نہیں ہو سکتا۔ جیسے کوئی شخص رمضان المبارک کے درمیان کہے کہ میں کل روزہ رکھوں گا اگر رمضان کا دن ہوا تو یہ نقصان نہیں دیتا کیونکہ یہ لفظ میں تردد ہے اور نیت کے محل (دل) میں تردد نہیں ہے بلکہ اسے یقین ہے کہ یہ رمضان المبارک کا دن ہے اور جس نے رات کو نیت کی پھر کھانا کھایا تو نیت فاسد نہ ہو گی۔ اور اگر عورت نے حیض کی حالت میں نیت کی اور صبح سے پہلے حیض ختم ہو گیا تو نیت صحیح ہو گی۔

۳۔ روزہ یاد ہوتے ہوئے جان بوجھ کر کوئی چیز پیٹ میں نہ جانے دینا لہٰذا کھانے، پینے ناک میں دوائی چڑھانے، حقنہ (پچکاری) کرانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے رگ کٹوانے پچھنے لگوانے، سرمہ لگانے کان یا عضو تناسل کے سوراخ میں سلائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ عضو تناسل میں سلائی ڈالنے کی صورت میں اگر اس میں ایسی چیز ڈال دے جو مثانہ تک پہنچ جائے تو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر ارادے کے بغیر راستے کی گرد و غبار یا مکھی وغیرہ پیٹ تک پہنچ جائے یا کلی کرتے ہوئے پانی پیٹ تک پہنچ جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا البتہ کلی کرتے ہوئے مبالغہ کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ اس نے کوتاہی کی ہے ہم نے جو "عمداً (جان بوجھ کر) کا لفظ بولا ہے تو اس کا یہی مطلب ہے روزے کے یاد ہونے کا ذکر کر کے ہم نے بھولنے والے سے احتراز کیا کیونکہ اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا، اور جو شخص دن کے دونوں کناروں میں جان بوجھ کر کھائے پھر اس پر واضح ہو کہ یہ اس نے دن کے وقت میں کھایا ہے تو اس پر روزے کی قضا ہے اور اگر اپنے گمان اور اجتہاد پر باقی رہا تو اس پر قضا نہ ہو گی۔ اور دن کے شروع اور اختتام میں رات کے گمان کے بغیر نہ کھائے۔

۴۔ جماع سے رکنا:۔ اور اس (جماع) کی حد حشفہ کا غائب ہونا ہے اگر بھول کر جماع کیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اگر رات کو جماع کیا یا احتلام ہو گیا اور صبح حالت جنابت میں تھا (اب روزہ رکھا) تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اگر فجر طلوع ہو جائے اور وہ اپنی بیوی سے صحبت کر رہا تھا اسی وقت الگ ہو گیا تو روزہ صحیح ہو جائے گا اور ٹھہرا رہا تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور کفارہ لازم ہو گا (بشرطیکہ روزے کی نیت کی ہو ورنہ صرف قضا لازم ہو گی)

۵۔ منی خارج کرنے سے رکنا:۔ یعنی جماع یا غیر جماع کے ذریعے مادہ منویہ نکالنا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے بیوی کا بوسہ لینے سے یا اس کے ساتھ لیٹنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا جب تک انزال نہ ہو البتہ یہ مکروہ ہے ہاں بوڑھا

آدمی ہو یا اپنے آپ پر کنٹرول کر سکتا ہو تو بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن چھوڑنا زیادہ بہتر ہے اور بوسہ لینے سے انزال کا ڈر ہو اس کے باوجود بوسہ لے لے اور مادہ منویہ خارج ہو جائے تو اس کی کوتاہی کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا ۔ قے نکالنے سے پرہیز کرتا :۔ خود قے نکالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر قے غالب آجائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا ۔ اور اگر اپنے حلق یا سینے سے بلغم کھینچ کر نگل لے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس میں ابتلائے عام ہے البتہ منہ میں پہنچنے کے بعد نگلنے تو روزہ ٹوٹ جائے گا ۔ (۱)

روزہ توڑنے کے لوازم :

روزہ توڑنے سے چار باتیں لازم ہوتی ہیں ۔
قضاء، کفارہ، فدیہ، روزہ داروں سے مشابہت اختیار کرتے ہو دن کا باقی حصہ کھانے پینے سے باز رہنا ۔

قضاء :۔ اس کا وجوب ہر مسلمان مکلف پر ہے عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑے یا کسی عذر کے بغیر چھوڑے حیض والی عورت روزے کی قضاء کرے گی، اسی طرح مرتد بھی (جب دوبارہ اسلام لائے) کافر، بچے اور پاگل پر قضاء نہیں ۔ قضائے رمضان کے روزے مسلسل رکھنا ضروری نہیں ۔ جس طرح چاہے قضا کرے متفرق طور پر یا اکٹھے ۔

کفارہ :۔ کفارہ صرف جماع سے لازم آتا ہے ۔ منی نکالتے کھانے پینے اور جماع کے علاوہ امور سے کفارہ واجب نہیں ہوتا (۲) کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے اگر مشکل ہو تو مسلسل دو مہینے کے روزے رکھنا اگر اس سے بھی عاجز ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ہر ایک کو ایک ایک مُد (یعنی ایک کلو گندم) دینا ہے (احناف کے نزدیک دو کلو گندم ہے)

باقی دن میں نہ کھانا : جو آدمی روزے توڑنے سے گناہ گار ہوتا ہے وہ کوتاہی کرنے والا شمار ہوتا ہے اسے چاہیے کہ دن کے باقی حصے میں کھانے پینے وغیرہ سے اجتناب کرے ۔ لیکن جو عورت حیض سے پاک ہوئی اس پر واجب نہیں کہ دن کا باقی حصہ کھانے پینے سے باز رہے اسی طرح جب مسافر نے روزہ نہ رکھا ہوا ہو اور گھر آجائے تو اس پر بھی واجب نہیں اور اگر شک کے دن ایک عادل آدمی چاند کی گواہی دے تو رکنا واجب ہے سفر کے دوران افطار کی نسبت روزہ رکھنا افضل ہے البتہ طاقت نہ ہو تو نہ رکھے جس دن سفر شروع کرے اور دن کے پہلے حصے میں گھر میں ہو اس دن کا روزہ نہ چھوڑے اور روزے کی حالت میں سفر سے آئے تو بھی روزہ نہ توڑے ۔

---

(۱) احناف کے نزدیک منہ بھر کر قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کم سے نہیں اور بلا اختیار قے آئے اور منہ بھر کر ہو تو اسے لوٹانے کی صورت میں روزہ ٹوٹے گا اس کے علاوہ قے کی کوئی صورت روزے کو نہیں توڑتی تفصیل کے لیے دیکھئے بہار شریعت حصہ پنجم ص ۱۸۱، ۱۸۲ (۲) احناف کے نزدیک جان بوجھ کر کھانے پینے سے بھی کفارہ لازم ہوتا ہے ۱۲ ہزاروی

فدیہ:۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو اگر اپنے بچے پر خوف کی وجہ سے روزہ چھوڑنا پڑے تو ان پر فدیہ واجب ہے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو ایک مُد گندم دیں اور قضا بھی کریں اور بہت بوڑھا آدمی (شیخ فانی) ہر دن کے بدلے ایک مُد گندم دے (۱)

سنتیں:۔ روزہ دار کے لیے چھ باتیں سنت ہیں۔ سحری میں تاخیر کرنا، نماز مغرب سے پہلے افطاری میں جلدی کرنا اور کھجور یا پانی کے ساتھ افطار کرنا زوال کے بعد مسواک نہ کرنا، رمضان المبارک کے مہینے میں سخاوت کرنا جیسا کہ اس کی فضیلت زکوٰۃ کے بیان میں گزر چکی ہے، قرآن پاک کا دور کرنا (پڑھنا پڑھانا) مسجد میں اعتکاف بیٹھنا بالخصوص آخری دنوں میں۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارکہ تھا۔ کہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو جاتا تو آپ بستر لپیٹ دیتے اور کمر بستہ ہو جاتے خود بھی (عبادت میں) محنت کرتے اور گھر والوں کو بھی ترغیب دیتے۔ (۲)

یعنی آپ مسلسل عبادت کرتے کیونکہ اس عشرہ میں لیلۃ القدر ہوتی ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ وہ طاق راتوں میں سے بھی زیادہ امکان اکیسویں تیئسویں، پچیسویں اور ستائیسویں رات کا ہے اس اعتکاف میں تسلسل قائم رکھنا زیادہ مناسب ہے اگر مسلسل اعتکاف کی نذر مانی یا اس کی نیت کی تو بلا ضرورت مسجد سے نکلنے کی صورت میں اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ جیسے کسی کی عیادت، گواہی دینے، نماز جنازہ میں شرکت یا کسی کی زیارت یا تازہ وضو کے لیے نکلے (جب کہ پہلے سے باوضو ہو۔)

اگر قضائے حاجت کے لیے نکلا تو اعتکاف نہیں ٹوٹے گا اس کو چاہیے کہ گھر میں وضو کرے اور کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو ـــــ حدیث شریف میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف قضائے حاجتِ انسانی کے لیے تشریف لے جاتے اور گزرتے گزرتے بیمار پرسی فرماتے (۳)

جماع کرنے سے اعتکاف کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے بوسہ لینے سے نہیں ٹوٹتا مسجد میں خوشبو لگانے اور عقدِ نکاح نیز کھانے، سونے اور کسی برتن میں ہاتھ دھونے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا کیوں کہ۔ اعتکاف کے تسلسل کی صورت میں ان کاموں کی حاجت ہوتی ہے بدن کے کسی حصے کو باہر نکالنے سے بھی نہیں ٹوٹتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک حجرہ شریف کی طرف جھکا دیتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے سر انور میں کنگھی کرتی تھیں وہ حجرہ میں ہوتی تھیں۔ (۴)

---

(۱) احناف کے نزدیک اگر حاملہ اور دودھ پلانے والی اسی طرح مسافر وغیرہ کو قضا کا وقت ملا تو وہ قضا کریں گے اور اگر وقت نہ ملا یعنی اسی عذر میں فوت ہو گئے تو ان روزوں کا فدیہ دیا جائے اور فدیہ کی مقدار وہی ہے جو صدقۂ فطر کی ہے یعنی ایک روزے کے بدلے دو کلو گندم یا اس کی قیمت دینا ہو گی ۱۲ ہزاروی

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۷۲ کتاب الاعتکاف (۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۴۴ کتاب الصیام (۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۴۲ کتاب الحیض

دوسری فصل:

روزے کے اسرار اور باطنی شرائط

جان لو کہ روزے کے تین درجات ہیں (۱) عام لوگوں کا روزہ (۲) خاص لوگوں کا روزہ (۳) خاص الخاص لوگوں کا روزہ۔

عام لوگوں کا روزہ پیٹ اور شرمگاہ کو خواہش کی تکمیل سے روکنا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

خاص لوگوں کا روزہ، کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور پاؤں اور تمام اعضاء کو گناہوں سے روکنا ہے۔

اور خاص الخاص لوگوں کا روزہ دل کو تمام برے خیالات اور دنیوی افکار بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے کلیتاً خالی کر دینا ہے، اس صورت میں جب اللہ تعالیٰ اور قیامت کے سوا کوئی دوسری فکر آئے گی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ دنیوی فکر سے اگر دین کا قصد نہ ہو تو بھی یہی حکم ہے کیوں کہ دین کی فکر زادِ آخرت سے ہے دنیا سے نہیں حتیٰ کہ اہل دل حضرات نے کہا ہے کہ جو شخص دن کے وقت یہ بات سوچے کہ رات کو کس چیز کے ساتھ افطار کرے گا اس کے ذمہ گناہ لکھ دیا جاتا ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد اور اس کے رزق موعود پر مکمل یقین نہ ہونے کی علامت ہے یہ درجہ انبیاء کرام، صدیقین اور مقربین کا ہے اس کی تفصیل میں زیادہ گفتگو نہیں کی جائے گی البتہ اس کی عملی تحقیق بیان کریں گے یعنی یہ روزہ اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ آدمی اپنی مکمل توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف کر دے اور غیر خدا سے پھیر دے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کو لباس بنا لے۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ۔ (۱)

آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ ہے پھر انہیں چھوڑ دیں اپنی بیہودگیوں میں کھیلتے رہیں۔

خاص لوگوں کا روزہ، اولیاء کرام کا روزہ ہے اور یہ اپنے اعضاء کو گناہوں سے بچانا ہے یہ روزہ چھ باتوں سے مکمل ہوتا ہے۔

۱۔ ان چیزوں کو دیکھنے سے نظر کو روکنا جو بری اور مکروہ ہیں۔ نیز وہ چیزیں جو دل کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ لَعَنَهُ اللّٰهُ فَمَنْ تَرَكَهَا خَوْفًا مِنَ اللّٰهِ

نظر زہر میں بجھا ہوا ایک شیطانی تیر ہے اللہ اس پہ لعنت بھیجے پس جس شخص نے اسے (غیر محرم کو دیکھنا)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۹۱

اَنَا لَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِیْمَانًا یَجِدُ حَلَاوَتَہٗ فِیْ قَلْبِہٖ۔ (۱)

چھوڑ دیا اسے اللہ تعالیٰ ایسا ایمان عطا فرماتا ہے جس کی شیرینی وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔

حضرت جابر، حضرت انس (رضی اللہ عنہما) سے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا:

خَمْسٌ یُّفْطِرْنَ الصَّائِمَ اَلْکَذِبُ وَالْغِیْبَۃُ وَالنَّمِیْمَۃُ وَالْیَمِیْنُ الْکَاذِبَۃُ وَالنَّظَرُ بِشَہْوَۃٍ (۲)

پانچ چیزیں روزہ دار کے روزے کو توڑ دیتی ہیں جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، چغلی کھانا، جھوٹی قسم کھانا اور شہوت کے ساتھ کسی کو دیکھنا۔

۲۔ زبان کو بیہودہ گفتگو، جھوٹ، غیبت، چغلی، فحش کلامی، ظلم و زیادتی، جھگڑے دکھاوے اور خاموشی اختیار کرنے سے محفوظ رکھنا اور اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول رکھنا۔ یہ زبان کا روزہ ہے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا غیبت روزے کو توڑ دیتی ہے یہ بات ان سے حضرت بشر بن حارث نے نقل کی ہے۔ حضرت لیث، حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ دو باتیں روزے کو توڑ دیتی ہیں (۱) غیبت اور (۲) چغلی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا الصَّوْمُ جُنَّۃٌ فَاِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ صَائِمًا فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَجْہَلْ وَاِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَہٗ اَوْ شَاتَمَہٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ اِنِّیْ صَائِمٌ۔ (۳)

بے شک روزہ ڈھال ہے پس جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو نہ وہ بے حیائی کی سے کوئی روزہ دار ہو تو نہ وہ بے حیائی کی بات کرے اور نہ جہالت کی۔ اور اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا گالی گلوچ کرے تو کہہ دے کہ میں روزے دار ہوں میں روزے دار ہوں۔

☆ ☆ ☆

ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عورتوں نے روزہ رکھا تو ان کے آخر میں انہیں بھوک اور پیاس نے ستایا حتیٰ کہ قریب تھا وہ اپنے روزے کو ضائع کر دیں انہوں نے کسی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج کر روزہ توڑنے کی اجازت طلب کی آپ نے ان کی طرف ایک پیالہ بھیجا اور فرمایا کہ ان سے کہو جو کچھ کھایا تھا اس میں قے کر دیں تو ان میں سے ایک نے تازہ خون اور تازہ گوشت کی قے کی اور دوسری

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۱۴ کتاب الرقاق

(۲) کنز العمال جلد ۸ ص ۴۹۷ حدیث ۲۳۸۱۳

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۵ کتاب الصوم

نے بھی اسی جیسی قے کی حتیٰ کہ دونوں نے پیالہ بھر دیا لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں نے اس چیز سے روزہ رکھا جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا اور جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اس سے روزہ توڑ دیا۔ ان دونوں نے ایک دوسری کے پاس بیٹھ کر لوگوں کی غیبت کی تو یہ لوگوں کا گوشت ہے جو انہوں نے (غیبت کی صورت میں) کھایا۔ (۱)

۳۔ ہر مکروہ بات کو سننے سے کانوں کو روکنا، کیونکہ جو بات کہنا حرام ہے اس کی طرف کان لگانا بھی حرام ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے غور سے سننے والے اور حرام مال کھانے والے کو برابر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (۲)

وہ جھوٹ کو خوب سننے والے اور خوب حرام کھانے والے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ (۳)

ان کے علماء اور درویش ان کو گناہ کی بات اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے۔

تو غیبت سن کر خاموشی اختیار کرنا حرام ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ۔ (۴)

بے شک تم اس وقت ان کی مثل ہو گے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُغْتَابُ وَالْمُسْتَمِعُ شَرِيْكَانِ فِي الْاِثْمِ۔ (۵)

غیبت کرنے والا اور اسے (قصداً) سننے والا دونوں گناہوں میں شریک ہیں۔

۴۔ باقی اعضاء یعنی ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کو بھی گناہوں سے نیز مکروہ امور سے بچانا اور افطار کے وقت پیٹ کو شبے والی اشیاء سے بچانا اگر وہ حلال چیز سے روزہ رکھے اور حرام سے افطار کرے تو روزے کا کیا مطلب ہو گا؟ ایسے روزے دار کی مثال اس شخص جیسی ہے جو محل بناتا ہے اور شہر کو گرا دیتا ہے کیونکہ حلال کھانا زیادہ ہونے کی وجہ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۳۱ مرویات عبید۔

(۲) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۴۲

(۳) قرآن مجید سورۂ مائدہ آیت ۶۳۔

(۴) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۱۴۰۔

۵۔ الاسرار المرفوعہ ص ۱۸۴ حدیث ۸۴۵۔

سے نقصان دیتا ہے اپنی کسی نوع کی وجہ سے نہیں اور روزے کا مقصد کھانے کو کم کرنا ہے اور زیادہ دوائی کو اس کے نقصان کے باعث چھوڑ کر زہر کھانے والا بیوقوف ہوتا ہے اور حرام بھی ایک زہر ہے جو دین کو ہلاک کرتا ہے اور حلال چیز دوا ہے جو تھوڑی ہو تو نافع ہے اور زیادہ ہو تو نقصان دیتی ہے۔ اور روزے کا مقصد اس حلال غذا کو کم کرنا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صَوْمِهِ إِلَّا الْجُوعُ وَالْعَطَشُ ۔(۱)

کتنے ہی روزہ دار ہیں جن کو اپنے روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو حرام کی طرف نظر کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو حلال کھانے سے رکھتا ہے اور غیبت کے ذریعے لوگوں کے گوشت سے روزہ توڑ دیتا ہے کیونکہ غیبت حرام ہے اور یہ قول بھی ہے کہ وہ شخص مراد ہے جو اپنے اعضاء کو گناہوں سے محفوظ نہیں رکھتا۔

۵۔ افطار کے وقت حلال کھانا بھی زیادہ نہ کھائے اس طرح کہ پیٹ بھر لے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پیٹ سے برا برتن کوئی نہیں جو حلال رزق سے بھر جائے۔ روزے سے اللہ تعالیٰ کے دشمن پر غلبہ پانے اور شہوت کو توڑنے کا فائدہ کیسے حاصل ہو گا جب وہ دن کے وقت جو کچھ رہ گیا اس کی کسر افطاری کے وقت نکال لے۔

اور بعض اوقات اس کے پاس طرح طرح کے کھانے جمع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ یہ عادت بن گئی ہے کہ رمضان المبارک کے لیے کھانے جمع کیے جاتے ہیں اور اس وقت وہ کھانے کھائے جاتے ہیں جو دوسرے مہینوں میں نہیں کھائے جاتے اور یہ بات معلوم ہے کہ روزے کا مقصد پیٹ کو خالی رکھنا اور خواہش کو توڑنا ہے تاکہ نفس کو تقویٰ پر قوت حاصل ہو اور جب صبح سے شام تک معدے کو ٹالتا رہا حتیٰ کہ خواہش جوش میں آتی اور رغبت مضبوط ہو گئی پھر اسے لذیذ کھانے دے کر سیر کیا گیا اور اس کی قوت زیادہ ہو گی اور وہ خواہشات ابھریں جو عام عادت پر رہنے کی صورت میں پیدا نہ ہوتیں پس روزہ کی روح اور راز تو یہ ہے کہ ان قوتوں کو کمزور کیا جائے جو برائیوں کی طرف لوٹنے کو کم کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے یعنی ہر رات اتنا کھانا ہی کھائے جو روزہ نہ رکھنے کی صورت میں کھاتا ہے اور اگر دن اور رات کا کھانا جمع کر کے کھائے تو روزے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا بلکہ مستحب یہ ہے کہ دن کے وقت زیادہ نہ سوئے تاکہ اسے بھوک اور پیاس کا احساس ہو اور اعضاء کی کمزوری محسوس ہو اس وقت اس کا دل صاف ہو جائے گا اور ہر رات اسی قدر کمزوری پیدا ہو گی تو اس پر تہجد اور وظائف پڑھنا آسان ہو جائے گا اور ممکن ہے شیطان اس کے دل کے قریب نہ آئے اور وہ آسمانی بادشاہت کا نظارہ کرے اور لیلۃ القدر اسی رات کو کہتے ہیں جس میں ملکوت سے کوئی چیز اس پر

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۲۲ ابواب ماجاء فی الصیام۔

منکشف ہو اور اللہ تعالیٰ اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے فرمایا :

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۔ بے شک ہم نے اس (قرآن پاک) کو لیلۃ القدر میں اتارا۔ (۱)

اور جو آدمی اپنے دل اور اپنے سینے کے درمیان کھانے کی رکاوٹ ڈال دے وہ اس سے پردے میں رہتا ہے اور جس نے اپنے معدے کو خالی رکھا تو صرف یہ بات بھی پردہ اٹھنے کے لیے کافی نہیں جب تک وہ اپنی توجہ غیر خدا سے ہٹا نہ دے یہی سارا معاملہ ہے اور اس تمام معاملے کی بنیاد کم کھانا ہے اس کا مزید بیان ان شاء اللہ کھانے کے بیان میں آئے گا۔

۶۔ افطار کے بعد اس کا دل خوف اور امید کے درمیان معلق اور متردد رہے کیوں کہ اسے معلوم نہیں کہ اس کا روزہ قبول ہوا اور وہ مقربین میں سے ہے یا رد کر دیا گیا اور وہ ان لوگوں میں سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے اسے ہر عبادت سے فراغت کے بعد اسی طرح ہونا چاہیے حضرت حسن بن ابو الحسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے آپ ایک جماعت کے پاس سے گزرے اور وہ لوگ ہنس رہے تھے انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے مہینے کو لوگوں کے لیے مقابلے کا میدان بنایا ہے وہ اس کی عبادت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں ایک جماعت آگے بڑھ گئی اور کامیاب ہوئی اور دوسرا گروہ پیچھے رہ گیا اور اس نے نقصان اٹھایا تو اس شخص پر بہت زیادہ تعجب ہے جو اس دن ہنستا اور کھیلتا ہے جس میں سبقت کرنے والے کامیاب اور پیچھے رہنے والے ناکام ہوئے سنو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر پردہ اٹھ جائے تو نیکی کرنے والے اپنی نیکی میں اور برائی کرنے والے اپنی برائی میں مشغول ہو یعنی مقبول کی خوشی اسے کھیل سے روک دے اور مردود کا افسوس اس پر ہنسی کا دروازہ بند کر دے حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ سے منقول ہے ان سے کہا گیا کہ آپ بہت بوڑھے ہیں اور روزہ آپ کو کمزور کر دے گا انہوں نے فرمایا میں اسے ایک طویل سفر کا سامان بناتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا اس کے عذاب پر صبر کرنے سے زیادہ آسان ہے تو روزے میں باطنی امور یہ ہیں۔

سوال :

جو شخص پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت سے رکنے پر اکتفا کرے اور ان امور کو نظر انداز کر دے تو فقہاء فرماتے ہیں اس کا روزہ صحیح ہے اس کا کیا مطلب ہے۔

جواب :۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ قدر آیت ۱

جان لو کہ ظاہری فقہاء کرام ظاہری شروط کو نہایت کمزور دلائل سے ثابت کرتے ہیں یعنی وہ دلائل ہماری ذکر کردہ باطنی شرائط کے مقابلے میں کمزور ہیں خصوصاً غیبت اور اس جیسی دوسری باتیں ——— فقہائے ظاہر ان تکلیفات کا ذکر کرتے ہیں جو عام غافل اور دنیا کی طرف متوجہ ہوتے والے لوگوں کے لیے آسان ہوں لیکن علمائے آخرت روزے کی صحت سے قبولیت مراد لیتے ہیں اور قبولیت سے مراد مقصود تک پہنچنا ہے اور وہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ روزے کا مقصد اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف ہونا ہے اور وہ بے نیازی ہے اور جس قدر ممکن ہو شہوات سے بچ کر فرشتوں کی اقتداء کرے کیوں کہ وہ شہوات سے پاک ہیں اور انسان کا رتبہ جانوروں کے رتبہ سے بلند ہے کیوں کہ وہ نورِ عقل کے ذریعے شہوات کو ختم کر سکتا ہے اور فرشتوں کے رتبہ سے عام انسانوں کا رتبہ کم ہے کیوں کہ اس پر شہوات کا غلبہ ہے اور اسے مجاہدے میں مبتلا کیا گیا لہٰذا جب وہ شہوات میں پڑ جاتا ہے تو سب سے نچلے گڑھے میں گرتا ہے اور جانوروں کے درجہ میں چلا جاتا ہے اور جب شہوات کا قلع قمع ہوتا ہے تو وہ اعلیٰ علیین میں چلا جاتا ہے اور ملائکہ کی دنیا سے جا ملتا ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور جو شخص فرشتوں کی اقتداء کرتا اور ان کے اخلاق سے مشابہت رکھتا ہے وہ بھی ان کی طرح اللہ تعالیٰ کا مقرب بن جاتا ہے کیونکہ قریب کی مشابہت اختیار کرنے والا بھی قریب ہوتا ہے اور وہاں مکان کا قرب نہیں بلکہ صفات کا قرب ہوتا ہے۔

جب عقلمندوں کے اور اہل دل کے نزدیک روزے کا مقصد اور راز یہ ہے تو ایک کھانے کو مؤخر کر کے دونوں کو شام کے وقت اکٹھا کر لے نیز دن بھر شہوات میں غرق رہنے کا کیا فائدہ ہے اگر اس کا کوئی فائدہ ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا کیا مطلب ہوگا آپ نے فرمایا۔

كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صَوْمِهِ إِلَّا الْجُوعُ وَالْعَطَشُ (۱)

کتنے ہی روزہ دار ہیں جن کو اپنے روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اسی لیے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دانا آدمی کا سونا اور افطار کرنا کیا اچھا ہے وہ کیسے بیوقوف آدمی کے روزے اور بیداری کو برا نہ جانتے البتہ یقین اور تقویٰ والوں کا ایک ذرہ دھوکے میں مبتلا لوگوں کی پہاڑوں کے برابر عبادت سے افضل اور راجح ہے اسی لیے بعض علماء کرام نے فرمایا کہ کتنے ہی روزے دار، روزے کے بغیر اور کتنے ہی بے روزہ، روزہ دار ہوتے ہیں، روزہ نہ رکھنے کے باوجود روزہ دار وہ شخص ہے جو اپنے اعضاء کو گناہوں سے بچاتا ہے اگرچہ وہ کھاتا پیتا بھی ہے اور روزہ رکھنے کے باوجود بے روزہ وہ شخص ہے جو بھوکا اور پیاسا رہتا ہے اپنے اعضاء کو کھلی چھٹی دیتا ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۲۲ ابواب ماجاء فی الفیام

روزے کے مفہوم اور اس کی حکمت کو سمجھنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو شخص کھانے اور جماع سے رُکے اور گناہوں میں ملوث ہونے کے باعث روزہ توڑ دے وہ اس شخص کی طرح ہے جو وضو میں اپنے کسی عضو پر تین بار مسح کرے اس نے ظاہر میں تعداد کو پورا کیا لیکن مقصود یعنی اعضاء کو دھونا جو کھانے کے ذریعے روزہ دار نہیں لیکن ناپسندیدہ افعال سے اعضاء کو روکنے کی وجہ سے روزہ دار ہے وہ اس آدمی کی طرح ہے جو اپنے اعضاء کو ایک ایک بار دھوتا ہے تو اس کی نماز ان شاء اللہ قبول ہوگی کیونکہ اس نے اصل کو پالیا اگرچہ زائد کو چھوڑ دیا اور جو آدمی دونوں کو جمع کرے وہ اس آدمی جیسا ہے جو ہر عضو کو تین تین بار دھوتا ہے اس نے اصل اور زائد دونوں کو جمع کیا اور یہی کمال ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ الصَّوْمَ أَمَانَةٌ فَلْيَحْفَظْ أَحَدُكُمْ أَمَانَتَهُ (۱)

بے شک روزہ امانت ہے تو تم میں سے ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی امانت کی حفاظت کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کی طرف لوٹا دو۔

تلاوت کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے کان اور آنکھ پر رکھ کر فرمایا سماعت و بصارت بھی امانت ہے۔ اور اگر یہ روزے کی امانتوں میں سے نہ ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات نہ فرماتے کہ اسے کہنا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں (۳) دوسری حدیث میں گزر چکا ہے) یعنی میرے پاس میری زبان امانت ہے تاکہ میں اس کی حفاظت کروں تو میں کس طرح تجھے جواب دینے کے لیے اسے کھلا چھوڑ دوں۔

اب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ہر عبادت کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، چھلکا بھی ہے اور مغز بھی اور اس کے چھلکوں کے کئی درجات ہیں اور ہر درجے کے کئی طبقے ہیں اب تجھے اختیار ہے کہ تو مغز کو چھوڑ کر چھلکے پر قناعت کرے یا عقل مند لوگوں کی جماعت میں شامل ہو۔

---

(۱)

(۲) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۵۸

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۵ کتاب الصوم

تیسری فصل:

نفل روزوں اور ان کی ترتیب

جان لو کہ اچھے دنوں میں روزوں کا مستحب ہونا موکد ہے اور فضیلت والے دنوں میں سے بعض سال میں ایک ایک بار پائے جاتے ہیں بعض ہر مہینے میں اور بعض ہر ہفتے میں پائے جاتے ہیں۔

سال میں رمضان المبارک کے بعد عرفہ (نویں ذوالحجہ) کا دن، دسویں محرم کا دن ذوالحجہ کے پہلے دس دن (عید کے دن روزے رکھنا جائز نہیں) محرم الحرام کے پہلے دس دن اور عزت والے مہینے (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) روزے کے لیے عمدہ دن ہیں اور یہ فضیلت والے اوقات ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان المعظم میں زیادہ روزے رکھتے تھے حتی کہ گمان ہوتا یہ ماہ رمضان ہے (۱)

اور حدیث شریف میں ہے۔

أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ۔ (۲)

ماہ رمضان کے بعد افضل روزے اللہ تعالیٰ کے مہینے محرم کے روزے ہیں۔

کیوں کہ اس مہینے سے سال کی ابتداء ہوتی ہے لہذا اس کو نیکی میں گزارنا زیادہ پسندیدہ ہے اور دائمی برکت کی امید ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَوْمُ يَوْمٍ مِنْ شَهْرٍ حَرَامٍ أَفْضَلُ مِنْ ثَلَاثِيْنَ مِنْ غَيْرِهِ وَصَوْمُ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ أَفْضَلُ مِنْ ثَلَاثِيْنَ مِنْ شَهْرٍ حَرَامٍ (۳)

محرم کے مہینے کا ایک روزہ دوسرے مہینوں کے تیس روزوں سے افضل ہے اور رمضان المبارک کا ایک روزہ محرم کے تیس روزوں سے افضل ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے:

مَنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ شَهْرٍ حَرَامٍ الْخَمِيْسَ وَالْجُمُعَةَ وَالسَّبْتَ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ عِبَادَةَ تِسْعِمِائَةِ عَامٍ (۴)

جو آدمی محرم الحرام کے مہینے میں تین دنوں جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کا روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر دن کے بدلے نو سال کی عبادت لکھتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۶۴ کتاب الصوم

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۶۸ کتاب الصیام

(۳) مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۱۹۰ کتاب الصیام (۴) العلل المتناہیہ جلد ۲ ص ۶۴ حدیث ۹۱۱

اور حدیث شریف میں ہے کہ جب شعبان کا نصف ہو جائے تو اب رمضان المبارک تک کوئی روزہ نہیں (۱)
اس لیے مستحب ہے کہ رمضان المبارک سے چند دن پہلے روزہ رکھنا ترک کر دے (تاکہ رمضان المبارک کے لیے
تیار ہو سکے) اور اگر شعبان المعظم کو روزے کے ذریعے) رمضان المبارک سے ملائے تو بھی جائز ہے نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ملایا (۲) اور کئی مرتبہ دونوں کو الگ الگ کیا (۲) (یعنی شعبان کے آخر میں روزہ رکھنا چھوڑ دیا)
اور رمضان المبارک سے دو تین پہلے کے روزے نہ رکھے البتہ اس کے وظیفہ (معمول) کے موافق ہو جائے تو رکھ سکتا
ہے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے رجب کے روزے رکھ کر اسے رمضان کے مشابہ بنانے کو مکروہ قرار دیا۔
فضیلت والے مہینے ذوالحجہ، محرم الحرام، رجب المرجب اور شعبان المعظم ہیں جب کہ حرمت والے مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ
محرم الحرام اور رجب المرجب ہیں ان میں سے ایک (رجب المرجب) الگ ہے اور تین (ذوالقعدہ وغیرہ) مسلسل ہیں۔
ان مہینوں میں سے افضل ذوالحجہ ہے کیونکہ اس میں حج ہے اور وہ دن ہیں جن کو ایام معلومات اور ایام معدودات
کہا گیا ہے ذی قعدہ، حج کے مہینوں سے ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں شامل نہیں جب کہ محرم اور رجب کے
مہینے حج کے مہینوں میں سے نہیں ہیں حدیث شریف میں ہے۔
اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذوالحجہ کے دس دنوں سے بڑھ کر کوئی دن نہیں جن میں اعمال افضل اور زیادہ محبوب ہوں
اس ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کی طرح
ہے عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد بھی نہیں مگر وہ شخص
جو اپنے گھوڑے کو زخمی کرے اور اس کا خون بہائے (۴) (مطلب یہ ہے کہ خوب داد شجاعت دے)
جو دن مہینے میں تکرار سے آتے ہیں یعنی ہر مہینے میں آتے ہیں وہ مہینے کا اول درمیان اور آخر ہے درمیان میں ایام
بیض تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ ہے۔ اور ہر ہفتے میں آنے والے دن سوموار، جمعرات اور جمعہ کے دن ہیں یہ فضیلت
والے دن ہیں اور ان میں روزہ رکھنا مستحب ہے نیز زیادہ خیرات کی جائے تاکہ ان اوقات کی برکت سے ثواب میں
کئی گنا اضافہ ہو۔
جہاں تک عمر بھر کے روزے رکھنے کا تعلق ہے تو وہ کچھ اضافہ کے ساتھ ان سب دنوں کو شامل ہے لیکن سالکین

---

(۱) جامع ترمذی جلد اول ص ۱۴۰ ابواب الصوم
(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۰۶ کتاب الصیام
(۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۱۸ کتاب الصیام
(۴) جامع الترمذی جلد اول ص ۱۳۲ ابواب الصوم۔

کے اس سلسلے میں کئی مذاہب ہیں ان میں سے بعض نے اس کو مکروہ خیال کیا ہے کیوں کہ احادیث میں ان کی کراہیت مروی ہے (۱) لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دو وجہ سے مکروہ ہے ایک یہ کہ عیدین اور ایام تشریق میں بھی روزہ نہ چھوڑے اور یہ دہر کا روزہ ہے دوسرا یہ کہ افطار کے سلسلے میں سنت کو ترک کرکے روزہ کو لازم کرلے حالانکہ اللہ تعالیٰ رخصت کو بھی پسند کرتا ہے جس طرح وہ عزیمت پر عمل کو پسند کرتا ہے جب ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو اور ہمیشہ روزہ رکھنے میں نفس کی اصلاح سمجھے تو ایسا کرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے ایسا کیا ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهُ ضُيِّقَتْ عَلَيْهِ جَهَنَّمُ وَعَقَدَ تِسْعِيْنَ۔ (۲)

جو آدمی ہمیشہ روزہ رکھے اس پر جہنم تنگ کردی جاتی ہے اور آپ نے (ہاتھ سے) نوّے کا عدد بنایا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے جہنم میں جگہ نہیں رہتی۔

اس سے کم ایک اور درجہ ہے اور وہ نصف دھر کا روزہ ہے یعنی ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے یہ نفس پر زیادہ سخت اور اسے مغلوب کرنے میں زیادہ قوت کا باعث ہے۔ اور اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث آئی ہیں کیوں کہ اس طرح بندہ ایک دن روزے میں اور دوسرا دن شکر میں گزارتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عُرِضَتْ عَلَيَّ مَفَاتِيْحُ خَزَائِنِ الدُّنْيَا وَكُنُوْزُ الْأَرْضِ فَرَدَدْتُهَا وَقُلْتُ أَجُوْعُ يَوْمًا وَأَشْبَعُ يَوْمًا أَحْمَدُكَ إِذَا شَبِعْتُ وَأَتَضَرَّعُ إِلَيْكَ إِذَا جُعْتُ۔ (۳)

مجھ پر دنیا کے خزانوں اور زمین کے خزانوں کی چابیاں پیش کی گئیں اور میں نے واپس کردیں میں نے کہا میں ایک دن بھوکا رہوں گا اور دوسرے دن سیر ہوکر کھاؤں گا (روزہ رکھنا مراد ہے ورنہ حضور علیہ السلام کبھی سیر ہوکر نہیں کھاتے تھے) جب شکم سیر ہوگا تو تیرا شکر ادا کروں گا اور جب بھوکا ہوں تو تیرے حضور گڑگڑاؤں گا۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

أَفْضَلُ الصِّيَامِ صَوْمُ أَخِيْ دَاوُدَ كَانَ

بہترین روزے میرے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۶۲ ابواب الصوم

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۴ مرویات ابی موسیٰ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۴ مرویات ابی امامہ

یَصُوْمُ یَوْمًا وَیُفْطِرُ یَوْمًا۔(۱) کے روزے ہیں وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

اس کی تاکید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں اس سے (ایک دن روزہ اور ایک دن افطار سے) زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن چھوڑ دو انہوں نے عرض کیا کہ میں سے افضل کا ارادہ کرتا ہوں تو آپ نے فرمایا اس سے افضل کچھ نہیں۔(۲)

اور مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی رمضان المبارک کے علاوہ کسی مہینے کے مکمل روزے نہیں رکھے(۳)
اگر کوئی شخص نصف زمانے کے روزے رکھنے پر قادر نہ ہو تو تہائی حصے میں کوئی حرج نہیں یعنی ایک دن روزہ رکھے اور دو دن چھوڑ دے اور جب مہینے کے شروع میں تین، درمیان میں سے تین اور آخر میں تین روزے رکھے تو یہ بھی تہائی ہے اور یہ فضیلت والے اوقات میں واقع ہوں گے اور سوموار، جمعرات اور جمعہ کا روزہ رکھے تو یہ بھی تہائی کے قریب ہے اور فضیلت کے اوقات ظاہر ہو گئے تو کمال یہ ہے کہ انسان روزے کا معنیٰ سمجھے اور یہ کہ اس کا مقصود دل کو پاک کرنا اور اپنی تمام فکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف متبدل کرنا ہے باطن کی باریکیوں کو سمجھنے والا شخص اپنے حالات کو دیکھتا ہے کبھی اس کے حال کا تقاضا ہوتا ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھے، کبھی ہمیشہ روزے کے بغیر رہنے کا تقاضا کرتا ہے اور کبھی روزے اور افطار کو ملانے کا تقاضا ہوتا ہے پس جب وہ معنیٰ کو سمجھ جائے اور دل کی نگرانی کے ذریعے طریق آخرت پر چلنے میں اس کی حد ثابت ہو جائے تو دل کی درستگی مخفی نہیں رہے گی۔ اور یہ ہمیشہ کی ترتیب کو نہیں چاہتا اسی لیے روایات میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے چلے جاتے حتیٰ کہ کہا جاتا اب نہیں چھوڑیں گے۔ اور روزہ رکھنا چھوڑ دیتے حتیٰ کہ کہا جاتا اب روزہ نہیں رکھیں گے اور آپ آرام فرماتے یہاں تک کہ کہا جاتا اب نماز (نفل نماز کے لیے قیام نہیں فرمائیں گے اور (بعض اوقات) آپ قیام فرماتے حتیٰ کہ کہا جاتا اب آرام نہیں فرمائیں گے(۴)
اور یہ اس حساب سے ہوتا تھا جو آپ کے لیے اوقات حقوق کے قیام کے سلسلے میں نور نبوت سے کشف ہوتا۔
علماء کرام (اولیاء کرام نے) چار دن مسلسل روزہ نہ رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے انہوں نے عید کے دن اور ایام تشریق

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۶۶ کتاب الصوم
(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۶۶ کتاب الصوم
(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۶۴ کتاب الصوم
(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۶۴ کتاب الصوم

سے اندازہ لگایا (یعنی عیدالاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن کل چار دن مسلسل روزہ نہیں رکھا جاتا لہٰذا جو لوگ آخرت کے راستے پر چلنے والے ہیں انہیں بھی چار دن سے زیادہ روزے کے بغیر نہیں رہنا چاہیئے یہ فقہی حکم نہیں بلکہ اہل تصوف کے نزدیک ہے ۱۲ ہزاروی)

انہوں نے ذکر کیا کہ اس طرح رہنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور بُری عادات پیدا ہوتی ہیں اور شہوتوں کے دروازے کھلتے ہیں، یقیناً اکثر لوگوں کے حق میں اس طرح ہے خصوصاً وہ لوگ جو رات اور دن میں دو مرتبہ کھاتے ہیں ہم نے نفلی روزے کی ترتیب کے سلسلے جو کچھ ذکر کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ یہ مذکورہ ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

روزے کے اسرار کا بیان ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنی تمام حمد کے ساتھ مستحق حمد ہے ہم اس میں سے کچھ جانتے ہیں یا نہیں جانتے اور اس کے تمام انعامات پر جن کا ہمیں علم ہے اور جن کا علم نہیں، اس کا شکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب پر ہو نیز سلام و کرم ہو اور ہر ہر بندے پر جو آسمان والوں میں سے ہے یا زمین والوں سے رحمت نازل ہو۔

اس کے بعد ان شاء اللہ حج کے اسرار کا بیان ہو گا اور اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے اس کے سوا کوئی رب نہیں اور مجھے اسی اللہ تعالیٰ کی مدد سے توفیق حاصل ہوتی اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

اسرارِ حج کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے کلمۂ توحید کو اپنے بندوں کے لیے پناہ گاہ اور قلعہ بنایا اور اپنے قدیم گھر (کعبۃ اللہ) کو لوگوں کے لوٹنے اور امن کی جگہ بنایا۔ اور اس گھر کو عزت بخشتے ہوئے، اسے خاص کرتے ہوئے اور احسان فرماتے ہوئے اس کی اپنی طرف نسبت کر کے اعزاز بخشا اس کی زیارت اور طواف کو بندے اور عذاب کے درمیان پردہ اور ڈھال بنایا اور رحمت کاملہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نبیٔ رحمت اور امت کے سردار ہیں اور آپ کے آل واصحاب پر جو حق کی طرف لانے والے اور مخلوق کے راہنما ہیں اور بہت بہت سلام ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ـــــ حج اسلام کے ارکان اور بنیادی امور میں سے ہے یہ عمر بھر کی عبادت، انجام کار، تکمیل اسلام اور دین کا کمال ہے اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ آیت نازل فرمائی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ — آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کیا تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا اور تمہارے لیے دین (۶)

الْإِسْلَامَ دِيْنًا (۱) اسلام کو پسند کیا۔

اور اسی کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا (۲) جو آدمی (طاقت کے باوجود) حج کے بغیر مرجائے تو وہ چاہے تو یہودی ہو کر مرے اور چاہے تو عیسائی ہو کر مرے۔

تو اس عبارت کی کس قدر عظمت ہے کہ اس کے نہ ہونے سے دین کا کمال ختم ہو جاتا ہے اور اس کو چھوڑنے والا گمراہی میں یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ہے تو اب یہ بات نہایت مناسب ہے اپنے ارادے کی لگام کو اس کی تشریح ارکان کی تفصیل، سنن، مستحبات، فضائل اور حکمتوں کے بیان کی طرف پھیری جائے بعد یہ تمام باتیں توفیق خداوندی سے تین بابوں میں واضح ہو جائیں گی۔

پہلا باب:۔ حج کی فضیلت، مکہ مکرمہ، بیت اللہ شریف کے فضائل اس کے تمام ارکان، اور وجوب کی شرائط کے بارے میں ہے۔

دوسرا باب:۔ اس کے ظاہری اعمال جو سفر سے لے کر واپسی تک ہیں، بالترتیب بیان ہوں گے۔

تیسرا باب:۔ اس کے باریک آداب پوشیدہ اسرار اور باطنی اعمال کے بارے میں ہے۔

پہلا باب

ہم پہلے باب سے شروع کرتے ہیں اور اس میں دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل حج کے فضائل، بیت اللہ شریف، مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ اللہ تعالیٰ ان دو مقدس مقامات کی حفاظت فرمائے، کے فضائل اور مساجد کی طرف جانے کے قصد و ارادہ کے بیان میں ہے۔

پہلی فصل:۔

فضیلتِ حج

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ اور (اے ابراہیم علیہ السلام) آپ لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجئے آپ کے پاس پیدل اور کمزور اونٹنیوں پر

---

(۱) قرآن مجید، سورہ مائدہ آیت ۳

(۲) جامع ترمذی جلد اول ص ۱۰۴ ابواب الحج

عَمِیْقٍ (۱) ہر دور کے راستے سے آئیں گے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا (اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور سرِ مختار زندے پر ہو) کہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں تو آپ نے پکارا " اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے تو تم اس کا حج کرو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لِیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ (۲) تاکہ وہ اپنے منافع کے لئے حاضر ہوں۔

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد موسم حج کی تجارت اور آخرت کا اجر ہے۔

اور جب بعض بزرگوں نے یہ بات سنی تو فرمایا رب کعبہ کی قسم ان کی بخشش ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی۔

لَاَقْعُدَنَّ لَھُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ (۳) (شیطان نے کہا) میں ضرور بضرور ان کے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا۔

کی تفسیر میں کہا گیا کہ اس سے مکہ مکرمہ کا راستہ مراد ہے اس پر شیطان بیٹھتا ہے تاکہ لوگوں کو اس سے روکے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِہٖ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔ (۴) جس نے بیت اللہ شریف کا حج کیا اور اس میں نہ تو بے حیائی کی بات کی اور نہ گناہ کیا تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح باہر آئے گا جس طرح وہ بچہ جسے اس کی ماں نے ابھی جنا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

مَا رُئِیَ الشَّیْطَانُ فِیْ یَوْمٍ اَصْغَرَ وَلَا اَدْحَرَ وَلَا اَحْقَرَ وَلَا اَغْیَظَ مِنْہُ یَوْمَ عَرَفَۃَ (۵) شیطان، یوم عرفہ میں جس قدر ذلیل، راندہ ہوا، حقیر اور غضب ناک ہوتا ہے ایسا کبھی نہیں دیکھا گیا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حج آیت ۲۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ حج آیت ۲۸

(۳) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۶

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۳۶ کتاب الحج

(۵) الدر المنثور جلد اول ص ۲۲۸ تحت آیت استغفروا اللہ

اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ رحمت کا نزول دیکھتا ہے نیز اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے۔

اِنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ ذُنُوْبًا لَّا یُکَفِّرُھَا اِلَّا الْوُقُوْفُ بِعَرَفَۃَ (۱)

کچھ گناہ ایسے ہیں جو صرف وقوف عرفات سے مٹتے ہیں

اس حدیث کو حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔
بعض مقربین اہل مکاشفہ نے دیکھا کہ عرفات میں شیطان ملعون اس کے سامنے ایک آدمی کی صورت میں پیش کیا گیا کہ وہ دبلا پتلا ہے رنگ زرد ہے، گریاں چشم ہے اور اس کی پیٹھ ٹوٹی ہوئی ہے اس بزرگ نے پوچھا تو کیوں رو رہا ہے؟ اس نے کہا اس لیے کہ حاجی حضرات تجارت کے بغیر اس کی طرف نکلے ہیں اور میں کہتا ہوں انہوں نے تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہی قصد کیا ہے مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں رسوا نہیں کرے گا۔ اس بات پر غمگین ہوں انہوں نے پوچھا کہ تیرا جسم کیوں کمزور ہے اس نے جواب دیا اللہ کی راہ میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی وجہ سے، اگر یہ میرے راستے میں ہوتے تو مجھے یہ بات زیادہ پسند تھی۔ انہوں نے پوچھا تیرا رنگ کیسے بدل گیا اس نے کہا عبادت پر لوگوں کی ایک دوسرے کی مدد کرنے کی وجہ سے، پوچھا تیری پیٹھ کس طرح ٹوٹ گئی اس نے کہا اس لیے کہ بندہ کہتا ہے اے اللہ! میں تجھ سے اچھے خاتمے کا سوال کرتا ہوں میں کہتا ہوں ہائے افسوس یہ کب اپنے عمل پر اترائے گا مجھے ڈر ہے کہ اسے کہیں یہ بات معلوم نہ ہو جائے (کہ اپنے عمل پر اترانا نہیں چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھنی چاہیئے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَیْتِہٖ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا فَمَاتَ اُجْرِیَ لَہٗ اَجْرُ الْحَاجِّ الْمُعْتَمِرِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ مَاتَ فِیْ اِحْدَی الْحَرَمَیْنِ لَمْ یُعْرَضْ وَلَمْ یُحَاسَبْ وَقِیْلَ لَہٗ اُدْخُلِ الْجَنَّۃَ (۲)

جو شخص اپنے گھر سے حج یا عمرہ کی غرض سے نکلے اور مر جائے تو اسے قیامت تک حج و عمرہ کرنے والے کا اجر دیا جاتا رہے گا اور جو شخص حرمین طیبین میں سے ایک حرم شریف میں انتقال کر جائے تو اسے نہ تو حساب کے لیے پیش کیا جائے گا اور نہ اس کا حساب ہوگا اور کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) قوت القلوب جلد دوم ص ۱۲۰ کتاب الحج
(۲) شعب الایمان جلد ۳ ص ۴۷۴ حدیث ۴۱۰۰، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۵ ص ۴۴۷ کتاب الحج

حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَحَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ لَيْسَ لَهَا جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ۔ (۱)

مقبول حج، دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے بہتر ہے اور مقبول حج کی جزا جنت ہی ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَزُوَّارُهٗ وَاِنْ سَاَلُوْهُ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ وَاِنْ دَعَوْا اسْتُجِيْبَ لَهُمْ وَاِنْ شَفَعُوْا شُفِّعُوْا۔ (۲)

حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کا وفد اور اس کی زیارت کرنے والے ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگیں تو وہ عطا کرتا ہے اور بخشش طلب کریں تو وہ انہیں بخش دیتا ہے اور اگر دعا مانگیں تو وہ قبول کرتا ہے اگر کسی کی شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول ہوتی ہے۔

ایک مسند حدیث میں جو اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے سے مروی ہے یوں ہے۔

اَعْظَمُ النَّاسِ ذَنْبًا مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ فَظَنَّ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَغْفِرْ لَهٗ۔ (۳)

وہ شخص لوگوں میں سے سب سے بڑا گناہ گار ہے جو عرفات میں کھڑا ہوا اور یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت نہیں فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

يَنْزِلُ عَلٰى هٰذَا الْبَيْتِ مِنْ كُلِّ يَوْمٍ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ رَحْمَةً سِتُّوْنَ لِلطَّائِفِيْنَ وَاَرْبَعُوْنَ لِلْمُصَلِّيْنَ وَعِشْرُوْنَ لِلنَّاظِرِيْنَ۔ (۴)

اس بیت اللہ شریف پر ہر دن ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں ان میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں کے لیے چالیس نماز پڑھنے والوں اور بیس بیت اللہ شریف کی زیارت کرنے والوں کے لیے ہیں۔

اور حدیث شریف میں ہے:

اِسْتَكْثِرُوْا مِنَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ فَاِنَّهٗ مِنْ اَجَلِّ شَيْءٍ تَجِدُوْنَهٗ فِيْ صُحُفِكُمْ

بیت اللہ شریف کا طواف کثرت سے کیا کرو کیونکہ یہ ان میں سے سب سے زیادہ قدر و منزلت والا ہے جنہیں

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۳۶ کتاب الحج

(۲) سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۶۲ کتاب الحج

(۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۳۵۹ حدیث ۱۴۵۲

(۴) مجمع الزوائد جلد سوم ص ۲۹۲ کتاب الحج

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَغْبَطِ عَمَلٍ تَجِدُوْنَهٗ ۔ (۱)

تو تم قیامت کے دن اپنے نامہائے اعمال میں پاؤ گے اور تمہارے اعمال میں سے یہ سب سے زیادہ قابلِ رشک ہے۔

اسی لیے حج اور عمرہ کے شروع میں طواف مستحب (سنت) ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ طَافَ اُسْبُوْعًا حَافِيًا حَاسِرًا كَانَ لَهٗ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَمَنْ طَافَ اُسْبُوْعًا فِي الْمَطَرِ غُفِرَ لَهٗ مَا سَلَفَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔ (۲)

جو شخص طواف کے سات چکر ننگے پاؤں ننگے سر لگائے اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور جو آدمی بارش میں طواف کے سات چکر لگائے اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اور کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب عرفات میں کسی بندے کے گناہ بخشتا ہے تو جو شخص اس جگہ پہنچتا ہے اس کے گناہ بھی بخش دیتا ہے۔

کسی بزرگ نے فرمایا کہ جب عرفہ (نویں ذوالحجہ) کا دن جمعۃ المبارک کو آجائے تو تمام اہل عرفات کی بخشش ہو جاتی ہے اور یہ دن دنیوی ایام سے افضل ہے اور اسی دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا اور آپ حالتِ وقوف میں تھے جب یہ آیت نازل ہوئی (۳)

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۴)

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا۔ اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

اہل کتاب نے کہا اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا دیتے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن یعنی ایک عرفہ اور دوسرا جمعۃ المبارک کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ عرفات میں وقوف فرما رہے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهٗ

اے اللہ! حج کرنے والے کو بخش دے اور جس کے لیے

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۴۱ کتاب الحج المناسک

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۹۵ مرویات ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۶۲ کتاب التفسیر

(۴) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۳

الحاج (۱) حاجی بخشش مانگے اسے بھی بخش دے۔

واقعات میں منقول ہے کہ حضرت علی بن موفق رحمہ اللہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کئی حج کئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے مجھ سے فرمایا اے ابن موفق! تم نے میری طرف سے حج کئے ؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا تم نے میری طرف سے تلبیہ کہا ؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا میں قیامت کے دن تمہاری طرف سے کفایت کروں گا میں موقف میں تیرا ہاتھ پکڑ کر تجھے جنت میں داخل کروں گا اور ابھی لوگ حساب کے سختی میں ہوں گے حضرت مجاہد اور دوسرے علماء رحمہم اللہ نے فرمایا کہ حاجی صاحبان جب مکہ مکرمہ میں آتے ہیں تو فرشتے ان سے ملاقات کرتے ہیں وہ اونٹ پر سوار حاجیوں کو سلام کرتے اور دراز گوش پر سوار حضرات سے مصافحہ کرتے ہیں اور جو لوگ پیدل ہوتے ہیں ان سے گلے ملتے ہیں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا جو آدمی رمضان المبارک کے بعد یا جہاد یا حج کے بعد انتقال کر جائے وہ شہادت کا درجہ پاتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا حج کرنے والے اور جس کے لیے وہ بخشش مانگے ذوالحجہ، محرم، صفر اور ربیع الاول کے بیس دنوں میں ان کی بخشش ہوتی ہے۔

بزرگوں کے طریقے میں سے ہے کہ وہ مجاہدین کو رخصت کرنے اور حاجیوں کا استقبال کرتے ہیں ان کے گناہوں سے آلودہ ہونے سے پہلے پہلے یہ کام کرتے ہیں۔

حضرت علی بن موفق سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے ایک سال حج کیا جب نو ذوالحجہ کی رات ہوئی تو میں منیٰ کی مسجد خیف میں سو گیا خواب میں دیکھا کہ گویا دو فرشتے آسمان سے اترے ہیں اور ان پر سبز کپڑے ہیں ان میں ایک اپنے ساتھی کو پکارتا ہے اے عبداللہ! دوسرے نے کہا اے اللہ! میں حاضر ہوں اس نے کہا تمہیں معلوم ہے اس سال ہمارے رب کے گھر کا کتنے لوگوں نے حج کیا اس نے کہا مجھے معلوم نہیں اس نے کہا چھ لاکھ آدمیوں نے ہمارے رب کے گھر کا حج کیا ہے تمہیں معلوم ہے کہ ان میں سے کتنے لوگوں کا حج منظور ہوا ؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں، دوسرے فرشتے نے کہا صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا۔ پھر وہ دونوں اوپر چلے گئے اور مجھ سے پوشیدہ ہو گئے میں گھبرا کر اٹھا اور بہت زیادہ غمگین ہو گیا مجھے میرے اپنے معاملے نے پریشان کر دیا میں نے سوچا جب صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا تو میں ان چھ میں کہاں ہوں گا جب میں عرفات سے واپس آیا تو مشعر حرام کے پاس کھڑا ہو گیا اور لوگوں کی کثرت اور ان لوگوں کی قلت کے بارے میں سوچنے لگا جن کا حج قبول ہوا پھر مجھ پر نیند غالب آ گئی تو دیکھا دو آدمی آسمان سے اترے وہ ان پہلے دو کی شکل پر تھے ان میں سے ایک نے دوسرے کو مخاطب کیا اور پھر اسی طرح کا کلام کیا پھر کہا

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۴۱ اول مناسک الحج

تمہیں معلوم ہے اس رات ہمارے رب کا کیا حکم ہے؟ دوسرے نے کہا نہیں اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان چھ میں سے ہر ایک کو ایک لاکھ دے دیئے فرماتے ہیں میں بیدار ہوا تو مجھے اتنی خوشی ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔
ان ہی سے منقول ہے فرماتے ہیں میں نے ایک سال حج کیا جب میں مناسکِ حج مکمل کر چکا تو ان لوگوں کے بارے میں متفکر ہوا جن کا حج مقبول نہیں ہوگا میں نے عرض کیا اے اللہ! میں نے اپنا حج اور اس کا ثواب ان لوگوں کو دے دیا جن کا حج مقبول نہیں ہوگا فرماتے ہیں میں نے خواب میں رب العزت کو دیکھا اس نے مجھے فرمایا۔
اے علی! مجھ پر سخاوت کرتا ہے حالانکہ میں نے سخاوت اور سخیوں کو پیدا کیا، میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والا اور سب سے زیادہ بخشنے والا ہوں اور تمام جہانوں والوں کی نسبت سخاوت و کرم کا زیادہ حق رکھتا ہوں میں نے ان تمام لوگوں کو جن کا حج قبول نہیں کروں گا ان کے حوالے کر دیا جن کا حج قبول کروں گا۔

بیت اللہ شریف اور مکہ مکرمہ کی فضیلت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ وَعَدَ هٰذَا الْبَيْتَ اَنْ يَّحُجَّهُ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ سِتُّمِائَةِ اَلْفٍ، فَاِنْ نَقَصُوْا اَكْمَلَهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ، وَاِنَّ الْكَعْبَةَ تُحْشَرُ كَالْعَرُوْسِ الْمَزْفُوْفَةِ وَكُلُّ مَنْ حَجَّهَا يَتَعَلَّقُ بِاَسْتَارِهَا يَسْعَوْنَ حَوْلَهَا حَتّٰى تَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَيَدْخُلُوْنَ مَعَهَا۔ (1)

اللہ تعالیٰ نے اس گھر سے وعدہ فرمایا کہ ہر سال چھ لاکھ آدمی اس کا حج کریں گے اگر کم ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں فرشتوں کے ذریعے پورا کرے گا اور قیامت کے دن کعبۃ اللہ کو پہلی رات کی دلہن کی طرح اٹھائے گا اور جن جن لوگوں نے اس کا حج کیا وہ اس کے پردوں سے لٹکے ہوں گے اور اس کے گرد چکر لگا رہے ہوں گے حتیٰ کہ وہ جنت میں داخل ہوگا اور وہ لوگ بھی اس کے ساتھ داخل ہوں گے۔

ایک حدیث شریف میں ہے:
اِنَّ الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ يَاقُوْتَةٌ مِّنْ يَوَاقِيْتِ الْجَنَّةِ وَاِنَّهٗ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهٗ عَيْنَانِ وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ لِكُلِّ مَنْ

بے شک حجر اسود جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے اور وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کی دو آنکھیں اور ایک زبان ہوگی جس کے ذریعے

(1) الاسرار المرفوعۃ ص ۶، حدیث ۲،۷

اِسْتَلَمَهٗ بِحَقٍّ وَصِدْقٍ (۱) وہ کلام کرتے گا اور ہر اس شخص کے لیے گواہی دے گا جس نے اسے حق و صداقت کے ساتھ بوسہ دیا۔

٭ ٭

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کو بہت زیادہ بوسہ دیا کرتے تھے۔ (۲)
ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سجدہ کیا۔ (۳)
اور آپ اپنی اونٹنی پر طواف کرتے ہوئے اپنے عصا مبارک کا مڑا ہوا کنارہ اس پر رکھ دیتے اور پھر اس کنارے کو بوسہ دیتے (۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے بوسہ دیا پھر فرمایا بے شک میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ نقصان دے سکتا ہے اور نہ نفع اور اگر میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا کہ آپ نے تجھے بوسہ دیا تو میں کبھی بھی تجھے بوسہ نہ دیتا پھر آپ رو پڑے حتیٰ کہ آپ کے رونے کی آواز بلند ہو گئی پھر پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی فرمایا اے ابو الحسن یہاں آنسو گرائے جاتے ہیں اور دعائیں قبول ہوتی ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امیر المومنین یہ نفع بھی دیتا ہے اور نقصان بھی، فرمایا کس طرح؟ تو انہوں نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم (علیہ السلام) سے وعدہ لیا تو ان پر ایک تحریر لکھ کر اس پتھر کو کھلا دی تو یہ مومن پر وفائے عہد اور کافر کے خلاف اس کے انکار گواہی دے گا۔ (۵)
کہا گیا ہے اس کو بوسہ دیتے وقت جو یہ کلمات پڑھے جاتے ہیں ان کا یہی مطلب ہے وہ کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ۔

اے اللہ! میں تجھ پر ایمان لاتے ہوئے تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے اور تیرے وعدے کو پورا کرتے ہوئے (اسے بوسہ دیتا ہوں)

٭ ٭ ٭

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک دن کا روزہ ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے ایک درہم کا صدقہ ایک لاکھ درہموں کے برابر ہے اسی طرح ہر نیکی ایک لاکھ کے برابر ہے اور کہا گیا ہے کہ سات طواف (کل انچاس چکر) ایک عمرے کے برابر ہیں اور تین عمرے ایک حج کے برابر ہیں۔

---

(۱) جامع ترمذی جلد اول ص ۱۴۸ ابواب الحج
(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۱۳ کتاب الحج
(۳) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۵۵ کتاب المناسک۔
(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۱۳ کتاب الحج
(۵) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۵۷ کتاب المناسک۔

ایک صحیح حدیث میں ہے۔

عُمْرَۃٌ فِیْ رَمَضَانَ کَحَجَّۃٍ مَّعِیْ (۱)

ماہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا میرے ساتھ (حضور علیہ السلام کے ساتھ) حج کی طرح ہے۔

٭ ٭ ٭

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ ثُمَّ اٰتِیْ اَھْلَ الْبَقِیْعِ یُحْشَرُوْنَ مَعِیْ ثُمَّ اٰتِیْ اَھْلَ مَکَّۃَ فَاُحْشَرُ بَیْنَ الْحَرَمَیْنِ۔ (۲)

سب سے پہلے میرے لیے زمین پھٹے گی پھر جنت البقیع والوں کے پاس جاؤں گا تو وہ میرے ساتھ اٹھیں گے پھر میں اہل مکہ کے پاس جاؤں گا تو دونوں حرموں کے درمیان میرا حشر ہوگا۔

ایک حدیث شریف میں ہے:

اِنَّ اٰدَمَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَضٰی مَنَاسِکَہٗ لَقِیَتْہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ فَقَالُوْا بَرَّ حَجُّکَ یَا اٰدَمُ لَقَدْ حَجَجْنَا ھٰذَا الْبَیْتَ قَبْلَکَ بِاَلْفَیْ عَامٍ۔

جب آدم علیہ السلام نے مناسک حج مکمل کر لیے تو فرشتوں نے ان سے ملاقات کر کے کہا اے آدم علیہ السلام آپ کا حج مقبول ہوا ہم نے آپ سے دو ہزار سال پہلے اس گھر کا حج کیا۔

ایک روایت میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَنْظُرُ فِیْ کُلِّ لَیْلَۃٍ اِلٰی اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَوَّلُ مَنْ یَّنْظُرُ اِلَیْہِ اَھْلُ الْحَرَمِ وَاَوَّلُ مَنْ یَّنْظُرُ اِلَیْہِ مِنْ اَھْلِ الْحَرَمِ اَھْلُ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَنْ رَاٰہُ طَائِفًا غَفَرَ لَہٗ وَمَنْ رَاٰہُ مُصَلِّیًا غَفَرَ لَہٗ وَمَنْ رَاٰہُ قَائِمًا مُّسْتَقْبِلَ الْکَعْبَۃِ غَفَرَ لَہٗ۔

(۳)

اللہ تعالیٰ ہر رات زمین والوں کی طرف نظر فرماتا ہے تو سب سے پہلے جن کی طرف نظر فرماتا ہے وہ حرم والے ہیں اور حرم والوں میں سے سب سے پہلے مسجد حرام والوں کی طرف نظر فرماتا ہے تو جسے طواف کرتے ہوئے دیکھتا ہے اسے بخش دیتا ہے اور جس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے اسے بخش دیتا ہے اور جس کو کعبۃ اللہ کی طرف رخ کیے ہوئے کھڑا دیکھتا ہے اسے بھی بخش دیتا ہے۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۸۵ کتاب المناسک۔

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۶۷ کتاب التفسیر۔

(۳) قوت القلوب جلد ۲ ص ۱۲۱ کتاب الحج۔

(۴) قوت القلوب جلد ۲ ص ۱۲۱ کتاب الحج۔

کسی ولی کو کشف ہو تو وہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ تمام وادیوں کے کشادہ مقامات جزیرہ عبادان کو سجدہ کر رہے ہیں اور عبادان، جدہ کو سجدہ کر رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب تک ابدال میں سے ایک شخص اس گھر کا طواف نہ کرلے اس دن کا سورج غروب نہیں ہوتا اور رات سے فجر طلوع نہیں ہوتی جب تک اوتاد میں سے کوئی اس کا طواف نہ کرے اور جب یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا تو یہی اس (کعبۃ اللہ) کے زمین سے اٹھ جانے کا سبب ہوگا لوگ صبح کریں گے تو کعبہ شریف اٹھا دیا گیا ہو گا وہ اس کا نشان تک نہ دیکھیں گے اور یہ بات اس وقت ہوگی جب سات سال تک کعبۃ اللہ کا حج نہ ہوگا پھر قرآن پاک کو مصاحف میں سے اٹھایا جائے گا لوگ صبح اٹھیں گے تو کاغذ سفید چمکتے ہوں گے اور ان پر حروف نہیں ہوں گے پھر قرآن پاک کو دلوں سے نکالا جائے گا تو اس کا ایک کلمہ بھی یاد نہیں رہے گا پھر لوگ اشعار، گانوں اور دور جاہلیت کی خبروں کی طرف رجوع کریں گے اس کے بعد دجال نکلے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور اسے قتل کردیں گے اس وقت قیامت اتنی قریب ہوگی جیسے عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی توقع کا وقت ہوتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے:

اِسْتَكْثِرُوْا مِنَ الطَّوَافِ بِهٰذَا الْبَيْتِ قَبْلَ اَنْ يُّرْفَعَ فَقَدْ هُدِمَ مَرَّتَيْنِ وَيُرْفَعُ فِي الثَّالِثَةِ۔ (۱)

اس بیت اللہ شریف کے اٹھائے جانے سے پہلے اس کا بہت طواف کرو یہ دو مرتبہ گرایا گیا اور تیسری مرتبہ اٹھایا جائے گا۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا اَرَدْتُ اَنْ اُخَرِّبَ الدُّنْيَا بَدَأْتُ بِبَيْتِيْ فَخَرَّبْتُهٗ ثُمَّ اُخَرِّبُ الدُّنْيَا عَلٰى اَثَرِهٖ (۲)

میں جب دنیا کو ختم کرنے کا ارادہ کروں گا تو اپنے گھر سے ابتدا کروں گا پس اسے بے آباد کرکے پھر اس کے بعد دنیا کو ختم کر دوں گا۔

مکہ مکرمہ (اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے) میں ٹھہرنے کی فضیلت اور کراہت

ڈرنے والے اور محتاط علماء کرام نے تین وجہ سے مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا پسند نہیں کیا۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۴۱ کتاب المناسک

(۲) قوت القلوب جلد ۲ ص ۱۲۲، ۲۲۳ کتاب الحج

۱۔ وہاں ٹھہرنے سے اکتا جانے اور بیت اللہ شریف سے انس پیدا ہونے کا خوف ہو کیونکہ یہ بات بعض اوقات احترام کے سلسلے میں دل کی حرارت کو مٹا دیتی ہے اسی سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاجیوں کو حج کے بعد مارتے تھے اور فرماتے اے یمن والو! یمن کو جاؤ، اے اہل شام! شام کی طرف جاؤ، اے عراقیو! عراق کی طرف جاؤ اور اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو زیادہ طواف کرنے سے روکنے کا ارادہ فرمایا اور فرمایا مجھے ڈر ہے کہ کہیں لوگوں کو بیت اللہ شریف سے اُنس نہ ہو جائے۔

۲۔ وہاں سے جدا ہونے کی وجہ سے دوبارہ آنے کا شوق پیدا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کو لوٹنے اور امن کی جگہ بنایا ہے یعنی وہ اس کی طرف بار بار آئیں اور اپنی حاجت کو اس سے پوری نہ کر سکیں۔ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ تم اپنے شہر میں ہو اور تمہارا دل مکہ مکرمہ کا مشتاق ہو اور اس گھر سے لگا ہوا ہو تو یہ بات تمہارے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ تم اس (مکہ مکرمہ) میں ہو اور اس سے اکتا جاؤ اور تمہارا دل کسی دوسرے شہر میں ہو۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کتنے ہی لوگ خراسان میں ہیں اور طواف کرنے والوں کی نسبت وہ اس گھر کے زیادہ قریب ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ کعبہ شریف اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ان بندوں کا طواف کرتا ہے۔

۳۔ اس خوف سے (وہاں ٹھہرنا ناپسندیدہ ہے) کہ کہیں گناہ اور خطاؤں کا ارتکاب نہ ہو جائے اور یہ بہت خطرناک ہے اور اس بات کے لائق ہے کہ اس مقام کی شرافت کے باعث یہ شخص اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنے۔

حضرت وہیب بن ورد مکی رحمہ اللہ سے منقول ہے فرماتے ہیں میں ایک رات حطیم میں نماز پڑھ رہا تھا تو میں نے کعبۃ اللہ اور اس کے پردوں کے درمیان سے کلام سنا کہ اے جبریل! میرے گرد طواف کرنے والے جو دنیوی باتیں سوچتے اور لغو و بے ہودہ باتیں کرتے ہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے اور پھر تم سے اس کی شکایت کرتا ہوں اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو میں ایسی انگڑائی لوں گا کہ میرا ہر پتھر اس پہاڑ پر چلا جائے گا جہاں سے اسے توڑ کر لایا گیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مکہ مکرمہ کے علاوہ کوئی ایسا شہر نہیں جہاں بندے سے عمل کے بغیر محض نیت پر مواخذہ ہو اور انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (۱)	اور جو آدمی اس شہر میں زیادتی کرتے ہوئے بے دینی کا ارادہ کرے تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

یعنی محض ارادے پر یہ سزا ملے گی۔ اور کہا جاتا ہے کہ نیکیوں کی طرح یہاں گناہوں کی سزا میں بھی اضافہ ہوتا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حج آیت ۲۵

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں ذخیرہ اندوزی کرنا حرم شریف میں بے دینی اختیار کرنے کی طرح ہے اور کہا گیا کہ جھوٹ بولنا بھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اگر میں رکیہ (مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان جگہ ہے) میں ستر گناہ کروں تو وہ مجھے مکہ مکرمہ میں ایک گناہ کرنے سے زیادہ پسند ہے اسی خوف کی وجہ سے وہاں کے بعض مقیم لوگوں نے حرم کے حدود میں قضائے حاجت سے احتراز کیا اور وہ حرم سے باہر گئے اور بعض نے وہاں ایک مہینہ قیام کیا تو زمین پر اپنا پہلو نہیں لگایا اور وہاں ٹھہرنے کی ممانعت کے باعث بعض علماء نے مکہ مکرمہ کے مکانات کے کرایہ کو ناپسند فرمایا اور تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہاں ٹھہرنے کی کراہیت اس مقام کی فضیلت کے منافی ہے کیوں کہ اس کراہیت کی وجہ مخلوق کی کمزوری اور اس مقام کے حق کو ادا کرنے میں کوتاہی ہے تو ہمارا یہ قول کہ وہاں نہ ٹھہرنا افضل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مقام سے اکتانے اور تعظیم میں کوتاہی کی صورت میں ایسا ہے۔ اور وہاں کے حقوق ادا کرنے کی صورت میں کسی دوسری جگہ ٹھہرنا افضل ہو، کیسے ہو سکتا ہے اور یہ کیسے افضل نہ ہوگا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

اِنَّكَ لَخَيْرُ اَرْضِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاَحَبُّ بِلَادِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِلَىَّ وَلَوْلَا اَنِّىْ اُخْرِجْتُ مِنْكَ لَمَا خَرَجْتُ۔ (۱)

بلاشبہ تو اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں سے زیادہ پسند ہے اور اگر مجھے یہاں سے جانے پر مجبور نہ کیا جاتا تو میں یہاں سے نہ جاتا۔

ایسا کیوں نہیں ہوگا جب کہ بیت اللہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے اور اس میں نیکیاں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

تمام شہروں پر مدینہ طیبہ کی فضیلت

مکہ مکرمہ کے بعد مدینہ طیبہ سے افضل کوئی زمین نہیں اس پاک شہر میں بھی اعمال کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلٰوةٌ فِىْ مَسْجِدِىْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ (۲)

میرے اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دیگر مساجد کی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔

اسی طرح مدینہ طیبہ میں کیا جانے والا ہر عمل ایک ہزار کے برابر ہے مدینہ طیبہ کے بعد بیت المقدس ہے اس میں ایک نماز

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۳۱ باب فضل مکۃ

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۴۶ کتاب الحج

رام کے علاوہ پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور باقی اعمال کا بھی یہی حکم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِ الْمَدِيْنَةِ بِعَشْرَةِ آلَافِ صَلَاةٍ وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى بِأَلْفِ صَلَاةٍ وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ (۱)

مسجد مدینہ (مسجد نبوی) کی ایک نماز دس ہزار نمازوں کے برابر ہے مسجد اقصیٰ میں ایک نماز ایک ہزار اور مسجد حرام کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَبَرَ عَلٰى شِدَّتِهَا وَلَأْوَائِهَا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۲)

جس شخص نے مدینہ طیبہ کی سختی اور شدت پر صبر کیا میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا۔

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ فَإِنَّهٗ لَنْ يَّمُوْتَ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۳)

جو شخص مدینہ طیبہ میں فوت ہو سکتا ہو تو اسے وہاں فوت ہونا چاہیے کیوں کہ جو شخص بھی وہاں فوت ہوگا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔

ان تین مقامات کے بعد تمام مقامات برابر ہیں سوائے اسلامی سرحدوں کے، کیوں کہ وہاں اپنے وطن کی حفاظت کے لیے قیام کرنے میں بہت زیادہ فضیلت ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِيْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى (۴)

تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف زیادہ ثواب کی نیت سے سفر نہ کیا جائے مسجد حرام، میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ

بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے متبرک مقامات اور علماء کرام و اولیاء کرام کے مزارات

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۰۲ کتاب الصلوٰۃ

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۴۴ کتاب الحج

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۲۲ ابواب المناسک

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۱۰۳ کتاب الصلوٰۃ

کی زیارتوں کے لیے سفر کرنے سے منع کیا ہے لیکن میرے خیال میں یہ بات اس طرح نہیں بلکہ زیارت کا تو حکم دیا گیا ہے
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا (۱)

میں تمہیں زیارت قبور سے روکا کرتا تھا لیکن (اب) زیارت کرو لیکن نامناسب گفتگو نہ کرو۔

یہ حدیث مساجد کے بارے میں آئی ہے (۲) اور مقامات مقدسہ اس معنیٰ میں نہیں ہیں کیوں کہ ان تین مساجد کے علاوہ تمام مساجد (ثواب کے اعتبار سے) برابر ہیں۔ اور شہر میں مسجد ہوتی ہے لہٰذا کسی دوسری مسجد کی طرف جانے کا کوئی مطلب نہیں لیکن مقامات مقدسہ ایک جیسے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی زیارت کی برکت ان درجات کے مطابق ہوتی ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہیں ہاں اگر کسی جگہ مسجد نہ ہو تو اس شہر کی طرف جانا جس میں مسجد ہے جائز ہے، اور اگر چاہے تو مکمل طور پر اس کی طرف منتقل ہو جائے، پھر مجھے معلوم نہیں کہ یہ منکر انبیاء کرام مثلاً حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ حضرت یحییٰ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات کی طرف جانے سے بھی منع کرے گا ان سے منع کرنا تو بہت محال ہے تو جب یہ جائز ہے تو اولیاء کرام علماء اور صلحاء عظام کے مزارات بھی اسی معنیٰ میں ہیں۔ لہٰذا یہ بات بعید نہیں کہ ان کی طرف سفر کے اغراض میں سے ہو جیسے علماء کرام کی زندگی میں ان کی زیارت کے لیے سفر کرنا مقصود ہوتا ہے۔

جہاں تک مقام (ٹھہرنے) کا تعلق ہے تو اگر مرید کے لیے سفر سے علم کا استفادہ مطلوب نہ ہو تو اپنے گھر میں رہے جب کہ اپنے وطن میں ٹھہرنے میں سلامتی ہو۔

اگر وطن میں محفوظ نہ ہو تو ایسی جگہ تلاش کرے جہاں اسے کوئی نہ جانتا ہو اس کا دین زیادہ محفوظ رہے۔ دل فارغ رہے اور عبادت میں آسانی ہو۔ اس کے لیے ایسی جگہ سب سے افضل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْبِلَادُ بِلَادُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالْخَلْقُ عِبَادُهٗ فَاَیَّ مَوْضِعٍ رَاَیْتَهٗ فِیْهِ رِفْقًا

تمام شہر اللہ تعالیٰ کے شہر ہیں اور تمام مخلوق اس کے بندے ہیں تم جس جگہ آسانی دیکھو وہاں ٹھہر جاؤ۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۰۵ کتاب الجنائز۔

(۲) یہاں استثناء مساجد سے ہو رہی یعنی لا تشد الرحال الی مساجد الا الی ثلثۃ مساجد مطلب یہ ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ تمام مساجد میں ثواب برابر ہے لہٰذا اس نیت سے نہ جاؤ محض کسی مسجد کی زیارت یا بزرگان دین کے مزارات سے منع نہیں کیا گیا ان لوگوں کو اپنے غلط عقیدے سے توبہ کرنی چاہیے جو کہتے ہیں کہ مسجد نبوی کے ارادے سے جائیں حضور علیہ السلام کے روضۂ مطہرہ کی نیت سے نہ جائیں العیاذ باللہ ۱۲ ہزاروی۔

فَاتَّقُوا وَاحْمَدُوا اللّٰہَ تَعَالٰی (۱)
اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ بُوْرِكَ لَهُ فِيْ شَيْءٍ فَلْيَلْزَمْهُ وَمَنْ جُعِلَتْ مَعِيْشَتُهُ فِيْ شَيْءٍ فَلَا يَنْتَقِلُ عَنْهُ حَتّٰى يَتَغَيَّرَ عَلَيْهِ۔ (۲)

جس آدمی کو کسی چیز میں برکت دی جائے تو وہ اسے اختیار کیے رکھے اور جس شخص کی روزی کسی چیز میں کر دی گئی تو وہ اس سے دوسری طرف منتقل نہ ہو جب تک وہ (ذریعہ معاش) خود نہ بدل جائے۔

حضرت ابو نعیم فرماتے ہیں میں نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کو دیکھا انہوں نے اپنی تھیلی اپنے کاندھے پہ رکھی ہوئی تھی اور جوتے ہاتھ میں تھے۔ میں نے پوچھا اے ابو عبداللہ! کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا میں ایسے شہر میں جا رہا ہوں جہاں اپنی ہتھیلی کو درھموں سے بھر دوں گا۔ ایک دوسرے واقعہ میں ہے انہوں نے فرمایا مجھے معلوم ہوا کہ فلاں بستی میں آسانی ہے وہاں ٹھہروں گا۔ میں نے کہا اے ابو عبداللہ! آپ ایسا کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں اور جب تم کسی شہر میں ارزانی دیکھو تو وہاں کا ارادہ کرو اس سے تمہارا دین محفوظ ہو گا اور تمہارے تفکرات کم ہو جائیں گے وہ فرمایا کرتے تھے یہ زمانہ برے لوگوں کا ہے اس میں گمنام لوگ محفوظ نہیں رہ سکتے مشہور لوگوں کا کیا حال ہو گا یہ زمانہ انتقال ہے آدمی اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے ایک بستی سے دوسری بستی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

ان ہی کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں کس شہر میں سکونت اختیار کروں تو ان سے کہا گیا "خراسان میں"، فرمایا وہاں مختلف مذاہب اور فاسد آراء ہیں کہا گیا "شام میں" فرمایا تمہاری طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے گا یعنی شہرت ہو گی کہا گیا عراق میں فرمایا جابر لوگوں کا ملک ہے کہا گیا مکہ مکرمہ میں تو فرمایا مکہ مکرمہ عقل کو اور بدن کو تحلیل کر دیتا ہے ایک اجنبی شخص نے ان سے کہا کہ میں نے مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کی نیت کر لی ہے تو مجھے کوئی نصیحت کیجیے انہوں نے فرمایا میں تمہیں تین باتوں کی نصیحت کرتا ہوں پہلی صف میں نماز مت پڑھنا، کسی قریشی کی صحبت اختیار نہ کرنا اور صدقہ ظاہر نہ کرنا، پہلی صف کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ اس سے آدمی مشہور ہو جاتا ہے پس جب غائب ہو تو اس کو گم پایا جاتا ہے یعنی اسے تلاش کیا جاتا ہے) اس طرح اس کے عمل میں تصنع و بناوٹ آجاتی ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۶۶ مرویات زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۵۶ ابواب التجارۃ

دوسری فصل :

حج کی شرائط، اس کے ارکان و واجبات کی صحت اور ممنوعات

شرائط حج کے صحیح ہونے کی دو شرطیں ہیں (۱) وقت کا پایا جانا اور مسلمان ہونا پس بچے کا حج صحیح ہوتا ہے اگر وہ سمجھدار ہے تو خود نیت کرے اور اگر چھوٹا ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے نیت کرے اور اسے وہ تمام کام کروائے جو حج میں کئے جاتے ہیں یعنی طواف اور سعی وغیرہ، ——— حج کا وقت شوال، ذی قعدہ اور ذوالحجہ کے نو دن ہیں اور قربانی کے دن طلوع فجر تک کا وقت ہے تو جس نے اس مدت کے علاوہ حج کا احرام باندھا تو وہ عمرہ ہوگا اور عمرے کا وقت پورا سال ہے لیکن جو شخص منیٰ کے دنوں میں حج کے احکام کا پابند ہوا ہے عمرے کا احرام نہیں باندھنا چاہیے کیوں کہ وہ منیٰ کے مناسک کی ادائیگی میں مشغولیت کی وجہ سے عمرے کے افعال ادا نہیں کر سکے گا۔

حج اسلام کے وقوع کے لیے پانچ شرائط ہیں اسلام، آزادی، بالغ ہونا عقل اور وقت۔

اگر بچے یا غلام نے احرام باندھا لیکن عرفات میں یا مزدلفہ میں غلام کو آزاد کر دیا گیا یا بچہ بالغ ہو گیا اور وہ عرفات کی طرف لوٹ گیا اور ابھی (دسویں ذوالحجہ کی) صبح طلوع نہ ہوئی تھی تو دونوں کی طرف سے اسلام کا حج (فرض حج) ادا ہو گیا کیوں کہ حج وقوفِ عرفات کا نام ہے اور ان پر صرف ایک بکری لازم ہوگی۔

(یعنی کوتاہی کا دم (ذبح) لازم نہ ہوگا) عمرے کے لیے بھی یہی شرائط ہیں البتہ اس میں وقت شرط نہیں۔

آزاد بالغ آدمی کی طرف سے نفلی حج کے وقوع کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ فرض حج سے فارغ ہو چکا ہو کیوں کہ فرض حج مقدم ہے پھر اس حج کی قضا ہے جسے حالت وقوف میں فاسد کیا پھر نذر کا حج پھر دوسرے کی نیابت میں حج کرنا اور اس کے بعد نفلی حج ہے، یہ ترتیب ضروری ہے اور حج اسی ترتیب سے واقع ہوگا اگرچہ اس کے خلاف نیت کرے۔

صحیح فرض ہونے کی شرائط پانچ ہیں بالغ ہونا، مسلمان ہونا، عاقل ہونا آزاد ہونا اور طاقت رکھنا۔

جس آدمی پر فرض حج لازم ہو تو اس پر فرض عمرہ بھی لازم ہو جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک عمرہ فرض نہیں ہوتا بلکہ وہ سنت ہے جب تک خود اپنے اوپر لازم نہ کرے ۱۲ ہزاروی) جو شخص مکہ مکرمہ میں زیارت یا تجارت کی نیت سے داخل ہو اور لکڑیاں بیچنے والا نہ ہو تو ایک قول کے مطابق اس پر احرام لازم ہے پھر وہ عمرہ یا حج کے عمل کے ذریعے اس سے باہر آئے۔

استطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک تو خود حج کرنے کے حوالے سے ہے اور یہ اس کے کئی اسباب ہیں اور وہ یا تو اس کی ذات سے متعلق ہے یعنی وہ تندرست ہو یا راستے سے متعلق ہیں کہ راستہ سرسبز اور امن والا ہو نہ تو سمندری خطرہ ہو نہ ظالم دشمن ہو۔ اور مال سے متعلق استطاعت یہ ہے کہ جانے اور واپس وطن لوٹنے تک کے اخراجات اس کے پاس

ون چاہے اس کے اہل وعیال ہوں یا نہ ۔ کیوں کہ وطن کو چھوڑنا ناگوار ہوتا ہے ۔ اور وہ اس دوران ان لوگوں کو بھی نفقہ دینے کی طاقت ہو جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہے قرض کے ادائیگی کے لیے بھی اس کے پاس مال ہو سواری یا اس کے ائے پر قادر ہو کجاوہ ہو یا سواری ہو اگر وہ اس پر ٹھہر سکتا ہو دوسری قسم اپاہج آدمی کی استطاعت ہے تو اس کی استطاعت ہے کہ وہ اپنے مال سے دوسرے شخص کو حج پر بھیج سکے یعنی ایسے شخص کو حج پر بھیجنے کی طاقت رکھتا ہو جو اپنے قرض سے فارغ ہو چکا ہو اور اس قسم میں جانے کے لیے سواری کا خرچ کافی ہے اگر اپاہج آدمی کا بیٹا باپ کی خدمت کے لیے تیار ہو جائے تو وہ استطاعت والا شمار ہوگا اور اگر بیٹا اسے مال دے دے تو یہ استطاعت نہ ہوگی ۔
کیوں کہ بدن کے ساتھ خدمت کرنا بیٹے کی سعادت وعزت ہے جب کہ اپنا مال خرچ کرنا باپ پر احسان کرنا ہے ۔
اور جس شخص کو استطاعت حاصل ہو اس پر حج لازم ہو جاتا ہے اور اسے تاخیر کا بھی حق حاصل ہے لیکن اس میں طرہ ہے اور اگر آخری عمر میں بھی حج کرے تو اس سے فرض ساقط ہو جائے گا اور اگر حج کرنے سے پہلے مر جائے تو ترک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے حالتِ گناہ میں ملاقات کرے گا ۔ اور اب اس کے ترکہ سے حج ہوگا اگرچہ وہ وصیت کرکے نہ ئے جس طرح اس کے دوسرے قرض ادا کیے جاتے ہیں اور اگر وہ کسی سال حج پر قادر ہوا اور لوگوں کے ساتھ نہ گیا اور اس کا ل اسی سال ہلاک ہو گیا جب کہ ابھی تک لوگوں نے حج نہیں کیا تھا تو اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اس کے ذمہ حج نہیں ہوگا ۔ اور جو آدمی طاقت کے باوجود حج نہ کرے اور مر جائے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا معاملہ نہایت سخت ہے ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :
"میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں مختلف شہروں میں (وہاں کے امراء کو) لکھ دوں کہ جو شخص حج کی طاقت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا اس پر جزیہ (غیر مسلموں سے لی جانے والی رقم) نافذ کردو ۔" (۱)
حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت مجاہد اور حضرت طاؤس رحمہم اللہ ——— میں سے ہر ایک نے یہ بات فرمائی ۔
اگر مجھے کسی مالدار آدمی کا علم ہو جس پر حج واجب ہوا پھر وہ حج کرنے سے پہلے مر جائے تو میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا ۔
اور ان حضرات میں بعض کے پڑوسی نے طاقت کے باوجود حج نہیں کیا اور مر گیا تو انہوں نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے "جو شخص یوں مر جائے کہ اس نے زکوٰۃ نہیں دی اور نہ حج کیا تو دنیا میں لوٹنے کا سوال کرے گا ۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی پڑھا ۔

---

(۱) گویا آپ نے بتایا کہ طاقت کے باوجود حج نہ کرنے والے شخص اور اہل کتاب میں کوئی فرق نہیں جس طرح حضور علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ جو آدمی طاقت کے باوجود حج نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر ۱۲ ہزاروی ۔

رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ (۱)

اے میرے رب مجھے واپس بھیج دے تاکہ میں اس مال میں جو چھوڑ آیا ہوں، اچھے اعمال کرو۔

انہوں نے فرمایا کہ اس سے حج مراد ہے۔

ارکانِ حج

وہ ارکان جن کے بغیر حج صحیح نہیں ہوتا وہ پانچ ہیں۔

(۱) احرام (۲) طواف (۳) اس (طواف) کے بعد سعی (۴) وقوف عرفات اور اس کے بعد (۵) سر منڈوانا ایک قول کے مطابق یہ (سر منڈوانا) بھی ارکان میں شامل ہے۔ عمرہ کے ارکان بھی یہی ہیں صرف وقوف عرفات ان میں شامل نہیں (۲) وہ واجبات جن کے رہ جانے کی وجہ سے دم لازم آتا ہے وہ چھ ہیں۔

میقات سے (یا اس سے پہلے ہی) احرام باندھنا۔ جو شخص اس واجب کو چھوڑ دے اور میقات کے مقام سے اندر چلا جائے اس پر ایک بکری لازم ہے جمرات کو کنکریاں مارنا اور اس کے چھوڑنے پر ایک قول کے مطابق دم (قربانی) واجب ہے سورج غروب ہونے تک عرفات میں ٹھہرنا، مزدلفہ میں رات گزارنا، پھر منیٰ میں رات گزارنا اور طواف وداع کرنا بھی واجب ہے یہ آخری چار رہ جائیں تو ایک قول کے مطابق دم دے کر نقصان کو پورا کیا جا سکتا ہے اور دوسرے قول کے مطابق ان صورتوں میں دم مستحب ہے۔

حج کی اقسام

حج اور عمرہ (یعنی حج کے ساتھ والا عمرہ) کی ادائیگی تین میں سے ایک طریقے پر ضروری ہے پہلا طریقہ حج افراد ہے اور وہ افضل ہے (۳)

وہ یہ کہ پہلے صرف حج کرے جب حج سے فارغ ہو جائے تو حرم سے باہر چلا جائے اور احرام باندھ کر عمرہ کرے، عمرہ کے احرام کے لیے حِل کا بہترین مقام جعرانہ ہے، پھر تنعیم اور اس کے بعد حدیبیہ ہے۔ حج افراد کرنے والے پر قربانی لازم نہیں البتہ مستحب ہے۔

دوسرا طریقہ حج قِران ہے یعنی حج اور عمرہ کو جمع کرتے ہوئے یوں تلبیہ کہے،

لَبَّیْکَ بِحَجَّۃٍ وَّعُمْرَۃٍ۔ میں حج اور عمرہ کے ساتھ حاضر ہوں۔

اسے حج کے اعمال کافی ہیں اور عمرہ حج کے تحت آجائے گا جیسے وضو غسل کے ضمن میں ادا ہو جاتا ہے البتہ یہ کہ

---

(۱) قرآن مجید سورۂ مومنوں آیت ۹۹

(۲) احناف کے نزدیک احرام شرط ہے جب کہ وقوف عرفات اور طواف زیارت حج کے دو فرض ہیں ۱۲ ہزاروی۔

(۳) احناف کے نزدیک قِران افضل ہے کیونکہ حج افراد کی طرح اس میں بھی مشقت زیادہ ہے اور پھر ایک سفر سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں یعنی عمرہ بھی اور حج بھی ۱۲ ہزاروی۔

جب وہ وقوفِ عرفات سے پہلے طواف اور سعی کرے تو اس کی سعی دونوں عبادتوں کی طرف سے شمار ہوگی ۔(۱)
لیکن طواف شمار نہیں ہوگا کیونکہ حج کے لیے فرض طواف کی شرط یہ ہے کہ وہ وقوفِ عرفات کے بعد ہو، قارن (قران والے) پر ایک ہی قربانی واجب ہے البتہ وہ مکی ہو تو کچھ بھی لازم نہیں کیونکہ اس نے اپنی میقات کو نہیں چھوڑا اس لئے کہ اس کی میقات مکہ مکرمہ ہے۔

حج کی تیسری قسم تمتع ہے وہ یہ کہ میقات سے عمرہ کے احرام کے ساتھ اندر جائے اور عمرہ کرنے کے بعد) احرام کے بغیر مکہ مکرمہ میں رہے اور حج کے وقت تک ممنوعاتِ احرام سے نفع اٹھائے پھر حج کا احرام باندھے اور متمتع کے لیے پانچ شرائط ہیں۔

۱۔ وہ مسجد حرام کے پاس رہنے والا (حاضر نہ ہو) اس سے وہ مسافت مراد ہے جس میں نماز کی قصر نہیں ہوتی (یعنی سفر کی مسافت سے کم ہو تو وہ تمتع نہیں کر سکتا)

۲۔ عمرہ کو حج سے مقدم کرے۔

۳۔ عمرہ، حج کے مہینوں میں ہو۔

۴۔ (اس دوران) حج کا احرام باندھنے کے لیے حج کی میقات یا اس کے برابر مسافت کی طرف نہ آئے۔

۵۔ اس کا حج اور عمرہ ایک ہی شخص کی طرف سے نہ ہوں۔

جب یہ اوصاف پائے جائیں تو وہ متمتع ہوگا اور اس پر قربانی لازم ہوگی اگر قربانی کے لیے جانور نہ پائے تو یوم نحر سے پہلے حج کے دنوں میں تین روزے رکھے الگ الگ رکھے یا ملا کر دونوں طرح اختیار ہے۔ اور سات روزے وطن واپس آکر رکھے اور گھر لوٹنے تک تین روزے نہیں رکھے تو اب دس روزے رکھے چاہے متفرق طور پر رکھے یا ملا کر۔ قران اور تمتع کی قربانی ایک جیسی ہے (ان میں سے) افضل، حج افراد ہے پھر تمتع اور پھر قران (احناف کے نزدیک اگر نو ذوالحجہ تک تین روزے نہیں رکھے تو اب قربانی دینا ہوگی روزے کافی نہ ہوں ۱۲ ہزاروی)

حج اور عمرہ کے ممنوعات

حج اور عمرہ کے دوران چھ کام ممنوع ہیں۔

۱۔ قمیص، شلوار، موزہ اور عمامہ پہننا اور باندھنا بلکہ اسے ازار اور ردا (دو چادریں) اور چپل پہننا چاہیے اگر چپل نہ ہوں تو جوتوں کو ٹخنوں کے پیچھے سے کاٹ کر چپل کی طرح بنا لے اور چادر نہ ہو تو شلوار پہن لے (۲) اور کمر میں کمر بند باندھنے یا کجاوے کے سائے میں بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اسے اپنا سر ڈھانپنا نہیں

---

(۱) حج کے لیے الگ سعی کرنا ہوگی چاہے عمرہ سے فارغ ہو کر طواف قدوم کے ساتھ کرے طوافِ زیارت کے بعد ۱۲ ہزاروی

(۲) شلوار پہننے کی صورت میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر قربانی لازم ہوگی ۱۲ ہزاروی

چاہیے کیوں کہ اس کے احرام کا تعلق سر کے ساتھ ہے۔ عورت ہر قسم کے سلا ہوا لباس پہن سکتی ہے البتہ چہرے کو ایسی چیز سے نہ ڈھانپے جو اس (چہرے) کو چھوتی ہو کیوں کہ اس کا احرام چہرے ہی ہے۔

۲۔ خوشبو لگانا۔ ہر وہ چیز جسے عقلمند لوگ خوشبو کہتے ہیں اس سے بچے اگر اس نے خوشبو لگائی یا سلا ہوا کپڑا پہنا تو اس پر ایک بکری کی قربانی واجب ہوگی۔

۳۔ بال منڈوانا اور ناخن تراشنا ان دونوں صورتوں میں فدیہ ہے یعنی ایک بکری کا خون بہانا ہے، سرمہ لگانے، حمام میں داخل ہونے، پچھنہ یا سینگی لگوانے اور بالوں کو کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۴۔ جماع۔ اگر دس ذوالحجہ کو جانور ذبح کرنے اور سر منڈوانے سے پہلے جماع کرے تو یہ جماع حج کو توڑ دیتا ہے اور اس میں اونٹ یا گائے یا سات بکریاں لازم ہو جاتی ہیں اور اس کے بعد ہو تو ایک اونٹ لازم ہوگا لیکن حج نہیں ٹوٹے گا۔

۵۔ جماع کی طرف لے جانے امور جیسے بوسہ لینا اور اس طرح ہاتھ لگانا کہ عورتوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے تو (مذی نکلنے کی وجہ سے) وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ عمل حرام ہے اور اس میں ایک بکری لازم ہے اسی طرح مشت زنی کرنا بھی نکاح کرنا اور نکاح کر کے دینا بھی حرام ہے لیکن، اس میں خون بہانا لازم نہیں ہوتا کیونکہ نکاح منعقد نہیں ہوتا (۱)

۶۔ خشکی کا شکار کرنا یعنی وہ جانور جسے کھایا جاتا ہے یا وہ جو حلال اور حرام جانوروں کے ملاپ سے پیدا ہوا اگر وہ کسی جانور کو قتل کرے تو اس کی مثل جانور لازم ہوگا یعنی جو جسم میں اس کے قریب ہو سمندر کا شکار حلال ہے اور اس میں کوئی جزا نہیں۔

---

(۱) احناف کے نزدیک احرام کی حالت میں نکاح ہو جاتا ہے البتہ وطی کرنا منع ہے ۱۲ ہزاروی

دوسرا باب

سفر کے شروع سے واپسی تک کے ظاہری اعمال

یہ دس آداب ہیں جن میں سے :

پہلا ادب گھر سے نکلنے سے لے کر احرام تک سفر سے متعلق ہے اور اس میں آٹھ امور ہیں۔

۱۔ یہ مال سے متعلق ہے تو اسے توبہ کے ساتھ ابتدا کرنی چاہیئے لوگوں کے حقوق ادا کرے قرض واپس کرے اس پر جن لوگوں کا نفقہ لازم ہے واپسی تک ان کے نفقہ کا انتظام کرے اس کے پاس جو امانتیں ہوں وہ بھی واپس لوٹائے اپنے ساتھ پاک حلال مال لے جائے جو جانے اور واپسی کے لیے کافی ہو یہ مال کم نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس قدر ہو کہ خرچ کرنے میں نیز کمزور اور فقیر لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی گنجائش ہو جائے سے پہلے کچھ صدقہ کرے اپنے لیے ایک سواری خریدے جو اسے لے جانے کی طاقت رکھتی ہو کمزور نہ ہو یا کرایہ پر حاصل کرلے اگر کرایہ پر لے تو کرایہ دینے والوں کو سب کچھ واضح طور پر بتا دے یعنی وہ کس قدر سامان رکھے گا وہ تھوڑا ہے یا زیادہ ، اس طرح اس کی رضامندی حاصل کرے۔

۲۔ ایک نیک ، بھلائی چاہنے والا اور مددگار قسم کا ساتھی تلاش کرے کہ اگر یہ بھول جائے تو وہ یاد دلا دے اگر اسے یاد ہو تو وہ اس کی مدد کرے اگر یہ بزدلی کا مظاہرہ کرے تو وہ اسے شجاعت پر آمادہ کرے اگر یہ عاجز ہو جائے ، تو وہ اسے طاقتور کر دے اگر اس کے سینے میں کوئی تنگی پیدا ہو (پریشانی ہو) تو وہ اسے صبر کی تلقین کرے ، مقیم دوستوں ، بھائیوں اور پڑوسیوں کو رخصت کرے اور انہیں رخصت کرتے ہوئے ان سے دعاؤں کی گزارش کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں میں بھلائی رکھی ہے ۔ رخصت کے وقت یہ الفاظ کہنا سنت ہے۔

أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ (۱)

میں ، تیرے دین ، تیری امانت اور تیرے عمل کے خاتمہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ، سفر کا ارادہ کرنے والے شخص سے فرمایا کرتے تھے۔

فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ وَكَنَفِهٖ زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَوَجَّهَكَ لِلْخَيْرِ اَيْنَمَا كُنْتَ ۔ (۲)

میں تجھے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں دیتا ہوں اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ کا سامان عطا کرے تیرے گناہ بخش دے اور تیری طرف بھلائی کو متوجہ کرے تو جہاں بھی ہو۔

---

(۱) مستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۴۲ کتاب المناسک (۲) المطالب العالیہ جلد ۲ ص ۱۵۲ ، ۱۵۳ حدیث ۱۹۰۸

۳۔ گھر سے نکلنا۔ جب نکلنے کا ارادہ کرے تو پہلے دو رکعتیں پڑھنی چاہیں پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد "قل یا ایہا الکافرون" اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد "قل ھو اللہ احد" پڑھے۔ جب فارغ ہو جائے تو ہاتھ اٹھا کر خلوص اور سچی نیت کے ساتھ دعا مانگے، اور یوں کہے اے اللہ! تو ہی سفر کا ساتھی ہے اہل و مال، اولاد اور احباب کی حفاظت کرنے والا تو ہی ہے ہمیں اور ان کو بھی ہر آفت اور مصیبت سے محفوظ رکھنا یا اللہ! ہم اپنے سفر میں تجھ سے نیکی، تقویٰ اور اس عمل کا سوال کرتے ہیں جس پر تو راضی ہے۔ یا اللہ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے لیے زمین کو لپیٹ دے، ہم پر سفر کو آسان فرما، ہمارے اس سفر میں ہمیں بدن، دین اور مال کی سلامتی عطا فرما ہمیں اپنے پاک گھر کے حج اور اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت تک پہنچا دے اے اللہ! ہم سفر کی سختی بُری واپسی اور اہل و مال نیز اولاد و اصحاب کے بُرے حالات دیکھنے سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔ یا اللہ! ہمیں اور ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرما ہم سے اور ان سے اپنی نعمت کو واپس نہ لینا اور تو نے جو آرام ہمیں اور ان کو عطا کیا ہے اسے بدل نہ دینا۔

۴۔ جب گھر کے دروازے پر پہنچے تو کہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَذِلَّ اَوْ اُذَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا رِيَاءً وَّلَا سُمْعَةً بَلْ خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ وَقَضَاءَ فَرْضِكَ وَاتِّبَاعَ سُنَّةِ نَبِيِّكَ وَشَوْقًا اِلٰى لِقَائِكَ۔

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ (جا رہا ہوں) میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی طاقت دینے والا وہی ہے اے اللہ میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں ذلیل ہو جاؤں پھسل جاؤں یا پھسلایا جاؤں کسی پر زیادتی کروں یا مجھ پر زیادتی ہو جہالت کا ارتکاب کروں یا میرے خلاف جہالت کا رویہ اختیار کیا جائے یا اللہ میں کفران نعمت اور اکڑ کے ساتھ نہیں نکل رہا نہ ریاکاری مقصود ہے بلکہ میں تیری ناراضگی سے بچتے ہوئے تیری رضا تلاش کرتے ہوئے تیرے فریضہ کی ادائیگی اور تیرے نبی کی سنت پر عمل کرنے اور تیری ملاقات کے شوق کے ساتھ جا رہا ہوں۔

اور جب چل پڑے تو یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ بِكَ انْتَشَرْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَبِكَ اعْتَصَمْتُ وَاِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ

اے اللہ میں تیرے سہارے پہ جا رہا ہوں تجھ ہی پہ بھروسہ کرتا ہوں تیرے دامنِ رحمت میں پناہ لیتا ہوں

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ ثِقَتِیْ وَاَنْتَ رَجَائِیْ فَاکْفِنِیْ مَا اَھَمَّنِیْ وَمَالَا اُھْتَمُّ بِہٖ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاءُکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ اَللّٰھُمَّ زَوِّدْنِی التَّقْوٰی وَاغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَجِّھْنِیْ لِلْخَیْرِ اَیْنَمَا تَوَجَّھْتُ۔

تیری طرف ہی متوجہ ہوں اے اللہ! مجھے تجھ پر بھروسہ ہے اور تو ہی میری امید گاہ ہے پس تو مجھے اس چیز میں کفایت کر جو مجھے پیش آئے اور جس کا میں اہتمام نہ کرسکوں اور وہ بات جسے تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تیری پناہ میں آنے والا معزز ہے تیری ثناء بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں یا اللہ! مجھے تقویٰ کی دولت عطا فرما اور میرے لیے میرے گناہ بخش دے مجھے بھلائی کی طرف متوجہ فرما میں جدھر بھی جاؤں۔

وہ جس منزل میں داخل ہو یہ (مذکورہ بالا) دعا پڑھے۔

۵۔ سواری کے بارے میں آداب یہ ہیں کہ جب سواری پر سوار ہو تو یہ الفاظ کہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ مَا شَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَاءْ لَمْ یَکُنْ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ کُلَّہٗ اِلَیْکَ وَتَوَکَّلْتُ فِیْ جَمِیْعِ اُمُوْرِیْ عَلَیْکَ اَنْتَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے سوار ہوتا ہوں اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے میں نے اللہ تعالےٰ پر بھروسہ کیا نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں وہ بلند، عظیم ہے وہ جو کچھ چاہے ہو جاتا ہے اور جو کچھ نہ چاہے، نہیں ہوتا۔ وہ ذات پاک ہے جس نے ہمارے لیے اس سواری کو مسخر کیا حالانکہ ہم اس کو قابو نہیں کرسکتے تھے ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیری طرف متوجہ کیا اور اپنے تمام معاملات کو تیرے سپرد کیا میں نے اپنے تمام امور میں تجھ پر بھروسہ کیا تو مجھے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

جب سواری پر اچھی طرح بیٹھ جائے اور وہ ٹھہر جائے تو سات مرتبہ یہ کلمات پڑھے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔

اور یہ الفاظ بھی پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْحَامِلُ عَلَى الظَّهْرِ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ عَلَى الْاُمُوْرِ۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اس کی طرف ہماری راہنمائی کی اور اگر اللہ تعالیٰ راستہ نہ دکھاتا تو ہمیں راستہ نہ ملتا اے اللہ! تو اس کی پیٹھ پر سوار کرنے والا ہے۔ اور تمام امور پر تجھ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے۔

٭ ٭ ٭

۶۔ کسی جگہ پڑاؤ کرنا، سنت یہ ہے کہ جب تک دن گرم نہ ہو جائے (کسی مقام پر) نہ اترے اور سفر کا زیادہ حصہ رات کے وقت ہونا چاہیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالدُّلْجَةِ فَاِنَّ الْاَرْضَ تُطْوٰى بِاللَّيْلِ مَا لَا تُطْوٰى بِالنَّهَارِ (۱)

تم پر رات کے وقت سفر کرنا لازم ہے کیوں کہ رات کو زمین لپیٹ دی جاتی ہے جو دن کو نہیں لپیٹی جاتی۔

رات کو کم سوئے تاکہ اسے سفر پر مدد حاصل ہو۔ اور جب کسی منزل پر اترے تو یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ وَرَبَّ الْبِحَارِ وَمَا جَرَيْنَ اَسْاَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْمَنْزِلِ وَخَيْرَ اَهْلِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا فِيْهِ اصْرِفْ عَنِّيْ شَرَّ شِرَارِهِمْ۔

اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور جن پر ان کا سایہ ہے، کے رب، اے ساتوں زمینوں اور جو کچھ انہوں نے اٹھا رکھا ہے، کے رب، شیطانوں اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا، کے رب، ہواؤں اور جن کو وہ پراگندہ کریں، کے رب سمندروں اور جس چیز کے ساتھ وہ چلتے ہیں، کے رب میں تجھ سے اس منزل اور یہاں کے رہنے والوں کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اس کے شر اور جو کچھ اس میں ہے کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں مجھ سے ان کے شریر لوگوں کے شر کو دور کر دے۔

٭ ٭ ٭

جب کسی مقام پر اترے تو دو رکعتیں پڑھے پھر یہ کلمات کہے۔

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ الَّتِیْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ مِنْ

میں اللہ تعالیٰ کے ان کامل کلمات کے ساتھ اس کی مخلوق کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جن (کلمات) سے

(۱) مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۲۱۳ باب ادب السفر

شَرِّ مَا خَلَقَ۔ کوئی نیک اور برا تجاوز نہیں کر سکتا۔

جب رات چھا جائے تو یوں کہے۔

يَا اَرْضُ رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِيْكِ وَشَرِّ مَا دَبَّ عَلَيْكِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ كُلِّ اَسَدٍ وَاَسْوَدَ وَحَيَّةٍ وَعَقْرَبٍ وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِ الْبَلَدِ وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ۔

اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے میں تیرے شر، جو کچھ تجھ میں ہے اس کے شر، جو چیز تجھ پر چلتی ہے اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں میں ہر شیر، اژدھا، سانپ، بچھو، شہر میں رہنے والے باپ اور اس کی اولاد سب کے شر سے اللہ تعالےٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

٭ ٭ ٭

ارشاد خداوندی ہے،

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (۱)

جو کچھ رات اور دن میں سکونت پذیر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

۱۔ یہ حفاظت سے متعلق ہے۔ مناسب ہے کہ دن کے وقت احتیاط برتے اور قافلے سے الگ ہو کر اکیلا نہ چلے کیونکہ بعض اوقات غفلت میں ہلاک کر دیا جاتا ہے یا قافلہ سے بچھڑ جاتا ہے اور رات کے وقت سونے کی وجہ سے حفاظت میں ہوتا ہے اگر رات کے ابتدائی حصے میں سوئے تو بازو کو بچھائے اور اگر رات کے آخری حصے میں سوئے تو اپنے بازو کو کھڑا کرے اور سر کو ہتھیلی پر رکھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی حالت میں اسی طرح آرام فرمایا کرتے تھے (۲) کیونکہ بعض اوقات نیند غالب آجاتی ہے اور سورج طلوع ہو جاتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی اور جو نماز فوت ہوگئی وہ حج سے حاصل ہونے والے ثواب سے افضل ہے۔ رات کے وقت زیادہ مناسب طریقہ یہ ہے کہ دو ساتھی باری باری حفاظت کریں جب ایک ساتھی سو جائے تو دوسرا حفاظت کرے یہی سنت ہے (۳)

اگر رات یا دن کے وقت دشمن یا کوئی درندہ اسے نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو آیت الکرسی (خَالِدُوْنَ تک) اور "شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"، نیز سورۂ اخلاص، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھے اور یہ الفاظ کہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ انعام آیت ۱۳

(۲) جامع ترمذی ص ۵۸۹ ابواب الشمائل۔

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۴۴ مرویات جابر رضی اللہ عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ حَسْبِیَ اللّٰهُ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا یَاْتِیْ بِالْخَیْرِ اِلَّا اللّٰهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا یَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰهُ حَسْبِیَ اللّٰهُ وَکَفٰی سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ دَعَا لَیْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ مُنْتَهٰی وَلَا دُوْنَ اللّٰهِ مَلْجَأً کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ تَحَصَّنْتُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَاسْتَغَثْتُ بِالْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ اَللّٰهُمَّ احْرُسْنَا بِعَیْنِكَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ وَاکْنُفْنَا بِرُکْنِكَ الَّذِیْ لَا یُرَامُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا بِقُدْرَتِكَ عَلَیْنَا فَلَا نَهْلِكُ وَاَنْتَ ثِقَتُنَا وَرَجَاءُنَا اَللّٰهُمَّ اعْطِفْ عَلَیْنَا قُلُوْبَ عِبَادِكَ وَاِمَائِكَ بِرَأْفَةٍ وَرَحْمَةٍ اِنَّكَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی (حقیقی) قوت نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ جو چاہے (وہی ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھلائی لانے والا نہیں اور اس کے سوا کوئی برائی کو دور کرنے والا نہیں اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے وہ دعا کرنے والا کی دعا سنتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انتہا اور ٹھکانہ نہیں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب ہوں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا غالب ہے میں نے عظمت والے اللہ تعالیٰ کے قلعہ رحمت میں پناہ لی اور اس زندہ ذات سے مدد طلب کی جسے موت نہیں یا اللہ اس آنکھ کے ساتھ ہماری حفاظت فرما جو سوتی نہیں اور اپنے اس غلبہ کے ساتھ ہماری مدد فرما یا جو جدا نہیں ہوتا یا اللہ اپنی قدرت کے ساتھ ہم پر رحم فرماتا کہ ہم ہلاک نہ ہوں جب کہ تو ہمارے اعتماد کی جگہ اور امید گاہ ہے یا اللہ اپنے بندوں مردوں اور عورتوں کے دلوں کو رحمت اور مہربانی کے ساتھ ہماری طرف متوجہ کردے بیشک تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

۸۔ جب ہیں کے کسی بلند مقام کی طرف جائے تو مستحب ہے کہ تین بار اللہ اکبر کہے پھر یہ الفاظ کہے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الشَّرَفُ عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ وَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔

اے اللہ! تجھے ہر شرف سے بڑھ کر شرف حاصل ہے اور ہر حال میں تمام تعریفوں کے لائق تو ہی ہے۔

جب پستی میں جائے تو تسبیح کہے اور جب سفر کے دوران وحشت کا ڈر ہو تو یوں کہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلْتَ السَّمٰوٰتِ بِالْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ۔

پاک ہے اللہ تعالیٰ جو مقدس بادشاہ ہے وہ فرشتوں اور جبریل علیہ السلام کا رب ہے اس کی عزت و غلبہ کے ساتھ آسمانوں کو بزرگی حاصل ہوئی۔

دوسرا ادب:

میقات سے احرام باندھنے سے لے کر دخول مکہ مکرمہ تک یہ پانچ امور ہیں۔

۱۔ غسل کرے اور اس غسل کے ساتھ احرام کی نیت کرے یعنی جب اس مشہور میقات تک پہنچے جہاں سے لوگ احرام باندھتے ہیں (تو غسل کرے) اور اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرنے کے ذریعے غسل کو مکمل کرے سر اور داڑھی میں کنگھی کرے ناخن اور مونچھیں کاٹے اور اس پاکیزگی کو مکمل کرے جس کا ذکر ہم نے طہارت کے بیان میں کیا ہے۔

۲۔ اپنے آپ سے سلے ہوئے کپڑے دور کرے اور احرام کے دو کپڑے (چادریں) پہنے دو سفید چادروں میں سے ایک کو بطور تہبند باندھے اور دوسری اوپر لے۔ سفید کپڑا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اپنے کپڑوں اور جسم پر خوشبو لگائے اور ایسی خوشبو میں بھی کوئی حرج نہیں جس کا وجود احرام کے بعد بھی باقی رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر انور پر احرام باندھنے کے بعد بھی کچھ خوشبو دیکھی گئی، اور یہ وہ خوشبو تھی جو آپ نے احرام سے پہلے استعمال کی تھی۔ (۱)

۳۔ (احرام کا) لباس پہننے کے بعد کچھ دیر ٹھہرے یہاں تک کہ سواری لے کر اسے اٹھے اگر وہ سوار ہو اور اگر پیدل ہو تو چلنا شروع کر دے اس وقت حج یا عمرہ کی نیت کرے حج قران ہو یا افراد جیسے اس کا ارادہ ہو انعقادِ احرام کے لیے صرف نیت کافی ہے لیکن سنت یہ ہے کہ نیت کے ساتھ تلبیہ بھی پڑھے یوں کہے۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں بے شک حمد اور نعمت اور بادشاہی تیرے لیے ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔

اور اگر اس میں اضافہ کرنا چاہے تو یوں کہے:

لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ بِيَدَيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ حَقًّا تَعَبُّدًا وَّرِقًّا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

میں حاضر ہوں اور بار بار حاضر ہوں تمام بھلائی تیرے قبضے میں ہے تیری طرف رغبت ہے میں حج کے لیے حق کے ساتھ حاضر ہوں تیری بندگی کرتے ہوئے اے اللہ حضرت محمد مصطفیٰ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما۔

۴۔ جب مذکورہ تلبیہ کے ساتھ اس کا احرام منعقد ہو جائے تو یہ کلمات کہنا مستحب ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَاَعِنِّیْ عَلٰی اَدَاءِ فَرْضِهٖ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ

اے اللہ! میں نے حج کا ارادہ کیا اسے میرے لیے آسان کر دے اور اس کے فرض کی ادائیگی پر میری مدد

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۷۸ کتاب الحج

اِنِّیْ نَوَیْتُ اَدَاءَ فَرِیْضَتِكَ فِی الْحَجِّ فَاجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لَكَ وَاٰمَنُوْا بِوَعْدِكَ وَاتَّبَعُوْا اَمْرَكَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَفْدِكَ الَّذِیْنَ رَضِیْتَ عَنْهُمْ وَارْتَضَیْتَ وَقَبِلْتَ مِنْهُمْ اَللّٰهُمَّ فَیَسِّرْ لِیْ اَدَاءَ مَا نَوَیْتُ مِنَ الْحَجِّ اَللّٰهُمَّ قَدْ اَحْرَمَ لَكَ لَحْمِیْ وَشَعْرِیْ وَدَمِیْ وَعَصَبِیْ وَمُخِّیْ وَعِظَامِیْ وَحَرَّمْتُ عَلٰی نَفْسِیَ النِّسَاءَ وَالطِّیْبَ وَلُبْسَ الْمَخِیْطِ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ۔

فرما اور مجھ سے قبول کر اے اللہ بے شک میں نے حج کے سلسلے میں تیرے فریضہ کی ادائیگی کی نیت کی پس تو مجھے ان لوگوں میں سے کر دے جنہوں نے تیرا حکم مانا تیرے وعدے پر ایمان لائے اور تیرے حکم کی پیروی کی مجھے اپنے اس وفد میں کر دے جن سے تو راضی ہوا اور ان سے (حج کو) پسند کیا اور قبول کیا اے اللہ میرے لیے اس حج کی ادائیگی آسان کر دے جس کی میں نے نیت کی ہے یا اللہ میرے گوشت، بالوں، خون اعصاب، مغز اور ہڈیوں نے تیرے لیے احرام باندھا اور میں نے تیری رضا اور آخرت کے گھر کی خاطر اپنے اوپر عورتوں، خوشبو اور سلے ہوئے کپڑوں کو پہننا حرام کیا۔

احرام کے وقت سے ہی اس پر وہ چھ ممنوعات حرام ہو جاتے ہیں جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا لہٰذا ان سے بچنا چاہیئے۔

۵- احرام کے دوران بار بار تلبیہ کہنا مستحب ہے بالخصوص جب دوستوں سے ملاقات ہو یا لوگ جمع ہوں اونچی جگہ پر چڑھتے یا نیچے اترتے وقت سواری پر سوار ہونے یا اترنے کے وقت اونچی آواز سے تلبیہ کہے لیکن نہ تو گلہ پھاڑے اور نہ سانس روکے۔ کیونکہ وہ کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتا جیسے حدیث شریف میں آیا ہے (۱)

تین مسجدوں یعنی مسجد حرام مسجد خیف اور مسجد میقات میں بلند آواز سے تلبیہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ یہ احکام حج کے مقامات ہیں لیکن دوسری مساجد میں آواز بلند کئے بغیر تلبیہ کہنے میں کوئی حرج نہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی چیز پسند آتی تو آپ فرماتے۔

لَبَّیْكَ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَةِ (۲) میں حاضر ہوں بے شک زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

تیسرا ادب:

اس کا تعلق مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے طواف تک کے امور سے ہے اور یہ چھ باتیں ہیں۔

۱- مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے مقام ذی طویٰ میں غسل کرے اور حج کے سلسلے میں مستحب غسل نو ہیں۔ میقات

(۱) سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۲۱۴ کتاب الصلوٰۃ

(۲) سنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۵ ص ۴۵ کتاب الحج

سے احرام کے لیے، مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے طوافِ قدوم کے لیے، پھر وقوفِ عرفات کے لیے اور پھر مزدلفہ میں وقوف کے لئے۔ پھر تین جمرات کو کنکریاں مارنے کے لیے تین غسل ہیں جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے لیے غسل نہیں۔ پھر طوافِ وداع کے لیے غسل ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے جدید قول کے مطابق طوافِ زیارت اور طوافِ وداع کے لیے غسل نہیں ہے اس طرح یہ سات غسل رہ جاتے ہیں۔

۲۔ حرم شریف میں جو مکہ مکرمہ سے باہر سے شروع ہوتا) ہے داخل ہوتے وقت یہ الفاظ کہے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُكَ وَاَمْنُكَ فَحَرِّمْ لَحْمِيْ وَدَمِيْ وَشَعْرِيْ وَبَشَرِيْ عَلَى النَّارِ وَاٰمِنِّيْ مِنْ عَذَابِكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ اَوْلِيَائِكَ وَاَهْلِ طَاعَتِكَ۔

اے اللہ! یہ تیرا حرم اور امن کی جگہ ہے میرے گوشت، میرے خون، میرے بالوں اور میری کھال کو جہنم پر حرام کر دے اور مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھنا جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اور مجھے اپنے دوستوں اور اطاعت گزار لوگوں میں سے کر دے۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں وادیٔ ابطح کی طرف سے داخل ہو اور یہ ثنیہ کدا (کاف پر زبر ہے) ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام راستہ چھوڑ کر یہ راستہ اختیار فرمایا تھا (۱)

پس آپ کی اقتدا زیادہ بہتر ہے اور جب باہر نکلے تو ثنیہ کدی (کاف پر پیش ہے)، جو پست گھاٹی ہے نکلے اور پہلی گھاٹی بلند ہے۔

۴۔ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہو اور دیوار تک پہنچے (۲) تو اس وقت اس کی نگاہ بیت اللہ شریف پر پڑے گی اب یوں کہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَدَارُكَ دَارُ السَّلَامِ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا بَيْتُكَ عَظَّمْتَهٗ وَكَرَّمْتَهٗ وَشَرَّفْتَهٗ اَللّٰهُمَّ فَزِدْهُ تَعْظِيْمًا وَزِدْهُ تَشْرِيْفًا وَتَكْرِيْمًا وَزِدْهُ مَهَابَةً وَزِدْ مَنْ حَجَّهٗ كَبِرًّا

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اے اللہ تو ہی سلامتی والا ہے سلامتی تیری طرف سے ہے اور تیرا گھر سلامتی کا گھر ہے تو برکت والا ہے جلال اور عزت والا ہے۔ اے اللہ! یہ تیرا گھر ہے تو نے اس کو عظیم بنایا اسے عزت بخشی اور شرافت عطا کی اے اللہ اس کی تعظیم اور عزت و تکریم میں اضافہ فرما! اس کی ہیبت کو زیادہ کر دے جو شخص اس کا حج کرے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۴ مرویات ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

(۲) آج کل ایسی کوئی دیوار نہیں اب اندر عمارات ہیں یہ پہلے دور کی بات ہے ۱۲ ہزاروی

وَكَرَامَةً اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاَدْخِلْنِيْ جَنَّتَكَ وَاَعِذْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔

اس کی نیکی اور عزت کو بڑھا دے اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے مجھے اپنی جنت میں داخل کر دے اور مجھے شیطان مردود سے اپنی پناہ میں لے لے۔

۵۔ جب مسجد حرام میں داخل ہونا چاہے تو باب بنی شیبہ سے داخل ہو اور یوں کہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَمِنَ اللّٰهِ وَاِلَى اللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ کی طرف نیز اسی کے راستے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر قائم ہوتے ہوئے داخل ہوتا ہوں۔

جب بیت اللہ شریف کے قریب ہو تو یوں کہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَعَلٰى اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِكَ وَعَلٰى جَمِيْعِ اَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس کے منتخب بندوں پر سلام ہو اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما جو تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو تیرے خلیل ہیں اور اپنے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام پر رحمت نازل فرما۔

اور ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا فِيْ اَوَّلِ مَنَاسِكِيْ اَنْ تَتَقَبَّلَ تَوْبَتِيْ وَاَنْ تَتَجَاوَزَ عَنْ خَطِيْئَتِيْ وَتَضَعَ عَنِّيْ وِزْرِيْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بَلَّغَنِيْ بَيْتَهُ الْحَرَامَ الَّذِيْ جَعَلَهُ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَّجَعَلَهُ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَالْبَلَدُ بَلَدُكَ وَالْحَرَمُ حَرَمُكَ وَالْبَيْتُ بَيْتُكَ جِئْتُكَ اَطْلُبُ رَحْمَتَكَ وَاَسْاَلُكَ

اے اللہ! میں اس مقام پر اور پہلے عمل حج کے موقعہ پر تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری توبہ قبول فرما میری خطاؤں سے درگزر فرما میرا بوجھ مجھ سے اتار دے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے اپنے عزت والے گھر میں پہنچایا جسے اس نے لوگوں کے لوٹنے اور امن کی جگہ بنایا اسے مبارک اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت قرار دیا اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں یہ شہر تیرا شہر اور یہ حرم تیرا حرم ہے یہ گھر تیرا گھر ہے میں تیری بارگاہ میں تیری رحمت طلب کرنے آیا ہوں

مَسْئَلَةَ الْمُضْطَرِّ الْخَائِفِ مِنْ عُقُوْبَتِكَ الرَّاجِيْ لِرَحْمَتِكَ الطَّالِبِ مَرْضَاتِكَ۔

یا اللہ! میں تجھ سے اس طرح سوال کرتا ہوں جس طرح کوئی مجبور شخص، تیرے عذاب سے ڈرنے والا، تیری رحمت کی امید رکھنے والا اور تیری رضا تلاش کرنے والا سوال کرتا ہے۔

۲۔ اس کے بعد حجر اسود کا قصد کرو اسے اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ چھونے کے بعد اسے بوسہ دو اور یوں کہو۔

اَللّٰهُمَّ اَمَانَتِيْ اَدَّيْتُهَا وَمِيْثَاقِيْ وَفَيْتُهُ اِشْهَدْ لِيْ بِالْمُوَافَاةِ۔

اے اللہ! میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنا وعدہ پورا کر دیا تو اس وفا پر گواہ رہنا۔

اگر بوسہ نہ دے سکے تو اس کے سامنے کھڑا ہو کر مذکورہ بالا الفاظ کہے پھر کوئی دوسرا عمل نہ کرے صرف طوافِ قدوم کرے البتہ لوگوں کو فرض نماز میں پائے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ کر طواف کرے۔

چوتھا ادب:

یہ طواف سے متعلق ہے تو جب طواف کا ارادہ کرے چاہے طوافِ قدوم ہو یا کوئی دوسرا طواف، تو چھ باتوں کا خیال رکھے۔

۱۔ نماز کی شرائط ملحوظ رہیں یعنی با وضو ہو (اور غسل فرض ہو تو وہ کیا ہوا ہو) کپڑے، بدن اور مکان کا پاک ہونا اور شرمگاہ کا ڈھانپا ہوا ہونا کیونکہ بیت اللہ شریف کا طواف بھی ایک قسم کی نماز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں گفتگو کو جائز قرار دیا طواف سے پہلے اضطباع کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ چادر کے درمیان والے حصے کو دائیں بغل کے نیچے سے لے جا کر اس کے دونوں کناروں کو بائیں کاندھے پر جمع کر دے اس کے ایک کنارے کو پیٹھ کے پیچھے اور دوسرے کو سینے پر لٹکا دے طواف شروع کرتے ہی تلبیہ کہنا چھوڑ دے اور ان دعاؤں میں مشغول ہو جائے جن کا ہم ذکر کریں گے۔

۲۔ جب چادر کو کاندھے پر ڈالنے سے فارغ ہو جائے تو بیت اللہ شریف کو اپنی بائیں جانب کرتے ہوئے حجر اسود کے قریب کھڑا ہو جائے لیکن اس سے کچھ دور رہے تاکہ حجر اسود اس کے سامنے رہے پس طواف کے آغاز میں پورے بدن کے ساتھ پورے حجر اسود کے سامنے سے گزرے اپنے اور حجر اسود کے درمیان تین قدموں کو فاصلہ رکھے تاکہ بیت اللہ شریف کے قریب ہو اس لیے کہ یہ افضل ہے اور تاکہ وہ شاذوران کے اندر طواف کرنے والا بھی نہ ہو کیونکہ وہ بیت اللہ شریف کا حصہ ہے اور حجر اسود کے پاس شاذوران زمین سے ملی ہوئی ہے اور اس میں طواف کرنے والے کا طواف صحیح نہیں کیونکہ ایسا شخص بیت اللہ شریف کے اندر طواف کرنے والا شمار ہوتا ہے۔

شاذوران وہ جگہ ہے جو بیت اللہ شریف کی دیوار کی چوڑائی سے بچ گئی جب اوپر سے دیوار تنگ ہو گئی (۱)

---

(۱) جس طرح عمارت کی بنیاد چوڑی ہوتی ہے اور پھر اوپر دیوار تنگ ہو جاتی ہے تو نیچے کچھ حصہ جو زمین سے ملا ہوتا رہ جاتا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

پھر اسی جگہ سے طواف کا آغاز کرے۔

(۱۳) حجر اسود سے گزرنے سے پہلے بلکہ طواف کے شروع میں یہ الفاظ کہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑھے اے اللہ! میں تجھ پر ایمان رکھتے ہوئے تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے تیرے وعدے کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلتے ہوئے طواف کرتا ہوں۔

اب طواف کرے حجر اسود سے آگے بڑھنے کے بعد سب سے پہلے بیت اللہ شریف کا دروازہ آتا ہے یہاں یہ الفاظ کہے

اَللّٰهُمَّ هٰذَا الْبَيْتُ بَيْتُكَ وَهٰذَا الْحَرَمُ حَرَمُكَ وَهٰذَا الْاَمْنُ اَمْنُكَ وَهٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ۔

اے اللہ! یہ گھر، تیرا گھر ہے اور یہ حرم تیرا حرم ہے یہ امن تیری طرف سے ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں جہنم کی آگ سے تیری پناہ طلب کی جاتی ہے۔

جب مقام کا ذکر کرے تو آنکھوں کے ساتھ مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کرے، اور پھر یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ بَيْتَكَ عَظِيْمٌ وَوَجْهَكَ كَرِيْمٌ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ وَاَعِذْنِيْ مِنَ النَّارِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَحَرِّمْ لَحْمِيْ وَدَمِيْ عَلَى النَّارِ وَاٰمِنِّيْ مِنْ اَهْوَالِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَاكْفِنِيْ مُؤْنَةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

اے اللہ بے شک تیرا گھر عظیم اور تیری ذات کریم ہے تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے مجھے جہنم کی آگ سے اور شیطان مردود سے پناہ دے میرے گوشت اور خون کو جہنم پر حرام کر دے اور مجھے قیامت کی تکالیف سے امن دے اور دنیا اور آخرت کی مشقتوں سے مجھے کفایت فرما۔

پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے جب رکن عراقی (۱) تک پہنچے تو یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّرْكِ وَالشَّكِّ وَالْكُفْرِ وَالنِّفَاقِ وَالشِّقَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ

اے اللہ! میں شرک، شک کفر، نفاق، بدبختی، برے اخلاق اہل، مال اور اولاد میں برائی دیکھنے سے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہے باہر کو بچ جاتا ہے اسے شاذوران کہا گیا ہے کیونکہ یہ بنیاد کا حصہ ہوتے کی وجہ سے بیت اللہ شریف کا اندر والا حصہ شمار ہوتا ہے لیکن اب ایسی صورت نہیں ہے ۱۲ ہزاروی۔

(۱) خانہ کعبہ کی جس دیوار میں دروازہ ہے اس میں حطیم کی طرف کا کونہ رکن عراقی کہلاتا ہے ۱۲ ہزاروی۔

وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ۔ تیری پناہ چاہتا ہوں۔

جب میزابِ رحمت کے مقابل پہنچے (۱) تو یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ اَظِلَّنَا تَحْتَ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّكَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنِيْ بِكَاسِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرْبَةً لَا اَظْمَاءُ بَعْدَهَا اَبَدًا

اے اللہ! ہمیں (اس دن) اپنے عرش کی سائے میں جگہ دینا جس دن تیرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا یا اللہ! مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پیالے کے ساتھ پلانا کہ میں اس کے بعد کبھی پیاسا نہ ہوں۔

٭ ٭ ٭

پھر جب رکن شامی پر پہنچے (۲) تو یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَسَعْيًا مَشْكُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا وَتِجَارَةً لَنْ تَبُوْرَ يَا عَزِيْزُ يَا غَفُوْرُ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ وَالْاَكْرَمُ۔

اے اللہ! اس حج کو مقبول فرما اور اس پر کوشش کو شرف قبولیت عطا فرما گناہ بخش دے اور اسے ایسی نہ ختم ہونے والی تجارت بنا اے بخشنے والے اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما اور میرے جن گناہوں کو تو جانتا ہے وہ معاف فرما دے بے شک ہی بہت عزت و اکرام والا ہے۔

٭ ٭ ٭

پھر جب رکن یمانی پر پہنچے (۳) تو اس طرح کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخِزْيِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

اے اللہ! میں کفر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، فقر سے اور عذاب قبر سے نیز زندگی اور موت کے فتنوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں نیز میں دنیا اور آخرت کی رسوائی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یوں پڑھے۔

---

(۱) رکن عراقی کے بعد حطیم ہے جو نصف دائرے کی شکل میں ہے اس کے باہر سے طواف کرتے ہوئے جب اس نصف دائرے کے درمیان میں دیوار سے باہر پہنچیں تو میزاب (چھت کا پرنالہ) بالکل مقابل میں ہے ۱۲ ہزاروی

(۲) رکن عراقی کے بعد جو اگلا کونہ ہے وہ رکن شامی کہلاتا ہے۔ یہ شمال مغرب میں ہے ۱۲ ہزاروی

(۳) خانہ کعبہ کا وہ کونہ جو جنوب مغرب کی طرف ہے اور حجر اسود والے کونے کے مقابل ہے رکن یمانی کہلاتا ہے ۱۲ ہزاروی

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا بِرَحْمَتِكَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ۔

اے اللہ! ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی مرحمت فرما اور آخرت میں بھلائی مرحمت فرما اور اپنی رحمت کے ساتھ قبر کے فتنہ اور جہنم کے عذاب سے بچا۔

* * * *

جب حجر اسود پر پہنچے تو کہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ بِرَحْمَتِكَ اَعُوْذُ بِرَبِّ هٰذَا الْحَجَرِ مِنَ الدَّيْنِ وَالْفَقْرِ وَضِيْقِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

اے اللہ! اپنی رحمت سے مجھے بخش دے میں، قرض، فقر سینے کی تنگی اور عذاب قبر سے اس مبارک پتھر کے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔

اس وقت (طواف کا) ایک چکر پورا ہو گیا اسی طرح سات چکر پورے کرے اور ہر چکر میں یہ (مذکورہ بالا) دعائیں مانگے۔

۴۔ پہلے تین چکروں میں پہلوانوں کی طرح چلے اور باقی چار میں اپنی عادت کے مطابق چلے اسے رمل کہتے ہیں (۱) رمل کا مطلب یہ ہے کہ قدم قریب قریب رکھتے ہوئے تیز تیز چلے اور یہ دوڑنے سے کم لیکن عام عادت سے ذرا تیز ہے۔

رمل اور اضطباع کا مقصد بے خوفی اور قوت کا اظہار ہے شروع شروع میں اس کا مقصد یہی تھا تاکہ کفار کا طمع ختم ہو جائے اور اب یہ سنت برقرار ہے (۲) افضل یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کے قریب قریب رمل کرے اور اگر بھیڑ کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو تو دور رہ کر رمل کرنا افضل ہو گا لہٰذا مقام طواف کے کنارے پر چلا جائے اور تین چکروں میں رمل کرنے کے بعد بیت اللہ شریف کے قریب ہجوم میں آجائے اور چار چکروں میں عام طریقے پر چلے۔ اگر ہر چکر پر حجر اسود کو بوسہ دے سکے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر ہجوم کی وجہ سے نہ ہو سکے تو ہاتھ سے اشارہ کرے ہاتھ کو بوسہ دے دے رکن یمانی کو بوسہ دینا بھی مستحب ہے باقی ارکان کو نہیں (یعنی رکن عراقی اور رکن شامی کو بوسہ دینا مستحب نہیں) روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کو استلام کرتے (۳) اور بوسہ دیتے تھے اور اپنا چہرہ مبارک اس پر رکھتے تھے۔ (۴)

اور جو شخص صرف حجر اسود کو بوسہ دینا اور رکن یمانی کا صرف استلام کرنا یعنی صرف ہاتھ لگانا چاہتا ہو تو بہتر اولیٰ ہے۔ (کیونکہ زیادہ مشہور روایت یہی ہے۔)

۵۔ جب طواف کے سات چکر پورے ہو جائیں تو ملتزم کے پاس آئے اور یہ حجر اسود اور دروازے کے درمیان

---

(۱) رمل اس طواف میں ہو گا جس کے بعد سعی کرنا ہو ورنہ رمل کے بغیر طواف کریں گے ۱۲ ہزاروی

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۱۱ کتاب الحج

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۱۲ کتاب الحج (۴) مستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۵۶ کتاب المناسک

ہے یہاں دعا قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہے یہاں بیت اللہ شریف سے چمٹ جائے اور پردوں سے لٹک جائے،
اپنے پیٹ کو بیت اللہ شریف سے ملا دے اس پر دایاں رخسار رکھے اور بازوؤں اور ہتھیلیوں کو اس پر کھول دے اور
یوں کہے۔

اَللّٰھُمَّ یَارَبَّ الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعِذْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ وَاَعِذْنِیْ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَقَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اٰتَیْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا الْبَیْتَ بَیْتُکَ وَالْعَبْدَ عَبْدُکَ وَھٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِکَ مِنَ النَّارِ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اَکْرَمَ وَفْدِکَ عَلَیْکَ۔	اے اللہ! اے اس قدیم گھر کے رب، میری گردن کو جہنم سے آزاد رکھ مجھے شیطان مردود سے پناہ دے اور ہر برائی سے پناہ عطا فرما مجھے اس چیز پر صبر عطا فرما جو تو نے عطا فرمائی ہے اور جو کچھ مجھے عطا کیا اس میں برکت پیدا فرما یا اللہ یہ گھر تیرا گھر ہے بندہ، تیرا بندہ ہے اور یہ جہنم سے تیری پناہ طلب کرنے والوں کا مقام ہے یا اللہ تعالیٰ کی مجھے اپنے پاس آنے والوں میں سے بہتر لوگوں میں کر دے۔

پھر اس مقام پر کثرت سے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر درود شریف بھیجے۔ اپنی خاص حاجات کے لیے دعا مانگے اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے اور بعض بزرگ اس جگہ اپنے غلاموں سے فرماتے کہ مجھ سے دور ہو جاؤ تاکہ میں اپنے رب کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کروں۔

۶۔ جب اس سے فارغ ہو جائے تو مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں پڑھے پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھے اور یہ طواف کی دو رکعتیں ہیں۔

اور اگر کئی مرتبہ طواف کر کے آخر میں دو رکعتیں پڑھے تو بھی جائز ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا ہے[1] ہر سات چکر ایک طواف ہے، طواف کی دو رکعتوں کے بعد دعا مانگے اور یوں کہے۔

اَللّٰھُمَّ یَسِّرْ لِیَ الْیُسْرٰی وَجَنِّبْنِی الْعُسْرٰی وَاغْفِرْ لِیْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی وَاعْصِمْنِیْ بِاَلْطَافِکَ حَتّٰی لَا اَعْصِیَکَ وَاَعِنِّیْ عَلٰی طَاعَتِکَ بِتَوْفِیْقِکَ وَجَنِّبْنِیْ مَعَاصِیَکَ وَاجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یُحِبُّکَ	اے اللہ! میرے لیے آسانی کو آسان کر دے اور مجھے تنگی سے بچا مجھے آخرت اور دنیا میں بخش دے مجھے اپنی مہربانیوں کے ذریعے بچا لے تاکہ میں تیری نافرمانی نہ کروں اپنی توفیق سے اپنی عبادت پر میری مدد فرما اور مجھے گناہوں سے دور رکھ مجھے ان لوگوں میں سے

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۰۵ کتاب الحج

وَيُحِبُّ مَلَائِكَتَكَ وَرُسُلَكَ وَيُحِبُّ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْنِي إِلَى مَلَائِكَتِكَ وَرُسُلِكَ وَإِلَى عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ اَللّٰهُمَّ فَكَمَا هَدَيْتَنِي إِلَى الْإِسْلَامِ فَثَبِّتْنِي عَلَيْهِ بِأَلْطَافِكَ وَوِلَايَتِكَ وَاسْتَعْمِلْنِي بِطَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُولِكَ وَأَجِرْنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ۔

کردے جو تجھ سے محبت کرتے ہیں تیرے فرشتوں اور رسولوں سے محبت کرتے ہیں اور تیرے نیک بندوں سے محبت کرتے ہیں یا اللہ! اپنے فرشتوں اپنے رسولوں اور اپنے نیک بندوں کے نزدیک مجھے محبوب بنادے یا اللہ! جس طرح تو نے اسلام کی طرف میری راہنمائی کی ہے اپنی مہربانیوں سے مجھے اس پر ثابت قدم رکھ مجھے اپنی فرمانبرداری اور اپنے رسول کی فرمانبرداری پر لگا دے اور مجھے گمراہ کن فتنوں سے بچالے۔

پھر حجر اسود کی طرف لوٹے اور اس کا استلام کرکے طواف کو ختم کردے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ أُسْبُوعًا وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فَلَهُ مِنَ الْأَجْرِ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ۔ (۱)

جس شخص نے بیت اللہ شریف کا طواف سات چکروں میں کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اس کے لیے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہے۔

تو یہ مذکورہ بالا طریقہ، طواف کا طریقہ ہے،

نماز کی شرائط کے بعد ان مذکورہ امور میں سے واجب یہ ہے کہ پورے بیت اللہ شریف کے ساتھ چکر پورے کرے، حجر اسود سے شروع کرے اور بیت اللہ شریف کو اپنی بائیں جانب رکھے مسجد کے اندر طواف کرے لیکن بیت اللہ شریف کے باہر ہو نہ تو بنیاد پر طواف کرے اور نہ حطیم کے اندر کرے سات چکروں کو ملائے اور ان میں عام عادت سے زیادہ تفریق نہ کرے اس کے علاوہ امور سنت اور مستحبات ہیں۔

پانچواں ادب:

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا

جب طواف سے فارغ ہوجائے تو باب صفا سے نکل جائے اور وہ اس دیوار کے مقابل ہے جو رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ہے جب اس دروازے سے نکل کر صفا پر پہنچے (۲) اور یہ ایک پہاڑی ہے تو پہاڑی کے نیچے سے

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۱۸ ابواب المناسک (۲) آجکل یہ صورت نہیں کیونکہ صفا مروہ کے اردگرد دیوار ہے اب صفا پر جانے کے لیے اندر سے راستہ ہے باب صفا سے باہر نکل کر جائیں تو پھر باب مروہ سے اندر آنا پڑتا ہے لہذا اندر سے ہی صفا پر جاتے ہیں ۱۲ ہزاروی

انسانی قد کے برابر کچھ زینے اوپر چلا جائے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اوپر چڑھے حتیٰ کہ آپ کو کعبہ شریف نظر آیا (۱) پہاڑی کے دامن سے سعی شروع کرنا بھی کافی ہے یہ اضافہ (اوپر چڑھنا) مستحب ہے لیکن اب کچھ نئی سیڑھیاں بنائی گئی ہیں تو انہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے نہیں چھوڑنا چاہیے کیوں کہ اس طرح سعی مکمل نہیں ہو گی جب یہاں سے شروع کرے تو صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر پورے کرے (آج کل صفا اور مروہ کے اوپر چھت پڑی ہوئی ہے صفا کے اوپر اتنا جانا چاہیے کہ کعبہ شریف نظر آجائے پھر سعی شروع کر دیں زیادہ اوپر نہیں جانا چاہیے ۱۲ ہزاروی)

جب صفا پر چڑھے تو بیت اللہ شریف کی طرف رُخ کرے یہ کلمات کہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا هَدَانَا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بِمَحَامِدِهٖ كُلِّهَا عَلٰى جَمِيْعِ نِعَمِهٖ كُلِّهَا، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ، صَدَقَ وَعْدَهٗ، وَنَصَرَ عَبْدَهٗ، وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ، وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ، وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ، وَمِنْ اٰيَاتِهٖ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَا اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ،

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی تمام تعریفوں کے ساتھ اس کی تمام نعمتوں پر اس کی حمد ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور وہی لائق حمد ہے زندہ رکھتا اور مارتا ہے اسی کے قبضے میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندے کی مدد کی اپنے لشکر کو غلبہ عطا کیا اور تنہا دشمنوں کے لشکروں کو بھگا دیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں اگرچہ کافروں کو ناپسند ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اسی کی خالص عبادت کرتے ہیں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے جب شام ہو یا صبح اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرو آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے تعریف ہے عشاء کے وقت اور جب تم ظہر کرتے ہو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو

---

(۱)

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا دَائِمًا وَّيَقِيْنًا صَادِقًا، وَعِلْمًا نَافِعًا، وَقَلْبًا خَاشِعًا، وَلِسَانًا ذَاكِرًا، وَاَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ وَالْمُعَافَاةَ الدَّائِمَةَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

زندہ ہے نکالتا ہے زمین کو بے آباد ہونے کے بعد آباد کرتا ہے اسی طرح تمہیں بھی (قبروں سے) نکالا جائے گا اس کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر جب تم ظاہری شکل و صورت میں آ گئے تو پھیل گئے یا اللہ! میں تجھ سے دائمی ایمان، یقین صادق، علمِ نافع، خشوع والے دل اور ذکر والی زبان کا سوال کرتا ہوں میں تجھ سے معافی، عافیت اور ہمیشہ کے لیے دنیا و آخرت میں معافی کا سوال کرتا ہوں۔

❁ ❁ ❁ ❁

❁ ❁

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے اور اس دعا کے بعد جو حاجت چاہے مانگے۔ پھر نیچے اتر کر سعی شروع کرے اور یوں دعا مانگے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اے میرے رب مجھ بخش دے اور رحم فرما اور اپنے علم کے مطابق میرے گناہ معاف کر دے بے شک تو عزت و اکرام والا ہے اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

❁ ❁ ❁ ❁

پھر اپنی عام رفتار کے ساتھ جائے یہاں تک کہ سبز میل پر پہنچ جائے۔ (اب وہاں سبز ستون ہیں چھت میں بھی سبز رنگ کیا گیا ہے اور سبز رنگ کی ٹیوبیں لگائی گئی ہیں ۱۲ ہزاروی) اور یہ صفا سے اترنے کے بعد فوراً آجاتا ہے اور یہ مسجد حرام کے کونے پر ہے جب اس کے اور اس میل کے درمیان چھ گز (شرعی گز جو دو فٹ کا ہوتا ہے) رہ جائیں تو تیز تیز چلے یعنی رمل کرتے یہاں تک کہ دو سبز میلوں تک پہنچ جائے اب اپنی عام رفتار پر چلے (آگے پھر سبز ستون اور سبز ٹیوبیں ہیں) جب مروہ کے پاس پہنچے تو اس پر اسی طرح چڑھے جس طرح صفا پر چڑھا تھا اور اب صفا کی طرف متوجہ ہو کر اسی قسم کی دعا مانگے (جو صفا پر مانگی تھی) یہ ایک مرتبہ سعی ہو گئی جب صفا پر واپس آئے گا تو سعی کے دو پھیرے ہو جائیں گے سات مرتبہ ایسا کرے اور تیز چلنے کی جگہ تیز چلے اور آرام سے چلنے کی جگہ آرام سے چلے تمام چکروں میں اسی طرح کرے جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے ہر بار صفا اور مروہ کے اوپر جائے۔ جب یہ کام مکمل ہو جائے گا تو اب طواف قدوم اور سعی دونوں مکمل ہو گئے اور یہ سنت ہیں۔ سعی کے لیے وضو مستحب ہے واجب نہیں جب کہ طواف کے لیے واجب ہے جب سعی کر لی تو اب وقوف عرفات کے بعد سعی کی ضرورت نہ ہو گی اور بطور رکن (واجب) یہ سعی کافی ہو گی کیونکہ سعی کے لیے یہ شرط نہیں

وہ وقوف کے بعد ہو وہاں یہ شرط فرض طواف کے لیے ہے البتہ سعی کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ جب بھی ہو طواف کے بعد ہو وہ کوئی بھی طواف ہو (طواف قدوم یا طوافِ فرض)

چھٹا ادب:-

وقوفِ عرفات اور اس سے پہلے کے امور

اگر حاجی عرفہ کے دن (نو ذوالحجہ کے دن) سیدھا عرفات پہنچ جائے تو وقوف عرفات سے پہلے طواف قدوم اور مکہ مکرمہ کی حاضری کے لیے نہ جائے اور اگر اس سے کچھ دن پہلے پہنچے تو طوافِ قدوم کرے اور ذوالحجہ کی سات تاریخ تک حالت احرام میں ہی رہے (اگر اس نے حج افراد یا حج قران کی نیت کی ہو) ساتویں ذوالحجہ کو امام ظہر کے بعد کعبہ شریف کے پاس خطبہ دیتا ہے اور لوگوں کو بتاتا ہے کہ وہ آٹھ ذوالحجہ کو منیٰ میں جانے کی تیاری کریں وہاں رات رہیں اور دوسرے دن صبح عرفات میں جائیں تاکہ وہاں زوال کے بعد وقوف کر کے فرض کی ادائیگی کریں کیونکہ وقوف کا وقت (نو ذوالحجہ کے) زوال سے لے کر قربانی کے دن کی طلوع صبح صادق تک ہے تلبیہ کہتے ہوئے منیٰ کی طرف جانا چاہیئے اور مستحب ہے کہ مکہ مکرمہ سے مناسک حج کی ادائیگی کے لیے آخر تک پیدل چل کر جاتے اگر ایسا کر سکے مسجد ابراہیم (علیہ السلام) سے جائے وقوف تک پیدل چلنا افضل ہے اور اس کی زیادہ تاکید ہے (مسجد ابراہیم عرفات میں ہے) جب منیٰ میں پہنچے تو یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ مِنًى فَامْنُنْ عَلَيَّ بِمَا مَنَنْتَ بِهٖ عَلٰى اَوْلِيَاءِكَ وَاَهْلِ طَاعَتِكَ۔	یا اللہ! یہ منیٰ ہے تو مجھ پر اس چیز کے ساتھ احسان فرما جس کے ساتھ تو نے اپنے اولیاء کرام اور اطاعت گزار بندوں پر احسان فرمایا۔

یہ رات منیٰ میں گزارے اور یہاں صرف رات گزارنا ہے حج کا کوئی عمل اس سے متعلق نہیں ہے جب نویں ذوالحجہ کی صبح ہو تو صبح کی نماز پڑھے جب کوہ ثبیر پر سورج طلوع ہو جائے تو عرفات کی طرف جائے اور یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا خَيْرَ غَدْوَةٍ غَدَوْتُهَا قَطُّ وَاَقْرِبْهَا مِنْ رِضْوَانِكَ وَاَبْعِدْهَا مِنْ سَخَطِكَ اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ غَدَوْتُ وَاِيَّاكَ رَجَوْتُ وَعَلَيْكَ اعْتَمَدْتُ وَوَجْهَكَ اَرَدْتُ فَاجْعَلْنِيْ مِمَّنْ تُبَاهِيْ بِهِ الْيَوْمَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ وَاَفْضَلُ۔	یا اللہ! میری اس صبح کو بہتر صبح کر دے جو صبح میں نے کی ہیں اس اپنی رضا کے قریب کر دے اور اپنی ناراضگی سے دور رکھ یا اللہ! میں نے تیری طرف صبح کی تجھ سے امید رکھی تجھ پر بھروسہ کیا تیری ذات کا ارادہ کیا پس مجھے ان لوگوں میں سے کر دے جن پر تو آج ان کے سامنے فخر کرے جو مجھ سے بہتر اور افضل ہیں (یعنی فرشتے)

جب عرفات میں آئے تو مقام نمرہ میں مسجد کے قریب خیمہ لگائے کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقام پر خیمہ لگایا تھا (۱) نمرہ، عرفہ کا نچلا حصہ ہے جو موقف (وقوف کی جگہ) اور عرفات کی دوسری طرف ہے نیز وقوف کے لیے غسل کرنا چاہیے۔ (۲) جب سورج ڈھل جائے تو امام ایک مختصر خطبہ دے کر بیٹھ جائے اور موذن اذان دے امام دوسرا خطبہ پڑھے اور اقامت و اذان کو ملایا جائے اس طرح موذن کے اقامت کہنے کے ساتھ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے گا پھر ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر اور عصر کو ملائے اور نماز میں قصر کرے۔

اس کے بعد موقف کی طرف چل پڑے اور عرفات میں ٹھہر جائے لیکن وادی عرنہ میں ہرگز نہ ٹھہریں۔ مسجد ابراہیم کا اگلا حصہ وادی عرنہ میں ہے اور پچھلا حصہ عرفات میں ہے۔ لہذا جو شخص مسجد ابراہیم کے اگلے حصے میں وقوف کرے گا اسے وقوف عرفات حاصل نہ ہوگا۔ مسجد میں عرفات کی جگہ کو کچھ پتھروں کے ذریعے ممتاز کیا گیا ہے جو وہاں بچھائے گئے ہیں چاہیے کہ ان پتھروں کے پاس امام کے قریب قبلہ رخ ہو کر سواری پر کھڑا ہو (۳) اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، تسبیح تہلیل، دعا اور توبہ کثرت سے کرے اس دن روزہ نہ رکھے تاکہ دعا کو جاری رکھنے پر قوت حاصل ہو۔ عرفہ کے دن تلبیہ ختم نہ کرے بلکہ یوں کرے کہ کبھی تلبیہ کہے اور کسی وقت دعا کی طرف متوجہ ہو۔

عرفات سے غروب آفتاب سے پہلے نہیں نکلنا چاہیے تاکہ عرفات میں دن اور رات کا اجتماع ہو جائے اور اگر چاند میں شک کی وجہ سے آٹھویں تاریخ ایک ساعت وہاں ٹھہرنا ممکن ہو تو یہ احتیاط کے مطابق ہے اور فوت ہونے کے امن ہو جائے گا۔ اور جو شخص یوم نحر (دس ذوالحجہ) کی صبح تک وقوف نہ کر سکے تو اس کا حج فوت ہو گیا تو اسے چاہیے کہ عمرہ کے افعال ادا کرے احرام کھول دے اور حج کے فوت ہونے کے سبب قربانی کا جانور ذبح کرے اور آئندہ سال قضا کرے اس دن زیادہ تر دعا میں مشغول رہے کیوں کہ اس قسم کی جگہ اور اس قسم کے اجتماع میں دعاؤں کی قبولیت کی امید ہوتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگوں سے جو دعائیں اس دن کے لیے منقول ہیں وہ دعا مانگنا زیادہ بہتر ہے۔ لہذا یہ دعا مانگے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ — اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۹۶ کتاب الحج

(۲) آج کل حجاج کرام کی تعداد زیادہ ہوتی ہے نیز معلمین کا انتظام ہوتا ہے لہذا جہاں جگہ مل جائے خیمہ لگایا جائے یا معلم کی طرف سے جہاں خیمہ لگایا گیا وہاں وقوف کیا جائے نیز غسل کے لیے پانی کا ملنا بھی مشکل ہوتا ہے ۱۲ ہزاروی

(۳) آج کل جہاں جگہ مل جائے وہاں ہی وقوف کرنا چاہیے البتہ عرفات سے باہر نہ ہو اب وہاں عرفات کی حدود متعین کر دی گئی ہیں ۱۲ ہزاروی

لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۱) اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا اَللّٰھُمَّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ۔

کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے وہ زندہ رکھتا اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اس کے لیے موت نہیں اسی کے قبضے میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یا اللہ! میرے دل میں نور ڈال دے میرے کانوں اور میری آنکھوں کو نیز میری زبان کو نورانی بنا دے یا اللہ! میرے لیے میرے سینے کو کھول دے اور میرے لیے میرے کام کو آسان کر دے۔

اور یوں کہے:

اللھم رب الحمد لك الحمد كما نقول وخيرا مما نقول لك صلاتی ونسکی وحیاتی ومماتی، والیك مآبی والیك ثوابی اللھم انی اعوذبك من وساوس الصدر وشتات الامر وعذاب القبر، اللھم انی اعوذبك من شر ما یلج فی اللیل، ومن شر ما یلج فی النھار، ومن شر ما تھب به الریاح ومن شر بوائق الدھر، اللھم انی اعوذبك من تحول عافیتك وفجاۃ نقمتك و جمیع سخطك، اللھم اھدنی بالھدی، واغفرلی فی الآخرۃ والاولی، یا خیر مقصود، واسنی منزول به، واکرم مسئول مالدیه، اعطنی العشیة افضل ما اعطیت احدا من خلقك وحجاج

اے اللہ! حمد کے رب تیرے لیے حمد ہے جیسے تو فرماتے اور اس سے بھی بہتر جو تو فرماتا ہے میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت تیرے ہی لیے ہے میرا ٹھکانہ اور میرا ثواب تیرے پاس ہے یا اللہ میں دل کے وسوسوں اور کام کے بکھرنے نیز عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں میں اس چیز کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو رات میں داخل ہوتی ہے اور اس چیز کے شر سے جو دن میں داخل ہوتی ہے اس چیز کے شر سے جیسے ہوائیں اڑاتی ہیں اور زمانے کے مصائب کے شر سے — یا اللہ! میں عافیت کے پھر جانے اور اچانک آنے والے عذاب سے اور تیری تمام ناراضگیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں یا اللہ! مجھے ہدایت عطا فرما اور آخرت اور دنیا میں مجھے بخش دے اے بہترین مقصود اور اے وہ ذات جو ان تمام میں سے بہتر ہے جن کے پاس اترتے ہیں جن سے مانگا جاتا ہے ان سب سے بہتر کرم کرنے

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲۹ باب الوقوف بعرفۃ

بينك يا ارحم الراحمين اللهم يا
رفيع الدرجات ومنزل البركات، ويافاطر
الارضين والسموات: ضجت اليك
الاصوات بصنوف اللغات يسألونك
الحاجات، وحاجتي اليك ان لاتنساني
في دار البلاء اذا نسيني اهل الدنيا. اللهم
انك تسمع كلامي وترى مكاني وتعلم
سري وعلانيتي ولا يخفى عليك شيء من
امري، انا البائس الفقير المستغيث
المستجير، الوجل المشفق المعترف
بذنبه، اسألك مسالة المسكين، وابتهل
اليك ابتهال المذنب الذليل، وادعوك
دعاء الخائف الضرير، دعاء من خضعت
لك رقبته، وفاضت لك عبرته، وذل
لك جسده، ورغم لك انفه - اللهم
لا تجعلني بدعائك رب شقيا، وكن بي
رءوفا- رحيما، ياخير المسؤلين، واكرم
المعطين الهي من مدح لك نفسه فاني
لائم نفسي، الهي من مدح لك نفسه
فاني لائم نفسي، الهي اخرست المعاصي
لساني فمالي وسيلة من عمل، ولا شفيع
سوى الامل - الهي اني اعلم ان ذنوبي
لم تبق لي عندك جاها ولا للاعتذار
وجها ولكنك اكرم الاكرمين. الهي
ان لم اكن اهلا ان ابلغ رحمتك

والے مجھے اس سے بہتر شام عطا کر جو تو اپنی مخلوق اور اپنے
گھر کا حج کرنے والوں کو عطا کرتا ہے اسے سب سے زیادہ
رحم فرمانے والے۔ اسے اللہ! اے درجات کو بلند
کرنے والے، برکتیں نازل کرنے والے، زمینوں اور آسمانوں
کو پیدا کرنے والے تیرے سامنے زبانیں مختلف زبانوں
میں فریاد کرتی ہیں اور تجھ سے اپنی حاجات کا سوال کرتی
ہیں تیری بارگاہ میں میری حاجت یہ ہے کہ تو مجھے آزمائش
کے گھر میں نہ بھولنا جب مجھے دنیا والے بھول جائیں گے
یا اللہ! تو میرا کلام سنتا ہے میرے مکان کا علم رکھتا ہے
میری پوشیدہ اور ظاہر ہر بات کو جانتا ہے میرا کوئی معاملہ
تجھ پر پوشیدہ نہیں میں مصیبت زدہ فقیر مدد مانگنے والا
اور پناہ چاہنے والا ہوں تجھ سے ڈرنے والا اپنے
گناہوں کا اعتراف کرنے والا ہوں مسکین کی طرح تجھ سے
سوال کرتا ہوں اور ذلیل گناہ گار کی طرح تیرے حضور
زاری کرتا ہوں اور خوف زدہ تکلیف یافتہ کی طرح تجھے
پکارتا ہوں اس شخص کی دعا کی طرح جس کی گردن تیرے
سامنے جھک گئی۔ اور تیرے لیے اس کے آنسو جاری ہوئے
تیرے لیے اس کے جسم نے عاجزی اختیار کی اور تیرے
لیے اس کی ناک خاک آلود ہو گئی اے اللہ! اے میرے
رب مجھے دعا سے محروم نہ کرنا مجھ پر مہربانی اور رحم
فرما! اے وہ ذات جو مسؤلین میں سے بہتر ہے عطا
کرنے والوں میں سب سے زیادہ کریم ہے الٰہی! کوئی
شخص تیرے سامنے اپنی تعریف کرے تو میں اپنے نفس
کو ملامت کرتا ہوں، یا اللہ! گناہوں نے میری زبان
بند کر دی ہے اور میرے پاس عمل کا وسیلہ بھی نہیں امید

فان رحمتك اهل ان تبلغني، ورحمتك
وسعت كل شيء، وانا شيء الهي ان ذنوبي
وان كانت عظاما ولكنها صغار في جنب
عفوك فاغفرها لي يا كريم۔ الهي انت
انت وانا انا انا العواد الى الذنوب،
وانت العواد الى المغفرة الهي ان كنت لا
ترحم الا اهل طاعتك فالى من يفزع
المذنبون الهي تجنبت عن طاعتك
عمداً وتوجهت الى معصيتك قصدا،
فسبحانك ما اعظم حجتك علي واكرم
عفوك، فبوجوب حجتك علي وانقطاع
حجتي عنك وفقري اليك وغناك
عني الا غفرت لي، يا خير من دعاه داع،
وافضل من رجاه راج، بحرمة الاسلام،
وبذمة محمد عليه السلام اتوسل اليك
فاغفر لي جميع ذنوبي، واصرفني من موقفي
هذا مقضي الحوائج، وهب لي ما سألت
وحقق رجائي فيما تمنيت الهي دعوتك
بالدعاء الذي علمتنيه فلا تحرمني
الرجاء الذي عرفتنيه۔ الهي ما انت
صانع العشية بعبد مقر لك بذنبه،
خاشع لك بذلته، مستكين بجرمه،
متضرع اليك من عمله، تائب اليك
من اقترافه، مستغفر لك من ظلمه،
مبتهل اليك في العفو عنه، طالب

کے سوا کوئی سفارشی بھی نہیں یا اللہ! میں جانتا ہوں کہ تیرے
گناہوں نے میرے لیے تیرے ہاں کوئی عزت و مرتبہ
نہیں چھوڑا اور نہ عذر پیش کرنے کی وجہ ہے لیکن تو سب
سے زیادہ کرم کرنے والا ہے یا اللہ! اگر میں تیری رحمت
تک پہنچنے کا اہل نہیں تو تیری رحمت تو مجھ تک پہنچ سکتی
ہے تیری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے اور میں بھی
ایک چیز ہوں یا اللہ! میرے گناہ اگرچہ بہت بڑے ہیں
لیکن تیرے عفو و درگزر کے پہلو میں بہت چھوٹے ہیں
اے کریم میرے ان گناہوں کو بخش دے یا اللہ تو، تو ہے
اور میں، میں ہوں میں گناہوں کی طرف بار بار جانے والا
ہوں اور تو بار بار بخشنے والا ہے یا اللہ! اگر تو صرف اپنے
عبادت گزار لوگوں پر رحم فرمائے گا تو گناہ گار کس کے
ہاں فریاد کریں گے۔ یا اللہ! میں نے جان بوجھ کر تیری
فرمانبرداری سے کنارہ کشی کی اور قصداً تیری نافرمانی کی
طرف متوجہ ہوا، تو پاک ہے اور میرے خلاف تیری دلیل
کتنی عظیم ہے اور تیرا مجھے معاف کر دینا کتنا بڑا کرم ہے
پس تیری دلیل کے وجوب اور میری حجت کے تجھ سے
منقطع ہونے نیز تیری بارگاہ میں میری محتاجی اور اپنی بے
نیازی کے باعث مجھے بخش دے پکارے جانے والوں
میں سے بہتر، بہترین امیدگاہ حرمت اسلام اور ذمہ محمد
مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے میں، میں تیری
بارگاہ میں توسل کرتا ہوں کہ میرے تمام گناہ بخش دے
اور مجھے اس موقف (عرفات) سے اس طرح واپس
لوٹا تاکہ میری تمام حاجات پوری ہو چکی ہوں میرے سوال
کے مطابق مجھے عطا فرما، میری تمنا کے مطابق میری امید

الیك نجاح حوائجہ، راج الیك فی
موقفہ مع کثرۃ ذنوبہ، فیا ملجا کل
حی، وولی کل مؤمن، من احسن فبرحمتك
یفوز، ومن اخطافبخطیئتہ یھلك۔
اللھم الیك خرجنا، وبفنائك انخنا،
وایاك املنا، وماعندك طلبنا، ولا
حسانك تعرضنا، ورحمتك رجونا،
ومن عذابك اشفقنا، والیك
باثقال الذنوب ھربنا، ولبیتك الحرام
حججنا، یامن یملك حوائج السائلین،
ویعلم ضمائر الصامتین، یامن لیس
معہ رب یدعی، ویامن لیس فوقہ
خالق یخشی، ویامن لیس لہ وزیر یؤتی
ولا حاجب یرشی، یامن لا یزداد علی
کثرۃ السؤال الاجودا وکرما، وعلی
کثرۃ الحوائج الاتفضلا واحسانا
اللھم انك جعلت لکل ضیف قری،
ونحن اضیافك فاجعل قرانا منك
الجنۃ اللھم ان لکل وفد جائزۃ
ولکل زائر کرامۃ، ولکل سائل عطیۃ،
ولکل راج ثوابا، ولکل ملتمس لما
عندك جزاء، ولکل مسترحم عندك
رحمۃ ولکل راغب الیك زلفی، ولکل
متوسل الیك عفوا، وقد وفدنا الی
بیتك الحرام، ووقفنا بھذہ المشاعر

کو پورا فرما یا اللہ! میں نے اس دعا کے ساتھ تجھے پکارا
جو تو نے مجھے سکھائی ہے پس تو مجھے اس امید سے
محروم نہ کرنا جس کی تو نے مجھے پہچان کروائی ہے یا اللہ!
آج رات تو اس بندے کے ساتھ کیا سلوک کرے گا
جو اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے ذلت کے ساتھ عاجزی
کرتا ہے اپنے گناہوں کے باعث مسکین ہے اور اپنے
عمل کے باعث تیرے سامنے گڑگڑاتا ہے تیرے ہاں
اپنے برے اعمال سے توبہ کرتا ہے اپنے ظلم کی تجھ سے
معافی مانگتا ہے معافی کے لیے تیرے ہاں زاری کرتا
ہے اپنی حاجات کی کامیابی کا تجھ سے طالب ہے گناہوں
کی کثرت کے باوجود اس موقف میں تجھ سے امید رکھتا
ہے پس اے ہر زندہ کے ملجا و ہر مومن کے مددگار! جو
نیکی کرتا ہے وہ تیری رحمت کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے
اور جو خطا کرتا ہے وہ اپنی خطا کے باعث ہلاک ہوتا ہے
یا اللہ! ہم تیری طرف نکلے ہیں تیرے صحن میں ٹھہرے ہیں
تجھ ہی پر امید رکھتے ہیں جو کچھ تیرے پاس ہے وہ طلب
کرتے ہیں تیرے احسان کے درپے ہیں، تیری رحمت
کی امید رکھتے ہیں تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں گناہوں
کے بوجھ کے ساتھ تیری طرف بھاگتے ہیں تیرے عزت
والے گھر کا حج کرتے ہیں اے وہ ذات جو سوال کرنے
والوں کی حاجات کی مالک ہے خاموش رہنے والوں
کے دل کی باتوں کو جاننے والے اے وہ ذات جس
کے ساتھ کوئی دوسرا رب نہیں جسے پکارا جائے اور
اس سے اوپر کوئی رب نہیں جس سے ڈرا جائے
جس کا کوئی وزیر نہیں جس کے پاس جائیں نہ کوئی دربان

العظام، وشهدنا هذه المشاهد الكرام، رجاء لما عندك، فلا تخيب رجاءنا الهنا تابعت النعم حتى اطمأنت الانفس بتتابع نعمك، واظهرت العبر حتى نطقت الصوامت بحجتك، وظاهرت المنن حتى اعترف اولياؤك بالتقصير عن حقك، واظهرت الآيات حتى افصحت السموات والارضون بادلتك، وقهرت بقدرتك حتى خضع كل شيء لعزتك، وعنت الوجوه لعظمتك، اذا اساءت عبادك حلمت وامهلت، وان احسنوا تفضلت وقبلت، وان عصوا سترت، وان اذنبوا عفوت وغفرت، واذا دعونا اجبت، واذا نادينا سمعت واذا اقبلنا اليك قربت،

ہے جس کو رشوت دی جائے اے وہ ذات! جو زیادہ مانگنے پر زیادہ سخاوت و کرم کرتا ہے اور زیادہ حاجتوں پہ زیادہ فضل و احسان فرماتا ہے یا اللہ! تو نے ہر مہمان کے لیے مہمانی رکھی ہے ہم تیرے مہمان ہیں ہماری دعوت جنت کے ذریعے فرما! یا اللہ! ہر وفد کو عطیہ ملتا ہے ہر ملاقاتی کی عزت ہوتی ہے ہر سائل کو دیا جاتا ہے ہر امیدوار کے لیے ثواب ہر سوال کرنے والے کو تو جزا دیتا ہے ہر رحمت کے طالب کے لیے تیرے ہاں رحمت ہے ہر رغبت کرنے والے کے لیے تیرے ہاں قرب ہے ہر وسیلہ اختیار کرنے والے کے لیے تیرے ہاں معافی ہے ہم تیرے عزت والے گھر کی طرف بطور وفد آئے ہیں ان عظمت والے مقامات پر کھڑے ہیں اس محترم جگہ پہ حاضر ہیں جو کچھ تیرے پاس ہے اس کی امید رکھتے ہیں ہماری امید کو ناکام نہ کرنا اے ہمارے معبود! تیری نعمتیں مسلسل ہیں حتی کہ تیری مسلسل نعمتوں سے دل مطمئن ہیں تو نے عبرت کے مقامات ظاہر کیے حتی کہ خاموش چیزیں بھی تیری دلیل پر بول اٹھیں تو نے اس قدر احسانات ظاہر کیے کہ تیرے دوستوں نے بھی تیرے حق کی ادائیگی میں کوتاہی کا اقرار کیا تو نے نشانیاں ظاہر کیں یہاں تک کہ آسمانوں اور زمینوں نے فصاحت سے تیرے دلائل بیان کیے تیری قدرت اس قدر غالب ہے کہ ہر چیز تیری عزت کے سامنے سرنگوں ہو گئی اور تیری عظمت کے سامنے تمام صورتوں نے سر جھکا دیا جب تیرے بندے گناہ کرتے ہیں تو تو بردباری سے کام لیتا ہے اور ان کو مہلت دیتا ہے اور اگر وہ نیکی کریں تو تو فضل فرماتا اور قبول کرتا ہے اگر وہ نافرمانی کریں تو تو پردہ پوشی کرتا ہے اگر وہ گناہ کریں تو تو معاف کرتا اور بخش دیتا ہے جب ہم تجھے پکاریں تو قبول کرتا ہے جب ہم تجھے پکاریں تو تو سنتا ہے اور جب ہم تیری طرف بڑھیں تو تو قرب عطا کرتا ہے۔

اور جب ہم تجھ سے پھر جاتے ہیں تو تو پکارتا ہے الٰہی! تو نے اپنی روشن کتاب میں حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ

آپ ان لوگوں سے فرما دیجیے جنہوں نے کفر کیا کہ اگر وہ

مَاقَدْ سَلَفَ ۔ (۱) باز آجائیں تو ان کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے تو ان کی طرف سے کلمہ توحید کے انکار کے بعد اس کے اقرار نے تجھے راضی کر دیا ہم عاجزی کے ساتھ تیری توحید کی گواہی دیتے ہیں اور خلوص کے ساتھ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں پس اس شہادت کے سبب تو ہمارے گذشتہ گناہ معاف کر دے اور اس سلسلے میں ہمارا حصہ اسلام میں داخل ہونے والوں کے حصے سے کم نہ کر یا اللہ! تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ ہم اپنے مملوک کو آزاد کر کے تیرا قرب حاصل کریں اور ہم تیرے بندے ہیں اور فضل و کرم میں تو سب سے آگے ہے پس ہمیں آزاد کر دے تو نے ہمیں حکم دیا کہ ہم فقراء پر صدقہ کریں اور ہم تیرے فقیر ہیں تو انعام کرنا تیرے شایان شان ہے پس ہم پر انعام فرما تو نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے اوپر زیادتی کرنے والوں کو معاف کر دیں اور ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور تو کرم کے زیادہ رونق ہے پس ہمیں معاف کر دے اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا مولا ہے اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور اپنی رحمت سے ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

حضرت خضر علیہ السلام کی دعا بکثرت پڑھے وہ اس طرح ہے۔

يَامَنْ لَا يَشْغَلُهُ شَانٌ عَنْ شَانٍ وَلَا سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ وَلَا تَشْتَبِهُ عَلَيْهِ الْاَصْوَاتُ يَامَنْ لَا تُغَلِّطُهُ الْمَسَائِلُ وَلَا تَخْتَلِفُ عَلَيْهِ اللُّغَاتُ يَامَنْ لَا يُبْرِمُهُ اِلْحَاحُ الْمُلِحِّيْنَ وَلَا تُضْجِرُهُ مَسْئَلَةُ السَّائِلِيْنَ اَذِقْنَا بَرْدَ عَفْوِكَ وَحَلَاوَةَ مُنَاجَاتِكَ۔

اے وہ ذات! جسے کوئی ایک کام دوسرے کام سے نہیں پھیرتا نہ ایک بات سننا دوسری بات کے سننے سے مشغول رکھتا ہے اس پر آوازیں مشتبہ نہیں نہ مسائل میں غلطی لگتی ہے اور نہ اس پر زبانیں مختلف ہوتی ہیں اے وہ ذات! جو زاری کرنے والوں کی زاری سے بے قرار نہیں ہوتی اور نہ سوال کرنے والوں کا سوال اسے تنگ کرتا ہے ہمیں اپنے عفو و درگزر کی ٹھنڈک اور قبولیت دعا کی چاشنی چکھا۔

جو دعا مناسب سمجھے مانگے اپنے لیے اور اپنے والدین نیز تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بخشش طلب کرے دعا میں زاری کرے اور خوب مانگے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی چیز بڑی نہیں حضرت مطرف بن عبداللہ عرفات میں تھے اور یوں کہہ رہے تھے۔

اے اللہ! تو میری وجہ سے ان سب لوگوں کی دعا کو رد نہ کرنا اور حضرت بکر مزنی نے فرمایا کہ ایک شخص نے کہا

(۱) قرآن مجید، سورۂ انفال آیت ۳۸

جب میں نے عرفات والوں کی طرف نظر کی تو مجھے خیال ہوا کہ اگر میں نہ ہوتا تو ان سب کی بخشش ہو جاتی۔

ساتواں ادب: حج کے باقی اعمال۔

وقوف کے بعد (مزدلفہ میں) رات گزارنا کنکریاں مارنا قربانی کرنا، سر منڈوانا اور طواف کرنا۔

جب غروب آفتاب کے بعد عرفات سے واپس لوٹے تو سکون اور وقار کے ساتھ واپسی ہونی چاہیے گھوڑوں اور اونٹوں کو نہ دوڑائے جیسے بعض لوگوں کی عادت ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو دوڑانے اور اونٹوں کو تیز چلانے سے منع فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اچھی طرح چلو کسی کمزور نہ روندو اور نہ کسی مسلمان کو اذیت دو(۱)

جب مزدلفہ میں پہنچے تو اس کے لیے غسل کرے کیوں کہ مزدلفہ حرم کا حصہ ہے لہذا وہاں غسل کر کے داخل ہو اگر وہاں پیدل داخل ہونے پر قادر ہو تو یہ افضل ہے۔ اور اس میں حرم کی عزت افزائی زیادہ ہے راستے میں بلند آواز سے تلبیہ کہے جب مزدلفہ میں پہنچے تو یوں کہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذِہٖ مُزْدَلِفَۃُ جُمِعَتْ فِیْھَا اَلْسِنَۃٌ مُّخْتَلِفَۃٌ نَسْأَلُکَ حَوَائِجَ مُؤْتَنِفَۃً فَاجْعَلْنِیْ مِمَّنْ دَعَاکَ فَاسْتَجَبْتَ لَہٗ وَتَوَکَّلَ عَلَیْکَ فَکَفَیْتَہٗ۔

اے اللہ! یہ مزدلفہ ہے جس میں مختلف زبانوں کے لوگ جمع ہیں ہم تجھ سے از سر نو حاجات کا سوال کرتے ہیں پس مجھے ان لوگوں میں سے کر دے جنہوں نے تجھے پکارا تو ان کی دعا قبول کی گئی۔ اور تجھ پر بھروسہ کیا تو تو نے کفایت فرمائی۔

پھر مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کرے اور قصر کرے (اگر مسافر ہو) دونوں نمازوں کے درمیان نفل نہ پڑھے البتہ دونوں فرض نمازیں ادا کرنے کے بعد مغرب اور عشاء کی سنتوں اور وتر نماز کو جمع کرے پہلے مغرب کی سنتیں اور پھر عشاء کی سنتیں پڑھے جیسے فرض نماز میں کیا تھا کیونکہ سفر میں سنتوں اور نوافل کو چھوڑنا ظاہری نقصان ہے۔ اور انہیں اپنے اپنے وقت پر ادا کرنے کا حکم دینا تکلیف پہنچانا ہے نیز فرائض اور ان کے درمیان جو ترتیب ہے یعنی نفل فرض کے تابع ہیں اسے ختم کرنا ہے جب تابع ہونے کے اعتبار سے ایک تیمم کے ساتھ نوافل کو فرائض کے ساتھ ادا کیا جا سکتا ہے تو فرائض کے تابع کر کے ان کو اکٹھا پڑھنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے اور اس بات سے نوافل کا فرائض سے بعض امور میں جدا ہونا رکاوٹ نہیں بنتا مثلاً نفل سواری پر ادا ہو جاتے ہیں جب کہ فرائض ادا نہیں ہوتے یہ اس لیے رکاوٹ نہیں کہ یہ فرض نماز کے تابع ہیں اور حاجت بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۰۱ مرویات اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

پھر رات مزدلفہ میں گزارے کیونکہ یہ بھی حج کے احکام میں سے ہے اور جو آدمی اس رات کے پہلے نصف میں وہاں سے نکل جائے اور وہاں رات نہ گزارے تو اس پر دم (جانور ذبح کرنا) لازم ہو جاتا ہے اور اگر ممکن ہو تو اس رات کو عبادت کے ساتھ زندہ رکھنا نہایت عمدہ عبادات سے ہے۔

پھر جب نصف رات گزر جائے تو جانے کی تیاری کرے وہاں سے کنکریاں حاصل کرے کیونکہ وہاں نرم پتھر ہیں ستر کنکریاں چُنے کیونکہ اسی قدر ضرورت ہے۔ زیادہ لینے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ بعض اوقات کوئی کنکری گر جاتی ہے کنکریاں ہلکی پھلکی ہوں کہ انگلیوں کے پوروں پر آسکیں پھر اندھیرے میں صبح کی نماز پڑھے اور چل پڑے یہاں تک کہ جب مشعر حرام کے پاس پہنچے اور وہ مزدلفہ کا آخری حصہ ہے (یعنی مکہ مکرمہ کی جانب) وہاں کھڑا ہو کر صبح کے روشن ہونے تک دعا مانگے اور یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَالْبَيْتِ الْحَرَامِ وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالرُّكْنِ وَالْمَقَامِ اَبْلِغْ رُوْحَ مُحَمَّدٍ مِّنَّا تَحِيَّةً وَّالسَّلَامَ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

اے اللہ! مشعر حرام، بیت اللہ شریف اور عزت والے مہینے، رکن اور مقام ابراہیم کے صدقے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو ہماری طرف سے سلام پہنچا اور ہمیں سلامتی کے گھر میں داخل کر اے بزرگی اور عزت والے۔

پھر وہاں سے طلوع آفتاب سے پہلے چل پڑے حتیٰ کہ اس جگہ پہنچے جسے وادی محسر کہتے ہیں اب سواری کو تیز کرنا مستحب ہے حتیٰ کہ وادی سے نکل جائے اور اگر پیدل ہو تو تیز تیز چلے پھر یوم نحر کی صبح تلبیہ کو تکبیر کو ساتھ ملادے یعنی کبھی تلبیہ کہے اور کبھی تکبیر، اور منیٰ پہنچ جائے۔ جمرات (کنکریاں مارنے) کی جگہیں تین ہیں پہلے اور دوسرے ستون سے گزر جائے کیونکہ قربانی کے دن ان دونوں سے کوئی سروکار نہیں حتیٰ کہ جمرۂ عقبہ کے پاس پہنچ جائے اور قبلہ رُخ ہوں تو یہ دائیں جانب راستے میں پہاڑ کے نیچے کچھ بلندی پر ہے اور کنکریوں کی جگہوں میں سے یہ واضح ہے ایک نیزہ سورج بلند ہونے کے بعد جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارے۔ (۱)

کنکریاں مارنے کا طریقہ:

کنکریاں مارنے کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رُخ کھڑا ہو اور اگر جمرہ (ستون) کی طرف رُخ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں (بلکہ آج کل یہی طریقہ بہتر ہے) ہاتھ بلند کر کے سات کنکریاں مارے اور تلبیہ کو تکبیر میں بدل دے اور ہر کنکری کے ساتھ کہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى طَاعَةِ الرَّحْمٰنِ وَرَغْمِ — اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، رحمٰن کی فرمانبرداری اور

---

(۱) آج کل وہاں پُل بنا ہوا جس کے نیچے بھی کنکریاں مار سکتے ہیں اور اوپر سے بھی۔

الشَّیْطَانِ اَللّٰھُمَّ تَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَ اِتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِیِّکَ۔ شیطان کی مخالفت پر کنکریاں مار رہا ہوں یا اللہ! میں تیری کتاب کی تصدیق کرتا اور تیرے نبی کی سنت پر چلتا ہوں۔

جب کنکریاں مارنا شروع کرے تو تلبیہ تکبیر کہنا چھوڑ دے البتہ فرض نمازوں کے بعد تکبیر کہے اور یہ یوم نحر کی فجر سے ایام تشریق میں سے آخری دن (تیرہ ذوالحجہ) کی عصر تک ہیں آج کے دن دعا کے لیے وہاں نہ ٹھہرے بلکہ اپنی منزل میں دعا مانگے تکبیر کا طریقہ یہ ہے کہ یہ الفاظ کہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بہت تعریف ہے میں صبح و شام اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں میں خالص اسی کی عبادت کرتا ہوں اگرچہ کافروں کو ناپسند ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کیا اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا، دشمن کو بھگایا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔

☆ ☆ ☆

پھر اگر قربانی کا جانور ساتھ ہو تو اسے ذبح کرے بہتر یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اور یہ الفاظ پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَبِكَ وَاِلَيْكَ تَقَبَّلْ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِيْلِكَ اِبْرَاهِيْمَ (علیہ السلام)

اللہ تعالیٰ کے نام سے (ذبح کرتا ہوں) اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اے اللہ! تیری طرف سے اور تیری طرف ہے مجھ سے قبول فرما جیسا کہ تو نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبول کیا۔

☆ ☆ ☆

اونٹوں کی قربانی افضل ہے پھر گائے اور پھر بکری کی۔ لیکن اونٹ اور گائے میں باقی چھ آدمیوں کو شریک کرنے کی نسبت بکری کی قربانی افضل ہے اور بکری کی نسبت دنبہ افضل ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَيْرُ الْاُضْحِيَةِ الْكَبْشُ الْاَقْرَنُ (۱)

بہترین قربانی سینگوں والا مینڈھا ہے

سفید دنبہ مٹیالے اور سیاہ رنگ والے سے افضل ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قربانی میں ایک سفید دنبہ دو سیاہ دنبوں سے افضل ہے اگر یہ نفلی قربانی ہے تو اس سے کھا سکتا ہے۔ ایسے جانور کی قربانی نہ کرے

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۴۰۳ کتاب الجنائز

جس کا کان نیچے یا اوپر سے کٹا ہوا ہو۔ سینگ ٹوٹا ہوا ہو یا پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور نہ ایسا کمزور جانور ہو جس کی ہڈیوں میں مغز نہ رہا ہو۔

پھر اس کے بعد سر منڈوائے اور سنت یہ ہے کہ قبلہ رُخ ہو اور سر کے اگلے حصے سے ابتدا کرے دائیں طرف سے سر کو گُدی پر اُٹھی ہوئی دو ہڈیوں تک مونڈوا دے پھر باقی حصے کو منڈوائے اور یہ الفاظ پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اَثْبِتْ لِیْ بِکُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةً وَّامْحُ عَنِّیْ بِهَا سَیِّئَةً وَّارْفَعْ لِیْ بِهَا عِنْدَكَ دَرَجَةً۔

اے اللہ! ہر بال کے بدلے میرے لیے ایک نیکی لکھ دے ایک گناہ مٹا دے اور اپنے ہاں ہر بال کے بدلے ایک درجہ بلند کر دے۔

عورت بالوں کو کٹوائے اور گنجے کے لیے مستحب ہے کہ سر پہ اُسترا پھیروائے۔ جب جمرہ کو کنکریاں مارنے کے بعد سر منڈوالے تو اب وہ احرام سے اس طرح نکل گیا کہ اب اس کے لیے احرام کے تمام ممنوعات حلال ہو گئے البتہ بیوی کا قرب اور شکار ابھی جائز نہیں۔

پھر مکہ مکرمہ واپس آئے اور اس طرح طواف کرے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے اور یہ طواف، حج میں فرض ہے اور اسے طوافِ زیارت کہتے ہیں اس کا پہلا وقت قربانی کی رات کے نصف کے بعد ہے اور افضل وقت قربانی کا دن ہے اور اس کے لیے آخری وقت مقرر نہیں بلکہ جس وقت تک چاہے مؤخر کر سکتا ہے لیکن احرام کی قید باقی رہے گی اور جب تک طواف نہیں کرے گا عورت حلال نہیں ہوگی جب طواف کر لیا تو احرام سے باہر آنے کی تکمیل ہو گئی اب جماع بھی حلال ہو گیا اور احرام سے مکمل طور پہ باہر آ گیا اب صرف ایامِ تشریق کی رمی (کنکریاں مارنا) اور منٰی میں رات گزارنا باقی ہے احرام سے نکلنے کے بعد اب یہ حج کی اتباع میں واجب ہے اس طواف کا طریقہ اسی طرح ہے جو طوافِ قدوم میں گزر گیا اور دو رکعتیں بھی پڑھے گا جب دو رکعتیں پڑھ چکے تو سعی کرے جیسا کہ ہم نے بیان کیا لیکن یہ اسی صورت میں ہے جب طوافِ قدوم کے بعد سعی نہ کی ہو۔ اور اگر پہلے سعی کر چکا ہو تو یہ واجب سعی ادا ہو گئی اب دوبارہ نہیں کرنی چاہیے۔

احرام سے نکلنے کے اسباب تین ہیں۔ کنکریاں مارنا، سر منڈوانا اور فرض طواف کرنا۔ جب ان تین میں سے دو باتیں پائی جائیں تو دو میں سے ایک حلت پائی گئی، ان تینوں امور کو آگے پیچھے کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن زیادہ اچھا یہ ہے کہ پہلے کنکریاں مارے پھر ذبح کرے پھر سر منڈوائے اور پھر طواف کرے (۱)

امام کے لیے اس دن سنت یہ ہے کہ زوال کے بعد خطبہ دے یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا الوداعی خطبہ تھا۔ اور حج کے موقعہ پر چار خطبے ہیں (۱) ساتویں ذوالحجہ کا خطبہ، (۲) نویں ذوالحجہ کا خطبہ (۳) قربانی کے دن کا خطبہ اور

---

(۱) احناف کے نزدیک ان امور میں ترتیب محض مستحب نہیں بلکہ واجب ہے ۱۲ ہزاروی

(۴) منیٰ سے واپسی کے پہلے دن (بارہویں ذوالحجہ) کا خطبہ (۱)۔ یہ تمام خطبات زوال کے بعد ہوتے چاہیں البتہ عرفات میں دو خطبے ہوں گے اور ان کے درمیان بیٹھنا ہے۔

پھر جب طواف سے فارغ ہو جائے تو رات گزارنے اور کنکریاں مارنے کے لیے منیٰ واپس چلا جائے یہ رات بھی وہیں گزارے اور یہ "لیلۃ القر" (ٹھہرنے کی رات) کہلاتی ہے کیونکہ آئندہ روز لوگ وہاں ٹھہرتے ہیں اور واپس نہیں آتے جب عید کا دوسرا دن ہو اور سورج ڈھل جائے تو کنکریاں مارنے کے لیے غسل کرے اور پہلے ستون جو عرفات کی جانب ہے، کا قصد کرے اور یہ گزرگاہ کی دائیں جانب ہے اسے سات کنکریاں مارے جب اس سے آگے نکل جائے تو راستے کی دائیں جانب سے کچھ ہٹ کر قبلہ رُخ ہو کر کھڑا ہو اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرے لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھے پھر دل کے حاضری اور اعضاء کے خشوع و عاجزی کے ساتھ دعا مانگے سورۂ بقرہ پڑھنے کی مقدار قبلہ رُخ کھڑا رہے اور دعا مانگے (اگر ممکن ہو) پھر جمرۂ وسطیٰ درمیانے ستون کی طرف جائے اور پہلے کی طرح اسے بھی کنکریاں مارے اور جس طرح پہلے کھڑا ہوا تھا یہاں بھی کھڑا ہو کر دعا مانگے۔ پھر جمرۂ عقبہ کی طرف بڑھے اسے سات کنکریاں مارے اور کسی عمل میں مشغول نہ ہو بلکہ اپنی رہائش گاہ کی طرف لوٹ آئے اور یہ رات بھی منیٰ میں گزارے اس رات کو "لیلۃ النفر الاول" (پہلے کوچ کی رات) کہتے ہیں۔ یہاں ہی صبح کرے گا پھر جب دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھ لے تو اس دن بھی اکیس کنکریاں مارے جس طرح گذشتہ روز ماری تھیں اب اسے اختیار ہے کہ منیٰ میں ٹھہرے یا مکہ مکرمہ کی طرف لوٹ آئے اگر غروب آفتاب سے پہلے واپسی ہو جائے تو اس پر کچھ بھی لازم نہ ہو گا اور رات تک ٹھہرا رہا تو اب وہاں سے نکلنا جائز نہیں بلکہ وہاں رات گزارنا ضروری ہے یہاں تک کہ دوسرے دن اکیس کنکریاں مارنے جیسے پہلے گزر چکا ہے۔ منیٰ میں رات نہ گزارنے اور کنکریاں نہ مارنے کی وجہ سے جانور ذبح کرنا لازم ہو جاتا ہے، اور اسے چاہیئے کہ اس کا گوشت صدقہ کر دے (خود نہ کھائے) منیٰ کی راتوں میں بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے جاسکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ رات منیٰ ہی میں گزارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے (۲) مسجد خیف (جو منیٰ میں ہے) میں امام کے ساتھ نماز کو نہ چھوڑے کیونکہ اس میں بہت زیادہ فضیلت ہے (بشرطیکہ امام صحیح العقیدہ ہو) (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۲۵۲ کتاب الحج۔

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۲ ص ۲۰۵ حدیث ۱۲۹۰۴

(۳) حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کے دور میں صورت حال مختلف تھی اب سعودی عرب میں نجدیوں کی حکومت کی وجہ سے محمد بن عبد الوہاب نجدی کے پیروکار مساجد پر مسلط ہیں اور ان کے عقائد امت مسلمہ کے عقائد سے مختلف ہی نہیں وہ عام مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی بھی قرار دیتے ہیں ۱۲ ہزاروی۔

پھر جب منیٰ سے واپس آئے تو وادی محصب میں ٹھہرے اور عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھے اور کچھ دیر سو جائے یہ سنت ہے (۱) صحابہ کرام کی ایک جماعت نے یہ بات روایت کی ہے اگر ایسا نہ بھی کرے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا

آٹھواں ادب عمرہ اور طواف وداع تک باقی امور:

جو شخص حج سے پہلے یا بعد میں عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ غسل کرکے احرام کے کپڑے پہنے جیسے حج کے ضمن میں بیان ہوا اور میقات سے عمرے کا احرام باندھے۔ عمرے کا میقات جعرانہ ہے پھر تنعیم اور پھر حدیبیہ ہے،

عمرے کی نیت کرکے تلبیہ کہے اور مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا (جو تنعیم میں ہے) کا قصد کرے وہاں دو رکعتیں پڑھ کر دعا چاہے مانگے پھر تلبیہ کہتے ہوئے مکہ مکرمہ آجائے اور مسجد حرام میں داخل ہو جائے مسجد میں داخل ہوتے ہی تلبیہ چھوڑ دے اور سات چکر طواف کرے اور سعی کے سات پھیرے لگائے جیسے پہلے بیان ہوا جب فارغ ہو تو سر منڈوائے اس طرح عمرہ مکمل ہو گیا۔

جو شخص مکہ مکرمہ میں مقیم ہو وہ عمرے اور طواف کثرت کے ساتھ کرے اور بیت اللہ شریف کی طرف بہت زیادہ دیکھے اور اگر کبھی خوش قسمتی سے بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کا موقع نصیب ہو تو دو ستونوں کے درمیان دو رکعتیں پڑھے افضل ہے اور وہاں ننگے پاؤں تعظیم کے ساتھ داخل ہو۔ کسی برگزیدہ شخص سے پوچھا گیا کہ کیا آپ بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں ان دو قدموں کو بیت اللہ شریف کے گرد طواف کے قابل نہیں سمجھتا تو میں کس طرح ان کو اس بات کا اہل سمجھوں کہ ان کے ساتھ اپنے رب کے گھر کو پامال کروں۔ اور مجھے معلوم ہے کہ میرے یہ دونوں پاؤں کہاں چلے اور کس طرف کو چلے ہیں؟

آب زمزم زیادہ سے زیادہ پینا چاہیے اگر ممکن ہو تو ہاتھ سے ڈول نکالے دوسروں سے مدد نہ لے (اب یہ صورت نہیں کیوں کہ اب موٹر کے ذریعے پانی باہر آتا ہے کنواں بند ہے اور ٹونٹیوں کے ذریعے پانی حاصل ہوتا ہے ۱۲ ہزاروی) خوب سیر ہو کر پانی پیئے اور یہ دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ شِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ وَّسُقْمٍ وَّارْزُقْنِي الْإِخْلَاصَ وَالْيَقِيْنَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔	یا اللہ! اسے ہر بیماری سے شفا بنا دے اور مجھے اخلاص یقین اور دنیا و آخرت میں عافیت عطا فرما۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهٗ۔ (۲)	آب زمزم اسی مقصد کے لیے ہے جس کے لیے پیا جائے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۳۶ کتاب الحج

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۲۶ ابواب المناسک

یعنی جس بیماری کا قصد کیا جائے اس سے شفا حاصل ہوتی ہے۔

نواں ادب: طواف وداع:

جب وہ فراغت کے بعد وطن کی طرف لوٹنا چاہیے تو پہلے باقی تمام کام ختم کرے اور سواری پر کجاوہ وغیرہ کس لے اور بیت اللہ شریف سے رخصت ہونا سب سے آخری کام ہونا چاہیئے اس رخصتی کا طریقہ یہ ہے کہ طواف کے سات چکر لگائے لیکن اس میں رمل اور اضطباع نہ ہو، (نہ پہلوانوں کی طرح چلے اور نہ چادر کو بغل کے نیچے سے لے جا کر بائیں کاندھے پر ڈالے) جب طواف سے فارغ ہو تو مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں پڑھے اور آبِ زمزم نوش کرے پھر ملتزم کے پاس آکر دعا مانگے اور گڑگڑاتے ہوئے یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْبَيْتَ بَيْتُكَ وَالْعَبْدَ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ، حَمَلْتَنِيْ عَلٰى مَا سَخَّرْتَ لِيْ مِنْ خَلْقِكَ حَتّٰى سَيَّرْتَنِيْ فِيْ بِلَادِكَ وَبَلَّغْتَنِيْ بِنِعْمَتِكَ حَتّٰى اَعَنْتَنِيْ عَلٰى قَضَاءِ مَنَاسِكِكَ، فَاِنْ كُنْتَ رَضِيْتَ عَنِّيْ فَازْدَدْ عَنِّيْ رِضًا، وَاِلَّا فَمُنَّ الْاٰنَ قَبْلَ تَبَاعُدِيْ عَنْ بَيْتِكَ، هٰذَا اَوَانُ انْصِرَافِيْ اِنْ اَذِنْتَ لِيْ غَيْرَ مُسْتَبْدِلٍ بِكَ وَلَا بِبَيْتِكَ وَلَا رَاغِبٍ عَنْكَ وَلَا عَنْ بَيْتِكَ، اَللّٰهُمَّ اَصْحِبْنِي الْعَافِيَةَ فِيْ بَدَنِيْ، وَالْعِصْمَةَ فِيْ دِيْنِيْ، وَاَحْسِنْ مُنْقَلَبِيْ، وَارْزُقْنِيْ طَاعَتَكَ اَبَدًا مَا اَبْقَيْتَنِيْ، وَاجْمَعْ لِيْ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ هٰذَا اٰخِرَ عَهْدِيْ بِبَيْتِكَ الْحَرَامِ، وَاِنْ جَعَلْتَهٗ اٰخِرَ عَهْدِيْ فَعَوِّضْنِيْ عَنْهُ الْجَنَّةَ۔

یا اللہ! بے شک بیت اللہ شریف تیرا گھر ہے اور یہ بندہ تیرا بندہ ہے تیرے بندے اور باندی کا بیٹا ہے تو نے مجھے اس چیز پر سوار کیا جسے تو نے میرے لیے مسخر کیا حتی کہ تو نے مجھے اپنے شہروں کی سیر کرائی مجھے اپنی نعمت عطا کی حتی کہ تو نے مناسکِ حج کو پورا کرنے پر میری مدد کی۔ اگر تو مجھ سے راضی ہے تو مزید رضا عطا فرما ورنہ اس گھر سے الگ ہونے سے پہلے پہلے مجھ پر احسان فرما یہ میری واپسی کا وقت ہے اگر تو مجھے اجازت دے اس حال میں کہ میں تیری جگہ کسی اور کو اختیار نہ کروں نہ تیرے گھر کی جگہ دوسرا گھر تلاش کروں تجھ سے اور تیرے گھر سے منہ پھیرنے والا بھی نہ ہو جاؤں یا اللہ! مجھے میرے بدن میں عافیت اور دین میں حفاظت عطا فرما میری واپسی کو اچھا بنا دے اور جب تک مجھے باقی رکھے اپنی اطاعت کی توفیق دے میرے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی جمع کر دے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ یا اللہ! بیت اللہ شریف کی میری اس حاضری کو آخری نہ بنانا اور اگر تو نے اسے میری آخری حاضری قرار دیا ہے تو اس کے بدلے مجھے جنت عطا کر۔

مستحب یہ ہے کہ جب تک بیت اللہ شریف سے غائب نہ ہو اس سے نگاہ نہ پھیرے۔

دسواں ادب مدینہ طیبہ کی زیارت اور اس کے آداب:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَارَنِي بَعْدَ وَفَاتِي فَكَاَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي۔ (۱)

جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يَفِدْ اِلَيَّ فَقَدْ جَفَانِي۔ (۲)

اور جو شخص نے طاقت کے باوجود میری طرف نہ آیا اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

اور آپ نے فرمایا:

مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَمْ يَهُمَّهُ اِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهُ اَنْ اَكُونَ لَهُ شَفِيعًا۔ (۳)

جو شخص میری زیارت کے لیے آئے اور میری زیارت کے سوا اس کا کوئی مقصد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ میں اس کا شفیع بنوں۔

جو آدمی مدینہ طیبہ کی زیارت کا ارادہ کرے تو وہ راستے میں کثرت سے درود شریف پڑھے۔

جب مدینہ طیبہ کی دیواروں اور درختوں پر نظر پڑے تو یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُ رَسُوْلِكَ فَاجْعَلْهُ لِيْ وِقَايَةً مِّنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ۔

یا اللہ! یہ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم پاک ہے اسے میرے لیے آگ سے بچنے تیز عذاب اور برے حساب سے امن کا باعث بنا۔

داخلے سے پہلے مرہ سے غسل کرے اور خوشبو لگائے اور نہایت پاک صاف کپڑے پہنے اور جب داخل ہو تو تواضع کے ساتھ اور تعظیم بجالاتے ہوئے داخل ہو اور یوں کہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ

اللہ تعالیٰ کے نام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر داخل ہوتا ہوں اے میرے رب مجھے

---

(۱) سنن دار قطنی جلد ۲ ص ۲۷۸ حدیث ۱۹۳

(۲) تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ جلد ۲ ص ۱۷۲ کتاب الحج

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۲ ص ۲۹۱ حدیث ۱۳۱۴۹

مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا۔ — سچائی کے ساتھ داخل کر اور سچائی کے ساتھ باہر لانا اور میرے لیے اپنی طرف سے مددگار غلبہ بنا دے۔

پھر مسجد شریف کا قصد کرے اور وہاں داخل ہو منبر شریف کے پاس دو رکعتیں پڑھے منبر شریف کے پائے کو اپنے داہنے کاندھے کے مقابل رکھے اور منہ اس ستون کی طرف کرے جس طرف صندوق ہے مسجد شریف کے قبلہ میں جو دائرہ ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہو، مسجد کی تبدیلی سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اور کوشش کرے کہ مسجد کے اس حصے میں نماز ادا کرے جو توسیع سے پہلے (شروع شروع میں) تھی۔

روضۂ مطہرہ پہ حاضری

پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس آئے آپ کے رُخِ انور کے سامنے کھڑا ہو یعنی قبلہ کی طرف پیٹھ ہو اور روضہ شریف کی دیوار کی طرف رُخ کر کے اس ستون سے چار گز کے فاصلے پر کھڑا ہو جو روضہ شریف کی دیوار میں ہے قندیل سر کے اوپر رہے اور دیوار کو ہاتھ لگانا یا بوسہ دینا سنت نہیں بلکہ دور کھڑا ہونے میں زیادہ احترام ہے۔ پس وہاں کھڑا ہو کر یوں سلام پیش کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْنَ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَفْوَةَ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيَرَةَ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَحْمَدُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَاحِيْ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَاقِبُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَاشِرُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَشِيْرُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَذِيْرُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا طُهْرُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا طَاهِرُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَكْرَمَ وُلْدِ اٰدَمَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا قَائِدَ الْخَيْرِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا فَاتِحَ

اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو، اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام ہو، اے اللہ کے امانت دار آپ پر سلام ہو، اے اللہ کے حبیب! آپ پر سلام ہو، اے اللہ کے چنے ہوئے آپ پر سلام ہو، اے اللہ کی بہتر مخلوق! آپ پر سلام ہو، اے احمد! آپ پر سلام ہو، اے اللہ کی بہترین مخلوق! آپ پر سلام ہو، اے احمد! آپ پر سلام ہو، اے محمد! آپ پر سلام ہو، اے ابوالقاسم! آپ پر سلام ہو، اے گناہوں کو مٹانے والے! آپ پر سلام ہو، اے سب سے آخر میں آنے والے! آپ پر سلام ہو، اے جمع کرنے والے! آپ پر سلام ہو، اے خوشخبری دینے والے! آپ پر سلام ہو، اے ڈرانے والے! آپ پر سلام ہو، اے پاکیزہ ذات! آپ پر سلام ہو، اے طاہر! آپ پر سلام ہو، اے اولاد آدم میں سے سب سے زیادہ مکرم! آپ پر سلام ہو، اے رسولوں کے سردار! آپ پر سلام، اے سب سے آخری نبی! آپ پر سلام ہو، اے رب العالمین کے

الْبِرِّ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ الرَّحْمَةِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا هَادِيَ الْاُمَّةِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا قَائِدَ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ الَّذِيْنَ اَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيْرًا، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَصْحَابِكَ الطَّيِّبِيْنَ وَعَلٰى اَزْوَاجِكَ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ، جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزٰى نَبِيًّا عَنْ قَوْمِهٖ وَرَسُوْلًا عَنْ اُمَّتِهٖ وَصَلّٰى عَلَيْكَ كُلَّمَا ذَكَرَكَ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْكَ الْغَافِلُوْنَ، وَصَلّٰى عَلَيْكَ فِي الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اَفْضَلَ وَاَكْمَلَ وَاَعْلٰى وَاَجَلَّ وَاَطْيَبَ وَاَطْهَرَ مَا صَلّٰى عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ، كَمَا اسْتَنْقَذَنَا بِكَ مِنَ الضَّلَالَةِ، وَبَصَّرَنَا بِكَ مِنَ الْعَمَايَةِ، وَهَدَانَا بِكَ مِنَ الْجَهَالَةِ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَاَمِيْنُهٗ وَصَفِيُّهٗ، وَخِيَرَتُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ، وَاَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ، وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ، وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ، وَجَاهَدْتَ عَدُوَّكَ، وَهَدَيْتَ اُمَّتَكَ، وَعَبَدْتَ رَبَّكَ حَتّٰى اَتَاكَ الْيَقِيْنُ، فَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ الطَّيِّبِيْنَ وَسَلَّمَ وَشَرَّفَ وَكَرَّمَ وَعَظَّمَ۔

بھیجے ہوئے! آپ پر سلام ہو، اے بھلائی کے قائد! آپ پر سلام ہو، اے نیکی کا دروازہ کھولنے والے! آپ پر سلام ہو، اے نبیٔ رحمت! آپ پر سلام ہو، امت کے ہادی! آپ پر سلام ہو، اے چمکتے چہروں والوں کے قائد! آپ پر سلام ہو آپ پر سلام ہو اور آپ کے اہل بیت پر جن سے اللہ تعالیٰ نے ناپاکی کو دور کیا اور انہیں خوب پاک کیا۔ آپ پر سلام ہو اور آپ کے پاکیزہ صحابہ کرام پر اور آپ کی پاک ازواج پر جو مومنوں کی مائیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو اس سے بھی افضل جزا عطا فرمائے جو اس نے کسی نبی کو اس کی قوم کی طرف سے اور کسی رسول کو اس کی امت کی طرف سے عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت نازل فرمائے جب بھی یاد کرنے والے آپ کو یاد کریں اور جب بھی غافل لوگ آپ سے غافل رہیں۔ اللہ تعالیٰ پہلوں اور پچھلوں میں آپ پر وہ رحمت نازل فرمائے جو کسی مخلوق پر نازل ہونے والی رحمت سے زیادہ فضیلت والی، زیادہ کامل، زیادہ بلند اور زیادہ پاک ہو۔ جس طرح اس نے ہمیں آپ کے ذریعے گمراہی سے نکالا اور آپ کے سبب ہمیں اندھے پن سے بچا کر بینائی عطا کی۔ آپ کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں ہدایت دی ہیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اس کے بندے اور رسول ہیں اس کے امانت دار اور چنے ہوئے اور مخلوق میں سے بہتر ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اس کا پیغام دیا، امانت ادا کر دی، امت کی خیر خواہی کی، اپنے دشمن کے خلاف جہاد کیا، امت

کو ہدایت دی اور وفات تک اپنے رب کی عبادت کی پس آپ پر اور آپ کی پاکیزہ آل پر اللہ تعالیٰ کی رحمت

اور سلام ہو نیز ان کے لیے شرافت، کرم اور عظمت ہو اور اگر کسی آپ کی بارگاہ میں سلام پہنچانے کی نصیحت کی ہو تو اس طرح کہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ فُلَانٍ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ فُلَانٍ۔ فلاں کی طرف سے آپ کو سلام پہنچے فلاں کی طرف سے آپ کو سلام ہو۔

پھر ایک گز کے فاصلے پر ہٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں سلام پیش کرے کیونکہ ان کا سر مبارک حضور علیہ السلام کے کاندھے مبارک کے پاس ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سر انور، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کاندھے مبارک کے پاس ہے۔

پھر ایک گز کا فاصلہ پر ہٹ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام پیش کرے اور یوں کہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا وَزِيْرَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُعَاوِنَيْنِ لَهٗ عَلَى الْقِيَامِ بِالدِّيْنِ مَادَامَ حَيًّا وَالْقَائِمَيْنِ بِاُمَّتِهٖ بَعْدَهٗ بِاُمُوْرِ الدِّيْنِ تَتَّبِعَانِ فِيْ ذٰلِكَ آثَارَهٗ وَتَعْمَلَانِ بِسُنَّتِهٖ فَجَزَاكُمَا اللّٰهُ خَيْرَ مَا جَزٰى وَزِيْرَيْ نَبِيٍّ عَنْ دِيْنِهٖ۔

اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وزیرو! اور جب تک آپ زندہ تھے دین کے معاملے میں آپ کی مدد کرنے والو! اور آپ کے بعد امت کے لیے امور دین قائم کرنے والو! تم دونوں پر سلام ہو اس سلسلے میں تم حضور علیہ السلام کے نقش قدم پر چلے اور آپ کی سنت کے مطابق عمل کیا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے دو وزیروں کو اس کے دین کے اعتبار سے جو جزا دی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

❊ ❊ ❊

پھر واپس لوٹ کر سرکار دو عالم کی قبر شریف اور آج کل حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ کے زمانے میں جو ستون ہے اس کے درمیان آپ کے سر انور کے سامنے کھڑا ہو۔ اور قبلہ رُخ ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور بزرگی بیان کرے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھے پھر کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (۱) اَللّٰهُمَّ

یا اللہ! تو نے فرمایا اور تیری بات سچی ہے کہ اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس آئیں پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے بخشش طلب کریں تو اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۶۴

إِنَّا قَدْ سَمِعْنَا قَوْلَكَ وَاَطَعْنَا اَمْرَكَ وَقَصَدْنَا نَبِيَّكَ مُتَشَفِّعِيْنَ بِهٖ إِلَيْكَ فِيْ ذُنُوْبِنَا وَمَا اَثْقَلَ ظُهُوْرَنَا مِنْ اَوْزَارِنَا تَائِبِيْنَ مِنْ زَلَلِنَا مُعْتَرِفِيْنَ بِخَطَايَانَا وَتَقْصِيْرِنَا فَتُبْ اَللّٰهُمَّ عَلَيْنَا وَشَفِّعْ نَبِيَّكَ هٰذَا فِيْنَا وَارْفَعْنَا بِمَنْزِلَتِهٖ عِنْدَكَ وَحَقِّهٖ عَلَيْكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَاغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْهُ آخِرَ الْعَهْدِ مِنْ قَبْرِ نَبِيِّكَ وَمِنْ حَرَمِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

کرنے والا مہربان پائیں گے۔ یا اللہ ہم نے تیرا کلام سنا اور تیرے حکم کو مانا، تیرے نبی کا قصد لیا ہم اپنے گناہوں اور ان گناہوں کے بارے میں ان کو شفیع بناتے ہیں جنہوں نے ہماری پیٹھوں پر نوبوجھل کر دیا ہم اپنی لغزشوں سے توبہ کرتے ہیں اپنی خطاؤں اور کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہیں یا اللہ! ہماری توبہ قبول فرما ہمارے حق میں اپنے نبی کی سفارش کو قبول فرما ان کے اس درجہ جو تیرے ہاں ہے اور اس حق کے وسیلے سے جو تجھ پر ہے ہماری توبہ قبول فرما یا اللہ! مہاجرین و انصار کو بخش دے ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے چلے گئے یا اللہ! اپنے نبی کی قبر انور اور اپنے حرم شریف میں ہماری اس حاضری کو آخری حاضری نہ کرنا اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

٭ ٭ ٭

اس کے بعد ریاض الجنہ میں جائیے اور اس میں دو رکعتیں پڑھنے کے بعد جس قدر ممکن ہو کثرت سے دعا مانگیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَا بَيْنَ قَبْرِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ (۱)

میری قبر شریف اور منبر کے درمیان جنت کا ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض (حوض کوثر) پر ہے۔

منبر شریف کے پاس بھی دعا مانگیے اور مستحب ہے کہ اپنا ہاتھ نچلے پائے پر رکھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے وقت اپنا ہاتھ مبارک اسی جگہ رکھتے تھے (۲)

مستحب ہے کہ جمعرات کے دن احد شریف جائیے اور شہداء کرام کے قبروں کی زیارت کرے صبح کی نماز مسجد نبوی شریف میں پڑھ کے پھر نکل جائیے اور ظہر کی نماز کے لیے واپس آئیے۔ مسجد شریف میں فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا نہ چھوڑے اور ہر دن بارگاہ نبوی میں سلام پیش کرنے کے بعد جنت البقیع میں جائیے اور حضرت عثمان غنی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی قبروں کی زیارت کرے جنت البقیع ہی میں حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) حضرت محمد بن علی اور حضرت محمد

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ۲۵۳ فضائل مدینہ

جعفر رضی اللہ عنہم کے قبریں بھی ہیں مسجد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں نماز پڑھے اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی قبر شریف اور حضور کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کرے یہ تمام قبریں جنت البقیع میں ہیں (۱)

ہر ہفتے کے دن مسجد قبا شریف میں حاضری دے کیونکہ روایات میں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ حَتّٰى يَاْتِيَ مَسْجِدَ قُبَاءَ وَيُصَلِّيَ فِيْهِ كَانَ لَهٗ عِدْلُ عُمْرَةٍ۔ (۲)

جو شخص اپنے گھر (جہاں وہ ٹھہرا ہوا ہے) سے نکلے اور مسجد قبا میں آکر نماز پڑھے تو اس کے لیے ایک عمرے کا ثواب ہے۔

بئر اریس (ایک کنواں ہے) کے پاس آئے کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈالا تھا اور یہ مسجد کے پاس ہے اس سے وضو کرے اور اس کا پانی پیئے۔ مسجد فتح میں آئے اور یہ خندق کے پاس ہے اسی طرح دیگر مساجد اور تبرک مقامات پر حاضری دے کہا جاتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں تمام زیارت گاہیں اور مساجد تیس مقامات ہیں۔ شہر کے لوگ ان سے واقف ہیں جس قدر ممکن ہے ان کا ارادہ کرے اسی طرح ان کنوؤں پر بھی جانے کی کوشش کرے جن سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے، غسل کرتے اور پانی نوش فرماتے تھے۔ (۳)

یہ سات کنوئیں ہیں ان سے شفا اور حضور علیہ السلام کا تبرک حاصل کرے اگر حرم شریف کی تعظیم کی رعایت کے ساتھ وہاں ٹھہرنا ممکن ہو تو یہ بہت بڑی فضیلت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَصْبِرُ عَلٰى لَأْوَائِهَا وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۴)

جو شخص مدینہ طیبہ کی شدت اور سختی پر صبر کرتا ہے میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) افسوس کی بات یہ ہے کہ نجدی حکومت اور نجدی علماء کے خود ساختہ عقیدۂ توحید کی وجہ سے اب کسی قبر شریف کا پتہ نہیں چلتا چند قبروں کے علاوہ باقی پتھر ہی پتھر ہیں اور ان قبروں پر بھی کوئی علامت نہیں کہ یہ کس کی قبر ہے بعض کتب یا کسی کے بتانے سے کچھ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ حرمین شریفین کے تقدس کو بحال فرمائے آمین ۱۲ ہزاروی۔

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۰۳ کتاب الصلاۃ

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴۳ کتاب الزکوٰۃ

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۴۴ کتاب الحج

مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ فَاِنَّهُ لَنْ يَّمُوْتَ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(۱)

جو شخص مدینہ طیبہ میں فوت ہو سکتا ہو اسے وہاں فوت ہونا چاہیے کیونکہ جو آدمی مدینہ طیبہ میں (ایمان پر) فوت ہو گا میں قیامت کے دن اس کا سفارشی یا (فرمایا) گواہ ہوں گا۔

پھر جب اپنی مشغولیت سے فارغ ہو جائے اور مدینہ طیبہ سے جانے لگے تو مستحب یہ ہے کہ قبر انور پر حاضر ہو اور دعائے زیارت جس کا ذکر ہو چکا ہے دوبارہ مانگے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ دوبارہ حاضری نصیب فرمائے سفر میں سلامتی کی دعا مانگے پھر روضۂ صغیرہ میں دو رکعتیں پڑھے اور یہ وہ جگہ ہے کہ مسجد میں مقصورہ کے اضافہ سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کھڑے ہوتے تھے جب باہر آنے لگے تو پہلے بایاں پاؤں باہر نکالے پھر دایاں، اور یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّلَا تَجْعَلْهُ اٰخِرَ الْعَهْدِ بِنَبِيِّكَ وَحُطَّ اَوْزَارِيْ بِزِيَارَتِهٖ وَاَصْحِبْنِيْ فِيْ سَفَرِيَ السَّلَامَةَ وَيَسِّرْ رُجُوْعِيْ اِلٰى اَهْلِيْ وَوَطَنِيْ سَالِمًا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

(۲)

اے اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما اپنے نبی کی بارگاہ میں اس حاضری کو آخری حاضری نہ بنانا اور آپ کی زیارت کے صدقے میرے بوجھ اتار دے مجھے سفر میں سلامتی عطا فرما اہل وعیال اور وطن کی طرف میری واپسی کو سلامت رکھنا اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔

جس قدر ممکن ہو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں پر صدقہ کرے اور مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان مساجد جن کی تعداد تقریباً بیس ہے، ان میں جائے اور نماز پڑھے۔

سفر سے واپسی کے آداب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ یا حج یا عمرہ سے واپس تشریف لاتے تو ہر اونچی جگہ پر تین تکبیر کہتے اور یہ کلمات پڑھتے تھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور وہی لائق حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ہم رجوع کرنے والے ہیں توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اپنے رب کو

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۲۲ ابواب المناسک

وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (۱) سجدہ کرنے والے اور تعریف کرنے والے ہیں ہمارے رب نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندے کی مدد کی اور (دشمن کے) لشکروں کو تنہا بھگا دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

جب اپنے شہر کے قریب پہنچے تو سواری کو حرکت دے اور یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِهَا قَرَارًا وَّرِزْقًا حَسَنًا۔ (۲) اے اللہ! ہمیں اس شہر میں قرار اور اچھا رزق عطا فرما۔

پھر کسی کو بھیج کر گھر والوں کو اپنی آمد کی اطلاع کرے تاکہ یہ ان کے پاس اچانک نہ جائے سنت طریقہ یہی ہے رات کے وقت گھر والوں کے پاس نہ جائے۔

پھر جب شہر میں داخل ہو تو پہلے مسجد کا قصد کرے اور دو رکعتیں پڑھے یہی سنت ہے (۳) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔

جب گھر میں داخل ہو تو یوں کہے۔

تَوْبًا تَوْبًا لِرَبِّنَا اَوْبًا وَّلَا يُغَادِرُ عَلَيْنَا حَوْبًا۔ میں توبہ کرتا ہوں توبہ کرتا ہوں اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ ہم پر کوئی گناہ نہ چھوڑے (بلکہ معاف فرما دے)

* * *

جب گھر میں مطمئن ہو جائے تو اس بات کو نہ بھلائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام کیا کہ اسے اپنے پاک گھر اور حرم شریف اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت سے مشرف فرمایا اب اگر وہ غفلت لہو و لعب اور گناہوں میں مشغول ہو جائے گا تو گویا اس نے اس نعمت کی ناشکری کی۔ اور یہ مقبول حج کی علامت نہیں ہے بلکہ اس کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بے رغبت اور آخرت کی طرف متوجہ ہو اور بیت اللہ شریف کی ملاقات کے بعد اپنے رب کی ملاقات کے لیے تیاری کرے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۰۵ مرویات ابن عمر رضی اللہ عنہما

(۲) کنز العمال جلد ۴ ص ۱۳۵ حدیث ۳۸۱۵۷ -

(۳) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۸۳ کتاب الصلوٰۃ

تیسرا باب

دقیق آداب اور باطنی اعمال کا بیان

آداب دقیقہ اور یہ دس ہیں۔

۱۔ خرچ حلال مال سے ہو اور ہاتھ ایسی تجارت سے خالی ہو جو دل کو مشغول رکھتی اور خیالات کو متفرق کر دیتی ہے تاکہ اس کی پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو دل مطمئن ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی نشانیوں کی تعظیم کی طرف متوجہ ہو۔

اہل بیت کے طریق پر مروی ایک روایت میں ہے۔

اِذَا کَانَ اٰخِرُ الزَّمَانِ خَرَجَ النَّاسُ اِلَی الْحَجِّ اَرْبَعَۃَ اَصْنَافٍ سَلَاطِیْنُھُمْ لِلنُّزْھَۃِ وَاَغْنِیَاءُھُمْ لِلتِّجَارَۃِ وَفُقَرَاءُھُمْ لِلْمَسْاَلَۃِ وَقُرَّاءُھُمْ لِلسُّمْعَۃِ (۱)

جب آخری زمانہ ہوگا تو لوگ چار قسموں میں ہو کر حج کے لیے جائیں گے، حکمران سیر و تفریح کے لیے، مالدار تجارت کے لیے، فقراء مانگنے کے لئے اور قراء سنانے (اور ریاکاری) کے لیے۔

اس حدیث میں ایسی دنیوی اغراض کی طرف اشارہ ہے جو حج کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہیں اور یہ تمام باتیں فضیلت حج سے رکاوٹ ہیں اور خصوصی حج سے خارج کر دیتی ہیں بالخصوص جب یہ صورتیں خاص حج ہی سے وابستہ ہوں یعنی اجرت لے کر کسی دوسرے کے لیے حج کرے اور عمل آخرت کے بدلے دنیا طلب کرے، پرہیز گار لوگوں اور اہل دل نے اس بات کو ناپسند کیا ہے البتہ یہ کہ وہ مکہ مکرمہ کا ارادہ رکھتا ہو اور وہاں تک پہنچنے کے لیے اس کے پاس مال نہ ہو تو اس مقصد کے لیے لینے میں کوئی حرج نہیں یہ مقصد نہ ہو کہ وہ دین کے ذریعے دنیا کو حاصل کرے بلکہ دنیا کے ذریعے دین مقصود ہو۔ اس وقت اس کا ارادہ بیت اللہ شریف کی زیارت ہونا چاہئے نیز یہ کہ اپنے مسلم بھائی سے فرض کو ساقط کرتے ہیں اس کی مدد کرے۔

اسی سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

یُدْخِلُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِالْحَجَّۃِ الْوَاحِدَۃِ ثَلَاثَۃً اَلْجَنَّۃَ اَلْمُوْصِیْ بِھَا وَالْمُنَفِّذُ لَھَا

اللہ تعالیٰ ایک حج کے ذریعے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا اس کی وصیت کرنے والا دوسرا

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۵ ص ۴۴۴ حدیث ۸۶۸۹

وَمَنْ حَجَّ بِهَا عَنْ أَخِيهِ۔ (۱)

اسے نافذ کرنے والا اور تیسرا وہ جو اس (وصیت) کے مطابق اپنے بھائی کی طرف سے حج کرتا ہے۔

میں (حضرت امام غزالی رحمہ اللہ) یہ نہیں کہتا کہ اجرت لینا حلال نہیں یا یہ کہ اپنی طرف سے حج کرنے کے بعد یہ عمل حرام ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ وہ ایسا نہ کرے۔ اور اسے کمائی کا ذریعہ اور تجارت نہ بنائے بے شک اللہ تعالیٰ دین (کی خدمت) کے بدلے دنیا عطا کرتا ہے لیکن دنیا کے بدلے دین نہیں دیتا۔ (مقصد یہ ہے کہ دنیوی مقاصد کے لیے کام کرکے آخرت حاصل کرنا چاہے تو ایسا نہیں ہو سکتا)

ایک حدیث شریف میں ہے۔

مَثَلُ الَّذِي يَغْزُوْ فِي سَبِيْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَيَأْخُذُ أَجْرًا مَثَلُ أُمِّ مُوْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ تُرْضِعُ وَلَدَهَا وَتَأْخُذُ أَجْرَهَا۔ (۲)

اس شخص کی مثال جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کر کے اجرت حاصل کرتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی مثل ہے جنہوں نے اپنے بیٹے کو دودھ پلایا اور اجرت بھی حاصل کی۔

تو حج پر اجرت لینے والے کی مثال اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرح ہو تو اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں وہ اس لیے لیتا ہے کہ حج اور زیارت پر قادر ہو سکے حج کا مقصد اجرت لینا نہیں بلکہ وہ اجرت، حج کرنے کے لیے لیتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اجرت اس لیے لی تاکہ آپ کے لیے دودھ پلانا آسان ہو جائے کیوں کہ ان لوگوں پر آپ کا (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا) حال مخفی تھا۔

۱۰۔ ٹیکس دے کر اللہ تعالیٰ کے دشمن کی مدد نہ کرے اور یہ وہ لوگ ہیں جو مسجد حرام سے روکتے ہیں یعنی امرائے مکہ اور وہ دیہاتی جو راستے میں گھات لگا کر بیٹھتے ہیں ان لوگوں کو مال دینا ظلم پر مدد کرنا اور اسباب مہیا کرکے ان کے لیے اس عمل کو آسان کرنا ہے گویا بذات خود ان کی مدد کرنا ہے لہٰذا اس سے بچنے کے لیے کوئی تدبیر کرنی چاہیئے اور اگر طاقت نہ ہو تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ نفلی حج ہو تو راستے سے واپس لوٹ آنا اور نفلی حج کو ترک کرنا ظالموں کی مدد کرنے سے افضل ہے کیونکہ یہ ایک بدعت ہے جو بعد میں جاری ہوئی۔

اور ان لوگوں کی بات مان لی جائے تو ایک رواج بن جائے گا اور اس میں مسلمانوں کی ذلت و رسوائی ہے کہ انہیں جزیہ دینا پڑتا ہے اور کسی شخص کی اس بات کا کوئی معنیٰ نہیں کہ مجھ سے یہ مال لیا گیا اور میں مجبور تھا کیونکہ اگر وہ گھر میں

---

(۱) میزان الاعتدال جلد ۴ ص ۲۴۷ حدیث ۹۰۱۷

(۲) الکامل لابن عدی جلد اول ص ۱۹۰ ترجمہ اسماعیل بن عیاش

بیٹھا یا راستے سے واپس چلا جاتا تو اس سے کچھ بھی نہ لیا جاتا بلکہ بعض اوقات خوشحالی کے اسباب ظاہر ہونے ہیں تو زیادہ مانگا جاتا ہے اور اگر وہ فقراء کے لباس میں ہو تو نہیں مانگا جاتا تو اس نے خود اپنے آپ کو مجبور کیا ہے۔

۳۔ اخراجات میں کشادگی ہو اور خوش دلی سے خرچ کرے نہ تو بہت کمی کرے اور نہ ضرورت سے زیادہ خرچ کرے بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کرے اسراف سے مراد یہ ہے کہ طرح طرح کے کھانے کھانا اور مشروبات پینا جس طرح مالدار لوگوں کی عادت ہوتی ہے محض زیادہ خرچ کرنے میں فضول خرچی نہیں کیونکہ فضول خرچی میں نیکی نہیں اور نیکی میں خرچ کیا جائے تو فضول خرچی نہیں جیسے کہا گیا ہے اور حج کے راستے میں مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے اور ایک درہم کا ثواب سات سو درہم ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں انسان کی سخاوت سے ہے کہ وہ سفر کے دوران خوش دلی سے خرچ کرے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ فَقِیْلَ لَهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا بِرُّ الْحَجِّ فَقَالَ طِیْبُ الْكَلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ (۱)

مقبول حج کا بدلہ جنت ہے عرض کیا گیا یا رسول حج کی مقبولیت کس چیز کے ساتھ ہے آپ نے فرمایا اچھی گفتگو اور کھانا کھلانا۔

۴۔ بے حیائی کی گفتگو، نافرمانی اور جھگڑے کو ترک کر دینا جیسا کہ قرآن پاک میں بیان ہوا لفظ رفث ہر بے ہودہ اور فحش کلام کو شامل ہے اور اس میں عورتوں سے پیار و محبت کی باتیں کرنا، جماع اور اس کے مقدمات کی باتیں کرنا شامل ہے۔ کیونکہ اس سے جماع کا شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اس حالت میں ممنوع ہے اور جو بات کسی ممنوع کام کی طرف لے جائے وہ بھی منع ہوتی ہے، فسق کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی نافرمانی پر بولا جاتا ہے اور جدال سے مراد بہت زیادہ جھگڑنا ہے جس کی وجہ سے کینہ پیدا ہو جائے اس وقت ہمت میں انتشار پیدا ہو جائے اور بد اخلاقی کا موجب ہو۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا جس نے بے حیائی کی گفتگو کی اس کا حج فاسد ہو گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے کلام اور کھانا کھلانے کو حج کی مقبولیت اور نیکی سے قرار دیا جب کہ جھگڑا کرنا اچھے کلام کے خلاف ہے لہٰذا اپنے ساتھی اور ساربان (اونٹ کو چلانے والا اور آجکل ڈرائیور مراد ہو سکتا ہے) اور دیگر احباب پر بہت زیادہ اعتراض نہ کرے بلکہ نرمی سے پیش آئے اور جو لوگ بیت اللہ شریف کی طرف جا رہے ہیں ان کے لیے نرمی کا پہلو بچھائے۔ حسن اخلاق کو اختیار کرے اور حسن اخلاق کا مطلب اذیت پہنچانے سے ہاتھ کو روکنا نہیں بلکہ ان سے اذیت کو دور کرنا ہے اور کہا گیا ہے کہ سفر کو اس لیے سفر کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کے اخلاق کو ظاہر کرتا ہے اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۲۰۷ کتاب الحج

نے اس شخص سے فرمایا جس نے کہا کہ وہ فلاں شخص کو جانتا ہے، (اس سے پوچھا) کیا تو نے اس کے ساتھ سفر کیا ہے جس
سے اس کے اخلاق حسنہ کا پتہ چلتا؟ اس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا میرے خیال میں تو اسے نہیں پہچانتا۔

۵۔ اگر طاقت ہو تو پیدل چل کر حج کرے یہ افضل ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے وصال کے وقت
اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا اے میرے بیٹو! پیدل حج کرنا کیونکہ پیدل حج کرنے والے کو ہر قدم کے بدلے میں
حرم کی نیکیوں سے سات سو نیکیاں ملتی ہیں عرض کیا گیا حرم کی نیکیاں کیا ہیں؟
فرمایا ایک نیکی، ایک لاکھ کے برابر ہے اور راستے کی نسبت، مناسکِ حج کی ادائیگی اور مکہ مکرمہ سے عرفات اور منیٰ کی
طرح پیدل چلنا زیادہ بہتر ہے اور اس کی تاکید ہے۔ اور اگر گھر سے ہی احرام باندھ کر پیدل چلے تو کہا گیا ہے کہ یہ حج کو پورا
کرنا ہے حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ــــ

اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (۱) اور اللہ تعالیٰ کے لیے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔

کے مفہوم کے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے اور بعض علماء کرام نے فرمایا کہ سوار ہونا افضل ہے کیونکہ اس
میں مال خرچ کرنا ہے نیز اس میں نفس کو زیادہ مشقت اور اذیت میں مبتلا نہیں کیا جاتا۔ اس میں حفاظت بھی زیادہ ہے
اور حج بھی مکمل ہو جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ پہلی بات کے مخالف نہیں ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس میں تفصیلی گفتگو کرتے
ہوئے کہا جائے کہ جس شخص کے لیے پیدل چلنا آسان ہو اس کے لیے یہ افضل ہے اور اگر کمزور ہو اور اس سے بداخلاقی
اور عملی کوتاہی پیدا ہو تو سوار ہونا افضل ہے جیسے مسافر کے لیے روزہ افضل ہے اور مریض کے لیے اس صورت میں افضل
ہے جب بداخلاقی اور کمزوری پیدا نہ ہو۔

کسی عالم سے عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس میں پیدل چلنا چاہیے یا ایک درہم دے کر کرایہ پر سواری حاصل
کی جائے انہوں نے فرمایا اگر ایک درہم کا وزن (خرچ کرنا) اسے بھاری معلوم ہوتا ہے تو پیدل چلنے کی نسبت کرایہ دینا
افضل ہے۔ اور اگر پیدل چلنا مشکل معلوم ہوتا ہو جیسے مالدار لوگوں کے لیے ہوتا ہے تو پیدل چلنا افضل ہے۔ گویا انہوں
نے مجاہدۂ نفس کا راستہ اختیار کیا۔ یہ بھی ٹھیک ہے لیکن اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ پیدل چلے اور وہ درہم کسی
نیکی پر خرچ کرے اور ایسا کرنا سواری کا کرایہ دینے سے بہتر ہے اور اگر اس کا نفس دوہری مشقت برداشت نہ کرے
(یعنی پیدل بھی چلے اور مالی نقصان بھی برداشت کرے) تو پھر وہی صورت ہے جو بعض علماء نے بیان کی (جو اوپر مذکور ہے)

۶۔ باربرداری کے جانور پر سوار ہو محمل سے بچے البتہ کسی عذر کی وجہ سے سواری پر تخفیف ہو کیونکہ محمل سے اسے اذیت

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۱۹۶

پہنچتی ہے اور دوسرا یہ کہ اہل دنیا اور متکبرین کے لباس سے اپنے آپ کو بچائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر حج فرمایا تو آپ کے نیچے پرانا کجاوہ اور کپڑے کا ٹکڑا تھا جس کی قیمت صرف چار درہم تھی (۱) اور سواری پر ہی طواف کیا تاکہ لوگ آپ کے طریقۂ مبارکہ کو دیکھیں (۲) اور فرمایا اپنے مناسک مجھ سے سیکھو (۳)

کہا گیا کہ یہ محمل حجاج نے جاری کئے اور اس وقت کے علماء ان پر اعتراض کرتے تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اپنے والد رحمہ اللہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں حج کے لیے قادسیہ سے کوفہ کی طرف گیا تو وہاں کچھ ساتھی مل گئے تو میں نے دیکھا کہ ان تمام کے پاس اونٹ تھے ان پر کجاوے اور اونی کپڑا تھا صرف دو کے پاس محمل تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حجاج کے لباس اور محمل کو دیکھتے تو فرماتے حاجی کم ہیں سوار زیادہ ہیں پھر ایک مسکین کو دیکھا جو کمزور حالت والا تھا اور اس کے نیچے اونی پالان تھا تو آپ نے فرمایا یہ کتنا اچھا حاجی ہے۔

۷۔ حاجی کو پراگندہ حال اور بکھرے ہوئے بالوں والا ہونا چاہیے یعنی زیادہ زینت اختیار نہ کرے فخر اور کثرت مال کے اسباب کی طرف بھی مائل نہ ہو اس طرح دنیا داروں اور تکبر کرنے والوں کی فہرست میں لکھ دیا جائے گا۔ اور کمزور لوگوں نیز مساکین اور خصوصی صالحین کی جماعت سے نکل جائے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پراگندہ بالوں اور ننگے پاؤں والا ہونے کا حکم دیا۔ (۴)

نیز آپ نے عیش پسند اور عیاش ہونے سے روکا یہ حضرت فضالہ ابن عبید کی روایت میں ہے (۵)

اور ایک حدیث شریف میں ہے آپ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْحَاجُّ الشَّعِثُ التَّفِثُ۔ (۶)	حاجی وہ ہے جس کے بال بکھرے ہوتے ہوں اور میلا کچیلا ہو۔

(اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ زیب و زینت میں مصروف نہ رہے ورنہ بالوں کی درستگی اور میل کچیل کو دور کرنا سنت ہے ۱۲ ہزاروی)

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۱۳ ابواب المناسک

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۴۳ مرویات ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۵ ص ۱۲۵ کتاب الحج

(۴) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۳۶ کتاب اللباس

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۲ مرویات فضالہ بن عبید، مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۵۰ کتاب الزھد

(۶) سنن ابن ماجہ ص ۲۱۴ ابواب المناسک۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرے گھر کی زیارت کرنے والوں کو دیکھو وہ پراگندہ بالوں اور گرد آلود چہروں کے ساتھ دور دراز سے آئے ہیں (۱)

اور ارشاد خداوندی ہے:

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ (۲) پھر وہ اپنی میل کچیل دور کریں۔

تفث سے مراد بالوں کا بکھرا ہونا اور چہرے کا گرد آلود ہونا ہے۔ اور قضاء سے مراد بالوں کو منڈوانا نیز مونچھوں اور ناخنوں کو کاٹنا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے سرداروں کو لکھا پرانے اور کھردرے کپڑے پہنو۔۔۔۔ کہا گیا ہے کہ اہل یمن حاجیوں کی زینت ہیں کیونکہ وہ لوگ تواضع، مسکینی اور اسلاف کی سیرت کو اختیار کرتے ہیں، پس مناسب یہ ہے کہ وہ خاص طور پر سرخ لباس سے بچے اور شہرت کے لباس سے عمومی طور پر اجتناب کرے وہ لباس جس رنگ کا بھی ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے آپ کے صحابہ کرام ایک منزل پر اترے جب اونٹ چرنے لگے تو آپ نے پالانوں پر سرخ کپڑے دیکھے تو فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ سرخ کپڑے تم پر غالب آگئے ہیں وہ فرماتے ہیں ہم اٹھے اور ان اونٹوں کی پیٹھوں سے یہ کپڑے اتار لیئے حتیٰ کہ بعض اونٹ بھاگ گئے۔ (۳)

۸۔ جانور سے نرمی برتنے اور اس کی طاقت کے مطابق بوجھ لادے محمل اس کی طاقت سے خارج ہے جانور پر سونا اسے اذیت دینا ہے اور بوجھ بنتا ہے متقی لوگ جانوروں پر نہیں سوتے تھے صرف بیٹھے بیٹھے اونگھتے تھے۔ اور ان پر زیادہ دیر تک بیٹھتے بھی نہیں تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَتَّخِذُوا ظُهُورَ دَوَابِّكُمْ كَرَاسِيَّ (۴) اپنے جانوروں کی پیٹھوں کو سیاں نہ بناؤ۔

اور مناسب یہ ہے کہ صبح و شام جانور سے اتر کر اسے راحت پہنچائے یہ سنت ہے (۵) اور اس سلسلے میں بزرگوں کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ بعض اسلاف اس شرط پر جانور کرائے پر حاصل کرتے کہ وہ نہیں اتریں گے اور پوری اجرت

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۲۰۵ ما جاء فی فضل الحج

(۲) قرآن مجید، سورۂ حج آیت ۲۹

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۶۳ مرویات رافع بن خدیج

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۹ مرویات سہل عن ابیہ

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۴۵ مرویات ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

دیں گے پھر وہ اتر جاتے تھے تاکہ جانور کے ساتھ حُسن سلوک ہو تو یہ ان کی نیکیوں میں شمار ہوتا اور قیامت کے دن ان کے ترازو میں رکھا جائے گا کرایہ پر دینے والوں کے میزان میں نہیں۔

جو شخص کسی جانور کو اذیت پہنچائے اور اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ لادے اس سے قیامت کے دن باز پُرس ہو گی۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اونٹ تھا تو آپ نے اپنے وصال کے وقت اس کو مخاطب کر کے فرمایا "اے اونٹ! اپنے رب کے سامنے مجھ سے نہ جھگڑنا میں نے طاقت سے زیادہ تجھ پر بوجھ نہیں لادا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر گرم جگر (جاندار چیز) میں ثواب ہے لہذا جانور اور مالک دونوں کے حق کی رعایت کرے۔ ایک ایک گھڑی اترنے سے جانور کو آرام مل جاتا ہے اور مالک کے دل کو سرور حاصل جاتا ہے ایک شخص نے حضرت ابن مبارک رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرا یہ خط لے جائیں اور فلاں تک پہنچا دیں انہوں نے فرمایا میں اونٹ والے سے پوچھ لوں کیوں کہ میں نے اسے کرایہ پر حاصل کیا ہے۔ تو دیکھئے انہوں نے کس قدر تقویٰ اختیار کیا اور خطرہ لیا حالانکہ اس کا کوئی وزن نہیں ہوتا تو تقویٰ کے سلسلے میں احتیاط ہے کیونکہ جب تھوڑے سے کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے تو آہستہ آہستہ کثیر کی طرف لے جاتا ہے۔

۹۔ قربانی اگر واجب نہ بھی ہو پھر بھی جانور کا خون بہانے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے اور کوشش کرے کہ جانور موٹا تازہ اور عمدہ ہو اگر وہ نفلی قربانی ہو تو اس سے کھا سکتا ہے اور اگر واجب ہو تو نہ کھائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (۱)

یہ ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس تعظیم سے مراد عمدہ اور موٹے جانور کی قربانی دینا ہے میقات سے جانور لے جانا افضل ہے اگر اس سے کوئی دقت اور مشقت نہ ہو۔ اس کی خریداری میں قیمت گھٹانے کے درپے نہ ہو بزرگانِ دین تین چیزوں کی قیمت زیادہ دیتے تھے اور اس میں کمی کرانے کو مکروہ جانتے تھے۔ ان میں سے ایک حج کے موقعہ پر قربانی کا جانور ہے دوسرا عید کی قربانی کا جانور اور تیسرا غلام۔ کیونکہ اس میں زیادہ قیمت والا جانور ان کے مالکوں کے نزدیک سب سے زیادہ نفیس ہوتا ہے (۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک بختی اونٹ (غیر عربی اونٹ) بطور ہدی (قربانی) لے گئے آپ سے وہ اونٹ تین سو دینار کے بدلے طلب کیا گیا آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) قرآن مجید سورۂ حج آیت ۳۲

(۲) آج کل چونکہ جانور فروخت کرنے والے بہت زیادہ قیمت بتاتے ہیں اس لیے قیمت گھٹانے کا مطالبہ کرنا صحیح ہے گویا مقصد یہ ہے کہ جانور قیمتی ہو یہ نہیں کہ جانور اچھا نہ ہو اور قیمت زیادہ ہو اور کم بھی نہ کرا سکیں ۱۲ ہزاروی۔

سے پوچھا کہ اسے بیچ کر ہلکا جانور خرید لوں تو آپ نے ان کو روک دیا اور فرمایا اسی کی قربانی دو (۱) اس لیے کہ تھوڑی اور عمدہ چیز زیادہ اور ہلکی چیز سے بہتر ہوتی ہے اور تین سو دیناروں میں تیس اونٹ آ سکتے تھے اور ان میں گوشت بھی زیادہ ہوتا لیکن مقصود گوشت نہیں تھا بلکہ مقصد تو نفس کو بخل سے پاک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے جمال سے مزین کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچیں گے بلکہ اس تک تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے اور یہ اسی صورت میں ہے جب قیمت میں عمدگی کا لحاظ رکھا جائے تعداد کم ہو یا زیادہ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حج کی نیکی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

"اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ" عج سے مراد تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرنا اور ثج سے مراد جانور کی قربانی ہے (۲)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ عَمَلِ اٰدَمِيٍّ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ اِهْرَاقِهٖ دَمًا وَاِنَّهَا لَتَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ يَقَعُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔ (۳)

قربانی کے دن آدمی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہوتا اور یہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور کھروں کے ساتھ آئیں گے اور خون زمین پر پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا مقام حاصل کر لیتا ہے لہٰذا خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

وَلَكُمْ بِكُلِّ صُوْفَةٍ مِنْ جِلْدِهَا حَسَنَةٌ وَكُلِّ قَطْرَةٍ مِنْ دَمِهَا حَسَنَةٌ وَاِنَّهَا لَتُوْضَعُ فِي الْمِيْزَانِ فَاَبْشِرُوْا۔ (۴)

اور تمہارے لیے اس کے چمڑے کے ہر بال (اُون) کے بدلے ایک نیکی ہے اور اس کے ہر قطرۂ خون کے بدلے نیکی ہے اور بے شک اسے میزان میں رکھا جائے گا پس تمہارے لیے بشارت ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۴۵ مرویات ابن عمر رضی اللہ عنہما۔
(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۱۴ ابواب المناسک
(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۹ ص ۲۶۱ کتاب الضحایا
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۶۸ مرویات زید بن ارقم

اِسْتَنْجِدُوْا ھَدَایَاکُمْ فَاِنَّھَا مَطَایَاکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ۔ (۱)

اپنی قربانیوں کو موٹا تازہ (عمدہ) کرو بے شک یہ قیامت کے دن تمہاری سواریاں ہوں گی۔

۱۰۔ جو کچھ خرچ کرے یا قربانی دے وہ خوش دلی سے ہونی چاہیے اور اگر مال یا بدن میں کوئی نقصان یا مصیبت پہنچے اس کو بھی خوش دلی سے قبول کرے کیونکہ یہ اس کے حج کی قبولیت کی علامت ہے کیونکہ حج کے راستے میں مصیبت اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے برابر ہے ایک درہم کے بدلے میں سات سو درہم ملتے ہیں اور یہ جہاد میں سختی پہنچنے کی طرح ہے وہ جو بھی تکلیف اٹھائے گا یا نقصان ہوگا اس کے بدلے ثواب ملے گا لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہاں ان میں سے کوئی چیز بھی ضائع نہیں ہوتی اور کہا گیا ہے کہ حج کی قبولیت کی ایک علامت یہ ہے کہ آدمی جو گناہ کرتا تھا انہیں چھوڑ دے اور برے دوستوں کو چھوڑ کر نیک لوگوں کو بھائی بنائے نیز لہو و لعب اور غفلت کی مجلسوں کو چھوڑ کر ذکر اور بیداری کی مجالس اختیار کرے۔

اعمالِ باطنہ اور اخلاص

باطنی اعمال، نیت میں اخلاص، مقامات مقدسہ سے کچھ حاصل کرنے اور ان میں غور و فکر کرنے اور حج کے اول سے لے کر آخر تک معانی و اسرار کو یاد کرنے کا بیان۔

جان لو! کہ حج کی بنیادی بات اس بات کو سمجھنا ہے کہ دین میں حج کا کیا مقام ہے پھر اس کا شوق رکھنا، پھر اس کے لیے پکا ارادہ کرنا پھر اس کے راستے سے موانع کو ختم کرنا ہے پھر احرام کے کپڑے خریدنا، پھر زادِ راہ حاصل کرنا پھر سواری کرائے پر حاصل کرنا پھر رخصت ہو کر جنگلوں میں سے گزرنا پھر میقات سے تلبیہ کے ساتھ احرام باندھنا پھر مکہ مکرمہ میں داخل ہونا اور تمام افعال کو پورا کرنا ہے جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ان تمام امور میں یاد رکھنے والے کے لیے تذکرہ، عبرت حاصل کرنے والے کے لیے عبرت مرید صادق کے لیے تنبیہ اور ذہن انسان کے لیے معرفت و اشارہ ہے تو ہم ان کی چابیاں بتاتے ہیں تاکہ جب ان کا دروازہ کھل جائے اور ان کے اسباب معلوم ہو جائیں تو ہر حاجی کے لیے ان کے وہ اسرار واضح ہو جائیں جنہیں اس کے دل کی صفائی، باطنی طہارت اور فہم و فراست کی رسائی چاہتی ہے۔

حج کا مفہوم

جان لو کہ اللہ تعالیٰ تک انسان کی رسائی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب وہ شہوتوں سے پرہیز کرے، لذتوں سے رک جائے صرف ضرورتوں پر اکتفا کرے اور اپنی تمام حرکات و سکنات میں اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو جائے اسی مقصد کے لیے پہلے ادیان میں رہبانیت اختیار کرنے والوں نے مخلوق سے تنہائی اختیار کی وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے مخلوق سے وحشت کو ترجیح دی تاکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس حاصل کریں چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے

(۱)

کے لیے موجودہ لذتوں کو چھوڑ دیا۔ اور آخرت کی لالچ میں اپنے نفسوں کو سخت مجاہدوں میں ڈال دیا۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (۱) — یہ اس لیے کہ ان (نصرانیوں) میں علماء اور درویش ہیں اور یہ تکبر نہیں کرتے۔

جب یہ چیز مٹ گئی اور مخلوق خواہشات کے پیچھے پڑ گئی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے گوشہ نشینی کو ترک کر دیا اور اس میں کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا تاکہ آپ آخرت کے طریقے کو زندہ کریں اور پہلے رسولوں کے راستے کی تجدید کریں چنانچہ مختلف ادیان والوں نے آپ سے دین میں گوشہ نشینی اور سیاحت کے بارے میں سوال کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَبْدَلَنَا اللّٰهُ بِهَا الْجِهَادَ وَالتَّكْبِيْرَ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ (۲) — اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے بدلے میں جہاد اور ہر بلند مقام پر تکبیر کہنا عطا کیا ہے۔

ہر بلند پر تکبیر سے مراد حج ہے۔
اور آپ سے سیاحوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا وہ روزے دار ہیں (۳) تو اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ احسان فرمایا کہ حج کو ان کے لیے رہبانیت قرار دیا بیت اللہ شریف کو اپنی ذات کی طرف منسوب کر کے اسے عزت بخشی اپنے بندوں کے ارادے کا مقام بنایا اور اس کی عظمت کے پیش نظر اس کے ارد گرد کو حرم قرار دیا نیز عرفات کو اس کے حوض کے پرنالے کی طرح قرار دیا پھر اس مقام کی عزت کو اس کے شکار اور درختوں کو حرام کرنے کے ذریعے پکا کر دیا اور اسے بادشاہوں کے دربار کی طرح قرار دیا کہ ملاقات کرنے والے دور دراز کے راستوں سے پراگندہ بالوں اور گرد آلود چہروں کے ساتھ بیت اللہ شریف کے رب کے لیے عاجزی کرتے ہوئے اس کی جلالت و عزت کے سامنے خشوع و خضوع کرتے ہوئے اس گھر کا قصد کرتے ہیں وہ اس بات کا اعتراف کرتے اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی گھر میں ہونے یا کسی شہر والا قرار پانے سے پاک ہے تاکہ وہ اپنی غلامی اور عبادت میں بڑھ جائیں اور ان کی فرمانبرداری میں اضافہ ہو اور وہ مکمل ہو جائے اسی لیے اس حج میں وہ امور رکھیں جن سے انسانی نفوس مانوس نہیں ہیں اور نہ عقل ان کے معانی تک پہنچتی ہے جس طرح ستونوں کو کنکریاں مارنا بار بار صفا مروہ کے درمیان دوڑنا اور

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مائدہ آیت ۸۲
(۲) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۸۷ کتاب الجہاد
(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ ص ۳۰۵ کتاب الصیام

اس قسم کے اعمال سے غلامی اور بندگی کا کمال ظاہر ہوتا ہے کیونکہ زکوٰۃ مالی تعاون ہے اس کی حکمت سمجھ آتی ہے اور عقل اس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ روزہ شہوت کو توڑنے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے دشمن (شیطان) کا آلہ ہے اور مشاغل سے رک کر عبادت کے لیے فارغ ہونا ہے نماز میں رکوع اور سجدہ ایسے افعال ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کا اظہار ہوتا ہے اور نفوس انسانی کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے اُنس ہوتا ہے لیکن صفا مروہ کے درمیان سعی کے پھیرے اور کنکریاں مارنا اور اس قسم کے دوسرے اعمال سے نفوس انسانی کا کوئی حصہ نہیں اور نہ طبیعت کو اُنس ہوتا ہے عقل ان کے معانی تک راہ نہیں پاتی اور ان امور کی بجا آوری صرف حکم خداوندی کے تحت ہوتی ہے اور یہی بات پیش نظر ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس کی اتباع واجب ہے اس میں عقل کا تصرف نہیں ہوتا اور نفس و طبیعت بھی اس کے اُنس سے رُوگردانی کرتی ہے کیونکہ حسن عمل کا مفہوم عقل میں آجائے طبیعت اس کی طرف مائل ہوتی ہے چنانچہ یہ میلان اس امر کا معاون ہوتا اور عمل کی ترغیب دیتا ہے اس لیے اس سے غلامی اور بندگی کا کمال ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر حج کے بارے میں فرمایا۔

لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ حَقًّا تَعَبُّدًا وَرِقًّا (۱) میں حج کے ساتھ حاضری ہوں جو محض بندگی کا حق ہے۔

آپ نے یہ بات نماز اور کسی دوسری عبادت کے سلسلے میں نہیں فرمائی۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ مخلوق کی نجات کو ان کی طبیعتوں کی خواہش کی مخالفت سے وابستہ کر دے اور ان کی لگام شریعت کے ہاتھ میں ہو اس طرح ان کے اعمال، تسلیم کرنے اور بندگی کے طریقے پر ہوں اور جن عبادات کے معانی سمجھ نہیں آتے وہ نفوس کے تزکیہ، اقتضائے طبیعت اور عادات سے پھیرنے کے سلسلے میں ابلغ ہوں کیوں کہ ان میں محض بندگی کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔

جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو اب اس بات کو سمجھ لینا چاہیئے کہ لوگ ان عجیب افعال پر اس لیے تعجب کرتے ہیں کہ وہ عبادات کے اسرار سے بے خبر ہیں۔ حج کی اصل کو سمجھنے کے لیے اس قدر کافی ہے۔

حج کا شوق:

جب یہ بات سمجھ آجائے کہ بیت اللہ شریف، اللہ تعالیٰ کا گھر ہے تو اس کا شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ بادشاہوں کے دربار میں حاضری کی طرح ہے لہٰذا اس (خانہ کعبہ) کا قصد کرنے والا اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرتا اور اس کی زیارت کرنے والا ہے اور جو آدمی دنیا میں بیت اللہ شریف کا ارادہ کرے وہ اس لائق ہے کہ اس کی زیارت ضائع نہ ہو اور اسے مقررہ مدت کے اندر زیارت کا شرف عطا کیا جائے اور وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتا ہے کیونکہ فنا ہونے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۸۳ مرویات انس رضی اللہ عنہ

والی اور ناقص آنکھ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کے نور کو قبول نہیں کر سکتی اور نہ اس کو برداشت کر سکتی ہے اور اپنی کوتاہی کی وجہ سے اس کے سرمہ کے لیے تیار نہیں ہو سکتی۔ اور آخرت میں اسے باقی رہنے پر مدد ملے گی اور تغیر و فنا سے پاک ہو جائے گی تو دیدار کے لیے تیار ہو جائے گی۔ لیکن تو بیت اللہ شریف کے ارادے اور اس کی زیارت سے اس گھر کے رب کی ملاقات کا مستحق ہو جائے گا کیوں کہ اس کا وعدہ کرم ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق یقیناً ملاقات کے اسباب کا شوق دلاتا ہے علاوہ ازیں محب ہر اس چیز کا مشتاق ہوتا ہے جو اس کے محبوب سے نسبت رکھتی ہو اور خانہ کعبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے لہٰذا محض اس نسبت کی وجہ سے اس کا شوق ہونا چاہیئے۔ اس سے قطع نظر کہ اس پر جو بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے ملے گا یا نہیں۔

حج کا ارادہ:

جاننا چاہیئے کہ حج کا ارادہ کرتے ہوئے انسان اپنے گھر والوں اور وطن سے جدائی کا قصد کرتا ہے نیز خواہشات اور لذات کو چھوڑ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسے اپنے دل میں اس گھر اور اس کے رب کی قدر کو عظیم سمجھنا چاہیئے اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ اس نے ایسے کام کا ارادہ کیا ہے جس کی شان بہت بلند ہے اور اس کا معاملہ مشکل ہے اور جو شخص کسی بڑی بات کا طالب ہوتا ہے وہ بڑے خطرات کو برداشت کرتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عزم کرے ریاکاری وغیرہ کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ اور یہ عقیدہ رکھے کہ اس کے ارادے اور عمل سے وہی قبول ہوگا جو خالص ہوگا اور یہ بات بہت بری ہے کہ وہ بادشاہ کے گھر اور اس کے حرم کا ارادہ کرے اور مقصود کچھ اور ہو۔ لہٰذا اس کا ارادہ صحیح ہونا چاہیئے اور یہ تب ہی صحیح ہوگا جب اخلاص ہوگا اور اخلاص تب ہوگا جب ریاکاری اور شہرت کے تمام اسباب کو چھوڑ دے گا تو اچھی چیز کے بدلے میں بری چیز لینے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

حج کے لیے فراغت:

تمام علائق سے خالی ہونا یعنی لوگوں کے حقوق واپس کرنا تمام گناہوں سے خالص توبہ کرنا، ہر زیادتی ایک علاقہ ہے اور ہر علاقہ قرض خواہ کی طرح ہے جو حاضر ہو اور گریبان پکڑ کر کہے تو کدھر جاتا ہے؟ کیا بادشاہوں کے بادشاہ کے گھر کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے اس گھر میں تو اس کے حکم کو ضائع کر رہا ہے اس کی توہین کرتا ہے اور اس کی تعمیل نہیں کرتا کیا تجھے حیا نہیں آتا کہ تو اس کے پاس ایک گناہ گار بندے کی صورت میں جاتا ہے وہ تجھے لوٹا دے اور قبول نہ کرے اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا یہ زیارت کرنا قبول ہو تو اس کے احکامات کو بجالا، حقوق واپس کر دے اور پہلے تمام گناہوں کی معافی مانگ، اور اپنے علاوہ ہر ایک سے دل کی توجہ کو ہٹا دے تاکہ تو دل کے ساتھ اسی کی طرف متوجہ ہو جس طرح تو ظاہری طور پر اس کے گھر کی طرف متوجہ ہے پس اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو تجھے آغاز سفر میں ٹھکاوٹ اور بدبختی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا اور آخر میں تجھے رد کر دیا جائے گا۔

اپنے دل سے وطن کو اس طرح نکال دے جس طرح آدمی وطن کو چھوڑ دیتا ہے اور یہ خیال کرکہ تو اس کی طرف واپس نہیں آئے گا اپنی اولاد اور گھر والوں کے لیے وصیت لکھ دے کیونکہ مسافر اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے نقصان کا خطرہ ہے البتہ جس کو اللہ تعالیٰ بچالے۔ اور جب وہ سفرِ حج کے لیے سب سے الگ ہو رہا ہے تو سفرِ آخرت کے لیے سب سے قطع تعلق کو یاد رکھے کیونکہ وہ بھی بالکل تیرے قریب اور سامنے ہے تو اس سفر میں جو کچھ پیش آئے اسے اس (آخرت کے) سفر کی آسانی کا پیش خیمہ سمجھے کیوں کہ وہ ٹھکانہ ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے لہٰذا اس سفر کی تیاری کے وقت اس سفر سے غافل نہ ہو۔

زادِ راہ

زادِ راہ، حلال مال سے تلاش کرے اور جب محسوس کرے کہ نفس کو زیادہ کی حرص ہے اور وہ چاہتا ہے کہ دُور دراز کے سفر کے باوجود بچ رہے نہ اس میں تبدیلی آئے اور نہ ہی مقصد تک پہنچنے سے پہلے خراب ہو تو آخرت کے سفر کو یاد رکھے کہ وہ تو اس سفر سے بھی طویل ہے اور اس کا سامان، تقویٰ ہے اور جو اس کے علاوہ ہے جسے وہ زادِ راہ سمجھتا ہے وہ موت کے بعد پیچھے رہ جائے گا اور اس سے خیانت کرے لہٰذا اس کے ساتھ نہیں رہے گا۔ جیسے تازہ کھانا سفر کی پہلی منازل میں ہی خراب ہو جاتا ہے اور انسان ضرورت کے وقت حیران اور محتاج رہ جاتا ہے اب اس کے پاس کوئی تدبیر نہیں ہوتی تو اسے بات سے ڈرنا چاہیئے کہ اس کے وہ اعمال جو آخرت کے لیے زادِ راہ ہیں وہ موت کے بعد اس کے ساتھ نہیں ہوں گے بلکہ ریاکاری کے شائبے اور کوتاہی کے گدلاپن سے خراب ہو جائیں گے۔

سواری

جب سواری کے پاس جائے تو دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس کے لیے جانوروں کو مسخر کیا تاکہ اس سے پریشانی کو دُور کرے بوجھ ہلکا کر دے اس وقت اس سواری کو یاد کرے جس پر سوار ہو کر وہ دارِ آخرت کی طرف جائے گا۔ اور یہ جنازے کی چارپائی ہے جس پر اسے اُٹھایا جائے گا۔ کیوں کہ حج کا معاملہ ایک اعتبار سے سفرِ آخرت کے مشابہ ہے تو دیکھے کہ کیا اس سواری پر سفر اس قابل ہے کہ وہ اس سواری پر آخرت کا سفر کرے تو وہ اس کے کس قدر قریب ہے اور اسے کیا معلوم کہ موت قریب ہو اور اسے اونٹ پر سوار ہونے سے پہلے جنازے کی چارپائی پر سوار ہونا پڑے جنازے کی چارپائی پر سوار ہونا تو یقینی ہے جب کہ سفر کے اسباب کا حصول مشکوک ہے تو وہ کس طرح مشکوک سفر کے اسباب میں احتیاط کرتا ہے اور اس کے لیے زادِ راہ اور سواری حاصل حاصل کرتا ہے اور یقینی سفر کے معاملے کو مہمل چھوڑتا ہے۔

احرام کی چادریں

احرام کے چادریں خریدتے وقت کفن اور اس میں لپیٹے جانے کو یاد رکھے عنقریب وہ بیت اللہ شریف سے قریب ہوتے وقت احرام کی ایک چادر نیچے باندھے گا اور دوسری اوپر لے گا اور ممکن ہے اس کا سفر وہاں تک مکمل نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے یوں ملاقات کرے گا کہ یقیناً کفن کے کپڑوں میں لپٹا ہوا ہو گا تو جس طرح وہ عام لباس کے خلاف لباس میں بیت اللہ شریف سے ملاقات کرتا ہے تو موت کے بعد

اللہ تعالیٰ سے ملاقات یوں کرے گا کہ اس کا لباس دنیوی لباس سے مختلف ہوگا اور یہ لباس، اس لباس کے مشابہ ہے کیونکہ اس میں بھی کفن کی طرح سِلا ہوا کپڑا نہیں ہوتا۔

روانگی

شہر سے نکلتے وقت اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے گھر والوں اور وطن سے جدا ہو کر ایسے سفر میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا ہے جو دنیا کے دوسرے سفروں کے مشابہ نہیں ہے تو وہ اپنے دل میں اس بات کو حاضر کرے کہ اس کا کیا ارادہ ہے؟ کس طرف متوجہ ہے؟ کس کی زیارت کا قصد کر رہا ہے؛ وہ بادشاہوں کے بادشاہ کی طرف متوجہ ہے اور زیارت کرنے والوں کی جماعت میں شامل تھے یہ وہ لوگ ہیں جن کو پکارا گیا تو انہوں نے جواب دیا، انہیں شوق دلایا گیا تو وہ مشتاق ہوئے، انہیں ترغیب دی گئی تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے تمام رشتے توڑ ڈالے اور مخلوق سے جدائی اختیار کی، اللہ تعالیٰ کے اس گھر کی طرف متوجہ ہوئے جس کی شان کو بلند کیا اور اس کی قدر افزائی فرمائی کہ وہ بیت اللہ کے رب سے ملاقات کی جگہ بیت اللہ شریف کی حاضری سے دل بہلائیں حتیٰ کہ ان کی آخری خواہش پوری کی جائے اور وہ اپنے مولا کے دیدار سے سعادتمند ہوں اسے چاہیئے کہ اپنے دل میں وہاں تک رسائی اور قبولیت کی امید رکھے یہ نہ سمجھے کہ ہم نے اپنے گھر بار کو اتنے عرصہ سے چھوڑ رکھا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر یقین ہو اور یہ امید ہو کہ جو شخص اس کے گھر کی زیارت کرتا ہے اس سے وعدہ پورا کیا جاتا ہے وہ امید رکھے کہ اگر وہ کعبۃ اللہ تک نہ پہنچ سکا اور اسے راستے میں ہی موت آ گئی تو وہ اللہ تعالیٰ سے یوں ملاقات کرے گا کہ وہ اس کی طرف جانے والا ہوگا۔

کیونکہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (۱)

اور جو آدمی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے پھر اسے موت آ جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے ثواب ہے۔

جنگلوں میں داخل ہونا

میقات سے پہلے جنگلوں میں داخل ہونے اور ان گھاٹیوں کو دیکھنے سے اس وقت کو یاد کرے جب وہ دنیا سے رخصت ہوگا اور روز قیامت کے وقت تک اس دوران جو تکلیف دہ صورت اور سوالات ہوں گے۔ ڈاکوؤں کے خطرات سے منکر نکیر کے سوالات کو سامنے رکھے، جنگلوں کے درندوں کو دیکھ قبر کے بچھوؤں، کیڑے مکوڑوں اور سانپوں کو یاد رکھے گھر بار اور رشتہ داروں سے علیحدگی کو قبر کی وحشت اور سختی اور تنہائی کا پیش خیمہ سمجھے تو اپنے اعمال و اقوال میں ان ڈرونی چیز کو قبر کے خوف اور ڈر کے لیے سامان بناتے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ نساء آیت ۱۰۰

احرام اور تلبیہ میقات سے احرام باندھنے اور تلبیہ کہنے سے اس بات کو جان لے کہ اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہنا ہے تو تمہیں قبولیت کی امید رکھنی چاہیئے اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ کہا جائے۔ "لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ"۔ یعنی حاضری قبول نہیں۔ پس تم امید اور خوف کے درمیان رہو اپنی طاقت وقوت پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ کرو۔

کیونکہ تلبیہ کا وقت، آغاز ہے اور یہ خطرے کی جگہ ہے حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) رضی اللہ عنہ نے حج کیا جب احرام باندھ کر سواری پر سوار ہوئے تو ان کا رنگ زرد ہو گیا اور ان پر کپکپی طاری ہو گئی حتیٰ کہ تلبیہ نہ کہہ سکے پوچھا گیا آپ تلبیہ کیوں نہیں کہتے ؟ انہوں نے فرمایا مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہا جائے تمہاری حاضری قبول نہیں ہے پھر جب انہوں نے تلبیہ کہا تو بے ہوشی طاری ہو گئی اور وہ سواری سے گر پڑے وہ حج کرنے تک مسلسل اسی کیفیت میں رہے۔

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت ابو سلیمان دارانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب انہوں نے احرام کا ارادہ کیا تو تلبیہ نہ کہا یہاں تک کہ ہم ایک میل چلے تو ان پر بیہوشی طاری ہو گئی پھر جب افاقہ ہوا تو فرمایا اے احمد! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کے ظالم لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ میرا ذکر کم کریں کیونکہ ان میں سے جو مجھے یاد کرے گا میں اس کو لعنت کے ساتھ یاد کروں گا۔ اے احمد! میں نے سنا ہے کہ جو شخص حرام مال سے حج کرتا ہے پھر تلبیہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تیرے لیے قبولیت نہیں جب تک تو وہ چیز واپس نہ کر دے جو تیرے پاس ہے (یعنی دوسروں کا مال) تو ہم اس بات سے بے خوف نہیں کہ ہمیں یہ کہا جائے میقات میں تلبیہ کہتے وقت تلبیہ کہنے والے کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پکار پر لبیک کہا جب اللہ تعالیٰ نے (حضرت ابراہیم علیہ السلام سے) فرمایا۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (۱) آپ، لوگوں میں حج کا اعلان کر دیں۔

وہ صور پھونکنے کے ذریعے مخلوق کو ندا اور قبروں سے ان کے باہر نکلنے پھر میدان قیامت میں ان کے جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی آواز پر جواب دینے، مقربین اور مغضوبین، مقبولین اور مردودین میں ان کی تقسیم کو یاد رکھے نیز یہ کہ وہ شروع شروع میں خوف اور امید کے درمیان متردد ہوں گے جس طرح حاجی میقات میں تردد میں ہوتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے لیے حج کو مکمل کرنا اور اس کی قبولیت آسان ہو گی یا نہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حج آیت ۲۷

دخولِ مکہ مکرمہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حرم شریف میں پہنچ گیا ہے جو امن والا ہے تو اس وقت اسے امید رکھنی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بھی امن میں ہوگا۔ اور اسے یہ ڈر بھی ہونا چاہیئے کہ شاید وہ قرب کے لائق نہ ہو پس حرم شریف میں داخل ہونے سے وہ نامراد اور عذاب کا مستحق ہو تو امید ہر وقت غالب رہنی چاہیئے کیونکہ کرم عام ہے، اللہ تعالیٰ رحیم ہے بیت اللہ شریف کی شرافت عظیم ہے، زیارت کرنے والے کے حق کی رعایت کی جاتی ہے اور پناہ مانگنے والے کی حرمت ضائع نہیں کی جاتی۔

بیت اللہ شریف کی زیارت جب بیت اللہ شریف پر نگاہ پڑے تو اس وقت اس پاک گھر کی عظمت دل میں حاضر ہونی چاہیئے اور یہ تصور کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کو دیکھ رہا ہے یعنی اس کی خوب تعظیم کرے اور یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے دیدار کا شرف عطا فرمائے گا جیسے اس نے اپنے عظیم گھر کی زیارت کی سعادت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اس مرتبہ تک پہنچایا اور اپنی طرف آنے والوں کی جماعت میں شامل کیا اس وقت اس حالت کو یاد رکھو جب قیامت کے دن تمام لوگ جنت میں داخلے کی امید سے اس طرف جائیں گے پھر ان میں سے بعض کو داخلے کی اجازت ملے گی اور بعض کو واپس کر دیا جائے گا اسی طرح بعض حاجیوں کا حج مقبول ہوتا ہے اور بعض کا رد کر دیا جاتا ہے۔ تو تم جو کچھ بھی دیکھو، امورِ آخرت کی یاد سے ہرگز غافل نہ ہو جاؤ کیوں کہ حاجیوں کے تمام حالات، احوالِ آخرت پر دلیل ہیں۔

بیت اللہ شریف کا طواف جان لو کہ یہ بھی ایک قسم کی نماز ہے تو تم اپنے دل میں تعظیم، خوف، امید اور محبت کو حاضر کرو جیسا کہ ہم نے نماز کے بیان میں تفصیل سے بیان کیا۔ اور جان لو کہ طواف کے ذریعے تم ان مقربین فرشتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہو جو عرش کے گرد جمع ہو کر اس کا طواف کرتے ہیں۔ یہ خیال نہ کرو کہ تم صرف جسم کے ساتھ طواف کر رہے ہو بلکہ بیت اللہ شریف کے رب کے ذکر کے ذریعے دل کا طواف مقصود ہے حتیٰ کہ ذکر اسی سے شروع ہو اور اسی پر ختم ہو جیسے طواف کی ابتدا و انتہا بیت اللہ شریف پر ہوتی ہے جان لو کہ حقیقی طواف، بارگاہ ربوبیت میں دل کا طواف ہے بیت اللہ شریف اس عالم ظاہر میں اس حاضری کی ایک مثال ہے جیسے آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا اور وہ عالم غیب سے ہے جس طرح بدن ظاہری دنیا میں اس دل کی ایک مثالی صورت ہے جو آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا اور وہ عالم غیب میں ہے بے شک ظاہری دنیا، غیب اور ملکوت کے عالم کی طرف اس شخص کے لیے سیڑھی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اس (عالم غیب) کا دروازہ کھول دیتا ہے اسی مناسبت سے اشارہ کیا گیا کہ آسمانوں میں بیت المعمور کعبہ شریف کے بالمقابل ہے فرشتے کا اس طرح طواف کرتے ہیں جس طرح انسان بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہیں تو جب اکثر لوگ اس قسم کے طواف سے کم تر تبہ میں ہیں تو حتی الامکان ان کی مشابہت کا حکم دیا گیا اور ان سے وعدہ کیا گیا۔

مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ ۔ (۱)

جو آدمی کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی میں شمار ہوتا ہے۔

اور جو آدمی اس قسم کے طواف پر قادر ہو تو اسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کعبۃ اللہ اس کی زیارت اور طواف کرتا ہے بعض اہل کشف نے کچھ اولیاء کرام کے سلسلے میں یہی مشاہدہ کیا ہے۔

حجر اسود کا استلام

حجر اسود کے استلام کے وقت یہ عقیدہ رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس کی اطاعت پر بیعت کر رہے ہو تو اس بیعت پر اپنے ارادے کو پکا کرو کیوں کہ جو آدمی بیعت میں دھوکہ دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق ہو جاتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ يَمِيْنُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ فِى الْاَرْضِ يُصَافِحُ بِهَا خَلْقَهٗ كَمَا يُصَافِحُ الرَّجُلُ اَخَاهُ ۔ (۲)

حجر اسود، زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے (جیسے اس کے شایانِ شان ہے) مخلوق اس سے اس طرح مصافحہ کرتی ہے جس طرح کوئی شخص اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے۔

کعبۃ اللہ کے پردوں کو پکڑنا

کعبۃ اللہ کے پردوں کو پکڑتے اور ملتزم سے چمٹنے کے وقت تمہاری نیت یہ ہونی چاہیئے کہ تم محبت اور شوق کے ساتھ بیت اللہ شریف اور اس کے رب کا قرب حاصل کر رہے ہو، اور اس سے تعلق کے ذریعے برکت حاصل کر رہے ہو۔ اور یہ امید رکھو کہ بدن کا ہر وہ جز جو بیت اللہ شریف سے لگا ہے جہنم سے آزاد ہو گا۔ پردوں کے ساتھ چمٹتے وقت یہ نیت کرو کہ اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت اور امن کے سوال میں اصرار کر رہا ہوں۔ جیسے کوئی خطا کار شخص اس شخص کے کپڑوں سے لپٹتا ہے جس کا وہ مجرم ہے، اس سے معافی مانگتے ہوئے گڑگڑاتا ہے اور اس کے سامنے ظاہر کرتا ہے کہ اس کے لیے اس کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں اور اس کے کرم اور عفو کے بغیر کوئی ٹھکانہ ہیں اور وہ معافی حاصل کیے بغیر اس کا دامن نہیں چھوڑے گا اور یہ کہ اسے مستقبل میں بھی امن کی ضمانت دے۔

صفا مروہ کے درمیان سعی

خانہ کعبہ کے صحن میں صفا مروہ کے درمیان سعی اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کے محل کے صحن میں اِدھر اُدھر بھاگتا پھرتا ہے وہ عبادت میں خلوص کا اظہار کر رہا ہے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵ مرویات ابن عمر رضی اللہ عنہما

(۲) العلل المتناہیہ جلد ۲ ص ۸۵ حدیث ۹۴۴۔

اور امید رکھتا ہے کہ اسے رحمت کی آنکھ سے دیکھا جائے گا جیسے کوئی شخص بادشاہ کے پاس جاتا ہے پھر باہر آجاتا ہے اور اسے معلوم نہیں کہ بادشاہ اس کے حق میں کیا فیصلہ کرے گا اسے قبول کرے گا یا رد کر دے گا۔ چنانچہ وہ مسلسل بار بار حویلی کے صحن میں چکر کاٹتا ہے یہ امید رکھتا ہے کہ اگر پہلی مرتبہ نہ ہوا تو دوسری بار ضرور اس پر رحم کیا جائے گا اور اسے صفا مروہ کے درمیان چکر لگاتے ہوئے قیامت کے میدان میں ترازو کے دو پلڑوں کے درمیان چکر لگانے کو یاد رکھنا چاہیئے وہ صفا کو نیکیوں کا اور مروہ کو برائیوں (کے وزن) کا پلڑا سمجھے اور یاد کرے کہ اسے دونوں پلڑوں کے درمیان اسی طرح دوڑنا ہوگا تاکہ وہ دیکھے کہ کونسا پلڑا غالب رہتا ہے اور کونسا مغلوب، اسے عذاب اور بخشش میں تردد ہوتا ہے۔

وقوفِ عرفات جب تو مخلوق کے ہجوم، آواز کے بلند ہوتے، زبانوں کے اختلاف مختلف جماعتوں کے اپنے ائمہ کے پیچھے مقاماتِ مقدسہ پر جائیے، ان کے پیچھے چلنے اور ان کے جانے کے ساتھ چلنے کو دیکھے تو قیامت کو یاد کر نیز انبیاء کرام اور ائمہ کے ساتھ امتوں کے اجتماع، ہر نبی کے پیچھے اس کی امت، ان کی شفاعت کی طمع اور اس ایک میدان میں قبول اور مردود ہونے کے درمیان حیرانگی کو یاد رکھ جب تو اس بات کو یاد کرے تو اپنے دل کو تواضع اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع پر لگا دے اس طرح تو کامیاب اور رحم کیے گئے لوگوں کی جماعت میں اٹھایا جائے گا۔ دعا کی قبولیت کی پکی امید رکھو، موقف (عرفات) مقام شرف ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے رحمت، اوتاد (اولیاء کرام کا ایک درجہ) کے عزیز دلوں کے ذریعے تمام مخلوق تک پہنچتی ہے عرفات، ابدال اور اوتاد صالحین اور اربابِ قلوب کے ایک طبقہ سے خالی نہیں ہوتا۔

جب ان کی ہمتیں جمع ہو جائیں اور تواضع اور رجوع الی اللہ کے لئے ان کے دل خالی ہو جائیں ان کے ہاتھ بارگاہِ خداوندی میں اٹھ جائیں اس کی طرف ان کی گردنیں بلند ہوں، نگاہیں آسمان کی طرف اٹھیں اور طلبِ رحمت پر ان سب کی ہمت واراده مجتمع ہو تو تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ ان کی امید نامراد ہوگی، کوشش ضائع ہوگی اور ان سے ڈھانپنے والی رحمت کو روک کر جمع کر دیا جائے گا، اسی لیے کہا گیا ہے کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان عرفات میں حاضر ہوا اور یہ خیال کرے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی، چنانچہ ان سب کی ہمتوں کا اجتماع، اور ظہور، مختلف شہروں سے آنے والے ابدال اور اوتاد کا وہاں جمع ہو کر ان کا ساتھ دینا ہی حج کا راز اور مقصود اصلی ہے لہٰذا جب ایک مقام پر ہمتیں جمع ہوں اور دل ایک دوسرے کے معاون ہوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا کوئی طریقہ اس طریقے کی مثل نہیں ہے۔

کنکریاں مارنا اس سے یہ ارادہ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بندگی اور غلامی کا اظہار کر رہا ہے وہ محض اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور اس میں عقل و نفس کا کوئی دخل نہیں ہے، پھر تم حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے ساتھ مشابہت کا ارادہ کر۔ کہ جب اس مقام پر شیطان ان کے سامنے آیا تاکہ ان کے حج میں شبہ ڈالے یا انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا کرے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ شیطان کو بھگانے اور اس کی امیدوں پر پانی پھیرنے کے لیے اسے پتھر ماریں اگر تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے تو واقعی شیطان آیا اور انہوں نے اسے دیکھا بھی تھا اس لیے اسے مارا تھا لیکن میرے سامنے تو شیطان نہیں ہے۔ تو جان لو کہ یہ خیال بھی شیطان کی طرف سے ہے اور اسی نے تمہارے دل میں یہ بات ڈالی ہے تاکہ کنکریاں مارنے کے سلسلے میں تمہارا ارادہ ختم ہو جائے اور یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں نیز یہ کھیل کی طرح ہے تم اس میں مشغول نہ ہو، لہٰذا تم اسے خوب پتھر مارو تاکہ وہ تم سے دور ہو جائے اور ذلیل و رسوا ہو جائے اور جان لو کہ ظاہر میں تم ستونوں کو کنکریاں مارتے ہو لیکن حقیقت میں تم اسے شیطان کے منہ پر مارتے ہو۔ اور اس کی پیٹھ توڑتے ہو، کیونکہ شیطان اسی صورت میں ذلیل و رسوا ہوتا ہے جب تم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل صرف اس لیے کرتے ہو کہ وہ اس کا حکم ہے اگرچہ وہ فطری یا عقلی عمل نہیں ہے جہاں تک جانور کو ذبح کرنے کا تعلق ہے تو وہ حکم خداوندی کی بجاآوری کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرنا ہے۔ لہٰذا تم کامل جانور ذبح کرو اور امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہر جز کے بدلے تمہارے ایک عضو کو جہنم سے آزاد کرے گا اسی طرح وعدہ ہوا ہے تو جب جانور بڑا اور اس کے اجزا مکمل ہوں گے تو تمہاری جہنم سے آزادی بھی زیادہ ہوگی۔

مدینہ طیبہ کی زیارت

جب تمہاری نگاہ اس کی دیواروں پر پڑے تو یاد کر کہ یہ وہ شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پسند کیا اور آپ کی ہجرت کو اس کی طرف کر دیا یہ وہ مقام ہے جہاں آپ نے اپنے رب کے فرائض اور اپنی سنت کو جاری کیا اس کے دشمن سے جہاد کیا اور یہیں اس کے دین کو ظاہر کیا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا پھر اس نے آپ کی قبر انور اور آپ کے دو وزیروں (حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما) کی قبروں کو وہیں رکھا یہ آپ کے وہ وزیر ہیں جنہوں نے آپ کے حق کو قائم رکھا پھر جب تو اس شہر میں چلے تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ کے قدم مبارک لگنے کی جگہوں کا تصور کر یعنی تو جس جگہ بھی قدم رکھے گا وہاں آپ کے پاک قدم لگے ہوں گے لہٰذا بڑے سکون و وقار کے ساتھ قدم رکھنا اور یہ تصور کرنا کہ ان گلیوں میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم چلے ہیں اور آپ کے قدم مبارک لگے ہیں اور یہ بھی سوچنا کہ آپ کے چلنے میں خشوع اور سکون ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب اقدس میں اپنے ذکر کو ودیعت رکھا اور آپ کے ذکر کو بلند کیا حتیٰ کہ آپ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملا دیا اور اس آدمی کے عمل کو ضائع کر دیا جس نے آپ کی توہین کی اگرچہ آپ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کیا ہو۔

پھر تم یہ بھی تصور کرنا کہ جن لوگوں کو آپ کی مجلس نصیب ہوئی اور انہوں نے آپ کی زیارت اور آپ کے کلام

سننے کا شرف حاصل کیا ان پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہوا اور اس بات پر بہت افسوس کرنا کہ تم نہ تو آپ کی مجلس پا سکے اور نہ صحابہ کرام کی صحبت حاصل کر سکے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنا کہ دنیا میں تم آپ کی زیارت سے محروم رہے اور آخرت میں آپ کی زیارت کے بارے میں بن نہیں۔

اور ممکن ہے تم حضور علیہ السلام کو حسرت کے ساتھ دیکھو کیونکہ تم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے آپ کے ہاں شرف قبولیت پا سکو اور یہی بات رکاوٹ بنے جیسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَرْفَعُ اللّٰهُ اِلَيَّ قَوْمًا فَيَقُوْلُوْنَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اَصْحَابِيْ! فَيَقُوْلُ اَنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ بُعْدًا وَّسُحْقًا۔

اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو میرے سامنے لائے گا تو وہ کہیں گے اے محمد! اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کہوں گا اے میرے رب یہ میرے اصحاب ہیں! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا کام جاری کئے تو میں کہوں گا دور ہو جاؤ (۱)

اگر تم، آپ کی شریعت کی عزت و احترام چھوڑ دو اگرچہ ایک ہو تو اس بات سے یہ خوف نہ ہونا کہ آپ کے راستے سے روگردانی "تمہارے اور حضور کے درمیان حجاب بن جائے اس کے باوجود نہیں بہت بڑی امید ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی پردہ نہیں ڈالے گا۔ کیونکہ اس نے تجھے ایمان کی دولت عطا کی اور تجھے وطن سے آپ کی زیارت کے لیے لیا تمہارا مقصد نہ تو تجارت ہے۔ اور نہ ہی دنیا سے کوئی حصہ وصول کرنا بلکہ تم محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور شوق میں آئے ہو کہ آپ کے آثار مبارکہ اور قبر شریف کی عمارت کی زیارت کرو کیونکہ جب تم آپ کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے تو اب تم نے صرف اس مقصد کے لیے سفر کیا تو اللہ تعالیٰ کے شایان شان یہ ہے کہ وہ تمہاری طرف نظر رحمت سے دیکھے۔

جب تم مسجد نبوی شریف میں پہنچو تو یاد کرو کہ یہ وہ مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے صحابہ کرام اور افضل جماعت کے لیے پسند فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے فرائض سب سے پہلے اسی مقام پر ادا کئے گئے اور اس مسجد میں مخلوق خدا میں سے افضل لوگ حالت حیات میں اور وصال کے بعد بھی موجود ہیں تو نہیں اللہ تعالیٰ سے پُر امید ہونا چاہیے کہ وہاں داخل ہونے کی وجہ سے وہ تم پر رحم فرمائے گا پس تم وہاں خشوع و خضوع کے ساتھ داخل ہو اور یہ مقام اس بات کے کس قدر لائق ہے کہ ہر مومن کے دل سے خشوع کا مطالبہ کیا جائے جیسے حضرت ابو سلیمان

---

(۱) الترغیب والترہیب، جلد اول ص ۶۵، الترغیب فی العمل۔

سے حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے حج کیا اور وہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے جب مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوئے تو ان سے کہا گیا ہے ۔ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف ہے تو ان پر بیہوشی طاری ہو گئی جب افاقہ ہوا تو فرمایا مجھے یہاں سے نکالو مجھے اس شہر میں مزہ نہیں آتا جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دفن کئے گئے ہوں ۔

زیارتِ نبوی جہاں تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا تعلق ہے تو آپ کے سامنے اس طرح کھڑا ہونا چاہیئے جیسے ہم نے بیان کیا ہے اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی زیارت اس طرح کی جائے جس طرح (ظاہری) زندگی میں آپ کی زیارت کی جاتی تھی ۔ اور آپ کی قبر شریف کے صرف اس قدر قریب ہونا جس قدر آپ کی زندگی میں آپ کے قریب ہوتے اگر اس وقت آپ (ظاہری زندگی سے) زندہ ہوتے اور جیسا کہ تم اس بات کو عزت سمجھتے کہ آپ کے جسم اقدس کو نہ ہاتھ لگاؤ اور نہ بوسہ دو بلکہ آپ کے سامنے جھکے ہوئے دور کھڑے ہوتے اسی طرح اب بھی کرو کیونکہ زیارات کو ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا عیسائیوں اور یہودیوں کا طریقہ ہے (۱) اور یہ عقیدہ رکھنا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری یہاں حاضری، کھڑا ہونے اور زیارت کرنے کو جانتے ہیں اور آپ تک تمہارا سلام اور درود شریف پہنچتا ہے پس تم آپ کی ذات گرامی کو قبر شریف میں حاضر سمجھو اور آپ کے عظیم مقام کو دل میں حاضر کرو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبر شریف پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو آپ کے امتیوں میں سے سلام بھیجنے والے کے سلام کو آپ تک پہنچاتا ہے (۲) یہ تو اس شخص کے بارے میں ہے تو اس آدمی کا سلام کیسے نہیں پہنچے گا جس نے اپنے وطن سے جدائی اختیار کی اور آپ کی ملاقات کے شوق میں جنگلوں کا سفر کیا اور آپ کے روضۂ مطہرہ کی زیارت پر اکتفا کیا کیوں کہ آپ کی زیارت طیبہ سے وہ محروم رہا ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ مَرَّةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا ۔ (۳) جس نے مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے ۔

تو یہ اس بات کا بدلہ ہے کہ وہ زبان سے درود شریف پڑھتا تو بدن کے ساتھ وہاں حاضری کا کتنا بڑا اجر ہوگا ۔

---

(۱) اگر فرط محبت میں بوسہ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں محض رسم بنا لینا اور اُدھر اعمال سے خالی ہونا انبیاء کرام کے راستے پر نہ چلنا یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے ۱۲ ہزاروی ۔

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۴۱ مرویات عبداللہ رضی اللہ عنہ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۷۲ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

منبر شریف کے پاس آؤ اور یوں تصور کرو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہیں اور صحابہ کرام مہاجرین و انصار آپ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں اور آپ اپنے خطبہ میں ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ترغیب دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کہ وہ قیامت تک تمہارے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جدائی نہ ڈالے۔

جب وہ ان تمام امور سے فارغ ہو جائے تو اپنے دل میں غم پریشانی اور خوف کو لازم کرے اور سوچے کہ معلوم نہیں اس کا حج قبول ہوا اور وہ محبوبین کی جماعت میں شامل ہوا یا اس کا حج رد کر دیا گیا اور اسے مردود لوگوں کے ساتھ ملا دیا گیا یہ بات اپنے دل اور اعمال کے ذریعے سمجھے جب یہ بات دل میں بیٹھے گی تو اس دھوکے والے گھر (دنیا) سے دوری بڑھے گی اور محبت والے گھر (آخرت کی محبت زیادہ ہوگی اور وہ اپنے اعمال کو دیکھے گا کہ وہ شریعت کے ترازو میں تولے گئے ہیں لہذا قبولیت پر یقین رکھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اسی سے قبول کرتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور جس سے محبت کرتا ہے اس کو دوست بناتا اور اس پر محبت کے آثار ظاہر کر دیتا ہے اس سے اپنے دشمن ابلیس ملعون کے غلبہ کو ہٹاتا ہے جب اس پر یہ بات ظاہر ہو تو یہ قبولیت کی دلیل ہے اور اگر معاملہ اس کے الٹ ہو تو قریب ہے کہ اسے اس سفر سے تکلیف اور مشقت کے سوا کچھ حاصل نہ ہو ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اسرارِ حج کا بیان مکمل ہوا اس کے بعد تلاوتِ قرآن کے آداب کا بیان ہوگا۔

آدابِ تلاوتِ قرآن کا بیان

ہر قسم کی حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنے نبی مرسل اور اپنی کتاب منزل جس کے پاس آگے یا پیچھے سے باطل نہیں آسکتا اور وہ حکمت والے تعریف والے کی طرف سے اتاری گئی ہے کے ذریعے بندوں پر احسان فرمایا۔ یہاں تک کہ غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس (قرآن پاک) کے واقعات اور خبروں پر قیاس کا طریقہ وسیع ہوا اور اس کے ذریعے سیدھے راستے پر چلنا واضح ہو گیا کیوں کہ اس میں احکام کو تفصیل سے بیان کیا اور حلال و حرام کے درمیان فرق کر کے بتایا وہ روشنی اور نور ہے، اسی کے ذریعے دھوکے سے نجات ملتی ہے اور اسی میں سینوں کی بیماریوں سے شفا ہے جو متکبر اس کا مخالف ہوا اللہ تعالیٰ اسے توڑ دیتا ہے اور جو شخص اس کے غیر میں علم تلاش کرے اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی اور واضح نور ہے مضبوط اور مکمل سہارا ہے وہ قلیل و کثیر اور صغیر و کبیر کو گھیرے ہوئے ہے اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے اہل علم کے نزدیک اس کے فوائد کو کوئی حد گھیر نہیں سکتی اور تلاوت کرنے والوں کے بار بار تلاوت کرنے سے وہ پرانا نہیں ہوتا اسی نے پہلوں اور پچھلوں کو ہدایت دی اور جب جنوں نے اسے سنا تو وہ فوراً اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے واپس ہو گئے۔

اور انہوں نے کہا:

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا۔ (۱)

بے شک ہم نے عجیب قرآن سنا جو ہدایت کی طرف بلاتا ہے پس ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

تو اس پر جو بھی ایمان لایا اسے توفیق دی گئی جس نے اس کے ذریعے کلام کیا اس نے سچ کہا جس نے اسے دلیل بنایا اس نے ہدایت پائی جس نے اس پر عمل کیا وہ کامیاب ہوا۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (۲)

بے شک ہم نے ذکر (قرآن پاک) کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

دلوں اور جلدوں میں اسے محفوظ رکھنے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی تلاوت کی جائے اور اس کے آداب و شروط کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی تدریس کو ہمیشہ جاری رکھا جائے اور اس کے اعمال باطنہ اور ظاہری آداب کی حفاظت کی جائے لہٰذا اس کا بیان اور تفصیل ضروری ہے۔ اس کے مقاصد چار بابوں میں واضح ہوں گے۔

پہلا باب :۔ قرآن پاک اور اہل قرآن کی فضیلت

دوسرا باب :۔ تلاوت کے ظاہری آداب

تیسرا باب : تلاوت کے وقت باطنی اعمال

چوتھا باب : قرآن پاک کو سمجھنا اور اپنی رائے سے اس کی تفسیر کرنا وغیرہ۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ جن آیت ۱، ۲

(۲) قرآن مجید سورۂ الحجر آیت ۹

پہلا باب

قرآن پاک اور اس کے اہل لوگوں کی فضیلت اور تلاوت میں کوتاہی کرنے والوں کی مذمت

فضیلتِ قرآن:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مَنْ قَرَءَ الْقُرْآنَ ثُمَّ رَأَىٰ أَنَّ أَحَدًا أُوتِيَ أَفْضَلَ مِمَّا أُوتِيَ فَقَدِ اسْتَصْغَرَ مَا عَظَّمَهُ اللّٰهُ۔ (۱)

جس شخص نے قرآن پاک پڑھا پھر یہ خیال کیا کہ کسی شخص کو اس سے افضل چیز عطا کی گئی ہے تو اس نے اس چیز کو چھوٹا قرار دیا جسے اللہ تعالیٰ نے عظمت عطا فرمائی ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:
مَا مِنْ شَفِيعٍ أَفْضَلَ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالَىٰ مِنَ الْقُرْآنِ لَا نَبِيٌّ وَلَا مَلَكٌ وَلَا غَيْرُهُ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن پاک سے بڑھ کر کسی شفاعت کرنے والے کا مقام نہیں نہ کسی نبی کا نہ فرشتے اور نہ کسی اور کا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لَوْ كَانَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ مَا مَسَّتْهُ النَّارُ۔ (۳)

اگر قرآن پاک کسی چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں پہنچتی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
أَفْضَلُ عِبَادَةِ أُمَّتِي تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ (۴)

میری امت کی بہترین عبادت، تلاوتِ قرآن پاک ہے۔

---

(۱) الدر المنثور جلد اول ص ۳۴۹ زیر آیت من یوتی الحکمۃ
(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۷۰ کتاب صلاۃ المسافرین
(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۵ مرویات عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
(۴) کنز العمال جلد اول ص ۱۱۱ حدیث ۲۲۶۴

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَرَأَ طٰهٰ وَ يٰسٓ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ بِأَلْفِ عَامٍ فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلٰئِكَةُ الْقُرْآنَ قَالَتْ طُوْبٰى لِأُمَّةٍ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ هٰذَا وَطُوْبٰى لِأَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا وَطُوْبٰى لِأَلْسِنَةٍ تَنْطِقُ بِهٰذَا۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے ایک ہزار سال پہلے سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسین پڑھی جب فرشتوں نے قرآن پاک سنا تو کہا اس امت کو مبارک ہو جن پر یہ قرآن نازل ہوگا وہ سینے مبارک باد کے مستحق ہیں جو اسے اٹھائیں گے اور ان زبانوں کو مبارک ہو جن پر یہ جاری ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ، (۲)

تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْ شَغَلَهُ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ عَنْ دُعَائِيْ وَمَسْأَلَتِيْ أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ ثَوَابِ الشَّاكِرِيْنَ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن پاک کی قرأت مجھ سے دعا مانگنے اور سوال کرنے سے روک دے تو میں اسے شکر کرنے والوں کا افضل ثواب عطا کرتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ثَلَاثَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى كَثِيْبٍ مِنْ مِسْكٍ أَسْوَدَ لَا يَهُوْلُهُمْ فَزَعٌ وَلَا يَنَالُهُمْ حِسَابٌ حَتّٰى يُفْرَغَ مَا بَيْنَ النَّاسِ رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَرَجُلٌ أَمَّ بِهِ قَوْمًا وَهُمْ

تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن سیاہ کستوری کے ٹیلے پر ہوں گے نہ انہیں وحشت ہوگی نہ ان کا حساب کتاب ہوگا حتیٰ کہ لوگوں کے حساب سے فراغت ہو جائے وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قرآن پاک اور وہ شخص جس نے قرآن پاک کے ساتھ امامت

(۱) مجمع الزوائد جلد ۷ ص ۵۶ سورۂ طٰہٰ

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵۲، ابواب فضائل القرآن

(۳) حلیۃ الاولیاء جلد ۵ ص ۲۹۹ ترجمہ ۲۹۹

بہ راضُوْنَ (۱)

کروائی اور لوگ اس پر راضی ہیں، (اور تیسرا وہ شخص ہے جو مسجد میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اذان دیتا اور لوگوں کو بلاتا ہے)

٭ ٭ ٭

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اَهْلُ الْقُرْآنِ اَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهٗ۔

قرآن پاک (پڑھنے) والے لوگ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اس کے خاص بندے ہیں۔

(۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:
اِنَّ الْقُلُوْبَ تَصْدَاُ كَمَا يَصْدَاُ الْحَدِيْدُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جِلَاءُهَا فَقَالَ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ وَذِكْرُ الْمَوْتِ۔

بے شک دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسے لوہے کو زنگ لگتا ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اس کی چمک کس چیز کے ساتھ ہوتی ہے؟ فرمایا قرآن پاک کی تلاوت اور موت کے ذکر سے۔

(۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
لَلّٰهُ اَشَدُّ اُذُنًا اِلٰى قَارِئِ الْقُرْآنِ مِنْ صَاحِبِ الْقَيْنَةِ اِلٰى قَيْنَتِهٖ۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک پڑھنے والے (کی تلاوت) کو جس قدر سنتا ہے گانے والی کا مالک بھی اس کا گانا اس قدر نہیں سنتا۔

(۴)

اقوالِ صحابہ وتابعین

حضرت ابو امامہ باہلی رحمہ اللہ نے فرمایا:
قرآن پاک پڑھا کرو نہیں یہ لکھا ہوا مصحف دھوکہ نہ دے (یعنی صرف اسی پر اکتفا نہ کرو) کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب نہیں دے گا جو قرآن پاک کا ظرف (برتن) ہو، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب تم علم کا ارادہ کرو تو قرآن پاک میں بحث کرو کیوں کہ اس میں پہلوں اور پچھلوں کا علم ہے

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں:
قرآن پاک پڑھو نہیں اس کے ہر حرف پر دس نیکیاں دی جائے گی میں یہ نہیں کہتا کہ " الٓمٓ " ایک حرف ہے بلکہ الف

---

(۱) کنز العمال جلد ۱ ص ۵۲۳ حدیث ۲۳۴۹ ۲

(۲) کنز العمال جلد اول ص ۵۱۳ حدیث ۲۲۷۸

(۳) کنز العمال جلد ۲ ص ۲۲۱ حدیث ۳۹۲۴

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۹ مرویات فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ

الگ حرف ہے لام الگ حرف ہے اور میم بھی الگ حرف ہے"۔ آپ نے مزید فرمایا۔
تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ سے قرآن پاک کے علاوہ کا سوال نہ کرے اگر وہ قرآن پاک سے محبت کرتا اور اسے پسند کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اگر وہ قرآن پاک سے بغض رکھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھتا ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا "قرآن پاک کی ہر آیت جنت کی ایک سیڑھی اور تمہارے گھروں کا چراغ ہے"۔ آپ نے مزید فرمایا "جس نے قرآن پاک پڑھا تو اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان نبوت رکھ دی جائے گی لیکن اس کی طرف وحی نہیں ہو گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کی جائے وہ اہل خانہ پر کشادہ ہو جاتا ہے اس میں بھلائی زیادہ ہوتی ہے (برکت ہوتی ہے) وہاں فرشتے آتے ہیں اور شیطان وہاں سے نکل جاتے ہیں اور جس گھر میں قرآن نہ پڑھا جائے وہ گھر اپنے اہل پر تنگ ہو جاتا ہے، اس میں برکت کم ہوتی ہے اور فرشتے وہاں سے چلے جاتے ہیں جب کہ شیطان وہاں آجاتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی تو میں نے عرض کیا "یا اللہ! جن امور کے ذریعے مقربین تیرا قرب حاصل کرتے ہیں ان میں سے افضل کیا عمل ہے؟ فرمایا اے احمد! میرا کلام (قرآن پاک) فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اے میرے رب! سمجھ کے ساتھ یا سمجھ کے بغیر بھی؟ فرمایا سمجھ کے ساتھ بھی اور سمجھ کے بغیر بھی"۔ حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قیامت کے دن جب لوگ اللہ تعالیٰ سے قرآن پاک سنیں گے تو (یوں معلوم ہو گا) گویا انہوں نے اس سے پہلے کبھی سنا ہی نہیں۔

حضرت قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
قرآن پاک کے حافظ (اور عالم) کو چاہیئے کہ وہ کسی کے سامنے حاجت پیش نہ کرے نہ حکمرانوں کے سامنے اور نہ ان سے کم درجے کے لوگوں کے سامنے، بلکہ لوگوں کو اس کا حاجت مند ہونا چاہیئے انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن پاک کا حافظ و حامل (اور عالم) اسلام کا جھنڈا اٹھانے والا ہے لہذا اسے لہو و لعب میں مشغول ہونے والوں کے ساتھ مشغول نہیں ہونا چاہیئے نہ وہ بھولنے والوں کے ساتھ اور نہ فضول کام والوں کے ساتھ شامل ہو۔ یعنی قرآن پاک کی تعظیم کا حق ادا کرتے ہوئے اسے ان لوگوں سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "جب انسان قرآن پاک پڑھتا ہے تو فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے بوسہ دیتا ہے۔

حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ کر قرآن پاک کھولا اور اس سے سو آیات پڑھیں

اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں کے عمل کی مثل اسے عمل کا ثواب عطا فرماتا ہے۔
ایک روایت میں ہے کہ حضرت خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میرے سامنے قرآن پاک پڑھیں آپ نے ان کے سامنے پڑھا۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ، انصاف، احسان اور قرابتداروں کو (کچھ نہ کچھ) دینے کا حکم دیتا ہے۔

انہوں نے عرض کیا دوبارہ پڑھیں آپ نے دوبارہ پڑھا تو انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم! بے شک اس میں مٹھاس ہے اور اس پر شادابی ہے اس کا نچلا حصہ سیراب کرنے والا اور اوپر والا حصہ پھل دینے والا ہے اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں (۲)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! قرآن کے علاوہ مالداری نہیں اور اس کے بعد فاقہ نہیں حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص صبح کے وقت سورۂ حشر کی آخری آیات پڑھے پھر اسی دن مر جائے تو اس پر شہداء کی مہر لگ جائے گی اور جو شخص رات کو پڑھے اور اسی رات فوت ہو جائے تو اس پر بھی شہداء کی مہر لگ جائے گی۔ حضرت قاسم بن عبدالرحمن فرماتے ہیں میں نے ایک عابد سے پوچھا کہ یہاں کوئی ایسا شخص نہیں جس کے ساتھ تم مانوس رہو تو انہوں نے قرآن پاک کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی گود میں رکھا اور فرمایا یہ ہے۔
حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا تین چیزیں حافظ کو تیز کرتی ہیں اور بلغم کو دور کر دیتی ہیں (۱) مسواک (۲) روزہ اور (۳) قرآن پاک پڑھنا۔

غافل لوگوں کی تلاوت کی مذمت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بہت سے لوگ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن پاک ان پر لعنت بھیجتا ہے" حضرت میسرہ فرماتے ہیں۔
"بدکار آدمی کے سینے میں قرآن پاک مسافر ہے" حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں قرآن پاک کے وہ حامل جو قرآن پاک پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ دوزخ کے فرشتے بت پرستوں کی نسبت ان کو جلدی پکڑیں گے"
بعض علماء نے فرمایا کہ جب انسان قرآن پاک پڑھتا ہے پھر اس میں گفتگو شامل کر کے دوبارہ پڑھتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ میرے کلام کے ساتھ تیرا کیا تعلق ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۹۰

(۲) الدر المنثور جلد ۴ ص ۱۲۸ تحت ان اللہ یامر بالعدل الایۃ

حضرت ابن رباح فرماتے ہیں "میں قرآن پاک یاد کرکے پچھتایا کیوں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ قیامت کے دن قرآن پاک دونوں سے وہ سوال ہوگا جو انبیاء کرام سے ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حاملِ قرآن کو چاہیے کہ وہ اپنی رات سے پہچانا جائے جب لوگ سوئے ہوں اور دن سے جب لوگ کوتاہی کرتے ہوں غم سے جب لوگ خوش ہوں، رونے سے جب لوگ ہنس رہے ہوں۔ خاموشی سے جب لوگ بیہودہ گفتگو میں مبتلا ہوں، عاجزی سے جب لوگ تکبر کرتے ہوں اور حامل قرآن کو چاہیے کہ وہ پُر سکون نرم طبیعت والا ہو، جفا کار، جھگڑالو، چیخنے والا، شور و شغب کرنے والا اور سخت مزاج نہ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَکْثَرُ مُنَافِقِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قُرَّاؤُهَا (۱)

اس امت کے زیادہ منافق، قُراء ہیں (۲)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِقْرَاءِ الْقُرْآنَ مَا نَهَاكَ فَاِنْ لَّمْ يَنْهَكَ فَلَسْتَ تَقْرَؤُهٗ۔ (۳)

قرآن پاک کی تلاوت اس وقت تک کر جب تک وہ تجھے (برائی سے) روکے اور اگر تو (تلاوت کے باوجود) نہ رکے تو تو نے قرآن نہیں پڑھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا اٰمَنَ بِالْقُرْآنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ (۴)

جس شخص نے قرآن کی حرام کردہ باتوں کو حلال قرار دیا وہ قرآن پاک پر ایمان نہیں لایا۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کوئی بندہ ایک سورت (پڑھنا) شروع کرتا ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا مانگتے ہیں یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے۔ اور کوئی بندہ سورت شروع کرتا ہے تو اس کے فارغ ہونے تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں پوچھا گیا کہ یہ کیسے؟ فرمایا جب وہ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا مانگتے ہیں ورنہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

بعض علماء کرام نے فرمایا بندہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا نفس اس پر لعنت بھیجتا ہے حالانکہ اسے علم نہیں

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۵ مرویات عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

(۲) اس سے مراد ریاکاری یا عملی منافقت ہے اعتقادی منافقت مراد نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

(۳) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۱۲۶ الترہیب من کتم العلم

(۴) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۳۶ حدیث ۷۲۹۵

ہوتا وہ پڑھتا ہے۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (۱) سنو! ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

حالانکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہوتا ہے اور وہ پڑھتا ہے۔

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔(۲) پس ہم! جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کریں۔

حالانکہ وہ خود ان (جھوٹوں) میں سے ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا، تم نے قرآن پاک پڑھنے کو منزلیں اور رات کو اونٹ بنا لیا ہے تم اس پر سوار ہو کر منزلیں طے کرتے ہو جب کہ تم سے پہلے لوگوں نے اسے اپنے رب کے پیغامات سمجھا وہ رات کے وقت اس میں غور و فکر کرتے اور دن کو نافذ کرتے تھے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان لوگوں پر قرآن پاک اس لیے نازل ہوا کہ وہ اس پر عمل کریں تو انہوں نے اس کے پڑھنے کو عمل قرار دیا تم میں سے ایک قرآن پاک کو شروع سے آخر تک پڑھتا ہے ایک حرف بھی نہیں چھوڑتا لیکن عمل چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت اور حضرت جُندب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں۔

ہم نے ایک عرصہ زندگی گزاری ہے ہم میں سے ایک کو قرآن پاک سے پہلے ایمان دیا جاتا، پھر کوئی سورت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تو وہ اس کے حلال، حرام، حکم دینے والی اور ڈانٹ ڈپٹ والی آیات کو سیکھتا نیز ان باتوں کو بھی جن پر توقف کرنا ہوتا پھر میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان میں سے ایک کو قرآن پاک، ایمان سے پہلے دیا جاتا تو وہ فاتحہ سے آخر تک پڑھتا لیکن وہ اس کے حکم دینے والی اور ڈرانے والی آیات کو نہ جانتا اور اسے یہ پتہ ہوتا کہ کہاں توقف کرتا ہے۔ وہ اسے گھاس کی طرح کاٹتا چلا جاتا (۳)

تورات میں ہے ــــ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اے میرے بندے کیا تجھے مجھ سے حیا نہیں آتی تیرے کسی بھائی کا خط آتا ہے اور تو راستے میں چل رہا ہوتا ہے تو تو (اسی وقت) راستے سے ہٹ کر اس کے لیے بیٹھ جاتا ہے اسے پڑھتا ہے اور اس کے ایک ایک حرف میں غور کرتا ہے یہاں تک کہ اس میں سے کچھ بھی تجھ سے نہیں بچتا اور یہ میری کتاب ہے میں نے اسے تیری طرف اتارا دیکھ میں نے اس میں تیرے لیے کتنی باتوں کو تفصیل سے بیان کیا اور کتنی باتوں کو تکرار

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ہود آیت ۱۸

(۲) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۶۱

(۳)

سے بیان کیا تاکہ تو اس کے طول و عرض میں غور و فکر کرے پھر تو اس سے منہ پھیرتا ہے تو کیا میں تیرے نزدیک تیرے ان بعض بھائیوں سے بھی گیا گزرا ہوں اے میرے بندے تیرے پاس تیرے بعض بھائی بیٹھے ہیں تو تو مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دلجمعی کے ساتھ اس کی باتوں کی طرف کان لگا دیتا ہے اگر کوئی کلام کرنے والا کلام کرتا ہے یا تجھے اس گفتگو سے پھیرنا چاہتا ہے تو تو اشارے سے اسے روکتا ہے کہ ٹھہر جاؤ اور میں تیری طرف متوجہ ہوں اور تجھ سے باتیں کرتا ہوں اور تو اپنے دل کو مجھ سے پھیر دیتا ہے تو کیا تو نے مجھے اپنے بعض بھائیوں سے ہلکا سمجھ رکھا ہے۔

دوسرا باب

تلاوت کے ظاہری آداب اور یہ دس ہیں

۱۔ قاری کی حالت کے بیان میں تلاوت کرنے والا باوضو ہو اور ادب، و سکون کی حالت میں ہو کھڑا ہو یا بیٹھا ہو لیکن قبلہ رخ ہونا چاہیے سر جھکایا ہوا ہو نہ چوکڑی مار کر بیٹھے اور نہ تکیہ لگا کر اور نہ ہی متکبرانہ انداز میں بیٹھے اور یوں بیٹھے جیسے استاد کے ساتھ بیٹھتا ہے۔

سب سے افضل حالت، نماز میں حالت قیام میں قرأت کرنا ہے اور یہ کہ مسجد میں ہو یہ سب اعمال سے افضل ہے اور اگر وضو کے بغیر بچھونے پر لیٹ کر تلاوت کرے تو اس کی بھی فضیلت ہے لیکن یہ اس سے کم ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (۱)

وہ لوگ جو کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹ کر) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان سب (تینوں حالتوں میں ذکر کرنے والوں) کی تعریف فرمائی لیکن ذکر میں حالت قیام کو مقدم کیا پھر بیٹھنے اور پھر پہلو کے بل لیٹ کر ذکر کرنے کو بیان کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جو شخص حالت نماز میں کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اس کے لیے ہر حرف کے بدلے ایک سو نیکیاں ہیں اور جو آدمی نماز میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، اس کے لیے ہر حرف کے بدلے پچاس نیکیاں ہیں اور جو شخص نماز کے علاوہ باوضو ہو کر پڑھے اس کے لیے پچیس نیکیاں ہیں اور جو آدمی وضو کے بغیر پڑھے اس کے لیے دس نیکیاں ہیں، رات کے وقت قیام کرنا افضل ہے کیوں کہ اس وقت دل کو زیادہ فراغت ملتی ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دن کو سجدوں کی کثرت اور رات کو لمبا قیام افضل ہے۔

۲۔ قرأت کی مقدار کا بیان زیادہ یا کم پڑھنے میں قراء کی مختلف عادات ہیں بعض حضرات ایک رات دن میں ایک بار پورا قرآن پاک ختم کرتے ہیں اور بعض دو مرتبہ ختم کرتے ہیں بعض تین مرتبہ تک پہنچتے ہیں کچھ لوگ مہینے میں ایک بار ختم کرتے ہیں لیکن مقدار کے سلسلے میں سب سے بہتر بات وہ ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۹۱

نے فرمائی ہے ۔ آپ کا ارشاد ہے ۔

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ لَمْ يَفْقَهْهُ (۱) — جو شخص تین دن سے کم میں قرآن مکمل پڑھتا ہے وہ اسے سمجھ نہیں آتا ۔

کیونکہ اس سے زیادہ پڑھنا ترتیل (ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے) میں مانع ہے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قرآن پاک بہت تیزی سے پڑھتا ہے تو فرمایا بے شک اس شخص نے نہ تو قرآن پاک پڑھا اور نہ خاموش رہا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ ہفتے میں ایک بار قرآن پاک ختم کریں (۲) اسی طرح صحابہ کرام کی ایک جماعت ہفتہ میں ایک بار قرآن پاک ختم کرتی تھی ۔ ان میں حضرت عثمان غنی ، حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم شامل ہیں ۔ تو ختم قرآن کے سلسلے میں چار درجات ہیں ۔

ایک دن رات میں ختم کرنا ، اسے ایک جماعت نے مکروہ قرار دیا ہے ایک مہینے میں مکمل کرنا یعنی ہر روز ایک پارہ پڑھنا گویا یہ کم پڑھنے میں مبالغہ ہے جیسے پہلی صورت زیادہ پڑھنے میں مبالغہ ہے ۔ اور ان دونوں کے درمیان دو درجے ہیں ۔ ایک یہ کہ ہفتے میں ایک بار پڑھے اور دوسرا یہ کہ ہفتہ میں دو بار پڑھے یعنی تقریباً تین دن میں مکمل کرے ۔

زیادہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ ایک ختم رات کے وقت کرے اور دوسرا ختم دن کو کرے دن کا ختم شریف ، سوموار کے دن صبح کی دو رکعتوں میں کرے یا اس کے بعد ۔

اور رات کا ختم جمعۃ المبارک کی رات میں مغرب کی دو رکعتوں میں یا اس کے بعد کرے تاکہ دن کا آغاز اور رات کا آغاز ختم شریف کا استقبال کریں ۔ کیونکہ جب کوئی شخص رات کو ختم کرتا ہے تو فرشتے صبح تک اس کے لیے رحمت کی دعا مانگتے ہیں اور اگر دن کو ختم کرے تو شام تک دعا مانگتے ہیں تو اس طرح ان کی برکت پوری رات اور دن کو شامل ہوتی ہے ۔

مقدارِ قرأت میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ عابدین اور عمل کے راستے پر چلنے والوں میں سے ہے تو ہفتے میں دو بار ختم سے کم نہ کرے اور اگر قلبی اعمال یا فکر کے ذریعے منزل طے کرتا ہے یا علم کی نشر و اشاعت کرنے والوں میں سے ہے تو ہفتے میں ایک بار ختم کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں کوئی حرج نہیں اور اگر قرآن پاک کے معانی میں غور و فکر کرتا ہے تو مہینے میں ایک بار کافی ہے کیونکہ وہ بار بار پڑھنے اور سوچنے کی زیادہ حاجت رکھتا ہے ۔

۳۔ تقسیمِ مقدارِ قرأت

جو شخص ہفتے میں ایک بار ختم کرے تو وہ پورے قرآن کو سات حصوں میں تقسیم کرے صحابہ کرام نے بھی حصوں میں تقسیم کیا (۳) روایات میں ہے کہ حضرت عثمان غنی

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۶۴ مرویات عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵۵ ، ۷۵۶ ، کتاب فضائل القرآن (۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۹۸ کتاب الصلوٰۃ

جمعہ کی رات سورۂ بقرہ شروع کرتے اور سورۂ مائدہ تک پڑھتے، ہفتے کی رات سورۂ انعام سے سورۂ ہود تک، اتوار کی رات سورۂ یوسف سے سورۂ مریم تک، سوموار کی رات سورۂ طٰہٰ سے طٰسٓمٓ موسیٰ و فرعون تک، منگل کی رات سورۂ عنکبوت سے سورہ صٓ تک بدھ کی رات سورۂ تنزیل سے سورۂ رحمٰن تک پڑھتے اور جمعرات کی رات ختم کر دیتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی منزلوں پر تقسیم کرتے تھے لیکن ان کی ترتیب یہ نہیں تھی اور کہا گیا ہے کہ قرآن پاک کی سات منزلیں ہیں پہلی منزل میں تین سورتیں شامل ہیں دوسری منزل پانچ سورتوں، تیسری منزل سات سورتوں، چوتھی منزل نو سورتوں پانچویں منزل گیارہ سورتوں اور چھٹی منزل تیرہ سورتوں پر مشتمل ہے جب کہ ساتویں منزل سورۂ ق سے آخر تک ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح منزلوں پر تقسیم کیا تھا۔ اور وہ اسی طرح پڑھا کرتے تھے اور اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حدیث بھی مروی ہے اور یہ بات اس وقت کی ہے جب اسے پانچ یا دس حصوں یا تیس پاروں پر تقسیم نہیں کیا گیا تھا یہ تقسیم بعد کی ہے۔

۴. کتابت

قرآن پاک کو خوشخطی کے ساتھ لکھنا مستحب ہے اور سُرخ رنگ کے ساتھ نقطے اور علامات لگانے میں بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ اس میں زینت، توضیح اور پڑھنے والوں کو غلطی سے روکنا ہے حضرت حسن بصری اور حضرت ابن سیرین رحمہما اللہ، پانچ یا دس حصوں اور تیس پاروں میں تقسیم پر اعتراض کرتے تھے، حضرت شعبی اور حضرت ابراہیم علیہما الرحمہ سے سُرخی کے ساتھ نقطے لگانے کی کراہیت منقول ہے نیز وہ اس پر اُجرت لینے کو بھی ناپسند کرتے تھے اور وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ قرآن پاک کو صاف رکھو ان لوگوں کے بارے میں یہی گمان کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اس دروازے کو کھولنا اس لیے ناپسند کیا کہ کہیں اس میں زیادتیاں نہ پیدا ہو جائیں اور انہوں نے قرآن پاک کو تغیر و تبدل سے بچانے کی خاطر اسے ناپسند کیا اور اگر اس سے کوئی ممنوع بات لازم نہ آئے اور سب نے اتفاق کیا کہ اس (نقطے وغیرہ لگانے) سے اس کی زیادہ معرفت حاصل ہوتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں محض اس کا نیا ہونا مانع نہیں کتنے ہی نئے کام ہیں جو اچھے ہیں جیسے کہا گیا کہ تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنے کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جاری کیا اور یہ بدعتِ حسنہ ہے۔ بدعت مذمومہ وہ ہے جو سنت قدیمہ کے خلاف ہو یا سنت کی تبدیلی کا باعث ہو (۱) ان میں سے بعض حضرات فرماتے تھے کہ میں نقطے والے قرآن پاک سے پڑھ لیتا ہوں لیکن خود نقطے نہیں لگاتا۔ حضرت

---

(۱) حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کے اس کلام سے ان لوگوں کو سبق سیکھنا چاہیے جو ہر اچھے کام کو محض نیا ہونے کی وجہ سے بدعت کہہ کر رد کر دیتے ہیں اور عام مسلمانوں کو بدعتی قرار دیتے ہیں، مثلاً سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد شریف منانا اور ایصال ثواب وغیرہ کو وہ لوگ بدعت قرار دیتے ہیں ایسے لوگوں کو اپنی اس غلط سوچ سے توبہ کرنی چاہیے ہمارے بزرگوں کی یہ سوچ نہ تھی ۱۲ ہزاروی۔

اوزاعی، حضرت یحییٰ بن ابی کثیر (رحمہما اللہ) سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔
قرآن پاک (نقطوں وغیرہ سے) صاف تھا تو سب سے پہلے با، تا، وغیرہ پر نقطے لگائے گئے اور ان حضرات نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس کا نور ہے پھر انہوں نے آیات کے اختتام پر بڑے نقطے لگائے اور فرمایا اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے آیت کے اختتام کا پتہ چلتا ہے اس کے بعد انہوں نے آغاز و اختتام کی علامات لگائیں۔ حضرت ابو بکر ہذلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت حسن رحمہ اللہ سے سرخی کے ساتھ قرآن پاک کے نقطے لگانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اس کے نقطے کیا ہیں؟ میں نے کہا عربی کلمات کو اعراب لگاتے ہیں انہوں نے فرمایا قرآن پاک کے اعراب میں کوئی حرج نہیں (اعراب سے مراد کلمے کے آخر میں زبر زیر وغیرہ ڈالنا ہے) حضرت خالد حذاء رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ نقطے والے قرآن پاک سے پڑھ رہے ہیں حالانکہ وہ نقطے لگانے کو ناپسند کیا کرتے تھے، کہا گیا کہ حجاج بن یوسف نے یہ کام کیا ہے اس نے قراء کرام کو جمع کیا حتیٰ کہ انہوں نے قرآن پاک کے کلمات اور حروف کی گنتی کی اور اس کے اجزاء کو برابر کر کے تیس پاروں میں تقسیم کیا اس کے علاوہ تقسیمیں بھی بنائیں (مثلاً ربع، نصف اور ثلث وغیرہ)

۵۔ ترتیل قرآن پاک میں ترتیل مستحب ہے کیوں کہ قراءت کا مقصد غور و فکر کرنا ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے اور ترتیل سے پڑھنے میں اس کام پر مدد ملتی ہے اسی لیے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا وصف بیان کرتے ہوئے بتایا کہ آپ ایک ایک حرف کر کے مفسر طور پر پڑھتے تھے۔ (۱)
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں صرف سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ترتیل کے ساتھ پڑھوں تو پورے قرآن کو تیزی کے ساتھ پڑھنے سے بہتر ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں سورہ زلزال اور سورۂ القارعۃ پڑھتے ہوئے ان میں غور و فکر کروں تو یہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو جلدی جلدی پڑھنے سے بہتر ہے۔
حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے ان دو آدمیوں کے بارے میں پوچھا گیا جنہوں نے نماز شروع کی اور ان کا قیام ایک جیسا تھا لیکن ان میں سے ایک نے صرف سورۂ بقرہ پڑھی اور دوسرے نے پورا قرآن پاک پڑھا تو انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں کا ثواب برابر ہے، اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ترتیل محض تدبر کے لیے ہی مستحب نہیں عجمی آدمی جو قرآن پاک کے معانی کو نہیں سمجھتا اس کے لیے بھی قرأت میں ترتیل مستحب ہے کیوں اس میں قرآن پاک کی توقیر و احترام زیادہ ہے نیز جلدی پڑھنے کی نسبت یہ دل میں زیادہ تاثیر پیدا کرتی ہے۔

۶۔ رونا قرآن پاک پڑھتے ہوئے رونا مستحب ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۰۶ کتاب الصلوٰۃ

اُتْلُوا الْقُرْآنَ وَابْكُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا ۔ (۱) قرآن پاک پڑھتے ہوئے روؤ اور اگر رو نہ سکو تو رونے کی شکل بناؤ۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ ۔ (۲) جو شخص قرآن پاک کو خوش آوازی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت صالح مُری فرماتے ہیں میں نے خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن پاک پڑھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے صالح! یہ تو قرات ہے رونا کہاں ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب تم اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کی آیت پڑھو تو سجدہ کرنے میں جلدی نہ کرو یہاں تک کہ تم روؤ اور اگر تم میں سے کسی کی آنکھ نہ روئے تو دل کو رونا چاہیئے تکلف رونے کا طریقہ یہ ہے کہ دل میں حزن و ملال کو حاضر کرے کیوں کہ اس سے رونا پیدا ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ بِحُزْنٍ فَاِذَا قَرَاْتُمُوْهُ فَتَحَازَنُوْا (۳) بے شک قرآن پاک حُزن کے ساتھ اترا ہے لہٰذا جب تم اسے پڑھو تو حُزن ظاہر کرو۔

اور حُزن (غم) ظاہر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کے ڈرانے، وعدہ اور عہد و پیمان کو یاد کرے پھر سوچے کہ اس نے اس کے اوامر و نواہی میں کتنی کوتاہی کی ہے تو اس طرح وہ ضرور غمگین ہوگا اور روئے گا اور اگر غم اور رونا ظاہر نہ ہو جس طرح صاف دل والے لوگ روتے ہیں تو اس حزن اور رونے کے نہ پائے جانے پر روئے کیونکہ یہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔

۷۔ **حق آیات کی رعایت:** کرے جب کسی آیتِ سجدہ کی تلاوت کرے تو سجدہ کرے اسی طرح جب کسی دوسرے سے آیت سجدہ سنے تو بھی سجدہ کرے جب تلاوت کرنے والا سجدہ کرے (یہ اس صورت میں ہے جب امام کے پیچھے ہو ورنہ یہ شرط نہیں) بے وضو حالت میں سجدہ نہ کرے قرآن پاک میں چودہ سجدے ہیں سورۂ حج میں دو سجدے ہیں (احناف کے نزدیک ایک سجدہ ہے) سورۂ ص میں سجدہ نہیں ہے (احناف کے نزدیک سورۂ ص میں سجدہ ہے) سجدے کی کم از کم کیفیت یہ

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۹۶ باب فی حسن الصوت للقرآن

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱ ۵ ، کتاب فضائل القرآن

(۳) الضعفاء الکبیر جلد ۳ ص ۲۲۲ ترجمہ ۶۲ ۴ ۱

ہے کہ پیشانی کو زمین پر ٹکائے اور زیادہ کامل طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہہ کر سجدے میں جائے اور پڑھی گئی آیت کے لائق دعا مانگے مثلاً اگر وہ یہ آیت کریمہ پڑھے۔

خَرُّوا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ۔ (۱)

وہ سجدے میں گر گئے اور انہوں نے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کی اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

تو یہ دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ السَّاجِدِينَ لِوَجْهِكَ الْمُسَبِّحِينَ بِحَمْدِكَ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْتَكْبِرِينَ عَنْ اَمْرِكَ اَوْ عَلٰى اَوْلِيَائِكَ۔

یا اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دے جو تیرے لیے سجدہ کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور میں اس بات سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں تیرے حکم سے یا تیرے اولیاء کرام کے خلاف تکبر کرنے والا ہو جاؤں۔

اور جب یہ آیت کریمہ پڑھے۔

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (۲)

اور وہ اپنے چہروں کے بل گر جاتے ہیں اور ان کی عاجزی میں اضافہ ہوتا ہے۔

تو یہ دعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الْبَاكِيْنَ اِلَيْكَ الْخَاشِعِيْنَ لَكَ۔

اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دے جو تیرے سامنے رونے والے اور تیرے لیے جھکنے والے ہیں۔

اسی طرح ہر سجدے میں کرے، سجدۂ تلاوت کے لیے وہی شرائط ہیں جو نماز کے لیے ہیں۔ یعنی شرمگاہ کو ڈھانپنا، قبلہ رُخ ہونا، کپڑوں اور بدن کا نجاست حقیقیہ اور حکمیہ سے پاک ہونا۔ جب اگر کوئی شخص سنتے وقت وضو سے نہ ہو تو با وضو ہونے کے بعد سجدہ کرے، سجدہ تلاوت کے کمال کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اٹھائے پھر سجدے کے لیے جھکتے ہوئے تکبیر کہے پھر اٹھنے کے لیے تکبیر کہے اور آخر میں سلام پھیرے بعض لوگوں نے تشہد کا بھی اضافہ کیا ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں صرف نماز کے سجدے پر قیاس ہے اور یہ بعید بات ہے۔ حکم تو صرف سجدے کا ہے لہذا حکم کی اتباع کرے جھکنے کے لیے تکبیر کہنا ابتداء کے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ سجدہ آیت ۱۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۱۰۹

زیادہ قریب ہے اور اس کے علاوہ میں دوری ہے۔ پھر مقتدی کو چاہیئے کہ جب امام سجدہ کرے اس وقت یہ بھی کرے ورنہ اگر خود تلاوت کی ہے تو سجدہ نہ کرے (احناف کے نزدیک مقتدی، امام کے پیچھے تلاوت نہیں کر سکتا لہٰذا یہ صورت پیدا نہیں ہوگی۔)

۸۔ قرأت کی ابتداء میں یوں کہے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔

میں شیطان مردود سے سننے جاننے والے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اے میرے رب میں شیطانوں کے خطرات سے اور میرے رب میں ان کے حاضر ہونے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

نیز کل اعوذ برب الناس اور سورہ فاتحہ پڑھے اور جب قرأت سے فارغ ہو تو اس طرح کہے۔

صَدَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَبَلَّغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِهٖ وَبَارِكْ لَنَا فِيْهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْحَيَّ الْقَيُّوْمَ۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا یا اللہ! ہمیں اس سے نفع عطا فرما اور اس میں ہمیں برکت عطا فرما تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ حی وقیوم سے بخشش مانگتا ہوں۔

٭ ٭ ٭

قرأت کے دوران جب کسی تسبیح کی آیت پر پہنچے تو تسبیح وتکبیر کہے جب آیتِ دعا واستغفار سے گزرے تو دعا مانگے اور بخشش طلب کرے اگر کسی امید والی آیت پر پہنچے تو سوال کرے ڈرانے والی آیت پڑھے تو پناہ مانگے یہ عمل زبان یا دل سے کرے اور یوں کہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اے اللہ! ہمیں رزق عطا کرے اور ہم پر رحم فرما۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے سورۂ بقرہ کا آغاز کیا آپ کسی آیتِ رحمت سے گزرتے تو سوال کرتے اور آیتِ عذاب پر پہنچتے تو پناہ مانگتے آیت تسبیح سے گزرتے تو تسبیح کہتے (۱)
جب قرأت سے فارغ ہو تو وہ الفاظ کہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے وہ یہ ہیں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۹۲ مرویات عائشہ رضی اللہ عنہ

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّھُدًی وَّرَحْمَةً اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَھِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

یا اللہ! مجھ پر قرآن پاک کے ذریعے رحم فرما اسے میرے لیے امام نور، ہدایت اور رحمت بنا دے یا اللہ! میں اس سے کچھ بھول جاؤں تو یاد دلا دے جس سے پہلے علم نہ ہو وہ سکھا دے اور مجھے رات کی گھڑیوں اور دن کے کناروں میں اس کی تلاوت کی توفیق دے اور اسے میرے لیے دلیل بنا دے اے تمام جہانوں کے پالنہار!

۹۔ بلند آواز سے قرأت

اس میں کوئی شک نہیں کہ آواز اتنی بلند کی جائے جو خود سن سکے کیونکہ قرأت کا معنی حروف کے ساتھ آواز کو ختم کر دینا ہے اور آواز ضروری ہے اور وہ کم از کم اس قدر ہے جو خود سن سکے اگر خود بھی نہ سنے تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ اور اتنا بلند کرنا کہ دوسرا آدمی بھی سن لے تو یہ بعض اوقات پسندیدہ ہوتا ہے اور کبھی مکروہ ۔۔۔۔۔۔۔

آہستہ پڑھنے کے استحباب پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَضْلُ قِرَاءَةِ السِّرِّ عَلٰی قِرَاءَةِ الْعَلَانِیَةِ کَفَضْلِ صَدَقَةِ السِّرِّ عَلٰی صَدَقَةِ الْعَلَانِیَةِ۔ (۱)

آہستہ قرأت کو بلند آواز سے قرأت پر اس قدر فضیلت حاصل ہے جتنی فضیلت پوشیدہ صدقہ دینے کو علانیہ صدقہ دینے پر فضیلت ہے۔

اور دوسری حدیث میں اس طرح ہے:

اَلْجَاھِرُ بِالْقُرْاٰنِ کَالْجَاھِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِهٖ کَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ۔ (۲)

بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنے والا علانیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور آہستہ پڑھنے والا خفیہ طور پر صدقہ دینے والے جیسا ہے۔

ایک عمومی روایت میں ہے:

یَفْضُلُ عَمَلُ السِّرِّ عَلٰی عَمَلِ الْعَلَانِیَةِ سَبْعِیْنَ ضِعْفًا۔ (۳)

پوشیدہ عمل کو علانیہ عمل پر ستر گنا زیادہ فضیلت ہے۔

---

(۱)

(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۸۸ کتاب الصلاۃ

(۳) شعب الایمان جلد اول ص ۷،۴ حدیث ۵۵۵

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

خَیْرُ الرِّزْقِ مَا یَکْفِیْ وَخَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ۔ (۱)

بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو اور بہترین ذکر وہ ہے جو پوشیدہ ہو

ایک روایت میں ہے؛

وَلَا یَجْهَرْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الْقِرَاءَۃِ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ (۲)

مغرب اور عشاء کے درمیان قرأت میں ایک دوسرے پر آواز بلند نہ کرو۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے ایک دن مسجد نبوی میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو نماز میں بلند آواز سے قرأت کرتے ہوئے سنا اور وہ خوش آواز تھے تو حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے فرمایا اس نمازی کے پاس جاؤ اور کہو کہ اپنی آواز پست کریں غلام نے عرض کیا کہ مسجد ہماری نہیں ہے اور اس شخص کے لیے بھی اس میں حصہ ہے چنانچہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے باآواز بلند فرمایا اے نمازی اگر تو اپنی نماز سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے تو اپنی آواز پست کر دے اور اگر لوگوں کو سنانا مطلوب ہے تو وہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچا نہیں سکتے اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور اپنی رکعت کو مختصر کر دیا سلام پھیرنے کے بعد اپنا جوتا لیا اور چلے گئے ان دنوں آپ امیر مدینہ تھے۔

بلند آواز سے قرأت کے مستحب ہونے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی جماعت کو رات کی نماز میں بلند آواز سے قرأت کرتے ہوئے سنا تو اسے درست قرار دیا (۳)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

إِذَا قَامَ أَحَدُکُمْ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلّٰی فَلْیَجْهَرْ بِالْقِرَاءَۃِ فَإِنَّ الْمَلَائِکَۃَ وَعُمَّارَ الدَّارِ یَسْتَمِعُوْنَ قِرَاءَتَهٗ وَیُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهٖ۔ (۴)

جب تم میں سے کوئی ایک رات کو کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو بلند آواز سے قرأت کرے کیونکہ فرشتے اور جنات اس کی قرأت کو غور سے سنتے اور اس کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۷۲ مرویات سعد بن مالک

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۶ مرویات عبد اللہ بن عمر

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵۴، کتاب فضائل القرآن

(۴) الموضوعات جلد اول ص ۲۵۱ باب ثواب تالی القرآن

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین صحابہ کرام کے پاس سے گزرے اور ان تینوں کی مختلف حالتیں تھیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو وہ آہستہ پڑھ رہے تھے آپ نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے عرض کیا میں اس سے مناجات کر رہا ہوں جو میری آواز سُن رہا ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو وہ بلند آواز سے پڑھ رہے تھے ان سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا ہوں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو وہ کچھ آیت ایک سورت سے پڑھتے اور کچھ دوسری سورت سے۔ ان سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں پاک کو پاک سے ملاتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سب نے اچھا اور درست کیا (۱)

ان احادیث کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ آہستہ پڑھنا ریا کاری اور بناوٹ سے زیادہ دور رہے اور یہ اس آدمی کے حق میں افضل ہے جسے اپنے نفس پر اس (ریا کاری) کا ڈر ہو اور اگر ڈر نہ ہو اور بلند آواز سے پڑھنے کی وجہ سے کسی دوسرے نمازی کے وقت میں حرج پیدا نہ ہوتا ہو تو یہ افضل ہے کیوں کہ اس میں عمل زیادہ ہے نیز اس کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے پس متعدی بھلائی، لازم (جو صرف اپنی ذات تک محدود ہو) سے بہتر ہے نیز یہ قرأت پڑھنے والے کے دل کو جگاتی ہے اور اسے غور کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہے اس کی طرف کانوں کو لگا دیتی ہے علاوہ ازیں آواز بلند کرنے سے نیند چلی جاتی ہے قرأت میں سرور پیدا ہوتا ہے اور سستی کم ہوتی ہے پھر یہ کہ بلند آواز سے پڑھنے کی وجہ سے سونے والے کے جاگنے کی بھی امید ہوتی ہے اور یہ اس کی بیداری کا سبب ہے اور بعض اوقات اسے کوئی غافل اور باطل پرست آدمی دیکھتا ہے تو اس کی خوشی کو دیکھ کر وہ بھی خوش ہو جاتا ہے اور عمل کا شوق پیدا ہوتا ہے پس جب اسے ان میں سے کوئی نیت حاضر ہو تو بلند آواز بہتر ہے اور اگر یہ سب نیتیں جمع ہو جائیں تو ثواب کئی گنا ہو جاتا ہے اور نیتوں کی کثرت سے نیک لوگوں کے اعمال پاک ہو جاتے ہیں اور ان کے ثواب میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے اگر ایک عمل میں دس نیتیں ہوں تو دس اجر ملتے ہیں۔

اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ قرآن پاک کو دیکھ کر تلاوت کرنا افضل ہے کیونکہ عمل کے ساتھ دیکھنے اور غور و فکر کا اضافہ ہوتا ہے بلکہ اٹھانے کی وجہ سے بھی ثواب زیادہ ملتا ہے کہا گیا ہے کہ قرآن پاک دیکھ کر پڑھنے سے سات گناہ ثواب ملتا ہے کیوں کہ قرآن پاک کو دیکھنا بھی عبادت ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کثرت سے قرآن پاک سے پڑھتے تھے کہ دو قرآن پاک پھٹ گئے۔ بہت سے صحابہ کرام قرآن پاک دیکھ کر پڑھتے تھے اور وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی دن ایسا گزرے جس میں انہوں نے قرآن پاک کی زیارت نہ کی ہو مصر کے ایک فقیہ، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس سحری کے وقت حاضر ہوئے تو ان کے سامنے قرآن پاک تھا حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ان سے فرمایا تمہیں فقہ نے قرآن پاک سے دور کر رکھا ہے میں عشاء کی نماز پڑھ کر قرآن پاک سامنے رکھتا ہوں اور صبح تک اسے بند نہیں کرتا۔

---

(۱)

۱۰۔ خوش آوازی سے قراءت کرنا

قرآن پاک کو خوش آوازی سے اور ٹھہر ٹھہر کر اس طرح پڑھنا کہ الفاظ کو بہت زیادہ کھینچ کر تبدیل نہ کر دے، سنت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

زَیِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ (۱)

قرآن پاک کو اپنی آوازوں کے ساتھ زینت دو۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

مَا اَذِنَ اللّٰہُ لِشَیْءٍ اِذْنَہٗ لِحُسْنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ (۲)

اللہ تعالیٰ نے خوش آوازی کے ساتھ قرآن پاک پڑھنے کی جو اجازت دی اس قدر اجازت کسی بات کے لیے نہیں دی

اور آپ کا ارشاد ہے۔

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ۔ (۳)

جو شخص خوش آوازی سے قرآن پاک نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

کہا گیا کہ اس سے مراد خوش آوازی سے پڑھنا ہے یہ بھی کہا گیا کہ ترنم اور عمدہ لہجے سے پڑھنا ہے اور اہل لغت کے نزدیک یہ معنیٰ زیادہ قریب ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے منتظر تھے انہیں کچھ دیر ہو گئی تو حضور علیہ السلام نے پوچھا تمہیں کس چیز نے روکا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایک آدمی کی قراءت سن رہی تھی میں نے اس سے زیادہ خوش آواز کسی کو نہیں سنا یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے یہاں تک کہ دیر تک سنتے رہے پھر واپس تشریف لائے تو فرمایا یہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ بنائے ہیں (۴)

ایک رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت سنی آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے یہ تینوں حضرات دیر تک کھڑے رہے پھر آپ نے فرمایا جو شخص قرآن پاک کو آہستہ اور اچھی آواز سے اس طرح پڑھے جیسے نازل ہوا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ کی قراءت کے مطابق پڑھے (۵)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۰۷ کتاب الصلوٰۃ۔

(۲) کنز العمال جلد اول ص ۶۱۰ حدیث ۲۷۹۹

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵۱ کتاب فضائل القرآن

(۴) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۲۲۶ کتاب معرفۃ الصحابہ (۵) کنز العمال جلد ۱۱ ص ۱۰۷ حدیث ۳۳۴۶۲

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا:
"میرے سامنے پڑھو" انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کے سامنے پڑھوں حالانکہ یہ آپ پر اترا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دوسروں سے سننا پسند کرتا ہوں چنانچہ وہ پڑھتے جاتے تھے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی قرأت سن کر فرمایا۔ انہیں آل داؤد (علیہ السلام) کے آلات (مزامیر) میں سے کچھ دیا گیا ہے، یہ بات حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں مزید سنوار کر پڑھتا۔ (۲)

حضرت ہیثم قاری نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تم ہیثم ہو خوش آوازی سے قرآن پاک پڑھتے ہو، میں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ (جزاک اللہ خیراً) (۳)

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جب اکٹھے ہوتے تو کسی ایک کو قرآن پاک کی کوئی سورت پڑھنے کے لیے کہتے تھے (۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے ہمیں ہمارے رب کی یاد دلائیں تو وہ ان کے پاس قرآن پاک کی قرأت کرتے حتیٰ کہ نماز کا درمیانہ وقت قریب ہو جاتا کہا جاتا امیر المومنین، نماز کا وقت ہو گیا، نماز کا وقت ہو گیا تو وہ فرماتے کیا ہم نماز میں نہیں ہیں؟ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (۵) — اور البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى اٰيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ — جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایک آیت غور سے سنے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵۵، کتاب فضائل القرآن

(۲) کنز العمال جلد ۱۳ ص ۶۰۷ حدیث ۳۷۵۵۳

(۳) معلوم ہوا کہ کسی قاری سے قرآن پاک کی قرأت سن کر جزاک اللہ خیراً کہنا چاہیے۔ بلکہ سننے کے بغیر بھی اس کے لیے یہ دعائیہ کلمات کہے جائیں تو اچھا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

(۴) اگر کوئی اجلاس ہو یا کسی مشورے کے لیے اکٹھے ہوں تو شروع میں تلاوت کرنی چاہیے۔ ۱۲ ہزاروی

(۵) قرآن مجید سورۂ عنکبوت آیت ۴۵

عَزَّوَجَلَّ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[1] وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہو گی۔
ایک روایت ہے کہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جب یہ سننے کا ثواب ہے تو تلاوت کرنے والا
جو اس (سننے) کا سبب ہے وہ ثواب میں شریک ہے البتہ اگر اس کا مقصد ریاکاری اور بناوٹ ہو۔
(تو ثواب نہیں ملے گا۔)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۴۱ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

تیسرا باب

تلاوت کے باطنی اعمال

یہ دس ہیں، اصل کلام کو سمجھنا، پھر تعظیم، اس کے بعد دل کی حاضری، پھر غور و فکر، بعد ازاں سمجھنا، پھر سمجھنے سے روکنے والی باتوں سے خالی ہونا، پھر تخصیص، اثر قبول کرنا، ترقی، اپنی قوت سے بری الذمہ ہونا۔

(۱) **کلام کی عظمت اور بلندی کو سمجھنا:** اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل و کرم سے اس درجہ میں نازل کیا کہ اسے مخلوق سمجھ سے تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام جو اس کی قدیم صفت ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس کے معانی کو مخلوق تک پہنچانے کے ذریعے ان پر کتنی مہربانی فرمائی، اور اس صفت کو حروف اور آواز جو انسانی صفات ہیں، میں لپیٹ کر ان پر ظاہر کیا۔ کیوں کہ انسان اپنی صفات کے وسیلہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھنے سے عاجز ہے اگر اس کے کلام کی جلالت کی گہرائی حروف کے لباس میں مستور نہ ہوتی تو عرش اور زمین کو اس کے سننے کی تاب نہ ہوتی بلکہ جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کی عظمت اور نوری شعاعوں کے درمیان متفرق ہو جاتا۔ اگر اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ثابت نہ رکھتا تو وہ اس کے کلام کو سمجھنے کی طاقت نہ رکھتے جیسے پہاڑ اس کی ادنیٰ تجلی کو برداشت نہ کر سکا اور ریزہ ریزہ ہو گیا اور کلام کی عظمت کو اس کی ایسی مثالوں کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں جن تک مخلوق کی ذہنی رسائی ہو۔ اسی لیے بعض عارفین نے اس کو یوں تعبیر کیا ہے کہ لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ کے کلام کا ہر حرف کوہ قاف سے بھی بڑا ہے اور اگر تمام فرشتے جمع ہو کر ایک حرف کو اٹھانا چاہیں تو وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے حتیٰ کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام جو لوح محفوظ پر مقرر فرشتے ہیں، آکر اللہ تعالیٰ کے حکم اور رحمت سے اٹھاتے ہیں اپنی قوت اور طاقت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی طاقت دی ہے اور ان کو اس عمل پر لگایا ہے۔

اس کے باوجود کہ کلام کے معانی بلند درجہ رکھتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے انسانی فہم تک پہنچایا اور ثابت رکھا حالانکہ اس کا مرتبہ کم ہے، اس بات کو کسی دانا نے ایک عمدہ مثال کے ذریعے بیان کیا ہے وہ یہ کہ انہوں نے ایک بادشاہ کو شریعت انبیاء علیہم السلام کی دعوت دی تو بادشاہ نے ان سے چند باتوں کے بارے میں سوال کیا انہوں نے ایسا جواب دیا جو اس کی سمجھ سے بالا تھا بادشاہ نے کہا بتائیے جو کچھ انبیاء کرام علیہم السلام لائے ہیں آپ کے دعویٰ کے مطابق وہ لوگوں کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو لوگ اسے کیسے سمجھ سکتے ہیں؟

اس دانا شخص نے جواب دیا کہ ہم، لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ جانوروں اور پرندوں کو کچھ سمجھانا چاہتے ہیں

مثلاً ان کو آگے یا پیچھے کرنا چاہتے ہیں اور وہ دیکھتے ہیں کہ وہ لوگوں کا کلام جو ان کی عقلوں کے نور سے نکلا اور اس میں حسن زینت اور بہترین ترتیب بھی پائی جاتی ہے، کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں تو وہ جانوروں کے درجہ کی طرف اُترتے ہیں اور اپنے مقاصد کو جانوروں کے باطن تک ایسی آوازوں کے ذریعے پہنچاتے ہیں جو ان کے لائق ہوں مثلاً ٹخ ٹخ کرنا، سیٹی بجانا اور وہ آواز جو ان کی آوازوں کے قریب ہو تاکہ وہ اسے سمجھ سکیں۔ اسی طرح لوگ کلام خداوندی کی گہرائی اور اس کی صفات کے کمال تک پہنچنے سے عاجز ہیں تو انبیاء کرام بھی ان کے ساتھ وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں اور ایسے کلام کے ذریعے بیان کرتے ہیں جسے یہ گروہ حکمت کو سمجھ سکیں جیسے انسان جانور کو سیٹی وغیرہ کے ذریعے اپنی بات سمجھاتے ہیں اور ان صفات میں پوشیدہ معانی حکمت کی وجہ سے ان الفاظ کو شرافت وعظمت حاصل ہوتی ہے۔

گویا حکمت کے لیے آواز جسم اور رہائش گاہ کی طرح ہے اور آواز کے لیے حکمت نفس اور روح کی مانند ہے۔ اور جس طرح انسانی جسم، روح کی وجہ سے مکرم ومعزز ہوتا ہے اسی طرح کلام کی آواز اس حکمت کی وجہ سے مشرف ہوتی ہے جو اس کے اندر پائی جاتی ہے اور کلام کی منزلت اور درجہ بلند ہے وہ زبردست اور غالب ہے اور حق وباطل کے درمیان حکم کو نافذ کرنے والا ہے وہ عدل وانصاف سے فیصلہ کرنے والا اور پسندیدہ گواہ ہے حکم دیتا اور منع کرتا ہے باطل، کلام حکمت کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا جس طرح سایہ، سورج کی شعاعوں کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا انسان حکمت کی گہرائی میں نہیں جا سکتا۔ جس طرح وہ سورج کی چمک سے اُدھر دیکھ نہیں سکتا بلکہ انسانوں کو سورج کی روشنی سے اتنا ہی حصہ ملتا ہے جس سے ان کی آنکھوں میں روشنی آجائے اور وہ اپنی حاجات کو معلوم کر سکیں پس اللہ تعالیٰ کا کلام اس بادشاہ کی طرح ہے جس کا چہرہ غائب ہے اور حکم نافذ ہے اور سورج کی طرح ہے جس کی روشنی ظاہر ہے اور اس کا اصل پوشیدہ ہے اور چمکنے والے ستارے کی طرح ہے کہ آدمی اس کی روشنی میں راستے پر چلتا ہے لیکن اس کے چلنے سے واقف نہیں ہوتا یہ نفیس خزانوں کی چابی ہے اور شراب حیات ہے کہ جو اسے پی لیتا ہے وہ مرتا نہیں اور بیماریوں کی دوا ہے کہ جو اسے پی لے وہ کبھی بیمار نہیں ہوتا —— تو یہ جو کچھ اس دانا شخص نے ذکر کیا کلام کے معنیٰ کو سمجھنے کے سلسلے میں ایک مختصر سی بات ہے اور اس سے زیادہ علم معاملہ کے لائق نہیں ہے اسی پر اکتفا کرنا چاہیے۔

۲۔ متکلم کی تعظیم

قرآن پاک پڑھنے والا جب تلاوتِ قرآن کا آغاز کرے تو اسے چاہیے کہ اپنے دل میں متکلم کی عظمت کو حاضر کرے اور جان لے کہ وہ جو کچھ پڑھ رہا ہے وہ انسانی کلام نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت میں کافی خطرہ ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے۔

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۱) اسے وہی لوگ ہاتھ لگائیں جو پاک ہوں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ واقعہ آیت ۷۹۔

توجس طرح قرآن پاک کی ظاہری جلد اور اوراق کو انسانی جسم کے ظاہر سے حالتِ طہارت کے علاوہ محفوظ رکھا گیا ہے تو اس کے معنیٰ کا باطن بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے پردے میں رکھا گیا ہے البتہ وہی دل اس تک پہنچ سکتا ہے جو ہر قسم کی ناپاکیوں سے پاک ہو اور تعظیم و توقیر کے نور سے منور ہو توجس طرح ہر ہاتھ قرآن پاک کی جلد تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اسی طرح ہر زبان اس کی تلاوت کے لیے مناسب نہیں اور نہ ہر دل اس کے معانی تک پہنچنے کے لیے مناسب ہے اسی تعظیم کی وجہ سے حضرت عکرمہ بن ابی جہل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جب قرآن پاک کو کھولتے تو ان پر بیہوشی طاری ہو جاتی اور وہ فرماتے یہ میرے رب کا کلام ہے یہ میرے رب کا کلام ہے تو کلام کی تعظیم درحقیقت متکلم کی تعظیم ہے اور متکلم کی عظمت اسی وقت پیش نظر ہو سکتی ہے جب اس کی صفات جلال اور افعال میں غور و فکر کرے تو جب وہ عرش، کرسی، آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان جن، انسان، جانور اور درخت ہیں ان سب کو دل میں حاضر کرکے یہ عقیدہ رکھے کہ ان تمام کا خالق، ان سب پر قادر اور ان سب کا رازق ایک ہے اور یہ سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اس کے فضل و رحمت اور عذاب و غلبہ کے درمیان ہیں اگر ان پر انعام کرے تو یہ اس کا فضل ہے اور اگر سزا دے تو یہ اس کا عدل ہے اور وہی فرماتا ہے کہ یہ لوگ جنتی ہیں اور مجھے اس کی پرواہ نہیں اور یہ لوگ جہنمی ہیں اور مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں اور یہ اس کی انتہائی عظمت و بلندی ہے تو اس قسم کی باتوں میں غور و فکر کرنا چاہیئے تاکہ متکلم کی فضیلت واضح ہو اور پھر کلام کی تعظیم کی جائے۔

۳- دل کی حاضری

دل حاضر ہو اور حدیثِ نفس کو چھوڑ دیا جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ (۱) اے حضرت یحییٰ علیہ السلام، کتاب کو مضبوطی سے پکڑیں۔

اس کی تفسیر میں کہا گیا کہ اس سے کوشش اور اجتہاد مراد ہے (ہاتھوں سے پکڑنا مراد نہیں) اور کوشش کے ساتھ پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قرأت کے وقت صرف اسی کی طرف توجہ ہو کسی دوسری جانب نہ ہو، کسی نیک بندے سے پوچھا گیا کہ جب آپ قرآن پاک پڑھتے ہیں تو اپنے دل سے بھی کوئی بات کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کیا کوئی چیز مجھے قرآن سے زیادہ محبوب ہوگی کہ میں نفس سے اس کے بارے میں گفتگو کروں گا؟ اور بعض بزرگ جب قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھتے اور ان کا دل اس طرف متوجہ نہ ہوتا تو وہ اسے دوبارہ پڑھتے۔ اور یہ صفت تعظیم کلام سے پیدا ہوتی ہے جس کا پہلے ذکر ہوا کیونکہ جو شخص تلاوت کیے جانے والے کلام کی تعظیم کرتا ہے وہ اس پر خوش ہوتا اور اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس سے غافل نہیں ہوتا اور قرآن پاک میں انس کی باتیں ہیں اگر پڑھنے والا اس کا اہل ہو تو وہ غیر کے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ مریم آیت ۱۲

ریعے کیسے اُنس حاصل کرے گا حالانکہ وہ (قرآن پاک) میں سیر و سیاحت اور بشاشت و خوشی کے مقامات
ں اور جو آدمی سیر و تفریح کے مقام پر ہو وہ دوسری طرف توجہ نہیں کرتا۔
یا گیا ہے کہ قرآن پاک میں میدان، باغات، حجرے، دلہنیں ریشمی لباس باغیچے اور سرائیں، ہیں لفظ میم قرآن پاک
ے میدان ہیں لفظ را قرآن پاک کے باغات ہیں لفظ حا اس کے حجرے ہیں، لفظ سَبّح یُسَبّح وغیرہ قرآن پاک کے دولہا دلہن
ن لم قرآن پاک کے دیباج (ریشمی کپڑے) ہیں مفصل سورتیں اس کے باغیچے ہیں اور اس کے سوا سرائیں ہیں جب قرآن
ل پڑھنے والا میدانوں میں داخل ہوتا ہے اور باغوں سے پھل چنتا ہے اور حجروں میں داخل ہو کر دلہنوں کے پاس جاتا ہے
یشمی لباس پہنتا ہے اور باغیچوں میں سیر و تفریح کرتا ہے سرائے میں سکونت اختیار کرتا ہے تو سب کچھ اس کو گھیر لیتا ہے
س کے علاوہ سے پھیر دیتا ہے نہ اس کا دل دوسری طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس کی سوچ بٹتی ہے۔

۴۔ غور و فکر کرنا

دل کی حاضری کے بعد غور و فکر ہوتا ہے بعض اوقات وہ قرآن پاک کے علاوہ کچھ اور نہیں سنتا بلکہ
صرف سماع قرآن پر اکتفا کرتا ہے لیکن اس میں غور نہیں کرتا جب کہ قرأت کا مقصد غور و فکر کرنا ہے
سی لیے اس میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا سنت ہے۔ کیوں کہ ظاہری طور پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے (ترتیل) سے وہ باطنی طور پر غور و فکر پر
قادر ہو جاتا ہے۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسی عبادت کا کوئی فائدہ نہیں جس کو سمجھا نہ جائے اور اس قرأت کا کوئی فائدہ
نہیں جس میں غور و فکر اور تدبر نہ ہو۔
اور اگر وہ بار بار پڑھنے کے بغیر تدبر پر قادر نہ ہو سکے تو الفاظ کو لوٹائے مگر امام کے پیچھے ہو تو ایسا نہ کرے احناف
کے نزدیک تو امام کے پیچھے قرأت جائز ہی نہیں اور تنہا پڑھ رہا ہو تو بھی نماز کی حالت میں ایسا نہ کرے ۱۲ ہزاروی) کیونکہ اگر
وہ ایک آیت میں تدبر کر رہا ہو اور امام دوسری آیت میں مشغول ہو گیا ہو تو گناہ گار ہو گا جیسے وہ شخص جو کسی کی سرگوشی
سنتے ہوئے ایک کلمہ کو پسند کرے اور اس میں مشغول ہو جائے اور باقی کلام نہ سنے اسی طرح اگر وہ رکوع کی تسبیح میں
ہو اور اس آیت میں غور و فکر کرنے لگے جو امام نے پڑھی ہے تو یہ وسوسہ ہے۔
حضرت عامر بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے نماز میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں اچھا گیا دنیا
کے معاملات میں؟ فرمایا دنیوی وسوسوں کی نسبت میرے جسم کو تیروں سے چھلنی کر دیا جائے تو مجھے یہ زیادہ پسند
ہے بلکہ میرا دل اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے میں مشغول ہوتا ہے اور سوچتا ہوں کہ اس سے کیسے پھروں یہی وسوسہ
ہے تو یہ شخص بھی اسی طرح ہے کہ وہ جو کچھ پڑھ رہا ہے وہ اس کو سمجھنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اور شیطان اس
فہم کی بات پر تب ہی قادر ہوتا ہے جب اسے کسی دینی بات میں مشغول کر دے لیکن وہ اسے افضل بات سے روک
دیتا ہے اور جب یہ بات حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے سامنے ذکر کی گئی تو انہوں نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو ہم

اللہ تعالیٰ کے اس احسان سے محروم ہیں ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی تو اسے بیس مرتبہ لوٹایا (۱)

آپ نے اس لیے ایسا کیا تاکہ اس کے معانی میں غور و فکر کریں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو ایک آیت کو بار بار پڑھا وہ آیت اس طرح ہے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (۲)

اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ایک پوری رات اس آیت کے ساتھ قیام کیا۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ (۳) ان لوگوں کا خیال ہے جو گناہ کماتے ہیں۔

اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ ایک رات اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (۴) اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں ایک سورت شروع کرتا ہوں تو اس میں بعض باتیں مشاہدہ کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ صبح تک فارغ نہیں ہو سکتا اور ایک بزرگ نے فرمایا میں جس آیت کو سمجھ نہیں پایا اور اس میں میرا دل حاضر نہیں ہوتا تو میں تو میں اس کا ثواب شمار نہیں کرتا۔

حضرت ابوسلیمان دارانی سے منقول ہے فرماتے ہیں میں قرآن پاک کی ایک آیت تلاوت کرتا ہوں تو اس میں چار یا پانچ راتیں قیام کرتا ہوں اور اگر میں خود اس میں غور و فکر کو نہ چھوڑوں تو میں دوسری طرف نہیں جا سکتا۔ ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ چھ مہینے تک سورہ ہود کا تکرار کرتے رہے اور اس میں غور و فکر سے فارغ نہ ہوئے۔ ایک عارف فرماتے ہیں میں ہفتہ میں ایک بار ختم قرآن کرتا ہوں، ایک مہینے میں ختم کرتا ہوں ایک سال میں ختم کرتا ہوں اور تیس سال سے شروع کر رکھا ہے اور ابھی تک فارغ نہیں ہوا تو یہ غور و فکر کے اعتبار سے درجات ہیں وہی بزرگ فرماتے ہیں

---

(۱) قوت القلوب جلد اول ص ۴۶ الفصل السادس عشر

(۲) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۱۱۸

(۳) قرآن مجید، سورۂ جاثیہ آیت ۲۱

(۴) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۵۹

ہیں نے اپنے آپ کو مزدوروں کے قائم مقام کر رکھا ہے یومیہ، ہفتہ وار، مہینہ وار اور سالانہ کے حساب سے کام کرتا ہوں۔

۵۔ سمجھنا ہر آیت کو اس طرح واضح کرے جو اس کے لائق ہے کیوں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذکر، اس کے افعال کے ذکر انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال کے ذکر، ان کو جھٹلانے والوں کے ذکر اور وہ کیسے ہلاک ہوئے نیز اللہ تعالیٰ کے اوامر منہیات اور جنت و دوزخ کے ذکر پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات جیسے ارشاد خداوندی ہے:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (۱) — اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ (۲) — وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سلامتی دینے والا امن عطا کرنے والا، حفاظت کرنے والا غالب زبردست اور بڑائی والا ہے۔

تو ان ناموں کے معانی اور صفات میں غور کرے تاکہ اس پر ان کے اسرار منکشف ہوں تو ان کے مدفون معانی کو کھولے جو یقین والے لوگوں کے علاوہ کسی کے لیے ظاہر نہیں ہوتے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جو بھی راز کی بات کی ہے وہ دوسروں سے مخفی نہیں رکھی لیکن اللہ تعالیٰ جس بندے کو چاہتا ہے اپنی کتاب کی سمجھ عطا کرتا ہے (۳) تو قرآن پاک پڑھنے والے کو اس بات کے سمجھنے کی حرص ہونی چاہیئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص پہلوں اور پچھلوں کا علم حاصل کرنا چاہے تو وہ قرآن میں بحث کرے اور قرآن پاک کے علوم میں سے سب سے زیادہ عظیم علم اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے تحت آتا ہے کیوں کہ عالم لوگ اس سے وہی امور حاصل کرتے ہیں جو ان کی سمجھ کے لائق ہیں اور وہ ان کی تہہ تک نہیں پہنچتے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ شوریٰ آیت ۱۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ حشر آیت ۲۳

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے افعال کا تعلق ہے تو جیسا کہ اس نے آسمانوں اور زمین وغیرہ کی پیدائش کا ذکر کیا تو تلاوت کرنے والے کو اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھنا چاہیئے کیونکہ فعل، فاعل پر دلالت کرتا ہے اور فعل کی عظمت فاعل کی عظمت پر دلالت کرتی ہے تو منا سب یہ ہے کہ فعل میں فاعل کو سامنے رکھے جو شخص حق کو پہچان گیا اس نے اسے ہر چیز میں دیکھا کیونکہ ہر چیز اسی سے ہے اسی کی طرف ہے اسی کے ساتھ اور اسی کے لیے ہے پس حقیقتاً وہی کُل ہے اور جو شخص کسی چیز کو دیکھ کر خدا کو نہ دیکھے گویا اس نے اس کو نہیں پہچانا اور جس نے اس کو پہچانا اسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کچھ باطل ہے اور اس کے سوا سب کچھ ہلاک ہونے والا ہے یہ مطلب نہیں کہ دوسری حالت میں باطل ہو گا بلکہ ابھی وہ باطل ہے اگر اس کی ذات کا حقیقتاً اعتبار کیا جائے اور اگر یوں اعتبار کیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور قدرت کے ساتھ موجود ہے تو وہ بالتبع قائم و ثابت ہے جب کہ ذاتی طور پر وہ محض باطل ہے یہ علم مکاشفہ کی ابتدائی باتیں ہیں اس لیے جب تلاوت کرنے والا یہ آیت پڑھے۔

اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ (۱) — کیا تم نے (غور سے) دیکھا جو تم بوتے ہو۔

اور فرمایا:

اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ (۲) — بھلا تم دیکھو جو مادہ منویہ ٹپکاتے ہو۔

نیز ارشاد فرمایا:

اَفَرَاَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ۔ (۳) — کیا تم نے (غور سے) دیکھا جو پانی تم پیتے ہو۔

اور یہ بھی ارشاد خداوندی ہے:

اَفَرَاَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ۔ (۴) — کیا تم نے (غور سے) دیکھا جو آگ تم سلگاتے ہو۔

تو اس کی نظر پانی، آگ، کھیتی اور مادہ منویہ پر رک نہ جائے بلکہ مادہ منویہ میں غور کرے کہ وہ نطفہ ہے جو اجزاء کے متشابہ ہے پھر دیکھے کہ وہ گوشت، ہڈی، رگوں اور پٹھوں میں تقسیم ہوتا ہے اور یہ بھی دیکھے کہ اعضاء کس طرح مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً سر، ہاتھ، پاؤں، جگر اور دل وغیرہ۔ پھر اس میں کس طرح اچھی صفات پیدا ہوتی ہیں کہ وہ سنتا ہے دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے وغیرہ وغیرہ اور اس میں مذموم عادات پیدا ہوتی ہیں کہ وہ غصہ کھاتا ہے اور اس میں شہوت، تکبر، جہالت

---

(۱) قرآن مجید سورۂ واقعہ آیت ۶۳

(۲) قرآن مجید سورۂ واقعہ آیت ۵۸

(۳) قرآن مجید سورۂ واقعہ آیت ۶۸

(۴) قرآن مجید سورۂ واقعہ آیت ۷۱

ریب اور جھگڑا وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ (۱)

کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا تو اب وہ کھلم کھلا جھگڑالو ہے۔

تو ان عجائب میں غور کرے تاکہ سب سے زیادہ عجیب تک پہنچے اور یہ وہ صفت ہے جس سے یہ عجیب امور صادر ہوتے تو وہ مسلسل صنعت کو دیکھتا رہے تاکہ اس طرح وہ صانع کو دیکھ لے۔

جہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال کا تعلق ہے تو جب وہ سنے کہ ان حضرات کو کس طرح جھٹلایا گیا کیسے مارا گیا اور کیسے بعض کو قتل کیا گیا تو اس سے معلوم کرے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات رسولوں اور ان لوگوں سے بے نیاز ہے جن کی طرف ان کو بھیجا گیا اور یہ کہ اگر وہ ان تمام کو ہلاک کر دے تو اس کی بادشاہی پر کچھ بھی فرق نہیں پڑے گا اور جب امورِ آخرت میں ان کی مدد کے بارے میں سنے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس بات کو سمجھے کہ وہ حق کی مدد کا ارادہ فرماتا ہے۔

جھٹلانے والے مثلاً عاد و ثمود وغیرہ کے حالات اور جو کچھ ان پر عذاب نازل ہوا تو اس سے اللہ تعالیٰ کے عذاب و سطوت کا خوف پیدا ہونا چاہیے اور اپنی ذات میں ان باتوں سے عبرت حاصل کرے کہ اگر وہ غافل اور بے ادب ہوا اور ان ایامِ مہلت میں دھوکے میں رہا تو ممکن ہے اس پر بھی وہی عذاب نازل ہو اور اس کے بارے میں بھی وہی فیصلہ ہو اسی طرح جب جنت و دوزخ کے اوصاف اور جو کچھ قرآن پاک میں ہے، اسے سنے تو ان سب باتوں کو سمجھنا ممکن نہیں کیونکہ اس کی کوئی انتہا نہیں اور ہر بندے کو وہی ملتا ہے جو اس کے لیے مقدر ہے اور ہر خشک اور تر چیز کا ذکر قرآن پاک میں ہے،

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔ (۲)

آپ فرما دیجئے اگر سمندر، میرے رب کے کلمات (کو لکھنے) کے لیے سیاہی ہو تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے وہ سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم اس کی مدد کے لیے اس کی مثل لائیں۔

اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں۔ تو جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے تفہیمِ قرآن پر تنبیہ مقصود ہو تاکہ اس کا دروازہ کھلے جہاں تک اسے پورا بیان کرنے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ یٰسین آیت ۷۷

(۲) قرآن مجید سورۂ کہف آیت ۱۰۹

کا تعلق ہے تو اس کی طرح نہیں ہو سکتی اور جو آدمی قرآن پاک کے مضامین کو بالکل نہ سمجھے تو وہ ان لوگوں میں داخل ہے جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ۔ (۱)

اور ان میں سے بعض آپ سے بڑے غور سے سنتے ہیں حتیٰ کہ جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں انہوں نے ابھی کیا کہا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی۔

اور مہر سے مراد وہ رکاوٹیں ہیں جن کا ہم موانع فہم میں ذکر کریں گے اور کہا گیا ہے کہ آدمی اس وقت تک مرید نہیں ہوتا جب تک وہ قرآن پاک میں وہ بات نہ پائے جس کا وہ ارادہ کر رہا ہے نقصان کو زائد سے اور مولیٰ کو غلام سے ممتاز نہ کرے۔

۶ سمجھنے کے راستے میں رکاوٹیں بہت سے لوگ قرآن کے معانی کو سمجھنے سے بعض اسباب اور پردوں کی وجہ سے رک گئے اور یہ پردے شیطان نے ان کے دلوں پر ڈالے ہیں جس کی وجہ سے قرآن پاک کے اسرار سے وہ اندھے رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْلَا أَنَّ الشَّيَاطِينَ يَحُومُونَ عَلَىٰ قُلُوبِ بَنِي آدَمَ لَنَظَرُوا إِلَى الْمَلَكُوتِ۔ (۲)

اگر شیطان انسانوں کے دلوں کو نہ گھیریں تو وہ عالم بالا کو دیکھ لیں قرآن پاک کے معانی بھی ملکوت میں شامل ہیں اور ہر وہ بات جو حواس سے غائب ہو اور اس کا ادراک نہ ہو سکتا ہو وہ ملکوت سے ہے۔

٭ ٭ ٭

فہم کی رکاوٹیں قرآن کو سمجھنے کے راستے میں چار رکاوٹیں ہیں۔

پہلی رکاوٹ یہ ہے کہ توجہ حروف کو مخارج سے نکالنے کی طرف ہو اور اس بات کا ذمہ دار ایک شیطان ہے جو قاریوں پر مسلط ہے تاکہ وہ انہیں قرآن پاک کے معانی کو سمجھنے سے دوسری طرف پھیر دے چنانچہ وہ مسلسل ان کو حروف کے بار بار ادا کرنے پر متوجہ رکھتا ہے اور یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ یہ حرف اپنے مخرج سے نہیں نکلا تو جب اس کی پوری توجہ مخارج حروف کی طرف ہو تو اس کے لیے معانی کس طرح منکشف ہوں گے۔ اور

---

(۱) قرآن مجید سورۂ محمد آیت ۱۶

(۲)

شیطان ایسے آدمی پر بہت خوش ہوتا ہے جو اس کے اس دھوکے میں آتا ہے۔
دوسرا وہ جو اپنے مذہب کی تقلید میں پکا ہو جاتا ہے اور محض سماعت سے اس میں تعصب پیدا ہوتا ہے وہ بصیرت و
مجاہدے کے ذریعے وہاں تک نہیں پہنچا تو اس شخص کو اس کے اعتقاد نے آگے بڑھنے سے قید کر رکھا ہے اس کے
دل میں اس کے اپنے عقیدے کے سوا کچھ بھی نہیں آتا۔ تو اس کی نظر سنی ہوئی بات پر موقوف ہوتی ہے اگر دور سے کوئی چمک
ہے اور کوئی معنیٰ ظاہر ہو لیکن وہ معنیٰ اس کے سنے ہوئے معنی کے خلاف ہو تو شیطان تقلید اس پر حملہ کرتا ہے اور
کہتا ہے کہ تیرے دل میں یہ خیال کیسے آگیا جب کہ یہ تیرے باپ دادا کے دین کے خلاف ہے تو وہ اسے شیطان کا دھوکہ
سمجھ کر اس سے دور رہتا اور بچتا ہے۔ اسی وجہ سے صوفیا کرام نے فرمایا کہ علم ایک حجاب ہے۔
اور اس سے ان کی مراد علم عقائد ہے جس پر اکثر لوگ محض تقلید سے قائم ہیں (۱) یا وہ مناظرانہ کلمات ہیں جو مذاہب میں
تعصب رکھنے والوں نے لکھے اور ان کو بنائے ہیں پس حقیقی علم، نورِ بصیرت کے ذریعے کشف اور مشاہدہ ہے وہ کیسے
حجاب بن سکتا ہے وہ تو انتہائے مطلوب ہے اور یہ تقلید کبھی باطل ہوتی ہے پس رکاوٹ بن جاتی ہے جیسے وہ لوگ جو
عرش پر استواء سے مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ٹھہر گیا اور اس نے قرار پکڑا پس جب اس کے دل میں یہ بات
گزرے کہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام باتوں سے پاک ہے جو مخلوق کے لیے جائز ہیں تو وہ ایسی تقلید نہیں کرے گا جس سے
یہ باتیں دل میں جم جائیں اور اگر بالفرض دل میں ٹھہر بھی جائیں تو دوسرے اور تیسرے کشف کی طرف لے جائیں گی اسی طرح
آگے چلے گا۔ لیکن وہ جلد ہی اسے دل سے نکال دیتا ہے کیوں کہ وہ اس تقلید باطل کے خلاف ہیں اور بعض اوقات
وہ حق ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ رکاوٹ بنتی ہیں اور کشف نہیں ہوتا کیونکہ بندوں کو جس حق کا مکلف بنایا گیا ہے
اس کے کئی مراتب اور درجات ہیں اس کی ابتداء سے ظاہر ہے اور باطنی گہرائی ہے اور طبیعت کا ظاہر پہ جمود باطن کی گہرائی
تک رسائی میں رکاوٹ ہے جیسے ہم نے عقائد کے باب میں علم ظاہر اور علم باطن کے درمیان فرق کے ضمن میں بیان کیا
ہے تیسری رکاوٹ یہ ہے کہ وہ گناہ پہ ڈٹ جاتے یا تکبر میں مبتلا ہو، یا دنیوی خواہش میں مبتلا ہو کر اس کا حکم مانے تو یہ
دل کی تاریکی اور زنگ کی طرح ہے یہ ایسے ہے جیسے شیشے پر کوئی چیز لگی ہو تو صاف نظر نہیں آتا اسی طرح دل میں امر
حق کی تجلی صحیح طور پر نہیں ہوتی اور یہ دل کے لیے بہت بڑا حجاب ہے اور اکثر لوگ اس حجاب کا شکار ہیں اور جب شہوات
کا اجتماع زیادہ ہوتا ہے کلام کے معانی سے حجاب بھی زیادہ ہوتا ہے اور جب دل پہ دنیا کے بوجھ کم ہوتے ہیں تو اس میں
معانی کی تجلی قریب ہوتی ہے پس دل، شیشے کی طرح ہے اور شہوات زنگ کی مثل ہیں قرآن پاک کے معانی ان صورتوں

---

(۱) حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے بات واضح فرما دی کہ یہاں تقلید سے مراد عقائد میں تقلید ہے آپ نے اسی کی مذمت کی ہے کیونکہ ہر
مسلمان کا فرض ہے کہ وہ عقائد کو سمجھنے کی کوشش کرے فقہی تقلید مراد نہیں ہے ۱۲ ہزاروی

کی مثل ہیں جو شیشے میں دکھائی دیتی ہیں، شہوات کو ختم کر کے دل سے ریاضت کرنا شیشے سے زنگ کو دور کرنے کی طرح ہے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا عَظَّمَتْ اُمَّتِی الدِّیْنَارَ وَالدِّرْھَمَ نُزِعَ مِنْھَا ھَیْبَۃُ الْاِسْلَامِ وَاِذَا تَرَکُوا الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیَ عَنِ الْمُنْکَرِ حُرِمُوْا بَرَکَۃَ الْوَحْیِ (۱)

جب امت کے نزدیک دینار اور درہم کی عظمت زیادہ ہو جائے گی تو ان سے اسلام کی ہیبت چلی جائے گی اور جب وہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا چھوڑ دیں گے تو وحی کی برکت سے محروم ہو جائیں گے۔

حضرت فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن کی سمجھ سے محروم ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے فہم و تذکیر میں رجوع الی اللہ کو شرط قرار دیا ہے

ارشاد خداوندی ہے۔

تَبْصِرَۃً وَّذِکْرٰی لِکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ۔ (۲)

(یہ آثار قدرت) بصیرت افروز اور یاد دہانی ہیں ہر اس بندے کے لیے جو اپنے رب کی طرف مائل ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ۔ (۳)

اور وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۴)

نصیحت صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

تو جس آدمی نے دنیا کے دھوکے کو آخرت کی نعمت پر ترجیح دی وہ عقلمند لوگوں میں سے نہیں ہے اسی لئے اس پر کتاب اللہ کے اسرار منکشف نہیں ہوتے۔

چوتھی رکاوٹ یہ ہے کہ وہ ظاہری تفسیر پڑھ کر یہ عقیدہ رکھے کہ قرآنی کلمات کے وہی معانی ہیں جو حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد وغیرہم سے منقول ہیں اور اس کے علاوہ سب تفسیر بالرائے ہے اور جو آدمی اپنی رائے سے تفسیر کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے یہ بھی ایک بہت بڑا حجاب ہے ہم عنقریب چوتھے باب میں تفسیر بالرائے کا معنی بیان

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۸۵ حدیث ۶۰۷۰
(۲) قرآن مجید سورۂ ق آیت ۸
(۳) قرآن مجید سورۂ غافر آیت ۱۳ (۴) قرآن مجید سورۂ رعد آیت ۱۹

کریں گے اور یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول کے منافی نہیں ہے انہوں نے فرمایا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو فہم قرآن عطا فرمائے۔ اور اگر یہی ظاہری منقول معانی مراد ہوتے تو اس میں لوگوں کا اختلاف نہ ہوتا۔

۷۔ **تخصیص** یعنی قرآن پاک کے ہر خطاب میں یہ تصور کرے کہ میں ہی مقصود ہوں اگر کوئی امر یا نہی سنے تو خیال کرے کہ اسے ہی روکا گیا اور حکم دیا گیا ہے اگر کوئی وعدہ یا وعید سنے تو یہی تصور کرے۔ اگر پہلے لوگوں یا انبیاء کرام کے واقعات سنے تو جان لے کہ قصے کہانیاں مقصود نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ عبرت حاصل کی جائے اور ان کے بیان سے اپنی ضرورت کی بات حاصل کرے کیوں کہ قرآن پاک کے واقعات کو لانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے حق میں فائدہ ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (۱)

تو بندہ یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے حالات، ایذاء پر ان کے صبر اور اللہ تعالیٰ کی مدد کی انتظار میں دین پر ان کی ثابت قدمی کو میرے دل کو قائم و ثابت رکھنے کے لیے بیان کیا ہے۔ اور یہ تصور کیسے نہیں کرے گا جب کہ قرآن پاک صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ تمام جہانوں کے لیے شفا، رحمت اور نور ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کو نعمتِ کتاب پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اُنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ۔ (۲)

اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہیں عطا فرمائی اور اس نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی تم اس سے نصیحت حاصل کرتے ہو۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (۳)

بے شک ہم نے تم پر کتاب اتاری جس میں تمہارے لیے نصیحت ہے کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

اور ارشادِ خداوندی ہے،

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ

اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن پاک) نازل کیا تاکہ

(۱) قرآن مجید سورۂ ہود آیت ۱۲۰

(۲) قرآن مجید سورۂ البقرہ آیت ۲۳۱

(۳) قرآن مجید سورۂ انبیاء آیت ۱۰

مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (۱)

آپ لوگوں کے لیے وہ چیز بیان کریں جو ان کی طرف نازل کی گئی۔

نیز ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ۔ (۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (۳)

اس نہایت اچھی بات کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتاری گئی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۴)

یہ لوگوں کے لیے آنکھیں کھولنے والی باتیں ہیں اور یقین کرنے والی قوم کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (۵)

یہ لوگ کے لیے بیان ہے اور پرہیز گار لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔

تو جب سب لوگوں کو خطاب کا ارادہ فرمایا تو ایک ایک کو خطاب کا ارادہ بھی ہوا تو یہ ایک پڑھنے والا شخص بھی مقصود ہے تو اب اسے باقی لوگوں سے کیا واسطہ، اسے یہ تصور کرنا چاہیے کہ وہی مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (۶)

(اے محبوب آپ فرما دیں کہ) یہ قرآن پاک میری طرف وحی بھیجا گیا تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں اور جب تک یہ پہنچے سب کو خبردار کروں۔

٭ ٭ ٭

(۱) قرآن مجید سورۂ نحل آیت ۴۴

(۲) قرآن مجید سورۂ محمد آیت ۳

(۳) قرآن مجید سورۂ زمر آیت ۵۵

(۴) قرآن مجید سورۂ جاثیہ آیت ۲۰

(۵) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۳۸ (۶) سورۂ انعام آیت ۱۹

حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جس تک قرآن پاک پہنچ گیا گویا اس سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ـــــ جب اس بات پر قادر ہو جائے تو قرآن پاک پڑھنے ہی کو اپنا عمل قرار نہ دے بلکہ اس طرح پڑھے جس طرح کوئی غلام اپنے رب کے خط کو پڑھتا ہے جو اس نے اس کو لکھا ہے تاکہ وہ اس میں غور وفکر کر کے اس کے مطابق عمل کرے۔ یہی وجہ ہے بعض علماء کرام نے فرمایا " یہ قرآن پاک وہ خطوط ہیں جو ہمارے رب کی طرف سے ہمارے پاس آتے ہیں ان میں عہد و پیمان لیا گیا ہے۔

تاکہ ہم نمازوں میں ان پر غور کریں، علیحدگی میں ان سے آگاہی حاصل کریں، عبادت میں ان پر عمل پیرا ہوں۔ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اے اہل قرآن! قرآن پاک نے تمہارے دلوں میں کیا بویا ہے بے شک قرآن پاک مومن کے حق میں بہار ہے جیسے بارش، زمین کی بہار ہے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کوئی شخص اس قرآن پاک سے ہم مجلس نہیں ہوتا مگر وہ نفع یا نقصان کے ساتھ اٹھتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے،

هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا۔ (۱)

یہ قرآن پاک مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا ہے۔

۸۔ تاثر یعنی مختلف آیات کے اس کے دل پر مختلف اثرات مرتب ہوں ہر آیت کو سمجھنے کے مطابق مختلف حال اور وجد کی کیفیت پیدا ہو جس کی وجہ سے اس کے دل میں غم، خوف اور امید وغیرہ کا ظہور ہو اور جب اس کی معرفت مکمل ہو تو اس کے دل کا سب سے غالب حال خشیت ہو۔ کیوں کہ قرآنی آیات میں تنگی بہت ہے کیونکہ مغفرت اور رحمت کا ذکر جہاں بھی دکھائی دیتا ہے وہ کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے جن کو پانے سے عارف قاصر ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے غفار ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اِنِّیْ لَغَفَّارٌ (۲)

بے شک میں بخشنے والا ہوں۔

لیکن اس کے لیے چار شرطوں کا ذکر فرمایا، ارشاد فرمایا۔

لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (۳)

ان لوگوں کے لیے (غفار ہوں) جنہوں نے توبہ کی، ایمان لائے اور اچھے کام کئے پھر ہدایت پائی۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۸۲۔

(۲) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۸۲

(۳) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۸۲

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (۱)

زمانے کی قسم! بے شک انسان نقصان میں ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے، ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور صبر کی نصیحت کی۔

تو یہاں بھی چار شرطوں کا ذکر ہے۔ اور جہاں اختصار سے کام لیا تو وہاں جامع شرط ذکر فرمائی۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت، احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔

احسان ان سب پر مشتمل ہوتا ہے اسی طرح جو شخص قرآن پاک میں اوّل سے آخر تک تلاش کرے گا (تو مختلف معانی پائے گا)، تو جو آدمی اسے سمجھے تو اس کے لائق یہ ہے کہ وہ خشیت اور غم کی حالت میں ہو اسی لیے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا۔

اللہ کی قسم! کوئی بندہ تلاوت کلام پاک کے ساتھ صبح نہیں کرتا مگر اس کا غم زیادہ اور خوشی کم ہو جاتی ہے اس کا رونا زیادہ اور ہنسنا کم ہوتا ہے اس کی تھکاوٹ اور مشغولیت زیادہ اور راحت اور فراغت کم ہو جاتی ہے۔

حضرت وہیب بن ورد رحمہ اللہ نے فرمایا" ہم نے ان احادیث اور مواعظ میں غور کیا تو قرآن پاک کی قرأت اس کی سمجھ اور تدبر سے بڑھ کر کسی چیز کو دلوں کو بہت نرم کرنے والا، اور غم کو لانے والا نہیں پایا۔ تو قرآن پاک سے متاثر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ پڑھی گئی آیت کی صفت سے موصوف ہو جائے جب ڈراوے یا مغفرت کے ساتھ شرائط کا ذکر آئے تو خوف سے اتنا کمزور ہو جائے کہ گویا وہ مرنے کے قریب ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت اور وعدۂ مغفرت کی آیات پڑھے تو خوش ہو جائے گویا وہ خوشی سے اڑ رہا ہے جب اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات واسماء کا ذکر ہو تو اس کے جلال اور عظمت کے سامنے جھک جائے۔ اور جب کفار کا اس طرح ذکر کیا جائے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ان باتوں کا ذکر کیا جو اس کے لیے محال ہیں مثلاً اس کے لیے اولاد اور بیوی ثابت کرنا، تو اس وقت اپنی آواز کو پست کرے اور ان کے قول کی قباحت سے شرمندہ ہو کر دل میں

(۱) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۸۲

(۱) قرآن مجید سورۂ والعصر (مکمل)

(۲) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۵۶

انکساری لائے۔ جب اوصاف جنت کا ذکر ہو تو دل میں اس کا شوق پیدا ہو۔ جب جہنم کا وصف بیان ہو تو اس کے خوف کے باعث جسم کانپ اٹھے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا:
میرے سامنے قرآن پاک پڑھیں، وہ فرماتے ہیں میں نے سورۂ نساء شروع کی جب میں اس آیت پر پہنچا۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (۱)
پس کیسے ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ بنائیں گے۔

(حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں) میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے آپ نے مجھے فرمایا اس وقت بس کرو۔

آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اس حالت کے مشاہدہ نے آپ کو مکمل طور پر ادھر متوجہ کر دیا تھا۔
ڈرنے والوں میں سے بعض لوگ ڈرانے والی آیات پر بیہوش ہو کر گر پڑے اور ان میں سے بعض نے آیات سنیں تو مر گئے۔

تو اس قسم کے حالات میں تلاوت کرنے والا محض حکایت کرنے والا نہیں ہوتا جب وہ پڑھے۔

إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (۲)
اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔

اور اس آیت کو پڑھتے وقت اسے یہ خیال نہ ہو تو وہ محض حکایت کرنے والا ہے۔

اور جب یہ آیت پڑھے:

عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (۳)
ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری طرف ہی ہمارا لوٹنا ہے۔

اب (اس آیت کو پڑھتے وقت) اس کی حالت توکل اور رجوع الی اللہ والی نہ ہو تو یہ محض حکایت ہوگی۔ اور جب درج ذیل آیت پڑھتے وقت وہ صبر کرنے والا یا اس کا پختہ ارادہ کرنے والا نہ ہو تو تلاوت کی مٹھاس نہیں پائے گا۔
ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۴۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۱۵

(۳) قرآن مجید، سورۂ ممتحنہ آیت ۴

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا۔ (۱)
اور ہم اس بات پر ضرور بضرور صبر کریں جو اذیت تم نے ہم کو دی۔

اب اگر یہ صفات پیدا نہ ہوں اور اس کا دل ان کے درمیان میں نہ پھرتا ہو تو اس کی تلاوت محض زبانی حرکت ہو گی اور جب درج ذیل آیات پڑھے گا تو اس کا لفظ صراحتاً اس پر لعنت بھیجتا رہے گا۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (۲)
سنو! ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

نیز فرمایا:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۳)
اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بیزاری اس بات پر کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔

نیز فرمایا:

وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۔ (۴)
اور وہ غفلت میں منہ پھیرنے والے ہیں۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ (۵)
ذکر سے پیٹھ پھیری اور صرف دنیوی زندگی کا ارادہ کیا۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۶)
اور جو لوگ توبہ نہیں کرتے وہی ظالم ہیں۔

اس کے علاوہ دیگر آیات ہیں اور یہ شخص اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں داخل ہو جاتا ہے:

ارشاد فرمایا:

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّا اَمَانِيَّ۔ (۷)
اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو کتاب کو صرف اپنی خواہشات کے مطابق جانتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۱۲
(۲) قرآن مجید سورۂ ہود آیت ۱۸
(۳) قرآن مجید سورۂ الصف آیت ۳
(۴) قرآن مجید سورۂ انبیاء آیت ۱
(۵) قرآن مجید، سورۂ نجم آیت ۲۹
(۶) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۱۱ (۷) قرآن مجید سورۂ یوسف آیت ۱۰۵

یعنی محض تلاوت کرتے ہیں۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۔ (۱)

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی آیات ہیں جن سے یہ لوگ منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔

کیوں کہ قرآن پاک آسمان و زمین کی ان نشانیوں کو واضح طور پر بیان کرتا ہے اور جب وہ ان کو پڑھ کر آگے گزر جائے اور ان سے اثر قبول نہ کرے تو وہ ان سے منہ پھیرنے والا ہے اسی لئے کہا گیا کہ جو شخص قرآن پاک کے اخلاق سے متصف نہیں ہوتا تو جب وہ قرآن پاک پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پکارتا ہے اور فرماتا ہے تجھے میرے کلام سے کیا واسطہ؟ تو مجھ سے اعراض کرنے والا ہے اگر تو میری طرف رجوع نہیں کرتا تو میرے کلام کو چھوڑ دے۔

کوئی گناہ گار شخص جب بار بار قرآن پاک پڑھتا ہے تو اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کے خط کو روزانہ کئی مرتبہ پڑھے اور اس نے اسے لکھا کہ ملک کو آباد کرو اور یہ اس کو برباد کرنے میں لگا ہوا ہے اور صرف خط کے پڑھنے پر اکتفا کرتا ہے۔ تو اس مخالفت کے وقت اگر وہ پڑھنا چھوڑ دے تو شاید مذاق اور ناراضگی کے استحقاق سے دور ہو جائے اسی لیے حضرت یوسف بن اسباط نے فرمایا کہ میں قرآن پاک پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن جب اس کے مضامین کو پڑھتا ہوں تو عذاب سے ڈر کر تسبیح و استغفار میں مشغول ہو جاتا ہوں اور جو شخص عمل سے اعراض کرتا ہے اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا (۲)

پس انہوں نے اس (کتاب) کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت لے لی۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ وَلَانَتْ لَهٗ جُلُوْدُكُمْ فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَلَسْتُمْ تَقْرَءُوْنَهٗ ۔ (۳)

قرآن پاک اس وقت تک پڑھو جب تک اس سے تمہارے دل مانوس رہیں اور اس کے لیے تمہارا جسم نرم ہو پس جب تم اختلاف کرنے لگو (یعنی پہلے والی حالت نہ رہے) تو اب تم نہیں پڑھ رہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ یوسف آیت ۱۰۵

(۲) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۸۷

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵۷ کتاب فضائل القرآن

اور بعض روایات میں ہے کہ جب تم جھگڑنے لگو تو اس سے اٹھ جاؤ۔ (۱)

ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ (۲)

وہ لوگ کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دھل جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اَحْسَنَ النَّاسِ صَوْتًا بِالْقُرْاٰنِ الَّذِیْ اِذَا سَمِعْتَہٗ یَقْرَءُ رَاَیْتَ اَنَّہٗ یَخْشَی اللّٰہَ تَعَالٰی۔ (۳)

بے شک قرآن پاک کو خوش آوازی سے وہ شخص پڑھتا ہے کہ جب تم اس کو پڑھتے ہوئے سنو تو دیکھو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

نیز آپ نے ارشاد فرمایا:

لَا یُسْمَعُ الْقُرْاٰنُ مِنْ اَحَدٍ اَشْھٰی مِنْہُ مِمَّنْ یَّخْشَی اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ (۴)

اس شخص سے بڑھ کر قرآن پاک کی اچھی تلاوت نہیں سنی جاتی جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

تو قرآن پاک کی قرأت کا مقصد یہی ہے کہ دل پر یہ حالات آئیں اور اس پر عمل کیا جائے ورنہ حروف کے ساتھ زبان کو حرکت دینے کی مشقت نہایت آسان ہے اسی لئے کسی قاری نے کہا کہ میں نے اپنے استاذ کے سامنے قرآن پاک پڑھا پھر دوبارہ پڑھنے لگا تو انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور فرمایا میرے سامنے پڑھنے کو تو نے عمل بنا لیا جاؤ اللہ تعالیٰ کے سامنے پڑھو اور دیکھو کہ وہ تمہیں کس چیز کا حکم دیتا ہے اور کس بات سے روکتا ہے۔

احوال واعمال میں صحابہ کرام کا یہی شغل تھا چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ نے بیس ہزار صحابہ کرام چھوڑے لیکن ان میں سے صرف چھ نے قرآن پاک حفظ کیا تھا (۵) اور ان میں سے بھی دو کے بارے میں اختلاف ہے

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۱ کتاب فضائل القرآن

(۲) قرآن مجید، سورۂ انفال آیت ۲

(۳)

(۴) کنز العمال جلد اول ص ۶۱۰ حدیث ۲۸۰۲

(۵)

...یں سے اکثر ایک یا دو سورتیں حفظ کرتے اور جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ انعام یاد کرتا وہ ان کے علماء میں سے ہوتا اور ...ب ایک شخص آیا تاکہ قرآن پاک سیکھے جب وہ اس آیت پر پہنچا۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ۔ (۱)

پس جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ایک ذرے کے برابر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

تو واپس لوٹ گیا اور کہنے لگا مجھے یہی کافی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص واپس لوٹ گیا اور یہ ...قیہ ہے (۲)

تو یہ حالت بہت کمیاب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مومن کے دل کو کسی آیت کے سمجھنے کے بعد عطا کرتا ہے اور صرف زبان ...ی حرکت کم نفع دیتی ہے بلکہ جو شخص زبان سے تلاوت کرے اور عمل سے اعراض کرے وہ اس بات کے لائق ہے کہ اللہ ...عالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا مصداق ہو۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَعْمٰی۔ (۳)

اور جو شخص میرے ذکر سے منہ پھیرتا ہے اس کی معیشت تنگ ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

نیز فرمایا:-

كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی۔ (۴)

اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح تجھے چھوڑ دیا جائے گا۔

یعنی اس نے قرآن پاک کو چھوڑ دیا اور اس میں غور و فکر نہ کیا اور نہ اس کی کچھ پرواہ کی کیونکہ جو شخص کسی کام میں کوتاہی ...کرتا ہے تو کہا جاتا ہے اس نے اس کام کو بھلا دیا۔ قرآن پاک کی کما حقہ تلاوت یہ ہے کہ اس میں زبان، عقل اور دل ...شریک ہوں زبان کا حصہ یہ ہے کہ ترتیل (ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے) کے ذریعے حروف کو صحیح ادا کرے، عقل کا حصہ معانی ...کی تفسیر ہے، دل کا حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جھڑک اور حکم سے متاثر ہونا اور نصیحت حاصل کرنا ہے پس زبان پڑھتی

---

(۱) قرآن مجید سورۂ زلزال آیت ۷، ۸

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۵۳۲ کتاب تفسیر

(۳) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۴

(۴) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۶

ہے، عقل ترجمانی کرتی ہے اور دل نصیحت قبول کرنے والا ہے۔

۹۔ ترقی

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تلاوت کے دوران اس حد تک پہنچ جائے کہ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ سے نہ سنے تو قرأت قرآن نے تین درجے ہیں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان یوں تصور کرے کہ وہ اللہ کے سامنے پڑھ رہا ہے اس کے سامنے کھڑا ہے اور وہ اسے دیکھ بھی رہا ہے اور اس کی قرأت سن بھی رہا ہے اس صورت میں اس کی حالت، سوال، خوشامد، عاجزی اور انکساری ہوگی دوسرا درجہ یہ ہے کہ کلام میں متکلم کو دیکھے اور کلمات میں صفات کو، نہ تو اپنے آپ کو دیکھے نہ اپنی قرأت کو، اور نہ اس انعام کو دیکھے جو اس پہ ہوا بلکہ اس کی پوری توجہ اور فکر متکلم کی طرف ہو گویا وہ سب کچھ چھوڑ کر متکلم کے مشاہدہ میں مصروف ہے یہ مقربین کا درجہ ہے اور جو پہلے بیان ہوا وہ اصحابِ یمین کا درجہ ہے اور جو اس سے خارج ہے وہ غافلین کے درجات ہیں۔

سب سے بلند درجہ کے بارے میں حضرت امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہما نے فرمایا "اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں مخلوق کے لیے تجلی فرمائی ہے لیکن وہ دیکھتے نہیں"، ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو نماز میں ایسی حالت لاحق ہوئی کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑے جب افاقہ ہوا تو حاضرین نے اس سلسلے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا میں ایک آیت کو بار بار اپنے دل پر پڑھتا رہا حتیٰ کہ میں نے اسے متکلم (اللہ تعالیٰ) سے سنا تو میرا جسم اس کی قدرت کا معائنہ کرنے کے لیے نہ ٹھہر سکا تو اس قسم کے درجہ میں مٹھاس اور مناجات کی لذت زیادہ ہو جاتی ہے۔ کسی دانا نے فرمایا میں قرآن پاک پڑھتا تھا لیکن مجھے اس کی حلاوت محسوس نہیں ہوتی تھی حتیٰ کہ میں نے اسے تلاوت کیا گویا میں اسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رہا ہوں کہ آپ، صحابہ کرام کے سامنے پڑھ رہے ہیں پھر میرا مقام بلند کیا گیا تو میں اس طرح پڑھتا گویا میں حضرت جبریل علیہ السلام سے سن رہا ہوں کہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا رہے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ایک اور مقام لایا اب میں براہ راست اللہ تعالیٰ سے سنتا ہوں اس وقت مجھے وہ لذت اور حصہ ملا ہے کہ میں صبر نہیں کر سکتا۔

حضرت عثمان اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔" اگر دل پاک ہو جائیں تو وہ قرآن پاک کی قرأت سے سیر نہ ہوں انہوں نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ دل کی طہارت سے انسان ترقی کر کے کلام میں متکلم کو دیکھتا ہے اسی لیے حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے بیس سال قرآن پاک میں مشقت اٹھائی اور بیس سال اس کی حلاوت پائی۔

اگر آدمی متکلم کا مشاہدہ کرے اور دوسری طرف اس کی نظر نہ ہو تو وہ ان ارشاداتِ خداوندی کو بجالانے والا ہوگا۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (۱) پس اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورہ الذاریات آیت ۵۰

اور ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (۱) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہ ٹھہراؤ۔

تو جو آدمی ہر چیز میں اسے نہ دیکھے وہ اس کے غیر کو دیکھتا ہے اور بندہ، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو دیکھتا ہے تو اس کی اس توجہ میں کچھ نہ کچھ شرک خفی ہوتا ہے بلکہ خالص توبہ یہ ہے کہ وہ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ ہی کو دیکھے۔

۱۔ قطعِ تعلق

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طاقت سے برأت کا اعلان کرے نیز اپنے نفس کی طرف رضا اور تزکیہ کی نگاہ کرنے سے بچے پس جب وعدے اور صالحین کی تعریف پر مشتمل آیات کی تلاوت کرے تو اس وقت اپنے نفس کو سامنے نہ رکھے بلکہ اس پر یقین کرنے والے اور سچے لوگوں کو پیش نظر رکھے اور اس بات کا شوق رکھے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی ان لوگوں کے ساتھ ملادے اور جب غضب نیز نافرمان اور کوتاہی کرنے والوں کی مذمت کی آیات تلاوت کرے تو انہیں اپنے بارے میں خیال کرے اور خوف کے تحت اپنے آپ کو اس کا مخاطب سمجھے اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ لِظُلْمِیْ وَكُفْرِیْ۔ یا اللہ! میں اپنے ظلم اور کفر کے باعث تجھ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں۔

پوچھا گیا ظلم تو ٹھیک ہے کفر کیسے ہو گیا؟ تو انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (۲) بے شک انسان بہت ظلم اور انکار کرنے والا ہے،

حضرت یوسف بن اسباط رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ جب قرآن پاک پڑھتے ہیں تو کونسی دعا مانگتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کونسی دعا مانگتا ہوں؟ یہی کہ بارگاہ خداوندی میں اپنی ستر سال کی کوتاہیوں پر استغفار کرتا ہوں، تو جب انسان تلاوت کلام کے دوران اپنے آپ کو کوتاہی کرنے والا دیکھے گا تو یہ دیکھنا قربت کا سبب ہو گا کیونکہ جو شخص قرب میں دُوری کو دیکھتا ہے اُسے خوف عطا ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ خوف اسے قرب کے بلند مقام پر لے جاتا ہے اور جو آدمی دُوری کو بھی قرب سمجھے تو وہ خوف سے بچایا جاتا اور یہ بچاؤ اس بُعد دُور کر دیتا ہے۔ اور جب وہ اپنے آپ کو رضا کی آنکھ سے دیکھتا ہے تو نفس کے حجاب میں چلا جاتا ہے اور جب وہ نفس کے مشاہدے سے تجاوز کر کے صرف اللہ تعالیٰ کو دیکھے تو اس پر عالم ملکوت کے بھید کھل جاتے ہیں۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن ثوابان نے اپنے ایک بھائی سے وعدہ فرمایا کہ وہ ان کے پاس روزہ افطار کریں گے لیکن انہیں دیر ہو گئی حتیٰ کہ صبح ہو گئی دوسرے دن ان کے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۵۱

(۲) قرآن مجید سورۃ ابراہیم آیت ۳۴

اس بھائی سے ملاقات ہوتو اس نے کہا آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میرے پاس افطار کریں گے لیکن آپ نے وعدہ پورا نہ کیا انہوں نے فرمایا اگر میں نے تجھ سے وعدہ نہ کیا ہوتا تو میں تجھے نہ بتاتا کہ مجھے کس بات نے روکا تھا میں نے جب عشاء کی نماز پڑھی تو میں نے سوچا تمہارے پاس جانے سے پہلے وتر پڑھ لوں کیوں کہ موت سے بے خوفی نہیں ہے جب میں وتر میں دعا پڑھنے لگا تو میرے پاس ایک سرسبز باغیچہ لایا گیا جس میں طرح طرح کے جنتی پھول کھلے تھے۔ تو میں مسلسل انہیں دیکھتا رہا حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔

تو یہ مکاشفات اسی وقت ہوتے ہیں جب آدمی اپنی ذات کے خول سے نکل جاتا ہے نہ اپنے نفس کو دیکھتا ہے اور نہ اس کی خواہشات کو پھر یہ مکاشفات، کشف والے کے حالات کے مطابق ہوتے ہیں۔ جب وہ امید والی آیات پڑھتا ہے اور اس پر خوشی کی حالت غالب ہو جاتی ہے تو اس پر جنت کی صورت منکشف ہوتی ہے اور وہ اسے یوں دیکھتا ہے جس طرح آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور اس پر خوف غالب ہو تو اس کے سامنے جہنم کو لایا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ طرح طرح کے عذاب دیکھتا ہے اور یہ اس سے ملتے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نرم، لطیف اور سخت درشت بھی ہے، نیز اس میں امید بھی ہے اور خوف بھی، اور یہ اس کے اوصاف سے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں رحمت بھی ہے مہربانی بھی، انتقام بھی اور پکڑ بھی۔ تو کلمات اور صفات کے مشاہدے کے مطابق دل کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں اور جس قسم کی حالت ہوتی ہے وہ اسی قسم کے کشف کے لیے تیار ہوتا ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ سننے والے کی حالت ایک ہو اور جو سنا گیا وہ مختلف ہو کیوں کہ اس میں حالت رضا کا کلام بھی ہے، غصے والے متکلم کا بھی، انتقام والے جبّار، متکبر کا کلام بھی ہے جو بے پرواہ ہے اور شفقت و مہربانی والے کا کلام بھی جو بیکار نہیں چھوڑتا (یعنی اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات ہیں لہٰذا جب اس کا کلام پڑھا جائے تو سننے والے پر بھی مختلف حالات طاری ہوتے ہیں)

چوتھا باب

قرآن کو سمجھنا اور تفسیر بالرائے

شاید تم کہو کہ گذشتہ بحث میں تم نے اسرارِ قرآن کے سمجھنے اور جو معانی پاکیزہ دل والوں کے لیے منکشف ہوں ان کی عظمت بیان کی تو یہ بات کیسے مستحب ہو سکتی ہے جب کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (۱) جو آدمی اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر بیان کرے وہ اپنے ٹھکانہ آگ میں بنائے۔

اس بنیاد پر ظاہر تفسیر کے علماء ان مفسرین پر اعتراض کرتے ہیں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین سے منقول تفسیر کے خلاف تصوف کے طور پر تفسیر کرتے ہیں ان حضرات کے نزدیک یہ کفر ہے اور اگر وہ بات صحیح ہو جو اہل تفسیر کہتے ہیں تو حفظِ تفسیر کے علاوہ فہمِ قرآن کا کیا مطلب ہوگا۔ اور اگر یہ صحیح نہ ہو تو حضور علیہ السلام کے مندرجہ بالا قول کا کیا مطلب ہوگا۔

اپنی ذاتی حد تو تم جان لو کہ جس شخص کے نزدیک قرآن پاک کا ترجمہ محض ظاہری تفسیر ہے تو وہ کی خبر دیتا ہے اور وہ اپنی ذات کے بارے میں خبر دینے کے سلسلے میں درست راہ پر ہے لیکن باقی تمام مخلوق کو اپنی حد پر لانے کے سلسلے میں غلطی پر ہے بلکہ اخبار و آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سمجھنے والوں کے لیے قرآن کے معانی کا دائرہ بہت وسیع ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو فہمِ قرآن عطا فرمائے۔" اگر ترجمۂ منقولہ کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تو اس فہم کا کیا مطلب ہوتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَهْرًا وَبَطْنًا وَحَدًّا وَمَطْلَعًا۔ (۲) بے شک اس قرآن پاک کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، ایک حد ہے اور ایک جائے ظہور۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۶۹ مرویات ابن عباس رضی اللہ عنہما

(۲) النہایہ جلد ۳ ص ۱۴۲ تحت ط ـ ل ـ ع

اور آپ علمائے تفسیر میں سے تھے تو ظاہر، باطن، حد اور مطلع کا کیا مطلب ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

"اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں" تو اس کا کیا مطلب ہو گا حالانکہ اس کی ظاہر تفسیر تو بہت مختصر ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کوئی شخص اس وقت تک فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک قرآن پاک کے کئی معانی نہ بنائے۔ بعض علماء نے فرمایا ہر آیت کے ساٹھ ہزار مفاہیم ہیں اور جو سمجھنے سے باقی رہ گئے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ ہیں دوسرے حضرات نے فرمایا کہ قرآن پاک ستر ہزار دو سو علوم پر مشتمل ہے کیونکہ ہر کلمہ ایک علم ہے پھر ہر ایک چار گنا ہو جاتا ہے کیونکہ ہر کلمے کا ظاہر، باطن حد اور مطلع ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بیس مرتبہ اس لیے دہرایا کہ اس کے معانی کے باطن پہ غور کریں ورنہ اس کا ترجمہ و تفسیر ظاہر ہے اس جیسی بات کا تکرار ضروری نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اولین و آخرین کا علم چاہتا ہے وہ قرآن پاک میں غور کرے اور یہ محض ظاہری تفسیر سے حاصل نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ تمام علوم اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کی صفات میں داخل ہیں اور قرآن پاک میں اس کی ذات، افعال اور صفات کی وضاحت ہے اور ان علوم کی کوئی انتہاء نہیں قرآن پاک میں ان کی طرف اجمالی اشارہ ہے۔

جب کہ اس کی تفصیل کی گہرائی قرآن پاک کے سمجھنے پر موقوف ہے محض ظاہری تفسیر اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتی بلکہ جو چیز ناظرین کے لیے مشکل ہے اور نظریات و معقولات میں لوگوں کا اختلاف ہے تو قرآن پاک میں اس کی طرف اشارات اور دلائل ملتے ہیں جن کا ادراک صرف اہل علم کو ہوتا ہے تو صرف ظاہری ترجمہ و تفسیر اس بات کو کیسے ادا کر سکتی ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ وَالْتَمِسُوْا غَرَائِبَهٗ (۱) — قرآن پاک پڑھو اور اس کے عجائبات تلاش کرو۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ نَبِیًّا لَتَفْتَرِقَنَّ اُمَّتِیْ عَنْ اَصْلِ دِیْنِهَا وَجَمَاعَتِهَا عَلٰی اثْنَتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً كُلُّهَا ضَالَّةٌ مُضِلَّةٌ — اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا میری امت اصل دین اور جماعت کے سلسلے میں بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو گی وہ تمام گمراہ اور گمراہ کرنے والے ہوں گے

(۱) المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۴۳۹ کتاب التفسیر

يَدْعُوْنَ إِلَى النَّارِ فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَعَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنَّ فِيْهِ نَبَأَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَنَبَأَ مَا يَأْتِيْ بَعْدَكُمْ وَحُكْمَ مَا بَيْنَكُمْ مَنْ خَالَفَهُ مِنَ الْجَبَابِرَةِ قَصَمَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمَنِ ابْتَغَى الْعِلْمَ فِيْ غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ وَنُوْرُهُ الْمُبِيْنُ وَشِفَاؤُهُ النَّافِعُ، عِصْمَةٌ لِمَنْ تَمَسَّكَ بِهِ وَنَجَاةٌ لِمَنِ اتَّبَعَهُ، لَا يَعْوَجُّ فَيُقَوَّمُ وَلَا يَزِيْغُ فَيُسْتَعْتَبُ، وَلَا تَنْقَضِيْ عَجَائِبُهُ وَلَا يَخْلُقُهُ كَثْرَةُ التَّرْدِيْدِ." (۱)

اور جہنم کی طرف بلائیں گے جب تم پر یہ حالت آئے تو تم پر اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اختیار کرنا لازم ہے اس میں پہلے لوگوں اور بعد والوں کی خبریں ہیں اور تمہارے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ ہے جو متکبر اس کی مخالفت کرے اللہ تعالیٰ اسے توڑ دے گا اور جو شخص کسی غیر اہل کے پاس علم تلاش کرے اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کرتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، نفع بخش شفا ہے اسے مضبوطی سے پکڑنے والے کے لیے حفاظت کا ذریعہ اور اپنے متبعین کے لئے نجات ہے وہ ٹیڑھا نہیں ہوتا کہ اسے سیدھا کیا جائے اور نہ وہ دوسری طرف مائل ہوتا ہے کہ اسے درست کیا جائے اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے اور نہ ہی بار بار پڑھنا اسے پرانا کرتا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اختلاف و افتراق کی خبر دی تو وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب سیکھو اور اس کے مضامین پر عمل کرو اس سے نکلنے کا راستہ یہی ہے فرماتے ہیں میں نے تین بار یہی سوال کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں بار یہی فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب سیکھ کر اس کے احکام پر عمل کرو اسی میں نجات ہے (۲)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو آدمی قرآن پاک کو سمجھ گیا وہ تمام علوم کو بیان کر سکتا ہے۔ تو آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ قرآن پاک میں تمام علوم کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کی تفسیر میں فرمایا۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (۳)

اور جسے حکمت دی گئی اسے بہت بھلائی دی گئی۔

٭ ٭

اس سے قرآن پاک کو سمجھنا مراد ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۴۱۲، ۱۳۴ باب ماجاء فی فضل القرآن

(۲)

(۳) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۶۹

اور ارشاد خداوندی ہے:

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ (۱)

پس ہم نے یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دی اور ہم نے دونوں کو حکم اور علم عطا کیا۔

تو جو کچھ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں کو عطا فرمایا اس کا نام علم و حکم رکھا اور جو کچھ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھا اسے خاص طور پر فہم کا نام دیا اور اسے علم و حکم پر مقدم رکھا تو یہ امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن پاک کے معانی کو سمجھنے میں بہت گنجائش ہے اور جو کچھ ظاہری تفسیر کے سلسلے میں منقول ہے وہ ادراک معانی کی انتہا نہیں ہے۔

جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا تعلق ہے کہ جس نے اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر بیان کی (آخر تک) اور آپ نے اس سے منع فرمایا نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں قرآن پاک کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہوں گا تو مجھے کون سی زمین اٹھائے گی اور کونسا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا، اور اس کے علاوہ تفسیر بالرائے کے سلسلے میں جو کچھ روایات مروی ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں ہیں یا تو اس سے مراد یہ ہے کہ محض نقل اور سنی ہوئی بات پر اکتفا کرنا اور اجتہاد اور خود سمجھنے کو ترک کر دینا، یا کوئی دوسری بات مراد ہے۔

اگر یہ بات مراد ہو کہ قرآن پاک سے متعلق کوئی شخص بھی سنی ہوئی بات کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتا تو یہ کئی وجہ سے باطل ہے۔

۱۔ سننے میں شرط یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے اور وہ بات آپ کی طرف ہی منسوب ہو۔ اور یہ بات قرآن پاک کے کچھ حصے میں ہو سکتی ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جو کچھ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے ان کے اپنے اقوال سنے وہ قبول نہیں ہونے چاہیں اور اسے تفسیر بالرائے کہا جائے اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ ہے۔

۲۔ صحابہ کرام اور مفسرین نے بعض آیات کی تفسیر میں اختلاف کرتے ہوئے ان میں مختلف اقوال بیان کئے جن کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ اور ان سب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سننا بھی محال ہے اور اگر ایک کی سماعت حاصل ہو تو باقی کو رد کرنا پڑے گا تو یقینی طور پر معلوم ہوا کہ ہر مفسر نے وہی معنی بیان کیا جو اس کے اجتہاد کی صورت میں سامنے آیا حتیٰ کہ سورتوں کے شروع میں جو حروف ہیں ان کے بارے میں سات مختلف قول کئے گئے جن کو جمع کرنا ناممکن ہے کہا گیا کہ "الر" کے حروف الرحمٰن کے حروف ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ الف سے اللہ، لام سے لطیف اور راء سے رحیم مراد ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انبیاء، آیت ۷۹۔

اس کے علاوہ تاویلات بھی ہیں ان سب کو جمع کرنا غیر ممکن ہے تو یہ سب کس طرح مسموع (سنے ہوئے) ہو سکتے ہیں۔
۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا۔

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاْوِیْلَ۔ یا اللہ ان کو دین کی سمجھ عطا کر اور قرآن پاک کا معنیٰ سکھا دے۔ (۱)

اگر قرآن پاک کی طرح اس کی تفسیر بھی مسموع اور محفوظ ہوتی تو اس تخصیص کا کیا مطلب ہوتا؟
۴۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ۔ البتہ اس کو وہ لوگ جان لیتے جو ان میں سے اس میں اجتہاد کرتے ہیں۔ (۲)

تو اہل علم کے لیے اجتہاد و استنباط ثابت کیا اور یہ بات معلوم ہے کہ یہ سماعت کے علاوہ ہے اور قرآن پاک کو سمجھنے کے سلسلے میں ہم نے جتنے آثار نقل کئے ہیں وہ اس خیال کے خلاف ہیں، لہٰذا تفسیر کے سلسلے میں سماع کی قید باطل ہے اور ہر ایک کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق قرآن پاک سے معانی اخذ کرے جہاں تک ممانعت کا تعلق ہے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔
۱۔ ایک یہ کہ آدمی کی کسی بات میں ایک رائے ہو اور اس کی طبیعت اسی طرف مائل ہو اور وہ انہی خواہش اور رائے کے مطابق تفسیر کرے تاکہ اپنی غرض کو صحیح کرنے کے لیے دلیل پکڑ سکے اور اگر اس کی یہ خواہش نہ ہوتی تو قرآن پاک کا یہ معنیٰ اس کے سامنے نہ آتا اور یہ بات کبھی کبھی علم کے ساتھ بھی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص اپنی بدعت پر قرآن پاک کی بعض آیات سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ وہ جانتا ہے کہ آیت سے یہ بات مراد نہیں ہے لیکن وہ اپنے مخالف کو دھوکہ دیتا ہے۔
اور بعض اوقات وہ لاعلمی میں ایسا معنیٰ بیان کرتا ہے لیکن جب آیت میں اس کا احتمال ہو تو اس کی سمجھ اس معنیٰ کی طرف مائل ہوتی ہے جو اس کی غرض کے موافق ہوتا ہے اور وہ اپنی رائے اور خواہش کے تحت اس معنیٰ کو ترجیح دیتا ہے تو اب یہ اپنی رائے سے تفسیر کرنے والا ہوتا ہے یعنی اس کی رائے نے اسے اس تفسیر پر مجبور کیا اگر اس کی اپنی خواہش نہ ہوتی تو اس وقت وہ اس معنیٰ کو ترجیح نہ دیتا اور بعض اوقات اس کی غرض صحیح ہوتی ہے اور وہ اس

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۶۶ مرویات ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
(۲) قرآن مجید، سورۃ نساء آیت ۸۳

کے لیے قرآن پاک سے دلیل تلاش کرتا ہے لیکن وہ ایسی آیت سے استدلال کرتا ہے کہ اس سے معلوم ہے اس آیت کا مفہوم نہیں ہے جیسے کوئی آدمی سحری کے وقت استغفار کی طرف بلاتا ہے اور اس حدیث سے استدلال کرتا ہے۔

تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السَّحُوْرِ بَرَکَۃً (۱) سحری کرو بے شک سحری میں برکت ہے۔

وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہاں سحری کے وقت ذکر کرنا مراد ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس سے مراد سحری کھانا ہے اور جیسے کوئی شخص کسی سخت دل کو مجاہدہ کی طرف بلاتے ہوئے کہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی (۲) فرعون کے پاس جاؤ بے شک اس نے سرکشی کی ہے۔

اور اس سے دل کی طرف اشارہ کرے اور کہے کہ فرعون سے مراد دل ہے بعض واعظین اچھے مقاصد کے لیے یعنی اپنے کلام کو مزین کرنے اور سننے والے کو ترغیب دینے کے لیے یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں لیکن یہ ممنوع ہے باطنی فرقے نے اس طریقے کو اپنے فاسد مقاصد کے لیے اختیار کیا تاکہ لوگوں کو دھوکہ دے کر انہیں اپنے باطل مذہب کی طرف بلائیں وہ قرآن پاک میں اپنی مرضی کے معانی بیان کرتے ہیں حالانکہ وہ قطعی طور پر جانتے ہیں کہ یہ معنیٰ مراد نہیں ہے تو تفسیر بالرائے سے ممانعت کی ایک وجہ یہ ہے اور رائے سے مراد فاسد رائے ہے جو خواہش کے موافق ہو اجتہاد اور صحیح رائے کے موافق نہ ہو رائے صحیح بھی ہوتی ہے اور غلط بھی لیکن جو کچھ انسان کی خواہش کے موافق ہو اسے عام طور پر رائے کہا جاتا ہے۔

ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ظاہری عربی الفاظ کے اعتبار سے تفسیر کی جلدی کرے اور یہ نہ دیکھے کہ غرائب قرآن کے سلسلے میں کیا کچھ سنا گیا اور کیا منقول ہے نیز اس میں کون سے الفاظ مبہم ہیں اور کون سے بدلے ہوئے ہیں اختصار، حذف، پوشیدہ معانی، تقدیم و تاخیر کا خیال بھی نہ رکھے پس جو شخص ظاہر تفسیر (ترجمہ) کو چھوڑ دے اور محض عربی کی سمجھ کی بنیاد پر معانی کا استنباط کرنے لگے وہ زیادہ غلطی کرتا ہے اور تفسیر بالرائے کرنے والوں میں شامل ہو جاتا ہے، تو ظاہر تفسیر میں سب سے پہلے نقل اور سماع ضروری ہے تاکہ غلطی کے مقامات سے بچے پھر اس کے بعد فہم اور اجتہاد کی گنجائش زیادہ ہوتی ہے۔

قرآن پاک کے عجیب الفاظ جو سماع کے بغیر سمجھ نہیں آتے وہ بہت زیادہ ہیں ہم ان میں سے کچھ کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں تاکہ ان پر ان کی مثالوں کو قیاس کیا جا سکے اور معلوم ہو جائے کہ پہلے ظاہر تفسیر کو یاد کرنے میں سستی کرنا جائز نہیں اور ظاہر کو مضبوط کئے بغیر باطن تک پہنچنے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اور جو شخص اسرار قرآن کو سمجھنے کا دعویٰ کرے لیکن

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۵۰ کتاب الصیام

(۲) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۲۴

ظاہری تفسیر کو مضبوط نہ کرے وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص دروازے سے گزرنے کے بغیر گھر کے اندر پہنچنے کا دعویٰ کرے یا وہ دعویٰ کرے کہ وہ ترکیوں کے کلام کا مقصد سمجھتا ہے حالانکہ اسے ترکی زبان نہیں آتی۔ کیونکہ ظاہر تفسیر لغت کی تعلیم کے قائم مقام ہے جو کسی بات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے اور جن امور میں سننا (سماع) ضروری ہے وہ بہت ہیں۔

ان میں سے اختصار، حذف اور پوشیدگی کا پایا جانا ہے، جیسے

ارشاد خداوندی ہے:

وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا۔ (۱)

اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تاکہ ان کی آنکھیں کھلیں (اور وہ حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کریں) لیکن انہوں نے اس کے ذریعے (اپنے آپ پر) ظلم کیا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ یہ ایک بصیرت دینے والی نشانی تھی تو انہوں نے اسے قتل کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تو ظاہر عربی کو دیکھنے والا خیال کرتا ہے کہ اونٹنی دیکھنے والی تھی اندھی نہیں تھی اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا ظلم کیا اور کیا انہوں نے دوسروں پر ظلم کیا یا اپنے اوپر کیا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ۔ (۲)

اور ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت ڈالی گئی۔

اس سے مراد بچھڑے کی محبت ہے تو یہاں لفظ "حب" محذوف ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ (۳)

اس وقت ہم نے ان کو (زندوں کا) دوگنا اور مردوں کا دوگنا عذاب چکھایا۔

یعنی زندوں کو جو عذاب دیا جاتا ہے اس کا دوگنا اور جو مردوں کو دیا جاتا ہے اس کا دوگنا عذاب چکھایا تو یہاں لفظ عذاب کو حذف کرکے زندوں اور مردوں کی جگہ حیات اور موت کا ذکر کیا گیا۔ اور فصیح لغت میں یہ سب کچھ جائز ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۵۹

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۹۳

(۳) قرآن مجید سورۂ اسراء آیت ۷۵

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا۔ (۱)

اور اس بستی (والوں) سے پوچھیں جس میں ہم تھے اور اس قافلے والوں سے جن کے ساتھ ہم آئے ہیں۔

یہاں بستی والے اور قافلے والے مراد ہیں اور لفظ اہل محذوف پوشیدہ ہے:

ارشادِ خداوندی ہے:

ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔ (۲)

آسمانوں اور زمین میں بھاری (پوشیدہ) ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین والوں پر پوشیدہ ہو گئی کیوں کہ جب کوئی چیز پوشیدہ ہو جائے تو وہ بھاری ہوتی ہے، پس یہاں لفظ کی تبدیلی ہو گئی اور لفظ "فی"، کو "علیٰ" کے قائم مقام کیا گیا نیز لفظ اہل کو حذف کر کے پوشیدہ کر دیا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ (۳)

اپنے رزق کا شکر یہ یوں ادا کرتے ہو کہ تم جھٹلاتے ہو۔

یہاں "شکر رزقکم" ہے یعنی لفظ شکر محذوف ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

آتِنَا مَا وَعَدْتَنَا (۴)

ہمیں وہ کچھ عطا کر جو تو نے ہم سے وعدہ کیا۔

یعنی رسولوں کی زبانوں کی وساطت سے جو وعدہ کیا تو یہاں لفظ "السنۃ"، محذوف ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ (۵)

بے شک ہم نے اس (قرآن پاک) کو لیلۃ القدر میں اتارا۔

یہاں قرآن مجید مراد ہے اور پہلے اس کا ذکر نہیں ہوا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ یوسف آیت ۸۲

(۲) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۱۸۷

(۳) قرآن مجید سورۂ واقعہ آیت ۸۲

(۴) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۹۴

(۵) قرآن مجید سورۂ القدر آیت ۱

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ۔ (۱)

حتیٰ کہ وہ پردے کے پیچھے چھپ گیا۔

یہاں سورج مراد ہے اور پہلے اس کا ذکر نہیں ہوا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (۲)

اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے غیر کو اپنا دوست بنایا وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی پوجا صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔

یعنی وہ کہتے ہیں (یہاں یَقُوْلُوْنَ محذوف ہے)

اور ارشاد خداوندی ہے:

فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔ (۳)

اس قوم کو کیا ہوا وہ بات سمجھنے کے قریب نہیں آتی (کہتے ہیں) آپ کو جو بھلائی پہنچے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو تکلیف آپ کو پہنچے وہ آپ کی اپنی طرف سے ہے۔

معنیٰ یہ ہے کہ وہ بات کو نہیں سمجھتے کہتے ہیں کہ جو آپ کو بھلائی پہنچے۔ آخر تک اگر یہ معنیٰ مراد نہ ہو یعنی "وہ کہتے ہیں" کے الفاظ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے تضاد ہو گا۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (۴)

آپ فرما دیجیے سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

اور اس سے قدریہ کا مذہب ذہن میں آئے گا (قدریہ کا مذہب یہ ہے کہ بندہ خود مختار ہے) اسی طرح لفظ بدلا ہوا منقول ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ (۵)

یعنی طور سیناء۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ص آیت ۳۲

(۲) قرآن مجید سورۂ زمر آیت ۳

(۳) قرآن مجید سورۂ النساء آیت ۷۸

(۴) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۷۹

(۵) قرآن مجید سورہ والتین آیت ۲

نیز فرمایا:

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْيَاسِيْنَ (۱) یعنی "علیٰ الیاسین"، بعض نے کہا کہ اس سے حضرت ادریس علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "علیٰ اِدْرَاسِيْنَ" ہے۔

سماع میں ایک بات یہ ہے کہ لفظ کا تکرار ہوتا ہے اور وہ کلام کے اتصال کو ختم کر دیتا ہے:

جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (۲)	اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا شریکوں کی پوجا کرتے ہیں وہ صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں۔

یہاں لفظ اتباع دو مرتبہ آیا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ۔	ان کی قوم میں سے تکبر کرنے والوں نے ان مومنوں سے کہا جنہیں کمزور کر دیا گیا تھا۔ (۳)

اس کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے تکبر کیا انہوں نے ان لوگوں سے کہا جو کمزور کئے گئے لوگوں میں سے ایمان لائے

اسی طرح کلام میں تقدیم و تاخیر بھی ہوتی ہے اور یہاں غلطی کا خدشہ ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى۔	اور اگر ان کے انجام کے متعلق آپ کے رب کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا اور ان کے لیے ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ابھی ان پر عذاب نازل ہو جاتا۔ (۴)

یعنی "لَوْلَا كَلِمَةٌ وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى لَكَانَ لِزَامًا" اگر عبارت یوں نہ ہوتی تو لفظ لزام کی طرح لفظ اجل منصوب ہوتا (اس پر زبر ہوتی)

اور ارشاد خداوندی ہے:

---

(۱) قرآن مجید سورۃ الصافات آیت ۱۳۰

(۲) قرآن مجید سورۃ یونس آیت ۶۶

(۳) قرآن مجید سورۃ اعراف آیت ۷۵

(۴) قرآن مجید سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۹

يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا۔ (۱)
وہ آپ سے (قیامت کے بارے میں) پوچھتے ہیں گویا کہ آپ نے اس کے بارے میں خوب تحقیق کی ہے۔

یعنی "یَسْئَلُوْنَكَ عَنْهَا كَاَنَّكَ حَفِيٌّ بِهَا" (گویا لفظ عنہا یہاں مؤخر ہے)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ۔ (۲)
ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے جیسا کہ آپ کو آپ کا رب آپ کے خانۂ اقدس سے حق کے ساتھ باہر لایا۔

تو یہ کلام متصل نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی "قل الانفال للہ والرسول" (جو اس سے پہلے ہے) کی طرف لوٹتا ہے یعنی مالِ غنیمت آپ کے لیے اسی وجہ سے ہوا کہ آپ باہر (جہاد کے لیے) جانے پر راضی ہوئے اور وہ ناپسند کرتے تھے تو درمیان میں تقویٰ وغیرہ سے متعلق کلام لایا گیا یا اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:
حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ۔ (۳)
یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے قول۔

یعنی یہاں بھی اتصال نہیں ہے:
اسی طرح قرآن پاک میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جن کے معانی میں ابہام ہوتا ہے یعنی وہ لفظ چاہے کلمہ ہو یا حرف کئی معانی میں مشترک ہوتا ہے کلمہ کی مثال جیسے لفظ شے، قرین، امت اور روح وغیرہ۔

ارشادِ خداوندی ہے:
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔ (۴)
اللہ تعالیٰ نے ایک عبد مملوک کی مثال دی جو کسی چیز پر قادر نہیں۔

تو یہاں شے سے مراد نفقہ ہے جو دیا جاتا ہے۔

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ کلم اجل مسمی کا عطف کلمۃ پر ہے اور "لزاما" لفظ کان کی خبر ہے اس لیے منصوب ہے۔ ۱۲ ہزاروی
(۲) قرآن مجید، سورۂ اعراف، آیت ۱۸۷
(۳) قرآن مجید، سورۂ انفال، آیت ۴، ۵
(۴) قرآن مجید، سورۂ ممتحنہ آیت ۴
(۵) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۷۵

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیۡنِ اَحَدُہُمَا اَبۡکَمُ لَا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ (۱) اللہ تعالیٰ نے دو مردوں کی مثال دی کہ ان میں سے ایک گونگا ہے کسی بات پر قادر نہیں۔

یہاں شے سے مراد عدل و استقامت کا حکم دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ (۲) (حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا) اگر آپ میرے ساتھ آئیں تو کسی چیز کے بارے میں نہ پوچھنا۔

یہاں شئے سے صفات ربوبیت مراد ہیں اور یہ وہ علوم ہیں جن کے بارے میں پوچھنا جائز نہیں حتیٰ کہ جاننے والا استحقاق کے وقت خود ہی بیان کر دے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ ہُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ (۳) کیا وہ خود بخود بن گئے ہیں یا وہ خود ہی خالق ہیں۔

یہاں شے سے غیر خالق مراد ہے بعض اوقات یہاں وہم ہوتا ہے کہ کوئی چیز کسی دوسری چیز سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

لفظ قرین کی مثال کے سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَقَالَ قَرِیۡنُہٗ ہٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیۡدٌ اَلۡقِیَا فِیۡ جَہَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ (۴) اور کہے گا اس کا (عمر بھر کا) ساتھی یہ اعمال نامہ جو میرے پاس تھا بالکل تیار ہے جہنم میں ڈال دو ہر سرکش کافر کو

یہاں قرین سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اس کے ساتھ مقرر ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ قَرِیۡنُہٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطۡغَیۡتُہٗ۔ (۵) اس کے ساتھی نے کہا اے ہمارے رب میں نے اس گمراہ نہیں کیا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ نحل آیت ۷۶

(۲) قرآن مجید سورۂ کہف آیت ۷۰

(۳) قرآن مجید سورۂ طور آیت ۳۵

(۴) قرآن مجید، سورۂ ق آیت ۲۳، ۲۴ (۵) قرآن مجید سورۂ ق آیت ۲۷

یہاں قرین سے شیطان مراد ہے۔
لفظ امت آٹھ معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
(۱) جماعت کے معنیٰ میں مستعمل ہے جیسے ارشادِ خداوندی ہے:
وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ - (۱) اس پر ایک جماعت کو پایا جو پلاتے تھے،
امت سے مراد انبیاء کرام کی اتباع کرنے والے ہیں، جیسے تم کہو "نحن من امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم" ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں میں سے ہیں۔
ایک ایسے شخص کو بھی امت کہا جاتا ہے جو نیکیوں کا جامع ہو اور لوگ اس کی اتباع کرتے ہوں۔
جیسے ارشاد خداوندی ہے:
إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ - (۲) بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام پیشوا تھے اللہ تعالے کے لیے جھکنے والے۔
امت کا لفظ دین کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:
إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ (۳) بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا۔
لفظ امت، وقت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
إِلَىٰ أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ (۴) ایک معدود وقت تک۔
اور ارشاد خداوندی ہے:
وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ (۵) اور انہیں ایک عرصہ کے بعد یاد آیا۔
امت، قدوقامت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے کہا جاتا ہے۔ "فُلَانٌ حَسَنُ الْأُمَّةِ" فلاں شخص اچھے قدوقامت والا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ قصص آیت ۲۳
(۲) قرآن مجید سورۂ نحل آیت ۱۲۰
(۳) قرآن مجید سورۂ زخرف آیت ۲۲
(۴) قرآن مجید سورہ ہود آیت ۸
(۵) قرآن مجید سورۂ یوسف آیت ۴۵

لفظ امت ایک ایسے شخص کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو کسی دین پر اکیلا ہو اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

یُبْعَثُ زَیْدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ نُفَیْلٍ اُمَّـةً وَّاحِدَةً (۱) زید بن عمرو بن نفیل کو یکتا اٹھایا جائے گا۔

امت ، اُم (ماں) کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ کہا جاتا ہے " ھٰذِہٖ اُمَّۃُ زَیْدٍ " یہ زید کی ماں ہے۔

لفظ روح بھی قرآن پاک میں کئی معانی میں استعمال ہوا ہے ہم اس بحث کے ذریعے بات کو لمبا نہیں کرتے۔

اسی طرح بعض اوقات حروف میں ابہام ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا۔ (۲)

یہاں پہلی ضمیر غائب (گھوڑوں کے) کھروں سے کنایہ ہے اور لفظ موریات میں انہی کا ذکر ہے یعنی وہ اپنے پاؤں کے کھروں سے گرد و غبار اڑاتے ہیں۔ اور دوسری ضمیر غائب " اغارۃ " صبح کے وقت حملہ کرنے سے کنایہ ہے جن کا ذکر (فالمغیرات صبحا) میں ہے۔ تو انہوں نے ان کی جماعت پر حملہ کیا۔

ارشاد خداوندی ہے :

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ (۳) پس ہم نے اس کے ساتھ پانی اتارا۔

یہاں ضمیر غائب سے بادلوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ (۴) پس ہم نے اس (پانی) کے ساتھ ہر قسم کے پھل نکالے۔

یہاں ضمیر غائب پانی سے کنایہ ہے قرآن پاک میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں ہمارے قرآن کے ضمن میں ایک بات میں تدریج ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (۵) رمضان المبارک کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن پاک اتارا گیا۔

اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ان کو اتارا گیا یا رات کو ؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعے وضاحت فرما دی ؛

---

(۱) تفسیر قرطبی جلد ۹ ص ۔ تحت آیت واذکر بعد امۃ

(۲) قرآن مجید سورۃ والعادیات آیت ۴ ، ۵ (۳) قرآن مجید سورۃ اعراف آیت ۵۷

(۴) قرآن مجید سورۃ اعراف آیت ۵۷ (۵) قرآن مجید سورۃ بقرۃ آیت ۱۸۵

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ۔ (۱)　　بے شک ہم نے اس (قرآن پاک) کو ایک مبارک رات میں اتارا۔

لیکن یہ بات واضح نہ ہوئی کہ وہ کونسی رات ہے۔ تو اس ارشادِ گرامی کے ذریعے اُسے　فرمایا:۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۲)　　بے شک ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں اتارا۔

بعض اوقات ظاہری طور پر ان آیات میں اختلاف سمجھا جاتا ہے تو یہ آیات اور اس قسم کی دوسری آیات میں نقل اور سماع کی ضرورت ہے۔ قرآن پاک اول سے آخر تک اس جنس سے خالی نہیں ہے، کیونکہ وہ عربی لغت میں اتارا گیا لہذا وہ ان کے کلام کی مختلف قسموں پر مشتمل ہے اس میں اختصار بھی ہے طوالت بھی ہے، ضمیریں، حذف، ابدال اور تقدیم و تاخیر بھی ہے تاکہ وہ ان کے لیے قابلِ قدر بھی ہو اور ان کے حق میں معجزہ بھی۔ تو جو شخص ظاہر عربیت پر اکتفا کرے اور سماع و نقل کی طرف توجہ کئے بغیر قرآن پاک کی تفسیر کرے تو وہ ان لوگوں میں شمار ہوتا ہے جو اپنی رائے سے تفسیر کرتے ہیں۔

جیسے امت کا زیادہ مشہور معنی سمجھنے کے بعد اس کی طبیعت اسی کی طرف مائل ہو جاتی اور جب وہ دوسری جگہ ہی لفظ سنے تو مشہور معنی کی طرف مائل ہو اور اس کے معانی کی کثرت کے سلسلے میں روایات کو ترک کر دے تو یہ بات منع ہو سکتی ہے اسرارِ معانی کو سمجھنا منع نہیں جیسے گزر گیا۔ جب اس قسم کی مثالوں میں سماع حاصل ہو جائے تو ظاہری تفسیر یعنی لفظی ترجمہ کو سمجھ جائے گا لیکن حقائقِ معانی کو سمجھنے کے لیے یہ کافی نہیں اور لفظی ترجمہ اور حقائقِ معانی میں فرق معلوم کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (۳)　　اور جب آپ نے کنکریاں پھینکیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہیں۔

اس کا ظاہر ترجمہ واضح ہے لیکن حقیقتِ معنیٰ پوشیدہ ہے کیونکہ کنکریاں مارنا ثابت بھی ہے اور اس کی نفی بھی کی گئی ظاہر میں یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں جب تک یہ بات معلوم نہ ہو کہ آپ نے ایک اعتبار سے کنکریاں ماری ہیں اور دوسرے اعتبار سے نہیں ماریں اور جس اعتبار سے آپ نے کنکریاں نہیں ماریں اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ

---

(۱) قرآن مجید سورۂ دخان آیت نمبر ۳

(۲) قرآن مجید سورۂ قدر آیت ۱

(۳) قرآن مجید سورۂ انفال آیت ۱۷

نے ماری ہیں اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيكُمْ ان سے لڑو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے ان کو عذاب دے گا۔ (۱)

توجب وہ لوگ لڑنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا کیسے ہوا اور ان کے ہاتھوں کی حرکت کے ذریعے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا ہے تو ان کو لڑنے کا حکم دینے کی کیا وجہ ہے تو اس کی حقیقت علوم مکاشفات کے بہت بڑے سمندر سے حاصل کی جاتی ہے ظاہری تفسیر اس بات کا فائدہ نہیں دے سکتی وہ یہ کہ نو پید طاقت کے ساتھ افعال کے تعلق کی وجہ معلوم کی جائے اور یہ بھی معلوم ہو کہ انسانی قدرت کا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ تعلق کس نوعیت کا ہے۔

یہاں تک کہ بہت سے دقیق امور کی وضاحت کے بعد اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "و مارمیت اذ رمیت الایۃ" کی صداقت منکشف ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ اس معنیٰ کے اسرار کے انکشاف نیز اس کے مقدمات کے ربط پر پوری زندگی صرف ہو جائے لیکن اس کے تمام لواحق کو پورا نہ کیا جاسکے۔ اور قرآن پاک کے ہر کلمہ کی تحقیق کے لیے اسی بات کی حاجت ہے، جو لوگ علم میں مضبوط ہیں ان کے لیے بھی اسی قدر اسرار منکشف ہوتے ہیں جس قدر ان کو علم کی گہرائی ہوتی ہے، ان کے دل صاف ہوتے ہیں، غور و فکر کی طرف بلانے والے امور کی کثرت ہوتی ہے اور طلب معنیٰ کے لیے خلوص ہوتا ہے ہر ایک کے لیے ترقی کا ایک درجہ ہے اور وہ اس سے اوپر کے درجہ میں جاسکتا ہے لیکن تمام مدارج کو پورا کرنا ممکن نہیں کیوں کہ سمندر روشنائی بن جائیں اور درخت قلمیں ہو جائیں تو بھی کلمات الٰہیہ کے اسرار کا احاطہ نہیں ہو سکتا اور ان کلمات کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں گے اسی بنیاد پر فہم قرآن میں لوگوں کے مختلف درجات ہیں جب کہ ظاہری تفسیر میں وہ مشترک ہیں اور ظاہری تفسیر اس مقصد کے لیے کافی نہیں۔ اسرار کو سمجھنے کی مثال یوں ہے جو بعض ارباب قلوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سجدہ میں مانگی گئی اس دعا سے سمجھے ہیں۔

أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَأَعُوذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ۔ (۲)

میں تیری ناراضگی سے تیری رضا میں پناہ چاہتا ہوں، تیرے عذاب سے تیرے عفو و درگزر میں پناہ لیتا ہوں تیرے عذاب سے تیری ہی پناہ لیتا ہوں میں تیری تعریف نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔

جب آپ کو حکم ہوا کہ سجدہ کر کے قرب حاصل کریں تو آپ نے سجدے میں قرب خداوندی پایا پھر اللہ تعالیٰ کی صفات کو

---

(۱) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۱۴

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۵۸ مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا۔

دیکھا تو بعض کے ذریعے بعض سے پناہ طلب کی، کیوں کہ رضا اور ناراضگی دونوں وصف ہیں پھر قرب بڑھ گیا اور پہلا قرب اس میں داخل ہو گیا تو آپ نے ذاتِ خداوندی کی طرف ترقی کی اور فرمایا:
"میں تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں"، پھر مزید قرب حاصل ہوا اور اس قرب کے باعث پناہ مانگنے سے حیا کرتے ہوئے ثنا کی طرف متوجہ ہوئے اور "لا احصی ثناء علیك" کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثنا کی، پھر معلوم ہوا کہ یہ کوتاہی ہے تو فرمایا "انت کما اثنیت علی نفسك"، تو یہ راز ہیں جو اربابِ قلوب پر کھلتے ہیں پھر اس کے بعد گہرائیاں ہیں اور وہ قرب کے معنی کو سمجھنا اور معلوم کرنا ہے کہ یہ سجدے کے ساتھ کیوں خاص ہے ایک صفت کے ذریعے دوسری صفت سے پناہ مانگنا اور "اسی سے اسی کی طرف" کو سمجھنا ہے اس کے بھید بہت زیادہ ہیں لفظی ترجمہ ان باتوں پر دلالت نہیں کرتا اور یہ تفسیر لفظی ترجمہ کے خلاف بھی نہیں بلکہ اسی کو مکمل کرتی ہے اور ظاہر سے مغز تک پہنچاتی ہے۔
باطنی معانی کو سمجھنے سے ہماری مراد بھی یہی ہے ظاہری ترجمہ کی مخالفت مراد نہیں آدابِ تلاوت کا بیان مکمل ہوا۔ تمام جہانوں کے رب کے لیے ہر قسم کی حمد ہے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ہر منتخب بندے پر رحمت ہو، آپ کے آل و اصحاب پر بھی رحمت و سلام ہو۔ اس کے بعد ان شاء اللہ اذکار اور دعاؤں کا بیان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے اور اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

اذکار اور دعاؤں کا بیان

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کی مہربانی سب کو شامل ہے اور اس کی رحمت عام ہے وہ ذات جو بندوں کے ذکر کا بدلہ اپنی یاد کے ساتھ دیتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (۱) تم مجھے یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔

اس نے بندوں کو سوال اور دعا کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (۲) تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا۔

تو اس نے فرمانبردار اور گناہ گار، قریب ہونے والے اور دوری اختیار کرنے والے سب کو اپنی بارگاہ کی حاضری کا طمع یوں دیا ہے کہ وہ ان کی حاجات اور امیدوں کو اوپر اٹھائے گا۔ ارشاد فرمایا۔

فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔ (۱) پس بے شک میں قریب ہوں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔

انبیاء کرام کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل و اصحاب پر رحمت ہو جو منتخب لوگوں میں سے بھی بہترین ہیں اور بہت بہت سلام ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد! تلاوت قرآن پاک کے بعد زبان سے ادا ہونے والی عبادات میں سے کوئی عبادت ذکر خداوندی سے افضل نہیں ہے نیز یہ کہ خالص دعاؤں کے ذریعے حاجات کو بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے۔

پس فضیلت ذکر کی اجمالی تشریح اور پھر مختلف اذکار کی تفصیل بیان کرنا ضروری ہے اسی طرح فضیلت دعا، دعا کی شرائط اور آداب، دینی و دنیوی مقاصد کے لیے جامع ماثور دعاؤں کو نقل کرنا نیز مغفرت و استعاذہ وغیرہ کے ساتھ مخصوص دعاؤں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

تو پانچ بابوں میں مقصود کو تحریر کیا جائے گا۔

پہلا باب:۔ ذکر کی فضیلت اور فوائد کا اجمالی و تفصیلی تذکرہ

دوسرا باب:۔ دعا کی فضیلت و آداب نیز استغفار اور درود شریف کی فضیلت کا بیان

تیسرا باب: منقول دعائیں اور جن حضرات کی طرف یہ منسوب ہیں نیز ان کے اسباب کا بیان

چوتھا باب: منتخب منقول و ماثور دعائیں جن کی اسناد حذف کر دی گئیں۔

پانچواں باب: حادثات کے وقت مانگی جانے والی ماثور دعائیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ بقرہ آیت ۱۵۲ (۲) قرآن مجید سورۃ غافر آیت ۶۰ (۳) قرآن مجید سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۸۶

پہلا باب

ذکر کی اجمالی اور تفصیلی فضیلت اور فائدہ

(آیات، احادیث اور آثارِ صحابہ و تابعین سے)

ذکر کی اجمالی فضیلت پر درج ذیل آیات دلالت کرتی ہیں۔

آیاتِ کریمہ:۔

۱۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (۱) — تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ میرا رب عزوجل مجھے کب یاد کرتا ہے اس پر تمام لوگ ان کی طرف بڑھے اور پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوتا ہے؟ فرمایا جب میں اس کو یاد کرتا ہوں وہ مجھے یاد کرتا ہے۔

۲۔ اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۔ (۲) — اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرو۔

۳۔ فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ (۳) — جب تم عرفات سے واپس لوٹو تو مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اسے یاد کرو کہ اس نے نہیں ہدایت دی۔

۴۔ فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۔ (۴) — جب مناسکِ حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ۔

۵۔ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ ۔ (۵) — وہ لوگ جو کھڑے ہونے اور بیٹھنے کی حالت میں نیز اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۵۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ احزاب آیت ۴۱

(۳) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۹۸

(۴) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۰۰

(۵) قرآن مجید سورہ آل عمران آیت ۱۹۱

۶۔ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ۔ (۱)

جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے ہونے اور بیٹھنے کی حالت میں نیز اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "یعنی رات، دن، خشکی میں اور سمندر میں، سفر و حضر میں، مالداری اور فقر کی حالت میں، مرض و صحت اور پوشیدہ و ظاہر (ہر حالت میں اس کا ذکر کرو)

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت میں فرمایا،

۷۔ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا (۲)

اور وہ اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

۸۔ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً وَّدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ۔ (۳)

اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے آواز بلند کیے بغیر صبح و شام یاد کرو اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

۹۔ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (۴)

اور البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے دو مفہوم ہیں۔

ایک یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہو اس سے زیادہ عظمت اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یاد فرمائے۔

دوسرا مفہوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام عبادتوں میں سے اس کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ ——— ان آیات کے علاوہ بھی آیا ذکر کی فضیلت کو واضح کرتی ہیں۔

احادیث مبارکہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذَاکِرُ اللّٰہِ فِی الْغَافِلِیْنَ کَالشَّجَرَۃِ الْخَضْرَاءِ فِیْ وَسْطِ الْھَشِیْمِ (۵)

غافل لوگوں میں ذکر کرنے والے کی مثال اس طرح ہے جیسے سوکھے درختوں میں سرسبز درخت ہو۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۱۰۳

(۲) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۱۴۲

(۳) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۲۰۵

(۴) قرآن مجید سورۂ عنکبوت آیت ۴۵

(۵) حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۱۸۱ ترجمہ ۳۵۸

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذَاكِرُ اللهِ فِي الْغَافِلِينَ كَالْمُقَاتِلِ بَيْنَ الْفَارِّينَ (۱)

غافلوں میں ذکر کرنے والے کی مثال اس طرح ہے جس طرح (میدان جنگ سے) بھاگنے والوں میں مجاہد کی مثال ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا مَعَ عَبْدِيْ مَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ شَفَتَاهُ بِيْ (۲)

میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا رہے۔ اور میرے ذکر میں اس کے ہونٹ حرکت میں ہوں۔

مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ اَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے مقابلے میں انسان کا کوئی عمل اسے زیادہ نجات دینے والا نہیں۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد بھی؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد بھی، مگر یہ کہ تم اپنی تلوار سے مارو حتی کہ وہ ٹوٹ جائے پھر مارو حتی کہ تلوار ٹوٹ جائے پھر مارو حتی کہ ٹوٹ جائے پھر مارو حتی کہ ٹوٹ جائے (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ فَلْيُكْثِرْ ذِكْرَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ (۵)

جو شخص جنت کے باغوں میں بلندی چاہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ ذکر بکثرت کرنا چاہیئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا:

تمہیں یوں موت آئے کہ تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر ہو۔ (۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَصْبِحْ وَاَمْسِ وَلِسَانُكَ رَطْبٌ بِذِكْرِ اللهِ

صبح و شام یوں کرو کہ تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۱۸۱ ترجمہ ۵۸۱۳

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۴۰ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ (۳)

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۵۵۴ کتاب الزھد

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۰ ص ۳۰۲ کتاب الدعا

(۶) شعب الایمان جلد اول ص ۳۹۲ حدیث ۵۱۶

تُصْبِحُ وَتُمْسِيْ وَلَيْسَ عَلَيْكَ خَطِيْئَةٌ ۔ (۱)

سے تر ہو، صبح و شام اس طرح کرو کہ تم پر کوئی گناہ نہ ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَذِكْرُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اَفْضَلُ مِنْ حَطْمِ السُّيُوْفِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمِنْ اِعْطَاءِ الْمَالِ سَحًّا ۔ (۲)

صبح و شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کے راستے میں تلوار توڑنے اور پانی بہانے کی طرح مال خرچ کرنے سے بہتر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِذَا ذَكَرَنِيْ عَبْدِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِهٖ وَاِذَا ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْ مَلَائِهٖ وَ اِذَا تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَاِذَا تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَاِذَا مَشٰى اِلَيَّ هَرْوَلْتُ اِلَيْهِ ۔ (۳)

جب میرا بندہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے طور پر یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے کسی مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اس مجلس سے بہتر مجلس میں اس کو یاد کرتا ہوں اور جب وہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ (شرعی گز) اس کے قریب ہوتا ہوں اور جب وہ ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں دونوں بازوؤں کے پھیلنے کی مقدار اس کے قریب آتا ہوں اور جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میری رحمت اس کی طرف دوڑ کر جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات قسم کے آدمی وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنی رحمت کا سایہ عطا فرمائے گا جب اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا اور ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور خوفِ خدا کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں (۱)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۲۴۲ حدیث ۳۹۲۹
(۲) کنز العمال جلد اول ص ۲۸۴ حدیث ۱۸۵۰
(۳) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۳۹۴، ۳۹۳ کتاب الذکر
(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۹۱ کتاب الزکوٰۃ

أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَرْفَعِهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٌ لَكُمْ مِنْ إِعْطَاءِ الْوَرِقِ وَالذَّهَبِ وَخَيْرٌ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُونَ أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُونَ أَعْنَاقَكُمْ قَالُوا وَمَا ذَاكَ يَارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: ذِكْرُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ دَائِمًا" (۱)

کیا میں تمہیں تمہارے ایسے اعمال کی خبر نہ دوں جو تمہارے مالک کے ہاں بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہیں تمہارے درجات کو بلند کرتے ہیں، چاندی اور سونا خرچ کرنے کی نسبت زیادہ بہتر ہیں اور اس بات سے بھی بہتر ہیں کہ تم دشمن سے مقابلہ کرو تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! بتایئے وہ کیا ہیں آپ نے فرمایا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِينَ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس شخص کو میرا ذکر مجھ سے مانگنے سے روکے میں اسے مانگنے والوں سے افضل عطا کرتا ہوں۔

آثار صحابہ و تابعین:

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندے! صبح کے بعد ایک ساعت میرا ذکر کر اور عصر کے بعد ایک ساعت مجھے یاد کر میں تجھے ان دونوں کے درمیان وقت میں کفایت کروں گا۔

بعض علماء کرام نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں جس بندے کے دل پر مطلع ہو کر دیکھوں کہ اس پر میرا ذکر غالب رہتا ہے میں اس کے انتظامات کا ذمہ دار ہو جاتا ہوں اس کا ہم نشین، اس سے گفتگو کرنے والا اور اس کا ساتھی ہو جاتا ہوں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ذکر دو قسم کے ہیں۔
ایک یہ کہ دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے اس کا علم صرف اسے اور اللہ تعالیٰ کو ہو یہ کتنا اچھا ہے اور اس کا ثواب کتنا زیادہ ہے۔ اور اس سے افضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں کے وقت خدا یاد آجائے۔
ایک روایت میں ہے کہ دنیا سے ہر شخص پیاسا جائے گا سوائے اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۹۵ مرویات ابی درداء رضی اللہ عنہ

(۲) التمہید جلد ۶ ص ۴۶

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنتی لوگ کسی چیز پر حسرت نہیں کریں گے سوائے اس ساعت کے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر گزار دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مجالسِ ذکر کی فضیلت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا حَفَّتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيمَنْ عِنْدَهُ (۱)

جب کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے بیٹھتے ہیں تو فرشتے ان کو ڈھانپ لیتے ہیں اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں ان کا ذکر کرتا ہے۔

اور آپ نے فرمایا:

مَا مِنْ قَوْمٍ اجْتَمَعُوا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يُرِيدُونَ بِذٰلِكَ إِلَّا وَجْهَهُ إِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ قُومُوا مَغْفُورًا لَكُمْ قَدْ بُدِّلَتْ لَكُمْ سَيِّئَاتُكُمْ حَسَنَاتٍ (۲)

جب کچھ لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے تو آسمان سے ایک پکارنے والا آواز دیتا ہے اس طرح اٹھو کہ تمہیں بخش دیا گیا اور میں نے تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى فِيهِ وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (۳)

جب کچھ لوگ کسی جگہ بیٹھتے ہیں اور اس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہیں پڑھتے تو قیامت کے دن یہ مجلس ان کے لیے باعث حسرت ہوگی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ جب تو مجھے دیکھے کہ میں ذکر کرنے والوں کی مجلس چھوڑ کر غافلوں کی مجلس میں جاتا ہوں تو میرے پاؤں کاٹ دے کیوں یہ بھی تیرا ایک انعام ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۷۷ باب فضل الذکر

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۴۲ مرویات انس رضی اللہ عنہ

(۳) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۸۰ کتاب الاذکار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمَجْلِسُ الصَّالِحُ یُکَفِّرُ عَنِ الْمُؤْمِنِ اَلْفَیْ اَلْفِ مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ السُّوْءِ۔ (۱) اچھی مجلس مومن کی بیس لاکھ بری مجالس کا کفارہ بنتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان والے زمین والوں کے ان گھروں کو جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح ستاروں کو دیکھا جاتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے جمع ہوتے ہیں تو شیطان اور دنیا دونوں الگ ہو جاتے ہیں شیطان، دنیا سے کہتا ہے تو دیکھتی نہیں یہ کیا کر رہے ہیں؟ تو دنیا کہتی ہے ان کو چھوڑ دے جب یہ بکھر جائیں گے تو میں ان کی گردن پکڑ کر تیرے حوالے کر دوں گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ بازار میں تشریف لے گئے تو فرمایا میں تمہیں یہاں دیکھتا ہوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت مسجد میں تقسیم ہو رہی ہے چنانچہ لوگ بازار چھوڑ کر مسجد میں گئے تو وہاں وراثت نہ دیکھی سب کہنے لگے اے ابوہریرہ! ہم نے مسجد میں میراث تقسیم ہوتی نہیں دیکھی۔ انہوں نے فرمایا تم نے وہاں کیا دیکھا؟ کہنے لگے ہم نے دیکھا کہ وہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا یہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔ (۲)

حضرت اعمش، حضرت ابو صالح سے وہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے جو نامۂ اعمال لکھنے والوں کے علاوہ ہیں زمین میں چلتے ہیں جب وہ کسی جماعت کو ذکر خداوندی میں مشغول پاتے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو آواز دیتے ہیں۔ آؤ اپنے مطلوب کی طرف، جب وہ آتے ہیں تو یہ سب ان کو آسمان تک ڈھانپ لیتے ہیں اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے تم نے میرے بندوں کو کیا کام کرتے چھوڑا ہے؟ وہ کہتے ہیں ہم نے یوں چھوڑا کہ وہ تیری تعریف کر رہے تھے تیری بزرگی اور پاکیزگی بیان کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ کہتے ہیں نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیا کیفیت ہو؟ وہ کہتے ہیں اگر وہ دیکھ لیں تو اس سے زیادہ تسبیح، تحمید اور تمجید بیان کریں، اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ وہ کس بات سے پناہ مانگتے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں جہنم سے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ دیکھ لیں

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۷۸ کتاب الاذکار

(۲)

تو کیسا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں اگر وہ اسے دیکھ لیں تو اس سے بہت زیادہ بھاگیں اور بہت نفرت کریں اللہ تعالیٰ پوچھتا کہ وہ کیا مانگتے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں وہ جنت کا سوال کر رہے تھے؟ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ اسے دیکھ لیں تو کیا صورت ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں اگر وہ اسے دیکھیں تو اس کی زیادہ حرص کریں اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا وہ عرض کرتے ہیں یا اللہ ان میں وہ شخص بھی تھا جو اپنے کام سے آیا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ ایسی قوم ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں ہوتا ہے (۱)

لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کی فضیلت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَفْضَلُ مَا قُلْتُ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ،

جو کچھ میں اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام نے کہا اس میں سب سے زیادہ فضیلت اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص روزانہ سو بار یہ کلمات پڑھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور وہی لائق حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تو اسے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا اس کے نامۂ اعمال میں سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اس سے سو گناہ مٹائے جاتے ہیں اور اس دن شام تک یہ کلمات اس کے لیے شیطان سے بچاؤ ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس سے بہتر کلمہ کسی نے نہیں کہا البتہ یہ کہ کوئی اس سے زیادہ عمل کرے۔ (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اچھی طرح وضو کرنے کے بعد آسمان کی طرف نگاہ کرتے ہوئے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۵۱ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۵ ص ۱۱۷ کتاب الحج

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۵ کتاب بدء الخلق

دل پڑھے :-

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

تو اس شخص کے لیے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے جس دروازے سے اس کا دل چاہے داخل ہو (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا الہ الا اللہ" پڑھنے والوں کو قبر اور میدان حشر میں وحشت نہیں ہوگی گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ صور پھونکنے کے وقت اپنے سروں سے مٹی جھاڑ رہے اور کہتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ۔ (۲)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو ہم سے غم کو لے گیا بے شک ہمارا رب بخشنے والا قدر دان ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اے ابو ہریرہ! قیامت کے دن ہر نیکی کا وزن کیا جائے گا لیکن "لا الہ الا اللہ کی شہادت کا وزن نہیں کیا جائے گا۔ اگر سچے دل سے یہ کلمہ پڑھنے والے کی یہ نیکی ایک پلڑے میں رکھی جائے اور دوسرے پلڑے میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے سب کچھ رکھا جائے تو "لا الہ الا اللہ" کا وزن زیادہ ہوگا۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سچے دل سے "لا الہ الا اللہ" پڑھنے والا زمین بھری ہوتی گناہوں کی لے کر آئے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا (۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اے ابو ہریرہ! فوت ہونے والوں کو لا الہ الا اللہ کی شہادت کی تلقین کیا کرو کیوں کہ یہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے (یعنی قریب الموت شخص کے سامنے کلمہ شہادت پڑھوانے کو تلقین کہتے ہیں ۱۲ ہزاروی)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۳ کتاب الطہارۃ۔

(۲) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۸۲ کتاب الاذکار

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۱۵ کتاب الذکر

(۴) الترغیب والترہیب جلد ۲ ۴۱۷ کتاب الذکر

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو فوت ہونے والوں کے لیے ہے، زندہ لوگوں کے لیے کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا زیادہ مٹانے والا زیادہ مٹانے والا (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جس نے سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ (پورا کلمہ مراد ہے) پڑھا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم سب ضرور جنت میں جاؤ گے البتہ جس نے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ سے یوں بھاگا جس طرح اونٹ اپنے گھر والوں سے بھاگتا ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون انکار کرتا اور اللہ تعالیٰ سے بھاگتا ہے؟ آپ نے فرمایا جو "لا الٰہ الا اللہ" نہیں پڑھتا تم کثرت سے یہ کلمہ پڑھا کرو اس سے پہلے کہ تمہارے اور اس کے درمیان رکاوٹ ہو جائے (یعنی موت آجائے) یہ کلمۂ توحید ہے، یہ کلمۂ اخلاص ہے، یہ کلمۂ تقویٰ ہے، یہ کلمۂ طیبہ ہے یہ دعوتِ حق ہے یہ مضبوطی ہے اور یہ جنت کی قیمت ہے (۳)

ارشاد خداوندی ہے:

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (۴) نیکی کا بدلہ تو نیکی ہی ہے۔

کہا گیا ہے کہ دنیا میں نیکی "لا الٰہ الا اللہ" اور آخرت میں جنت ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ۔ نیکی کرنے والوں کے لیے اچھا بدلہ اور کچھ زیادہ بھی ہے۔ (۵)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جس نے دس مرتبہ یہ کلمات پڑھے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۱ ص ۵۶۸ حدیث ۲۲۰۲ ۴

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۵ ص ۱۹۷ حدیث ۵۰۷۴

(۳) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۵ / ۵۶ کتاب الایمان / الکامل لابن عدی جلد ۴ ص ۱۴۲۴ (ترجمہ خمام بن اسماعیل)

(۴) قرآن مجید سورۂ رحمٰن آیت ۶۰

(۵) قرآن مجید سورۂ یونس آیت ۲۶

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ (ترجمہ گزر چکا ہے)
قَدِیْرٌ۔

تو اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا (۱) (آپ نے لفظ رقبہ یا نسمۃ فرمایا مفہوم وہی ہے)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو آدمی ایک دن میں دو سو مرتبہ یہ کلمات پڑھے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

تو پہلے گزرنے والا کوئی شخص اس سے سبقت کرنے والا نہیں اور نہ بعد والا کوئی شخص اس کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے سوائے اس کے کہ وہ اس سے افضل عمل کرے (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص کسی بازار میں یہ کلمات پڑھے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہزاروں نیکیاں لکھ دیتا ہے اس سے ہزاروں برائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کے لیے جنت میں مکان بناتا ہے (۳)

ایک روایت میں ہے کہ بندہ جب "لا الٰہ الا اللہ" پڑھتا ہے تو وہ اس کے نامۂ اعمال کی طرف آتا ہے پھر وہ جس خطا سے گزرتا ہے اسے مٹا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک نیکی پاتا ہے تو اس کے پہلو میں بیٹھ جاتا ہے۔

صحیح حدیث میں بواسطہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جس آدمی نے دس مرتبہ یہ کلمہ پڑھا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار غلام آزاد کئے۔ (۴)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۸۴ مرویات براء ابن عازب
(۲) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۴۹ باب ماجاء فی فضل لا الٰہ الا اللہ
(۳) کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۵ باب مایقول اذا دخل فی السوق
(۴) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۱۸ الترغیب فی قول لا الٰہ الا اللہ۔

اسی طرح ایک صحیح حدیث میں ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو شخص رات بھر جاگ کر یہ کلمات پڑھے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔
سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

پھر اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ (یا اللہ مجھے بخش دے) کہے تو اسے بخش دیا جاتا ہے یا دعا مانگے تو قبول کی جاتی ہے پھر اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول ہوتی ہے۔ (۱)

سبحان اللہ الحمد للہ اور دیگر اذکار کی فضیلت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی ہر نماز کے بعد تینتیس ۳۳ تینتیس ۳۳ بار "سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھے پھر آخر میں "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھے۔

تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک دن میں سو مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ" پڑھے تو اس کی خطائیں معاف کی جاتی ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (۳)

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ دنیا نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے اور میرا مال کم ہو گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو فرشتوں کی نماز اور مخلوق کی تسبیح کیوں نہیں پڑھتا جس کے سبب انہیں رزق ملتا ہے وہ شخص کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

طلوع فجر اور نماز فجر کے درمیان ایک سو مرتبہ یوں پڑھو۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ اللہ عظمت والے کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں۔

دنیا تیری سامنے ذلیل و رسوا ہو کر آئے گی اور اللہ تعالیٰ ہر کلمہ سے ایک فرشتہ پیدا کرے گا جو قیامت تک اللہ تعالیٰ

(۱) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۴۳۱ من الترغیب فی کلمات یقولہن الی من اللیل
(۲) مسلم شریف جلد اول ص ۲۱۹ کتاب المساجد
(۳) مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۰ کتاب الدعوات

تسبیح بیان کرے گا اور اس کا ثواب تمہیں ملے گا (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ "الحمد للہ" کہتا ہے تو زمین و آسمان کے درمیان کو بھر دیتا ہے جب دوسری "الحمد للہ" کہتا ہے تو ساتویں آسمان سے لے کر سب سے نچلی زمین تک کو بھر دیتا ہے جب تیسری مرتبہ "الحمد للہ" کہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مانگ تجھے دیا جائے گا۔ (۲)

حضرت رفاعہ زرقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہا تو پیچھے سے ایک آدمی نے کہا "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا"

(اے ہمارے رب! تیرے لیے تعریف ہے بہت تعریف جو پاکیزہ اور مبارک ہے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد پوچھا ابھی کس نے کلام کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا وہ ایک دوسرے سے جلدی کر رہے تھے کہ کون اسے پہلے لکھے۔ (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ — باقی رہنے والی نیکیاں ہیں (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین پر جو شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ پڑھتا ہے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کو روایت کیا۔ (۵)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے جلال، تسبیح، تکبیر اور تحمید کا ذکر کرتے ہیں تو یہ کلمات عرش کے گرد پھرتے ہیں ان کے لیے شہد کی مکھی جیسی بھنبھناہٹ ہوتی ہے اور وہ پڑھنے والے کا ذکر کرتے ہیں تو کیا تم میں سے کوئی نہیں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمیشہ اس کا ذکر ہوتا رہے۔ (۶)

---

(۱) (۲)

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۱۰ باب فضل اللھم ربنا ولک الحمد

(۴)

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۸ مرویات عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۸ مرویات نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ" پڑھنا مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ پسند ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے ایک دوسری روایت میں "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ" کا اضافہ ہے آپ نے فرمایا یہ، دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے بہتر ہے (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چار کلمات اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہیں ______
(۱) سُبْحَانَ اللّٰہِ (۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (۳) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (۴) اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ تو ان میں سے جس سے شروع کرے کوئی حرج نہیں اس حدیث کو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ (۲)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے پاکیزگی نصف ایمان ہے، "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" ترازو کو بھر دے گا،
سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ، دونوں آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں نماز نور ہے، صدقہ دلیل ہے، صبر روشنی ہے، قرآن پاک تیرے حق میں یا تیرے خلاف دلیل ہے ہر شخص صبح کرتے وقت اپنے نفس کو بیچ کر اسے ہلاک کرتا ہے یا اسے خرید کر آزاد کرتا ہے۔ (۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کلمے زبان پر آسان، میزان میں بھاری اور رحمٰن کو پسند ہیں۔
"سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ" (۴)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اللہ تعالیٰ کو کونسا کلام پسند ہے۔؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو کلام اپنے فرشتوں کے لیے منتخب فرمایا یعنی
"سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ" (۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کلام سے۔

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۰ کتاب الدعوات / الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۴۴ باب ما ورد فی فضل لاحول ولا قوۃ۔
(۲) کنز العمال جلد اول ص ۴۰۰ حدیث ۱۹۹۳
(۳) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۱۵۶، ۱۵۷ / الطہور شطر الایمان
(۴) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۲۰ الترغیب فی التسبیح والذکر
(۵) مسلم شریف جلد ۲ ص ۳۵۱ باب فضل سبحان اللہ وبحمدہ

"سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ"، کو چن لیا جب بندہ "سُبحان اللہ" کہتا ہے تو اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس سے بیس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور جب "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کہتا ہے تو اسی قسم کا اجر ملتا ہے کلمات کے آخر تک کا ذکر فرمایا (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو آدمی "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ" پڑھے اس کے لیے جنّت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے (۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں فقراء نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مالدار لوگ ثواب لے گئے وہ ہماری طرح نمازیں پڑھتے ہیں، ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد مال صدقہ کر دیتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسا عمل نہیں بنایا جس کے ذریعے تم صدقہ کا ثواب حاصل کرو؟ "سُبحان اللہ" کہنا صدقہ ہے الحمدللہ پڑھنا اور لا الٰہ الا اللہ پڑھنا صدقہ ہے اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے حتیٰ کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالے تو یہ بھی صدقہ ہے اور تم میں سے ایک کی شرمگاہ میں صدقہ ہے (یعنی حقوقِ زوجیت ادا کرنا بھی صدقہ ہے) ـــ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں کوئی ایک اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو کیا اس کا بھی ثواب ملے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتاؤ اگر وہ یہ کام حرام طریقے پر کرتا تو اسے گناہ ہوتا یا نہ؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں گناہ ہوتا آپ نے فرمایا اسی طرح جب وہ حلال طریقے پر یہ عمل کرے تو اسے ثواب ملتا ہے۔ (۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا مال والے لوگ اجر لے گئے۔ وہ ہماری طرح (حمد و ثنا کے) کلمات کہتے ہیں اور مال بھی خرچ کرتے ہیں جبکہ ہم خرچ نہیں کر سکتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں کہ جب تم اسے کرو تو پہلے لوگوں کا ثواب حاصل کر لو اور آنے والوں پر فوقیت لے جاؤ۔ البتہ وہ شخص جو تمہاری طرح یہ کلمات کہے (تو وہ آگے رہے گا) وہ کلمات یہ ہیں ہر نماز کے بعد تینتیس بار "سبحان اللہ"، پڑھو، تینتیس بار "الحمدللہ" کہو اور چونتیس بار "اللہ اکبر" کہو۔ (۴)

حضرت یسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں آپ نے فرمایا تم پر اللہ تعالیٰ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۱۰ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۲) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۲۲ من قال سبحان اللہ وبحمدہ الخ

(۳)

(۴)

کی تسبیح، تہلیل اور تقدیس لازم ہے اس میں غفلت نہ برتنا اور انگلیوں پر شمار کرنا کیونکہ یہ انگلیاں بولیں گی (۱)
یعنی قیامت کے دن گواہی دیں گی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انگلیوں پر تسبیح کو شمار کرتے دیکھا۔ (۲)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے شہادت دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب بندہ "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے سچ کہا، میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میں سب سے بڑا ہوں اور جب بندہ "لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے سچ کہا میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ایک ہوں میرا کوئی شریک نہیں اور جب بندہ "لا الہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے سچ کہا میرے بغیر کوئی طاقت اور قوت نہیں۔ اور جو شخص مرتے وقت یہ کلمات کہے اسے آگ نہیں پہنچے گی۔ (۳)

حضرت مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہما سے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی ایک یومیہ ایک ہزار نیکیاں کمانے سے عاجز ہے؟ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا اگر سو بار "سبحان اللہ" پڑھے تو اس کے لیے ایک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس سے ایک ہزار گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔ (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن قیس (یا فرمایا) اے ابوموسیٰ (رضی اللہ عنہما) کیا میں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے پر تمہاری راہنمائی نہ کروں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ!
آپ نے فرمایا "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"۔ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسا کلمہ نہ سکھاؤں جو عرش کے نیچے والے خزانے میں سے ہے اور وہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" ہے۔ (۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں عرش کے نیچے جنت کے خزانوں میں سے ایک عمل پر تمہاری راہنمائی نہ کروں؟ وہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ اسلام لایا اور فرمانبردار ہوا۔ (۶)

---

(۱) کنز العمال جلد اول ص ۴۶۲ حدیث ۲۰۰۶
(۲) الاذکار ص ۱۹ باب مختصر فی احرف مما جاء بہ فی فضل الذکر الخ
(۳) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵ کتاب الایمان
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۸۰ مرویات مصعب بن سعد عن ابیہ
(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۴۴ کتاب الدعوات / المستدرک للحاکم جلد اول ص ۲۱ کتاب الایمان
(۶) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۲۱ کتاب الایمان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت یوں پڑھے۔

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا وَّرَسُوْلًا۔

میں، اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے، قرآن پاک کے پیشوا ہونے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور رسول ہونے پر راضی ہوا۔

تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ وہ قیامت کے دن اسے راضی کرے (۱)

ایک روایت میں ہے کہ جو آدمی یہ کلمات پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا۔(۲)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب بندہ گھر سے نکلتے وقت کہے "بسم اللہ" تو فرشتہ کہتا ہے تو نے ہدایت پائی جب کہتا ہے "توکلت علی اللہ" فرشتہ کہتا تو کفایت کیا گیا اور جب "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے تو بچایا گیا اور تجھ سے شیطان ہٹ گئے وہ (شیطان) کہتے ہیں تم اس آدمی سے کیا چاہتے ہو جسے ہدایت دی گئی، وہ کفایت کیا گیا اور بچایا گیا تم اس تک نہیں پہنچ سکتے۔

سوال:

جب اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان پر آسان ہے اور اس میں مشقت بھی کم ہے تو وہ باقی عبادات سے کیسے افضل ہوگیا حالانکہ ان میں مشقت بھی زیادہ ہے۔

جواب:

جان لو! اس کی تحقیق علم مکاشفہ کے بغیر نہیں ہوسکتی؛ تاہم علم معاملہ میں جس قدر کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ مؤثر اور نفع بخش وہ ذکر ہوتا ہے جو دائمی ہو اور دل کی حاضری کے ساتھ ہو۔

جب زبان سے ذکر ہو اور دل غافل ہو تو نفع کم ہوتا ہے حدیث شریف میں اس پر دلالت پائی جاتی ہے۔(۳) اسی طرح دل کا کسی لحظہ میں حاضر ہونا اور پھر دنیوی خیالات میں مشغول ہونا بھی کم نفع دیتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل حاضری ہمیشہ یا اکثر اوقات میں ہو تو یہ تمام عبادات سے مقدم بلکہ اشرف العبادات ہے اور یہ عمل عبادات کا انتہائی نتیجہ ہے۔ ذکر کا آغاز بھی ہوتا ہے اور انتہا بھی، اس کا اول اُنس اور محبت پیدا کرنا ہے اور اس کا آخر وہ ہے جو انس اور محبت کا نتیجہ ہے اور اس سے پیدا ہوتا ہے اور یہی اُنس و محبت مطلوب ہے۔ راہ حق کا ارادہ کرنے والا شروع

---

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۱۵۸ حدیث ۳۵۶۷

(۲) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۱۰ کتاب الدعا

(۳) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۹۳ کتاب الدعا

شروع میں اپنے دل اور زبان کو وسوسوں سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف پھیرتے ہیں تکلف کرتا ہے لیکن جب اسے ہمیشہ ذکر کرنے کی توفیق دی جائے تو وہ اس کے ساتھ مانوس ہوتا ہے اور اس کے دل میں اس محبتِ مذکور کا پودا لگ جاتا ہے اور اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیئے کیوں کہ عام طور پر مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ جب کسی آدمی کے سامنے ایک ایک غائب آدمی کا ذکر کیا جائے جو سامنے نہیں ہے اور اس کے اوصاف کا بار بار تذکرہ کیا جائے تو وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے بلکہ اس کے اوصاف کے بیان اور کثرتِ ذکر کی وجہ سے اس کا عاشق ہو جاتا ہے پھر جب اس ذکر کی کثرت کے باعث جو ابتداء میں تکلف کے ساتھ تھا، اس کا عاشق ہو جاتا ہے تو اب اس کا بکثرت ذکر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس سے صبر نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے اور جو آدمی کسی چیز کا ذکر کثرت سے کرے چاہے تکلفاً ہی ہو وہ اس سے محبت کرتا ہے تو ابتداء میں ذکر کرنے میں تکلف ہوتا ہے یہاں تک کہ جس کا ذکر کرتا ہے اس سے محبت ہو جاتی ہے پھر اس سے صبر نہیں ہو سکتا تو جو بات شروع میں واجب کرنے والی تھی اب خود واجب ہو جاتی ہے اور جو پھل تھا اس پھل دینے کا باعث ہے بعض اکابر کے اس قول کا یہی مطلب ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے بیس سال تک قرآن پاک پر محنت کی۔ پھر بیس سال تک اس سے نفع اٹھایا تو یہ فائدہ، انس اور محبت کے بغیر نہیں ہوتا اور انس اسی وقت ہوتا ہے جب تکالیف اٹھانے پر دوام ہو اور ایک طویل مدت تک تکلیف برداشت کرے حتیٰ کہ یہ تکلف اس کی فطرت بن جائے اور یہ بات کس طرح خلافِ عقل ہو سکتی ہے جبکہ انسان ایک کھانا مشکل سے کھاتا ہے اور اس کی بدمزگی کی برداشت کرتا ہے تو اب جب وہ مسلسل کھاتا ہے تو یہ اس کی طبیعت کے موافق ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تو نفس اس کو برداشت کر لیتا ہے کیوں کہ اسے جس بات کی عادت ڈالی جائے وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

یعنی ابتداء میں جس بات پر تم تکلیف اٹھاؤ گے آخر میں وہی عمل تمہاری طبیعت بن جائے گی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مانوس ہو جائے گا تو غیر خدا کا ذکر ختم ہو جائے گا۔ اور غیر خدا سے مراد وہ چیز ہے جو موت کے وقت جدا ہو جاتی ہے اور قبر میں اس کے ساتھ نہیں ہوتی مثلاً اس کے گھر والے، مال، اولاد، حکومت وغیرہ، وہاں تو صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر باقی رہتا ہے اب اگر اس نے (دنیا میں) اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ انس حاصل کیا تھا تو اس سے نفع اٹھائے گا اور اس سے پھیرنے والے امور کے منقطع ہونے سے لذت حاصل کرے گا۔ کیوں کہ دنیوی زندگی میں حاجات کی ضرورتیں اللہ تعالیٰ سے ذکر سے روکتی ہیں لیکن موت کے بعد کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی کیوں کہ اب اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان تخلیہ ہوگا۔ اب اس کی خوشحالی بڑھ گئی اور وہ اس قید خانے سے چھوٹ گیا جس میں اسے اپنے مانوس و محبوب سے رکاوٹ تھی۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ أَحْبِبْ مَا أَحْبَبْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهٗ۔ (۱)

بے شک روح القدس (جبریل علیہ السلام) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ آپ جس سے محبت کرنا چاہتے ہیں کرلیں بالآخر اسے چھوڑنا ہوگا۔

اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو دنیا سے متعلق ہے کیوں کہ موت کے ساتھ ہی یہ چیز اس کے حق میں فنا ہو جاتی ہے کیونکہ ہر چیز کے لیے فنا ہے صرف تیرے رب کی عزت وجلال والی ذات باقی رہے گی، اور اس شخص کی موت کے باعث دنیا اس کے حق میں فنا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس دنیا کا وقت پورا ہونے پر وہ ذاتی طور پر بھی فنا ہو جائے گی تو بندے کو اپنی موت کے بعد اس محبت کی لذت حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پڑوس میں چلا جاتا ہے اور ذکر سے ترقی کر کے ملاقات تک پہنچ جاتا ہے اور یہ واقعہ قبروں میں سے اٹھنے اور دل کی باتیں سامنے آنے کے بعد ہوگا اور موت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اس کے ساتھ ہونا ایسا معاملہ ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور یہ دلیل نہیں دی جاسکتی کہ موت تو عدم کا نام ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ (تو یہ اس لیے باقی رہے گا) کہ یہ ایسا عدم نہیں جو ذکر کے لیے رکاوٹ ہو بلکہ یہ دنیا سے اور ظاہری عالم سے عدم ہے عالم ملکوت سے عدم نہیں ہے جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اسی کی طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اشارہ کرتی ہے آپ نے فرمایا:

وَالْقَبْرُ إِمَّا حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ أَوْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ۔ (۲)

قبر یا تو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

أَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ فِيْ حَوَاصِلِ طُيُوْرٍ خُضْرٍ (۳)

شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں۔

اور آپ نے بدر کے مقتولین کے نام لے لے کر پوچھا اے فلاں! اے فلاں! کیا تم نے وہ بات حق پائی جس کا تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا بے شک میں نے اپنے ساتھ اپنے رب کے وعدے کو سچ پایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کا کلام سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو مردار ہیں کیسے آپ کی بات سنیں گے اور کس طرح جواب دیں گے؟ آپ نے فرمایا "اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہ لوگ

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۲۵ کتاب الرقاق۔

(۲) مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۴۶ باب فی ضغطۃ القبر

(۳) کنز العمال جلد ۵ ص ۶۷۶ حدیث ۴۲۶۸۸

میرے کلام کو تم سے زیادہ سنتے ہیں لیکن جواب دینے پر قادر نہیں" یہ صحیح حدیث میں آیا ہے (۱)
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی مشرکین کے بارے میں ہے مومنین اور شہداء کے بارے میں آپ نے فرمایا:

اَرْوَاحُهُمْ فِيْ حَوَاصِلِ طُيُوْرٍ خُضْرٍ مُعَلَّقَةٍ تَحْتَ الْعَرْشِ۔ (۲)
ان کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹے میں ہیں جو عرش کے نیچے لٹکے ہوئے ہیں۔

یہ حالت اور ان الفاظ کے ساتھ جس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے خلاف نہیں ہے

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ (۳)
جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیے جائیں انہیں مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں جو اپنا فضل عطا فرمایا اس پر خوش ہوتے ہیں اور ان لوگوں کے سبب سے خوش

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے شرف کی وجہ سے شہادت کا رتبہ عظیم ہے۔ کیوں کہ مطلوب خاتمہ ہے اور خاتمے سے ہماری مراد دنیا کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے اور غیر سے قطع تعلق کے بعد دل کا اللہ تعالیٰ کی یاد میں غوطہ زن ہو جانا ہے اگر کوئی بندہ اپنے خیالات کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگانے پر قادر ہو تو وہ اس حالت میں تب ہی فوت ہوتا ہے جب جہاد کے لئے صف آرا ہو کیونکہ اب جان و مال اور اہل و اولاد سے طمع ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ پوری دنیا سے کوئی لالچ نہیں رہتی کیوں کہ اسے تو وہ اپنی زندگی کے لیے چاہتا ہے، اور اب اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا جوئی کی صورت میں اس کے دل میں زندگی کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی علیحدگی نہیں اسی لیے شہادت کا معاملہ بہت عظیم ہے۔ اور اس کے فضائل میں بے شمار روایات آتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمرو انصاری اُحد کے دن شہید ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔
اے جابر! کیا میں تجھے خوشخبری نہ دوں؟ انہوں نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو بھلائی کی بشارت دے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ (حضرت عبداللہ بن عمرو انصاری) کو زندہ کر کے اپنے سامنے بٹھایا ہے اللہ تعالیٰ اور ان کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندے جو چاہتا ہے تمنا کر میں تجھے عطا کروں گا

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۸۷ مرویات انس رضی اللہ عنہ
(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۰۶ کتاب الجنائز
(۳) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۶۹، ۱۷۰

انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! تو مجھے دنیا میں بھیج دے تاکہ میں تیری اور تیرے نبی کی رضا میں دوبارہ شہید کیا جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری طرف سے پہلے فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجے جائیں گے۔ (۱)
پھر قتل اس حالت میں خاتمے کا سبب ہے کیوں کہ اگر وہ قتل نہ ہوا اور کچھ مدت باقی رہے تو دنیا کی خواہشات اس کی طرف لوٹ آئیں گی اور اس کے دل میں جو ذکر خدا جاگزیں ہوا ہے (خواہشات) اس پر غالب آجائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ اہل معرفت کو خاتمے کا بہت ڈر ہوتا ہے اس لیے کہ دل جتنا بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر پر قائم ہو وہ بدلتا رہتا ہے دنیوی شہوات کی طرف پھرنے سے خالی نہیں ہوتا اور کوتاہی سے الگ نہیں ہوتا پس جب آخری حالت میں دل میں دنیا کا معاملہ غالب آجائے اور اس پر کنٹرول کرے اور اسی حالت میں دنیا سے کوچ کر جائے تو ممکن ہے کہ وہ اسی حالت میں باقی رہے اور موت کے بعد دنیا میں آنے کی تمنا کرے اور ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ اس کا آخرت سے حصہ کم ہوتا ہے کیونکہ انسان جس طریقے پر زندگی گزارتا ہے اسی پر اسے موت آتی ہے اور جس حالت پر مرتا ہے اسی پر اٹھایا جائے گا تو اس خطرے سے محفوظ ترین حالت شہادت پر خاتمہ ہے۔ بشرطیکہ شہید کا مقصد مال حاصل کرنا، بہادر کہلانا یا کوئی دوسری بات نہ ہو جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے۔ (۲)
بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور کلمۂ توحید کو بلند کرنا مقصود ہو، اسی حالت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے اور اس کے بدلے میں ان سے جنت کا وعدہ فرمایا۔

اور اسی قسم کا آدمی دنیا کو آخرت کے بدلے بیچتا ہے اور شہید کی حالت لاالٰہ الا اللہ کے موافق ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اس کا مقصود نہیں ہوتا اور ہر مقصود، معبود ہوتا ہے اور ہر معبود الٰہ ہوتا ہے تو یہ شہید اپنی زبانِ حال سے لاالٰہ الا اللہ کہتا ہے کیوں کہ اس کے سوا اس کا کوئی مقصود نہیں اور جو آدمی زبان سے یہ کلمہ کہے لیکن اس کی حالت اس کے موافق نہ ہو تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہے لیکن اس کے حق میں خطرے سے امن نہیں ہوتا،
اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لاالٰہ الا اللہ کو تمام اذکار پر فضیلت دی ہے (۴)

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۱۷ کتاب المناقب
(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۹۴ کتاب الجہاد
(۳) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۱۱۱
(۴) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۹۸ کتاب الدعا

اور یہ بات ترغیب کے مقام پر مطلقاً ذکر فرمائی ہے پھر بعض مقامات پر صدق اور اخلاص کا ذکر بھی کیا ایک مرتبہ فرمایا "جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ پڑھا۔

اور اخلاص کا معنیٰ یہ ہے کہ حال اور قول میں مطابقت ہو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارا خاتمہ ان لوگوں کے ساتھ کرے جو حال و قول اور ظاہر و باطن میں لا الہ الا اللہ کے اہل ہیں تاکہ ہم دنیا سے اس طرح رخصت ہوں کہ اس کی طرف ہماری توجہ نہ ہو بلکہ اس سے تنگ دل اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے محبت کرنے والے ہوں کیوں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات چاہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہ کرے اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے معانی ذکر کے یہ اسرار و رموز ہیں اور علم معاملہ میں ان پر اضافہ ممکن نہیں۔

دوسرا باب

دعا کے آداب، اس کی فضیلت بعض ماثورہ دعاؤں کی فضیلت استغفار اور درود شریف کی فضیلت

دعا کی فضیلت:

ارشاد خداوندی ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي۔ (۱)

اور جب آپ سے میرے بندے، میرے بارے میں پوچھیں (تو بتا دیجئے) میں قریب ہوں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جو وہ مجھے پکارتا ہے تو انہیں چاہیئے کہ میرا حکم ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ (۲)

اور اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور خاموشی سے پکارو بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ۔ (۳)

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھے پکارو میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ

آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کہہ کر،

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۱۸۶

(۲) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۵۵

(۳) قرآن مجید سورۂ غافر آیت ۶۰

أَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى۔ (۱)
جس نام سے پکارو اسی کے سب اچھے نام ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (۲)
دعا، عبادت کا مغز ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ شَيْءٌ اَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنَ الدُّعَاءِ۔ (۳)
اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا سے بڑھ کوئی چیز معزز نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ الْعَبْدَ لَا يُخْطِئُهُ مِنَ الدُّعَاءِ اِحْدٰى ثَلَاثٍ اِمَّا ذَنْبٌ يُغْفَرُ لَهُ وَاِمَّا خَيْرٌ يُعَجَّلُ لَهُ وَاِمَّا خَيْرٌ يُدَّخَرُ لَهُ۔ (۴)
بندے کی دعا سے تین چیزوں میں سے ایک خطا نہیں کرتی (ضرور ملتی ہے)، یا کوئی گناہ بخش دیا جاتا ہے یا کوئی گناہ بخش دیا جاتا ہے یا کوئی بھلائی اسے فوراً دی جاتی ہے یا اس کے لیے کوئی بھلائی جمع کر دی جاتی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نیکی کے ساتھ اتنی دعا کافی ہے جس قدر کھانے کے ساتھ نمک کفایت کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُحِبُّ اَنْ يُّسْاَلَ وَاَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ (۵)
اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو بے شک اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور بہترین عبادت کشادگی کا انتظار ہے۔

آدابِ دعا

دعا کے آداب دس ہیں:

۱۔ دعا کے لیے اچھے اوقات کا خیال رکھے جیسے سال میں سے یوم عرفہ (نویں ذوالحجہ) مہینوں میں سے رمضان المبارک

---

(۱) قرآن مجید سورۂ اسراء آیت ۱۱۰

(۲) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۹۰ کتاب الدعا

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۶۲ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۴) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۱۹۸ حدیث ۷۴۹

(۵) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۰ ص ۱۲۵ حدیث ۱۰۰۸۸

کا مہینہ، ہفتے میں سے جمعۃ المبارک کا دن اور رات کی ساعتوں میں سے سحری کا وقت ــــ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (۱) اور وہ لوگ سحری کے وقت بخشش مانگتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے جب رات کا آخری تہائی باقی رہ جاتا ہے اور ارشاد فرمایا کون مجھے پکارتا ہے کہ میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے عطا کروں کون مجھ سے بخشش طلب کرتا ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ (۲)

کہا گیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ (۳) عنقریب میں تمہارے لیے اپنے رب سے بخشش مانگوں گا۔

توان کا مقصد سحری کے وقت دعا مانگنا تھا کہا گیا ہے کہ آپ سحری کے وقت کھڑے ہو کر دعا مانگنے لگے اور آپ کی اولاد آپ کے پیچھے آمین کہتے تھی تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی میں نے ان کو بخش دیا اور نبی بنایا۔

۲۔ اچھے حالات کو غنیمت جانے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

جب میدان جنگ میں مسلمانوں کی فوجیں دشمن سے لڑتی ہیں تو آسمانوں کے دروازے کھلتے ہیں اسی طرح بارش برستے وقت، فرض نمازوں کے لیے تکبیر کے وقت بھی یہ دروازے کھلتے ہیں) توان اوقات میں دعا کو غنیمت سمجھو۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

بے شک نماز کو اچھے اوقات میں مقرر کیا گیا ہے تو تمہیں نمازوں کے بعد دعا مانگنی چاہیئے ــــ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلدُّعَاءُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ لَا يُرَدُّ (۴) اذان اور اقامت کے درمیان (وقت میں مانگی جانے والی) دعا رد نہیں ہوتی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ذاریات ۱۸

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۰۵ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۳) قرآن مجید، سورۂ یوسف آیت ۹۸

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۸۰۸۴ کتاب الصلوات

اَلصَّائِمُ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهٗ (۱) روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی۔

درحقیقت اوقات کی شرافت بھی حالات کی شرافت کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ سحری کا وقت دل کی صفائی اور اخلاص کا وقت ہوتا ہے۔ اور تشویش میں ڈالنے والی باتوں سے فراغت ہوتی ہے۔ عرفہ کا دن اور جمعہ کا دن ہمتوں کے جمع ہونے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کے لیے دلوں کے اتفاق کا دن ہوتا ہے تو اوقات کے شرف کا ایک سبب یہ ہے اس کے علاوہ اسرار ہیں جن پر انسان مطلع نہیں ہو سکتا۔

سجدے کی حالت بھی قبولیت کے زیادہ لائق ہے حضرت ابوہریرہ سے روایت مروی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوْا فِيْهِ مِنَ الدُّعَاءِ (۲)

بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب کے زیادہ قریب ہوتا ہے پس اس میں کثرت سے دعا مانگو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔" مجھے رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن پاک پڑھنے سے منع کیا گیا تو رکوع میں اپنے رب کی عظمت بیان کرو اور سجدے میں دعا میں خوب کوشش کرو کیونکہ یہ دعا قبولیت کے لائق ہے (۳)

۳۔ قبلہ رُخ ہو کر دعا مانگے اور ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں معرفت (وقوف کی جگہ) تشریف لائے اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگتے رہے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ (۴)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تمہارا رب حیا والا کریم ہے وہ اپنے بندوں سے حیا فرماتا ہے جب وہ اپنے ہاتھوں کو اس کی بارگاہ میں اٹھاتے ہیں کہ وہ ان کو خالی لوٹائے (۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں ہاتھ اٹھاتے تھے حتیٰ کہ آپ کے بغلوں کی

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۷۷ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۲) شرح السنہ جلد ۳ ص ۱۵۱ حدیث ۶۵۸

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۱۹ مرویات ابن عباس رضی اللہ عنہما

(۴) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۶۴ کتاب المناسک

(۵) مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۵ کتاب الدعوات

سفیدی دکھائی دیتی اور آپ انگلی سے اشارہ نہیں کرتے تھے (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو دعا مانگتے ہوئے اپنی شہادت کی دونوں انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا آپ نے فرمایا ایک سے کرو ایک سے کرو، (۲)

یعنی ایک پر اکتفاء کرو۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان ہاتھوں کو اٹھاؤ اس سے پہلے کہ انہیں زنجیروں میں جکڑا جائے۔

دعا کے آخر میں ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا چاہیئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو جب تک چہرے پر نہ پھیرتے واپس نہیں لاتے تھے (۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ تھا کہ جب دعا مانگتے تو ہاتھوں کو ملاتے تھے اور ان کے اندر والے حصے کو اپنے چہرے کی طرف کرتے تھے (۴) تو ہاتھ اٹھانے کا یہ طریقہ ہے نیز آسمان کی طرف نگاہ نہیں اٹھانی چاہیئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوگوں کو دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے باز رہنا چاہیئے ورنہ ان کی آنکھیں اچک لی جائیں گی۔ (۵)

۴۔ آواز پست ہو لیکن نہ تو بالکل خاموشی ہو اور نہ ہی بلند آواز سے دعا مانگے۔ ایک روایت میں ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ طیبہ آئے جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو آپ نے "اللہ اکبر" کہا لوگوں نے بھی تکبیر کہی اور اپنی آوازوں کو بلند کیا آپ نے فرمایا۔

اے لوگو! تم جسے پکار رہے ہو وہ بہرہ اور غائب نہیں جسے تم پکار رہے ہو وہ تمہارے اور تمہاری سواریوں کی گردنوں کے درمیان ہے (۶) (یعنی تمہارے بہت قریب ہے)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے بارے میں فرماتی ہیں کہ یہاں دعا مراد ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۸۱ مرویات انس بن مالک رضی اللہ عنہ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۲۰ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۳) العلل المتناہیۃ جلد ۲ ص ۳۵۶ حدیث ۱۴۰۶

(۴) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۳۶ کتاب الدعا

(۵) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۸۰ کتاب الاذان

(۶) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ ص ۱۸۴ کتاب الصلوٰۃ

ارشاد خداوندی یہ ہے :-

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا۔ (۱) اور اپنی دعا میں آواز کو بلند بھی نہ کرو اور بالکل آہستہ بھی نہ ہو۔

اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت زکریا علیہ السلام کی تعریف فرمائی ارشاد خداوندی ہے۔

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا (۲) جب اس نے اپنے رب کو آہستہ آواز کے ساتھ پکارا۔

اور ارشاد خداوندی ہے :

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (۳) اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ پکارو۔

۵۔ دعا میں قافیے نہ ملائے کیوں کہ دعا مانگنے والے کی حالت گڑگڑانے والے کی حالت ہونی چاہیے اور یہاں تکلف مناسب نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

سَيَكُونُ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ فِي الدُّعَاءِ (۴) عنقریب کچھ لوگ ہوں گے جو دعا میں حد سے تجاوز کریں گے۔

اور ارشاد خداوندی ہے :

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ (۵) اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ پکارو بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

کہا گیا ہے کہ اس (حد سے بڑھنے) سے مراد سجع اور قافیے ملانے کے لیے تکلف کرنا ہے۔ اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ حدیث شریف سے ثابت دعاؤں سے تجاوز نہ کرے کیونکہ بعض اوقات وہ دعا میں حد سے بڑھ جاتا ہے اور اس (اللہ تعالیٰ) سے وہ کچھ مانگتا ہے جو اس کی مصلحت کے تقاضے کے خلاف ہے کیونکہ ہر آدمی اچھی طرح دعا نہیں مانگ سکتا۔

اسی لیے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "جنت میں علماء کی ضرورت ہوگی کیونکہ جنتیوں سے کہا جائے گا

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۱۱۰

(۲) قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۳

(۳) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۵۵

(۴) سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۲۰۸ کتاب الصلوٰۃ

(۵) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۵۵

اکرو اور انہیں معلوم نہیں ہو گا کہ کیسے تمنا کریں یہاں تک کہ وہ علماء سے سیکھ لیں۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
دعا میں سجع سے بچو تم میں سے کسی ایک کے لیے اتنا کہنا ہی کافی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْھَا مِنْ قَوْلٍ وَعَمَلٍ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْھَا مِنْ قَوْلٍ وَ عَمَلٍ۔(۱)

یا اللہ میں تجھ سے جنّت کا اور اس قول وعمل کا سوال کرتا ہوں جو جنت کے قریب کر دے اور یا اللہ میں جہنم اور اس کے قریب کرنے والے قول وعمل میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو دعا اور طہارت میں حد سے تجاوز کریں گے۔
ایک بزرگ ایک قصہ گو (واعظ) کے پاس سے گزرے جو قافیے ملا کر دعا مانگ رہا تھا انہوں نے فرمایا "اللہ تعالےٰ کے سامنے مبالغہ سے کام لیتا ہے؟ گواہ رہو میں نے حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ کو دیکھا وہ اپنی دعا میں اس پر اضافہ نہیں کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا جَیِّدِیْنَ اَللّٰھُمَّ لَا تَفْضَحْنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا بِالْخَیْرِ۔

اے اللہ! ہمیں کھرے لوگ بنا دے یا اللہ ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا یا اللہ ہمیں بھلائی کی توفیق عطا فرما۔

اور لوگ ہر طرف سے ان کے پیچھے دعا مانگتے اور ان کی دعا کی برکت معروف تھی۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ذلت اور محتاجی کی زبان سے دعا مانگو فصاحت اور زبان کی تیزی کے ساتھ دعا نہ مانگو۔
کہا جاتا ہے کہ علماء اور ابدال اپنی دعا میں سات کلمات یا اس سے کم پر اضافہ نہیں کرتے تھے اور اس بات پر سورۂ بقرہ کا آخری حصہ گواہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی جگہ بھی اپنے بندوں کی دعا اس سے زیادہ نہیں بتائی۔
سجع سے مراد کلام میں تکلف کرنا ہے اور یہ انکساری اور فروتنی کے مناسب نہیں۔ ورنہ حضور علیہ السلام سے جو دعائیں منقول ہیں ان میں ہم وزن کلمات ہیں لیکن ان میں تکلف اختیار نہیں کیا گیا جیسے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مبارکہ ہیں۔

اَسْاَلُكَ الْاَمْنَ یَوْمَ الْوَعِیْدِ، وَالْجَنَّةَ یَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِیْنَ الشُّھُوْدِ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ الْمُوْفِیْنَ بِالْعُھُوْدِ اِنَّكَ رَحِیْمٌ

(اے اللہ!) میں تجھ عذاب کے دن امن کا اور ہمیشگی کے دن مقربین، شاہدین، رکوع اور سجدہ کرنے والوں اور وعدوں کو پورا کرنے والوں کی رفاقت میں جنت کا سوال

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۳۸ کتاب الدعوات

وَدُوْدٌ وَاِنَّكَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ ۔ (۱)

کرتا ہوں بے شک تو رحمت والا ہے اور محبت کرنے والا ہے بے شک تو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اور اس کی مثل کئی دعائیں ہیں۔ تو حدیث سے ثابت دعاؤں پر اکتفا کرے یا کسی تکلف اور سجع کے بغیر انکساری اور خشوع کے ساتھ دعا مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو انکساری ہی پسند ہے۔

۶۔ انکساری، خشوع، رغبت اور خوف ہونا چاہیئے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا۔ (۲)

اور وہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں اور ہمیں امید اور خوف کے ساتھ پکارتے ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ (۳)

اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ پکارو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا اِبْتَلَاهُ حَتّٰى يَسْمَعَ تَضَرُّعَهٗ۔ (۴)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈال دیتا ہے تاکہ اس کے گڑگڑانے کو سنے۔

✧ ✧ ✧ ✧

۷۔ مضبوط عقیدے کے ساتھ دعا مانگے اور قبولیت کا یقین رکھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو یہ نہ کہے یا اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے یا اللہ اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما اسے چاہیئے کہ یقین کے ساتھ سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی زبردستی کرنے والا نہیں۔ (۵)

اور آپ نے ارشاد فرمایا،

جب تم میں سے کوئی ایک دعا مانگے تو بہت زیادہ رغبت کا اظہار کرے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی

---

(۱) جامع ترمذی ص ۴۹۲ ابواب الدعوات

(۲) قرآن مجید، سورۂ انبیاء آیت ۹۰

(۳) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۵۵

(۴) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ۲۵۱ حدیث ۹۷۲

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۰ ص ۱۹۹ کتاب الدعا

یز بڑی نہیں (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ سے قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا مانگو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔ (۲)

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

تم اپنے نفس کی جس خرابی کو جانتے ہو اس کی وجہ سے دعا سے باز نہ رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے بدترین یعنی شیطان کی دعا بھی قبول کی ہے جب اس نے کہا۔

رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ (۳)

اے میرے رب! مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک تجھے مہلت دی گئی۔

۸۔ دعا میں مبالغہ کرنا یعنی ایک بات کو تین بار دہرائے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا مانگتے تو تین بار دہراتے اور جب سوال کرتے تو تین بار کرتے۔ (۴)

دعا کی قبولیت میں تاخیر نہ سمجھے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تم میں سے ایک کی (یعنی سب کی) دعا قبول ہوتی ہے جب تک جلدی کرتے ہوئے یوں نہ کہے کہ میں نے دعا مانگی لیکن قبول نہ ہوئی جب دعا مانگو تو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ سوال کرو کیوں کہ تم کریم ذات کو پکار رہے ہو۔ (۵)

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں بیس سال سے بارگاہ خداوندی میں حاجت کا سوال کر رہا ہوں اور مجھے اس کا جواب نہیں ملا لیکن میں قبولیت کی امید رکھتا ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ مجھے غیر ضروری کام چھوڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی اپنے رب سے سوال کرے تو قبولیت کا علم ہونے پر یوں کہے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۴۸ حدیث ۳۲۵۰

(۲) کنز العمال جلد ۲ ص ۲۷ حدیث ۳۱۷۶

(۳) قرآن مجید سورۂ حجر آیت ۳۶، ۳۷

(۴) حلیۃ الاولیاء جلد ۴ ص ۵۴ ترجمہ ۲۵۰

(۵) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۹۰ کتاب الذکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کی نعمت سے نیکیاں مکمل ہوتی ہیں۔

اور جسے دعا کی قبولیت میں تاخیر معلوم ہو تو وہ یوں کہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ۔ (۱) ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

۹۔ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے سوال کے ساتھ ابتدا نہ کرے حضرت مسلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دعا شروع کرتے سنا تو آپ شروع میں یوں کہتے۔

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلِیِّ الْاَعْلَی الْوَهَّابِ۔ (۲) میرا رب بلند، اعلیٰ اور عطا کرنے والا پاک ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کا سوال کرنا چاہیئے وہ شروع میں درود شریف پڑھے پھر اپنی حاجت کا سوال کرے اور آخر میں بھی درود شریف پڑھے بے شک اللہ تعالیٰ دونوں درود شریف کو قبول کرتا ہے اور وہ دونوں کے درمیان والی دعا کو چھوڑنے سے بزرگ ہے (یعنی قبول کرے گا)

ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

جب تم اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کا سوال کرو تو شروع میں مجھ پر درود شریف پڑھو بے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے بزرگ ہے کہ اس سے دو حاجتوں کا سوال کیا جائے تو وہ ان میں سے ایک کو پورا کرے اور دوسری کو رد کرے (۳)

اسے ابو طالب مکی نے روایت کیا۔

۱۰۔ یہ باطنی ادب ہے اور قبولیت میں یہ اصل ہے یعنی توبہ کرنا اور لوگوں کے حقوق لوٹا کر پوری ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا۔ قبولیتِ دعا کا یہ سبب قریب ہے۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں لوگ سخت قحط میں مبتلا ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ بنی اسرائیل کو لے کر بارش کے لیے دعا مانگنے کی خاطر نکلے تو انہیں بارش عطا نہ ہوئی یہاں تک کہ تین مرتبہ نکلے لیکن بارش نہ ہوئی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی دعا قبول نہیں کروں گا کیوں کہ آپ کے ساتھ چغل خور ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! وہ کون ہے؟ تاکہ ہم اسے اپنے درمیان سے نکال دیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اے موسیٰ علیہ السلام میں تم لوگوں کو چغلی سے منع کرتا ہوں تو کیا خود

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۹۹ کتاب الدعا

(۲) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۹۸ کتاب الدعا

(۳) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۲۳۰ کتاب الصلوٰۃ

چغل خور بن جاؤں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تم سب چغل خوری سے توبہ کرو جب انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش نازل فرمائی۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کے زمانے میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے بارش کے لیے دعا کی بادشاہ نے بنی اسرائیل سے کہا یا تو اللہ تعالیٰ ہم پر بارش برسائے گا یا ہم اسے تکلیف پہنچائیں گے اس سے کہا گیا کہ تم اسے اذیت پہنچانے پر کیسے قادر ہو گئے جب کہ وہ آسمان میں ہے اس نے کہا میں اس کے دوستوں اور فرمانبردار لوگوں کو قتل کروں گا تو یہ اس کے لیے اذیت ہو گی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بارش عطا فرمائی۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل سات سال قحط میں مبتلا رہے حتیٰ کہ انہوں نے کوڑے کے ڈھیروں سے مردار کھائے اور بچوں کو بھی کھایا وہ اسی حالت میں پہاڑوں کی طرف جاتے روتے اور گڑگڑاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اگر تم پیدل چل کر میرے پاس آؤ حتیٰ کہ تمہارے گھٹنے گھس جائیں، تمہارے ہاتھ آسمان تک جا پہنچیں اور دعا کرتے کرتے تمہاری زبانیں تھک جائیں تو بھی تم سے کسی دعا مانگنے والے کی دعا کو قبول نہیں کروں گا اور نہ کسی رونے والے پر ترس کھاؤں گا۔ یہاں تک کہ تم، لوگوں کے لوٹے ہوئے مال واپس کر دو چنانچہ انہوں نے ایسا کیا تو اسی دن ان پر بارش برسائی گئی۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل پر قحط پڑ گیا وہ کئی مرتبہ باہر نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ انہیں بتائیں کہ تم اپنے ناپاک جسم کے ساتھ نکلتے ہو اور میری طرف وہ ہتھیلیاں بلند کرتے ہو جن کے ساتھ تم نے خون بہایا اور تم نے اپنے پیٹوں کو حرام سے بھرا اب مجھے تم پر سخت غصہ ہے اور تم مجھ سے زیادہ دور ہو گئے۔

حضرت ابو الصدیق الناجی فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام بارش کے لیے دعا مانگنے کی خاطر نکلے تو آپ ایک چیونٹی کے پاس سے گزرے جو پیٹھ کے بل ڈالی گئی تھی اس کی ٹانگیں آسمان کی طرف تھیں وہ کہہ رہی تھی۔

یا اللہ! میں تیری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہوں اور میں تیرے رزق سے بے نیاز نہیں ہوں پس تو مجھے دوسروں کے گناہ کے سبب ہلاک نہ کرنا یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا واپس لوٹ جاؤ دوسروں کی دعا کے سبب تمہیں بارش ملے گی۔

حضرت اوزاعی فرماتے ہیں لوگ بارش کے لیے دعا مانگنے نکلے تو ان کے درمیان حضرت بلال بن سعد کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر فرمایا حاضرین کی جماعت! کیا تم اپنی کوتاہی کا اقرار نہیں کرتے انہوں نے کہا ہاں اقرار کرتے ہیں، انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! ہم نے تیرا یہ قول سنا۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ۔ (۱) نیکی کرنے والوں پہ کوئی مواخذہ نہیں۔

اور ہم نے گناہوں کا اقرار کیا اور تیری مغفرت ہمارے جیسے لوگوں کے لیے ہی ہے۔

لہٰذا تو ہمیں بخش دے ہم پہ رحم فرما، ہمیں بارش عطا فرما۔ انہوں نے ہاتھ اٹھائے تو باقی لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے اور بارش برسنے لگی۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ سے کہا گیا کہ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا مانگیں انہوں نے فرمایا تم بارش میں دیر سمجھتے ہو میں پتھروں (کے برسنے) میں دیر سمجھتا ہوں (یعنی ہمارے گناہ اس قابل ہیں کہ پتھر نازل ہوں)

ایک روایت میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام طلب بارش کے لیے باہر نکلے جب وہ بے چین ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا تم میں سے جس نے گناہ کیا ہے وہ واپس چلا جائے چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور آپ کے ساتھ جنگل میں صرف ایک آدمی باقی رہ گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کیا تم نے کوئی گناہ نہیں کیا؟ اس نے کہا اللہ کی قسم مجھے کچھ معلوم نہیں البتہ ایک دن میں نماز پڑھ رہا تھا تو میرے پاس سے ایک عورت گزری میں نے اسے اپنی اس آنکھ کے ساتھ دیکھا جب وہ چلی گئی تو میں نے انگلی ڈال کر آنکھ نکال دی اور اس کے پیچھے پھینک دی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ میں تیری دعا پر آمین کہوں گا فرماتے ہیں جب اس نے دعا مانگی تو آسمان پہ بادل چھا گئے پھر ان پر بارش برسنے لگی۔

حضرت یحییٰ غسانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو آپ نے تین علماء کا انتخاب کیا اور ان کو لے کر باہر تشریف لے گئے تاکہ ان کے واسطہ سے بارش طلب کریں ان میں سے ایک نے کہا یا اللہ! تو نے اپنی تورات میں نازل فرمایا کہ جو آدمی ہم پر ظلم کرے ہم اسے معاف کر دیں تو ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے تو ہمیں معاف کر دے دوسرے نے کہا یا اللہ! تو نے اپنی تورات میں نازل فرمایا کہ ہم اپنے غلاموں کو آزاد کر دیں یا اللہ ہم تیرے غلام ہیں تو ہمیں آزاد کر دے تیسرے نے کہا یا اللہ! تو نے اپنی تورات میں نازل فرمایا کہ جب مساکین ہمارے دروازے پر آئیں تو تم ہم ان کو رد نہ کریں یا اللہ بے شک ہم تیرے مسکین (بندے) ہیں اور تیرے دروازے پہ کھڑے ہیں تو ہماری دعا کو رد نہ کرنا، چنانچہ ان پہ بارش نازل ہوئی حضرت عطاء سلمی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ہم پہ بارش بند ہو گئی تو ہم طلب باران کے لیے باہر نکلے تو دیکھا کہ سعدون (نامی) مجنون قبرستان میں ہیں انہوں نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے عطاء! کیا یہ قیامت کا دن ہے یا لوگ قبروں سے نکل پڑے ہیں؟ میں نے کہا نہیں بلکہ بارش بند ہو گئی ہے اور دعا کے لئے آئے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۹۱

انہوں نے کہا اے عطاء! زمینی دلوں کے ساتھ یا آسمانی دلوں کے ساتھ؟ میں نے کہا نہیں، بلکہ آسمانی دلوں کے ساتھ، انہوں نے کہا اے عطاء ہرگز نہیں کھوٹے سکے چلانے والوں سے کہہ دو کہ کھوٹے سکے نہ چلائیں پرکھنے والا دیکھنے والا ہے پھر آنکھ کے کنارے سے آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کیا اے میرے معبود! میرے آقا و مولا! اپنے بندوں کے گناہوں کے سبب اپنے شہروں کو تباہ نہ کر بلکہ اپنے ناموں کے پوشیدہ راز اور ان پردوں کے پیچھے چھپی اپنی نعمتوں کے توسّل ہمیں میٹھا پانی عطا فرما جس کے ذریعے تو بندوں کو زندہ رکھے اور شہروں کو سیراب کرے اے اللہ! جو ہر چیز پر قادر ہے حضرت عطاء فرماتے ہیں ابھی ان کا کلام مکمل نہ ہوا تھا کہ آسمان میں گرج پیدا ہوئی بجلی چمکی اور اس طرح بارش برسنے لگی جس طرح مشکیزوں کے منہ کھل گئے ہیں۔ چنانچہ وہ یہ کہتے ہوئے واپس ہو گئے۔

"زاہد اور عابد لوگوں کے لیے فلاح ہے کیونکہ وہ اپنے مولا کے لیے فاقہ مست ہیں اپنے محبوب کی محبت میں ان کی بیمار آنکھیں رات بھر جاگتی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت نے مشغول کر رکھا ہے حتیٰ کہ لوگ سمجھتے ہیں یہ پاگل ہیں۔"

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا۔

میں مدینہ طیبہ میں آیا تو اس وقت وہاں سخت قحط تھا لوگ طلب باراں کے لیے باہر نکلے میں بھی ان کے ہمراہ گیا کہ آگے سے ایک سیاہ فام غلام آیا جس پر موٹے کپڑے کی دو چادریں تھیں ایک کو تہبند بنایا ہوا تھا اور دوسری کو اپنے کاندھے پر ڈال رکھا تھا وہ میرے پہلو میں بیٹھ گیا میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا یا اللہ گناہوں کی کثرت اور برے اعمال نے تیرے حضور ان چہروں کو رسوا کر دیا تو نے اس لیے بارش روکی ہے کہ تو اس کے ذریعے اپنے بندوں کو ادب سکھائے تو اے حلیم (بردبار) اور اے وہ ذات کہ بندے تجھ سے صرف حُسنِ سلوک کو ہی پہچانتے ہیں۔ انہیں اسی وقت بارش عطا فرما وہ یہی کہتے رہے اسی گھڑی اسی، ساعت، حتیٰ کہ آسمان بادلوں سے بھر گیا اور ہر طرف سے بارش آنے لگی حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت فضیل رحمہ اللہ کے پاس آیا انہوں نے پوچھا کیا بات ہے میں آپ کو اداس دیکھ رہا ہوں میں نے کہا ایک ایسا معاملہ ہے جس پر ہمارے غیر نے سبقت کر لی اور وہ اس کا کفیل ہو گیا میں نے پورا واقعہ بیان کر دیا حضرت فضیل نے چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔

روایت میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسّل سے بارش کی دعا مانگی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا سے فارغ ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یوں دعا کی۔

اے اللہ! آسمان سے مصائب گناہ کی وجہ سے نازل ہوئے ہیں اور توبہ سے دُور ہو جاتے ہیں یہ قوم میرے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوئی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کی وجہ سے میرا ایک مقام ہے ہمارے گناہ بھرے ہاتھ تیری بارگاہ میں اٹھے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے ساتھ حاضر ہیں۔ تو نگران ہے بھٹکے ہوؤں سے بے خبر نہیں رہتا شکستہ حال کو ضائع ہونے کی جگہ نہیں چھوڑتا۔ چھوٹے فریاد کرتے ہیں اور بڑے روتے ہیں دُہائی کے ساتھ آوازیں بلند

ہوگئیں اور تو نہایت پوشیدہ بات کو بھی جانتا ہے یا اللہ! ہمیں اپنی خصوصی بارش سے نواز دے اس سے پہلے کہ ہم
نا امید ہو کر ہلاک ہو جائیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوتے ہیں راوی کہتے ہیں آپ کا کلام پورا ہو
ہی پہاڑوں کی مثل بادل اٹھنے لگے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور آپ پر درود شریف بھیجنے کی فضیلت

ارشاد خداوندی ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود شریف اور خوب سلام بھیجو۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کے چہرۂ انور پہ خوشی کے آثار دکھا
دے رہے تھے آپ نے فرمایا میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کیا آپ اس بات پہ راضی نہیں کہ آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پہ ایک بار درود شریف بھیجے میں اس پہ دس بار
رحمت نازل کروں اور آپ کا کوئی امتی آپ کی بارگاہ میں ایک بار سلام پیش کرے تو میں اس کو دس بار سلامتی عطا کروں
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
جو شخص مجھ پہ درود شریف بھیجتا ہے تو جب تک وہ درود شریف بھیجتا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے دعائے
رحمت کرتے ہیں اب اس کی مرضی کم کرے یا زیادہ (۲)
سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَىَّ صَلٰوةً ۔(۳)

بے شک قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب وہی شخص ہے جو مجھ پر درود شریف زیادہ بھیجتا ہے

اور آپ نے ارشاد فرمایا:۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ احزاب آیت ۵۶
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۰ مرویات طلحہ عن ابیہ رضی اللہ عنہما۔
(۳) شرح السنۃ جلد ۳ ص ۱۹۸ حدیث ۶۸۸
(۴) جامع الترمذی جلد ۱ ص ۶۴ ابواب الوتر

بِحَسْبِ الْمُؤْمِنِ مِنَ الْبُخْلِ اَنْ اُذْكَرَ عِنْدَهٗ فَلَا يُصَلِّيَ عَلَيَّ۔ (۱)

کسی مومن کے بخیل ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پہ درود شریف نہ پڑھے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

اَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (۲)

جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود شریف بھیجا کرو۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِنْ اُمَّتِيْ كُتِبَتْ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ (۳)

میرا جو امتی مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے دس گناہ مٹائے جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اذان اور اقامت سنتے وقت یہ کلمات پڑھے اس کے لیے میری شفاعت جائز ہوگئی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ اِلْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَالشَّفَاعَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

اے اللہ! اس مکمل دعا اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن فضیلت، بلند مرتبہ اور شفاعت عطا کرنا۔ (۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ فِيْ كِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهٗ مَادَامَ اِسْمِيْ فِيْ ذٰلِكَ الْكِتَابِ (۵)

جو شخص مجھ پہ تحریراً درود شریف بھیجے تو جب تک اس کتاب میں میرا نام رہے گا فرشتے مسلسل اس شخص کے لیے بخشش مانگتے رہیں گے

آپ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۱۶۵ کتاب الادعیۃ

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۲۴۹ کتاب الجمعۃ

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۹۶ کتاب الذکر

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۸۶ کتاب التفسیر

(۵) الترغیب والترہیب جلد اوّل ص ۱۱۱ خلفاء الرسول

إِنَّ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنِي عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ (۱)

بے شک زمین میں کچھ فرشتے چلتے پھرتے ہیں جو میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ أَحَدٌ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں اسی کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یارسول اللہ! ہم آپ پر کس طرح درود شریف پڑھیں آپ نے فرمایا یوں پڑھو

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تیرے بندے ہیں رحمت نازل فرما اور آپ کی آل، ازواج مطہرات اور اولاد پر بھی۔ جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی ازواج اور اولاد پر برکت نازل فرما جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو برکت عطا فرمائی بے شک تو لائق حمد اور بزرگی والا ہے۔

(۳)

ایک روایت میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سنا گیا وہ روتے ہوئے کہہ رہے تھے یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کھجور کے ایک تنے کے سہارے صحابہ کرام کو خطبہ دیا کرتے تھے جب لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے منبر بنوالیا تاکہ وہ آپ کا خطبہ سن سکیں چنانچہ آپ کے فراق میں اس تنے نے رونا شروع کر دیا حتیٰ کہ آپ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا تو وہ خاموش ہو گیا (یارسول اللہ!) اس تنے کی نسبت آپ کی امت کا زیادہ حق ہے کہ وہ آپ کے فراق میں روئے یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں بارگاہ خداوندی میں آپ کا مقام و مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اس نے آپ کی فرمانبرداری کو اپنی اطاعت قرار دیا اور فرمایا۔

---

(۱)

(۲) سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۲۰، باب زیارۃ القبور۔

(۳) مسلم شریف جلد اول ص ۱۷۵، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ! (۱)
جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے حقیقت میں اسی نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا۔

یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ فدا ہوں آپ کی فضیلت کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی لغزش کے ذکر سے پہلے آپ کے لیے عفو و درگزر کا ذکر فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (۲)
اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے آپ نے ان کو کیوں اجازت دی۔

یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی فضیلت کا مرتبہ یہ ہے کہ اس نے آپ کو سب سے آخر میں بھیجا لیکن ان سب سے پہلے ذکر فرمایا۔

ارشاد فرمایا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ۔ (۳)
اور جب ہم نے انبیاء کرام سے وعدہ لیا اور آپ سے اور حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے (وعدہ لیا)۔

یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی فضیلت کا مقام یہ ہے کہ اہل جہنم، مختلف طبقات جہنم میں عذاب میں مبتلا ہوں گے اور وہ اس بات پر افسوس کا اظہار کریں گے کہ انہوں نے آپ کی اطاعت کیوں نہیں کی

ارشاد خداوندی ہے:

يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا۔ (۴)
وہ کہیں گے ہائے افسوس ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی۔

یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک پتھر دیا جس سے نہریں پھوٹیں لیکن اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔

یارسول اللہ! میرے ماں باپ پر فدا ہوں اگر حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ قوت عطا کی کہ جو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۸۰

(۲) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۴۳

(۳) قرآن مجید سورۂ احزاب آیت ۷

(۴) قرآن مجید، سورۂ احزاب آیت ۶۶

آپ کو لے کر ایک مہینہ کی مسافت صبح اور ایک مہینے کی مسافت شام کو چلتی تو براق کا معاملہ اس سے تعجب خیز ہے کہ وہ آپ کو لے کر ساتویں آسمان تک گیا پھر آپ نے صبح کی نماز (وادی ابطح) میں ادا فرمائی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مردے زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا تو اس سے تعجب خیز بات یہ ہے کہ بکری کے بھنے ہوئے گوشت میں زہر ملایا گیا تھا تو اس نے کلام کیا اور بکری کے شانے نے کہا مجھے نہ کھائیے مجھ میں زہر ملایا گیا ہے۔

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف بد دعا کی۔ اور فرمایا:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ (۱) اے میرے رب! زمین پر کافروں کے کسی گھر کو باقی نہ چھوڑنا۔

اور اگر آپ ہمارے بارے میں ایسی دعا کرتے تو ہم سب ہلاک ہو جاتے آپ کی پیٹھ مبارک کو روندا گیا، چہرۂ مقدسہ کو خون آلودہ کیا گیا، دانت مبارک شہید کئے گئے تو آپ نے بھلائی کے کلمہ کے علاوہ کچھ کہنے سے انکار کر دیا آپ نے صرف یہی فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (۲) یا اللہ! میری قوم کو بخش دے یہ لوگ (میرے مقام کو) نہیں جانتے۔

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی عمر مبارک اتنی زیادہ نہ تھی لیکن بے شمار لوگ آپ پر ایمان لائے جب کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بہت زیادہ عمر تھی لیکن ان پر اتنے لوگ ایمان نہیں لائے آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جب کہ ان پر صرف چند افراد ایمان لائے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگر آپ اپنے برابر کے لوگوں ہی میں بیٹھتے تو آپ ہمارے ساتھ نہ بیٹھتے اور اگر آپ اپنے کفو (برابری کے لوگوں) میں ہی نکاح کرتے تو ہمارے خاندان میں آپ نکاح نہ فرماتے اگر آپ اپنے برابر کے لوگوں کے ساتھ کھاتے تو ہمارے ساتھ نہ کھاتے لیکن اللہ کی قسم! آپ نے ہمارے ساتھ مجلس اختیار فرمائی ہمارے ہاں نکاح کیا، ہمارے ساتھ مل کر کھایا، اونی کپڑا پہنا، دراز گوش پر سوار ہوئے اپنے پیچھے دوسروں کو بھی بٹھایا زمین (دستر خوان) پر رکھ کر کھانا کھایا اور تواضع کے طور پر اپنی مبارک انگلیوں کو چاٹتے تھے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نوح آیت ۲۶

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۹۵ کتاب الانبیاء

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ میں حدیث شریف لکھا تھا اس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف لکھا لیکن سلام نہیں لکھتا تھا میں نے خواب میں آپ کی زیارت کی تو آپ نے مجھ سے فرمایا کیا تو اپنی کتاب میں مجھ پر درود شریف کو مکمل نہیں کرتا (فرماتے ہیں) اس کے بعد میں صلوٰۃ و سلام دونوں لکھتا تھا۔

حضرت ابوالحسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ!

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الرسالہ" میں لکھا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو جب بھی ذکر کرنے والے آپ کا ذکر کریں اور جب غافل لوگ آپ کے ذکر سے غافل ہوں۔

تو انہیں (امام شافعی) کو کیا صلہ ملا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا صلہ ان کو یہ ملا کہ ان کو حساب کتاب کے لیے کھڑا نہیں کیا جائے گا۔

فضیلتِ استغفار:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (۱)

اور وہ لوگ جو بے حیائی کا ارتکاب کریں یا اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں۔

حضرت علقمہ اور حضرت اسود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا قرآن پاک میں دو آیتیں ایسی ہیں کہ جو شخص گناہ کا مرتکب ہو جائے پھر انہیں پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔

ایک تو مذکورہ بالا آیت اور دوسری آیت یہ ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (۲)

اور جو آدمی برائی کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۳۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۱۰

ارشاد خداوندی ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا۔ (۱)

پس اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرو اور اس سے بخشش مانگو بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

والمستغفرین بالاسحار۔ (۲)

اور سحری کے وقت بخشش مانگنے والے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ کلمات پڑھتے تھے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ (۳)

یا اللہ! تو پاک ہے اور تیرے لیے تعریف ہے یا اللہ! مجھے بخش دے بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص کثرت سے بخشش مانگے اللہ تعالیٰ اسے ہر پریشانی سے نجات دیتا ہے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ بناتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں (۴)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں دن میں ستر مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ (۵)

حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دیئے گئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے دل کے سامنے پردہ آجاتا ہے حتیٰ کہ میں روزانہ ایک سو مرتبہ طلب مغفرت کرتا ہوں۔ (۶)

---

(۱) قرآن مجید سورۃ النصر آیت ۳

(۲) قرآن مجید سورۃ آل عمران آیت ۱۷۔

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۱۰ عبداللہ بن مسعود مرویات

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۴۸ مرویات ابن عباس

(۵) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۰۸ کتاب التوبۃ

(۶) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ ص ۵۲ کتاب النکاح

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بستر پر جاتے وقت تین بار یہ کلمات پڑھے تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں یا ریت کے ٹیلے یا درخت کے پتوں کے برابر یا ایام دنیا کے برابر ہوں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ اِلَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

میں اللہ تعالیٰ عظمت والے سے بخشش مانگتا ہوں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ قائم رکھنے والا ہے اور میں اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ (۱)

ایک دوسری حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ (مندرجہ بالا) کلمات پڑھے تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ میدان جہاد سے بھاگا ہو (۲)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سخت زبان تھا میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ڈر ہے کہ میں اپنی زبان کی وجہ سے جہنم میں نہ چلا جاؤں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا استغفار کیوں نہیں کرتے میں دن میں سو مرتبہ مغفرت طلب کرتا ہوں (۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اگر تم کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھو تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ بے شک گناہ سے توبہ، ندامت اور استغفار ہے۔ (۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے استغفار میں یوں کہا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَھْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ھَزْلِیْ وَجِدِّیْ وَخَطَاءِیْ وَعَمْدِیْ وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ۔ (۵)

یا اللہ! میری خطاؤں، لاعلمی، اپنے کام میں حد سے تجاوز اور جو کچھ تو مجھ سے بہتر جانتا ہے اسے بخش دے یا اللہ! میرے وہ گناہ جو مذاق میں کئے گئے یا سنجیدگی میں غلطی سے سرزد ہوتے یا جان بوجھ کر کئے اور جو کچھ بھی میرے جرم ہے سب بخش دے۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۱۶۴ کتاب النوافل

(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۱۲ کتاب الصلوٰۃ

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۵۰۷ کتاب التفسیر

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۶۵ کتاب الشہادات

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۲۸۱ کتاب الدعاء

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (۱)

یا اللہ! مجھے بخش دے جو کچھ میں نے پہلے کیا اور جو بعد میں کروں گا پوشیدہ اور ظاہر اور جسے تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے سب کچھ بخش دے تو ہی آگے کرنے والا اور پیچھے رکھنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں وہ شخص ہوں کہ جب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو جو نفع اللہ تعالیٰ چاہتا مجھے عطا فرماتا اور جب مجھ سے کوئی صحابی حدیث بیان کرتا تو میں اسے قسم دیتا جب وہ قسم اٹھاتا تو میں اس کی تصدیق کرتا فرماتے ہیں مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور سچ کہا انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔

"جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے پھر اچھی طرح باوضو ہو کر کھڑا ہوتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہے تو اسے بخش دیا جاتا ہے۔

پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی، (۲)

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ (۳) (باب کے شروع میں یہ آیت اور ترجمہ گزر چکا ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جب کوئی مومن گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے اگر توبہ کرے اور وہ گناہ چھوڑ دے اور بخشش مانگے تو اس سے اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اگر مزید گناہ کرے تو وہ دھبہ بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے دل پر غلاف چڑھ جاتا ہے اور یہ وہ "ران" ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا۔ (۴)

کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔ (۵)

ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں میں ان کی بداعمالیوں کے داغ لگ جاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) شرح السنۃ جلد ۳ ص ۳۵ حدیث ۲ ۵۷
(۲) کنز العمال جلد ۴ ص ۲۰۶ حدیث ۱۰۱۶۸
(۳) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۳۵
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۹۷ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ
(۵) قرآن مجید، سورۂ مطففین آیت ۱۴

"بے شک اللہ تعالیٰ جنت میں ایک بندے کا درجہ بلند کرنے گا تو وہ پوچھے گا یا اللہ! یہ درجہ کیسے بلند ہوا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرے بیٹے نے تیرے لیے مغفرت کی دعا کی ہے۔ (۱)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاءُوْا اسْتَغْفَرُوْا۔ (۲)

یا اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کردے جو نیکی کرنے پر خوش ہوتے ہیں۔ اور جب برائی سرزد ہوتی ہے تو بخشش مانگتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ گناہ کا مرتکب ہو جائے پھر یوں کہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ (یا اللہ! مجھے بخش دے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے گناہ کیا پھر اسے معلوم ہوا کہ میرا ایک رب ہے جو گناہوں پر پکڑتا بھی ہے اور گناہوں کو بخش بھی دیتا ہے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اے میرے بندے جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔ (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

بخشش طلب کرنے والا گناہوں پر شمار نہیں ہوتا اگرچہ ایک گناہ کو دن میں ستر مرتبہ لوٹائے (۴)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

ایک شخص نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا تھا اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ میرا رب ہے اے میرے رب! مجھے بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تجھے بخش دیا (۵)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

جو شخص گناہ کرے پھر یہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ پر مطلع ہے تو وہ بخشش نہ بھی مانگے، اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔ (۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۰۹ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۲۹ مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۷ کتاب التوبہ

(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۱۸۸ کتاب الشہادات

(۵)

(۶) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۱۱ کتاب الزھد

بِهَا عَلَىٰ مَعْصِيَتِكَ، وَأَسْتَغْفِرُكَ يَا عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ أَتَيْتُهُ فِي ضِيَاءِ النَّهَارِ وَسَوَادِ اللَّيْلِ، فِي مَلَأٍ أَوْ خَلَاءٍ وَسِرٍّ وَعَلَانِيَةٍ، يَا حَلِيمُ.

نے مجھے عطا کی اور میں اس سے تیری نافرمانی پر مدد لیتا ہوں اے پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے! میں ہر اس گناہ سے تیری بخشش کا طلب گار ہوں جسے میں دن کی روشنی اور رات کی سیاہی میں کرتا ہوں، مجلس میں یا علیحدگی میں، پوشیدہ یا ظاہر طور پر کرتا ہوں اے بردبار ذات!

* * *

کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا استغفار ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام کا استغفار ہے۔

تیسرا باب

ماثور دعائیں، ان کے اسباب اور کن لوگوں نے یہ دعائیں مانگیں نیز صبح و شام اور ہر نماز کے بعد کونسی دعا مانگی جائے

دعائے فجر:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مجھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بھیجا میں شام کے وقت آیا تو حضور علیہ السلام میری خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے آپ نے رات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھی جب فجر کی نماز سے پہلے فجر کی دو سنتیں پڑھیں تو یہ دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِي بِهَا قَلْبِي وَتَجْمَعُ بِهَا شَمْلِي وَتَلُمُّ بِهَا شَعَثِي وَتَرُدُّ بِهَا الْفِتَنَ عَنِّي وَتُصْلِحُ بِهَا دِينِي وَتَحْفَظُ بِهَا غَائِبِي وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِي وَتُزَكِّي بِهَا عَمَلِي وَتُبَيِّضُ بِهَا وَجْهِي وَتُلْهِمُنِي بِهَا رُشْدِي وَتَعْصِمُنِي بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ۔ اَللّٰهُمَّ أَعْطِنِي إِيمَانًا صَادِقًا وَيَقِينًا لَيْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ وَرَحْمَةً أَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْفَوْزَ عِنْدَ الْقَضَاءِ وَمَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَعَيْشَ السُّعَدَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْأَعْدَاءِ وَمُرَافَقَةَ الْأَنْبِيَاءِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِي وَإِنْ ضَعُفَ رَأْيِي وَقَلَّتْ حِيلَتِي وَقَصُرَ عَمَلِي وَافْتَقَرْتُ إِلَى رَحْمَتِكَ

یا اللہ! میں تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں جس کے ذریعے تو میرے دل کو ہدایت عطا فرما، میرے بکھرے ہوئے کاموں کو جمع کر دے اور میری پریشانیوں کو دور کرے اس کے ذریعے مجھ سے فتنوں کو دور رکھ میرے دین کی اصلاح فرما، میرے غائب کی حفاظت کر میرے حاضر کا درجہ بلند کر میرے عمل کو پاک کر میرے چہرے کو روشن کر دے میرے دل میں ہدایت ڈال دے اور مجھے ہر برائی سے بچا، یا اللہ! مجھے سچا ایمان اور یقین عطا کر جس کے بعد کفر نہ ہو اور رحمت عطا کر جس کے ذریعے میں دنیا اور آخرت میں تیری کرامت کا شرف حاصل کروں یا اللہ! میں فیصلے کے وقت کامیابی، شہداء کے مراتب، نیک بخت لوگوں جیسی زندگی، دشمن پر مدد اور انبیاء کرام کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں، یا اللہ! میں تیرے بھروسے پر اپنی حاجت کی طرف جاتا ہوں اگرچہ میری رائے کمزور ہے، میرا وسیلہ کم ہے عمل میں کوتاہی ہے اور میں تیری رحمت کا

وَاسْتَعِيْذُكَ مِمَّا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاَسْئَلُكَ مَا قَضَيْتَ لِيْ مِنْ اَمْرٍ اَنْ تَجْعَلَ عَاقِبَتَهُ رَشَدًا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ (۱)

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں ہر اس چیز سے تیری پناہ چاہتی ہوں جس سے تیرے بندے اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے یا اللہ میں تجھ سے اس بات کا سوال کرتی ہوں جس کا تو نے میرے بارے میں فیصلہ کیا کہ اس کا انجام ہدایت پر مبنی ہو اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے اپنی رحمت سے میری دعا قبول فرما۔

دعائے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) تجھے میری نصیحت سننے سے کس نے منع کیا تم یوں کہو۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَانِيْ كُلَّهٗ۔ (۲)

اے زندہ اور قائم رکھنے والے میں تیری رحمت سے مدد طلب کرتی ہوں مجھے آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اور میرے تمام کاموں کو درست کر دے۔

دعائے صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ دعا سکھائی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّكَ وَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِكَ وَمُوْسٰى نَجِيِّكَ وَ عِيْسٰى كَلِمَتِكَ وَرُوْحِكَ وَبِتَوْرَاةِ مُوْسٰى وَاِنْجِيْلِ عِيْسٰى وَزَبُوْرِ دَاؤُدَ وَفُرْقَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ وَبِكُلِّ وَحْيٍ اَوْحَيْتَهٗ اَوْ قَضَاءٍ قَضَيْتَهٗ اَوْ سَائِلٍ اَعْطَيْتَهٗ اَوْ غَنِيٍّ اَفْقَرْتَهٗ اَوْ فَقِيْرٍ اَغْنَيْتَهٗ اَوْ ضَالٍّ هَدَيْتَهٗ وَاَسْئَلُكَ

یا اللہ میں تجھ سے تیرے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، تیرے خلیل حضرت ابراہیم، تجھ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرنے والے حضرت موسیٰ، تیرے کلمہ اور روح حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی توسل سے، نیز موسیٰ علیہ السلام کی تورات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور، اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن تیری ہر وحی، تیرے ہر فیصلے، ہر سائل جسے تو نے عطا کیا، ہر غنی جسے تو نے محتاج کیا

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۴۷ مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا

(۲) کنز العمال جلد ۲ ص ۲۳۹ حدیث ۳۹۱۸

بِاسْمِكَ الَّذِي اَنْزَلْتَهُ عَلَى مُوسَى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي بَثَثْتَ بِهِ اَرْزَاقَ الْعِبَادِ وَاَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى الْاَرْضِ فَاسْتَقَرَّتْ وَاَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى السَّمٰوٰتِ فَاسْتَقَلَّتْ وَاَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى الْجِبَالِ فَرَسَتْ وَاَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي اسْتَقَلَّ بِهٖ عَرْشُكَ وَاَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الطُّهْرِ الطَّاهِرِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الْوِتْرِ الْمُنَزَّلِ فِي كِتَابِكَ مِنْ لَدُنْكَ مِنَ النُّوْرِ الْمُبِيْنِ وَاَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِي وَضَعْتَهُ عَلَى النَّهَارِ فَاسْتَنَارَ وَعَلَى اللَّيْلِ فَاظْلَمَ وَبِعَظَمَتِكَ وَكِبْرِيَائِكَ وَبِنُوْرِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ اَنْ تَرْزُقَنِي الْقُرْاٰنَ وَالْعِلْمَ بِهٖ وَتَخْلِطَهُ بِلَحْمِيْ وَدَمِيْ وَسَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَتَسْتَعْمِلَ بِهٖ جَسَدِيْ بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ فَاِنَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ (۱)

ہر فقیر جسے تو نے غنی کیا ہر گمراہ جسے تو نے ہدایت دی سب کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں تیرے اس نام کے وسیلہ سے جو تو نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پہ اتارا اور تیرے اس نام کے توسّل سے جو جس کے سبب بندوں کا رزق ثابت ہے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں یا اللہ میں تیرے اس نام کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جو تو نے زمین پر رکھا تو وہ ٹھہر گئی، تیرے اس نام کے توسل سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے آسمانوں پہ رکھا تو وہ بلند ہو گئے ہیں تیرے اس نام کے توسل سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے پہاڑوں پر رکھا تو وہ جم گئے تیرے اس نام کے توسل سے سوال کرتا ہوں جس کے ذریعے عرش بلند ہوا تیرے اس نام کے توسل سے سوال کرتا ہوں جو پاک ہے ایک ہے بے نیاز ہے تیری طرف سے روشن نور ہے تیری کتاب میں اترا ہوا ہے میں تیرے اس نام کے توسل سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے دن پر رکھا تو وہ روشن ہو گیا رات پر رکھا تو وہ تاریک ہو گئی تیری عظمت و کبریائی، تیری ذات پاک کے نور کے توسل سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے قرآن پاک اور اس کا علم عطا فرما اور اسے میرے گوشت، خون، کانوں اور آنکھوں میں مخلوط کر دے اور اپنی قوت و طاقت کے ساتھ میرے جسم کو اسی علم میں لگا دے کیوں کہ تیرے علاوہ کہیں سے قوت حاصل نہیں ہوتی اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی دعا

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بریدہ! کیا میں تجھے وہ کلمات نہ سکھاؤں کہ اللہ تعالیٰ یہ کلمات اس شخص کو سکھاتا ہے جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے انہیں کبھی نہ بھلانا میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! (سکھائیے) آپ نے فرمایا یوں کہو۔

(۱) قوت القلوب جلد اول ص ۸ الفصل الخامس

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا

آپ یوں دعا مانگتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَصْبَحْتُ لَا اَسْتَطِیْعُ دَفْعَ مَا اَکْرَہُ وَلَا اَمْلِكُ نَفْعَ مَا اَرْجُوْ وَاَصْبَحَ الْاَمْرُ بِیَدِ غَیْرِیْ وَاَصْبَحْتُ مُرْتَھِنًا بِعَمَلِیْ فَلَا فَقِیْرَ اَفْقَرُ مِنِّیْ اَللّٰھُمَّ لَا تُشْمِتْ بِیْ عَدُوِّیْ وَلَا تَسُوْءْ بِیْ صَدِیْقِیْ وَلَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّیْ وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیَّ مَنْ لَا یَرْحَمُنِیْ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ۔

اے اللہ! میں نے اس حال میں صبح کی کہ میں جس چیز کو ناپسند کرتا ہوں اسے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ اپنی امید کے نفع کا مالک ہوں معاملہ میرے غیر کے ہاتھ میں ہے اور میں اپنے اعمال میں گروی (رہن رکھا ہوا) ہوں مجھ سے بڑھ کر کوئی فقیر نہیں یا اللہ! مجھ پر میرے دشمن کو نہ ہنسانا اور میری وجہ سے میرے دوست کو پریشانی نہ ہو مجھے دین کے معاملے میں مصیبت زدہ نہ کرنا اور نہ دنیا کو میری توجہ کا مرکز بنانا یا اللہ! مجھ پر ایسے لوگوں کو مسلط نہ کرنا جو مجھ پر رحم نہ کریں اے زندہ قائم رکھنے والے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی دعا

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام کی ملاقات ہوتی ہے تو وہ یہ کلمات کہے بغیر ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

بِسْمِ اللّٰہِ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ مَاشَاءَ اللّٰہُ کُلُّ نِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ مَاشَاءَ اللّٰہُ اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ بِیَدِ اللّٰہِ مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا یَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰہُ۔

اللہ کے نام سے، جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قوت نہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے ہر نعمت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے، تمام بھلائیاں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں برائی کو وہی دور کرتا ہے۔

جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پڑھے وہ جلنے، ڈوبنے اور چوری سے محفوظ رہے گا ان شاء اللہ۔

حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کی دعا

حضرت محمد بن حسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا کیا میں تجھے دس کلمات نہ سکھاؤں پانچ دنیا کے لیے اور پانچ آخرت کے لیے ہیں جو شخص ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارے تو ان کو اللہ تعالیٰ کے پاس پائے گا میں نے کہا مجھے لکھ دیجئے۔ انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ میں تیرے سامنے کئی بار پڑھتا ہوں جس طرح حضرت بکر بن خنیس رحمہ اللہ نے میرے سامنے کئی بار پڑھا۔

حَسْبِیَ اللّٰہُ لِدِیْنِیْ حَسْبِیَ اللّٰہُ لِدُنْیَایَ حَسْبِیَ اللّٰہُ الْکَرِیْمُ لِمَا اَھَمَّنِیْ حَسْبِیَ اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْقَوِیُّ لِمَنْ بَغٰی عَلَیَّ حَسْبِیَ اللّٰہُ الشَّدِیْدُ لِمَنْ کَادَنِیْ بِسُوْءٍ حَسْبِیَ اللّٰہُ الرَّحِیْمُ عِنْدَ الْمَوْتِ حَسْبِیَ اللّٰہُ الرَّؤُفُ عِنْدَ الْمَسَآئِلَۃِ فِی الْقَبْرِ حَسْبِیَ اللّٰہُ الْکَرِیْمُ عِنْدَ الْحِسَابِ حَسْبِیَ اللّٰہُ اللَّطِیْفُ عِنْدَ الْمِیْزَانِ حَسْبِیَ اللّٰہُ الْقَدِیْرُ عِنْدَ الصِّرَاطِ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔

اللہ تعالیٰ مجھے میرے دین میں کافی ہے اللہ تعالیٰ مجھے میری دنیا کے لیے کافی ہے اللہ کریم میرے غموں میں مجھے کافی ہے اللہ حلیم وقوی مجھ پر سرکشی کرنے والے کے لیے مجھے کافی ہے اللہ شدت والا اس کے لیے مجھے کافی جو برائی کے ساتھ میرے قریب آئے اللہ رحیم موت کے وقت مجھے کافی ہے اللہ مہربان قبر میں سوال کے وقت مجھے کافی ہے اللہ کریم حساب کے وقت مجھے کافی ہے اللہ لطیف میزان کے وقت مجھے کافی ہے اللہ قدرت والا پل صراط کے وقت مجھے کافی ہے مجھے اللہ کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عظمت والے عرش کا رب ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔ جو شخص روزانہ سات مرتبہ یہ آیت شریف پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے تمام اُخروی غموں میں اسے کفایت کرے گا وہ سچا ہو یا جھوٹا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ (۱)

اگر وہ پھر جائیں تو آپ فرمادیں مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔

حضرت عُتبہ غلام رضی اللہ عنہ کی دعا

ان کو فوت ہونے کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ تو انہوں نے بتایا کہ وہ ان کلمات کے باعث جنت میں داخل ہوئے۔

اَللّٰھُمَّ یَاھَادِیَ الْمُضِلِّیْنَ وَیَا رَاحِمَ الْمُذْنِبِیْنَ وَیَا مُقِیْلَ عَثَرَاتِ الْعَاثِرِیْنَ اِرْحَمْ عَبْدَکَ ذَا الْخَطَرِ الْعَظِیْمِ وَالْمُسْلِمِیْنَ کُلَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ وَاجْعَلْنَا مَعَ الْاَخْیَارِ وَالْمَرْزُوْقِیْنَ الَّذِیْنَ

اے اللہ! اے گمراہوں کو ہدایت دینے والے اور گناہ گاروں پر رحم فرمانے والے لغزش کرنے والوں کی لغزشوں کو معاف کرنے والے اپنے بندے پر جس کو بہت خطرہ ہے اور تمام مسلمانوں پر رحم فرما اور ہمیں پسندیدہ اور رزق دیے گئے افراد یعنی انبیا کرام، صدیقین شہداء

(۱) قرآن مجید سورۃ توبہ آیت ۱۲۹

کو افضل پایا اس نے جواب دیا حضرت ابن معتمر رضی اللہ عنہ جو تسبیحات پڑھتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام ملاحظہ کیا وہ تسبیحات اور دعا یہ ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، عَدَدَ مَا خَلَقَ، وَعَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ، وَزِنَةَ مَا خَلَقَ، وَزِنَةَ مَا هُوَ خَالِقٌ، وَمِلْءَ مَا خَلَقَ، وَمِلْءَ مَا هُوَ خَالِقٌ، وَمِلْءَ سَمٰوَاتِهٖ، وَمِلْءَ اَرْضِهٖ، وَمِثْلَ ذٰلِكَ وَاَضْعَافَ ذٰلِكَ، وَعَدَدَ خَلْقِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ، وَمُنْتَهٰى رَحْمَتِهٖ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ وَمَبْلَغَ رِضَاهُ حَتّٰى يَرْضٰى وَاِذَا رَضِيَ، وَعَدَدَ مَا ذَكَرَهٗ بِهٖ خَلْقُهٗ فِيْ جَمِيْعِ مَا مَضٰى، وَعَدَدَ مَا هُمْ ذَاكِرُوْهُ فِيْمَا بَقِيَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ، وَشَهْرٍ وَجُمُعَةٍ وَيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَسَاعَةٍ مِنَ السَّاعَاتِ وَشَمٍّ وَنَفَسٍ مِنَ الْاَنْفَاسِ وَاَبَدٍ مِنَ الْاٰبَادِ مِنْ اَبَدٍ اِلٰى اَبَدٍ اَبَدَ الدُّنْيَا وَاَبَدَ الْاٰخِرَةِ وَاَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ لَا يَنْقَطِعُ اَوَّلُهٗ وَلَا يَنْفَدُ اٰخِرُهٗ،

اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے وہ بلند اور عظمت والا ہے جو کچھ اس نے پیدا کیا اور جو کچھ پیدا کرے گا اس کی تعداد اور وزن، پیدا شدہ اور ہونے والوں کے حساب سے بھری ہوتی جگہ آسمان اور زمین بھرے ہوئے اس کی مثل اور اس سے دوگنا اس کی مخلوق کی تعداد، عرش کے وزن اس کی رحمت کی انتہا اس کے کلمات کی سیاہی، اس کی رضا تک رسائی حتیٰ کہ وہ راضی ہو اور جس وقت وہ راضی ہو ان الفاظ کی مقدار جن کے ساتھ مخلوق نے اسے یاد کیا اور آئندہ یاد کریں ہر سال، مہینے، ہفتے اور رات دن کی ساعتوں میں اور سانس لیتے ہیں اور جب تک دنیا آباد ہے اور جب تک آخرت ہے اور اس سے بھی زیادہ اور آخرت کا اول و آخر منقطع نہیں ان سب کے برابر اللہ تعالیٰ تسبیح بیان کرتا ہوں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ کی دعا

حضرت ابراہیم بن رحمہ اللہ کے خادم حضرت ابراہیم بن بشار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ہر جمعہ کی صبح و شام یہ دعا پڑھتے تھے۔

مرحبا بیوم المزید والصبح الجدید، والکاتب والشہید، یومنا ھذا یوم عید، اکتب لنا فیہ ما نقول، بسم اللہ الحمید المجید الرفیع الودود الفعال فی خلقہ ما یرید، اصبحت باللہ مؤمنا،

فضیلت والے دن اور صبح جدید اور لکھنے والے اور گواہی دینے والے کو خوش آمدید، ہمارا یہ دن، عید کا دن ہے اس میں ہم جو کچھ کہیں اسے لکھ لو۔ اللہ کے نام سے جو قابل تعریف، بزرگی والا، بلند و بالا محبت کرنے والا، اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ

وبلقائه مصدقا، وبحجته معترفا، ومن
ذنبي مستغفرا، ولربوبية الله خاضعا،
ولسوى الله في الآلهة جاحدا، والى
الله فقيرا، وعلى الله متكلا، والى الله
منيبا، اشهد الله وأشهد ملائكته و
انبياءه ورسله وحملة عرشه ومن
خلقه ومن هو خالقه، بانه هو الله الذي
لا اله الا هو وحده لا شريك له، وان
محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وسلم
تسليما، وان الجنة حق، وأن النار حق،
والحوض حق، والشفاعة حق، ومنكرا
ونكيرا حق، ووعدك حق ووعيدك
حق، ولقاءك حق، والساعة آتية لاريب
فيها، وان الله يبعث من في القبور، على
ذلك احيا وعليه اموت، وعليه ابعث
ان شاء الله، اللهم أنت ربي لا اله
الا انت خلقتني وانا عبدك وانا على
عهدك ووعدك ما استطعت، اعوذ بك
اللهم من شر ما صنعت ومن شر كل
ذي شر، اللهم اني ظلمت نفسي فاغفرلي
ذنوبي فانه لا يغفر الذنوب الا أنت،
واهدني لاحسن الاخلاق فانه لايهدي
لاحسنها الا انت، واصرف عني سيئها
فانه لا يصرف سيئها الا انت، لبيك
وسعديك، والخير كله بيديك،

پر ایمان کے ساتھ، اس کی ملاقات کی تصدیق کرتے ہوئے
اور اس کی حجت کا اعتراف کرتے ہوئے میں نے صبح کی۔
میں اپنے گناہ کی بخشش مانگتا ہوں اس کی ربوبیت کے
سامنے جھکتا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا سب کے معبود ہونے
کا انکار کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہوں اللہ تعالیٰ
ہی پر بھروسہ کرتا ہوں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں
میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اس کے انبیاء کرام اور
رسل عظام کو گواہ بناتا ہوں عرش کو اٹھانے والوں جن
کو اس نے پیدا کیا اور آئندہ پیدا کرے گا سب کو گواہ
بناتا ہوں کہ صرف وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود
نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی
اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور
جنت حق ہے، جہنم حق ہے، حوض کوثر حق شفاعت حق
ہے منکر نکیر حق ہیں تیرا وعدہ اور وعید حق ہے تیری ملاقات
حق ہے قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں
اور بے شک اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو اٹھائے گا میں
اسی پر زندہ ہوں اور اسی پر مروں گا اور ان شاء اللہ
اسی پر اٹھایا جاؤں گا یا اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا
کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا کیا میں تیرا بندہ ہوں
اور حسب استطاعت تیرے وعدے پر قائم ہوں۔
تیرے پیدا کردہ شر اور ہر شر والے کے شر سے تیری
پناہ چاہتا ہوں یا اللہ! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا
پس تو میرے گناہ کو بخش دے گناہوں کو بخشنے والا
تیرے سوا کوئی نہیں مجھے اخلاق کا راستہ دکھا اچھے
راستے کی راہنمائی تو ہی کرتا ہے مجھ سے برائی کو پھیر دے

انا لك والیك، استغفرك واتوب الیك آمنت اللھم بما ارسلت من رسول، و آمنت اللھم بما انزلت من کتاب، وصلی اللہ علی محمد النبی الامی وعلی آلہ وسلم تسلیما کثیرا، خاتم کلامی ومفتاحہ وعلی انبیائہ ورسلہ اجمعین آمین یارب العالمین، اللھم اوردنا حوض محمد، واسقنا بکاسہ مشربا رویا سائغا ھنیا لا نظما بعد ابدا، واحشرنا فی زمرتہ غیر خزایا ولا ناکثین للعھد ولا مرتابین ولا مفتونین ولا مغضوب علینا ولا ضالین، اللھم اعصمنی من فتن الدنیا ووفقنی لما تحب وترضی واصلح لی شانی کلہ وثبتنی بالقول الثابت فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرۃ، ولا تضلنی وان کنت ظالما سبحانک یا علی یا عظیم یا باری یا رحیم یا عزیز یا جبار، سبحان من سبحت لہ السموات باکنافھا، وسبحان من سبحت لہ البحار بامواجھا، وسبحان من سبحت لہ الجبال باصدائھا، وسبحان من سبحت لہ الحیتان بلغتھا، وسبحان من سبحت لہ النجوم فی السماء بابراجھا، سبحان من سبحت لہ الاشجار باصولھا وثمارھا، وسبحان من سبحت لہ السموات السبع والارضون

برائی کو پھیرنے والا بھی تو ہی ہے میں حاضر ہوں اور تمام بھلائی تیرے قبضہ میں ہے میں تیرے لیے ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں یا اللہ! میں تیرے تمام رسولوں پر ایمان لایا یا اللہ! تیری اتاری گئی تمام کتابوں پر ایمان لایا حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو نبی ہیں، کسی سے پڑھے ہوئے نہیں آپ پر اور آپ کی آل پر رحمت اور بہت بہت سلام ہو۔ میرے کلام کا آغاز و اختتام یہی ہے اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں اور انبیاء کرام علیہم السلام پر رحمت و سلام ہو اے تمام جہانوں کو پالنے والے میری دعا کو قبول فرما۔

یا اللہ! ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض پر لانا آپ کے مبارک پیالہ سے ایسا مشروب پلانا جو سیراب کرنے والا اور پچنے والا ہو اس کے بعد ہم کبھی پیاسے نہ ہوں ہمیں آپ کی جماعت میں اٹھانا نہ ہم رسوا ہوں نہ وعدے کو توڑنے والے نہ شک کرنے والے اور نہ فتنہ میں مبتلا ہوں نہ ہم پر غضب کیا گیا ہو اور نہ ہم گمراہ ہوں یا اللہ! ہمیں دنیا کے فتنوں سے بچا اور جس کام کو تو چاہتا ہے اور اس پر راضی ہے اس کی توفیق عطا فرما میرے تمام کاموں کو درست کر دے دنیا اور آخرت میں قول ثابت (کلمہ طیبہ) پر قائم رکھنا یا اللہ مجھے گمراہ نہ کرنا اگرچہ میں ظلم کرنے والا ہوں تو پاک ہے اے بلند ذات، اے عظمت والے اے پیدا کرنے والے، اے رحمت والے، اے غالب، اے نقصان کو پورا کرنے والے میں اس ذات کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں جس

السبع ومن فیھن ومن علیھن سبحان من سبح لہ کل شیء من مخلوقاتہ تبارکت وتعالیت سبحانک، سبحانک یاحی یاقیوم یاعلیم یاحلیم، سبحانک لا الہ الا انت وحدک لا شریک لک تحی وتمیت وانت حی لا تموت بید الخیر وانت علی کل شیء قدیر۔

کی پاکیزگی آسمان اپنے کناروں سمیت بیان کرتا ہے ہیں اس کی تسبیح کرتا ہوں کہ سمندر اپنی موجوں سمیت اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اس کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں کہ پہاڑ اپنی صدائے بازگشت سمیت اس کی تسبیح کرتے ہیں مچھلیاں اپنی زبان میں جس کی پاکیزگی بیان کرتی ہیں میں اس کی تسبیح کرتا ہوں ستارے اپنے برجوں سمیت آسمان میں جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں وہ ملک وہ ذات پاک ہے جس کی پاکیزگی درخت اپنی جڑوں اور پھلوں سمیت بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے اور جو کچھ ان کے اوپر ہے جس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں وہ ذات پاک ہے وہ ذات پاک ہے جس کی پاکیزگی اس کی تمام مخلوق بیان کرتی ہے تو برکت والا ہے بلند ہے تو پاک ہے تو پاک ہے اے زندہ، اے قائم رکھنے والے، اے علم والے اے بردباری والے تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ایک ہے تیرا کوئی شریک نہیں تو زندہ رکھتا اور مارتا ہے تو زندہ ہے کبھی فوت نہیں ہو گا بھلائی تیرے قبضے میں ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

———o———

چوتھا باب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے مروی منتخب دعائیں

ان دعاؤں کی اسناد حذف کر دی گئی ہیں اور یہ حضرت ابو طالب مکی، ابن خزیمہ اور ابن منذر رحمہم اللہ نے جمع کی ہیں۔ آخرت کا ارادہ کرنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ صبح کے وقت اس کا سب سے پسندیدہ وظیفہ دعا ہونی چاہیے جیسے وظائف کے بیان میں آئے گا اگر تو آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرنے والوں اور دعا کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنے والوں میں سے ہے تو اپنی نمازوں کے بعد دعاؤں کا آغاز اس دعا سے کر۔

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلِیِّ الْاَعْلَی الْوَهَّابِ (۱) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲)

میرا رب پاک ہے بلند اور اعلیٰ ہے بہت عطا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے بادشاہی ہے اور وہی لائق حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تین مرتبہ یہ الفاظ بھی کہو۔

رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا (۳)

میں، اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔

یہ بھی پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ كُلِّ شَیْءٍ وَّمَلِیْكَهٗ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَشَرِّ الشَّیْطَانِ

اے اللہ! آسمانوں اور زمین کو بنانے والے پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے ہر چیز کے رب اور مالک — میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں اپنے نفس کے شر اور شیطان کے شر اور شرک

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۹۸ کتاب الدعا۔

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵۵ کتاب التہجد

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۸۱ مرویات سعد بن ابی وقاص۔

وَشَرِكِهٖ ۔(۱)

سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

یہ دعا بھی مانگو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِیْ دِيْنِیْ وَدُنْيَایَ وَاَهْلِیْ وَمَالِیْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ وَاَقِلْ عَثَرَاتِیْ وَاحْفَظْنِیْ مِنْ بَيْنِ يَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ يَمِيْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ ۔(۲) اَللّٰهُمَّ لَا تُؤْمِنِّیْ مَكْرَكَ وَلَا تُوَلِّنِیْ غَيْرَكَ وَلَا تَنْزِعْ عَنِّیْ سِتْرَكَ وَلَا تُنْسِنِیْ ذِكْرَكَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ (۳)

یا اللہ میں تجھ سے معافی اور اپنے دین، دنیا، اہل اور مال میں سلامتی کا سوال کرتا ہوں یا اللہ! میرے عیبوں کو ڈھانپ دے اور میرے خوف کو دور کر دے مجھے معاف کر دے سامنے، پیچھے، دائیں، بائیں اور اوپر کی طرف سے مجھے حفاظت عطا فرما میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں بے خبری میں نیچے کی جانب سے ہلاک ہو جاؤں یا اللہ! مجھے اپنی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہ کر اور دوسروں کے سپرد نہ کر یا اللہ! اپنے پردۂ رحمت کو مجھ سے واپس نہ لینا، اپنا ذکر نہ بھلانا اور مجھے غافل لوگوں میں سے نہ کرنا۔

تین بار یہ دعا بھی مانگو:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔

(۴)

یا اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں میں تیرے عہد و پیمان پر قائم ہوں جس قدر مجھے استطاعت ہے میں اپنے عمل کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں میں تیری عطا کردہ (نعمت) کے وسیلہ سے تیری طرف رجوع کرتا ہوں اپنے گناہ (کے اعتراف) ساتھ تیری طرف رجوع کرتا ہوں تو مجھے بخش دے گناہوں کو بخشنے والا تیرے سوا کوئی نہیں۔

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۴ مرویات بواہد

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۸۴ الواب الدعوات

(۳) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۲۴۸ حدیث ۴۱۳۲۶

ایک اور دعا ہے اسے بھی تین بار پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَدَنِیْ وَعَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ وَعَافِنِیْ فِیْ بَصَرِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ۔ (۱)

اے اللہ! مجھے میرے بدن میں عافیت عطا فرما میرے کان اور میری آنکھ کو سلامتی عطا فرما تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ، وَبَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَلَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِكَ الْکَرِیْمِ وَشَوْقًا اِلٰی لِقَائِكَ مِنْ غَیْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَعْتَدِیَ اَوْ یُعْتَدٰی عَلَیَّ اَوْ اَکْسِبَ خَطِیْئَةً اَوْ ذَنْبًا لَا تَغْفِرُہٗ۔ (۲)

یا اللہ! میں سوال کرتا ہوں کہ مجھے اپنے فیصلے پر رضا اور موت کے بعد زندگی کی ٹھنڈک اپنی ذات کریم کی زیارت کی لذت، اپنی ملاقات کا شوق عطا فرما نہ کوئی نقصان وہ چیز مجھے ضرر پہنچائے نہ کوئی فتنہ گمراہ کرے میں تجھ سے ظلم کرنے یا ظلم کیے جائے کسی پر زیادتی کرنے یا اپنے آپ پر زیادتی ہونے سے نیز ایسی خطا اور گناہ سے جسے تو نہ بخشے، پناہ چاہتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَةَ فِی الرُّشْدِ، وَاَسْأَلُكَ شُکْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ، وَاَسْأَلُكَ قَلْبًا خَاشِعًا سَلِیْمًا، وَخُلُقًا مُسْتَقِیْمًا، وَلِسَانًا صَادِقًا، وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا، وَاَسْأَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ، وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ (۳)

یا اللہ! دین پر ثابت قدمی، ہدایت پر قائم رہنے کا سوال کرتا ہوں، تیری نعمت کے شکر اور اچھی عبادت کا سوال کرتا ہوں عاجزی کرنے والے اور بے عیب دل، اچھے اخلاق، سچی زبان اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں تیرے علم کے مطابق جو بھلائی ہے اس کا سوال کرتا ہوں اور جو برائی ہے اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو اعمال تیرے علم میں ہیں ان کے لیے بخشش کا طلب گار ہوں بے شک تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۳۳ کتاب الدعوات

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۴۸ کتاب الادب

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۸ ص ۳۱۹ حدیث ۸۲۵

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۷ ص ۲۹۴ حدیث ۷۱۷۹

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّی فَاِنَّکَ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ، وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، وَعَلٰی کُلِّ غَیْبٍ شَھِیْدٌ۔ (۱)

یا اللہ! میرے پہلے اور پچھلے پوشیدہ اور ظاہر گناہ تیز وہ گناہ جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے بخش دے۔ بے شک تو ہی آگے کرنے والا اور پیچھے رکھنے والا ہے تو ہر چیز پر قادر ہے اور ہر پوشیدہ بات تیرے سامنے ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا لَا یَرْتَدُّ وَنَعِیْمًا لَا یَنْفَدُ وَقُرَّۃَ عَیْنٍ اِلَی الْاَبَدِ وَمُرَافَقَۃَ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَعْلٰی جَنَّۃِ الْخُلْدِ۔ (۲)

یا اللہ! میں تجھ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جس میں (کفر کی طرف) واپسی نہ ہو ایسی نعمت کا جو ختم نہ ہو آنکھوں کی ابدی ٹھنڈک اور ہمیشہ کی اعلیٰ جنت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الطَّیِّبَاتِ وَفِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ، وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّکَ، وَحُبَّ کُلِّ عَمَلٍ یُقَرِّبُ اِلٰی حُبِّکَ وَاَنْ تَتُوْبَ عَلَیَّ وَتَغْفِرَ لِیْ وَتَرْحَمَنِیْ، وَاِذَا اَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَۃً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ۔ (۳)

یا اللہ! میں تجھ سے پاک چیزوں اچھے اعمال کی بجا آوری، برائیوں کے چھوڑنے اور مساکین سے محبت کا سوال کرتا ہوں میں تجھ سے تیری محبت، تجھ سے محبت کرنے والوں کی محبت اور ایسے عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیرے قریب کر دے میری توبہ قبول فرما، مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور جب کسی قوم کو آزمائش میں ڈالنا چاہے تو مجھے آزمائش میں ڈالے بغیر موت دے دینا۔

اَللّٰھُمَّ بِعِلْمِکَ الْغَیْبَ وَقُدْرَتِکَ عَلَی الْخَلْقِ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیَاۃُ خَیْرًا لِیْ وَتَوَفَّنِیْ مَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِیْ، اَسْئَلُکَ خَشْیَتَکَ فِی الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ وَکَلِمَۃَ الْعَدْلِ فِی الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَالْقَصْدَ

یا اللہ! اپنے علم غیب اور مخلوق پر طاقت کے صدقہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے اور جب میرا مرنا بہتر ہو تو مجھے موت دے دینا۔ میں پوشیدہ اور ظاہر دونوں حالتوں میں تجھ سے ڈرنے، خوشی اور غصے کی حالت میں انصاف کی بات کہنے،

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۳ مرویات شداد بن اوس

(۲) مستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۲۶ کتاب الدعا

(۳) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۲۱ کتاب الدعا

مالداری اور محتاجی میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے تیری زیارت کی لذت اور ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں نقصان
چیز اور گمراہ کن فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں یا اللہ! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین کر دے اور ہمیں ہدایت دینے و
اور ہدایت یافتہ بنا دے۔

اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِكَ مَا نَحُوْلُ بِہٖ
بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ
مَا تُبَلِّغُنَا بِہٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْیَقِیْنِ
مَا تُھَوِّنُ بِہٖ عَلَیْنَا مَصَائِبَ الدُّنْیَا
وَالْاٰخِرَةِ۔ (۲)

یا اللہ! ہمیں اپنا خوف اس قدر عطا فرما جو ہمارے
اور تیری نافرمانی کے درمیان حائل ہو جائے ہمیں اس
قدر عبادت کی توفیق عطا فرما جس کے ذریعے تو ہمیں جنت
میں داخل کر دے اور اس قدر یقین عطا فرما جس کے
باعث ہم دنیا اور آخرت کے مصائب کو معمولی سمجھیں۔

اَللّٰھُمَّ امْلَأْ وُجُوْھَنَا مِنْكَ حَیَاۃً، وَقُلُوْبَنَا
مِنْكَ فَرَقًا، وَاَسْكِنْ فِیْ نُفُوْسِنَا مِنْ عَظَمَتِكَ
مَا تُذَلِّلُ بِہٖ جَوَارِحَنَا لِخِدْمَتِكَ وَاجْعَلْكَ
اَللّٰھُمَّ اَحَبَّ اِلَیْنَا مِمَّنْ سِوَاكَ، وَاجْعَلْنَا
اَخْشٰی لَكَ مِمَّنْ سِوَاكَ۔ (۳)

یا اللہ! ہمارے چہروں کو اپنے حیا سے اور دلوں کو خوف
سے بھر دے ہمارے نفسوں میں اپنی عظمت اس
قدر ڈال دے کہ تیری عبادت کے لیے ہمارے اعضاء
جھک جائیں یا اللہ! اپنی ذات کو ہمارے لیے سب سے
زیادہ محبوب بنا دے اور ہمیں یوں کر دے کہ ہم سب
سے زیادہ تجھ سے خوف رکھیں۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ یَوْمِنَا ھٰذَا صَلَاحًا
وَاَوْسَطَہٗ فَلَاحًا وَاٰخِرَہٗ نَجَاحًا اَللّٰھُمَّ
اجْعَلْ اَوَّلَہٗ رَحْمَةً وَاَوْسَطَہٗ نِعْمَةً
وَاٰخِرَہٗ تَكْرِمَةً وَمَغْفِرَةً (۴)

یا اللہ! ہمارے اس دن کے آغاز کو بھلائی، درمیان
کو فلاح اور آخر کو کامیابی بنا دے یا اللہ! اس کے
اول کو رحمت درمیان کو نعمت اور آخر کو باعث عزت
اور بخشش کر دے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ تَوَاضَعَ كُلُّ شَیْءٍ لِعَظَمَتِہٖ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کی عظمت کے

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۲۴ کتاب الدعا
(۲) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۲۸ کتاب الدعا
(۳) کنزالعمال جلد ۲ ص ۱۸۴ حدیث ۳۰۶۴۸
(۴)

وَذَلَّ كُلُّ شَيْءٍ لِعِزَّتِهٖ وَخَضَعَ كُلُّ شَيْءٍ لِمُلْكِهٖ وَاسْتَسْلَمَ كُلُّ شَيْءٍ لِقُدْرَتِهٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَكَنَ كُلُّ شَيْءٍ لِهَيْبَتِهٖ وَاَظْهَرَ كُلَّ شَيْءٍ بِحِكْمَتِهٖ وَتَصَاغَرَ كُلُّ شَيْءٍ لِكِبْرِيَائِهٖ۔ (۱)

سامنے ہر چیز نے تواضع اختیار کی اور اس کی عزت کے سامنے ہر چیز نے سر جھکا لیا اس کی قدرت کے سامنے ہر چیز نے سر تسلیم خم کیا اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کی ہیبت کے سامنے ہر چیز خاموش ہے اور اس نے ہر چیز کو اپنی حکمت کے مطابق ظاہر کیا اور اس ظاہر کیا اور اس کی بڑائی کے سامنے ہر چیز چھوٹی ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِ مُحَمَّدٍ وَّذُرِّيَّتِهٖ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ (۲)

یا اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ آپ کی آل، ازواج مطہرات اور اولاد پر رحمت نازل فرما اور حضرت محمد مصطفیٰ آپ کی آل، ازواج مطہرات اور اولاد پر برکت نازل فرما جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل کو اپنے زمانے کے لوگوں میں برکت عطا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ رَسُوْلِكَ الْاُمِّيْنِ وَاَعْطِهِ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ يَوْمَ الدِّيْنِ۔ (۳)

یا اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما جو تیرے بندے، نبی اور رسول ہیں کسی سے نہ پڑھے ہوئے نبی اور امانتدار رسول ہیں اور قیامت کے دن آپ کو وہ مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَوْلِيَائِكَ الْمُتَّقِيْنَ وَحِزْبِكَ الْمُفْلِحِيْنَ وَعِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ وَاسْتَعْمِلْنَا لِمَرْضَاتِكَ عَنَّا وَوَفِّقْنَا لِمَحَابِّكَ مِنَّا وَصَرِّفْنَا بِحُسْنِ اخْتِيَارِكَ لَنَا۔ (۴)

یا اللہ! ہمیں اپنے متقی دوستوں، فلاح پانے والی جماعت اور صالحین بندوں میں سے کر دے ہم سے اپنی مرضی کا کام کروا اور ہمیں ایسے کاموں کی توفیق دے جو ہم سے اچھے لگیں اور ہمیں اچھی طرح پسند کر کے لوٹانا،

---

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۲۲۸ حدیث ۳۸۷۹

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۷۵ کتاب الصلوٰۃ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۱۹ مرویات ابو مسعود رضی اللہ عنہ

(۴) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۱۷۴ کتاب النوافل

نَسْأَلُكَ جَوَامِعَ الْخَيْرِ وَفَوَاتِحَهٗ وَخَوَاتِمَهٗ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ جَوَامِعِ الشَّرِّ وَفَوَاتِحِهٖ وَخَوَاتِمِهٖ۔ (۱)

یا اللہ! ہم تجھ سے تمام بھلائیوں ان کے آغاز اور اختتام کا سوال کرتے ہیں تمام برائیوں اور ان کے آغاز اختتام سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ بِقُدْرَتِكَ عَلَيَّ تُبْ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، وَبِحِلْمِكَ عَنِّيْ اعْفُ عَنِّيْ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفَّارُ الْحَلِيْمُ وَبِعِلْمِكَ بِيْ ارْفُقْ بِيْ إِنَّكَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ، وَبِمُلْكِكَ لِيْ مَلِّكْنِيْ نَفْسِيْ وَلَا تُسَلِّطْهَا عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ الْمَلِكُ الْجَبَّارُ۔ (۲)

یا اللہ! تجھے مجھ پر جو قدرت حاصل ہے اس کے سبب میری توبہ قبول فرما بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اپنی بردباری کے سبب مجھے معاف کر دے بے شک تو بہت بخشنے والا، بردبار ہے مجھ پر رحم فرما کہ تو میری حالت کو جانتا ہے بے شک تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے تجھے مجھ پر بادشاہی حاصل ہے اس کے واسطے سے مجھے میرے نفس کا مالک بنا دے اور اسے مجھ پر مسلط نہ کر بے شک تو غالب بادشاہ ہے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ إِنَّكَ أَنْتَ رَبِّيْ وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ۔ (۳)

اے اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے برے اعمال کئے اور اپنے نفس پر ظلم کیا تو میرے گناہ بخش دے بے شک تو میرا رب ہے اور گناہوں کو تو ہی بخشتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَقِنِيْ شَرَّ نَفْسِيْ۔ (۴)

یا اللہ! مجھے میری ہدایت دکھا دے اور مجھے میرے نفس کی شرارت سے بچا لے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حَلَالًا لَا تُعَاقِبُنِيْ عَلَيْهِ وَقَنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ وَاسْتَعْمِلْنِيْ بِهٖ صَالِحًا تَقَبَّلْهُ

یا اللہ! مجھے رزقِ حلال عطا فرما اور اس پر مجھ سے باز پرس نہ کرنا اور مجھے جو رزق عطا فرمائے اس پر مجھے صبر عطا کر اور اس کے ذریعے مجھے نیکی کرنے کی توفیق دے

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۲۱۴ حدیث ۳۸۳۰

(۲)

(۳) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۲۷۴ کتاب الذکر

(۴) کتاب الاذکار ص ۳۴۹ کتاب جامع الدعوات

مِنّی۔ (۱)

اور اسے مجھ سے قبول فرما۔

اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَحُسْنَ الْیَقِیْنِ وَالْمُعَافَاۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (۲)

(یا اللہ!) میں تجھ سے عفو و عافیت اور حسن یقین کا اور دنیا و آخرت میں معافی کا سوال کرتا ہوں۔

یَامَنْ لَا تَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُہُ الْمَغْفِرَۃُ هَبْ لِیْ مَالَا یَضُرُّکَ وَاَعْطِنِیْ مَا لَا یَنْقُصُکَ۔

اے وہ ذات جسے گناہ تکلیف نہیں دیتے اور نہ بخشنے سے اسے کوئی کمی آتی ہے مجھے وہ چیز عطا کر جو تجھے نقصان نہیں دیتی اور وہ چیز مرحمت فرما جس سے تجھے کوئی کمی نہیں آتی۔

(۳)

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ۔ (۴)

اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں حالت اسلام میں موت دینا۔

اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ (۵)

تو دنیا اور آخرت میں میرا ولی ہے مجھے حالت اسلام میں موت دینا اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دینا۔

اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ اِنَّا هُدْنَا اِلَیْکَ۔ (۶)

یا اللہ! تو ہمارا مولا ہے پس ہمیں بخش دے اور ہم پہ رحم فرما تو بہترین بخشنے والا ہے ہمارے لیے اس دنیا میں اور آخرت میں بھلائی لکھ دے ہم نے تیری طرف ہی راہ پائی۔

رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْکَ اَنَبْنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ۔ (۷)

اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پہ ہی بھروسہ کیا تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اوّل ص ۵۱۰ کتاب الدعا۔

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۸۴ کتاب الدعا

(۳) تاریخ ابن عساکر جلد ۵ ص ۲۱۲ حرف الراء

(۴) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۱۲۶

(۵) قرآن مجید سورۂ یوسف آیت ۱۰۱

(۶) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۱۵۵، ۱۵۶

(۷) قرآن مجید سورۂ ممتحنہ آیت ۴

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۔ (۱)

اے ہمارے رب ہمیں ظالم قوم کے لیے آزمائش نہ بنانا،

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔ (۲)

اے ہمارے رب! ہمیں ان لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنانا جنہوں نے کفر کیا اور ہمیں بخش دینا بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۔ (۳)

اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارے گناہوں اور ہمارے کاموں میں ہماری زیادتیوں کو بخش دے ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔ (۴)

اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے چلے گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کینہ نہ ڈالنا بے شک تو مہربان رحم کرنے والا ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۔ (۵)

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ (۶)

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما،

رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

اے ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کے لیے بلا رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ پس ہم

---

(۱) قرآن مجید سورۂ یونس آیت ۸۵
(۲) قرآن مجید، سورۂ ممتحنہ آیت ۵
(۳) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۴۷
(۴) قرآن مجید سورۂ حشر آیت ۱۰
(۵) قرآن مجید سورۂ کہف آیت ۱۰
(۶) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۰۱

ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

ایمان لائے اے رب ہمارے رب ہمارے لیے ہمارے گناہوں کو بخش[1] دے اور ہم سے ہماری غلطیوں کو مٹا دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے اے ہمارے رب ہمیں وہ عطا کر جو تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ کیا اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا بیشک تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

(۱)

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۔(۲)

(سورت کے آخر تک)

اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہمیں نہ پکڑنا۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِیْ صَغِيْرًا وَاغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ۔

اے میرے رب مجھے اور میرے والدین کو بخش اور ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔ مومن مردوں اور عورتوں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو بخش دے ان میں سے جو زندہ ہیں اور جو فوت ہو گئے ہیں۔

(۳)

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا نَعْلَمُ وَاَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ وَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا

اے میرے رب بخش دے، رحم فرما اور جو گناہ تیرے علم میں ہیں ان کو معاف فرما دے تو بہت زیادہ عزت و اکرام والا ہے تو سب سے بہتر رحمت کرنے والا ہے اور سب سے اچھا بخشنے والا ہے ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور ہم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے نیکی کرنے اور برائی سے رکنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۹۳ تا ۱۹۴

(۲) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۷۹ ابواب الادب/کتاب الضعفاء الکبیر جلد ۲ ص ۱۸۲ حدیث ۷۰۲.

کتب برتا۔ پر جو آخری نبی ہیں اور آپ کے آل و اصحاب پر درود شریف اور بہت سلام ہو۔ (۱)

استعاذہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول مختلف اقسام کے استعاذہ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (۲)

یا اللہ! میں بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں، بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں نہایت خستہ عمر کی طرف لوٹائے جانے سے تیری پناہ کا طالب ہوں دنیا کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ طَمَعٍ يَهْدِیْ اِلٰی طَبْعٍ وَمِنْ طَمَعٍ فِیْ غَيْرِ مَطْمَعٍ وَمِنْ طَمَعٍ حَيْثُ لَا مَطْمَعَ۔ (۳)

یا اللہ! میں اس لالچ سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو دل پہ مہر لگا دے اور بے محل و بے موقع طمع سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَدُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ وَنَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَمِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ وَمِنَ الْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ، وَمِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ قُلُوْبًا اَوَّاهَةً مُخْبِتَةً مُنِيْبَةً فِیْ سَبِيْلِكَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَ

یا اللہ! میں غیر نفع بخش علم، نہ ڈرنے والے دل، غیر مقبول دعا، نہ پُر ہونے والے نفس سے تیری پناہ چاہتا ہوں (یا اللہ) میں بھوک سے تیری پناہ چاہتا ہوں کیوں کہ یہ میرا ساتھی ہے خیانت سے پناہ مانگتا ہوں وہ بُری راز دار ہے سُستی سے، بزدلی سے بڑھاپے سے اور رسوائی والی عمر سے، فتنہ، دجال اور عذاب قبر سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں یا اللہ! ہم تجھ سے ایسے دل چاہتے ہیں جو بہت نرم، عاجزی کرنے والے اور تیرے راستے کی طرف رجوع کرنے والے ہوں یا اللہ! میں تجھ سے تیری مغفرت کے لوازمات اور تیری رحمت کے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۱۶ مرویات ام سلمہ رضی اللہ عنہ

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۴۲ کتاب الدعوات

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۴۷ مرویات معاذ رضی اللہ عنہ

مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ۔ (۱)

اسباب ہر گناہ سے سلامتی، ہر نیکی کی غنیمت، جنت کے ساتھ کامیابی اور جہنم سے نجات کا سوال کرتا ہوں۔

* * *

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ التَّرَدِّي وَأَعُوذُبِكَ مِنَ الْغَمِّ وَالْغَرَقِ وَالْهَدْمِ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ أَنْ أَمُوتَ فِي سَبِيلِكَ مُدْبِرًا وَأَعُوذُبِكَ مِنْ أَنْ أَمُوتَ فِي تَطَلُّبِ الدُّنْيَا (۲)

یا اللہ! میں گر کر مرنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں غم، ڈوبنے اور دیوار کے نیچے آنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے مرنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں، دنیا کی طلب میں فوت ہونے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَلِمْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْلَمْ۔ (۳)

یا اللہ! جو کچھ میں جانتا ہوں اور جو کچھ نہیں جانتا سب کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنِي مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَدْوَاءِ وَالْأَهْوَاءِ۔ (۴)

یا اللہ! مجھے تیری عادات برے اعمال، بیماریوں اور خواہشات سے دُور رکھ۔

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ۔ (۵)

یا اللہ! میں مصیبت کی سختی بدبختی کے پانے، برے فیصلے اور دشمنوں کے ہنسنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالدَّيْنِ وَالْفَقْرِ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔ (۶)

یا اللہ! میں کفر، قرض اور محتاجی سے تیری پناہ چاہتا ہوں یا اللہ میں عذاب جہنم سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور دجال کے فتنہ سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

---

(۱) مستدرک للحاکم جلد اوّل ص ۵۴۳ کتاب الدعا

(۲) کنز العمال جلد ۲ ص ۱۸۶ حدیث ۳۶۷۰

(۳) کنز العمال جلد ۲ ص ۱۷۹ حدیث ۳۶۲۸

(۴) کنز العمال جلد ۲ ص ۲۱۲ حدیث ۳۸۱۵

(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۷۹ کتاب القدر

(۶) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۳ کتاب الایمان

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَشَرِّ لِسَانِیْ وَقَلْبِیْ وَشَرِّ مَنِیِّیْ۔ (۱)

یا اللہ! میں کان اور آنکھ کے شر، زبان اور دل کے شر اور مادۂ منویہ کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ جَارِ السُّوْءِ فِیْ دَارِ الْمُقَامَۃِ فَاِنَّ جَارَ الْبَادِیَۃِ یَتَحَوَّلُ۔ (۲)

یا اللہ! میں سکونت کے اسے پڑوسی سے تیری پناہ چاہتا ہوں کیوں کہ جنگل (سفر) کا پڑوسی بدل جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْقَسْوَۃِ وَالْغَفْلَۃِ وَالْعَیْلَۃِ وَالذِّلَّۃِ وَالْمَسْکَنَۃِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَالْفُسُوْقِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَضِیْقِ الْاَرْزَاقِ وَالسُّمْعَۃِ وَالرِّیَاءِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الصَّمَمِ وَالْبَکَمِ وَالْعَمٰی وَالْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ وَالْبَرَصِ وَسَیِّءِ الْاَسْقَامِ۔ (۳)

یا اللہ! میں دل کی سختی، غفلت، محتاجی، ذلت اور مسکینی سے تیری پناہ چاہتا ہوں یا اللہ! میں کفر، محتاجی، نافرمانی منافقت، برے اخلاق، رزق کی تنگی اور ریاکاری سے تیری پناہ چاہتا ہوں بہرہ پن، گونگا پن اندھا پن، جنون کوڑھ، برص اور بری بیماریوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِکَ وَمِنْ تَحَوُّلِ عَافِیَتِکَ وَمِنْ فُجَاءَۃِ نِعْمَتِکَ وَمِنْ جَمِیْعِ سَخَطِکَ۔ (۴)

یا اللہ! میں تیری نعمت کے زوال، عافیت کے لوٹ جانے، اچانک آنے والے عذاب اور تیری تمام ناراضگیوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اللھم انی اعوذبک من عذاب النار۔

یا اللہ! میں جہنم کے عذاب، آگ کے فتنہ، قبر کے فتنہ، قبر کے عذاب، مالداری کے فتنہ کے شر اور محتاجی کے فتنہ کے شر اور مسیح دجّال کے فتنہ کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ قرض اور گناہ سے تیری پناہ کا طالب ہوں (۵) یا اللہ! میں ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو ایسے دل سے جو عاجزی نہ کرے بے فائدہ نماز سے اور غیر مقبول دعا سے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۲۹ ما روی عن ابی شبتر

(۲) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۳۲ کتاب الدعا (۳) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۳۰ کتاب الدعا

(۴) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۳۱ کتاب الدعا (۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۴۲ کتاب الدعوات

(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۶۷ مرویات عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

تیری پناہ چاہتا ہوں غم اور سینے کے فتنہ سے بھی تیری پناہ کا طالب ہوں۔(۱)

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الْعَدُوِّ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ(۲) یا اللہ! میں دشمن کے غلبہ اور دشمنوں کے تمسخر کا نشانہ بننے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر تمام عالمین کے منتخب بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اوّل ص ۵۳۱ کتاب الدعا

پانچواں باب

مختلف امور سے متعلق ماثورہ دعائیں

جب صبح ہو جائے اور تم اذان سنو تو مؤذن کو جواب دینا مستحب ہے (واجب ہے) اور ہم اس کا ذکر کر چکے ہیں بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے وقت کی دعائیں نیز وضو کی دعائیں بھی طہارت کے بیان میں ہم نے بیان کر دی ہیں

مسجد کی طرف جاتے وقت کی دعا

جب مسجد کی طرف جاؤ تو یہ دعا مانگو۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوْرًا وَفِي لِسَانِي نُوْرًا وَاجْعَلْ فِي سَمْعِي نُوْرًا وَاجْعَلْ فِي بَصَرِي نُوْرًا وَاجْعَلْ خَلْفِي نُوْرًا وَاَمَامِي نُوْرًا وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِي نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِي نُوْرًا۔ (۱)

یا اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما میری زبان میں میرے کانوں میں میری آنکھوں میں نور پیدا کر دے یا اللہ میرے آگے پیچھے اور اوپر نور ہی نور کر دے یا اللہ مجھے نور عطا فرما یہ دعا بھی مانگے۔

⁂ ⁂ ⁂

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَايَ هٰذَا اِلَيْكَ فَاِنِّي لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا رِيَاءً وَلَا سُمْعَةً، خَرَجْتُ اتِّقَاءَ سُخْطِكَ، وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ، فَاَسْأَلُكَ اَنْ تُنْقِذَنِي مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَ لِي ذُنُوْبِي اِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ (۲)

یا اللہ! میں مانگنے والوں کے تیرے ذمۂ کرم پر حق کے واسطے سے، تیری طرف اس چلنے کے توسل سے تجھ سے سوال کرتا ہوں میں تیری نعمتوں کی ناشکری کرتے ہوئے، اکڑتے ہوئے نیز ریاکاری اور دوسروں کو سنانے کی خاطر نہیں نکلا تیرے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور تیری رضا تلاش کرتے ہوئے نکلا ہوں میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے جہنم کی آگ سے بچا لے اور میرے گناہ بخش دے کیونکہ تو ہی گناہوں کو بخشنے والا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۳۵ کتاب الدعوات

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۱ مرویات ابی سعید رضی اللہ عنہ

گھر سے کسی کام کے لیے نکلتے وقت کی دعا :

بِسْمِ اللهِ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ بِسْمِ اللهِ التُّكْلَانُ عَلَى اللهِ - (۱)

اللہ کے نام سے (نکلتا ہوں) میں ظلم کرنے سے اور یہ کہ مجھ پر ظلم کیا جائے، جہالت کا سلوک کرنے اور جہالت کا شکار ہونے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمت والا مہربان ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کہیں سے طاقت حاصل نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کے نام سے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے۔ (۲)

مسجد میں داخل ہوتے وقت :

مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں اندر رکھو اور پھر یہ پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ جَمِيْعَ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ - (۳)

یا اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ اور آپ کی آل پر رحمت اور سلامتی نازل فرما یا اللہ میرے تمام گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

جب مسجد میں کسی خرید و فروخت کرتے دیکھو تو یوں کہو۔

لَا اَرْبَحَ اللهُ تِجَارَتَكَ - (۴)

اللہ تعالیٰ تجھے تجارت میں نفع نہ دے۔

اور جب مسجد میں کسی کو گمشدہ چیز کا اعلان کرتے دیکھو تو یوں کہو۔

لَا رَدَّهَا اللهُ اِلَيْكَ - (۵)

اللہ تعالیٰ یہ چیز تمہاری طرف نہ لوٹائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے۔ جب صبح کی دو سنتیں پڑھو تو یوں کہو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ

یا اللہ! میں تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں جس کے

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۱۹ کتاب الدعاء

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۸۵ ابواب الدعاء

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۵۶ باب الدعاء عند دخول المسجد

(۴) سنن دارمی جلد اول ص ۲۶۶ حدیث ۱۴۰۸

(۵) سنن دارمی جلد اول ص ۲۶۶ حدیث ۱۴۰۸

تَهْدِیْ بِهَا قَلْبِیْ۔ ذریعے تو میرے دل کو ہدایت دے۔

یہ دعا آخر تک پڑھے جیسا کہ ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے پہلے ذکر کی ہے (۱)

رکوع میں

جب رکوع کرو تو یوں کہو، (یہ نوافل میں ہے فرائض وسنن میں نہیں)

اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَلَكَ خَشَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ اَنْتَ رَبِّیْ خَشَعَ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَمُخِّیْ وَعَظْمِیْ وَعَصَبِیْ وَمَا اسْتَقَلَّتْ بِهٖ قَدَمِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (۲)

یا اللہ! میں نے تیرے لیے رکوع کیا تیرے لیے خشوع کیا تجھ پر ایمان لایا تیرے لیے اسلام لایا تجھ ہی پر بھروسہ کیا تو میرا رب ہے میرے کان، میری آنکھیں، میرا مغز، میری ہڈیاں، میرے پٹھے، اور جو کچھ میرے قدموں نے اٹھایا ہوا ہے (یعنی پورے جسم) سب نے تمام جہانوں کے پالنے والے کے لیے عاجزی کا اظہار کیا۔

اگر تم چاہو تو تین بار "سبحان ربی العظیم" بھی کہو (۳) یا یہ الفاظ ہوں۔

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ۔ (۴)

اللہ تعالیٰ پاک ومقدس ہے وہ فرشتوں اور روح (جبریل علیہ السلام) کا رب ہے۔

رکوع سے سر اٹھاتے وقت

جب رکوع سے سر اٹھاؤ تو یہ کلمات پڑھو۔

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ

اللہ تعالیٰ نے اس کی بات سن لی جس نے اس کی تعریف کی اے ہمارے رب! تیرے ہی لیے تعریف ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھرنے کے برابر ہے اور اس کے علاوہ جو تو چاہے وہ بھری ہوئی تو بزرگی اور تعریف والا ہے جو کچھ بندہ کہتا ہے تو اس کا زیادہ حق دار ہے ہم سب

---

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۶۹ ۴ حدیث ۴۹۸۷
(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۶۳ صلاۃ المسافرین
(۳) سنن ابن ماجہ ص ۶۴ کتاب الصلاۃ
(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۹۲ کتاب الصلوٰۃ

ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ،
(۱)

تیرے بندے ہیں جو کچھ تو عطا کرے اس سے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے تو روکے کوئی شخص دے نہیں سکتا اور کسی شرافت والے کو اس کی شرافت و بزرگی تجھ سے بچا نہیں سکتی۔

سجدے میں جب تم سجدے میں جاؤ تو یوں کہو۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ، فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ، اَللّٰهُمَّ سَجَدَ لَكَ سَوَادِي وَخَيَالِي وَآمَنَ بِكَ فُؤَادِي أَبُوءُ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ بِذَنْبِي وَهٰذَا مَا جَنَيْتُ عَلَى نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ۔
(۲)

یا اللہ میں نے تیرے ہی لیے سجدہ کیا تجھ پر ہی ایمان لایا تیرے ہی لیے اسلام لایا میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا، صورت بخشی اور اس کے کان اور آنکھیں بنائیں اللہ تعالیٰ برکت والا ہے جو بہترین خالق ہے یا اللہ! میری قلب و خیال نے تجھے سجدہ کیا میرا دل تجھ پر ایمان لایا، میں تیری اس نعمت کے ساتھ لوٹتا ہوں جو مجھے عنایت فرمائی اور اپنے گناہ کے ساتھ لوٹتا ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا پس تو مجھے بخش دے تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں۔

یا تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" کہے۔ (۳)

نماز سے فراغت پر جب نماز سے فارغ ہو تو یہ کلمات پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (۴)

یا اللہ! تو سلامتی عطا کرنے والا ہے سلامتی تیری طرف سے ہی ہے اے جلال و عزت والے تو برکت والا ہے۔

اور اس کے علاوہ وہ دعائیں مانگے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۱۹۰ کتاب الصلوٰۃ

(۲) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۲۶۲ صلوٰۃ المسافرین

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۹۴ کتاب الصلوٰۃ

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۷۵ مرویات ثوبان رضی اللہ عنہ

مجلس سے اٹھتے وقت

جب مجلس سے اٹھو تو یہ دعا مانگو۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ عَمِلْتُ سُوْٓءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔ (۱)

یا اللہ! تو پاک ہے اور مستحق حمد ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں میں نے برے عمل کئے اور اپنے نفس پر ظلم کیا پس تو مجھے بخش دے تیرے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا کوئی نہیں۔

بازار میں داخل ہوتے وقت

جب بازار میں داخل ہو تو یوں کہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے وہ زندہ رکھتا اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اس کے لیے موت نہیں بھلائی اسی کے قبضے میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ وَخَيْرَ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُصِيْبَ فِيْهَا يَمِيْنًا فَاجِرَةً اَوْ صَفْقَةً خَاسِرَةً۔ (۳)

اللہ کے نام سے داخل ہوتا ہوں بے شک اس بازار اور جو کچھ اس میں ہے، کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اس بازار اور جو کچھ اس میں ہے کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں یا اللہ! میں اس میں جھوٹی قسم اور نقصان دہ سودے سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

قرض کی ادائیگی کے لیے

اگر تم پر قرض ہو تو یہ دعا مانگو۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۲۱ ۴ کتاب الذکر

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۶۲ ابواب التجارات

(۳) مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۶ باب الاستعاذہ

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ۔ (۱)

یا اللہ! مجھے حرام سے بچاتے ہوئے اپنے مال کے ساتھ کفایت فرما اور اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنے غیر سے بے نیاز کر دے۔

نیا لباس پہنتے وقت

جب نیا لباس پہنو تو یوں کہو۔

اَللّٰھُمَّ کَسَوْتَنِیْ ھٰذَا الثَّوْبَ فَلَکَ الْحَمْدُ اَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِہٖ وَخَیْرِ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ۔ (۲)

یا اللہ! تو نے مجھے یہ لباس پہنایا تو تیرے لیے حمد ہے میں اس کی بھلائی اور جس مقصد کے لیے یہ بنایا گیا اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی برائی اور جس مقصد کے لیے یہ بنایا گیا اس کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ناپسندیدہ بات دیکھنے پر

جب کوئی بدشگونی محسوس ہو تو یوں کہو۔

اَللّٰھُمَّ لَا یَاْتِیْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا یَذْھَبُ بِالسَّیِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ (۳)

یا اللہ! نیکی لانے والا بھی تو ہے اور برائی کو لے جانے والا بھی تو ہی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی طاقت حاصل نہیں ہوتی۔

چاند دیکھتے وقت

جب چاند دیکھو تو یہ دعا مانگو۔ اور اس سے پہلے تین مرتبہ اللہ اکبر کہو۔

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالْبِرِّ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، وَالْحِفْظِ عَمَّنْ تَسْخَطُ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ۔

یا اللہ! اس چاند کو ہمارے لیے امن، ایمان، نیکی، سلامتی، اسلام، اپنی چاہت اور رضا کے مطابق عمل کی توفیق اپنی ناراضگی والے اعمال سے حفاظت کا ذریعہ بنا (اے چاند!) میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ (اور یہ بھی کہے)

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۳۸ کتاب الدعا۔
(۲) کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص ۴، باب ما یقول اذا استجد ثوبا
(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۹۱ کتاب الکھانۃ،
(۴) سنن دارمی جلد اول ص ۳۳۶ کتاب الصوم

هِلَالُ رُشْدٍ وَخَيْرٍ، آمَنْتُ بِخَالِقِكَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الشَّهْرِ وَخَيْرَ الْقَدَرِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ يَوْمِ الْحَشْرِ۔ (۱)

ہدایت و بھلائی کا چاند ہے اے چاند! میں تیرے خالق پر ایمان لایا یا اللہ! میں تجھ سے اس مہینے کی بھلائی اور اچھی تقدیر کا سوال کرتا ہوں اور اس سے پہلے تین بار اللہ اکبر کہے روز قیامت کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

آندھی چلتے وقت

جب آندھی چلے تو یہ دعا مانگو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ۔ (۲)

یا اللہ! میں تجھ سے اس ہوا کی بھلائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی، جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اس کے شر اس میں جو کچھ ہے اس کے شر اور جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

کسی کی وفات پر

جب تمہیں کسی کی وفات کی خبر پہنچے۔ تو یوں کہو۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ (۳) (ترجمہ نیچے ہے)

اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ (۴)

بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور بے شک ہم نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ (۵)
اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

یا اللہ اسے نیکو کاروں میں لکھ دے اس کے نامہ اعمال کو اعلیٰ علیین میں کر دے اور اس کے پسماندگان کی حفاظت و نگہبانی فرما یا اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کرنا اور نہ اس کے بعد ہمیں فتنے میں ڈالنا ہمیں اور اسے بخش دے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۳۹ کتاب الادب / مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۲۹ مروایت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
(۲) جامع ترمذی ص ۴۹۷ ابواب الدعوات۔
(۳) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۵۶
(۴) قرآن مجید سورۂ زخرف آیت ۱۴
(۵) کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۵۱ باب ما یقول اذا بلغہ وفاۃ اخیہ

صدقہ دیتے وقت

صدقہ دیتے وقت یہ دعا مانگو:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۱)

اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی سننے جاننے والا ہے۔

نقصان اٹھانے پر

جب کوئی نقصان ہو تو یہ پڑھے۔

عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ (۲)

عنقریب ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر عطا فرمائے گا بیشک ہم اپنے رب کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں۔

کام کا آغاز کرتے وقت

جب کوئی کام شروع کریں تو یہ پڑھیں۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ (۳)

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ۔ (۴)

اے میرے رب میرے لیے میرے سینے کو کھول دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے۔

آسمان کی طرف دیکھتے وقت

جب آسمان کی طرف نظر اٹھے تو یوں پڑھو۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (۵)

اے ہمارے رب تو نے اسے بیکار نہیں بنایا تو پاک ہے پس ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

تَبٰرَكَ اللّٰهُ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا۔ (۶)

اللہ تعالیٰ برکت والا ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں چراغ اور روشن چاند بنایا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ بقرۃ آیت ۱۲۷
(۲) قرآن مجید، سورۃ ن آیت ۳۲
(۳) قرآن مجید سورۃ کہف آیت ۱۰
(۴) قرآن مجید، سورۃ طٰہٰ آیت ۲۵، ۲۶
(۵) قرآن مجید سورۃ آل عمران آیت ۱۹۱
(۶) قرآن مجید سورۃ فرقان آیت ۶۱

گرج سننے پر

جب آسمان پر گرج کی آواز سنو تو یوں کہو۔

سُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهٖ۔ (۱)

وہ ذات پاک ہے کہ گرج بھی اس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے۔

بجلی چمکنے پر

جب آسمان پر بجلی چمکتے دیکھو تو یوں پڑھو۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔ (۲)

یا اللہ! ہمیں اپنے غضب کے ساتھ نہ مارنا اور نہ اپنے عذاب کے ساتھ ہلاک کرنا ہمیں اس سے پہلے عافیت عطا فرما۔

بارش برسنے پر

جب آسمان سے بارش برسے تو یوں کہو۔

اَللّٰهُمَّ سَقْيًا هَنِيْئًا وَصَيِّبًا نَافِعًا۔ (۳)

یا اللہ! ایسی بارش برسا جو سیراب کرنے والی خوشگوار ہو پہنچنے والی اور نفع بخش ہو۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ صَيِّبَ رَحْمَةٍ وَلَا تَجْعَلْهُ صَيِّبَ عَذَابٍ۔ (۴)

یا اللہ! اسے حصول رحمت کا ذریعہ بنا عذاب کا باعث نہ بنانا۔

غصہ آنے پر

جب غصہ آئے تو یہ دعا مانگو۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَاَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِيْ وَاَجِرْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ (۵)

یا اللہ! میرے گناہ بخش دے میرے دل سے غصہ لے جا اور مجھے شیطان مردود سے پناہ دے۔

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ جلد اول ص ۳۹ ذکر ما یتعلق بخلق السموات

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۰۰، ۱۰۱ مرویات ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۳۵۶ کتاب صلاۃ الاستسقاء

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۹۰ مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا

(۵) کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۲۲ باب ما یقول اذا غضب

ڈر کے وقت | جب کسی قوم سے ڈر ہو تو یہ دعا مانگو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ۔ (۱)

یا اللہ ہم ان کے مقابلے میں تیری مدد کے طالب ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

جہاد کے وقت | جب دشمنانِ اسلام سے لڑائی ہو تو یہ الفاظ کہو۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِیْرِیْ وَبِکَ اُقَاتِلُ۔ (۲)

یا اللہ! تو میری قوت و مددگار ہے اور میں تیرے نام پر لڑتا ہوں۔

کان کے بولنے پر | جب تمہارا کان بولنے لگے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجو اور یہ کہو۔

ذَکَرَ اللہُ مَنْ ذَکَرَنِیْ بِخَیْرٍ۔ (۳)

جو آدمی بھلائی کے ساتھ میرا ذکر کرے اللہ تعالٰے اسے یاد فرمائے۔

قبولیتِ دعا پر | جب دیکھو کہ تمہاری دعا قبول ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ کلمات کہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔ (۴)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کی عزت و جلال کے ساتھ نیکیاں مکمل ہوتی ہیں۔

قبولیتِ دعا میں تاخیر پر | جب دیکھو کہ دعا کی قبولیت میں تاخیر ہو گئی ہے تو یوں کہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (۵)

ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۵ مرویات ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۸۴ مرویات انس بن مالک

(۳) کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۶ باب مایقول اذا طنت اذنہ

(۴) الدر المنثور جلد اول ص ۱۹۶

(۵) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۴۹۹ کتاب الدعاء

اذانِ مغرب سننے پر

جب مغرب کی اذان سنو تو یوں کہو۔

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا اِقْبَالُ لَیْلِکَ وَاِدْبَارُ نَھَارِکَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِکَ وَحُضُوْرِ صَلَوَاتِکَ اَسْئَلُکَ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ۔ (۱)

یا اللہ! یہ تیری رات کے آنے، دن کے جانے اور دن کے جانے کا وقت ہے نیز تیری طرف بلانے والوں کی آوازیں ہیں اور تیری نمازوں کی حاضری میں تجھ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں۔

غم پہنچنے پر

جب تمہیں کوئی غم پہنچے تو یوں کہو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ، نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ، مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ، عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُکَ، اَسْئَلُکَ بِکُلِّ اسْمٍ ھُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ اَوْ اَنْزَلْتَہٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوْ عَلَّمْتَہٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ، اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجِلَاءَ غَمِّیْ وَذَھَابَ حُزْنِیْ وَھَمِّیْ۔ (۲)

یا اللہ! میں تیرا بندہ تیرے بندے کا بیٹا اور تیری باندی کا بیٹا ہوں میری پیشانی تیرے قبضے میں ہے مجھ پر تیرا حکم نافذ ہوتا ہے تیرے فیصلے میں انصاف ہے میں تیرے ہر نام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جو نام تو نے خود اپنے لیے رکھا ہے یا اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا علم غیب میں اسے اختیار کیا ہے کہ قرآن پاک کو میرے دل کی بہار، سینے کا نور غم کا ازالہ اور پریشانی کو لے جانے والا بنا دے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کو کوئی پریشانی لاحق ہو اور وہ یہ (مندرجہ بالا) دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کے غم کو لے جاتا ہے اور اس کی جگہ فرحت و سرور عطا کرتا ہے۔
عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا ہم اسے سیکھ نہ لیں؟ آپ نے فرمایا بلکہ جو بھی اسے سیکھے یاد کر لے۔

جسم میں درد پر

جب تمہارے جسم میں یا کسی کے جسم میں درد محسوس ہو تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دم کیا کرو کہ جب کسی شخص کو کوئی زخم وغیرہ ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شہادت کی انگلی زمین

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد اول ص ۴۱۰ کتاب الصلوٰۃ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۹۱ مرویات عبد اللہ رضی اللہ عنہ

ن پر رکھتے اور پھر اٹھا کر یوں پڑھتے۔

بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرُقْيَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا۔ (۱)

اللہ کے نام سے ہماری زمین کی مٹی ہمارے بعض کے دم کے ساتھ ہمارے رب کے حکم سے ہمارے بیمار کو شفا ہو۔

نیز جب جسم میں درد ہو تو درد کی جگہ پر انگلی رکھ کر تین بار بسم اللہ پڑھو اور سات مرتبہ یوں کہو۔

اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کی عزت و قدرت کے ساتھ اس تکلیف کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں جسے میں پاتا ہوں یا جس کا مجھے ڈر ہے۔

کلیف پہنچنے پر

جب کوئی تکلیف پہنچے تو یوں کہو۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْحَلِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بلند، بردبار ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا رب ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ساتوں آسمانوں اور عزت والے عرش کا رب ہے۔

سونے کا ارادہ ہو تو

جب تم سونے کا ارادہ کرو تو پہلے وضو کرو پھر قبلہ رُخ ہو کر دائیں ہاتھ کو تکیہ بناؤ پھر چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، تینتیس بار سبحان اللہ اور تینتیس بار الحمد للہ پڑھو پھر یہ دعا مانگو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَاتِكَ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ لَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اَبْلُغَ ثَنَاءً عَلَيْكَ وَلَوْ حَرَصْتُ وَلٰكِنْ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔ (۴)

یا اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے، تیرے عفو کے ساتھ تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں یا اللہ میں تیری تعریف اچھی طرح نہیں کر سکتا اگرچہ اس کی حرص کروں لیکن تیری وہی شان ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۹۳ مروایت عائشہ رضی اللہ عنہا

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۲۴ کتاب السلام

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۰۴ کتاب التوحید۔ (۴) سنن دارقطنی جلد اول ص ۱۴۳ حدیث ۳۵

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَحْیَا وَاَمُوْتُ ۔ (۱)

یا اللہ! میں تیرے نام سے زندہ رہتا ہوں اور مروں گا۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَمَلِیْکَہٗ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی وَمُنْزِلَ التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ، اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ کُلِّ ذِیْ شَرٍّ وَمِنْ شَرِّ کُلِّ دَابَّۃٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا، اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ، وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاھِرُ فَلَیْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَكَ شَیْءٌ اِقْضِ عَنِّی الدَّیْنَ وَاَغْنِنِیْ مِنَ الْفَقْرِ ۔ (۲)

اے اللہ! آسمانوں کے رب، زمین کے رب اور ہر چیز کے رب اور مالک، دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے تورات انجیل اور قرآن پاک کو اتارنے والے میں ہر شر والی چیز کے شر سے، ہر جانور جو تیرے قبضہ میں ہے، کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں تو سب سے پہلے ہے تجھ سے پہلے کچھ نہیں تو آخر ہے اور تیرے بعد کچھ نہیں ہوگا تو ظاہر ہے تجھ سے اوپر کچھ نہیں تو پوشیدہ ہے اور تجھ سے ادھر کچھ نہیں میرا قرض ادا کر دے اور مجھے محتاجی سے بے نیاز کر دے۔

(۲)

اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ خَلَقْتَ نَفْسِیْ وَاَنْتَ تَتَوَفَّاھَا، لَكَ مَمَاتُھَا وَمَحْیَاھَا، اَللّٰھُمَّ اِنْ اَمَتَّھَا فَاغْفِرْ لَھَا وَاِنْ اَحْیَیْتَھَا فَاحْفَظْھَا، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۔ (۳)

یا اللہ! تو نے مجھے پیدا کیا اور تو ہی مجھے موت دے گا میرے نفس کی موت اور زندگی تیرے قبضے میں ہے یا اللہ! اگر تو اسے موت دے تو بخش دینا اور اگر زندہ رکھے تو اس کی حفاظت کرنا یا اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں خیریت کا سوال کرتا ہوں۔

بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ ۔ (۴)

اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ ۔ (۵)

یا اللہ! جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا اس دن مجھے اپنے عذاب سے بچا لینا۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۸ کتاب الذکر والدعاء
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۸۱ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ
(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۷۹ مرویات ابن عمر رضی اللہ عنہما
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۶۲ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ
(۵) سنن ابن ماجہ ص ۲۸۵ ابواب الدعاء

اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْكَ وَوَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْكَ رَغْبَةً وَّرَھْبَةً اِلَیْكَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ۔ (۱)

یا اللہ! میں نے اپنے نفس کو تیرے سپرد کیا اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کیا اپنا کام تیرے حوالے کیا تیری رحمت کی امید اور عذاب سے ڈرتے ہوئے اپنی پیٹھ کو تیری پناہ میں دیا تیرے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں میں تیری کتاب پہ ایمان لایا جو تو نے نازل کی اور تیرے نبی پر ایمان لایا جسے تو نے بھیجا۔

سوتے وقت تیری آخری دعا یہی ہونی چاہیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا اور اس سے پہلے یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ اَیْقِظْنِیْ فِیْ اَحَبِّ السَّاعَاتِ اِلَیْكَ وَاسْتَعْمِلْنِیْ بِاَحَبِّ الْاَعْمَالِ اِلَیْكَ تُقَرِّبُنِیْ اِلَیْكَ زُلْفٰی وَتُبْعِدُنِیْ مِنْ سَخَطِكَ بُعْدًا اَسْاَلُكَ فَتُعْطِیْنِیْ وَاَسْتَغْفِرُكَ فَتَغْفِرُلِیْ وَاَدْعُوْكَ فَتَسْتَجِیْبُ لِیْ۔ (۲)

یا اللہ! جو ساعت تجھے سب سے زیادہ پسند ہے اس میں مجھے بیدار کر دینا اور مجھے اس عمل میں لگانا جو تیرے نزدیک محبوب ترین ہے وہ مجھے تیرے بہت قریب کر دے اور تیرے عذاب سے بہت دور کر دے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تو مجھے عطا فرما تجھ سے بخشش چاہتا ہوں مجھے بخش دے اور تجھ سے دعا مانگتا ہوں اسے قبول فرما۔

بیداری کے وقت

جب صبح کے وقت نیند سے بیدار ہو تو یوں دعا مانگو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ (۳)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْعَظْمَةُ وَالسُّلْطَانُ لِلّٰهِ وَالْعِزَّةُ وَالْقُدْرَةُ لِلّٰهِ۔ (۴)

ہم نے اور تمام ملک نے اللہ تعالیٰ کے لیے صبح کی۔ عظمت اور بادشاہی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور عزت و قدرت ہی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۳۴ کتاب الدعوات

(۲)

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۳۶ کتاب الدعوات

(۴) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۱۱۴ کتاب الاذکار

اَصْبَحْنَا عَلٰی فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ وَعَلٰی دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِلَّةِ اَبِيْنَا اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (۱)

ہم نے فطرتِ اسلام، کلمۂ اخلاص اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور اپنے باپ حضرت ابراہیم کی ملت پر صبح کی وہ ہر باطل سے جدا تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے۔

اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔ (۲)

یا اللہ! ہم نے تیرے نام کے ساتھ صبح کی تیرے نام پر شام کی تیرے نام پر ہی زندہ ہیں اور اسی پر مریں گے اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ اَنْ تَبْعَثَنَا فِي الْيَوْمِ اِلٰی كُلِّ خَيْرٍ وَنَعُوْذُبِكَ اَنْ نَجْتَرِحَ فِيْهِ سُوْءًا اَوْ نَجُرَّهُ اِلٰی مُسْلِمٍ۔ (۳)

یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ آج مجھے ہر بھلائی کی طرف اٹھا اور ہم آج کے دن برائی کرنے یا کسی مسلمان کو برائی پہنچانے سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

یا اللہ! تو نے ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰی اَجَلٌ مُّسَمًّی۔ (۴)

اور وہی اللہ ہے جو تمہیں رات کو موت دیتا ہے اور وہ جانتا جو کچھ تم دن کو کماتے ہو پھر تمہیں اس میں اٹھاتا ہے تاکہ مقررہ وقت پورا کرے۔

اَللّٰهُمَّ فَالِقَ الْاِصْبَاحِ جَاعِلَ اللَّيْلِ سَكَنًا وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ حُسْبَانًا اَسْاَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَخَيْرَ مَا فِيْهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا فِيْهِ۔ (۵)

اے اللہ! صبح کو نکالنے والے رات کو سکون کا باعث اور سورج چاند کو حساب کا ذریعہ بنانے والے میں تجھ سے اس دن کی بھلائی اور اس میں جو کچھ ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اس کے شر اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۰۷، ۴۰۶ مرویات عبدالرحمن ابن ابزی رضی اللہ عنہ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۴ مرویات ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۳۷، ۳۳۸ کتاب الادب

(۴) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۶۰

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۰ ص ۲۰۹ کتاب الدعاء

بِسْمِ اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ كُلُّ نِعْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَلْخَيْرُ كُلُّهُ بِيَدِ اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا يَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کے نام سے (بیدار ہوتا ہوں) جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قوت نہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے تمام بھلائی اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے برائی کو صرف اللہ تعالیٰ ہی دور کرتا ہے۔

رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا (۲)

میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (۳)

اے ہمارے رب! ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے۔

شام کی وقت کی دعا

جب شام کا وقت ہو تو بھی یہی مذکورہ بالا دعائیں مانگے۔ البتہ لفظ "اَصْبَحْنَا" کی بجائے "اَمْسَيْنَا" (ہم نے شام کی) پڑھیں اور اس کے علاوہ یہ دعا بھی مانگیں۔

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ وَاَسْمَائِهٖ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا ذَرَاَ وَبَرَاَ (۴) وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ وَّمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (۵)

میں اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات اور اس کے تمام ناموں کے ساتھ اس کی تمام مخلوق کے شر سے اور ہر شر والی چیز کے شر سے اور ہر جانور کے شر سے پناہ چاہتا ہوں (اے اللہ!) سب کچھ تیرے قبضے میں ہے اور بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے۔

شیشہ دیکھتے وقت

جب شیشہ دیکھے تو کہے۔

---

(۱)

(۲) کنز العمال جلد ۲ ص ۶۳۸ حدیث ۴۹۶۰

(۳) قرآن مجید، سورۃ ممتحنہ آیت ۴

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۱۹ حدیث عبد الرحمن بن خنبش

(۵) کنز العمال جلد ۲ ص ۶۳۸ حدیث ۴۹۶۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَوّٰی خَلْقِیْ وَ كَرَّمَ صُوْرَةَ وَجْهِیْ وَحَسَّنَهَا وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ (۱)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میری تخلیق اعتدال سے بنائی میرے چہرے کی صورت کو اچھا بنایا اور اسے خوبصورت کیا نیز مجھے مسلمانوں کی جماعت میں شامل کیا۔

کچھ خریدتے وقت

جب تم کوئی خادم یا غلام یا جانور خریدو (اب انسانوں کی خرید و فروخت نہیں ہوتی) تو اس کی پیشانی پکڑ کر یوں کہو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَالُكَ خَیْرَهٗ وَخَیْرَ مَا جُبِلَ عَلَیْهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا جُبِلَ عَلَیْهِ ۔ (۲)

یا اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس فطرت پہ اسے رکھا گیا اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر اور جس شر پر اسے پیدا کیا گیا اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

نکاح کی مبارک باد پیش کرتے وقت

جب تم نکاح کی مبارک باد پیش کرو تو یوں کہو۔

بَارَكَ اللّٰهُ فِیْكَ وَبَارَكَ عَلَیْكَ وَجَمَعَ بَیْنَكُمَا فِیْ خَیْرٍ (۳)

اللہ تعالیٰ تجھے اس میں برکت دے اور اسے تمہارے لیے بابرکت بنائے اور تم دونوں کو بھلائی کے ساتھ اکٹھا رکھے۔

ادائیگی قرض کے وقت

جب تم قرض ادا کرو تو جس کا قرض ادا کیا ہے اس کے لیے یہ الفاظ کہو۔

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِیْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ (۴)

اللہ تعالیٰ تجھے تیرے اہل و مال میں برکت عطا فرما۔

کیوں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ ۔ (۵)

بے شک قرض کا بدلہ شکریہ ادا کرنا اور ادائیگی قرض ہے۔

تو یہ وہ دعائیں ہیں کہ آخرت کا ارادہ کرنے والا ان کو یاد کرنے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ سفر، نماز،

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۱۳۹ کتاب الاذکار

(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۹۲ کتاب النکاح

(۳) کتاب الاذکار ص ۲۵۱ ما یقال للزوج عند عقد النکاح

(۴) سنن نسائی جلد ۲ ص ۲۲۷

(۵) سنن نسائی جلد ۲ ص ۲۲۷

وضو وغیرہ کی دعائیں ہم نے حج، نماز اور طہارت کے بیان میں ذکر کر دی ہیں۔

دعا کا فائدہ

اگر تم کہو کہ دعا کا کیا فائدہ ہے حالانکہ قضا کو کوئی چیز ٹال نہیں سکتی تو نہیں جاننا چاہیئے کہ دعا کے ذریعے مصیبت کو ٹالنا بھی تو قضاء ہے تو دعا مصیبت کو دور کرنے کا سبب ہے اور حصول رحمت کا ذریعہ ہے جیسے ڈھال تیر کو دور کرنے کا اور پانی زمین سے سبزیوں کو نکالنے کا ذریعہ ہے تو جس طرح ڈھال، تیر کو دور کر دیتی ہے اور دونوں کے درمیان مقابلہ ہوتا ہے اسی طرح دعا اور مصیبت بھی ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قضاء قدر کا اعتراف کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہتھیار نہ اٹھائے جائیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

خُذُوْا حِذْرَکُمْ۔ (۱) اپنا بچاؤ اختیار کرو۔

اور یہ بھی نہیں ہوتا کہ زمین میں بیج ڈالنے کے بعد اسے پانی نہ دیا جائے پس کہا جائے کہ اگر تقدیر میں سبزی کا اگنا ہوا تو بیج سے سبزی پیدا ہوگی اور اگر تقدیر میں نہ ہوا تو نہ ہوگی۔

بلکہ مسبب کا سبب سے متعلق ہونا تقدیر اول ہے۔ اسے قضا کہتے ہیں جس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ پلکنے جھپکنے یا اس سے بھی جلدی ہے پھر اسباب کی تفصیل کے مطابق، مسببات کا ان سے متعلق ہونا تدریجاً ہوتا ہے اور یہ تقدیر ہے تو جس نے بھلائی کی تقدیر مقرر کی اس نے سبب کے ساتھ اس کو مقرر کیا اور جس نے شر کو مقدر کیا اسے بھی سبب کے ساتھ متعلق کیا ہے لہذا جسے بصیرت حاصل ہو اس کے نزدیک ان میں کوئی تضاد نہیں۔

پھر دعا کا فائدہ جو ہم نے ذکر کے ضمن میں لکھا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کی حاضری ہوتی ہے اور عبادت کا بنیادی مقصد یہی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ (۲) دعا، عبادت کا مغز ہے۔

مخلوق کا عام معاملہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف ان کے دل اسی وقت متوجہ ہوتے ہیں جب کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے یا مصیبت پڑتی ہے کیونکہ جب انسان کو تکلیف پہنچے تو لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے تو دعا کی ضرورت رہتی ہے اور دعا کی وجہ سے انسان کا دل انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس سے ذکر حاصل ہوتا ہے جو سب سے بہتر عبادت ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام، اولیاء عظام اور پھر ان کے بعد نیک لوگوں پر حسب مراتب

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۷

(۲) جامع ترمذی ص ۸۰۶ ج ۲ ابواب الدعوات

مصائب نازل ہوتے ہیں کیوں کہ اس صورت میں دل اللہ تعالیٰ کا محتاج ہو کر عاجزی اور گڑگڑاہٹ کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ بات اسے بھولنے سے روکتی ہے جب کہ مال داری عام طور پر تکبر کا باعث ہوتی ہے کیونکہ انسان جب اپنے آپ کو مالدار دیکھتا ہے تو سرکشی کرتا ہے جو اذکار اور دعائیں ہم ذکر کرنا چاہتے تھے وہ ہم نے ذکر کر دی ہیں اللہ تعالیٰ ہی بھلائی کی توفیق دینے والا ہے ــــــ باقی دعائیں جو کھانے، سفر اور بیماری سے متعلق ہیں وہ انشاء اللہ اپنے مقام پر آئیں گی۔ اور اسی پر بھروسہ ہے۔ ذکر اور دعاؤں کا بیان مکمل ہوا۔ اس کے بعد ان شاء اللہ اوراد کا بیان ہوگا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اور ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ اور آپ کی آل و صحابہ پر رحمت ہو۔

وظائف کی ترتیب اور قیامِ لیل کی فضیلت

یہ احیاء العلوم کا دسواں بیان ہے اور اس کے ساتھ کتاب کا چوتھا حصہ جو عبادات سے متعلق ہے اختتام پذیر ہو جائے گا۔
ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا بے حد شکر ادا کرتے ہیں اور اس کا اس انداز میں ذکر کرتے ہیں جس سے دل میں تکبر اور نفرت باقی نہ رہے اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے رات اور دن کو ذکر یا شکر کا ارادہ کرنے والوں کے لیے آنے جانے والا بنایا، ہم اس کے اس نبی پر درود بھیجتے ہیں جسے اس نے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، اور آپ کی پاکیزہ آل اور عزت والے صحابہ کرام پر رحمت ہو جنہوں نے صبح و شام اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوشش کی حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک دین میں ایک راستہ دکھانے والا ستارہ اور روشن چراغ بن گیا۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد! اللہ تعالیٰ نے زمین کو اپنے بندوں کے لیے نرم بنایا اس لیے نہیں کہ اس کے اونچے محلات میں مستقل ٹھکانہ بنالیں بلکہ اسے منزل قرار دے کہ اس سے سامان سفر حاصل کریں جو انہیں ان کے سفر میں ان کے وطن تک پہنچائے اور اس سے اپنے عمل اور فضل کے تحفے جمع کریں اس کے پھندوں اور مہلکات سے بچیں، اور یقین کریں کہ زندگی ان کو اس طرح لے جاتی ہے جس طرح کشتی اپنے سوار کو لے جاتی ہے پس لوگ اس جہاں میں مسافر ہیں اور ان کی پہلی منزل پنگھوڑا اور آخری منزل قبر ہے وطن جنت یا جہنم ہے عمر، سفر کی مسافت ہے، اس کے سال مراحل اور مہینے فرسخ ہیں، دن میل اور سانس قدم ہیں، عبادت پونجی ہے، وقت اصل مال ہے شہوتیں اور اغراض ڈاکو ہیں اور اس کا نفع سلامتی کے گھر میں بڑی سلطنت اور ہمیشہ کی نعمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے ذریعے کامیابی حاصل کرنا ہے اس کا نقصان اللہ تعالیٰ سے دوری اور اس کے ساتھ عبرتناک سزائیں طوق اور جہنم کے مختلف درجات میں دردناک عذاب ہے تو جو شخص ایک سانس بھی غفلت میں گزارے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ذریعے قرب حاصل نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اتنا نقصان اٹھائے گا اور اسے اس قدر حسرت ہوگی جس کی کوئی انتہا نہیں اسی بڑے خطرے اور ہولناک کام کے لیے اہل توفیق مستعد ہوئے انہوں نے خواہشات نفسانیہ کو مکمل طور پر چھوڑ دیا۔ اور باقی عمر کو غنیمت سمجھتے ہوئے تکرار اوقات کے مطابق وظائف کو ترتیب دیا جبار بادشاہ کے قرب کے لیے رات اور دن کو زندہ رکھنے کی حرص کی اور دائمی گھر کے لیے کوشش کی طریقت آخرت کے علم میں اہم بات یہ ہے کہ وظائف کی تقسیم اور اوقات کے اندازے پر جس طرح پہلے گزر گیا عبادت کی تقسیم کے طریقے کو تفصیلاً بیان کیا جائے اور یہ بات دو بابوں کے ذکر سے واضح ہوگی۔

پہلا باب :۔ وظائف کی فضیلت اور رات دن میں ان کی ترتیب۔

دوسرا باب :۔ قیام لیل کا طریقہ، اس کی فضیلت اور اس سے متعلق دیگر امور۔

پہلا باب

وظائف کی فضیلت ان کی ترتیب اور احکام

وظائف کی فضیلت اور اس بات کا بیان کہ ان پر ہمیشہ کے لیے عمل پیرا ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا راستہ ہے۔

جان لو! نورِ بصیرت سے دیکھنے والے جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے بغیر نجات نہیں اور اس کی ملاقات کا صرف یہی راستہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی پہچان میں دنیا سے رخصت ہو اور محبت و انس کا حصول تب ہوتا ہے جب محبوب کا ذکر ہمیشہ کیا جائے اور اس کی معرفت تب حاصل ہوتی ہے جب مسلسل اس کی ذات، صفات اور افعال کے بارے میں غور و فکر کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا کچھ موجود نہیں اور ذکر و فکر کا دوام اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک دنیا اور اس کی خواہشات کو چھوڑ نہ دے اور ضرورت سے زائد کو ترک نہ کرے اور یہ سب کچھ اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جب وہ رات اور دن کے اوقات میں اذکار و افکار کے وظائف میں مصروف رہے۔

اور جب نفس فطری طور پر ملال میں پڑ جاتا ہے تو وہ ذکر و فکر کے اسباب معینہ میں سے کسی ایک فن پر صبر نہیں کرتا بلکہ جب اسے ایک طریقے کی طرف لوٹایا جائے تو وہ ملال اور بوجھ کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا بلکہ تم تھک جاتے ہو اور اس کے کرم کا تقاضا ہے کہ وہ ایک فن سے دوسرے فن کی طرف منتقل کرنے کے ساتھ سکون پہنچاتا ہے اسی طرح ایک قسم سے دوسری قسم کی طرف لے جاتا ہے اور یہ وقت کے اعتبار سے ہوتا ہے تاکہ دوسری طرف منتقل ہونے سے لذت زیادہ ہو اور لذت کی وجہ سے رغبت میں اضافہ ہو اور جب رغبت دائمی ہوگی تو اس عمل میں دوام آئے گا اسی لیے اوراد و وظائف کو مختلف قسموں میں بانٹ دیا گیا ہے تو چاہیے کہ ذکر و فکر تمام اوقات یا اکثر اوقات کو گھیر لیں کیوں کہ نفس فطری طور پر دنیوی لذتوں کی طرف مائل ہوتا ہے اگر بندہ اپنے اوقات کا نصف حصہ دنیوی تدبیروں اور جائز خواہشات پر صرف کرے اور دوسرا نصف عبادت میں صرف کرے تو میلان دنیا کی طرف ہی ہوگا کیونکہ وہ طبیعت کے موافق ہے تو اگرچہ وہ وقت کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن یہ کیسے برابر ہوں گے جب کہ طبیعت ان میں سے ایک کو ترجیح دے رہی ہے کیوں کہ ظاہر و باطن امور دنیا پر معاون ہیں اور ان کی طلب میں دل صاف اور خالی ہے جب کہ عبادت کی طرف دل کو تکلف لگایا جاتا ہے اس سلسلے میں دل کا خلوص اور حاضری صرف بعض اوقات میں سلامت رہتی ہے تو جو شخص کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ اپنے اوقات کو عبادت میں مصروف رکھے

اور جو شخص اپنی نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کرنا اور ترجیح دینا چاہتا ہے وہ اپنے اکثر اوقات کو عبادت میں گزارے اگر اچھے اور برے عمل مل جائیں تو معاملہ خطرناک ہے لیکن امید ختم نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے معافی کی انتظار ہوتی ہے ممکن ہے وہ اپنے جود و کرم سے بخش دے یہ وہ بات ہے جو نور بصیرت سے دیکھنے والوں پر منکشف ہوتی ہے اگر تو اس کا اہل نہیں تو اللہ تعالیٰ کے اس خطاب کو دیکھ جو اس نے اپنے رسول سے فرمایا اور نور ایمان سے اس کو سمجھو اللہ تعالیٰ نے اس بندے سے جو سب سے زیادہ قریب اور سب سے بلند مرتبے والا ہے،

ارشاد فرمایا:

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔ (۱)

بے شک آپ کے لیے دن میں بہت زیادہ مصروفیات ہیں تو آپ اپنے رب کا نام یاد کریں اور سب سے قطع تعلق کر کے اس کے ہو جائیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا۔ (۲)

اور صبح و شام اپنے رب کا نام یاد کریں اور رات کے وقت اسے سجدہ کریں اور زیادہ رات تک اس کی تسبیح بیان کریں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ (۳)

اور اپنے رب کی تسبیح بیان کریں طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب سے پہلے اور رات کے وقت اور نمازوں کے بعد اس کی تسبیح کریں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ۔ (۴)

اور اپنے رب کی تسبیح کریں جب کھڑے ہوں اور رات کا کچھ حصہ اور جب ستارے چلے جائیں تو اس کی پاکیزگی بیان کریں۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ مزمل آیت ۷، ۸

(۲) قرآن مجید سورۂ دھر آیت ۲۵، ۲۶

(۳) قرآن مجید سورۂ ق آیت ۳۹، ۴۰

(۴) قرآن مجید سورۂ طور آیت ۴۸، ۴۹

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا۔ (۱)

بے شک رات کا اٹھنا سختی سے روندتا ہے اور بات کو درست کرتا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ (۲)

رات کی گھڑیوں اور دن کے کناروں میں تسبیح کریں تاکہ آپ خوش ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ (۳)

اور دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصے میں نماز قائم کریں بے شک نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کامیاب بندوں کی کس طرح اور کن الفاظ کے ساتھ تعریف فرمائی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ، قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ (۴)

کیا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں کھڑا رہتا ہے آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے فرما دیجئے کیا اہل علم اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں (برابر نہیں ہو سکتے)

اور ارشاد خداوندی ہے:

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا۔ (۵)

ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں وہ خوف اور امید کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ مزمل آیت ۶
(۲) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۰
(۳) قرآن مجید سورۂ ہود آیت ۱۱۴
(۴) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۹
(۵) قرآن مجید، سورۂ سجدہ آیت ۱۶

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا۔ (۱)

اور وہ لوگ جو اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام میں رہتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ اللَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (۲)

وہ لوگ رات کو کم سویا کرتے تھے اور وہ سحری کے وقت بخشش مانگتے تھے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ۔ (۳)

پس اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرو جب تم شام کرتے اور جب صبح کرتے ہو۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ (۴)

اور آپ ان لوگوں کو (اپنے آپ سے) دور نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرتے ہوئے صبح و شام اسی کو پکارتے ہیں۔

یہ تمام آیات تمہارے لیے واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا راستہ یہ ہے کہ اپنے تمام وقت کی حفاظت کرتے ہوئے انہیں اوراد و وظائف میں صرف کیا جائے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَحَبُّ عِبَادِ اللّٰهِ اِلَی اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُرَاعُوْنَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالْاَظِلَّةَ لِذِکْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔ (۵)

اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ بندے ہیں جو سورج، چاند اور سایوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے دیکھتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) قرآن مجید سورۂ فرقان آیت ۶۴

(۲) قرآن مجید سورۂ الذاریات آیت ۱۷، ۱۸

(۳) قرآن مجید سورۂ روم آیت ۱۷

(۴) قرآن مجید سورۂ انعام آیت ۵۲

(۵) الدر المنثور جلد ۳ ص ۳۴ تحت آیت فالق الاصباح

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۔ (۱) | سورج اور چاند حساب بتانے والے ہیں۔

اور ارشادِ خداوندی ہے :

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ۔ (۲)

کیا تم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ اس نے سائے کو کیسے بڑھایا اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا دیتا پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنے قبضہ میں کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ (۳) | اور ہم نے چاند کے لیے منزلیں مقرر کیں۔

اور ارشاد فرمایا :

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۔ (۴)

اور وہی ذات ہی جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تا کہ تم ان کے ذریعے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں راستہ پاؤ۔

تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ سورج اور چاند کے چلنے سے ایک منظوم و مرتب حساب مقصود ہے اور سائے، روشنی اور ستاروں کی تخلیق کا مطلب یہ ہے کہ ان سے دینوی امور پر مدد حاصل کی جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کے ذریعے اوقات کی مقدار معلوم کر کے ان اوقات کو عبادات اور آخرت کے لیے تجارت میں صرف کیا جائے۔

اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی تمہاری راہنمائی کرتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا ۔ (۵)

اور وہی ذات ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے لگایا اس شخص کے لیے جو ذکر کرنا چاہتا ہے یا شکر گزار بندہ بننا چاہتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ رحمٰن آیت ۵

(۲) قرآن مجید سورۂ فرقان آیت ۴۵، ۴۶

(۳) قرآن مجید سورۂ یٰسین آیت ۳۹

(۴) قرآن مجید سورۂ انعام آیت ۹۷

(۵) قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۶۲

یعنی رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں تاکہ ایک وقت میں کوئی عمل رہ جائے تو دوسرے وقت میں اس کا تدارک کر لے۔ اور واضح فرمایا کہ یہ بات ذکر و شکر کے لیے ہے کسی اور مقصد کے لیے نہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ۔ (۱)

اور ہم نے رات اور دن کو نشانیاں بنایا پس ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو دیکھنے کے لیے بنایا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور سالوں کی گنتی اور حساب کو جان لو۔

جس فضل کی تلاش کا حکم ہے وہ ثواب اور مغفرت ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے اس چیز کے لیے حسن توفیق کا سوال کرتے ہیں جس پر وہ راضی ہے۔

وظائف کی تعداد اور ترتیب

جان لو! دن کے وظائف سات ہیں۔

طلوعِ فجر سے سورج کی ٹکیہ کے طلوع تک ایک وظیفہ ہے، سورج کے طلوع ہونے سے زوال تک دو وظیفے ہیں، زوال سے عصر تک دو وظیفے اور عصر سے مغرب تک دو وظیفے ہیں۔

رات کے وظائف چار قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں مغرب سے لوگوں کے سونے تک دو وظیفے اور رات کے دوسرے نصف سے طلوعِ فجر تک دو وظیفے تو ہم ہر وِرد اور وظیفہ کی فضیلت اور اس سے متعلق امور کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلا وظیفہ:

یہ صبح کے طلوع ہونے سے طلوعِ آفتاب تک ہے یہ نہایت عمدہ وقت ہے اور اس کی فضیلت و شرافت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ارشاد فرمایا:

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (۲)

صبح کی قسم جب وہ سانس لے۔

اور اس وقت کے ذریعے اپنی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ۔ (۳)

وہ رات کو پھاڑ کر دن کو نکالنے والا ہے۔

اور فرمایا:

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۶۲
(۲) قرآن مجید، سورۂ تکویر آیت ۱۸
(۳) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۹۶

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ (۱) آپ فرما دیجئے میں پھاڑنے والے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اس وقت سائے کو سمیٹنے کے ذریعے اپنی قدرت کا یوں اظہار فرمایا:

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا (۲) پھر ہم نے اس سائے کو کچھ وقت کے لیے سکیڑ دیا۔

یہ وہ وقت ہے جب رات کا سایہ سورج کی روشنی پھیلنے کے باعث قبض کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت لوگوں کو تسبیح کی راہنمائی فرمائی۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (۳) صبح و شام اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرو۔

اور ارشاد فرمایا:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا۔ (۴) اور سورج کے طلوع سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرو۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمِنْ اٰنَاۤئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى (۵) اور رات کی گھڑیوں اور دن کے کناروں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو تاکہ تم خوش رہو۔

اور ارشادِ خداوندی ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (۶) اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کرو۔

ترتیب:۔

یہ وظیفہ جاگنے سے شروع کر دے جب جاگے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ابتداء کرتے ہوئے کہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں موت (نیند) کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فلق آیت ۱
(۲) قرآن مجید سورۂ فرقان آیت ۴۶
(۳) قرآن مجید سورۂ روم آیت ۱۷
(۴) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۰
(۵) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۰
(۶) قرآن مجید سورۂ دھر آیت ۲۵

اس کے علاوہ وہ تمام دعائیں اور آیات پڑھے جو ہم نے کتاب الدعوات میں جاگنے کے وقت کی دعا کے سلسلے میں ذکر کی ہیں۔ دعا کی حالت میں ہی لباس پہنے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ستر عورت کی نیت کرے اور ستر عورت کی نیت کرے اور یہ نیت کرے کہ وہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مدد حاصل کرتا ہے لیکن نہ تو ریاکاری مقصود ہو اور نہ ہی تکبر کا اظہار کرے، پھر طہارت خانے میں جائے اگر ضرورت محسوس کرے وہاں پہلے بایاں پاؤں اندر رکھے اور وہ دعائیں مانگے جو ہم نے طہارت کے بیان میں بیت الخلاء میں جانے اور وہاں سے نکلنے کے سلسلے میں ذکر کی ہیں پھر سنت کے مطابق مسواک کرے جیسے پہلے بیان ہوا اور تمام سنتوں نیز ان دعاؤں کی رعایت کرتے ہوئے جو ہم نے کتاب الطہارۃ میں بیان کی ہیں، وضو کرے ہم تمام عبادات کا فرداً فرداً ذکر کر چکے ہیں اب صرف ترکیب و ترتیب کے طریقے پر ذکر کریں گے۔

پس جب وضو سے فارغ ہو جائے تو فجر کی دو رکعتیں یعنی سنتیں اپنے گھر میں پڑھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے (۱) ان دو رکعتوں کے بعد وہ دعا پڑھے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے چاہے سنتیں گھر میں پڑھے یا مسجد میں۔ یوں کہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَھْدِیْ بِھَا قَلْبِیْ۔ الخ (۲)

اے اللہ! میں تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں کہ تو اس کے ذریعے میرے دل کو ہدایت عطا فرما۔

پھر گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جائے اور مسجد کی طرف جاتے وقت کی دعا نہ چھوڑے نماز کے لیے دوڑ کر نہ جائے بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ جائے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے (۳) انگلیوں کو انگلیوں میں نہ ڈالے اور مسجد میں یوں داخل ہو کہ دایاں پاؤں پہلے رکھے اور مسجد میں داخل ہونے کی وہ دعا مانگے جو حدیث شریف سے ثابت ہے (۴) پھر مسجد کی پہلی صف میں جائے اگر اس میں گنجائش ہو لیکن نہ تو لوگوں کی گردنیں پھلانگے اور نہ بھیڑ کرے جیسا کہ جمعہ کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اور اگر صبح کی سنتیں پڑھ چکا ہے تو اب تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھے (۵)

پھر جماعت کی انتظار میں بیٹھ جائے اور مستحب یہ ہے کہ اندھیرے میں نماز پڑھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵۶ باب التہجد۔

(۲) کنز العمال جلد ۲ ص ۴۰۹ حدیث ۳۹۸۷۔

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۲۴ کتاب الجمعۃ۔

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۲۵ مرویات ابو سعید

(۵) طلوع فجر کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ نفل پڑھنا جائز نہیں لہٰذا تحیۃ المسجد نہ پڑھے ۱۲ ہزاروی

نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ (۱)

نماز باجماعت بالخصوص صبح اور عشاء کی جماعت کو کبھی نہ چھوڑے کیونکہ ان دونوں کی زیادہ فضیلت ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے صبح کی نماز کے بارے میں فرمایا۔

مَنْ تَوَضَّأَ ثُمَّ تَوَجَّهَ إِلَى الْمَسْجِدِ لِيُصَلِّيَ فِيهِ الصَّلَاةَ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ حَسَنَةٌ وَمُحِيَ عَنْهُ سَيِّئَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا فَإِذَا صَلَّى ثُمَّ انْصَرَفَ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ فِي جَسَدِهِ حَسَنَةٌ وَانْقَلَبَ بِحَجَّةٍ مَبْرُورَةٍ فَإِنْ جَلَسَ حَتَّى يَرْكَعَ الضُّحَى كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ رَكْعَةٍ أَلْفَا أَلْفِ حَسَنَةٍ وَمَنْ صَلَّى الْعَتَمَةَ فَلَهُ مِثْلُ ذَلِكَ وَانْقَلَبَ بِعُمْرَةٍ مَبْرُورَةٍ۔ (۲)

جس نے وضو کیا پھر مسجد کی طرف چلا تا کہ اس میں نماز پڑھے تو ہر قدم کے بدلے اس کے لیے ایک نیکی ہو گی اور اس سے ایک گناہ مٹایا جائے گا۔ اور ایک نیکی کا ثواب دس کے برابر ہو گا پس جب نماز پڑھ لے اور طلوع آفتاب کے بعد واپس لوٹے تو اس کے جسم کے ہر بال کے بدلے اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور وہ مقبول حج کے ساتھ واپس لوٹتا ہے اور اگر وہاں بیٹھا رہے اور چاشت کی نماز بھی پڑھے تو اس کے لیے ایک رکعت کے بدلے بیس لاکھ نیکیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جو آدمی عشاء کی نماز پڑھے تو اسے اس کی مثل ثواب ملے گا اور وہ مقبول عمرہ کے ساتھ لوٹے گا۔

بزرگوں کی عادت تھی کہ وہ طلوع فجر سے پہلے مسجد میں داخل ہوتے تھے ایک تابعی فرماتے ہیں میں طلوع فجر سے پہلے مسجد میں داخل ہوا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی وہ پہلے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے فرمایا اے بھتیجے! تم اس وقت گھر سے کیوں باہر آئے ہو؟ میں نے عرض کیا صبح کی نماز کے لئے۔ انہوں نے فرمایا تمہیں خوشخبری ہو ہم اس وقت گھر سے آکر مسجد میں بیٹھنے کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کی طرح قرار دیتے تھے یا انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے برابر سمجھتے تھے۔ (۳)

---

(۱) حدیث شریف میں آتا ہے صبح کو سفید کر دو اس کا ثواب زیادہ ہے تو دونوں احادیث میں یوں تطبیق ہو گی کہ اندھیرے میں شروع کر کے روشنی میں ختم کرے لہذا جس قدر قرأت کرنا ہو اس کے مطابق ایسے وقت پر شروع کریں کہ اختتام روشنی میں ہو۔ ۱۲ ہزاروی

(۲) کنز العمال جلد ۷، ص ۵۰۴، حدیث ۲۰۳۱۶

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصے میں تشریف لائے تو میں اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سوئے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کیا تم نماز نہیں پڑھتے ؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ! ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں جب وہ انہیں اٹھانا چاہیے گا اٹھو جائیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے میں نے سنا کہ آپ واپس جاتے ہوئے اپنا ہاتھ اپنی ران پر مارتے ہوئے فرما رہے تھے "اور انسان بہت جھگڑالو ہے"(۱) پھر فجر کی دو سنتوں اور دعا کے بعد استغفار اور تسبیح میں مشغول رہے یہاں تک کہ نماز کھڑی ہو جاتے دعا مانگتے ہوئے ستر مرتبہ یہ الفاظ کہے۔

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ۔	میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ خود زندہ دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے اور میں اس کے ہاں توبہ کرتا ہوں۔

۞ ۞ ۞

اور ایک سو مرتبہ یوں پڑھے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔	اللہ تعالیٰ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

پھر فرض نماز پڑھے اور ان تمام باطنی اور ظاہری آداب کا خیال رکھے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے جب نماز سے فارغ ہو جائے تو طلوع آفتاب تک مسجد میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے جس کی ترتیب ہم ذکر کریں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَأَنْ أَقْعُدَ فِيْ مَجْلِسٍ أَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهِ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ إِلٰى طُلُوْعِ الشَّمْسِ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَعْتِقَ أَرْبَعَ رِقَابٍ۔ (۲)	صبح کی نماز کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک مسجد میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو سورج کے طلوع ہونے تک اپنے مصلّٰی پر بیٹھے رہتے (۳) بعض روایات میں ہے کہ آپ دو رکعتیں پڑھتے۔ یعنی سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھتے، اس نماز کی فضیلت میں بے شمار روایات آتی ہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے رب کی رحمت میں سے ذکر کرتے تھے آپ فرماتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

---

(۱)
(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۶۰ کتاب العلم
(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۰۵ مرویات جابر بن سمرہ۔

يَا ابْنَ آدَمَ اذْكُرْنِي بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ سَاعَةً وَبَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ سَاعَةً اَكْفِكَ مَا بَيْنَهُمَا۔ (۱)

اے انسان مجھے فجر کی نماز کے بعد ایک ساعت اور نماز عصر کے بعد ایک ساعت یاد کر میں ان دونوں وقتوں کے درمیان تجھے کفایت کروں گا۔

جب یہ فضل ظاہر ہو تو بیٹھ جائے اور طلوع آفتاب تک گفتگو نہ کرے بلکہ طلوع تک اس کا وظیفہ چار باتوں پر مشتمل ہونا چاہیئے، دعائیں، ذکر اور اسے تسبیح کی صورت میں دہرائے قرآن پاک کی تلاوت اور غور و فکر۔

جہاں تک دعاؤں کا تعلق ہے تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد شروع کر دے اور یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَاِلَيْكَ يَعُوْدُ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

اے اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی آل پر رحمت و سلام نازل فرما یا اللہ! تو سلامتی والا ہے تیری طرف سے سلامتی ہے اور سلامتی تیری طرف لوٹتی ہے اے ہمارے رب ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھنا اور ہمیں سلامتی کے گھر میں داخل کرنا اے جلال اور عزت والے تو برکت والا ہے

⁂ ⁂ ⁂

پھر اس دعا سے شروع کرے جس کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آغاز فرمایا کرتے تھے وہ یہ ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَلِيِّ الْاَعْلَى الْوَهَّابِ (۱) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَهْلُ النِّعْمَةِ وَالْفَضْلِ، وَالثَّنَاءِ الْحَسَنِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ (۲)

میرا رب پاک ہے وہ بلند و بالا اور عطا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اسکا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور کسی کے لیے تعریف ہے وہ زندہ رکھتا اور مارتا ہے وہ خود زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی اسی کے قبضے میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ نعمت و فضل عطا کرنے والا ہے اور اچھی ثنا کے لائق ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں اگرچہ کافروں کو ناپسند ہو۔

---

(۱) کنز العمال جلد اول ص ۲۰۴ حدیث ۹۵۰۔

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴ ۵ مرویات مسلمہ بن رکوع

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ ص ۱۸۵ کتاب الصلوٰۃ

پھر وہ دعائیں پڑھے جو ہم نے دعاؤں کے بیان میں تیسرے اور چوتھے باب میں ذکر کی ہیں اگر ممکن ہو تو یہ تمام دعائیں یا ان میں سے جو اس کے حال کے موافق ہوں، دل کو زیادہ نرم کرنے والی اور زبان پر آسان ہوں وہ یاد کرلے۔
جہاں تک اذکار مکررہ کا تعلق ہے تو یہ وہ کلمات ہیں جنہیں بار بار پڑھنے کی فضیلت آئی ہے ہم ان کا ذکر کرکے بات طویل کرنا چاہتے کم از کم تین یا سات اور زیادہ سے زیادہ ایک سو یا ستر بار پڑھے درمیانی تعداد دس ہے۔ جس قدر وقت ہو اس کے حساب سے پڑھے زیادہ کی فضیلت بھی زیادہ ہے اعتدال یہ ہے کہ دس مرتبہ پڑھے اور ہمیشہ پڑھنے کے لئے یہ زیادہ لائق ہے۔
کیوں کہ بہترین کام وہی ہوتا ہے جسے ہمیشہ کیا جائے اگرچہ کم ہو اور کسی بھی وظیفہ کو زیادہ ہونے کی صورت میں ہمیشہ نہیں کیا جاسکتا پس تھوڑا اور دائمی افضل ہے اور تھوڑا وظیفہ دل پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے جب کہ زیادہ ہو اور کبھی کبھی ہو تو یہ مؤثر نہیں ہوتا تھوڑے اور دائمی عمل کی مثال پانی کے قطروں جیسی ہے جو زمین پر مسلسل پڑتے ہیں تو وہاں ایک گڑھا بن جاتا ہے اگرچہ یہ پتھر پڑیں اور زیادہ متفرق وظیفہ اس پانی کی طرح ہے جو ایک ہی مرتبہ پڑتا ہے یا متفرق طور پر مختلف اوقات میں پڑتا ہے تو اس کے اثرات ظاہر نہیں ہوتے۔

کلمات ذکر ذکر کے کلمات دس ہیں:

۱- لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (نوٹ) ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے۔

۲- سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ (۱)

۳- سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِکَةِ وَالرُّوْحِ۔ (۲) (ملائکہ اور جبریل علیہ السلام کا رب پاک اور مقدس ہے)

۴- سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِهٖ (۳) میں اللہ تعالیٰ عظمت والے کی تسبیح سے حمد کرتا ہوں۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۸۹ کتاب الاذکار
(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۹۲ کتاب الصلوٰۃ
(۳) کنزالعمال جلد ۲ ص ۲۳۸ حدیث نمبر ۳۹۱۷

۵- اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَسْاَلُهُ التَّوْبَةَ۔ (۱)

میں عظمت والے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ قائم رکھنے والا ہے اور میں اس سے توبہ کا سوال کرتا ہوں۔

۶- اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (۲)

یا اللہ تو جسے عطا کرے اس سے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو نہ دے اس کو کوئی دے نہیں سکتا اور کسی دولتمند (خاندانی شرافت والے) کو اس کی دولت (یا خاندانی شرافت) فائدہ نہیں دیتی (جب تک اعمال اچھے نہ ہوں)

۷- لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ (۳)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ سچا روشن بادشاہ ہے۔

۸- بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۴)

اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور وہی سننے جاننے والا ہے۔

۹- اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِیِّكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔ (۵)

یا اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تیرے بندے، نبی اور رسول ہیں کسی سے نہ پڑھے ہوئے نبی ہیں، اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما۔

۱۰- اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ۔ (۶)

میں اللہ تعالیٰ سننے جاننے والے کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے۔ اے میرے رب میں شیطانوں کے وسوسوں سے پناہ چاہتا ہوں اور تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ (شیطان) حاضر ہوں۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۱۵۰ حدیث نمبر ۳۵۴۶
(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۷۹ کتاب القدر
(۳) کنز العمال جلد ۲ ص ۲۳۳ حدیث ۳۸۹۰
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۶۲ مرویات عثمان بن عفان
(۵) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۵۸۴
(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۰۵ مرویات ابو سعید خدری

جب ان دس کلموں میں سے ہر ایک کو دس دس بار پڑھا جائے تو سو کی تعداد پوری ہو جاتی ہے اور ہر ایک ذکر سو بار پڑھنے سے بہتر ہے کیونکہ ان میں سے ہر کلمے کی الگ فضیلت ہے اور دل کو ہر ایک سے الگ تنبیہ اور لذت حاصل ہوتی ہے اور جب ایک کلمہ سے دوسرے کلمہ کی طرف منتقل ہوتا ہے تو نفس کو ایک گونہ راحت ملتی ہے اور ملال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

جہاں تک قرأت کا تعلق ہے تو ان تمام آیات کو پڑھنا مستحب ہے جن کی فضیلت کے بارے میں احادیث وارد ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ سورۂ فاتحہ (۱) (۲) آیت الکرسی (۲) (۳) سورۂ بقرہ کی آخری آیات (جو آمن الرسول سے شروع ہوتی ہیں) (۳) (۴) شہد اللہ آخر تک آیت (۴) (۵) قل اللھم مالک الملک (دو آیات) (۵) (۶) لقد جاءکم رسول من انفسکم (آخر تک) (۶) (۷) لقد صدق اللہ رسولہ الرویا بالحق (آخر تک) (۷) (۸) الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا (ایک آیت) (۸) (۹) سورۂ حدید کی پہلی پانچ آیات (۹) سورۂ حشر کی آخری تین آیات۔ (۱۰)

اور اگر مسبعات عشر (تفصیل آگے آرہی ہے) پڑھے جو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ کو بطور ہدیہ دے کر انہیں وصیت کی وہ صبح شام ان کو پڑھیں تو اس طرح فضیلت مکمل ہو جائے گی اور تمام دعاؤں کی فضیلت جمع ہو جائے گی۔

حضرت کرز بن وبرہ رحمہ اللہ جو ابدال میں سے تھے فرماتے ہیں میرے پاس میرا ایک بھائی شام سے آیا اور اس نے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۴ کتاب التفسیر

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۷۵۱ فضائل القرآن

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۷۵۱ فضائل القرآن۔

(۴) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۸، کنز العمال جلد اول ص ۵۰۰ حدیث ۲۵۷۵

(۵) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۲۶، کنز العمال جلد ۲ ص ۶۷۹ حدیث ۵۰۵۶

(۶) قرآن مجید سورۂ توبہ آیت ۱۲۸، الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۹۵

(۷) قرآن مجید سورۂ فتح آیت ۲۷، الدر المنثور جلد ۶ ص ۷۰

(۸) قرآن مجید سورۂ اسراء آیت ۱۱۱، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۹ مرویات انس الجہنی

(۹) قرآن مجید سورۂ نمبر ۵۷) الدر المنثور جلد ص اول ۲۸

(۱۰) قرآن مجید سورۂ نمبر ۵۹) الدر المنثور جلد ۶ ص ۲۰۲

مجھے ایک تحفہ دیا اور کہا اے کرز! مجھ سے یہ تحفہ قبول کر دیہ بہترین ہدیہ ہے میں نے پوچھا اے بھائی! تجھے یہ تحفہ کس نے دیا ہے انہوں نے کہا مجھے ابراہیم تیمی نے دیا ہے میں نے کہا کیا تم نے ابراہیم تیمی سے نہیں پوچھا کہ ان کو کس نے دیا؟ انہوں نے کہا ہاں اس نے پوچھا ہے وہ فرماتے تھے میں کعبۃ اللہ کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا اور «سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ، الحمد للہ» پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کرنے میں مصروف تھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے مجھے سلام کیا پھر وہ میری داہنی جانب بیٹھ گیا میں نے اپنی زندگی میں ایسا خوبصورت اتنے عمدہ کپڑوں، اتنے زیادہ سفید بالوں اور اتنی خوشبو والا کوئی شخص نہیں دیکھا میں نے پوچھا اے اللہ کے بندے! تو کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ اس نے کہا میں خضر ہوں، میں نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا تجھے سلام کرنے آیا ہوں اور تجھ سے محض اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہوں اور میرے پاس ایک تحفہ ہے جو تجھے دینا چاہتا ہوں میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تم سورج طلوع ہونے اور اگر سے باہر زمین پر پھیلنے سے پہلے نیز غروب آفتاب سے پہلے۔ سورۃ فاتحہ، قل اعوذ برب الناس، قل اعوذ برب الفلق، قل ہو اللہ احد، قل یا ایہا الکفرون اور آیت الکرسی سات سات بار پڑھا کرو سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر سات مرتبہ پڑھو، بارگاہ رسالت میں سات بار ہدیہ درود شریف بھیجو اپنے لیے اپنے والدین اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لیے سات بار استغفار کرو اور سات مرتبہ یہ دعا مانگو۔

اَللّٰهُمَّ افْعَلْ بِيْ وَبِهِمْ عَاجِلًا وَّاٰجِلًا فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مَا اَنْتَ لَهٗ اَهْلٌ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا يَا مَوْلَانَا مَا نَحْنُ لَهٗ اَهْلٌ اِنَّكَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ جَوَادٌ كَرِيْمٌ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

یا اللہ میرے ساتھ اور ان سب کے ساتھ ابھی اور آخرت میں دین، دنیا اور آخرت سے متعلق وہ برتاؤ کرنا جو تیرے شایان شان ہے اور اے ہمارے مولا ہمارے ساتھ وہ سلوک نہ کرنا جس کے ہم مستحق ہیں بے شک تو بخشنے والا، بردبار، سخی، کریم، مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

اور یاد رکھو اس وظیفہ کو صبح و شام نہ چھوڑنا۔ (حضرت ابراہیم تیمی فرماتے ہیں) میں نے پوچھا تمہیں یہ عطیہ کس نے دیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا مجھے یہ عطیہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے میں نے کہا مجھے اس کے ثواب کی خبر دیجئے انہوں نے کہا کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو تو اس کا ثواب پوچھنا آپ بتا دیں گے حضرت ابراہیم تیمی فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ فرشتے ان کے پاس آئے اور ان کو اٹھا کر لے گئے حتیٰ کہ انہیں جنت میں داخل کر دیا چنانچہ انہوں نے جو کچھ اس میں تھا دیکھا اور جو عظیم امور جنت میں دیکھے بیان کئے، فرماتے ہیں میں نے فرشتوں سے پوچھا یہ کس کے لیے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو تمہارے اس عمل جیسا عمل کریں وہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے وہاں کے پھل کھائے اور پانی پیا فرماتے ہیں سرکار دوعالم

صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ ستر انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتوں کی ستر صفیں تھیں ہر صف، مشرق ومغرب کے درمیان فاصلے کے برابر تھی۔ آپ نے سلام کرتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خضر علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ انہوں نے آپ سے یہ حدیث سنی ہے آپ نے فرمایا حضرت خضر علیہ السلام نے سچ فرمایا ہے اور وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ سچ ہے وہ زمین والوں کے عالم ہیں ابدال کے رئیس ہیں اور وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جو شخص میری طرح یہ عمل کرے اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا ہے وہ نہ دیکھے تو کیا اسے بھی وہ کچھ ملے گا جو آپ نے مجھے عطا فرمایا؟ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا وہ اس وظیفہ پر عمل کرنے والے ہر شخص کو عطا فرمائے گا اگرچہ وہ مجھے اور جنت کو نہ دیکھے اور اس کے وہ تمام کبیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے جو اس نے کئے اللہ تعالیٰ اس سے اپنے غضب اور عذاب کو دور کر دے گا اور بائیں طرف کے فرشتے کو حکم دے گا کہ وہ ایک سال تک اس کے ذمہ کوئی گناہ نہ لکھے وہ ذات جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے اس پر وہی عمل کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے خوش بخت پیدا کیا اور اسے وہی چھوڑے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے بدبخت بنایا۔ حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ نے چار مہینے تک کچھ کھایا نہ پیا اور شاید یہ اس خواب کے بعد کی بات ہے (۱)

یہ قرأت قرآن کا وظیفہ ہے اگر اس پر اپنے معمول کی منزل کا اضافہ کرے یا صرف یہی پڑھے دونوں طرح صحیح ہے کیوں کہ قرآن پاک ذکر، فکر اور دعا سب کو جمع کرتا ہے جب کہ تدبر کے ساتھ ہو جیسا کہ ہم نے تلاوت کے باب میں اس کی فضیلت اور آداب کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

وظائف میں سے ایک وظیفہ غور و فکر کرنا ہو، کس چیز میں غور و فکر کرے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ اس کی تفصیل نجات دینے والے امور کے ضمن میں تفکر کے بیان میں آئے گی لیکن اس کا مجموعہ دو فنون پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک یہ کہ نفع بخش معاملات میں غور و فکر کرے یعنی جو کوتاہیاں ہو چکی ہیں ان کے بارے میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور آئندہ دن جو سامنے ہے کے وظائف کو ترتیب دے نیکی کے راستے میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو دور کرنے کے بارے میں سوچ و بچار کرے اپنی کوتاہی کو یاد کرے اور ان باتوں کو بھی جو اس کے اعمال میں خلل ڈالتی ہیں تاکہ وہ عمل کو درست کرے اور اپنی ذات نیز مسلمانوں سے معاملات کے سلسلے میں اچھی نیتوں کو دل میں حاضر کرے۔

---

(۱) بعض حضرات نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے اور کہا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو حضور علیہ السلام سے ملاقات ثابت نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ انکار کی کوئی وجہ نہیں اور نہ ہی اس میں ملاقات کا ذکر ہے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تحفہ حاصل کرنے کا ذکر ہے اور وہ خواب کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے واللہ اعلم بالصواب ۱۲ ہزاروی۔

دوسرا فن وہ ہے جو علم مکاشفہ ہیں اسے نفع دے وہ یہ کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی ظاہری باطنی نعمتوں کے سلسل آنے کے بارے میں سوچے تاکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ ہو اور ان نعمتوں پر اس کا زیادہ شکر کرے یا اس کی سزاؤں اور عقوبتوں میں غور کرے تاکہ معبود کی قدرت اور بے نیازی کی پہچان زیادہ سے زیادہ حاصل ہو اور ان سزاؤں وغیرہ سے زیادہ ڈرے اور ان تمام امور کے کئی شعبے ہیں کہ بعض لوگوں کو ان میں غور و فکر کی گنجائش ہوتی ہے اور بعض کو نہیں۔ ہم ان باتوں کو تفکر کے باب میں بیان کریں گے اور جب غور و فکر آسان ہو جائے تو یہ سب سے زیادہ فضیلت والی عبادت ہے کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے اور دو باتیں زائد بھی ہیں۔

ایک بات معرفت کا زائد ہونا ہے کیونکہ غور و فکر معرفت اور کشف کی چابی ہے اور دوسری بات محبت کا اضافہ ہے کیونکہ دل میں اسی کی محبت ہوتی ہے جس کی تعظیم کا عقیدہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا انکشاف اسی وقت ہوتا ہے جب اس کی صفات اس کی قدرت اور افعال کے عجائب کی معرفت ہو تو غور و فکر سے معرفت حاصل ہوتی ہے معرفت سے تعظیم اور تعظیم سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور ذکر بھی اُنس پیدا کرتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی محبت ہے لیکن جو محبت، معرفت کے باعث پیدا ہوتی ہے وہ زیادہ مضبوط، زیادہ ثابت اور بہت عظیم ہوتی ہے عارف کی محبت اور ذاکر جو مکمل طور پر دیکھے بغیر اُنس حاصل کرتا ہے اس کے اُنس کے درمیان نسبت اسی طرح ہے جیسے ایک شخص جس نے کسی شخص کے حسن و جمال کو آنکھوں سے دیکھ کر عشق کیا اور وہ اس کے اخلاق، افعال، فضائل اور خصائل حمیدہ پر تجربہ کی بنیاد پر مطلع ہوا اس کے عشق کو اس آدمی کے اُنس سے نسبت ہو جس کے کانوں میں کسی آدمی کے اوصاف بار بار سنائی دیئے اور وہ آدمی اس کی آنکھوں سے غائب ہے اور اس نے اس کے اوصاف کسی تفصیل کے بغیر اجمال کے ساتھ سنے تو اس کی محبت اس آدمی کی محبت کی طرح نہیں ہے جس نے دیکھ کر محبت کی ہے کیوں کہ خبر، دیکھنے کے برابر نہیں ہوتی۔ وہ بندے جو اپنے دل اور زبان سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور جو کچھ رُسل عظام لاتے اس کی تصدیق کرتے ہیں لیکن ان کا ایمان تقلیدی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے چند مجمل امور کو جانتے ہیں اور ان کو اس کی تصدیق پر مانتے ہیں جس نے ان کے سامنے بیان کیا۔

اور عارفین وہ ہیں جنہوں نے اس جلال و جمال کو باطنی بصیرت کی آنکھ سے دیکھا جو ظاہری آنکھ سے زیادہ مضبوط ہے کیونکہ کوئی بھی شخص اس کے جلال و جمال کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا اور یہ بات مخلوق کی طاقت سے باہر ہے لیکن ہر شخص نے اسی قدر مشاہدہ کیا جس قدر اس سے حجاب اٹھایا گیا اور اللہ تعالیٰ کے جمال کی کوئی انتہاء نہیں اور نہ اس کے حجابوں کی حد ہے جن حجابوں کو نور کہنا مناسب ہے اور ممکن ہے وہاں تک پہنچنے والا یہ خیال کرے کہ وہ منزل تک پہنچ گیا ہے وہ ستر حجاب ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

إِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ حِجَابًا مِنْ نُوْرٍ لَوْ كَشَفَهَا لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ كُلَّ مَا اَدْرَكَ بَصَرُهٗ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کے ستر نورانی پردے ہیں اگر وہ ان کو اٹھا دے تو اس کی ذات کے انوار ہر اس چیز کو جلا دیں جہاں تک اس کی نظر پہنچے۔

(مطلب یہ ہے کہ سب کچھ جل جائے کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے) اور یہ حجابات بھی ترتیب سے ہیں اور ترتیب میں یہ انوار اسی طرح مختلف ہیں جس طرح سورج، چاند اور ستارے ایک دوسرے سے مختلف ہیں سب سے چھوٹا پہلے ظاہر ہوتا ہے پھر جو اس سے ملا ہوا ہے (اسی طرح آگے چلتا ہے)

اسی بنیاد پر بعض صوفیائے کرام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی تدریجاً یہ درجات حاصل ہوئے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ (۲)

پس جب ان پر رات چھا گئی۔

یعنی جب ان پر معاملہ مشتبہ ہو گیا تو۔

رَاٰى كَوْكَبًا۔ (۳)

آپ نے ایک ستارہ دیکھا۔

یعنی آپ نورانی پردوں میں سے ایک پردے تک پہنچے اور اسے ستارے سے تعبیر کیا گیا اس سے یہ چمکنے ہوئے ستارے مراد نہیں کیونکہ عوام میں سے ہر آدمی جانتا ہے کہ رب ہونا ان اجسام کے لائق نہیں بلکہ وہ تو پہلی نظر میں اس کا ادراک کر لیتے ہیں پس عوام گمراہ نہیں ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کس طرح بے خبر رہ سکتے ہیں تو جن پردوں کو نوری کہا گیا ہے ان سے یہ روشنی مراد نہیں جو آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے بلکہ ان سے وہی کچھ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی میں مراد ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔ (۴)

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے اس کے نور کی مثال ایک طاقچے کی ہے جس میں چراغ ہو۔

ہم ان معانی سے عنانِ قلم کو پھیرتے ہیں کیونکہ یہ علمِ معاملہ سے خارج ہیں اور ان کے حقائق تک پہنچنے کے لئے اس کشف کی ضرورت ہے جو خالص فکر کے تابع ہو اور بہت کم لوگوں کے لیے یہ دروازہ کھلتا ہے عام لوگوں کو ان ہی

---

(۱) مسند ابی عوانہ جلد اول ص ۱۴۵، ۱۴۶ بیان نزول الرب

(۲) قرآن مجید، سورۃ الانعام آیت ۷۶

(۳) قرآن مجید سورۃ الانعام آیت ۷۶

(۴) قرآن مجید سورۃ نور آیت ۳۵

باتوں میں غور و فکر میسّر ہوتا ہے جو علم معاملہ میں مفید ہیں۔ اور اس فکر کا بھی بہت بڑا فائدہ اور نفع ہے۔

تو یہ چار وظائف یعنی دعا، ذکر، قرأت اور فکر ہر طالب آخرت کا وظیفہ ہونا چاہیے وہ نماز فجر کے بعد بلکہ ہر فرض نماز کے بعد یہ وظیفہ پڑھ لے کیوں کہ نماز کے بعد ان چار باتوں کے علاوہ کوئی وظیفہ نہیں اور اس وظیفہ کے پڑھنے پر تب قادر ہو گا جب اپنا ہتھیار اور ڈھال پکڑے گا اور روزہ وہ ڈھال ہے جس سے شیطان کے راستے تنگ ہو جاتے ہیں اور شیطان ایسا دشمن ہے جو ہدایت کے راستے سے پھیر دیتا ہے۔ اور طلوع فجر کے بعد صرف فجر کی دو سنتیں ہیں اور فرض نماز کا وقت طلوع آفتاب تک ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس وقت اذکار میں مشغول رہتے تھے یہی بات زیادہ بہتر ہے اور اگر اس پر نیند غالب آجائے اور وہ نماز کے بغیر دور نہ ہو اور نماز پڑھے تو کوئی حرج نہیں (احناف کے نزدیک طلوع فجر کے بعد نفل نہیں پڑھ سکتے اگر بیٹھنے سے نیند آئے تو آدمی چل پھر کر وظیفہ کرے لیکن نفل نہ پڑھے)

دوسرا وظیفہ:

یہ سورج کے طلوع ہونے سے چاشت کے وقت تک ہے یعنی طلوع آفتاب اور زوال کے درمیان کا وقت جب نصف ہو جائے اگر دن کو بارہ گھنٹے تصور کریں تو یہ وقت تین گھنٹے گزرنے کے بعد ہوتا ہے اور یہ دن کا چوتھا حصہ ہے۔

اور دن کے اس چوتھے حصے میں دو زائد وظیفے ہیں۔

۱۔ ایک چاشت کی نماز ہے اور ہم نماز کے بیان میں اس کا ذکر کر چکے ہیں بہتر یہ ہے کہ اشراق کے وقت دو رکعتیں پڑھے اور یہ وہ وقت ہے جب دھوپ زمین پر پھیلتی ہے اور نصف نیزے کے برابر سورج بلند ہو جاتا ہے اور جب اونٹنی کے بچوں کے پاؤں گرم ہونے لگیں اور پاؤں کو تپش محسوس ہو۔ تو دو رکعتوں کا وقت وہ ہے جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ۔ (۲) وہ رات اور اشراق کے وقت اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتی ہیں۔

یہ سورج کے چمکنے کا وقت ہے یعنی اس وقت سورج کی تمام روشنی ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ زمین کے بخارات اور غبار سے اوپر اٹھ جاتی ہے کیونکہ بخارات وغیرہ اس کی مکمل چمک میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۰۱ مرویات جابر بن سمرہ

(۲) قرآن مجید، سورۃ ص آیت ۱۸

اور چار رکعت کا ذکر ہے ، وقتِ چاشت ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے فرمایا۔

وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى (۱) اور چاشت کی قسم اور رات کی جب وہ چھا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو صحابہ کرام اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے۔

آپ نے بلند آواز سے فرمایا :

اَلَا اِنَّ صَلٰوةَ الْاَوَّابِيْنَ اِذَا رَمِضَتِ الْفِصَالُ (۲) سنو! مقربین کی نماز اس وقت ہے جب اونٹوں کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر (اشراق اور چاشت میں سے) ایک ہی نماز پر اکتفا کرے تو نماز چاشت کے لیے یہ وقت مناسب ہے اگرچہ دونوں مکروہ اوقات کے کناروں پر پڑھنے سے بھی اصل فضیلت حاصل ہو جاتی ہے یعنی جب سورج نصف نیزے کے برابر طلوع ہو جائے اس وقت سے لے کر زوال سے کچھ دیر پہلے تک پڑھ لے۔ لفظ ضحیٰ (چاشت) کا اس پورے وقت پر اطلاق ہوتا ہے گویا اشراق کی دو رکعتیں اس وقت ہوتی ہیں جب مکروہ وقت ختم ہونے کے بعد نماز کی اجازت مل جائے کیوں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا۔ (۳) بے شک سورج شیطان کے سینگ کے ساتھ طلوع ہوتا ہے پس جب وہ بلند ہوتا ہے تو شیطان اس سے جدا ہو جاتا ہے۔

تو کم از کم بلندی یہ ہے کہ زمین کے بخارات اور غبار سے بلند ہو جائے اور یہ بات اندازے سے معلوم ہوتی ہے۔ (آجکل نقشے بنے ہوئے ہیں جن سے تمام اوقات کا علم ہو جاتا ہے)

۲۔ اس وقت کا دوسرا وظیفہ وہ نیک کام ہیں جو لوگوں میں مروّج ہیں کہ وہ سویرے سویرے کرتے ہیں مثلاً مریض کی بیمار پرسی) جنازے کے ساتھ جانا، نیکی اور تقویٰ پر مدد کرنا، علم کی مجلس میں حاضر ہونا اور اس کے علاوہ کسی مسلمان کی حاجت کو پورا کرنا وغیرہ۔ اور اگر اس وقت کوئی ایسا کام پیش نہ آئے تو ان چار وظائف کی طرف لوٹ آئے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی دعائیں مانگے، ذکر کرے، قرآن پاک کی تلاوت کرے اور غور و فکر کرے اور اگر چاہے تو نفل نماز بھی پڑھے کیونکہ یہ صبح کی نماز کے بعد مکروہ ہے اس وقت نہیں تو گویا اس وقت یہ وظائف کی پانچویں قسم ہو جائے گی اس شخص کے لیے جو چاہے البتہ

---

(۱) قرآن مجید سورۃ والضحیٰ آیت ۱، ۲

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۶۶، ۳۷۲، ۵۷۴ مرویات زید بن ارقم

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ ص ۴۵۴ کتاب الصلوٰۃ

صبح کی فرض نماز کے بعد ہر ایسی نماز مکروہ ہے جس کا پہلے سے کوئی سبب نہ ہو۔ اور طلوع فجر کے بعد زیادہ بہتر یہ ہے کہ فجر کی دو سنتیں اور تحیۃ المسجد پر اکتفا کرے اور نوافل میں مشغول نہ ہو بلکہ ذکر و فکر اور دعا میں مشغول ہو۔ احناف کے بعد طلوع فجر کے بعد صرف دو سنتیں پڑھ سکتے ہیں باقی کوئی نفل جائز نہیں اگر سنتیں مسجد میں پڑھے تو سنتوں کے ذریعے ورنہ فرض نماز کے ذریعے تحیۃ المسجد کا ثواب مل جائے گا ۱۲ ہزاروی)۔

تیسرا وظیفہ :

یہ چاشت سے زوال تک ہے چاشت سے مراد دن کی چوتھائی یا اس سے کچھ پہلے کا وقت ہے کیونکہ ہر تین گھنٹے کے بعد نماز کا حکم ہے جب طلوع فجر کے بعد تین گھنٹے گزر جائیں تو اس وقت اور اس سے کچھ پہلے چاشت کا وقت ہے جب دوسرے تین گھنٹے گزر جائیں تو ظہر کی نماز کا وقت ہے پھر تین گھنٹے گزریں تو عصر کا وقت ہے (احناف کے نزدیک عصر کا وقت تاخیر سے شروع ہوتا ہے) پھر جب تین گھنٹے گزریں تو مغرب کا وقت ہے، طلوع فجر اور زوال کے درمیان نماز چاشت کا مرتبہ اسی طرح ہے جس طرح زوال اور غروب کے درمیان عصر کی نماز ہے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ نماز چاشت فرض نہیں کیوں کہ اس وقت لوگ اپنے کام میں مصروف ہوتے ہیں اس لیے ان پر آسانی رکھی گئی ہے۔

اس وقت کا وظیفہ وہی چار امور اور دو زائد باتیں ہیں۔

۱۔ اس وقت کسب حلال، اسباب معیشت اور بازار کی حاضری میں مشغول ہو اگر تاجر ہے تو صدق و امانت کے ساتھ تجارت کرے اگر کاریگر ہے تو خیر خواہی اور شفقت کو پیش نظر رکھے اور تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کو نہ بھلائے۔ اور اگر روزانہ کما سکتا ہے تو ہر دن اتنا ہی کمائے جتنا اس دن کے لیے ضروری ہو۔ جب ایک دن کا رزق حاصل ہو جائے تو اب اپنے رب کے گھر میں لوٹ آئے اور آخرت کا سامان تیار کرے کیوں کہ آخرت کی حاجت بہت زیادہ ہے اور اس سے نفع اندوزی دائمی ہے لہٰذا وقتی حاجت سے زیادہ کمانے کی نسبت یہ کمائی اہم ہے۔

کہا گیا ہے کہ مومن صرف تین جگہ مل سکتا ہے۔

یا تو مسجد میں ہو گا اور اسے (عبادت کے ذریعے) آباد کر رہا ہو گا، یا اپنے گھر میں لوگوں سے کنارہ کش ہو گا یا کسی ضروری کام میں مشغول ہو گا، اور بہت کم لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کس قدر ہے بلکہ اکثر لوگ غیر ضروری کو بھی حاجت میں شمار کرتے ہیں کیونکہ شیطان ان کو فقر سے ڈراتا ہے اور برائی کا حکم دیتا ہے چنانچہ وہ اس کی بات سن کر وہ چیز بھی جمع کرتے ہیں جسے کھاتے نہیں کیوں کہ وہ محتاجی سے ڈرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے لیکن وہ اس سے منہ پھیرتے ہیں اور اس میں رغبت نہیں رکھتے۔

۲۔ قیلولہ یعنی کچھ دیر آرام کرتا ہے اور یہ سنت ہے اس کے ذریعے قیام لیل پر مدد ملتی ہے جیسے سحری کھانا سنت ہے کہ اس سے دن کے روزے پر مدد حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وہ رات کو قیام تو نہ کرے لیکن سوتے بھی نہ اور

اچھے کاموں میں مشغول بھی نہ ہو بلکہ بعض اوقات غافل لوگوں کی مجلس اختیار کرے ان سے گفتگو کرتا ہے تو اس کے لیے سونا بہتر ہے کیونکہ جب اس کی طبیعت مذکورہ اذکار و وظائف کی طرف رجوع نہیں کرتی تو اس وقت سونے میں خاموشی اور سلامتی ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں خاموشی اور سو جانا ان کا بہترین عمل ہوگا اور کتنے ہی عابد ہیں کہ ان کی بہترین حالت سو جانا ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب عبادت میں ریاکاری پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ تو غافل فاسق کی کیا صورت حال ہوگی حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ بزرگان دین کو یہ بات پسند تھی کہ وہ سلامتی کی تلاش میں فراغت کے وقت سو جائیں پس جب اس کا سونا سلامتی کی طلب اور قیام لیل کی نیت سے ہوگا تو یہ سونا بھی عبادت ہوگا۔ لیکن اسے زوال سے اتنی دیر پہلے بیدار ہو جانا چاہیئے کہ نماز کے لیے تیاری کر سکے یعنی نماز کے وقت سے پہلے وضو کر کے مسجد میں حاضر ہو جائے کیونکہ یہ اعمال کے فضائل میں سے ہے اور اگر وہ نہ سوتے اور نہ ہی محنت مشقت میں مبتلا ہو تو نماز اور ذکر میں مشغول ہو کیونکہ یہ دن کے اعمال میں افضل ہیں، اس لیے کہ اس وقت لوگ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر دنیوی افکار میں مشغول ہیں تو وہ دل جو اس وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے فارغ ہوتا ہے جب لوگ اس کے دروازے سے اعراض کرتے ہیں وہ اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پاک کر دے اور اپنے قرب و معرفت کے لیے چن لے اس کی فضیلت قیام لیل کی فضیلت جیسی ہے کیونکہ رات کا وقت سونے کی وجہ سے غفلت کا وقت ہوتا ہے اور یہ خواہش کی اتباع اور دنیوی افکار میں مشغولیت کی وجہ سے غفلت کا وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کا ایک معنیٰ یہی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ (۱)

اور وہی ذات ہے جس نے ذکر کا ارادہ کرنے والوں کے لیے رات اور دن کو ایک دوسرے کا نائب بنایا۔

یعنی ان میں سے ایک کو فضیلت میں دوسرے کے پیچھے لاتا ہے اور دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں لہٰذا اگر ایک میں کوئی عمل رہ گیا تو دوسرے وقت میں اس کا تدارک کرے۔

چوتھا وظیفہ:

زوال سے لے کر ظہر کی نماز سے فراغت تک کا وظیفہ اور ظہر کی سنتیں ہیں دن کے وظائف میں سے یہ سب سے مختصر لیکن سب سے افضل ہے۔ جب زوال سے پہلے وضو کر کے مسجد میں آئے اور جب سورج ڈھلنے پر مؤذن اذان شروع کرے تو اذان کے جواب تک صبر کرے پھر اذان اور اقامت کے درمیان والی عبادت کو قائم کرنے کے لیے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۶۲

کھڑا ہو۔ کیوں کہ یہی وقتِ اظہار ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا:

وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ (۱)

اور جب تم اظہار کرتے ہو۔

اس وقت چار رکعات اس طرح پڑھے کہ ان کے درمیان سلام کے ساتھ تفریق نہ کرے (یعنی اکٹھی چار رکعات پڑھے) (۲) اور یہ دن کی تمام نمازوں میں ایک نماز ہے جس کے بارے میں بعض علماء نے نقل کیا کہ اسے ایک سلام کے ساتھ پڑھے لیکن اس روایت پر اعتراض کیا گیا ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ باقی نوافل کی طرح دو دو رکعتوں کے حساب سے پڑھے اور درمیان میں سلام پھیرے صحیح روایات اسی کے بارے میں آئی ہیں۔

اور ان رکعات کو لمبا کرے کیونکہ اس وقت آسمان کے دروازے کھلتے ہیں(۳) جیسا کہ ہم نے نفل نماز کے باب میں حدیث ذکر کی ہے ان میں سورۂ بقرہ یا سو سو آیات والی سورتوں میں سے کوئی سورت یا طوالِ مفصل میں سے سو سے کم آیات والی کوئی چار سورتیں پڑھے۔ ان گھڑیوں میں دعا قبول ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند فرمایا کہ اس وقت آپ کا کوئی عمل (بارگاہ خداوندی میں) اٹھایا جائے ——— پھر ظہر کی چار رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھے لیکن اس سے پہلے چار رکعتیں ضرور پڑھے چاہے طویل ہوں یا مختصر۔

پھر ظہر کے بعد دو رکعتیں اور پھر چار رکعات (نفل) پڑھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرض نماز کے بعد اسی قسم کی نماز کسی فصل کے بغیر پڑھنے کو ناپسند فرمایا۔ (۴) اس نفل نماز میں آیت الکرسی سورۂ بقرہ کا آخری رکوع اور جو آیات ہم نے پہلے وظیفہ کے بیان میں ذکر کی ہیں ان کا پڑھنا مستحب ہے تاکہ یہ دعا، ذکر، قرأت، نماز، تحمید، تسبیح اور وقت کی بزرگی سب کو جامع ہو۔

پانچواں وظیفہ:

ظہر سے عصر تک مستحب یہ ہے کہ مسجد میں ٹھہر کر ذکر یا نماز یا دیگر اچھے کاموں میں مشغول رہے اور نماز کے انتظار میں معتکف رہے کیوں کہ عمدہ اعمال میں سے ایک عمل نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا بھی ہے اور یہ بزرگوں

---

(۱) قرآن مجید سورۂ روم آیت ۱۸

(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۸۰ کتاب الصلوٰۃ

(۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۸۷ کتاب الصلوٰۃ

(۴) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب ایک مرتبہ فرض نماز پڑھ لی تو اب دوبارہ نہ پڑھے یا یہ کہ فرض نماز میں دو رکعتوں میں سورت ملاتے ہیں دو میں نہیں ملاتے تو سنتوں کی تمام رکعتوں میں ملائیں تاکہ فرض نماز کی طرح نہ ہو جائے ۱۲ ہزاروی۔

سنت ہے۔ جو شخص ظہر اور عصر کے درمیان مسجد میں داخل ہوتا تو وہ نمازیوں سے تلاوت کی آواز اس طرح سنتا جس طرح شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے اگر گھر میں دین کی سلامتی اور دل جمعی زیادہ ہو تو اس کے حق میں گھر افضل ہے چونکہ یہی لوگوں کی غفلت کا وقت ہوتا ہے اس لیے اس وقت وظیفہ میں مشغولیت کی فضیلت تیسری وظیفہ کی فضیلت کی طرح ہے۔
اور جو آدمی زوال سے پہلے سوئے اس کے لیے اس وقت سونا مکروہ ہے کیونکہ دن میں دو مرتبہ سونا مکروہ ہے بعض علماء نے فرمایا۔ تین باتوں پہ اللہ تعالیٰ غضبناک ہوتا ہے کسی تعجب خیز بات کے بغیر ہنسنا، بھوک کے بغیر کھانا اور شب بیداری کے بغیر سونا۔
نیند کی مقدار یہ ہے کہ دن رات کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں تو نیند میں اعتدال یہ ہے کہ رات دن میں آٹھ گھنٹے سوئے۔ اور اگر رات کو ہی اتنا وقت سویا رہے تو دن کو سونے کا کوئی مطلب نہیں، اور اگر اس سے کچھ مقدار کم ہو تو دن کے وقت سے پورا کرے تو جو آدمی ساٹھ سال زندگی گزارے اس کی عمر میں بیس کی کمی کافی ہے جب وہ کل وقت کا تہائی حصہ یعنی آٹھ گھنٹے سوئے گا تو اس کی عمر کا تہائی حصہ کم ہو جائے گا اور چونکہ سونا روح کی غذا ہے جس طرح کھانا بدن کی اور علم و ذکر دل کی غذا ہے لہٰذا نیند کو بالکل ختم کرنا ممکن ہیں۔ اور اعتدال کی مقدار یہ (آٹھ گھنٹے) ہے اور اس سے کمی بعض اوقات بدن میں اضطراب کا باعث بنتی ہے البتہ جو آدمی آہستہ آہستہ شب بیداری کو اپنی عادت بنا لے تو اب اس کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ یہ وظیفہ سب سے طویل ہے لیکن اس میں بندوں کا نفع بھی زیادہ ہے اور قرآن پاک کی درج ذیل آیت میں جن اعمال کا ذکر کیا گیا ہے یہ ان میں سے ایک ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔ (۱)	اور اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً اور ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ ریز ہیں۔

اور جب جمادات اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہیں تو بندہ جو باشعور ہے کس طرح اس کے لیے مختلف عبادات سے غافل رہنا جائز ہوگا۔

چھٹا وظیفہ:

جب عصر کا وقت داخل ہوتا ہے تو چھٹے وظیفے کا وقت شروع ہو جاتا ہے یہ وہ وقت ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے ارشاد خداوندی ہے:

وَالْعَصْرِ (۱)	اور زمانے کی قسم۔

(۱) قرآن مجید، سورۂ رعد آیت ۱۵

(۲) قرآن مجید سورۂ عصر آیت ۱

آیت کے دو معنوں میں سے ایک معنی یہی ہے اور ایک تفسیر کے مطابق لفظ "آصال" (بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ) سے بھی یہی وقت مراد ہے اور قرآن میں لفظ عَشِیًّا سے بھی یہی مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ" (۲) میں لفظ عشی سے بھی یہی وقت مراد ہے اس وقت کا وظیفہ صرف چار رکعات (سنت غیر مؤکدہ) ہیں جو اذان اور اقامت کے درمیان ہیں، جیسے ظہر کے ذکر میں گزر گیا ہے۔

پھر فرض نماز پڑھے اور پہلے وظیفہ کے سلسلے میں جن چار اقسام کا ذکر کیا گیا ہے ان میں مشغول ہو یہاں تک کہ دھوپ دیوار کے اوپر تک چلی جائے اور سورج کا رنگ زرد پڑجائے چونکہ اس وقت نماز پڑھنا منع ہے لہٰذا تدبر اور سمجھ کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرے اس لیے کہ (تلاوت) ذکر، دعا اور فکر سب کو شامل ہے تو اس قسم میں تینوں اقسام کے اکثر مقاصد آجاتے ہیں۔

ساتواں وظیفہ:

جب سورج کا رنگ زرد ہو جائے یعنی زمین کے قریب ہو کر اس کی روشنی غبار اور بخارات کو جو زمین کی سطح پر ہیں ڈھانپ لے اور اس کی روشنی میں زردی نظر آنے لگے تو اس وظیفہ کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یہ پہلے وظیفہ کی طرح ہے جو طلوعِ فجر سے سورج کے طلوع ہونے تک ہوتا ہے کیونکہ یہ غروب سے پہلے ہے جیسے وہ طلوعِ آفتاب سے پہلے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے یہی مراد ہے۔

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ۔ (۳) — شام کے وقت اور بوقت صبح اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیا کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں جن اطراف کا ذکر ہے ان میں سے دوسری طرف یہی ہے۔

فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ۔ (۴) — دن کے کناروں پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اکابر اسلاف دن کے پہلے حصے کی نسبت اس کی زیادہ تعظیم کرتے تھے وہ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگ دن کے پہلے حصے کو دنیا کے لیے اور آخری حصے کو آخرت کے لیے مختص کرتے تھے۔ تو اس وقت تسبیح، استغفار خصوصی طور پر اور باقی وظائف جو پہلے ورد میں ذکر کئے ہیں، پڑھے جائیں مثلاً یوں پڑھے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ص آیت ۱۸

(۲) قرآن مجید سورۂ روم آیت ۱۷

(۳) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۰

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَسْأَلُهُ التَّوْبَةَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهٖ۔

میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ قائم رکھنے والا ہے میں اس سے توبہ کا سوال کرتا ہوں اللہ تعالیٰ عظمت والے کی تسبیح ہے تحمید بیان کرتا ہوں۔

٭ ٭ ٭

یہ کلمات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے ماخوذ ہیں۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (۱)

اپنے گناہ کی بخشش مانگو اور صبح و شام اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کرو۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے جو نام مذکور ہیں ان کے ساتھ استغفار زیادہ پسندیدہ ہے جیسے

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا
أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا رَبِّ
اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ
فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ
فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ۔

میں اللہ تعالیٰ کی بخشش چاہتا ہوں بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے میں اللہ تعالیٰ کی بخشش کا طلب گار ہوں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے زیادہ بخشنے والا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

غروب آفتاب سے پہلے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا (۲)

قسم ہے سورج اور اس کی دھوپ کی۔

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى (۳)

اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔

اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (پوری سورت) اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ (پوری سورت) پڑھنا مستحب ہے جب سورج غروب ہو توبہ استغفار میں مشغول ہو۔

جب اذان سنے تو یوں کہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ غافر آیت ۵۵

(۲) قرآن مجید سورۂ الشمس آیت ۱

(۳) قرآن مجید سورۂ واللیل آیت ۱

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا اِقْبَالُ لَیْلِكَ وَاِدْبَارُ نَھَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَائِكَ۔ | یا اللہ! یہ تیری رات کے آنے اور تیرے دن کے جانے اور تیری طرف بلانے والوں کی آوازوں کا وقت ہے

جیسے پہلے گزر چکا ہے پھر اذان کا جواب دے اور نماز مغرب میں مشغول ہو جائے غروب آفتاب کے ساتھ ہی دن کے وظائف ختم ہو گئے۔ بندے کو چاہیے کہ اپنے حالات کا جائزہ لے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرے اس کے راستے کا ایک مرحلہ پورا ہو گیا اگر آج کا دن گذشتہ دن کے برابر ہوا تو اسے نقصان ہوا اور اگر اس سے بُرا ہا تو لعنت کا مستحق ہو گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا بُوْرِكَ لِیْ فِیْ یَوْمٍ لَا اَزْدَادُ فِیْہِ خَیْرًا۔ (۱) | مجھے اس دن برکت حاصل نہیں ہو گی جس دن میں بھلائی کا اضافہ نہ کروں۔

اگر وہ اپنے نفس کو تمام دن بھلائی اور مشقت برداشت کرتے ہیں دیکھے تو یہ خوشخبری ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اسے یہ توفیق دی اور اپنے راستے پر قائم رکھا اور اگر دوسری حالت ہو تو رات، دن کی نائب ہے لہٰذا سابقہ کوتاہی کی تلافی کی کوشش کرے کیوں نیکیاں برائیوں کو زائل کر دیتی ہیں، تمام رات جسمانی صحت اور باقی عمر کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اسے کوتاہی کے ازالے کے لیے وقت مل گیا۔ اور دل میں یہی تصور کرے کہ زندگی کا دن آخر کو پہنچ گیا ہے اور زندگی کا سورج غروب ہونے والا ہے اور اس کے بعد طلوع نہیں ہو گا اور اس وقت کوتاہی کے ازالے اور عذر پیش کرنے کا دروازہ بند ہو جائے گا زندگی چند روزہ ہے یقیناً ایک ایک دن کے جانے کے ساتھ مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔

رات کے وظائف:

رات کے وظائف پانچ ہیں:

پہلا وظیفہ:

جب سورج غروب ہو جائے تو مغرب کی نماز پڑھے اور مغرب و عشاء کے درمیان والے وقت کو زندہ رکھے اس وظیفہ کا آخری وقت وہ ہے جب شفق غائب ہو جاتی ہے اور شفق سے مراد سرخی ہے اور اس وقت عشاء کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ (۲)

---

(۱)

(۲) احناف کے نزدیک سرخی کے بعد والی سفیدی کو شفق کہتے ہیں جب وہ ختم ہوتی ہے تو وقت عشاء شروع ہوتا ہے ۱۲ ہزاروی

اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۔ (۱) مجھے شفق کی قسم ہے۔

اس وقت کی نماز کو ناشئۃ اللیل کہا جاتا ہے کیونکہ رات کی ساعتیں اس وقت شروع ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد میں جن "آناء" (اوقات) کا ذکر ہے ان میں سے ایک آن (ساعت) یہی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنْ اٰنَآءِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ (۲) اور رات کی کچھ گھڑیوں میں تسبیح بیان کرو۔

اور یہ اوابین کی نماز ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے یہی مراد ہے۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (۳) ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔

حضرت حسن سے یہ بات مروی ہے اور ابن ابی زیاد نے اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے کہ آپ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ مغرب و عشاء کے درمیان ہے پھر آپ نے فرمایا "تم پر مغرب اور عشاء کے درمیان کی نماز لازم ہے وہ دن کے لغویات کو دور کرتی ہے اور اس کے آخر کو اچھا کرتی ہے۔ (۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو مغرب و عشاء کے درمیان سو جاتا ہے تو آپ نے فرمایا وہ ایسا نہ کرے کیونکہ، قرآن پاک کی آیت "تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ" سے یہ ساعت مراد ہے اس وقت کی عبادت کی فضیلت دوسرے باب میں ذکر کی جائے گی۔

اس وظیفہ کی ترتیب یہ ہے کہ مغرب کے بعد پہلے دو رکعتیں پڑھے جن میں "قل یا ایها الکفرون" اور "قل هو الله احد" پڑھے اور یہ دو رکعتیں نماز مغرب کے بعد کسی کام میں مشغول ہونے یا وقفہ کئے بغیر پڑھے (یہ دو سنتیں ہوں گی) پھر چار رکعات طویل پڑھے پھر شفق کے غائب ہونے تک جس قدر ممکن ہو نوافل پڑھے اگر مسجد گھر کے قریب ہو تو گھر میں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اگر مسجد میں اعتکاف کا ارادہ نہ ہو اور اگر نماز عشاء کی انتظار میں مسجد میں ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو یہ افضل ہے بشرطیکہ بناوٹ اور دکھاوے سے محفوظ ہو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انشقاق آیت ۱۶

(۲) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۰

(۳) قرآن مجید سورۂ سجدہ آیت ۱۶

(۴) کنز العمال جلد ۷ ص ۳۹۲ حدیث ۱۹۴۴۹

دوسرا وظیفہ:

یہ وظیفہ نمازِ عشاء کا وقت شروع ہونے سے لوگوں کے سونے کے وقت تک ہوتا ہے اور یہ وہ وقت ہے جب اندھیرے خوب چھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا:

وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ (۱) رات اور اس میں جمع اندھیرے کی قسم

اور ارشاد فرمایا:

اِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ۔ (۲) (سورج کے ڈھلنے سے) رات کے چھا جانے تک (نماز پڑھو)

اس وقت رات چھا جاتی ہے اور تاریکی مستحکم ہو جاتی ہے۔

اس وظیفے کی ترتیب میں تین امور کا خیال رکھا جائے۔

(۱) عشاء کی فرض نماز کے علاوہ دس رکعات پڑھے چار رکعات عشاء سے پہلے اذان اور اقامت کے درمیان، چھ رکعتیں، فرض نماز کے بعد اس طرح کہ دو الگ اور الگ پڑھے ان میں قرآن پاک کی مخصوص آیات پڑھے جیسے سورۂ بقرہ کی آخری آیات، آیت الکرسی، سورۂ حدید کی ابتدائی آیات سورۂ حشر کی آخری آیات اور اس کے علاوہ پڑھے۔

(ب) تیرہ رکعات پڑھے جن میں سے آخری نماز وتر ہوں (۳) (آخر میں وتر ہوں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے متعلق اکثر روایات میں اسی طرح آیا ہے۔

سمجھ دار لوگ اپنے اوقاتِ وظیفہ رات کی ابتدا سے مقرر کر لیتے ہیں اور اگر مضبوط ہوں تو رات کے آخری حصہ سے مقرر کرتے ہیں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ شروع میں پڑھے کیوں کہ بعض اوقات بیدار نہیں ہو سکتا یا کھڑا ہونا مشکل ہو جاتا ہے البتہ عادت بن جائے تو رات کا آخری حصہ افضل ہے۔

پھر اس نماز میں مخصوص سورتوں سے تین سو آیات کی مقدار پڑھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر سورہ یٰسین، سورۂ سجدہ لقمان، سورۂ دخان، سورہ الملک سورۂ زمر اور سورۂ واقعہ سے پڑھتے تھے (۴)

اگر نماز نہ بھی پڑھ سکے تو سونے سے پہلے ان تمام سورتوں یا بعض کی تلاوت ترک نہ کرے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انشقاق آیت ۱۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۷۸

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵۳ باب التہجد

(۴) کنز العمال جلد اول ص ۵۰۸ حدیث ۲۶۲۵

تین احادیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت کیا پڑھتے تھے سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ سورۃ السجدہ، سورۃ الملک، سورۃ زمر اور سورۃ واقعہ پڑھتے تھے، (۱)

ایک روایت میں ہے کہ سورۃ زمر اور سورۃ بنی اسرائیل پڑھتے تھے (۲)

تیسری روایت میں ہے کہ آپ ہر رات مسبحات پڑھتے تھے یعنی جن سورتوں کے شروع میں "سبح یا یسبح" کے الفاظ ہیں اور آپ فرماتے تھے کہ ان میں ایک آیت ہے جو ہزار آیات سے بہتر ہے۔ (۳)

علماء کرام چھ کی تعداد پوری کرتے ہوئے "سبح اسم ربك الاعلی" کا بھی اضافہ کرتے تھے، کیوں کہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "سبح اسم ربك الاعلی" سورت کو پسند فرماتے تھے۔(۴)

آپ وتر نماز کی تین رکعات میں "سبح اسم ربك الاعلی"، "قل یا ایها الکفرون" اور "قل هو الله احد" پڑھتے تھے (۵) اور جب فارغ ہوتے تو تین مرتبہ "سبحان الملك القدوس" پڑھتے تھے۔

ج۔ اگر رات کو قیام کی عادت نہ ہو تو وتر نماز سونے سے پہلے پڑھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ میں وتر پڑھ کر سوؤں (۶)

اور اگر رات کو نماز کی عادت ہو تو تاخیر افضل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلٰوۃُ اللَّیْلِ مَثْنٰی مَثْنٰی فَاِذَا خِفْتَ الصُّبْحَ فَاَوْتِرْ بِرَکْعَۃٍ (۷)

رات کی نماز دو دو رکعتیں ہے پس جب تمہیں صبح کا ڈر ہو تو ایک رکعت کا اضافہ کر کے طاق بنا لو۔ (۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے پہلے حصے میں بھی وتر پڑھے ہیں درمیان

---

(۱) کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۸۳ حدیث ۶۷۵

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۶۸ مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا

(۳) کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۸۴ حدیث ۶۸۲

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۹۶ مرویات علی رضی اللہ عنہ

(۵) سنن ابن ماجہ ص ۸۳ ماجاء فی الوتر

(۶) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۳۵، ابواب الوتر (۷) ایضاً

(۸) مطلب یہ ہے کہ رات کے نوافل دو دو رکعت کر کے پڑھو اور جب صبح ہونے کا خطرہ ہو تو اب دو رکعتیں نہ پڑھ بلکہ تین پڑھو اور یہ وتر نماز ہے یہ مطلب نہیں کہ ایک رکعت پڑھو ۱۲ ہزاروی

میں بھی اور آخری حصے میں بھی ۔ لیکن آخر کار آپ نے سحری کے وقت پڑھنے کی عادت بنالی ۔ (۱)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وتر پڑھنے کی تین صورتیں ہیں اگر تم چاہو تو رات کے پہلے حصے میں پڑھو پھر دو دو رکعتیں (نوافل) پڑھو یعنی اب یہ تمام نماز طاق رکعات ہو جائے گی اور اگر تم چاہو تو ایک رکعت پڑھو اور جب بیدار ہو تو اس کے ساتھ دوسری رکعت ملالو پھر رات کے آخری حصے میں وتر پڑھو تاکہ یہ تمہاری رات کی آخری نماز ہو جائے ۔ (۲)

یہ ان سے مروی ہے لیکن پہلے اور تیسری طریقے میں کوئی حرج نہیں ۔ جہاں تک وتروں کو کم کرنے کا تعلق ہے تو صحیح طور پر ثابت ہے کہ اس سے منع کر دیا گیا لہٰذا اسے کم نہ کیا جائے (۳)

اور یہ بات مطلقاً مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا وِتْرَانِ فِیْ لَیْلَۃٍ (۴) ایک رات میں دو بار وتر نہیں ہیں ۔

(اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول کا درمیان والا حصہ تسلیم کیا جائے تو اس سے دو خرابیاں لازم آتی ہیں ایک یہ کہ ایک رکعت الگ پڑھنا جو صحیح نہیں دوسرا وتر نماز کو دو بار پڑھنا جو منع ہے ۱۲ ہزاروی)

اور جس شخص کو جاگنے میں تردد ہو تو اس کی آسانی کے لیے علماء کرام نے ایک آسان صورت کو مستحسن قرار دیا ہے وہ یہ کہ وتروں کے بعد سوتے وقت اپنے بستر پر بیٹھ کر دو رکعت پڑھ لے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آہستہ گھٹنوں کے بل بستر پر تشریف لے جاتے وہاں دو رکعتیں پڑھتے ۔ اور ان دو رکعتوں میں سورۃ زلزال اور سورۃ التکاثر ہے (۵)

کیونکہ ان دو سورتوں میں ڈرایا گیا ہے ایک روایت میں ہے کہ قل یا ایہا الکفرون پڑھے کیوں اس میں دوسروں کی عبادت سے بیزاری اور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کا ذکر ہے کہا گیا ہے کہ اگر وہ بیدار ہو جائے تو یہ دو رکعتیں ایک رکعت کے قائم مقام ہو جائیں گی اور اب وہ رات کے آخر میں ایک رکعت پڑھے تو یہ پہلی نماز سے مل کر جفت ہو جائے گی اور نئے سرے سے وتر پڑھنا اچھا ہے اسے ابو طالب مکی نے اچھا قرار دیا ہے (پہلے گزر چکا ہے کہ ایک رکعت پڑھنے سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا نیز ایک رات میں دو بار وتر نہیں پڑھ سکتے لہٰذا اس صورت پر عمل نہیں ہوگا ۱۲ ہزاروی)

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۳۸ ابواب الوتر

(۲) ایک رکعت پڑھنے سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اور اسے بتیراء قرار دیا لہٰذا ایک رکعت نہیں پڑھنی چاہیے ۱۲ ہزاروی

(۴)

(۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۰۳ کتاب الصلوٰۃ

(۵) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۵۴ کتاب صلاۃ المسافرین ۔

ابوطالب مکی نے فرمایا کہ اس میں تین اعمال ہیں۔ زندگی کی کم امید رکھنا، وتر نماز کا حصول اور رات کے آخر میں ادا ہونا۔ اور دوسرا یہ کہ ... دونوں کا ہونا تو ان کی یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس میں ایک شبہ ہے وہ یہ کہ اگر یہ رکعتیں پہلی نماز کو جفت بناتی ہیں تو بیدار نہ ہونے کی صورت میں بھی اسی طرح ہونا چاہیے اور پہلے وتر باطل ہونے چاہئیں پس یہ بات محل نظر ہے کہ اگر وہ بیدار ہو جائے تو جفت ہوں اور اگر سویا رہے تو جفت نہ ہوں البتہ حضور علیہ السلام سے یہ بات صحیح طور پر ثابت ہو جائے کہ آپ نے آرام فرما ہونے سے پہلے وتر نماز پڑھی اور بعد میں آپ سے لوٹایا تو معلوم ہوگا کہ یہ دونوں رکعتیں ظاہری طور پر جفت ہیں اور معنوی طور پر طاق ہیں، پس بیدار نہ ہونے کی صورت میں طاق شمار کی جائیں اور بیدار ہو جانے تو شمار ہوں گی۔

پھر وتر نماز سے سلام پھیرنے کے بعد یہ کلمات پڑھنا مستحب ہے۔

سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْعَظَمَةِ وَالْجَبَرُوْتِ وَتَعَزَّزْتَ بِالْقُدْرَةِ وَقَهَرْتَ الْعِبَادَ بِالْمَوْتِ۔	پاک بادشاہ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں جو فرشتوں اور جبریل امین کا رب ہے یا اللہ تو نے اپنی عظمت و جبروت سے آسمانوں اور زمین کو ڈھانپ لیا تو قدرت کے ساتھ عزت والا ہے اور تو نے بندوں کو موت کے ذریعے قابو میں رکھا۔

٭ ٭ ٭

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرضوں کے علاوہ عام طور پر بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے (۱) اور آپ نے فرمایا بیٹھنے والے کے لیے کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نسبت نصف ثواب ہے اور لیٹ کر پڑھنے والے کو بیٹھ کر پڑھنے والے کی نسبت نصف ثواب ملتا ہے (۲) اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لیٹ کر نفل نماز پڑھنا صحیح ہے (۳)

تیسرا وظیفہ:

یہ وظیفہ سونے سے متعلق ہے سونے کو وظائف میں شمار کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جب اس کے آداب کا خیال رکھا جائے تو عبادت شمار ہوتا ہے کہا گیا ہے کہ جب بندہ باوضو ہو کر سوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو بیدار ہونے تک نمازی لکھا جاتا ہے اور اس کے لباس میں ایک فرشتہ داخل ہو جاتا ہے اگر وہ سونے کی حالت میں حرکت کرے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو فرشتہ اس کے لیے دعا مانگتا ہے اور بخشش طلب کرتا ہے۔ (۴)

---

(۱) سنن نسائی جلد اول ص ۲۴۴ کتاب قیام اللیل

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۵۲ کتاب الصلوٰۃ

(۳) احناف کے نزدیک لیٹ کر نماز اسی صورت میں پڑھنا جائز ہے جب رکوع اور سجدہ نہ کر سکے کیونکہ لیٹ کر نماز اشارے سے پڑھی جاتی ہے ۱۲ ہزاروی

(۴) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۴۰۸ الترغیب فی انہ ینام الانسان طاہرا

ایک حدیث شریف میں ہے ۔

اِذَا نَامَ عَلٰی طَهَارَةٍ رُفِعَ رُوْحُهٗ اِلَى الْعَرْشِ (۱) جب بندہ باوضو ہو کر سوتا ہے تو اس کی روح عرش کی طرف اٹھائی جاتی ہے۔

یہ تو عوام کی بات ہے تو خاص لوگوں، علماء اور پاک دل والوں کا معاملہ کیا ہوگا انہیں تو خواب میں اسرار کا کشف ہوتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نَوْمُ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ وَنَفَسُهٗ تَسْبِيْحٌ ۔ (۲) عالم کا سونا عبادت اور اس کا سانس لینا تسبیح ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ رات کے قیام میں کیا کرتے ہیں؛ انہوں نے فرمایا میں رات بھر قیام کرتا ہوں کچھ دیر بھی نہیں سوتا اور قرآن پاک کو وقفے وقفے سے پڑھتا ہوں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن میں سوجاتا ہوں پھر اٹھتا ہوں اور سونے کی حالت میں ثواب کی نیت کرتا ہوں جس طرح قیام میں کرتا ہوں (۳)

پھر ان دونوں نے یہ بات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا (اے ابوموسیٰ) حضرت معاذ (رضی اللہ عنہما) تم سے زیادہ فقیہ ہیں۔

سونے کے آداب

سونے کے آداب دس ہیں۔

۱۔ وضو اور مسواک ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ باوضو ہو کر سوتا ہے تو اس کی روح عرش کی طرف لے جائی جاتی ہے اور اس کا خواب سچا ہوتا ہے اور اگر وہ طہارت پر نہ سوئے تو روح اوپر تک نہیں پہنچ سکتی تو اسے پراگندہ خواب آتے ہیں جو سچ نہیں ہوتے (۴) تو اس سے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی طہارت مراد ہے اور باطنی طہارت ہی غیب کے پردوں کو ہٹانے میں مؤثر ہوتی ہے۔

۲-۱ اپنے سر کے پاس مسواک اور وضو کے لیے پانی تیار رکھے اور جاگتے وقت عبادت کے لیے کھڑا ہونے کی نیت کرے جب بیدار ہو تو مسواک کرے ہمارے اسلاف بزرگ اسی طرح کیا کرتے تھے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد اول ص ۲۲۶ کتاب العلم

(۲) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۵۵ حدیث ۱۰۱۶

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۲۲ کتاب المغازی

(۴) مجمع الزوائد جلد اول ص ۲۲۶ کتاب العلم۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ آپ ایک رات میں کئی بار مسواک کرتے جب آرام فرماتے تو مسواک کرتے اور جب بیدار ہوتے تو مسواک کرتے (۱) اگر وضو کے لیے پانی نہ ملے تو پانی کے ساتھ اعضاء پر مسح کرلے اگر اتنا بھی نہ ملے تو قبلہ رخ ہو کر بیٹھ جائے اور ذکر، دعا، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنے میں مشغول ہو جائے یہ قیام لیل کے قائم مقام ہو جائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بستر پر جاتے وقت رات کو نماز کے لیے اٹھنے کی نیت کرے پھر اس پر نیند غالب آجائے حتیٰ کہ صبح ہو جائے تو اسے نیت کی مطابق ثواب ملے گا اور اس کی نیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر صدقہ ہو گا۔ (۲)

۳۔ جس آدمی نے وصیت کرنا ہو تو وہ اپنی وصیت اپنے سرہانے رکھ کر سوئے کیونکہ نیند کی حالت میں روح قبض ہونے کا خوف موجود ہے اور جو آدمی کسی وصیت کے بغیر مر جائے تو عالم برزخ میں قیامت تک اسے کلام کی اجازت نہیں دی جائے گی فوت شدہ لوگ اس کی ملاقات کے لیے آئیں گے اور کلام کریں گے لیکن وہ کلام نہیں کر سکے گا تو ان میں سے بعض، بعض سے کہیں گے یہ مسکین کسی وصیت کے بغیر مرا ہے اچانک موت کے خوف سے ایسا کرنا مستحب ہے۔ اور اچانک موت میں آسانی ہے مگر وہ شخص جو موت کے لیے تیار نہ ہو بلکہ لوگوں کے حقوق کی وجہ سے اس کی پیٹھ پر بوجھ ہو (اس کے لیے اچانک موت بہتر نہیں)

۴۔ ہر گناہ سے توبہ کر کے سوئے اور تمام مسلمانوں کے بارے میں اس کا دل صاف ہو دل میں کسی کے ظلم کا ذکر نہ کرے اور بیداری کے بعد گناہ کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ اَوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ لَا یَنْوِیْ ظُلْمَ اَحَدٍ وَلَا یَحْقِدُ عَلٰی اَحَدٍ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (۳)

جو شخص اپنے بستر پر اس صورت میں آتے کہ نہ کسی پر زیادتی کا ارادہ کرے اور نہ کسی سے کینہ رکھتا ہو تو اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

۵۔ عمدہ بچھونے کے ذریعے عیش پرستی اختیار نہ کرے بلکہ اس چھوڑ دے یا درمیانے قسم کا بستر اختیار کرے بعض اسلاف سونے کے لیے بچھونے کو ناپسند کرتے تھے اور اسے تکلف سمجھتے تھے اصحاب صفہ (صحابہ کرام جو صفہ پر رہتے تھے۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ جلد اوّل ص ۱۷۰ کتاب الطہارات

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۹۴ باب اقامۃ الصلوٰۃ

(۳)

اور یہ مسجد نبوی شریف میں ایک چبوترہ ہے) اپنے اور مٹی کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں رکھتے تھے وہ کہتے تھے ہم اسی سے پیدا ہوئے اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ان کے خیال میں اس سے دلوں میں زیادہ رقت پیدا ہوتی ہے اور یہ تواضع کے زیادہ لائق ہے لہذا جس شخص کا نفس اس مشقت کو برداشت نہ کرے وہ درمیانہ بچھونا اختیار کرے

۶۔ جب تک نیند نہ آئے، نہ سوئے اور نہ ہی بتکلف نیند لائے البتہ رات کے آخر میں قیام پر مدد حاصل کرنا مقصود ہو تو ٹھیک ہے ہمارے اسلاف اس وقت سوتے جب نیند غالب ہوتی، اس وقت کھاتے جب بھوک لگتی اور ضرورت کے وقت کلام کرتے تھے اسی لیے ان کا یہ وصف بیان ہوا۔ کہ وہ رات کو کم سوتے تھے، اور اگر نیند کا غلبہ نماز اور ذکر سے روکے اور پتہ نہ چلے کہ کیا کہہ رہا ہے تو سو جائے یہاں تک کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اسے سمجھ لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیٹھے بیٹھے سونے کو ناپسند کرتے تھے حدیث شریف میں ہے۔

وَلَا تُكَابِدُوا اللَّيْلَ (۱) رات کے وقت مشقت میں نہ پڑو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ فلاں عورت رات کو نماز پڑھتی ہے جب اس پر نیند غالب آتی ہے تو ایک رسی کے ساتھ لٹک جاتی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا تم میں کوئی شخص رات کو اسی قدر نماز پڑھے جو آسان ہو پس جب اس پر نیند غالب آ جائے تو سو جائے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

تَكَلَّفُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ فَإِنَّ اللَّهَ لَنْ يَمَلَّ حَتَّى تَمَلُّوا۔ (۲)

جس قدر طاقت ہو عمل کا بوجھ اٹھاؤ اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں اکتائے گا البتہ تم تھک جاؤ گے۔

اور آپ نے ہی ارشاد فرمایا:

خَيْرُ هَذَا الدِّينِ أَيْسَرُهُ۔ (۳)

اس دین میں وہ بات سب سے اچھی ہے جو سب زیادہ آسان ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ فلاں شخص نماز پڑھتا ہے سوتا نہیں روزہ رکھتا ہے چھوڑتا نہیں آپ نے فرمایا لیکن میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں روزہ بھی رکھتا ہوں اور روزہ ترک بھی کرتا ہوں یہ میری سنت ہے پس جس نے میری سنت سے منہ پھیرا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں (۴)

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۵ ص/۶۰ حدیث ۷۴۶۰

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۶۱ مرویات عائشہ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۲ مرویات محجن بن ادرع (۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵۸، کتاب النکاح

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس دین سے مقابلہ نہ کرو بے شک یہ مضبوط ہے پس جو آدمی اس سے مقابلہ کرے گا تو یہ اس پر غالب آجائے گا تو اپنے نفس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ناپسندیدہ نہ ٹھہراؤ"۔(۱)

۷۔ قبلہ رُخ ہو کر سوئے قبلہ کی طرف رُخ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

ایک وہ جو قریب الموت شخص کی ہوتی ہے یعنی وہ گدی پر (چت) لیٹا ہوا ہو اور اس کا چہرہ اور پاؤں کی تلوے قبلہ کی طرف ہوں دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح قبر میں قبلہ رُخ کیا جاتا ہے یعنی پہلو پر سوجاتے اور اس کا چہرہ اور بدن کا اگلا حصہ قبلہ کی طرف ہو اور یہ اس صورت میں ہو گا جب دائیں پہلو پر سوئے۔

۸۔ سوتے وقت دعائیہ کلمات پڑھے یوں کہے۔

بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِاسْمِكَ اَرْفَعُهٗ۔ (۲)

اے میرے رب میں تیرے نام پر اپنے پہلو کو رکھتا ہوں اور تیرے نام سے اٹھاتا ہوں۔

اس کے علاوہ ماثورہ دعائیں جو ہم دعاؤں کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں۔ مخصوص آیات پڑھنا بھی مستحب ہے مثلاً آیت الکرسی، سورۂ بقرہ کا آخری رکوع اور اس کے علاوہ۔ اسی طرح یہ بھی پڑھے۔

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ (۳)

کہا جاتا ہے کہ جو شخص سوتے وقت اس آیت کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو حفظِ قرآن کی دولت عطا فرمائے گا اور وہ اسے کبھی نہیں بھولے گا۔

سورۂ اعراف سے یہ آیات پڑھے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔

بے شک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۱۸ کتاب الصلوٰۃ

(۲) کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۹۰ حدیث ۷۰۹

(۳) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۶۳-۱۶۴

ثم استوی علی العرش یغشی اللیل النهار یطلبہ حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین ۝ ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین ۝ ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا وادعوہ خوفا وطمعا ان رحمت اللہ قریب من المحسنین ۝ (۱)

پھر اس نے عرش پر استوا فرمایا (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) ڈھانکتا ہے رات سے دن کو اس حال میں کہ دن، رات کو تیزی سے طلب کرتا ہے اور سورج اور چاند اور ستاروں کو (پیدا فرمایا) وہ سب اس کے حکم کے پابند ہیں سنو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کے ساتھ خاص ہے اللہ تعالی بڑی برکت والا ہے جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ پکارو بے شک اللہ تعالی حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح کے بعد۔ اور اس سے دعا مانگو ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔

اور سورۂ بنی اسرائیل کی آخری دو آیات پڑھے جو یہ ہیں۔

قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ط ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنی ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلک سبیلا ۝ وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیرا (۲)

آپ فرما دیجئے یا اللہ کہہ کر پکارو یا یا رحمن کہہ کر جس نام سے پکارو اسی کے اچھے نام ہیں نہ بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو ان دونوں کے درمیان راستہ تلاش کرو اور آپ فرما دیجئے سب تعریفیں اللہ تعالی کے لیے ہیں جس نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ درماندگی میں اس کا کوئی مددگار ہے اس کی بڑائی بدرجۂ کمال بیان کرو۔

تو اس کے پاس میں ایک فرشتہ داخل ہوگا جو اس کی حفاظت کے لیے مقرر کیا جائے گا۔ اور وہ اس کے لئے مغفرت کی دعا مانگے گا۔ سورۂ فلق اور سورۂ الناس پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونکے اور پھر اسے اپنے چہرے اور تمام جسم

(۱) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیات ۵۴، ۵۵، ۵۶

(۲) قرآن مجید بنی اسرائیل آیت ۱۱۰، ۱۱۱

پڑھے (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروی ہے۔

سورۂ کہف کی پہلی دس اور آخری دس آیات کی تلاوت کرے اور یہ آیات قیام لیل کے لیے جاگنے کی خاطر ہیں

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں اس کو کامل عقل والا نہیں سمجھتا، "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پچیس مرتبہ پڑھنے تاکہ چاروں کلمات کا مجموعہ ایک سو بار ہو جائے۔

۹۔ سوتے وقت یہ بات یاد رکھے کہ نیند ایک قسم کی وفات ہے اور بیدار ہونا قیامت کے دن اٹھنے کی طرح ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا۔ (۲)

اللہ تعالیٰ جانوں کو موت دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت نہیں آتا ان کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ (۳)

وہی اللہ ہے جو تمہیں رات کے وقت موت دیتا ہے۔

تو نیند کو موت قرار دیا جس طرح بیدار ہونے والے کے لیے کچھ مشاہدات منکشف ہوتے ہیں جو حالت نیند میں اس کے حالات کے مناسب نہیں ہوتے اسی طرح قیامت کے دن اٹھنے والا وہ باتیں دیکھے گا جو کبھی اس کے دل میں نہیں کھٹکیں اور نہ کبھی اس نے مشاہدہ کیا زندگی اور موت کے درمیان نیند کی مثال اس طرح ہے جیسے دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا اے بیٹے! اگر تجھے موت میں شک ہے تو مت سونا جس طرح تو سوتا ہے اسی طرح موت بھی آئے گی۔ اور اگر تجھے قیامت کے دن اٹھنے میں شک ہے تو نیند سے بیدار نہ ہو جس طرح تو سونے کے بعد بیدار ہوتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد اٹھے گا۔

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں جب تو سوئے تو دائیں پہلو پر لیٹ جا اور اپنا رخ قبلہ کی طرف کر کیونکہ یہ بھی

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۲۳ کتاب السلام

(۲) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۴۲

(۳) قرآن مجید سورۂ انعام آیت ۵۹

ایک وفات ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو آرام فرما ہوتے تو اپنے رخسار کو دائیں ہاتھ پر رکھتے اور یوں خیال رکھتے کہ آج رات ہی انتقال کر جائیں گے آپ اس وقت یہ کلمات کہتے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَمَلِیْکَہٗ (۱) اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کے رب ہمارے رب اور ہر چیز کے رب اور مالک۔

یہ مکمل دعا، دعاؤں کے بیان میں گزر چکی ہے۔

بندے پر لازم ہے کہ سوتے وقت تین باتوں کا خیال رکھے ایک یہ کہ کس بات پر سو رہا ہے (اس وقت دل میں کیا خیال ہے) اس پر کیا چیز غالب ہے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی ملاقات کی چاہت یا دنیا کی محبت؛ اسے یقین کرنا چاہیے کہ وہ اسے بات پر فوت ہو گا جو اس پر غالب ہے اور جس بات پر فوت ہو گا اسی پر اٹھایا جائے گا کیوں کہ آدمی اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے محبت کرتا ہے وہ انسان ہو یا کوئی چیز۔

۱۰۔ جاگتے وقت دعا مانگنا۔ جب بیدار ہو تو ادھر ادھر پہلو بدلنے کی حالت میں وہ کلمات پڑھے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

وہ یہ ہیں:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے غالب ہے آسمانوں اور زمین نیز جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے وہ غالب ہے بخشنے والا ہے۔

اسے کوشش کرنی چاہیے کہ سوتے وقت سب سے آخر میں اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہو اور جب بیدار ہو تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہو یہ محبت کی علامت ہے تو ان دونوں حالتوں میں دل میں وہی بات ہو گی جو اس پر غالب ہو گی تو اس کے ساتھ دل کا تجربہ کرے کیونکہ یہ محبت کی علامت ہے اور یہ علامت دل کے اندر سے واضح ہوتی ہے یہ اذکار اس لیے مستحب ہیں تاکہ دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف چل پڑے اور جب بیدار ہو تو یہ کہتا ہوا بیدار ہو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں موت دینے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۰۴ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۲) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۴۰ کتاب الدعاء

اس کے علاوہ دعائیں جو ہم نے دعاؤں کے بیان میں ذکر کی ہیں۔

چوتھا وظیفہ :

یہ وظیفہ رات کے پہلے نصف سے شروع ہو کر اس وقت تک ہوتا ہے جب رات کا چھٹا حصہ رہ جائے اس وقت بندہ تہجد کے لیے اٹھتا ہے اور تہجد کا نام اس نماز کے ساتھ خاص ہے جو نیند کے بعد ہوتی ہے۔ اور یہ رات کا درمیان والا حصہ ہے اور یہ دن کے اس وظیفہ کے مشابہ ہے جو زوال کے بعد ہوتا ہے اور وہ دن کا درمیان ہے اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی قسم کھائی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :

وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى (۱) اور رات کی قسم جب وہ چھا جائے،

یعنی جب رات ٹھہر جائے اور اس کا ٹھہراؤ اس وقت ہوتا ہے پس اس وقت اس زندہ قائم ذات کے علاوہ جسے اونگھ اور نیند نہیں آتی، تمام آنکھیں سوئی ہوتی ہیں کہا گیا ہے کہ سجیٰ سے مراد اس کا پھیلنا اور لمبا ہونا ہے بعض نے کہا اس سے اس کی تاریکی مراد ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ رات کے کس حصے میں دعا زیادہ سنی جاتی ہے آپ نے فرمایا رات کا درمیانے حصے میں (۲)

حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا،

یا اللہ! میں تیری عبادت کرنا چاہتا ہوں تو کونسا وقت افضل ہے اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اے داؤد علیہ السلام! رات کے پہلے اور آخری حصے میں قیام نہ کریں کیونکہ جو پہلے حصے میں قیام کرتا ہے وہ آخری حصے میں سو جاتا ہے اور جو آخری حصے میں قیام کرتا ہے وہ پہلے حصے میں قیام نہیں کرتا بلکہ آپ رات کے درمیانے حصے میں قیام کریں تاکہ آپ کے اور میرے درمیان تخلیہ ہو اور تمہاری حاجات مجھ تک پہنچیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، رات کا کونسا حصہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا رات کا پچھلا نصف (۳)

رات کے پچھلے نصف کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ اس وقت عرش جھومتا ہے جنات عدن سے ہوائیں پھیلتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت آسمان دنیا پر نازل ہوتی ہے (۴)

---

(۱) قرآن مجید، سورہ والضحیٰ آیت ۱

(۲) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۱۶۴ کتاب الطہارۃ

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۴ کتاب الصلوٰۃ

(۴) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۴۱۲ کتاب اہل الجنۃ

اور اس کے علاوہ روایات ہیں۔

اس وظیفے کی ترتیب یہ ہے کہ بیداری کے بارے میں (مذکورہ) دعاؤں سے فراغت کے بعد وضو کرے اور اس کی سنتوں، آداب اور دعاؤں کا خیال رکھے پھر جائے نماز پر جائے اور قبلہ رُخ ہو کر کھڑا ہو اور یوں پڑھے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔

اللہ سب سے بڑا ہے اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ تعریف ہے اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کے لیے پاکیزگی ہے۔

پھر دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمد للہ، دس مرتبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور پھر یوں کہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ ذُو الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ وَالْجَلَالِ وَالْقُدْرَةِ۔

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے وہ بڑائی، عظمت، جلال اور قدرت والا ہے۔

تہجد کے لیے قیام کے وقت یہ کلمات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ، اَنْتَ بَهَاءُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ، اَنْتَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ، اَنْتَ قَيُّوْمُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَمَنْ عَلَيْهِنَّ، اَنْتَ الْحَقُّ، وَمِنْكَ الْحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالنُّشُوْرُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ، اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ، وَبِكَ اٰمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ، اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (۱) اَللّٰهُمَّ

اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے تو آسمانوں اور زمین کا نور ہے تیرے لیے حمد ہے آسمانوں اور زمین والے تجھ ہی سے مانوس ہیں اور تیرے ہی لیے حمد ہے تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور تیرے ہی لیے حمد ہے۔ تو آسمانوں اور زمین کو نیز جو کچھ ان میں اور ان پر ہے اسے قائم کرنے والا ہے تو حق ہے تجھ سے حق ہے تیری ملاقات حق ہے، جنت حق ہے، جہنم حق ہے، قیامت کے دن اٹھنا حق ہے انبیاءِ کرام علیہم السلام حق ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں۔ یا اللہ! میں تیرے لیے اسلام لایا تجھ پر ایمان لایا تجھی پر بھروسہ کیا تیری طرف رجوع کیا تیرے نام سے دشمنوں سے جھگڑا کیا اور تیری بارگاہ میں فیصلے کے لیے رجوع کیا میرے گذشتہ، پچھلے، پوشیدہ اور ہر گناہ نیز میری زیادتیاں بخش دے تو آگے اور پیچھے کرنے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں یا اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما اور اسے پاک کر دے تو

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۹۸ مرویات ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا (۱) اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ، لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ، (۲) أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْبَائِسِ الْمِسْكِينِ، وَأَدْعُوكَ دُعَاءَ الْمُفْتَقِرِ الذَّلِيلِ، فَلَا تَجْعَلْنِي بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا؛ وَكُنْ بِي رَءُوفًا رَحِيمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُولِينَ وَأَكْرَمَ الْمُعْطِينَ۔ (۳)

سب سے زیادہ پاک کرنے والا ہے تو میرے نفس کا ولی اور مالک ہے یا اللہ! مجھے اچھے اعمال کی ہدایت دے اچھے اعمال کی راہنمائی تو ہی کرتا ہے اور مجھ سے برائی کو دور کر دے برائی کو تو ہی دور کرنے والا ہے یا اللہ! میں مسکین پریشان حال کی طرح سوال کرتا ہوں اور محتاج ذلیل کی طرح تجھ سے دعا مانگتا ہوں یا اللہ! مجھے اس دعا کے ساتھ بدبخت نہ کرنا مجھ پر رؤف اور رحیم ہو جا نا جن سے سوال کیا جاتا ہے ان میں سے بہتر، عطا کرنے والوں میں سے زیادہ معزز ذات۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو کھڑے ہوتے تو نماز شروع کرتے وقت یہ الفاظ پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ (۴)

اے اللہ! اے جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے تو بندوں کے درمیان ان کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے جس حق میں اختلاف کیا گیا اس میں اپنے حکم سے میری راہنمائی فرما بے شک تو جسے چاہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

اس کے بعد آپ نماز شروع کرتے اور دو ہلکی پھلکی رکعات پڑھتے پھر جس قدر ہو سکتا دو دو رکعتیں پڑھتے اور اگر پہلے وتر نہ پڑھے ہوتے تو اب پڑھتے ـــــ مستحب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھ کر دو

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۷۱ مرویات زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۲۰۰ حدیث ۷۸۹۲

(۳) الدر المنثور جلد اول ص ۲۲۹ تحت آیت ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۶۳ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔

نمازوں کے درمیان تفریق کرے اس طرح کچھ آرام ملے گا اور نماز کے لیے اس کی طبیعت میں تازگی پیدا ہو گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ پہلے دو مختصر رکعتیں پڑھتے پھر دو طویل رکعتیں ادا فرماتے پھر دو دو رکعتیں پڑھتے جو ان سے ذرا ہلکی پھلکی ہوتیں پھر بتدریج کم کرتے چلے جاتے یہاں تک کہ تیرہ رکعات پڑھتے (۱)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں آہستہ قرات کرتے تھے یا بلند آواز سے؟ تو انہوں نے فرمایا کبھی آہستہ اور کبھی بلند آواز سے قرأت فرماتے تھے۔ (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعتیں ہے پھر جب صبح کا خوف ہو تو دو رکعتوں کے ساتھ) ایک اور رکعت ملا کر اسے طاق بنا لو (یعنی وتر پڑھو)(۳) آپ نے فرمایا مغرب کی نماز دن کی نماز کو طاق رکعات بنا دیتی ہے پس رات کی نماز کو بھی طاق بناؤ (۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیام لیل کے بارے میں صحیح طور پر تیرہ رکعات ثابت ہیں (۵) ان رکعات میں اپنا وظیفۂ قرأت پڑھے یا مخصوص سورتوں سے پڑھے جو بھی آسان معلوم ہو۔ یہ بھی ایک وظیفہ کے حکم میں ہے جو رات کے آخری چھٹے حصے کے قریب ہے۔

پانچواں وظیفہ:

یہ رات کا آخری چھٹا حصہ ہے اور یہ سحری کا وقت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (۶) اور وہ لوگ سحری کے وقت بخشش مانگتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد نماز پڑھنا ہے کیونکہ اس میں استغفار ہے اور یہ فجر کے قریب ہوتا ہے جب رات کے فرشتے واپس جاتے ہیں اور دن کے فرشتے آتے ہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۶۲ صلاۃ المسافرین

(۲) سنن نسائی جلد اول ص ۱۹۷ کتاب قیام اللیل۔

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۷۵ کتاب صلاۃ المسافرین

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۸۳ مرویات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

(۵) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۶۲ کتاب صلوۃ المسافرین

(۶) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۱۸

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے جس رات ملاقات کی تو انہیں اس بات کا حکم دیا یہ ایک طویل حدیث ہے اس کے آخر میں فرمایا کہ جب رات کا وقت ہوا تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ قیام لیل کے لیے چلے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا سو جائیں وہ سو گئے پھر اٹھنے لگے تو انہوں نے فرمایا سو جائیں چنانچہ پھر سو گئے جب صبح کا وقت قریب ہوا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب اٹھیں پھر وہ دونوں کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی انہوں نے فرمایا تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے لہذا ہر حق دار کا حق ادا کرو۔ اس کا سبب یہ ہوا تھا کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ وہ رات بھر نہیں سوتے، اس واقعہ کے بعد وہ دونوں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا سنایا تو آپ نے فرمایا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا ہے (۱)

تو یہ پانچواں وظیفہ ہے اور اس میں سحری کھانا مستحب ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب فجر ہونے کا خوف ہو۔ ان دونوں وقتوں کا وظیفہ نماز پڑھنا ہے پھر جب طلوع فجر ہو جاتے تو رات کے وظائف ختم ہو جاتے ہیں اور دن کے وظائف شروع ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے یہی مراد ہے۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ۔ (۲)

رات کا کچھ حصے میں اور ستاروں کے جاتے وقت اللہ کی تسبیح بیان کرو۔

پھر یہ پڑھے۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور علم والے اس بات پر گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ انصاف کو قائم کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب حکمت والا ہے۔

پھر کہے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں جس کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے، فرشتوں نے اور اس کی مخلوق میں سے اہل علم نے گواہی دی میں اس گواہی کو اللہ تعالیٰ کے پاس امانت رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ سے اس کی حفاظت کا سوال کرتا ہوں حتیٰ کہ وہ مجھے اسی پر وفات دے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵۳-۱۵۴ کتاب التہجد۔

(۲) قرآن مجید، سورۃ طور آیت ۴۹

(۳) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۸

اَللّٰھُمَّ اُحْطُطْ عَنِّیْ وِزْرًا وَّاجْعَلْھَا لِیْ عِنْدَکَ ذُخْرًا وَّاحْفَظْھَا عَلَیَّ وَتَوَفَّنِیْ عَلَیْھَا حَتّٰی اَلْقَاکَ بِھَا غَیْرَ مُبَدِّلٍ تَبْدِیْلًا۔

یا اللہ! مجھ سے میرا (گناہوں کا) بوجھ اتار دے اس (شہادت) کو اپنے پاس ذخیرہ بنا اور اس کی حفاظت فرما تو مجھے اسی کلمہ شہادت پر وفات دے حتیٰ کہ میں تجھ سے ملاقات کروں تو اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہو۔

تو بندوں کے لیے وظائف کی یہ (مذکورہ بالا) ترتیب ہے اس کے علاوہ وہ ہر روز چار امور کو جمع کرنا مستحب گردانتے تھے روزہ، صدقہ اگرچہ قلیل ہی کیوں نہ ہو، مریض کی عیادت اور جنازے میں حاضری۔

حدیث شریف میں ہے:

مَنْ جَمَعَ بَیْنَ ھٰذِہِ الْاَرْبَعِ فِیْ یَوْمٍ غُفِرَ لَہٗ وَفِیْ رِوَایَۃٍ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (۱)

جو آدمی ایک دن میں ان چار باتوں کو جمع کرے اس کو بخش دیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جنت میں داخل ہوگا۔

اگر ان میں سے بعض پر عمل کرے اور بعض پر نہ کر سکے تو اسے نیت کی وجہ سے ان تمام کا ثواب ملے گا۔ ہمارے اسلاف اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی دن صدقہ کے بغیر گزر جائے چاہے وہ ایک کھجور ہو، پیاز یا روٹی کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔ کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلرَّجُلُ فِیْ ظِلِّ صَدَقَتِہٖ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ۔ (۲)

(قیامت کے دن) آدمی اپنے صدقہ کے سائے میں ہوگا حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ۔ (۳)

جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے (کا صدقہ کرنے) سے ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک سائل کو انگور کا ایک دانہ دیا اس نے لے لیا حاضرین نے (تعجب سے) ایک دوسرے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تو ام المومنین نے فرمایا تمہیں کیا ہوا اس میں بے شمار ذرات ہیں (اور ایک ذرے پر بھی ثواب ملتا ہے) ہمارے اسلاف سائل کو خالی ہاتھ لوٹانا اچھا نہیں سمجھتے تھے کیوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۱ص ۱۴۳ حدیث ۱۱۳۰۰

(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۲۷۱ حدیث ۱۶۱۰۹

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۵۶ مرویات عدی بن حاتم

اخلاق کریمانہ سے ہے کہ جب آپ سے کسی نے سوال کیا تو آپ نے جواب میں لفظ "نہیں" نہیں فرمایا اور بلکہ اس وقت آپ کے پاس کچھ ہوتا بلکہ بعض اوقات آپ قرض لے کر سائل کو دے دیتے تھے) اور اگر دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو خاموش رہتے (۱)

حدیث شریف میں ہے۔

يُصْبِحُ ابْنُ آدَمَ عَلَىٰ كُلِّ سُلَامَىٰ مِنْ جَسَدِهٖ صَدَقَةٌ۔ (۲)

انسان جب صبح کرتا ہے تو اس کے جسم کے ہر جوڑ پہ صدقہ لازم ہوتا ہے

اور اس کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں ـــــ آپ نے مزید فرمایا:

فَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَحَمْلُكَ عَلَى الضَّعِيفِ صَدَقَةٌ وَهِدَايَتُكَ إِلَى الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ وَإِمَاطَتُكَ الْأَذَىٰ صَدَقَةٌ۔ (۳)

نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے برائی سے روکے تو یہ بھی صدقہ کسی کمزور کو سامان اٹھوانے میں مدد دے تو یہ بھی صدقہ کسی کو راستہ دکھانا بھی صدقہ ہے اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا بھی صدقہ ہے۔

حتیٰ کہ آپ نے تسبیح و تہلیل کا ذکر فرمایا پھر فرمایا چاشت کی دو رکعتیں بھی صدقہ ہیں تم ان سب پہ عمل کرو (یا فرمایا) یہ سب تمہارے لیے جمع ہونے چاہیں،

حالات کی تبدیلی سے وظائف کا بدل جانا

جان لو! آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرنے والا اور اس کے راستے پر چلنے والا چھ حالات سے خالی نہیں وہ عابد ہو گا یا عالم یا متعلم، حکمران ہو گا یا صنعت کار اور یا وہ موحد ہو گا جو غیر سے منہ موڑ کر اللہ واحد بے نیاز کی ذات میں مستغرق ہو گا۔

۱- عابد کا وظیفہ یہ وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو عبادت کے لیے مختص کر دیتا ہے اور اس کے علاوہ اس کی کوئی مصروفیت نہیں ہوتی اگر وہ عبادت چھوڑ دے تو بالکل بیکار ہو کر بیٹھ جاتا ہے اس کے وظائف کی ترتیب وہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ البتہ اس کے وظائف میں تبدیلی کا ہونا کوئی بعید بات نہیں یعنی وہ اپنے تمام وقت کو نماز میں صرف کرتا ہے یا قرآن پاک کی قرأت یا تسبیحات میں مصروف رہتا ہے صحابہ کرام میں سے بعض کا

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۳ کتاب الفضائل

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۴۲، ۳۲۵ کتاب الزکوٰۃ

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۴۲، ۳۲۵ کتاب الزکوٰۃ

وظیفہ روزانہ بارہ ہزار تسبیح پڑھتا تھا بعض تیس ہزار بار پڑھتے تھے بعض صحابہ کرام تین سو سے چھ سو رکعات تک پڑھتے تھے بلکہ ایک ہزار رکعات تک پڑھتے تھے ان کی کم از کم نفل نماز رات دن میں بیس رکعات ہوتی تھیں جب کہ ان میں سے بعض روزانہ ایک مرتبہ قرآن پاک پڑھتے بعض دو ختم کرتے بعض صحابہ کرام دن یا رات میں ایک ہی آیت بار بار پڑھتے اور غور و فکر کرتے حضرت کرز بن وبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے وہ روزانہ دن کے وقت ستر طواف کرتے اور رات کو بھی ستر طواف کرتے اور اس کے ساتھ وہ رات اور دن میں قرآن پاک دو بار ختم کرتے تھے اس کا حساب لگایا گیا تو روزانہ چوبیس کلو میٹر مسافت بنتی ہے پھر ہر سات چکروں کے بعد دو رکعتیں بھی پڑھتے تو یہ دو سو اسی رکعات دو ختم شریف اور دس فرسخ (چوبیس کلومیٹر) مسافت طے کرنا ہوتا۔

اگر تم کہو کہ ان اوراد میں سے کس میں زیادہ وقت صرف کرنا بہتر ہے تو جان لو کہ نماز میں کھڑے ہو کر قرآن پاک پڑھنا اور اس میں تدبر کرنا ان سب کو جمع کرتا ہے لیکن بعض اوقات اس کی ہمیشہ پابندی مشکل ہو جاتی ہے تو افضل یہ ہے کہ آدمی کے حالات بدلنے سے یہ بدل جائے وظائف کا مقصد تو دل کو پاک کرنا اور اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے مزین کرنا اور اس سے مانوس کرنا ہے تو مرید کو اپنے دل کی طرف دیکھنا چاہیئے جس کی زیادہ تاثیر دیکھے ہمیشہ اسی پر عمل پیرا ہو جب اس میں ملال محسوس ہوا تو دوسرے وظیفہ کی طرف منتقل ہو جائے اسی لیے ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ عام لوگ ان مختلف اوراد کو مختلف اوقات پر تقسیم کر دیں جیسا کہ پہلے گزر گیا تو ایک نوع سے دوسری نوع کی طرف منتقل ہوں کیونکہ طبیعت عام طور پر تھک جاتی ہے اور ایک آدمی کے حالات بھی اس سلسلے میں مختلف ہوتے ہیں لیکن جب وظائف کا مقصد اور اسرار سمجھ آجائیں تو اس کے معنیٰ کے پیچھے چلیں مثلاً جب تسبیح سنے اور اسے دل میں محسوس کرے تو جب تک اسے محسوس کرے اس پر پابندی سے عمل کرے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ سے بعض ابدال کے بارے میں مروی ہے کہ وہ دریا کے کنارے پر رات کو نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو بلند آواز سے تسبیح سنی لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا انہوں نے فرمایا تو کون ہے؟ میں تیری آواز سنتا ہوں لیکن تو دکھائی نہیں دیتا اس نے کہا کہ میں ایک فرشتہ ہوں جو اس سمندر پر مقرر ہوں میں جب سے پیدا ہوا ہوں یہ تسبیح کہتا ہوں میں نے کہا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا "مہلہیائیل"، میں نے پوچھا یہ تسبیح پڑھنے والا کیا ثواب حاصل کرتا ہے؟ اس نے کہا جو آدمی ایک سو سو بار پڑھے وہ مرنے سے پہلے جنت میں اپنی جگہ دیکھ لے گا یا اسے دکھایا جائے گا۔

وہ تسبیح یہ ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَلِیِّ الدَّیَّانِ
سُبْحَانَ اللّٰہِ الشَّدِیْدِ الْاَرْکَانِ سُبْحَانَ
مَنْ یَّذْھَبُ بِاللَّیْلِ وَیَاْتِیْ بِالنَّھَارِ سُبْحَانَ

میں اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں جو بلند، بدلہ دینے والا ہے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں جو مضبوط ارکان والا ہے وہ ذات پاک ہے جو رات کو لے جاتی اور

مَنْ لَا يَشْغَلُهُ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْحَنَّانِ الْمَنَّانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْمُسَبَّحِ فِي كُلِّ مَكَانٍ۔

دن کو لاتی ہے وہ ذات پاک ہے جسے کوئی ایک کام دوسرے کام سے نہیں پھیرتا وہ ذات پاک ہے جو مشفق، احسان کرنے والا ہے وہ اللہ پاک ہے جس کی تسبیح ہر جگہ بیان کی جاتی ہے۔

یہ تسبیح اور اس طرح کی دیگر تسبیحات جب سنے اور دل میں اس کی کچھ وقعت محسوس کرے تو اسے لازم پکڑے اور جس عمل کو دل میں پائے اور اس میں اس کے لیے بھلائی کا دروازہ کھلے اسے ہمیشہ اختیار کرے۔

۲۔ عالم کا وظیفہ

وہ عالم جس کے علم سے لوگ فتویٰ، تدریس یا تصنیف کے حوالے سے فائدہ اٹھاتے ہوں تو اس کے وظیفے کی ترتیب عابد کے وظیفہ کے خلاف ہوگی کیونکہ وہ کتابوں کے مطالعہ تصنیف اور فائدہ پہنچانے کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور اس کے لیے لازماً وقت کی ضرورت ہوتی پس اگر اس کام میں وقت گزارنا ضروری ہو تو یہ عمل فرائض و سنن کے بعد سب سے افضل ہے اور اس پر وہ تمام روایات دلالت کرتی ہیں جو ہم نے علم کے بیان کے میں تعلیم و تعلّم کی فضیلت کے ضمن میں ذکر کی ہیں اور ایسا کیوں نہیں ہوگا۔ جب کہ علم میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر دوام ہے اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں غور و فکر کرتا ہے اس میں لوگوں کا نفع ہے اور طریق آخرت کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے اور بعض اوقات ایک مسئلہ جسے متعلم سیکھتا ہے اس کے ساتھ عمر بھر کی عبادت کو درست کرتا ہے اور اگر وہ اسے نہ سیکھتا تو اس کی محنت ضائع ہو جاتی ہے اور جو علم، عبادت پر مقدم ہے اس سے ہماری مراد وہ علم ہے جو لوگوں کو آخرت کی رغبت اور دنیا سے دوری کا درس دیتا ہے یا وہ علم مراد ہے جو آخرت کے راستے پر چلنے میں ان کی مدد کرتا ہے جب کہ وہ راہ حق پہ چلنے کے لیے مدد حاصل کرنے کی نیت سے خریدیں وہ علوم مراد نہیں جن کے ذریعے جاہ اور مرتبہ میں اور مخلوق میں مقبولیت کا ارادہ کیا جائے علم کے سلسلے میں بھی اوقات کی تقسیم بہتر ہے۔

عالم کے دن رات کی تقسیم

تمام اوقات کو ترتیب علم میں مصروف رکھنے کو طبیعت برداشت نہیں کرتی لہذا صبح سے طلوع آفتاب تک ذکر اور وظائف کے لیے مختص ہو جائے جیسا کہ ہم نے پہلے وظیفہ کے ضمن میں ذکر کیا ہے طلوع آفتاب سے چاشت تک تعلیم میں مصروف ہو اگر اس کے پاس کوئی شخص آخرت کے لیے علم حاصل کرنے والا ہو اگر کوئی نہ ہو تو غور و فکر میں مشغول ہو اور جو علوم دین اسے مشکل معلوم ہوتے ہیں ان میں غور و فکر کرے کیونکہ ذکر سے فراغت کے بعد اور دنیوی سوچ میں پڑنے سے پہلے دل کی صفائی مشکلات کو سمجھنے میں مددگار ہوتی ہے چاشت سے عصر تک تصنیف اور مطالعہ میں مصروف رہے صرف کھانے پینے، طہارت، فرض نماز اور دن بڑا ہو تو کچھ دیر قیلولہ کے لیے وقفہ کرے عصر سے سورج کے زرد ہونے تک قرآن پاک کی قرأت،

تفسیر یا حدیث یا کوئی دوسرا علم جو اس کے سامنے پڑھا جائے اس کو سنے، اس کے بعد غروب آفتاب تک ذکر استغفار اور تسبیح میں مصروف رہے تو سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اس کا پہلا وظیفہ زبان کے ساتھ ہوگا۔

دوسرا وظیفہ جو چاشت تک ہوگا وہ غور و فکر سے متعلق ہوگا تیسرا وظیفہ عصر تک مطالعہ اور کتابت کی صورت میں آنکھ اور ہاتھ سے تعلق رکھتا ہے چوتھا وظیفہ جو عصر سے شروع ہوتا ہے وہ کانوں سے متعلق ہے تاکہ اس میں آنکھوں اور ہاتھوں کو آرام پہنچے کیونکہ عصر کے بعد مطالعہ کرنا یا لکھنا بعض اوقات آنکھوں کو نقصان پہنچاتا ہے سورج کا رنگ بدلنے کے بعد پھر ذکر لسان کی طرف لوٹ جائے تو اس طرح دن کا کوئی حصہ اعضاء کے عمل سے خالی نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ ان تمام میں دل بھی حاضر ہوگا۔ جہاں تک رات کا تعلق ہے تو اس میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی تقسیم بہترین ہے آپ نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا ایک حصہ مطالعہ اور ترتیب علم کے لیے اور یہ پہلا تہائی حصہ ہے، درمیانہ حصہ نماز کے لیے اور تیسرا حصہ سونے کے لیے یہ سردیوں کی راتوں میں آسان ہوتا ہے اور گرمیوں کی راتوں میں بعض اوقات ایسا نہیں ہو سکتا البتہ نیند کا زیادہ حصہ دن کو پورا کرے تو ٹھیک ہے۔

طالب علم کا وظیفہ اذکار و نوافل میں مشغولیت کی نسبت علم حاصل کرنے میں مصروف رہنا افضل ہے۔ لہٰذا وظائف کی ترتیب میں اس کا حکم وہی ہے جو عالم کا ہے لیکن عالم فائدہ پہنچاتا ہے اور اسے فائدہ حاصل کرنے میں مشغول رہنا چاہیے۔ اور جس وقت عالم تصنیف و تالیف میں مشغول ہوتا ہے یہ حاشیہ لکھنے اور کتابت میں مشغول ہو یہ بھی اپنے اوقات کو اسی طرح تقسیم کرے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے اور ہم نے تعلم اور علم کی فضیلت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہ افضل ہے بلکہ اگر کوئی شخص اس طرح طالب علم نہ ہو کہ وہ حاشیہ وغیرہ لکھے اور علم حاصل کر کے عالم بنے بلکہ عوام میں سے ہو تو اس کا ذکر و وعظ اور علم کی مجالس میں حاضر ہونا ان وظائف میں مشغولیت سے بہتر ہے جو ہم نے صبح اور طلوع آفتاب بلکہ دیگر اوقات کے سلسلے میں ذکر کیے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

اِنَّ حُضُوْرَ مَجْلِسِ ذِكْرٍ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوةِ اَلْفِ رَكْعَةٍ وَشُهُوْدِ اَلْفِ جَنَازَةٍ وَعِيَادَةِ اَلْفِ مَرِيْضٍ (۱)

بے شک مجلسِ ذکر میں حاضری ایک ہزار رکعات پڑھنے، ایک ہزار جنازوں میں حاضر ہونے اور ایک ہزار بیماروں کی عیادت سے بہتر ہے۔

یہاں ذکر سے وعظ و نصیحت اور علم کی مجلس مراد ہے محض واعظین اور قصے سنانے والے اور ادھر اُدھر کی باتیں کر کے ہنسانے رُلانے والے لوگوں کی مجلس مراد نہیں ۱۲ ہزاروی)

(۱) کتاب الموضوعات جلد اول ص ۲۲۳ کتاب العلم۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمْ رِيَاضَ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا فِيهَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّكْرِ۔ (۱)

جب تم جنت کے باغوں کو دیکھا تو وہاں سے خوراک حاصل کرو صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! جنت کے باغ کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ذکر کے حلقے (مجالس)

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر علماء کی مجالس کا ثواب لوگوں کے سامنے ظاہر ہو تو وہ اس پر ایک دوسرے سے لڑیں حتیٰ کہ ہر امیر اپنی حکومت چھوڑ دے اور ہر دوکاندار اپنی دوکانداری چھوڑ دے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک شخص گھر سے نکلتا ہے اور اس پر تہامہ پہاڑ جتنے گناہ ہوتے ہیں جب وہ کسی عالم کی بات سن کر خوف کھاتا اور گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو وہ اپنے گھر کی طرف اس طرح لوٹتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا پس تم علماء کی مجلس سے جدا نہ ہو اللہ تعالیٰ نے زمین پر مجالس علماء سے زیادہ معزز جگہ نہیں بنائی ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا کہ مجھے اپنے دل کی سختی کی شکایت ہے انہوں نے فرمایا مجالس ذکر کے قریب جایا کرو حضرت عمار زاہدی نے مسکینہ طفاویہ کو خواب میں دیکھا اور وہ ہمیشہ حلقۂ ذکر میں رہتی تھیں انہوں نے کہا اے مسکینہ "خوش آمدید" اس نے کہا کیا کہتے ہو؟ مسکینی چلی گئی اور مالداری آگئی ہے انہوں نے پوچھا وہ کس طرح؟ تو اس نے جواب دیا اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جس کے لیے جنت اپنی تمام نعمتوں کے ساتھ مباح کر دی گئی، انہوں نے فرمایا کس بنیاد پر؟ تو کہا اہل ذکر کی مجلس اختیار کرنے سے۔

خلاصہ یہ کہ عمدہ کلام اور اچھی سیرت والے واعظ کی باتوں سے محبتِ دنیا کی گرہ جو دل سے کھل جاتی ہے تو یہ وعظ ان بے شمار رکعات سے بہتر ہے کہ اس کے باوجود دل میں محبت دنیا باقی رہے۔

کام کاج کرنے والے کا وظیفہ

وہ شخص جو اپنے اہل وعیال کے لیے کام کاج کی حاجت رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے اہل وعیال کو ضائع کر کے تمام وقت عبادات میں گزارے بلکہ کام کے وقت اس کا وظیفہ بازار کی حاضری اور اپنے کسب میں مشغولیت ہے لیکن اسے چاہیے کہ وہ اپنے کاریگری اور کام کاج میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو نہ بھولے بلکہ وہ تسبیحات، اذکار اور قراءت قرآن میں مشغول رہے کیونکہ کام کے ساتھ اس عمل کو جمع کیا جا سکتا ہے جب کہ کام کے ساتھ نماز کو اکٹھا کرنا ممکن نہیں البتہ چوکیدار ہو تو اس ڈیوٹی کے ساتھ نماز پڑھنا مشکل نہیں ہوتا پھر جب ضروری کسب سے فارغ ہو جائے تو وظائف کی طرف لوٹ جائے اور اگر وہ مسلسل مشقت میں رہے اور ضرورت سے زائد مال صدقہ کر دے تو یہ ان تمام وظائف سے افضل ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۰ مرویات انس بن مالک رضی اللہ عنہ

کیونکہ عبادات جن کا فائدہ دوسروں تک پہنچتا ہے ذاتی فائدے والے کاموں سے زیادہ مفید ہیں۔ اور اس نیت سے کسبِ حلال اور صدقہ ذاتی طور پر عبادت اور قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے پھر یہ کہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے اور مسلمانوں کی دعاؤں کی برکات اس کی طرف لوٹتی ہیں اور یوں ثواب بڑھ جاتا ہے۔

حکمرانوں کا وظیفہ اس سے حکمران، قاضی اور وہ لوگ مراد ہیں جو مسلمانوں کے کاموں میں مشغول ہیں (جیسے فوجی، پولیس والے اور دیگر محکموں کے لوگ) تو ان کا مسلمانوں کی حاجات اور مقاصد کو شریعت کے طریقے پر انجام دینا اور نیک نیتی سے کام لینا ان تمام مذکورہ وظائف سے افضل ہے۔

تو اس پر لازم ہے کہ دن کو لوگوں کے حقوق میں مشغول ہو اور فرائض پر اکتفا کرے اور مذکورہ وظائف رات کو پڑھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسی طرح کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا مجھے نیند سے کیا تعلق ہے اگر میں دن کے وقت سو جاؤں تو مسلمان ضائع ہو جائیں گے اور اگر رات کو سوؤں تو خود ضائع ہو جاؤں گا۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے تمہیں معلوم ہو گیا کہ دو باتوں کو بدنی عبادات پر مقدم کیا جائے ایک علم اور دوسرا مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا سلوک۔ کیونکہ علم اور نیکی کا سلوک دونوں ذاتی طور پر عمل ہیں اور ایک ایسی عبادت ہے جو تمام عبادات پر فضیلت رکھتی ہے اس کا فائدہ دوسروں کو پہنچتا ہے اور نفع پھیلتا ہے پس یہ دونوں باتیں عبادت پر مقدم ہیں۔

موحّد کا وظیفہ موحد یعنی وہ شخص جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں مستغرق ہوتا ہے اور اس کے تمام افکار صرف ایک فکر میں جمع ہو جاتے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور صرف اسی سے ڈرتا ہے غیر سے رزق کی توقع نہیں رکھتا وہ جس چیز کو دیکھتا ہے اس میں صرف اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے تو جس آدمی کا رتبہ اس درجہ تک پہنچ جائے وہ مختلف قسم کے وظائف کا محتاج نہیں ہوتا اور فرائض کے بعد اس کا صرف ایک وظیفہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر حال میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاضر رہے جب ان کے دلوں میں کوئی خیال آتا ہے یا کانوں میں کوئی بات پڑتی ہے یا آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو وہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں حرکت اور سکون دیتا ہے تو ان لوگوں کے تمام حالات ان کے لیے اضافے کا باعث ہیں وہ عبادات میں امتیاز نہیں کرتے یہی وہ لوگ ہیں جو بھاگ کر اللہ تعالیٰ کی طرف چلے گئے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ (۱) تاکہ تم نصیحت حاصل کرو پس اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑ جاؤ۔

اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مصداق ہیں۔

(۱) قرآن مجید، سورۃ الذاریات آیت ۴۹

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ ۔ (۱)

اور جب تم نے ان سے اور اللہ کے سوا جن کی وہ پوجا کرتے ہیں ان سے کنارہ کشی اختیار کی تو اب غار میں پناہ لے لو وہ تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ ۔ (۲)

بے شک میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں عنقریب وہ مجھے راستہ دکھا دے گا۔

یہاں صدیقین کے درجات کی انتہاء ہوتی ہے۔ اور یہاں تک پہنچنا اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے جب ایک عرصہ دراز تک وظائف کی پابندی کی جائے۔ مرید آخرت کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ ان باتوں میں سے کچھ سن کر دھوکہ میں آ جائے اور اپنے نفس میں اس کا دعویٰ کرے اور عبادت کے وظائف میں کوتاہی کرنے لگے اس درجہ پر پہنچنے والے کی علامت یہ ہے کہ اس کے دل میں وسوسے پیدا نہ ہوں اور نہ اس کے دل میں گناہ کا خیال اٹھے نہ پریشانیوں کا ہجوم اسے مضطرب کرے اور نہ بڑے بڑے اشغال اس کے راستے میں رکاوٹ بنیں، تو یہ مرتبہ ہر ایک کو کیسے مل سکتا ہے۔ اور ان سب لوگوں کے وظائف کی ترتیب وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے اور یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے سب اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۔ (۳)

آپ فرما دیجئے سب اپنے اپنے طریقے پر عمل کرتے ہیں تو تمہارا رب اسے خوب جانتا ہے جو زیادہ سیدھے راستے پر ہے۔

یہ سب ہدایت یافتہ ہیں البتہ بعض کو دوسروں کی نسبت زیادہ ہدایت حاصل ہے

حدیث شریف میں ہے:

اَلْاِيْمَانُ ثَلَاثٌ وَّثَلَاثُوْنَ وَثَلَاثُمِائَةِ طَرِيْقَةٍ مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ تَعَالٰى بِالشَّهَادَةِ

ایمان کے تین سو تینتیس راستے ہیں جو شخص ان میں سے کسی ایک راستے پر گواہی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۱۶

(۲) قرآن مجید، سورہ صافات آیت ۹۹

(۳) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۸۴

عَلٰی طَرِیْقٍ مِّنْهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (۱) ملاقات کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی تعداد کے مطابق ایمان کو تین سو تیرہ اخلاق کی تعداد پیدا فرمایا تو جو مومن ایمان کے کسی ایک طریقے پر ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والا ہے تو تمام لوگ (مومن) راہ حق پر ہیں اگرچہ عبادت میں ان کے طریقے مختلف ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ۔ (۲) یہ لوگ جن کو پوجتے ہیں تو اپنے رب تک وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے۔

انسانوں کی ان تمام اقسام کے حق میں وظائف میں اصل چیز دوام ہے کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ باطنی صفات میں تبدیلی آجائے اور عمل کی انفرادی صورت میں اعمال کا اثر کم ہوتا ہے بلکہ ان کے آثار محسوس ہی نہیں ہوتے اثرات مجموعے پر مرتب ہوتے ہیں پس جب ایک عمل پر کوئی اثر محسوس ہی نہیں ہوتے اثرات مجموعے پر مرتب ہوتے ہیں پس جب ایک عمل پر کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا اور اس کے پیچھے فوری طور پر دوسرا اور تیسرا عمل نہیں آئے گا تو پہلا اثر مٹ جائے گا اور یہ اس فقیہ کی طرح ہوگا جو ذاتی طور پر فقیہ ہونا چاہتا ہے تو وہ جب تک بہت زیادہ تکرار نہیں کرے گا فقیہ نہیں ہوگا اگر وہ ایک رات میں تکرار کرے تو اس کا کچھ اثر نہ ہوگا اور اس مقدار کو متواتر راتوں پر تقسیم کر دے تو وہ عمل مؤثر ہوگا۔ اسی راز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ (۳) اللہ تعالیٰ کو وہ اعمال زیادہ پسند ہیں جن میں دوام ہو اگرچہ کم ہوں۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا آپ کا عمل دائمی ہوتا تھا اور آپ جب کوئی عمل کرتے تو اسے مضبوط کرتے۔ (۴)

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ عَوَّدَهُ اللّٰهُ عِبَادَةً فَتَرَكَهَا مَلَالَةً جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کسی عبادت کا پابند بنایا

---

(۱) شعب الایمان جلد ۶ ص ۳۶۶ حدیث ۸۵۴۹

(۲) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۵۷

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۶۶ کتاب صلوٰۃ المسافرین

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۶۶ کتاب صلوٰۃ المسافرین

پھر اس نے تھک کر چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے
مَقَتَہُ اللہُ۔ (۱)

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں جو کسی وفد کے ساتھ مشغولیت کی وجہ سے رہ گئی تھیں (۲) (حالانکہ آپ عصر کے بعد نفل نہیں پڑھتے تھے)

پھر آپ ہمیشہ عصر کے بعد پڑھتے لیکن گھر میں پڑھتے تھے مسجد میں نہیں تاکہ آپ کی اقتداء نہ کی جائے (معلوم ہوا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت تھی دوسروں کے لیے اس کی اجازت نہیں ۱۲ ہزاروی) اسے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔

اگر تم کہو کہ کوئی دوسرا شخص اس سلسلے میں حضور علیہ السلام کی اقتداء کر سکتا ہے جب کہ یہ مکروہ وقت ہے ـــــ
تو جان لو کہ کراہت کے سلسلے میں ہم نے جو تین اسباب بیان کئے ہیں یعنی سورج کی پوجا کرنے والوں کی مشابہت سے بچنا، یا شیطان کا سینگ ظاہر ہونے کے وقت سجدہ کرنا، یا تھک جانے کے خوف سے عبادت سے کچھ دیر آرام کرنا ہے اور یہ تینوں باتیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں متحقق نہیں ہوئیں لہٰذا آپ پر غیر کو قیاس نہ کیا جائے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کا یہ عمل گھر میں ہوتا تھا تاکہ دوسرے آپ کی اقتداء نہ کریں۔

---

(۱)

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۸۳ کتاب مواقیت الصلوٰۃ

دوسرا باب

وہ اسباب جو قیام لیل کو آسان کرتے ہیں نیز وہ راتیں جنہیں عبادت میں گزارنا مستحب ہے، رات کو عبادت کرنے کی فضیلت، مغرب و عشاء کے درمیان کی فضیلت اور رات کی تقسیم کا طریقہ

مغرب و عشاء کے درمیان عبادت کی فضیلت

إِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَوٰتِ عِنْدَ اللّٰهِ صَلٰوةُ الْمَغْرِبِ لَمْ يَحُطَّهَا عَنْ مُسَافِرٍ وَلَا عَنْ مُقِيمٍ فَتَحَ بِهَا صَلٰوةَ اللَّيْلِ وَخَتَمَ بِهَا صَلٰوةَ النَّهَارِ فَمَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَصَلّٰى بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ بَنَى اللّٰهُ لَهُ قَصْرَيْنِ فِي الْجَنَّةِ۔ (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل نماز مغرب کی نماز ہے اسے نہ مسافر سے کم کیا نہ مقیم سے، اس سے رات کی نماز کو شروع کیا اور دن کی نماز کو ختم کیا تو جو آدمی مغرب کی نماز پڑھے اور اس کے بعد دو رکعتیں ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں دو محل بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل نماز مغرب کی نماز ہے اسے نہ مسافر سے کم کیا نہ مقیم سے، اس سے رات کی نماز کو شروع کیا اور دن کی نماز کو ختم کیا تو جو آدمی مغرب کی نماز پڑھے اور اس کے بعد دو رکعتیں ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں دو محل بنائے گا۔

راوی فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ وہ سونے کے ہوں گے یا چاندی کے ــــ اور جو شخص اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے تو اس کے بیس سال گناہ یا فرمایا چالیس کے گناہ یا فرمایا چالیس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (۲)

حضرت ام سلمہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھے تو یہ اس کے لیے ایک پورے سال کی عبادت کے برابر ہے یا (فرمایا) گویا اس نے لیلۃ القدر میں نماز پڑھی۔ (۳)

---

(۱) تفسیر الاحکام القرآن جلد ۳ ص ۲۱۰ تحت آیت حافظوا علی الصلوات

(۲) کنز العمال جلد ۷ ص ۳۹۳ حدیث ۱۹۴۷۵ (۳) العلل المتناہیہ جلد اول ص ۴۵۷ حدیث ۷۷۷

حضرت سعید بن جبیر، حضرت ثوبان (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جو آدمی مغرب و عشاء کے درمیان میں مسجد میں رک جائے نماز اور تلاوت قرآن کے علاوہ کوئی گفتگو نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس کے لیے جنت میں دو محل بنائے ان میں سے ہر محل ایک سو سال کی مسافت ہو گا اور ان دونوں کے درمیان درخت لگائے گا اگر تمام دنیا والے اس کا چکر لگائیں تو وہ ان کو کافی ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جو آدمی مغرب اور عشاء کے درمیان دس رکعات پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک محل بنائے گا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس طرح تو ہمارے محلات بہت زیادہ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بہت دینے والا اور بہت زیادہ فضل والا ہے۔ یا آپ نے فرمایا وہ زیادہ پاک ہے۔ (۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جو آدمی مغرب کی نماز باجماعت پڑھے پھر اس کے بعد دو رکعتیں پڑھے اور اس دوران کوئی دنیوی گفتگو نہ کرے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی پہلی دس آیات اور اس کے درمیان سے یہ دو آیتیں پڑھے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ (۲)

اور تمہارا معبود، ایک معبود ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ رحمت والا مہربان ہے بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش

اور سورۂ اخلاص پندرہ بار پڑھے پھر رکوع اور سجدہ کرے جب دوسری رکعت کے لیے اٹھے تو سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں پڑھے اور سورۂ بقرہ کے آخر سے تین آیات یعنی "للہ ما فی السموات" سے آخر تک پڑھے اور پندرہ بار سورۂ اخلاص پڑھے حدیث شریف میں اس کا ثواب اس قدر بیان کیا گیا ہے جو شمار سے باہر ہے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۷، ص ۲۸۷ حدیث ۱۹۴۲۶

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۶۳، ۱۶۴

حضرت کرز بن وبرہ جو ابدال میں سے ہیں فرماتے ہیں میں نے حضرت خضر علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی چیز سکھائیں کہ روزانہ رات اس پر عمل کروں انہوں نے فرمایا جب مغرب کی نماز پڑھو تو کسی سے کلام کئے بغیر عشاء تک نماز پڑھو جو نماز پڑھ رہے ہو اس کی طرف متوجہ رہو اور ہر دو رکعتوں پر سلام پھیر دو ہر رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین بار قل ہو اللہ احد پڑھو، جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو گھر چلے جاؤ اور کسی سے کلام نہ کرو، پھر دو رکعتیں پڑھو ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سات مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھو، سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کرو اور اس میں سات مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔" پڑھو پھر سجدے سے سر اٹھا کر سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ اور ہاتھوں کو اٹھا کر یوں پڑھو۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا اِلٰہَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَرَحِیْمَھُمَا یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ۔

اے زندہ، اے قائم رکھنے والے، اے بزرگی اور عزت والے اے پہلوں اور پچھلوں کے معبود اے دنیا اور آخرت کے رحمٰن اور ان دونوں کے رحیم اے میرے رب، اے میرے رب! اے میرے رب! اے میرے اللہ! اے میرے اللہ! اے میرے اللہ!

٭ ٭ ٭

پھر کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھائے ہوئے یہی دعا مانگیں پھر جہاں چاہیں قبلہ رخ ہو کر دائیں پہلو پر سو جائیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھیں اور پڑھتے رہیں حتیٰ کہ سو جائیں ـــــ حضرت کرز بن وبرہ کہتے ہیں میں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے بتائیں آپ نے یہ بات کس سے سنی ہے تو انہوں نے فرمایا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب آپ نے یہ دعا سکھائی اور یہ آپ کی طرف وحی کی گئی میں اس وقت وہاں تھا یہ سب کچھ میرے سامنے ہوا تو آپ نے جس کو یہ سکھائی ہے میں نے اس سے سیکھی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جو شخص حسن یقین کے ساتھ اس دعا اور اس نماز کی پابندی کرے اور اس کی تصدیق کرے وہ دنیا سے جانے سے پہلے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو گا بعض لوگوں نے یہ عمل کیا تو دیکھا کہ وہ جنت میں داخل ہوئے وہاں انبیاء کرام کو دیکھا ان میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی زیارت کی اور آپ نے ان سے کلام کیا اور تعلیم بھی دی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مغرب و عشاء کے درمیان عبادت کرنے کی فضیلت بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے علاوہ نماز کا حکم دیتے تھے؟ انہوں نے فرمایا مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھنے کا حکم فرماتے تھے (۱)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۳۱ مرویات عبید مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مَنْ صَلَّى مَا بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فَذٰلِكَ صَلٰوةُ الْاَوَّابِيْنَ - (۱)
جو شخص مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھے تو یہ اوابین کی نماز ہے۔ (اوابین وہ لوگ جو لوگ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں)

☆

حضرت اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں جب بھی اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا میں نے ان سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا ہاں یہ غفلت کی گھڑی ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کی پابندی فرماتے اور کہا کرتے تھے کہ یہ شب بیداری ہے اور فرماتے کہ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔
تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ - (۲)
ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں
حضرت احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوسلیمان درانی سے کہا کہ میں دن کو روزہ رکھتا ہوں اور مغرب و عشاء کے درمیان کھانا کھاتا ہوں کیا آپ اسے پسند کرتے ہیں یا میں دن کو روزہ نہ رکھوں اور ان دونوں نمازوں کے درمیان عبادت کروں؟ انہوں نے فرمایا دونوں کام کرو میں نے کہا اگر ایسا کرنا آسان نہ ہو تو؟ انہوں نے فرمایا روزہ چھوڑ دو اور اس وقت نماز پڑھو۔

قیام لیل کی فضیلت

آیات کریمہ:

ارشاد خداوندی ہے۔
اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ - (۳)
بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ رات کا دو تہائی حصہ (نماز میں) کھڑے ہوتے۔

ارشاد خداوندی ہے،
اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً
بے شک رات کا اٹھنا خواہشات کو سخت روندنے

---

(۱) کنز العمال جلد ۷ ص ۳۸۸ حدیث ۱۹۴۲۹
(۲) قرآن مجید سورۂ سجدہ آیت ۱۶
(۳) قرآن مجید سورۂ مزمل آیت ۲۰

وَاَقْوَمُ قِيلًا ۔ (۱) — والا اور بات کو درست کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (۲) — ان کے پہلو بستروں سے الگ ہوتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا ۔ (۳) — کیا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں رہتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۔ (۴) — وہ لوگ جو سجدے اور قیام کی حالت میں اپنے رب کے لیے رات گزار دیتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۔ — اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو۔

احادیث:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم میں سے کوئی شخص سوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگاتا ہے ہر گرہ کی جگہ پر پھونک مارتا ہے اور کہتا ہے لمبی رات ہے سو جا پس اگر وہ بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اگر وضو بھی کرے تو دوسری گرہ کھلتی ہے پھر نماز بھی پڑھے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے تو وہ ہشاش بشاش صبح کرتا ہے ورنہ صبح کے وقت اس پر سستی طاری ہوتی ہے۔ (۶)

ایک حدیث شریف میں ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کا ذکر کیا گیا جو رات بھر صبح تک

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مزمل آیت ۶

(۲) قرآن مجید، سورۂ سجدہ

(۳) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۹

(۴) قرآن مجید سورۂ فرقان آیت ۶۴

(۵) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۴۵

(۶) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵۳ کتاب التہجد۔

سوتا ہے آپ نے فرمایا وہ شیطان ہے اور شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کیا ہے (۱)
ایک اور روایت میں ہے کہ شیطان کے پاس سنگھانا، چاٹنا اور چھڑکنا ہے جب کسی بندے کو سنگھاتا ہے تو اس کے اخلاق برے ہوتے ہیں جب اسے چاٹتا ہے تو اس کی زبان برائی کے ساتھ تیز ہو جاتی ہے اور جب چھڑکاؤ کرتا ہے تو وہ ساری رات سوتا ہے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے۔ (۲)
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دو رکعتیں جو بندہ رات کے درمیان پڑھتا ہے وہ اس کے لیے دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہیں اور اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو ان پر لازم کر دیتا۔ (۳)
صحیح حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی ایک ایسی گھڑی ہے جو کسی مسلمان بندے کو موافق ہو جائے اور وہ اسی میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے (۴)
ایک روایت میں ہے کہ وہ دنیا اور آخرت کی بھلائی میں سے اللہ تعالیٰ سے مانگے اور یہ پوری رات میں ہے (۵)
حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے رہے حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک پھٹ گئے آپ سے عرض کیا گیا کیا آپ اگلے پچھلے گناہوں سے معصوم نہیں ہیں آپ نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں (۶)
یعنی یہ زیادہ مرتبہ کے حصول سے کنایہ ہے کیونکہ شکر، مزید حصول کا سبب ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،
لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ (۷) اگر تم شکر کرو تو میں تمہیں مزید عطا کروں گا۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر زندگی اور

---

(۱)
(۲) حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۳۰۹ ترجمہ ۳۸۲
(۳) کنز العمال جلد ۶ ص ۵۸۷ حدیث ۲۱۴۰۵
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۴۸ مرویات جابر رضی اللہ عنہ
(۵) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۵۸ کتاب صلوٰۃ المسافرین
(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۱۵ مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا۔
(۷) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۷

موت کی حالت میں نیز قبر اور حشر میں بھی ہو؟ (اگر ایسا چاہتے ہو) تو رات کو اُٹھ کر نماز پڑھو اور تم اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرو اے ابوہریرہ! گھر کے کونوں میں نماز پڑھو آسمانوں میں تمہارے گھر کی روشنی ہوگی جس طرح ستاروں کی روشنی دنیا والوں کے لیے ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "رات کو (نماز کے ساتھ) قیام اختیار کرو یہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ ہے بے شک رات کی عبادت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ، گناہوں کا کفارہ جسمانی لذتوں کے ازالہ اور گناہوں سے رکاوٹ کا باعث ہے (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص رات کو نماز پڑھتا ہو اور اس پر نیند غالب آجائے تو اس کے لیے نماز کا ثواب لکھا جاتا ہے اور اس کی نیند اس پر صدقہ ہوتی ہے (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر تم سفر کا ارادہ کرو تو اس کے تیاری کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تو سفر قیامت کا کیا حال ہے؟ اے ابوذر! کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اس دن کیا بات نفع دے گی؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں بتائیے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن کے لیے سخت گرمی کے دن روزہ رکھو، وحشتِ قبر کے لیے رات کے اندھیرے میں دو رکعتیں پڑھو، بڑے بڑے کاموں کے لیے حج کرو، کسی مسکین کو صدقہ دو یا کوئی حق بات کہو یا (کم از کم) بری بات سے رُک جاؤ۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص تھا جب لوگ اپنے بستروں پر چلے جاتے اور سو جاتے تو وہ اُٹھ کر نماز پڑھتا اور قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا اور کہتا "اے آگ کے رب! مجھے اس سے نجات عطا فرما یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا جب وہ اس طرح کرے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا جب وہ اس طرح کرے تو مجھے اطلاع کرنا، چنانچہ آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی دعا کو سنا جب صبح ہوئی تو فرمایا اے فلاں! تو نے اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیوں نہیں کیا؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا مقام نہیں اور نہ میرے اعمال اس تک پہنچتے ہیں کچھ دیر گزری تو حضرت جبریل علیہ السلام اترے اور عرض کیا (یا رسول اللہ!) آپ فلاں آدمی کو خبر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے اسے بچا لیا اور جنت میں داخل کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۳۰۸ کتاب صلوٰۃ التطوع

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۷۲ مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا

اچھے آدمی ہیں اگر وہ رات کو نماز پڑھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ بات بتائی تو اس کے بعد انہوں نے قیام لیل کی پابندی شروع کردی (۱)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رات کو نماز پڑھتے پھر فرماتے اے نافع! کیا سحری ہوگئی؟ میں عرض کرتا نہیں تو وہ نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے پھر پوچھتے اے نافع! کیا سحری ہوگئی! میں عرض کرتا جی ہاں تو وہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے حتیٰ کہ صبح ہوجاتی۔

حضرت علی بن ابی الخیر فرماتے ہیں حضرت یحییٰ بن زکریا رضی اللہ عنہ نے جو کی روٹی سیر ہو کر کھائی اور صبح تک اپنے وظیفہ سے بے خبر (سوئے) رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام کیا اے یحییٰ! تو نے میرے گھر سے اچھا گھر پایا ہے؟ یا مجھ سے اچھا پڑوسی مل گیا ہے؟ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اگر تم جنت کو ایک دفعہ بھی جھانک لو تو اس کے شوق میں تمہاری چربی پگھل جائے اور جان نکل جائے اور اگر تم جہنم کو جھانک کر دیکھو تو تمہاری چربی پگھل جاتے اور آنسوؤں کے بعد پیپ بہنے لگے اور اونی کپڑے کی بجائے لوہا پہن لو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ایک شخص رات کو نماز پڑھتا ہے اور جب دن ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے آپ نے فرمایا عنقریب یہ (نماز) اسے اس کے عمل سے روک دے گی۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم فرماتے جو رات کو عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے پھر اپنی بیوی کو بھی جگاتا ہے اور وہ نماز پڑھتی ہے اگر وہ نہ جاگے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتا ہے۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو کھڑی ہو کر نماز پڑھتی ہے پھر اپنے خاوند کو بھی جگاتی ہے اور وہ بھی نماز پڑھتا ہے اگر وہ نہ جاگے تو اس کے منہ پر چھینٹے مارتا ہے۔ (۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص رات کو بیدار ہو اور اپنی بیوی کو بھی جگائے پھر وہ دونوں نماز پڑھیں تو وہ بہت ذکر کرنے والے مردوں اور بہت ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھے جاتے ہیں (۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵۱ باب التہجد

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۴۷ مرویات ابی ہریرۃ

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۹۴ ابواب اقامۃ الصلوٰۃ

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۹۴ ابواب اقامۃ الصلوٰۃ

(۵) ایضاً

اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْمَكْتُوْبَۃِ قِیَامُ اللَّیْلِ (۱) فرائض کے بعد بہترین نماز رات کا قیام ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے وظیفہ یا رات کی کسی عبادت سے سو گیا پھر اسے فجر اور ظہر کے درمیان پڑھا تو اس کے لیے یوں لکھا جائے گا کہ گویا اس نے رات کو ہی پڑھا ہے (۲)

آثارِ صحابہ و تابعین

ایک روایت میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کو ایک آیت کا ورد کرتے کرتے گر جاتے تو کئی دن تک ان کی عیادت کی جاتی جس طرح مریض کی بیمار پرسی کی جاتی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا طریقہ تھا کہ جب لوگ سو جاتے تو آپ کھڑے ہو جاتے اور شہد کی مکھی جیسی بھنبھناہٹ سنائی دیتی حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ایک رات سیر ہو کر کھانا کھایا اور فرمایا جب گدھے کو چارہ زیادہ دیا جائے تو وہ زیادہ کام کرتا ہے تو وہ صبح تک کھڑے رہے۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ جب اپنے بستر پر جاتے تو اس پر کروٹیں بدلتے جیسے کڑاہی میں دانا اچھلتا ہے پھر کود کر بستر سے الگ ہو جاتے اور صبح تک نماز پڑھتے پھر فرماتے جہنم کے ذکر سے عابدین کی نیند اُڑ گئی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم کسی عمل کو رات کی محنت (قیام لیل) اور مال خرچ کرنے سے زیادہ سخت نہیں جانتے پوچھا گیا کہ تہجد پڑھنے والوں کے چہرے کیوں زیادہ خوبصورت ہوں گے انہوں نے فرمایا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے علیحدگی اختیار کی تو اس نے اپنا نور انہیں پہنا دیا۔

ایک بزرگ سفر سے واپس آئے تو ان کے لیے بچھونا بچھایا گیا وہ اس پر سو گئے حتیٰ کہ ان کا وظیفہ رہ گیا انہوں نے قسم کھائی کہ آئندہ کبھی بھی بستر پر نہیں سوئیں گے۔

حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد رحمہ اللہ کا طریقہ تھا کہ جب رات چھا جاتی تو وہ اپنے بستر کے پاس آ کر اس پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے بے شک تو نرم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! جنت میں تجھ سے بھی نرم بستر ملے گا پھر وہ رات بھر نماز پڑھتے رہتے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب رات آتی ہے تو شروع میں اس کا لمبا ہونا مجھے ڈراتا ہے لیکن میں قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیتا ہوں حتیٰ کہ صبح ہو جاتی ہے اور میرا کام مکمل نہیں ہوتا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں انسان گناہ کرتا ہے تو اس کی وجہ سے رات کو اٹھنے سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر تم رات کو قیام کرنے اور دن کو روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہو تو جان لو کہ تم محروم ہو

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۴۴ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۵۶ کتاب الصلوۃ المسافرین

اور تمہاری خطائیں زیادہ ہو گئی ہیں۔

حضرت صلہ بن اشیم رحمہ اللہ ساری رات نماز پڑھتے جب سحری کا وقت ہوتا تو عرض کرتے الہٰی! میرے جیسا آدمی جنت نہیں مانگ سکتا لیکن تو مجھے جہنم سے پناہ دے۔

ایک شخص نے کسی دانا سے کہا کہ میں رات کو قیام کرنے سے عاجز ہوں اس نے کہا اے بھائی! دن کو اللہ تعالےٰ کی نافرمانی نہ کرو اور رات کو قیام نہ کرو (تو کوئی حرج نہیں)

حضرت حسن بن صالح رحمہ اللہ کی ایک لونڈی تھی انہوں نے اسے ایک قوم پر بیچ دیا جب رات کا درمیان ہوا تو لونڈی کھڑی ہوئی اور کہنے لگی اے گھر والو! اٹھو نماز پڑھو انہوں نے پوچھا کیا صبح ہو گئی ہے کیا فجر طلوع ہو گئی ہے؟ اس نے کہا کیا تم صرف فرض نماز پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں چنانچہ وہ حسن بن صالح کے پاس چلی گئی اور کہنے لگی اے میرے مالک! آپ نے مجھے ایسے لوگوں پر بیچ دیا جو صرف فرض نماز پڑھتے ہیں مجھے واپس لے لیں چنانچہ انہوں نے اسے واپس لے لیا۔

حضرت ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے گھر کئی راتیں گزاریں تو وہ رات کو تھوڑا سا وقت آرام کرتے۔

حضرت ابوالجویریہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں چھ مہینے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے ساتھ رہا اس میں کسی رات بھی انہوں نے اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نصف رات عبادت کرتے آپ ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو وہ کہنے لگے یہ شخص پوری رات عبادت کرتا ہے تو آپ نے فرمایا مجھے حیا آتی ہے کہ اس کام کے ساتھ میری تعریف کی جائے جو میں نہیں کرتا اس کے بعد آپ رات بھر عبادت کرتے ایک روایت یہ ہے کہ آپ کے لیے رات کے وقت بچھونا نہیں ہوتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے اس طرح رات گزاری کہ پوری رات اس آیت کو پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ (۱)	کیا وہ لوگ جو گناہ کماتے ہیں ان کا خیال ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے۔

حضرت مغیرہ بن حبیب رحمہ اللہ نے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے نماز عشاء کے بعد وضو کیا پھر

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ جاثیہ آیت ۲۱

اپنے مصلیٰ پر کھڑے ہوئے اور اپنی داڑھی کو پکڑ لیا حتی کہ آنسوؤں کی وجہ سے ان کا گلا گھونٹا گیا کہنے لگے یا اللہ! مالک کے بڑھاپے کو دوزخ پر حرام کر دے یا اللہ! تو جانتا ہے کہ جنت میں کون رہیگا اور جہنم میں کون کوئی تو مالک کا گھر کون سا ہے؟ وہ صبح تک یہی بات کہتے رہے۔ حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک رات میں اپنا وظیفہ بھول کر سو گیا تو میں نے خواب میں ایک احمدی کو دیکھا جو بہت زیادہ خوبصورت ہے اور اس کے ہاتھ میں رقعہ ہے اس نے کہا کیا تو اسے اچھی طرح پڑھ سکتا ہے؟ میں نے کہا ہاں اس نے وہ رقعہ مجھے دے دیا تو اس میں لکھا تھا۔

کیا لذتوں اور خواہشات نے تجھے جنت میں خوبصورت اور محبت کرنے والی حوروں سے غافل کر دیا گیا تو ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے کا موت نہیں آئے گی اور جنتوں میں خوبصورت حوروں سے کھیلے گا خوابِ غفلت سے بیدار ہو کیوں کہ تہجد میں قرآن پاک کی تلاوت اس سے بہتر ہے۔

کہا گیا کہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو وہ ہر وقت سجدہ ریز رہتے حضرت ازہر مغیث رحمہ اللہ سے مروی ہے اور وہ رات کو قیام کرنے والوں میں تھے انہوں نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک عورت کو دیکھا جو دنیوی عورتوں کے مشابہ نہیں تھی میں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا حوروں میں سے کہا مجھ سے نکاح کر لے اس نے کہا میرے مالک کو پیغامِ نکاح دے اور مہر ادا کر میں نے کہا تیرا مہر کیا ہے؟ اس نے کہا دیر تک تہجد پڑھتے رہنا۔

حضرت یوسف بن مہران فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ عرش کے نیچے ایک فرشتہ ہے جو مرغ کی شکل کا ہے اس کے ناخن موتیوں کے اور کلغی سبز زبرجد کی ہے جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزرتا ہے تو وہ اپنے پروں کو پھڑپھڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ قیام کرنے والوں کو اٹھنا چاہیئے جب رات کا نصف گزر جاتا ہے تو وہ پھر پھڑپھڑاتے ہوئے کہتا ہے تہجد پڑھنے والے اٹھیں، جب دو تہائی رات گزر جاتی ہے تو وہ پھڑپھڑاتے ہوئے کہتا ہے نماز پڑھنے والوں کو اٹھنا چاہیئے جب فجر طلوع ہوتی ہے تو وہ پروں کو ہلاتے ہوئے کہتا ہے غافل لوگوں کو اٹھنا چاہیئے اور ان پر بوجھ ہیں۔

کہا گیا کہ حضرت وہب بن منبہ یمانی رحمہ اللہ نے تیس سال تک اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھا اور وہ فرمایا کرتے تھے اگر میں اپنے گھر میں شیطان کو دیکھوں تو وہ مجھے تکیہ دیکھنے سے زیادہ پسند ہے کیونکہ تکیہ نیند کی دعوت دیتا ہے۔ اور ان کے لیے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جب نیند کا غلبہ ہوتا تو وہ اپنا سینہ اس پر رکھ دیتے اور کچھ جھونکے لے لیتے پھر نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔

کسی بزرگ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی تو میں نے سنا وہ فرما رہا تھا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں حضرت سلیمان تیمی کو اچھا ٹھکانہ دونگا کیونکہ انہوں نے میرے لیے چالیس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے کہا جاتا ہے کہ ان کے مذہب میں جب نیند دل پر چھا جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے (مطلب یہ ہے کہ ان کا دل بھی متوجہ رہتا تھا)

بعض قدیم کتابوں میں اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ اس نے فرمایا کہ میرا سچا بندہ وہ ہے جو قیام لیل میں مرغ کی اذان کا (صبح کا) انتظار نہیں کرتا۔

قیام لیل کی آسانی کے اسباب

جان لو! لوگوں پر رات کا قیام مشکل ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو قیام لیل کی ظاہری اور باطنی شرائط کی آسانی کے ساتھ توفیق دی گئی۔

ظاہری شرائط:

قیام لیل کی ظاہری شرائط چار ہیں۔

۱۔ زیادہ نہ کھائے کیونکہ اس طرح زیادہ پانی پیئے گا اور اس پر نیند غالب آجائے گی اور کھڑا ہونا مشکل ہو گا بعض بزرگ ہر رات دستر خوان کے پاس کھڑے ہو کر کہتے اے مریدین کے گروہ! زیادہ نہ کھاؤ اس طرح زیادہ پینا پڑے گا تو زیادہ سو گے اور موت کے وقت بہت زیادہ افسوس ہو گا یہ ایک بڑا ضابطہ ہے یعنی معدے پر کھانے کا بوجھ کم ڈالنا۔

۲۔ دن کو ایسے کاموں کے ذریعے اپنے آپ کو نہ تھکائے جن کے ذریعے اعضاء تھک جاتے ہیں اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ بھی نیند کا سبب ہے

۳۔ دن کا قیلولہ نہ چھوڑے کیونکہ یہ سنت ہے (۱) اور قیام لیل پر مدد کرتا ہے۔

۴۔ دن کو گناہوں کے بوجھ نہ اٹھائے کیوں کہ اس سے دل سخت ہو جاتا ہے اور بندے اور اسباب رحمت کے درمیان رکاوٹ ہو جاتی ہے۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے عرض کیا اے ابوسعید! میں رات کو آرام سے سوتا ہوں حالانکہ میں قیام لیل کو پسند کرتا ہوں اور وضو کے لیے پانی تیار رکھتا ہوں تو کیا وجہ ہے کہ میں رات کو قیام نہیں کر سکتا؟ انہوں نے فرمایا تمہارے گناہوں نے تمہیں قید کر دیا ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ جب بازار میں داخل ہوتے اور لوگ کی فضول اور لغو باتیں سنتے تو فرماتے میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کی رات بری رات ہے کیونکہ دن کو نہیں سوتے۔

حضرت سوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک گناہ کے سبب جس کا میں نے ارتکاب کیا تھا پندرہ سال تک میں قیام لیل سے محروم رہا پوچھا گیا کہ وہ کونسا گناہ ہے؟ فرمایا میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو رو رہا تھا تو میں نے دل میں کہا کہ یہ ریاکار ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں میں حضرت کرز بن وبرہ رحمہ اللہ کے پاس گیا، تو وہ رو رہے تھے میں نے پوچھا کیا آپ کے اہل و

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۲۳ ماجاء فی الصیام

عیال میں سے کسی کی موت کی خبر آئی ہے ؟ انہوں نے کہا اس سے بھی سخت ہے میں نے پوچھا کسی درد کی وجہ سے تکلیف ہے ؟ انہوں نے کہا اس سے بھی سخت ہے میں نے پوچھا وہ کیا ہے ؟ انہوں نے کہا میرا دروازہ بند ہے پردہ لٹکا ہوا ہے اور میں نے رات کا وظیفہ نہیں پڑھا یقیناً اس کی وجہ کوئی گناہ ہے جو میں نے کیا ہے کیونکہ نیکی اچھائی کو لاتی ہے اور برائی ، برائی کو لاتی ہے اور ان میں سے تھوڑا زیادہ کو لاتا ہے اسی لیے حضرت سلیمان دارانی نے فرمایا کسی شخص کی نماز باجماعت کسی گناہ کی وجہ سے ہی چھوٹتی ہے وہ فرماتے تھے رات کو احتلام سزا ہے اور جنابت (اللہ تعالیٰ سے) دوری کی علامت ہے۔

بعض علماء نے فرمایا اے مسکین ! جب روزہ رکھو تو دیکھو کس کے پاس اور کس چیز کے ساتھ افطار کرتے ہو کیونکہ بندہ ایک لقمہ کھاتا ہے تو اس کا دل پہلی حالت سے بدل جاتا ہے اور پہلی حالت کی طرف نہیں لوٹتا۔ تو تمام گناہ دل کی سختی پیدا کرتے ہیں اور قیام لیل سے روکتے ہیں اور خاص تاثیر یہ ہے کہ وہ حرام کھاتا ہے جب کہ حلال لقمہ دل کی صفائی اور اس کو بھلائی کے لیے متحرک کرنے کا ذریعہ ہے اور یہ تاثیر کسی اور بات سے پیدا نہیں ہوتی دل کی حفاظت کرنے والے لوگ اس بات کو تجربہ کی بنیاد پر جانتے ہیں جب کہ شریعت بھی اس کی گواہی دیتی ہے۔ اسی لیے ان میں سے بعض نے فرمایا کہ کتنے ہی لقمے قیام لیل سے روکتے ہیں اور کتنی ہی نگاہیں قرآن پاک کی سورت پڑھنے سے مانع ہیں ایک شخص کوئی لقمہ کھاتا ہے یا کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ قیام لیل سے محروم ہو جاتا ہے جس طرح نماز بے حیائی اور برائی کی باتوں سے روکتی ہے اسی طرح بے حیائی ، نماز اور باقی تمام نیکیوں سے روکتی ہے جیل کے ایک داروغہ نے کہا کہ میں تیس سال سے زیادہ داروغہ رہا جو آدمی بھی رات کو پکڑا جاتا میں اس سے پوچھتا کہ کیا اس نے نماز عشاء جماعت سے پڑھی ہے تو وہ سب کہتے نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کی برکت بے حیائی اور برائی کے کاموں سے رکاوٹ ہو جاتی ہے۔

باطنی امور :

یہ بھی چار ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کے بارے میں کینہ پروری سے نیز بدعتوں اور دنیا کے فضول خیالات سے دل کا سلامت ہونا ہے کیونکہ جس آدمی کی توجہ دنیوی تدابیر کی طرف ہو اس کے لیے قیام آسان نہیں ہوتا اور اگر وہ کھڑا ہو بھی جائے تو نماز میں ان ہی امور کے بارے میں سوچتا رہتا ہے اور وہ وسوسوں میں مبتلا رہتا ہے اس قسم کی حالت کے بارے میں کسی نے کہا ہے۔

دربان مجھ سے کہتا ہے ، یا کہ تم سوئے ہوئے تھے اور تم تو جاگتے ہوئے بھی سوئے ہوتے ہو۔

۲۔ امید کم ہو اور دل پر خوف زیادہ طاری ہو کیونکہ جب آخرت کی پریشانیوں اور جہنم کے درجات بارے میں سوچے گا تو نیند اڑ جائے گی اور خوف بڑھ جائے گا جیسے کہ حضرت طاؤس نے فرمایا کہ جہنم کے ذکر سے عابدین کی نیند اڑ جاتی ہے

اور جیسے ایک واقعہ ہے کہ بصرہ میں ایک غلام تھا جس کا نام صہیب تھا وہ پوری رات قیام کرتا تھا اس مالکہ نے اس سے کہا تمہارا رات کو قیام کرنا دن کے کام کو نقصان پہنچاتا ہے اس نے کہا صہیب جب جہنم کو یاد کرتا ہے تو اسے نیند نہیں آتی ایک اور غلام رات بھر میں سوتا تھا جب اسے یہ بات کہی گئی تو اس نے کہا جب مجھے جہنم کا خیال آتا ہے تو میرا خوف بڑھ جاتا ہے اور جب میں جنت کو یاد کرتا ہوں تو شوق کے باعث) سونے پر قادر نہیں ہوتا حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا۔

قرآن پاک نے اپنے وعدہ اور وعید کے ذریعے رات کے وقت سونے سے روک دیا وہ بزرگی والے بادشاہ کا کلام سمجھ چکے ہیں اس لیے ان کی گردنیں اس کے سامنے عاجزی کے ساتھ جھکی ہوئی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی پڑھا ——
اے سونے اور غفلت میں پڑنے والے نیند کی کثرت حسرتوں کا باعث ہے بے شک قبر میں جانے کے بعد بہت لمبی نیند ہوگی اور تمہارے لیے بچھونا تیار کیا گیا چاہے وہ تمہارے گناہوں کے اعتبار سے ہو یا نیکیوں کے حساب سے، کیا تو رات کو ملک الموت سے بے خوف ہے اور ایسے لوگوں پر بھی وہ رات کو آتا ہے۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
جب رات تاریک ہوتی ہے تو وہ محنت (عبادت) میں لگ جاتے ہیں حتیٰ کہ جب صبح روشن ہوتی ہے تو وہ حالتِ رکوع میں ہوتے ہیں خوف نے ان کی نیند اڑا دی اور وہ کھڑے ہوگئے اور بے خوف لوگ دنیا میں تسلی سے سوئے ہوئے ہیں۔

۳۔ آیات، احادیث اور آثار سے قیام لیل کی فضیلت سننے حتیٰ کہ اس کی امید اور ثواب کے لیے شوق پکا ہو جائے پس یہ شوق مزید حاصل کرنے اور جنت کے درجات کی رغبت کو بڑھائے جیسے ایک حکایت میں ہے کہ ایک نیک شخص جہاد سے واپس آیا تو اس کی بیوی نے اس کے لیے بستر تیار کیا اور اس کی انتظار میں بیٹھ گئی وہ مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھتا رہا حتیٰ کہ صبح ہوگئی اس کی بیوی نے کہا ہم ایک عرصہ تک تمہارے منتظر رہے جب تم آئے تو صبح تک نماز میں مشغول رہے اس نے کہا اللہ کی قسم! میں پوری رات جنت کی حور کے بارے میں سوچتا رہا اور اپنی بیوی اور گھر کو بھول گیا اور ساری رات اسی کے شوق میں کھڑا رہا۔

۴۔ اور یہ سب سے اچھا سبب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس بات پر پختہ ایمان کہ وہ اپنے قیام میں جو حرف بھی زبان سے نکالتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہے اس کے ساتھ ساتھ دل کے خطرات کا بھی مشاہدہ کرے اور یوں سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے خطاب ہو رہا ہے۔
تو جب اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا تو یقیناً اس کے لیے خلوت کو بھی پسند کرے گا اور اس سے ہمکلامی کی لذت پائے گا تو اپنے محبوب سے مناجات کی یہ لذت اسے طویل قیام کی رغبت دے گی۔ لہٰذا اس لذت کو کچھ بعید نہ سمجھے کیوں کہ اس پر عقل و نقل دونوں گواہ ہیں۔
جہاں تک عقل کا تعلق ہے تو اسے اس شخص کو دیکھنا چاہیے جو کسی کے حسن کی وجہ سے اسی سے محبت کرتا ہے۔

یا اس کے انعام واکرام اور مال کی وجہ سے اسے محبوب رکھتا ہے تو وہ کس طرح اس کے ساتھ رہنے اور گفتگو میں لذت حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ اسے رات بھر نیند نہیں آتی۔

اگر تم کہو کہ خوبصورت لوگوں کو دیکھنے سے لذت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو نظر نہیں آتا تو جان لو کہ اگر خوبصورت محبوب پردے کے پیچھے ہو یا تاریک مکان میں ہو تو بھی محبت کو اس کی ہمسائیگی سے لذت حاصل ہوتی ہے اگرچہ وہ اسے دیکھ نہیں رہا اور نہ اسے کسی اور بات کی لالچ ہے وہ اس سے اظہار محبت کرتا اور اس سے ہمکلام ہوتا ہے تو بھی اس کے لیے خوشی کا باعث ہے اگرچہ یہ باتیں اس محبوب کو معلوم بھی ہوں۔

اگر تم کہو کہ وہ محبوب کے جواب کا منتظر رہتا ہے اور اس کا جواب سن کر لذت حاصل کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں سنتا۔

تو جان لو کہ اسے معلوم ہے کہ وہ اس کا جواب نہیں دیتا بلکہ خاموش رہتا ہے تو حالات پیش کرنے کی لذت اس کے لیے باقی رہتی ہے اور اس کے دل کی باتیں اس تک پہنچتی ہیں اور یہ کیسے نہیں ہوگا جب کہ یقین رکھنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر وہ بات سنتا ہے جو مناجات کے درمیان اس کے دل پر وارد ہوتی ہے تو وہ اس سے لذت حاصل کرتا ہے۔

جس طرح کوئی شخص رات کو بادشاہ کے پاس علیحدگی میں ہوتا ہے اور رات کے وقت اس کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتا ہے اور اس کے انعام کی امید سے لذت حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے امید تو نہایت سچی ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اور دوسروں کے پاس جو کچھ ہے، اس سے زیادہ نفع بخش ہے تو کس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے علیحدگی میں اپنی حاجات پیش کر کے لذت حاصل نہیں کرے گا۔

اس کے نقلی دلائل یہ ہیں کہ جو لوگ رات کو قیام کرتے ہیں وہ اس قیام سے لذت حاصل کرتے ہیں اور رات کو چھوٹا خیال کرتے ہیں جس طرح محب، محبوب کے وصال کی رات کو مختصر خیال کرتا ہے حتیٰ کہ ان میں سے بعض سے کہا گیا کہ تمہاری رات کی کیا صورت ہے؟ تو اس نے کہا میں نے کبھی اس بات کا لحاظ نہیں کیا وہ مجھے اپنا چہرہ دکھاتی ہے اور چلی جاتی ہے اور میں اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا کہ میں اور رات مقابلہ کرنے والے دو گھوڑوں کی طرح ہیں بعض اوقات وہ مجھ سے آگے نکل کر صبح تک چلی جاتی ہے اور بعض اوقات وہ میری سوچ کو توڑ دیتی ہے۔

کسی بزرگ سے پوچھا گیا آپ کی رات کا کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا وہ ایک ساعت ہے جب میں دو حالتوں کے درمیان میں ہوتا ہوں جب وہ آتی ہے تو میں اس کے اندھیرے پر خوش ہوتا ہوں اور جب اس کی فجر آتی ہے تو میں غمگین ہو جاتا ہوں اس کے ساتھ میری خوشی کبھی بھی مکمل نہیں ہوتی۔

حضرت علی بن بکار رحمہ اللہ فرماتے ہیں چالیس سال سے مجھے صبح کی آمد نے جتنا غمگین کیا اتنا کسی دوسری بات نے غمزدہ نہیں کیا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب سورج غروب ہوتا ہے تو میں اندھیرے پر خوش ہوتا ہوں کیونکہ اب مجھے اپنے رب کے ساتھ خلوت کا موقع ملتا ہے۔ اور جب صبح ہوتی ہے تو میں غمگین ہو جاتا ہوں کیونکہ اب لوگ میرے پاس آنا شروع ہو جاتے ہیں ــــــ حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں رات کو قیام کرنے والے کھیل کود والوں کی نسبت زیادہ لذت پاتے ہیں اگر رات نہ ہوتی تو میں دنیا میں ٹھہرنا پسند نہ کرتا۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا اگر رات کو قیام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ثواب کی بجائے صرف یہ لذت عطا فرمائے تو انہیں یہ زیادہ پسند ہوگا بعض علماء نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی ایسا وقت نہیں جو جنتی نعمتوں کے مشابہ ہو البتہ جو لوگ رات کو انکساری کرتے ہیں وہ مناجات کی حلاوت پاتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے فرمایا مناجات کی لذت دنیا سے نہیں بلکہ جنت سے ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کرام کے لیے ظاہر کیا ان کے علاوہ کسی کو یہ لذت نہیں ملتی ــــــ حضرت ابن منکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا کی لذات سے صرف تین چیزیں باقی رہ گئی ہیں۔ رات کا قیام، (مسلمان) بھائیوں سے ملاقات اور نماز باجماعت۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سحری کے وقت شب بیداری کرنے والوں کے دلوں کو دیکھتا ہے اور ان کو نور سے بھر دیتا ہے۔ تو فوائد ان کے دلوں پر لوٹتے ہیں اور وہ روشن ہوتے ہیں پھر ان کے دلوں سے نور غافلوں کی دلوں پر پھیلتا ہے۔

قدیم علماء میں سے بعض نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض صدیقین کی طرف وحی بھیجی کہ میرے کچھ بندے ایسے ہیں جن سے میں محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ میرے مشتاق ہیں اور میں ان کا مشتاق ہوں وہ مجھے یاد کرتے ہیں اور میں ان کو یاد کرتا ہوں وہ میری زیارت کرتے ہیں اور میں ان کو دیکھتا ہوں۔

اگر تو ان کے راستے پر چلے تو میں تجھ سے محبت کروں گا اور اگر تو ان سے روگردانی کرے تو میں تجھ پر ناراض ہوں گا انہوں نے عرض کیا اے رب! ان کی علامت کیا ہے۔ فرمایا وہ دن کے وقت سایوں کو دیکھتے ہیں جیسے چرواہا اپنی بکریوں کی نگرانی کرتا ہے وہ سورج کے غروب ہونے کی طرف اس طرح لپکتے ہیں جس طرح پرندے اپنے گھونسلوں کی طرف لپکتے ہیں جب ان پر رات کی تاریکی چھا جاتی ہے اور اندھیرا ہو جاتا ہے اور ہر محب اپنے محبوب کے پاس چلا جاتا ہے تو وہ میرے لیے اپنے پاؤں کھڑے کرتے اور اپنے چہرے بچھا دیتے ہیں اور میرے کلام کے ذریعے مجھ سے گفتگو کرتے ہیں اور میرے انعام کے ذریعے میرے سامنے انکساری کرتے ہیں۔ تو کوئی چیختا ہے اور کوئی روتا ہے کوئی آہیں بھرتا ہے اور کوئی عرض گزار ہوتا ہے جو مشقت وہ میرے لیے اٹھاتے ہیں وہ میرے سامنے ہے اور میری محبت میں جو کچھ شکایت کرتے ہیں میں سنتا ہوں میں انہیں سب سے پہلا عطیہ یہ دوں گا کہ ان کے دلوں میں اپنا نور ڈالوں گا تو وہ میرے بارے میں خبر دیں گے۔ جیسے میں ان کے بارے میں خبر دیتا ہوں دوسرا یہ کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے

ان کے مقابلے میں ہوں تو میں ان چیزوں کو کم سمجھوں گا۔ تیسرا یہ کہ میں ان کی طرف خاص توجہ کرتا ہوں تو بتاؤ جس کی طرف میں یوں متوجہ ہوں تو میں اسے کیا کچھ عطا کروں گا۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب بندہ رات کو کھڑا ہو کر تہجد پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہوتا ہے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قرب کی وجہ سے دل میں جو نرمی، حلاوت اور انوار پاتے ہیں وہ اس کا سبب اسی بات کو جانتے ہیں۔

اس کا راز اور تحقیق یہی ہے عنقریب محبت کے بیان میں اس کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

روایات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منقول ہے وہ فرماتا ہے اے میرے بندے! میں ہی وہ اللہ ہوں جو تیرے دل کے قریب ہوا اور تو نے میرا نور غیب میں دیکھا۔ بعض مریدین نے اپنے شیخ سے رات بھر جاگنے کی شکایت کی اور نیند کے حصول کی کوئی ترکیب پوچھی تو شیخ نے فرمایا اے بیٹے! رات اور دن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بخشش کے جھونکے آتے ہیں جو بیدار دلوں تک پہنچتے ہیں اور سوئے ہوئے دلوں سے گذر جاتے ہیں لہذا ان جھونکوں کو حاصل کرو اس نے کہا اے میرے سردار! آپ نے تو مجھے یوں چھوڑ دیا کہ نہ میں رات کو سو سکتا ہوں اور نہ دن کو۔ جان لو کہ خوشبو اور بخشش کے جھونکوں کی امید رات کو زیادہ ہوتی ہے کیوں کہ قیام لیل کی وجہ سے دل کی صفائی حاصل ہوتی ہے اور مشاغل دور ہو جاتے ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

اِنَّ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ (۱)	رات میں ایک ایسی ساعت ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے موافق ہو جائے اور وہ اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کے امور میں سے (کسی کا) سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے (۲) اور یہ پوری رات میں ہوتا ہے اور قیام کرنے والوں کا مطلوب یہی ہے اور یہ پوری رات میں مخفی ہے جس طرح رمضان المبارک میں لیلۃ القدر پوشیدہ ہے اور جیسے جمعہ کے دن ایک ساعت پوشیدہ ہے اور یہ ان مذکورہ جھونکوں کی ساعت ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۴۸ مرویات جابر رضی اللہ عنہ
(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۵۸ کتاب صلوٰۃ المسافرین

رات کے اجزاء کی تقسیم | جان لو! مقدار کے اعتبار سے رات کی عبادت کے سات مراتب ہیں۔

پہلا مرتبہ:
پوری رات عبادت کرنا یہ مضبوط لوگوں کی شان ہے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے الگ تھلگ کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہمکلامی کی لذت حاصل کرتے ہیں یہ عمل ان کی غذا اور ان کے دلوں کی زندگی بن جاتا ہے لہذا وہ زیادہ دیر تک کھڑے رہنے سے تھکتے نہیں اور نیند کو دن کی طرف لوٹا دیتے ہیں جب کہ لوگ مشغول ہوتے ہیں اسلاف کی ایک جماعت کا یہی طریقہ تھا وہ عشاء کے وضو کے ساتھ صبح کی نماز پڑھتے تھے۔
حضرت ابوطالب مکی نے نقل کیا کہ چالیس تابعین سے یہ بات تواتر اور شہرت کی صورت میں منقول ہوتی ہے ان میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے چالیس سال تک یہ عمل جاری رکھا۔
انہوں نے فرمایا کہ ان میں سے سعید بن مسیب اور صفوان بن سلیم مدنی ہیں فضیل بن عیاض اور وہیب بن ورد مکی ہیں، طاؤس اور وہب بن منبہ یمنی ہیں ربیع ابن خثیم اور حکم کوفہ سے تعلق رکھتے ہیں ابوسلیمان دارانی اور علی بن بکار کا تعلق شام سے ہے، ابوعبداللہ الخواص اور ابوعاصم (دونوں کے نام میں لفظ عبداللہ ہے) حبیب ابومحمد اور ابوجابر سلمانی ایرانی ہیں مالک بن دینار، سلیمان تیمی، یزید رقاشی حبیب بن ابی ثابت، یحییٰ بکا بصری ہیں۔ اوران کے علاوہ کہمس بن منہال ہیں جو ایک مہینے میں نو سے ختم کرتے تھے اور جب تک اس کو سمجھ نہ لیتے دوبارہ پڑھتے، مدینہ طیبہ والوں سے ابوحازم اور محمد بن منکدر ہیں اور یہ ایک جماعت ہے جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

دوسرا مرتبہ:
نصف رات قیام کرنا اس عمل کو بے شمار اسلاف نے اختیار کیا اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے تہائی اور آخری چھٹے حصے میں سو جائے تاکہ اس کا قیام رات کے درمیان میں ہو اور یہ افضل ہے۔

تیسرا مرتبہ:
رات کا تہائی حصہ قیام کرنا اس میں مناسب طریقہ یہ ہے کہ رات کے پہلے نصف میں اور آخری چھٹے حصے میں سو جائے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رات کے آخری حصے میں سو جانا محبوب ہے کیوں کہ وہ صبح کی اونگھ کو دور کرتا ہے اکابر بزرگ صبح کی اونگھ کو ناپسند کرتے تھے رات کے آخری حصے میں سونے سے چہرے پر زردی کم ہوتی اور لوگوں کی انگشت نمائی کم ہوتی ہے اگر رات کا اکثر وقت قیام کرنے اور سحری کے وقت سو جائے تو اس کے چہرے کا رنگ کم زرد ہوگا اور اونگھ بھی کم آئے گی۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے آخر میں وتر پڑھ

لیتے تو اگر اپنی ازواج مطہرات سے کوئی حاجت ہوتی تو ان کے قریب جاتے ورنہ اپنے مصلی پر لیٹ جاتے حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حاضر ہو کر آپ کو نماز کی اطلاع کرتے (۱)

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے آپ کو سحری کے بعد ہمیشہ آرام فرمایا پایا (۲)

حتیٰ کہ بعض اسلاف نے فرمایا کہ صبح سے پہلے کا یہ آرام کرنا سنت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی یہی بات کہنے والوں میں سے ہیں اس وقت سونا پردہ غیب کے پیچھے سے مکاشفے اور مشاہدے کا سبب ہے اور یہ دل والوں کے لیے ہوتا ہے اور اس میں آرام ہے جو دن کے وظائف میں سے پہلے وظیفہ پر مدد دیتا ہے رات کے دوسرے نصف میں سے تہائی حصہ قیام کرنا اور آخری چھٹا حصہ سو جانا حضرت داؤد علیہ السلام کا طریقہ ہے۔

چوتھا مرتبہ:

رات کا چھٹا یا پانچواں حصہ قیام کرے اور افضل یہ ہے کہ یہ نصف اخیر میں آخری چھٹے حصے سے پہلے ہو۔

پانچواں مرتبہ:

وقت کا اندازہ نہ کیا جائے کیوں کہ یہ بات نبی کے لیے آسان ہوتی ہے کیونکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے یا اس شخص کے لیے جو چاند کی منازل کو جانتا ہو (علم ہیئت کا ماہر ہو) اور کسی کو نگرانی کے لیے مقرر کرے کہ وہ اس کا خیال رکھے اور اسے جگائے تو بادلوں کی راتوں میں یہ بات بھی مشکل ہوتی ہے تو ایسے شخص کو رات کے پہلے حصے میں قیام کرنا چاہیے یہاں تک کہ اس پر نیند غالب آجائے پھر جب بیدار ہو تو عبادت کرے پھر جب نیند کا غلبہ ہو تو دوبارہ سو جائے اس طرح اس کے لیے رات میں دو بار نیند اور دو بار قیام ہو گا۔ اور یہ رات کی مشقتوں میں سے ہے اور سب سے سخت لیکن افضل عمل ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی طریقہ تھا۔ (۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا طریقہ بھی یہی تھا، اس کے لیے جلیل القدر صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا اسلاف میں سے بعض بزرگ فرماتے تھے نیند صرف پہلی بار کی ہے اگر میں جاگ کر پھر سوتے لگوں تو اللہ تعالیٰ میری آنکھوں کو نہ سلائے مقدار کے اعتبار سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ایک انداز پر نہیں تھا بلکہ آپ بعض اوقات نصف رات قیام فرماتے کبھی دو تہائی کبھی ایک تہائی اور کبھی چھٹا حصہ (۴)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۱۹۰ کتاب الصلوٰۃ

(۲) سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۱۸۷ کتاب الصلوٰۃ

(۳) سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۲۰۷ کتاب الصلوٰۃ

(۴) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۲۶۰ کتاب صلوٰۃ المسافرین

مختلف راتوں میں مختلف طریقہ ہوتا تھا۔
اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی دلیل ہے۔ جو سورۂ مزمل میں دو جگہ ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ۔ (۱)

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی رات سے کچھ کم اس کا نصف اور تہائی حصہ قیام کرتے ہیں۔

تو دو تہائی سے کچھ کم گویا نصف اور چھٹا حصے کا نصف ہے (بارہواں حصہ ہے) اگر نصفہ وثلثہ کو کسرہ دے کر جر کے ساتھ نصفِہٖ وثلثِہٖ پڑھیں تو دو تہائی کا نصف اور اس کا تیسرا حصہ ہوگا تو یہ تیسرے اور چوتھے حصے کے قریب ہوگا۔ اور اگر نصب (زبر) کے ساتھ پڑھیں (جس طرح اوپر مذکور ہے) تو نصف رات بنے گا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مرغ کی آواز سنتے تو کھڑے ہو جاتے (۲) اور یہ چھٹا حصہ یا کچھ کم ہے متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے سفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کو دیکھا آپ نماز عشاء کے بعد کچھ دیر آرام فرما ہوتے پھر بیدار ہوتے تو آسمان کے کناروں کو دیکھتے ہوئے فرماتے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ (۳)

اے ہمارے رب! تو نے اسے باطل پیدا نہیں کیا۔

"اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" تک پڑھا۔ (سورۂ آل عمران کی آیات ۱۹۱ تا ۱۹۴ پڑھیں)
پھر بستر سے مسواک نکال کر مسواک فرماتے اور وضو کر کے نماز پڑھتے حتیٰ کہ میں کہتا آپ نے جتنی دیر آرام فرمایا ہے اسی قدر ہی پڑھی ہے پھر آپ آرام کرتے اور میں کہتا آپ نے اتنی دیر آرام فرمایا جتنی دیر نماز پڑھی۔ پھر بیدار ہونے کے بعد وہی کلمات کہتے جو پہلے کہے اور وہی پہلے والا عمل دہراتے (۴)

چھٹا مرتبہ:

یہ کم مقدار میں قیام کرنا ہے یعنی چار یا دو رکعات کی مثل قیام کرنا۔ یا وضو کرنا مشکل ہو تو قبلہ رخ ہو کر بیٹھ جائے اور ذکر و دعا میں مشغول ہو، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے رات کو قیام کرنے والوں میں لکھا جائے گا۔
ایک روایت میں ہے کہ رات کے وقت نماز پڑھو اگرچہ بکری دوہنے جتنا وقت ہو (۵)

---

(۱) قرآن مجید، سورہ مزمل آیت ۲۰
(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۵۵ کتاب صلاۃ المسافرین
(۳) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۹۱
(۴) سنن نسائی جلد اول ص ۲۴۲ باب ذکر صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(۵) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۱۲۱ ص ۷۸۷

تو یہ طریقہ، تقسیم ہے آخرت کا ارادہ کرنے والے کو چاہیے کہ جو طریقہ آسان معلوم ہو اسے اختیار کرے اگر رات کے وقت قیام مشکل ہو تو مغرب و عشاء کے درمیان عبادت اور عشاء کے بعد کے وظیفہ کو نہ چھوڑے پھر صبح سے پہلے سحری کے وقت اُٹھے اس طرح سونے کی حالت میں صبح نہیں ہوگی۔

ساتواں مرتبہ:

رات کے دونوں کناروں میں عبادت کرے اور جب مقدار کی طرف نظر ہو تو یہ مراتب، وقت کے لمبا اور مختصر ہونے کے اعتبار سے ہیں لیکن پانچویں اور ساتویں مرتبہ میں وقت کی مقدار کو نہیں دیکھا گیا کیونکہ آگے پیچھے ہونے کی وجہ سے ان میں مذکورہ ترتیب جاری نہیں ہوتی۔ کیونکہ ساتواں مرتبہ چھٹے مرتبے کی مقدار سے اور پانچواں مرتبہ مقدار میں چوتھے مرتبے سے کم نہیں۔

فضیلت والی راتیں اور دن

جان لو! کہ وہ راتیں جن کی فضیلت زیادہ ہے اور ان میں عبادت کے لیے قیام مستحب ہے سال میں پندرہ راتیں ہیں آخرت کا ارادہ کرنے والے کو ان سے غافل نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ یہ نیکیوں کے موسم اور تجارت کی منڈیاں ہیں اور جب تاجر موسم (جس کو سیزن کہتے ہیں) سے غافل ہوتا ہے تو وہ تجارت میں نفع حاصل نہیں کر سکتا اور جب مریدِ آخرت فضیلتِ اوقات سے غافل ہوتا ہے تو کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ان راتوں میں سے چھ راتیں رمضان المبارک میں ہیں پانچ راتیں آخری عشرہ کی طاق راتیں ہیں کیوں کہ ان میں لیلۃ القدر کو تلاش کیا جاتا ہے اور ایک سترہ رمضان المبارک کی رات ہے یہ وہ رات ہے جس کی صبح یوم فرقان (حق و باطل میں فرق کرنے والا دن) ہے جس دن میں دو لشکر باہم مقابل ہوئے اور اس میں واقعہ بدر ہوا ہے۔

حضرت ابن الزبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ رات لیلۃ القدر ہے۔ اور دوسری نو راتیں یہ ہیں محرم کی پہلی رات، دسویں محرم کی رات، رجب المرجب کی پہلی، پندرھویں اور ستائیسویں رات (یعنی معراج شریف کی رات) اور اس رات کے لیے نماز احادیث سے ثابت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شبِ معراج کی نماز

اس رات عمل کرنے والے کے لیے ایک سو سال کی نیکیوں کا ثواب ہے جو آدمی اس رات بارہ رکعات پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرآن پاک کی کوئی دوسری سورت پڑھے ہر دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھے اور آخر میں سلام پھیرے۔

اس کے بعد یہ کلمات سو مرتبہ پڑھے۔

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" ——— سو مرتبہ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ" پڑھے سو مرتبہ درود شریف پڑھے اور اس کے بعد اپنے دنیوی اور اُخروی امور کے لیے جو دعا چاہے مانگے صبح روزہ رکھے تو

اللہ تعالیٰ اس کی تمام دعاؤں کو قبول فرمائے گا بشرطیکہ گناہ کے کاموں کی دعا نہ ہو، (۱)

شب برأت کی نماز شعبان کی پندرھویں رات (شب برأت) کو ایک سو رکعات پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے، اسلاف کرام اس نماز کو نہیں چھوڑتے تھے

جیسا کہ ہم نے نفل نماز کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ نو ذوالحجہ کی رات اور عیدین کی دو راتیں ہیں۔

(اس طرح یہ کل پندرہ راتیں ہوگئیں)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مَنْ اَحْیَا لَیْلَتَیِ الْعِیْدَیْنِ لَمْ یَمُتْ قَلْبُهٗ یَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ۔ (۲)

جس نے دو عیدوں کی راتوں کو (عبادت کے ساتھ) زندہ رکھا اس کا دل اس دن نہیں مرے گا جب دل مریں گے۔

فضیلت والے دن انیس ہیں۔ ان میں مسلسل وظائف پڑھنا مستحب ہے نویں ذوالحجہ، دس محرم، رجب کی ستائیسویں تاریخ اس کی بہت بڑی فضیلت ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مَنْ صَامَ یَوْمَ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ مِنْ رَجَبٍ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ صِیَامَ سِتِّیْنَ شَهْرًا۔ (۳)

جو آدمی ستائیس رجب کو روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ساٹھ مہینوں کے روزوں کا ثواب لکھ دیتا ہے۔

یہی وہ دن ہے جس میں حضرت جبریل علیہ السلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت لے کر اترے (اس کے علاوہ) سترہ رمضان المبارک کا دن ہے جس میں واقعہ بدر ہوا، شعبان کی پندرہ تاریخ، جمعہ کا دن، عیدین کے (دو دن)، ایام معلومات یعنی ذوالحجہ کے دس دن اور ایام معدودات (گنے ہوئے دن) یعنی ایام تشریق (گیارہ بارہ تیرہ ذوالحجہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

اِذَا سَلِمَ یَوْمُ الْجُمُعَةِ سَلِمَتِ الْاَیَّامُ

جب جمعہ کا دن سلامت گزر جائے تو باقی دن بھی اچھے

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۲ ص ۲ (۲) ۳۱۳ حدیث ۳۵۱۰۷

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۲۸ ابواب ماجاء فی الصیام

(۳)

وَاِذَا سَلِمَ شَهْرُ رَمَضَانَ سَلِمَتِ السَّنَةُ ۔ طرح گزر جاتے ہیں اور جب رمضان المبارک اچھی طرح گزر جائے تو پورا سال صحیح سلامت گزرتا ہے۔ (۱)

بعض علماء نے فرمایا جو شخص دنیا میں پانچ دن میں آسائش اختیار کرے گا۔
وہ آخرت میں آرام و آسائش نہیں پائے گا۔
اس سے عیدین کے دو دن، جمعہ، عرفہ (آٹھ ذوالحجہ) اور عاشوراء (دس محرم) کے دن مراد ہیں۔
ہفتے میں فضیلت والے دن جمعرات اور سوموار کے دن ہیں۔ ان دنوں میں اعمال اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں
مہینوں اور دنوں کے فضائل ہم نے روزے کے بیان میں ذکر کئے ہیں۔ لہٰذا انہیں لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم)
تمام دنیا کے منتخب بندوں پر رحمت ہو۔
اللہ تعالیٰ کی حمد اور مدد سے احیاء علوم الدین کی پہلی جلد مکمل ہوئی اس کے بعد دوسری جلد ہے جو کھانے کے آداب سے شروع ہوگی۔

الحمد للہ! احیاء العلوم کی پہلی جلد کا ترجمہ آج یکم رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ رات نو بج کر چوبیس منٹ پر مکمل ہوا اللہ تعالیٰ اسے امت مسلمہ کے لیے نافع اور راقم کے لیے ذریعۂ نجات بنائے آمین بجاہ سید المرسلین۔

محمد صدیق ہزاروی سعیدی
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور

---

(۱) الدر المنثور جلد اول ص ۱۸۸ تحت آیت ان تصوموا خیر لکم۔

صلی اللہ علی حبیبہ
محمد وآلہ وبارک وسلم

مناقب رومی

نفحات الانس اردو

عوارف المعارف

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ